وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا
رسول اللہ جو کچھ تم کو دیں اُس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز آجاؤ
فضل المعبود
فی شرح
سُنن اَبی دَاوٗد شریف
جلد اوّل
درست متن مع اُردو ترجمہ و شرح
شیخ الحدیث مولانا منظور احمد دامت فیوضھم
فاضل دار العلوم دیوبند، استاد دار العلوم الشھابیہ سیالکوٹ، سابق پروفیسر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور
المصباح

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

رسول اللہ جو کچھ تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز آجاؤ

فضل المعبود

فی شرحہ

سنن ابی داؤد شریف

جلد اوّل

درست متن مع اردو ترجمہ و شرح

شیخ الحدیث مولانا منظور احمد دامت فیوضہم

فاضل دار العلوم دیوبند، استاد دار العلوم الشہابیہ سیالکوٹ، سابق پروفیسر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

تقسیم کنندہ

بک لینڈ

۱۶- اردو بازار، لاہور

سٹی پلازا، کالج روڈ، راولپنڈی

نام کتاب ——— سُنن اَبی دَاؤد شریف (المعروف فیضان محمود)
مصنف ——— ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی رحمۃ اللہ علیہ
شرح ——— مبنی بر بذل المجہود از علامہ خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ
مترجم و شارح ——— شیخ الحدیث مولانا منظور احمد دامت فیوضہم فاضل دار العلوم دیوبند
اُستاد دار العلوم الشہابیہ سیالکوٹ سابق پروفیسر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور
ناشر ——— المصباح ۱۶- اُردو بازار، لاہور

فضل المعبود

شرح اردو سنن ابی داؤد شریف

(مجلد اوّل)

فہرست مندرجات

تفریع استفتاح الصلوٰۃ وافتتاح الصلوٰۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

علامہ ابوالحسن علی ندوی ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

الحمد للہ رب العلمین، والصلوٰۃ والسلام علی اشرف المرسلین و خاتم النبیین محمد و آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعہم باحسان الی یوم الدین۔ ان سطور کا کاتب بذل المجہود فی حل ابی داؤد کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ یہ کتاب علامہ، محدث کبیر، مربی جلیل مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے۔ مجھے موصوف کے شاگرد گرامی قدر شیخ الحدیث علامہ محمد زکریا کاندھلوی کی کئی کتابوں: اوجز المسالک، مقدمہ لامع الدراری، جزء حجۃ الوداع، عمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور الابواب والتراجم للبخاری کے پیش کرنے کی سعادت بھی حاصل ہو چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ میں ان کتابوں کو پیش کر کے اپنے بارے میں کسی فریب میں مبتلا نہیں ہوا۔ ہر بار جب کسی کتاب کی پیشکش کی تو اس کے موضوع کی شان وشوکت کے سامنے ڈرتے ڈرتے اور عاجزی سے کی۔ ہر بار اس کتاب کے مقام کا پورا احساس رہا۔ اس کے مؤلف کی دینی عظمت، علمی مقام اور فن حدیث میں اختصاص پیش نظر رہا۔ مجھے اپنی کم مائیگی، بے بضاعتی اور فن حدیث کے دسترخوان کا زلہ ربا ہونے کا پورا یقین ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں نے ان کتابوں کی پیشکش کو ایک بے جا جسارت، بے ادبی اور ناروا بے تکلفی سمجھا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ بھارت میں برصغیر ہند و پاکستان میں اور عالم اسلام میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اس کے لئے زیادہ موزوں اور اس کے حق کی ادائگی پر زیادہ قادر رہیں۔

مجھے اس شرف کا بار بار حصول اللہ تعالیٰ کی مخفی حکمت کا ہی نتیجہ ہے۔ اسی ذات پاک نے اسی طرح سے میری تربیت کا انتظام فرمایا۔ یہ تربیت اللہ تعالیٰ نے عظیم مربیوں اور ماہر معلموں کے ساتھ مخصوص فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں ان حضرات کے پیش نظر دو رس نتائج اور مخفی مقاصد ہوتے ہیں۔ شاید اس کا باعث یہ بھی ہو کہ وہ اس طرح سے سوئے ہوئے شوق کو جگاتے اور کمزور ارادے کو مہمیز لگاتے ہیں اس مقدس فن کی درس و تدریس کی خاطر تھکی ہوئی ہمتوں کو ابھارتے اور اس روحانی تعلق کو از سر نو تیار کرتے ہیں جو ایک نورانی دھاگے کی مانند قلوب کو اس علم سے مربوط کرتا ہے۔ میرا یہ ربط کمزور ہو چکا تھا اور قریب تھا کہ کٹ جائے، اللہ تعالیٰ نے از سر نو اسے قائم کر دیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں کا جس قدر شکریہ ادا کروں کم ہے۔ ؎

فَلَوْ اَنَّ لِیْ فِیْ کُلِّ مَنْبَتِ شَعْرَۃٍ لِسَانًا لَمَا اسْتَوْفَیْتُ وَاجِبَ حَمْدِہٖ

مجھے شیخ الحدیث علامہ محمد زکریا کاندھلوی کی طرف سے جن کتابوں کو پیش کرنے کا حکم ملا تھا ان میں سے اولین حیثیت بذل المجہود کو حاصل ہے۔ اس کتاب کو طلبہ، علماء، مدارس علمیہ وعربیہ تک پہنچانا صرف اس لئے ضروری نہ تھا کہ وہ ان آخری صدیوں میں شرح حدیث پر ایک عظیم ترین اور اہم علمی ذخیرہ ہے، نہ اس لئے کہ یہ کتاب موصوف کے زندگی بھر کے مربی اور محسن کی تالیف ہے،

بلکہ دراصل اس لئے کہ یہ ان کے محسن استاد کے جگر کا ٹکڑا اور جان کا حصہ ہے۔ عنقریب اس کے مطالعہ سے قاری کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کتاب حضرت شیخ مرحوم کے نزدیک اپنا محبوب ترین عمل ہے۔ مولانا کاندھلوی چاہتے تھے کہ یہ ایک نئے لباس میں جلوہ گر ہو۔ نئی آن بان اور نئی شان سے دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق چھپے۔ وہ اس تمنا کو اپنی عزیز ترین تمنا جانتے تھے۔ اسی کی گفتگو کرتے اور اسی کے ذکر میں تسلی کا سامان پاتے تھے۔ وہ اس عظیم علمی ذخیرے کی نشر و اشاعت کی خاطر کئی تکالیف اور مصائب برداشت کر چکے تھے۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ اس سلسلے میں میرا بھی کچھ حصہ ہونا مقدر تھا۔

سننِ ابی داؤد

میں یہاں پر چند کلمات سنن ابی داؤد اور اس کے محل و مقام کے بارے میں کہنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس موضوع پر اصولِ حدیث کی کتابوں میں اور تاریخ تدوینِ سنت میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ پہلوں نے پچھلوں کے لئے کچھ نہیں چھوڑا۔ میں کوئی نئی بات نہیں کہہ سکتا۔ کہی ہوئی باتوں کا اعادہ اور تفاصیل کا اجمال پیش کرونگا۔ سنن ابی داؤد کی شروح اور تعلیقات پر کچھ سپردِ قلم کروں گا اور ان شروح میں بذل المجہود کے مرتبے اور درجے کے متعلق بعض ضروری اشارات کروں گا اور بتاؤں گا کہ مؤلف مرحوم نے اس کے لکھنے کی ضرورت کیوں محسوس کی۔ اس سلسلے میں یہ ذکر بھی آئے گا کہ مؤلف علام کا ربط اس کتاب سے بہت شدید تھا۔ بالفاظ دیگر وہ اس کتاب میں غرق تھے اور اپنے آپ کو اس میں فنا کر چکے تھے۔ انہوں نے اپنے مقصد میں کہاں تک کامیابی حاصل کی؟ اس کا جواب دینے کی میں سعی کروں گا۔ مرحوم نے اس کی تالیف میں جو جو کام سہے، جتنی رکاوٹیں دور کیں اور جس طرح اس کی تالیف کا کام اتمام کو پہنچا، میں اسے بیان کروں گا۔ نیز یہ کہ اس کی تالیف اور جمع و تسوید میں مولانا کاندھلوی کا کس قدر حصہ رہا ہے؟ یہ ایک طویل داستان ہے جس میں علماء و فضلاء اور طالبانِ علم کے لئے بڑی بڑی عبرتیں پوشیدہ ہیں۔

سُنن ابی داؤد حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ان کتابوں میں سے ہے جنہیں امت نے قبولیت کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لیا ہے۔ فنِ حدیث کے علماء اور ائمہ نے اس پر پوری توجہ مبذول کی ہے۔ شروع سے اب تک اس پر اعتماد کیا گیا ہے۔ سُنت کی عمارت جن تین ارکان پر، اور بعض محققین کے نزدیک جن چار ستونوں پر استوار ہے، یہ کتاب ان میں سے ایک ہے۔

مناسب تر ہوگا کہ تالیف کے لئے خود مؤلف کا نقطۂ نظر بیان کیا جائے۔ امام ابوداؤدؒ نے خود اس کتاب کے خصائص پر گفتگو کی ہے۔ تصنیف کو مصنف سے بڑھ کر کون جان سکتا ہے؟ وہ اپنے مقاصد اور تالیف کی باریکیوں پہ جو بات کہے گا کوئی دوسرا نہیں کہہ سکتا۔ امام ابوداؤدؒ نے اہل مکہ کے نام اپنی کتاب کی خصوصیات کے متعلق جو خط لکھا تھا اس میں رقمطراز ہیں: "یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ کسی لائق اعتماد سند سے تمہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جو بھی سُنت پہنچے گی وہ اس میں موجود ہے۔ ہاں! اگر حدیث سے کسی نے استدلال کیا ہو یا اجتہاد کی بنیاد حدیث کو بنا کر کوئی مسئلہ بیان کرے، تو وہ اس میں کم نظر آئے گا۔ میرے علم میں قرآن کے بعد سب سے زیادہ جس کتاب کو لازم پکڑنا چاہئیے وہ یہ ہے۔ اگر کوئی شخص اس کتاب کو لکھ لے اور اس کے بعد اور کچھ نہ لکھے تو اس کے لئے مضر نہیں ہے۔ جب کوئی شخص اس میں غور و فکر اور تدبر و تفکر کرے گا اور اسے خوب سمجھنے کی کوشش کرے گا تو وہ جان لے گا کہ اس کتاب کا درجہ کیا ہے۔"

سُنن ابی داؤد کا ایک مشہور راوی اور امام ابوداؤد کا عظیم شاگرد، ابن الاعرابی ــــ ابوسعید احمد بن محمد بن زیاد بن بشر الاعرابی کہتا ہے:

"اگر کسی شخص کے پاس صرف وہ مصحف ہو جس میں اللہ کی کتاب ہے اور پھر سُنن ابی داؤد بھی اس کے پاس ہو تو وہ ان کے سوا علم کی کسی اور چیز کا محتاج نہ ہوگا۔"

امام ابوسلیمان الخطابی صاحب معالم السُنن کا قول ہے "اللہ تم پر رحم کرے، اس بات کو جان رکھو کہ سُنن ابی داؤد ایک ایسی عظیم کتاب ہے کہ علمِ دین میں اس کی مانند کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی، اسے سب لوگوں کی قبولیت عامہ حاصل ہوئی ہے۔ یہ علماء کے

گروہوں اور فقہاء کے طبقات میں ان کے مختلف مسالک و مذاہب میں فیصلہ کن ہے۔ یہ اس گھاٹ کی مانند ہے جس پر سب آتے اور پیاس بجھاتے ہیں۔ اہل عراق، اہل مصر، افریقی ممالک کا بھروسہ اسی پر ہے۔ زمین کے مختلف اطراف کے بہت سے لوگ اس پر انحصار رکھتے ہیں۔ جہاں تک اہل خراسان کا تعلق ہے ان کی اکثریت محمد بن اسماعیل بخاری اور مسلم بن حجاج قشیری کی کتابوں سے شغف رکھتی ہے۔ اور ان کی کتابوں پر بھی اعتماد رکھتی ہے جنہوں نے نقد و نظر کے بعد ان دونوں کی شرط پر کتابیں لکھیں۔ تاہم ابوداؤد کی کتاب ترتیب میں بہتر اور فقہی اعتبار سے مفید تر ہے۔ ابوعیسیٰ ترمذی کی کتاب بھی ایک اچھی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی مغفرت فرمائے اور ان کی کوششوں میں حسن نیت پر ان کو بہتر ثواب عطا فرمائے۔ ابوداؤد کے زمانے سے پہلے حدیث کے علماء جوامع اور مسانید لکھا کرتے تھے۔ ان کی کتابوں میں سنن و احکام کے علاوہ اخبار و قصص اور آداب و مواعظ بھی ہوتے تھے لیکن ان میں سے کسی نے محض سنن و احکام کو جمع کرنے اور پورے طور پر بیان کرنے کا قصد نہیں کیا۔ ابوداؤد سب سے پہلا وہ شخص ہے جس نے احادیث کو چھانٹا، طویل احادیث کا اختصار کیا اور ان میں سے سنن و احکام کی حدیثیں الگ کیں۔ یہی سبب ہے کہ علمائے حدیث کے ہاں اس کتاب نے حیرت انگیز قبولیت حاصل کی۔ لوگ اس کے حصول کے لئے سواریاں تھکاتے اور طویل سفر اختیار کرتے رہے۔"

شارح صحیح مسلم شیخ الاسلام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی نے کہا ہے کہ "جو شخص فقہ وغیرہ کا شغل رکھتا ہو اس پر لازم ہے کہ سنن ابی داؤد کا مقام پہچانے اور اس کی پوری معرفت حاصل کرے کیونکہ اسلامی احکام کی زیادہ تر احادیث جن سے استدلال کیا جا سکتا ہے وہ اس میں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں انہیں آسانی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مصنف نے ان احادیث کو چھانٹنے، عجیب و غریب انداز میں مرتب کرنے اور ان کی تہذیب میں بہت محنت کی ہے۔"

زاد المعاد کے مصنف، علامہ حافظ شمس الدین ابن قیم الجوزیہ نے سنن ابی داؤد کے اختصار "المنذری" کی شرح میں لکھا ہے: "چونکہ ابوداؤد سلیمان بن الاشعث کی سنن اسلام میں وہ مخصوص مقام رکھتی ہے کہ اہل اسلام کے درمیان فیصلہ کن بن چکی ہے لہٰذا جن مسائل میں نزاع و اختلاف واقع ہوا ہے ان میں اس کی حیثیت قول فیصل کی ہے۔ منصف مزاج لوگ اسی سے فیصلہ طلب کرتے ہیں۔ اہل تحقیق اس کے فیصلوں پر راضی ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس نے اکثر احادیث احکام کو جمع کیا، نہایت حسین ترتیب سے مرتب کیا۔ بہت اچھی چھانٹ کر کے خوبصورت لڑی میں پرو دیا اور مجروح و ضعیف راویوں کی احادیث کو الگ نکال دیا ہے۔"

اوپر ہم نے جو اقتباسات نقل کئے ہیں وہ اس بات کے ثبوت میں کافی ہیں کہ سنن ابی داؤد کا کیا درجہ اور اہمیت ہے۔ اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ علماء نے اس کتاب کی جلالت شان کے پیش نظر اس کی خدمت کا بیڑا اٹھایا۔ فقہاء و محدثین کو اس کی احتیاج تھی لہٰذا اس کی شرح و تفسیر کی طرف متوجہ ہوئے، اس پر تعلیقات لکھیں، ہر زمانے کے کبار علماء اور ائمۂ علم حدیث اور ہر علاقے کے جلیل القدر شارحین اس کی طرف مائل ہوئے۔

شروح سنن ابی داؤد

۱۔ سنن ابی داؤد کی قدیم ترین، مشہور ترین، مادہ کے لحاظ سے نہایت گہری کثیر الفوائد اور اصول و نکات کے اعتبار سے عظیم ترین شرح ابوسلیمان احمد بن محمد بن ابراہیم الخطابیؒ (م ۳۸۸ھ) کی شرح معالم السنن ہے۔ یاد رہے کہ خطابیؒ نے تمام احادیث کی شرح نہیں لکھی بلکہ جس باب میں کئی احادیث تھیں اور ان کا مطلب و معنیٰ ایک سا تھا تو صرف ایک حدیث کی شرح لکھ دی۔ گویا اس طرح سارے باب کی شرح ہو گئی۔

بعض دفعہ ایک ہی باب میں سے کئی حدیثوں کی شرح بھی اپنی صوابدید کے مطابق کی ہے۔ مگر اس کتاب کی فضیلت اور کثیر الفوائد ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ ان فوائد سے استفادہ کرنے والوں کی راہ روشن ہوتی اور استنباط کا ملکہ اور فقہ الحدیث پیدا ہوتا ہے۔ اس کتاب کے کئی مقامات پر مقاصد شرع اور اسرار دین کی قیمتی دولت بھی موجود ہے جس کا اعتراف شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ کے مقدمہ میں کیا ہے۔

۲۔ سُنن کی ایک شرح شیخ قطب الدین ابوبکر احمد بن دعین یمنی شافعی (م ۷۵۲ھ) نے چار ضخیم جلدوں میں لکھی ہے۔

۳۔ ایک نامکمل شرح شیخ الاسلام محی الدین نوویؒ (م ۶۷۶ھ) نے بھی لکھی ہے۔ اگر یہ کتاب مکمل ہوجاتی تو شروح ابی داؤد میں اس کا مقام بہت بلند ہوتا۔ کیونکہ امام نوویؒ کو شرح و ایضاح میں اور علوم حدیث کی مہارت میں، ذہنی سلامتی کے ساتھ، ایک عظیم قدرت حاصل تھی۔

۴۔ ایک نامکمل شرح حافظ علاؤ الدین مغلطائی (م ۷۶۲ھ) نے بھی لکھی ہے جو ایک عظیم اور کثیر الفوائد کتاب ہے۔

۵۔ انتحاء السُّنن و اقتفاء السُّنن کے نام سے ایک شرح شہاب الدین ابو محمد احمد بن ابراہیم بن ہلال مقدسی (م ۷۶۵ھ) نے لکھی ہے۔

۶۔ شیخ سراج الدین عمر بن علی بن الملقن شافعی (م ۸۰۴ھ) نے بھی ایک شرح لکھی۔

۷۔ ایک شرح شیخ علامہ ولی الدین ابوزرعہ احمد بن ابی الفضل زین الدین عراقی (م ۸۲۶ھ) نے لکھی جو بقول امام سیوطیؒ ایک مبسوط شرح ہے۔ صرف ابتداء کے سجود السہو تک سات جلدوں میں لکھی ہوئی۔ اگر پوری ہوجاتی تو چالیس جلدوں میں ہوتی۔

۸۔ ایک شرح حافظ شہاب بن رسلان رملی شافعی (م ۸۴۴ھ) نے گیارہ جلدوں میں لکھی تھی۔ غایۃ المقصود میں ہے کہ شیخ علامہ حسین بن محسن انصاری نے یہ کتاب کسی عربی ملک میں دیکھی اور بیان کیا کہ وہ آٹھ بڑی جلدوں میں تھی۔

۹۔ شیخ شہاب الدین بن احمد بن الحسین رملی مقدسی شافعی (م ۸۴۴ھ) نے بھی سُنن ابی داؤد کی شرح لکھی

۱۰۔ علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی (م ۸۵۵ھ) نے بھی ایک نامکمل شرح لکھی۔

۱۱۔ مرقاۃ الصعود الی سُنن ابی داؤد کے نام سے علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) نے لکھی اور اس پر علامہ سید علی بن سلیمان دمشقی نے (جن کی وفات چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں ہوئی)، ایک حاشیہ لکھا جس کا نام درجات مرقاۃ الصعود ہے۔

۱۲۔ ایک شرح علامہ شیخ محمود محمد خطاب السبکی المصری (م ۱۳۵۲ھ) نے المنہل العذب المورود شرح سُنن الامام ابی داؤد کے نام سے دس جلدوں میں ایک ضخیم مگر نامکمل شرح لکھی ہے۔ شارح صرف باب التلبید تک پہنچ کر رہ گیا ہے۔

۱۳۔ علمائے پاک و ہند میں سے سُنن ابی داؤد کا پہلا شارح علامہ ابوالحسن سندھی (ابن الہادی المدنی (م ۱۱۳۹ھ) ہے۔ اس شرح کا نام فتح الودود علی سُنن ابی داؤد ہے۔ پاک و ہند کے علماء کا بھی اس عظیم سُنن کی شرح میں کافی حصہ رہا ہے جیسے کہ علم حدیث کی عام خدمت میں اور خاص کر صحاح ستہ کی خدمت میں ان کا مقام مسلم ہے۔

۱۴۔ غایۃ المقصود کے نام سے علامہ محدث کبیر شمس الحق ڈیانوی (م ۱۳۲۹ھ) نے ایک عظیم و ضخیم کتاب شروع کی جو ابوداؤد کے مباحث، متون اور اسانید پر حاوی ہے۔ افسوس یہ شرح بھی نامکمل رہی ورنہ ایک عظیم کام ہوتا۔

۱۵۔ عون المعبود کے نام سے اسی شارح نے چار جلدوں میں ایک مختصر شرح لکھی اور اسے اپنے بھائی شیخ محمد اشرف سے منسوب کر دیا مگر فی الحقیقت وہ مولانا شمس الحق کی ہی تالیف ہے جیسا کہ نزہۃ الخواطر میں مولانا سید عبدالحیؒ نے صراحت کی ہے۔ یہ غلط فہمی نہ ہے

کہ غایۃ المقصود اور عون المعبود دو الگ الگ شرحیں ہیں۔ دراصل مؤلف نے شروع تو غایۃ المقصود کو کیا تھا مگر جو اندازِ تالیف و شرح اس میں اختیار کیا تھا، انہیں اندازہ ہوگیا کہ انکی زندگی میں یہ کام مکمل نہیں ہوگا۔ لہٰذا تالیف کا دائرہ سمیٹ دیا اور اس کے پھیلاؤ کو روک کر مختصر بنا دیا اور اس کا نام عون المعبود رکھ کر اپنے بھائی سے منسوب کر دیا۔

۱۶- نواب وقار نواز جنگ شیخ وحید الزمان لکھنوی حیدرآبادی (۱۳۳۸ھ) نے سنن ابی داؤد کا اردو ترجمہ لکھا اور اس میں کچھ شرح د الیضاح کو بھی ملحوظ رکھا۔ اس کا نام الھدی المحمود فی ترجمہ سنن ابی داؤد ہے۔

۱۷- علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ ۱۳۵۲ھ کے ایک شاگرد شیخ ابو العتیق عبد الہادی محمد صدیق نجیب آبادی نے شاہ صاحب کے درسِ ابی داؤد کے افادات لکھے۔ ان کے ساتھ بذل المجہود للعلامہ خلیل احمد سہارنپوریؒ کے کچھ اقتباسات، کچھ درس صحیح بخاری للعلامہ شیخ الہند محمود حسنؒ کے فوائد، کچھ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے درسِ مسلم کے فوائد شامل کر دیئے اور دو جلدوں میں انوار المحمود کے نام سے مکمل کر کے شائع کرائی۔

۱۸- التعلیق المحمود کے نام سے شیخ فخر الحسن گنگوہی (۱۳۱۵ھ) نے بھی سنن ابی داؤد پر ایک مختصر شرح لکھی۔

۱۹- شیخ علامہ محدث قاضی حسین بن محسن انصاری یمانی نے سنن ابی داؤد پر بعض تعلیقات تحریر کیں جو نامکمل رہیں۔

۲۰- علامہ سید عبد الحی الحسنی مؤلف نزہۃ الخواطر نے سنن پر ایک ناتمام تعلیق سپردِ قلم کی۔

۲۱- **بذل المجہود فی حل ابی داؤد:** محدثِ کبیر علامہ شیخ خلیل احمد سہارنپوریؒ ان عظیم علماء میں سے تھے جنہوں نے سنن ابی داؤد کے ساتھ تدریس و تحقیق کا ابتداء سے ہی شغف رکھا تھا۔ وہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مہتمم اور صدر مدرس تھے۔ عادۃً اور اتفاقاً یہ کتاب پڑھانے کا کام یا تو وہ خود کرتے تھے یا الشیخ العلامہ محمد یحییٰ بن مولانا اسماعیل کاندھلوی (۱۳۳۴ھ) کے سپرد ہوتا تھا۔ شاذ و نادر ہی اس کے خلاف ہوتا تھا۔ مولانا سہارنپوریؒ کے دل میں جوانی کے ایام اور دورِ طالب علمی سے ہی یہ خیال تھا کہ اس عظیم کتاب کی شرح لکھیں۔ انہوں نے خدا کا نام لے کر یہ کام شروع کر دیا اور اس کا نام: حل العقود الملقب بالتعلیق المحمود علی سنن ابی داؤد رکھا۔ جب وہ مظاہر العلوم میں تدریس کے کام پر مامور ہوئے تو انہوں نے اس کام کے لئے کمرِ ہمت باندھ لی۔ یہ عظیم کام انہوں نے تین بار شروع کیا، تیسری بار ۱۳۱۱ھ میں۔ مگر وہ اسے جاری نہ رکھ سکے کیونکہ علمی و تدریسی اشغال اور متواتر سفر اس میں حائل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے مخفی طور پر یہ طے کر رکھا تھا کہ مولانا اس کام کو اس وقت کریں جب علم و عمل، تحقیق و مطالعہ، عقل و فکر اور درس و تدریس کی وسعت اور پختگی پیدا ہو جائے۔ اسی عرصے میں اس کتاب کی شرح میں کئی نئی کتابیں بھی نکل آئیں۔ چنانچہ جس وقت یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا تو ان کی تدریس کا حاصل اور مطالعہ کا نچوڑ ثابت ہوا۔

اس شرح کی تالیف کا پہلا سبب مولانا مرحوم کا حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شغف تھا۔ اس شغف کی گہرائی اور حدیث کی عظمت کے بھید کو کچھ وہی لوگ پا سکتے ہیں جنہیں حُبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چاشنی نصیب ہو چکی ہو اور اپنے محبوب کے ساتھ اور ہر اس قول و فعل کے ساتھ نسبت ہو جو محبوب سے سرزد ہوا ہے۔ وہی شخص اس کا اہل ہو سکتا ہے جو حدیث کے الفاظ و معانی کا شناسا ہو۔ اس کے منطوق و مفہوم کو جانتا ہو، اس کی شرح و تحقیق کی قابلیت رکھتا ہو اور اس کی تحقیق و تدقیق کر سکتا ہو۔ چونکہ حدیث کی شرح لکھنا اس اشغال کا پوری طرح کفیل اور ضامن ہے اور اس سے حدیث کی

گہرائیوں میں غوطہ زنی میسر آسکتی ہے لہٰذا حضرتِ شیخ نے اس کام کو ترجیح دی اور اس کا بیڑا اٹھالیا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر شرح مکمل ہوگئی تو فبہا ورنہ اس عزیز اور لذیذ شغل میں جتنی بھی مدت گزرے گی اس کی سعادتوں اور سرخوشی کا کیا کہنا! ؎

مُنًی اِنْ تَكُنْ حَقًّا تَكُنْ اَحْسَنَ الْمُنٰی　　وَاِلَّا فَقَدْ عِشْنَا بِهَا زَمَنًا رَغَدًا

(یہ تمنا اگر پوری ہوجائے تو کیا ہی خوب تمنا ہے　　ورنہ جتنا عرصہ اس میں گزر جائے اسکی بھرپور خوشی کا کیا ٹھکانا!)

دوسرا سبب یہ تھا کہ اس جلیل القدر کتاب کی وافی شرح کسی ایسے حنفی عالم کے قلم سے اب تک نہ نکلی تھی جو حدیث کے تبحر اور فقہ کی مہارت کا جامع ہوتا، باوجودیکہ یہ کتاب ان سب کتابوں میں سے کثیر الاستعمال ہے جن پر کسی مذہب کے اثبات یا کسی دوسرے مسلک کے رد کی بنیاد رکھی جاتی ہے، کیونکہ اس کا خصوصی موضوع اور سب سے بڑا امتیاز احادیثِ احکام ہیں۔ اور یہی وہ احادیث ہیں جنمیں زیادہ اختلاف ہوتاہے۔ اور انہی میں تحقیق کی قدرت اور قوتِ استدلال کا ظہور ہوتاہے۔ یہی وہ چیز تھی جس نے مؤلف کو اس کی شرح پر آمادہ کیا اور ان کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کئے رکھا۔

علماءِ اسلام قدیم زمانے سے کتبِ حدیث بالخصوص صحاحِ ستہ کی شرح اپنے اپنے نقطۂ نظر سے کرتے آئے ہیں ــ وہ احادیث اور اپنے فقہی مذاہب کی آراء میں مطابقت پیدا کرتے اور لائق اعتماد کتبِ حدیث سے ان کے دلائل مہیا کرتے رہے ہیں۔ جیساکہ امام ابوجعفر طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں، علامہ جمال الدین زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں، علامہ علاءالدین بن الترکمانی نے الجوہر النقی میں کیا ہے، اور حق بات یہ ہے کہ ہمارے شافعی ائمہ و علماء تالیف و تدوین کے میدان میں گوئے سبقت لے گئے ہیں۔ سو جب بھی ان میں سے کسی عالم نے صحاح میں سے کسی کتاب کی شرح لکھی، حنفی مذہب کے بڑے عالم نے اس کا پیچھا کیا اور اس کتاب کی دوسری شرح لکھ دی، اور جب شافعی یا مالکی مسلک کے کسی عالمِ کبیر نے تفسیر یا اصولِ فقہ میں کوئی کتاب تالیف کی اور لوگوں نے اسے قبولیت کی سند دی، وہ اطرافِ عالم میں پہنچی، علمی و تعلیمی حلقوں میں اس کا شغف ہوا تو ایک حنفی عالم آیا اور اسی موضوع پر ایک کتاب لکھ دی جو اس پہلی کتاب سے بعض دفعہ بڑھیا ہوتی اور بعض دفعہ اسی درجے کی ہوتی۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اس کے درجے کو نہ پاسکتی، کیونکہ ہر زمانے اور ہر جگہ میں علمی کتابوں اور انسانی کوششوں کا کچھ ایسا ہی حال رہا ہے۔ علامہ بدرالدین عینیؒ کی عمدۃ القاری کا علامہ حافظ ابن حجرؒ عسقلانی کی فتح الباری کے ساتھ یہی قصہ ہے۔ پھر یہی وہ شریف جذبہ تھا جب اس وقت بروئے کار آیا جبکہ بہت سے شافعی علماء نے قرآن کی تفاسیر لکھیں اور وہ آفاقِ عالم میں پھیل گئیں اور علماء و طلبہ نے ان کی درس و تدریس اور مطالعہ شروع کر دیا تو بعض عظیم حنفی علماء میدان میں نکلے اور انہوں نے تفاسیر لکھیں۔ مثلاً علامہ ابوالبرکات حافظ الدین نسفی ف ۷۱۰ھ نے مدارک التنزیل و حقائق التاویل لکھی، علامہ ابوالسعود محمد بن محمد بن مصطفےٰ عمادی ف ۹۸۲ھ نے ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم لکھی اور محدث کبیر، فقیہ اعظم قاضی ثناء اللہ پانی پتی م ۱۲۲۵ھ نے تفسیر مظہری تالیف کی۔

تفسیر و حدیث کے بعد تیسرا علم جس کا براہِ راست فقہی مذاہب و آراء کے ساتھ تعلق ہے اور جو استنباط کرنے والوں کو ان کے استنباط کی بنیاد مہیا کرتا ہے اور مجتہدین کے اجتہاد کی اصل کو واضح کرتا ہے وہ علم اصولِ فقہ ہے۔ یہ علم مختلف مکاتبِ فکر اور مذاہبِ فقہ کے عظیم علماء اور جلیل القدر فضلاء کی جدوجہد اور تگ و تاز کا تیسرا وسیع میدان رہا ہے۔ علمائے شافعیہ میں سے ابوالحسین بصری، امام الحرمین علامہ ابوالمعالی عبدالملک جوینی، حجۃ الاسلام محمد بن محمد غزالی، علامہ علی بن ابی المظفر آمدی، امام فخرالدین رازی جیسے لوگ تھے، علمائے مالکیہ میں سے علامہ جمال الدین ابن الحاجب،

علامہ ابو اسحٰق شاطبی جیسے ائمہ فن نے اور حنبلی حضرات میں سے امام ابو یعلی محمد بن حسین اور علامہ ابن قدامہ مقدسی نے نہایت مشہور کتابیں تالیف کیں جو مشرق و مغرب میں پھیل گئیں اور لوگ انہیں حفظ و شرح کی منازل سے گزارنے لگے۔ صدیوں تک یہی حال رہا۔ اسی فن میں علمائے حنفیہ میں سے علی بن محمد بن عبدالکریم فخر الاسلام بزدوی م۴۸۲ھ نے اپنی مشہور کتاب اصول بزدوی تصنیف کی۔ شیخ علامہ حسام الدین محمد بن محمد بن عمر حنفی م ۶۴۴ھ نے اپنی کتاب منتخب حسامی، شیخ علامہ کمال الدین بن الہمام حنفی م۸۶۱ھ نے التحریر لکھی۔ یہ کتابیں درس و تدریس، شرح و تلخیص اور مطالعہ کے ضمن میں علمائے امت میں مشہور و متداول رہیں۔ ان کے بعد شیخ علامہ محب اللہ بن عبدالشکور حنفی بہاری م۱۱۱۹ھ اٹھے اور انہوں نے اپنی مشہور کتاب مسلّم الثبوت لکھی۔ علماء اور مصنفین اس کتاب پر امڈ آئے اور اس پر شروح و تعلیقات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ایک صدی سے بھی زائد عرصے تک اس کتاب نے ذہین و فطین علماء کو اپنے آپ پر مفتون رکھا۔ علامہ سید عبدالحیٔ الحسنی نے الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند میں لکھا ہے کہ اس کتاب کی کم و بیش آٹھ مشہور شروح و تعلیقات ہیں۔ یہ ایک فطری اور معقول بات بھی اور اختلافِ مذاہب اور علمی بحث و مناظرہ کی طبیعت کا یہ تقاضا تھا۔

یہ مضبوط علمی تحریک جو عالم اسلام کے اطراف میں پھیلی اور ماضیٔ قریب تک جاری رہی اور حدیث و تفسیر اور اصول فقہ کے باب میں ایک خاص صورت میں جلوہ گر ہوئی، اس نے عالم اسلام کو عقلی و علمی نقطۂ نگاہ سے بہت فائدہ پہنچایا، کیونکہ اس نے اسلامی کتب خانوں کو چھانا اور رلویا۔ کتبِ حدیث و رجال اور ذخیرۂ جرح و تعدیل کو خوب کھنگالا، اسی طرح علمِ اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ میں بھی ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ مؤلفین اور علمائے مذاہب کے آراء اور کتاب و سنت اور حدیثِ صحیح سے استدلال اور اس پر دلیل و برہان قائم کرنے کی خاطر یہ سب کچھ ضروری تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حدیثِ نبوی اور اس کے متعلقہ علوم کی کوئی جانب مخفی نہ رہ گئی، ہر وہ موضوع جس کا سنت نبوی اور آیاتِ احکام سے کوئی تعلق تھا وہ کھل کر سامنے آگیا، اس میں بحث و تمحیص ہوئی اور چھان بین کی گئی، عقول و اذہان کو اس ضمن میں انتہائی حدود تک استعمال کیا گیا۔ اس ساری جدوجہد کا نتیجہ شریعتِ اسلامیہ کے حق میں فائدے کی صورت میں برآمد ہوا اور تحقیق و تدقیق کا یہ عظیم اسلامی مکتبہ وجود میں آیا جس کی دوسری اقوام و ملل میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

۱۳۳۵ھ میں جب علامہ شیخ خلیل احمدؒ کی عمر چونسٹھ[۶۴] سال ہوگئی اور بذل المجہود کی تالیف کا وقت موعود و مقدر آپہنچا تو مولانا مرحوم نے اپنی ساری تدریسی و تالیفی عمر کی اس قدیم خواہش کا اظہار اپنے ذہین و نجیب شاگرد مولانا محمد زکریاؒ سے کیا جو ان کے خاص ساتھی تھے اور ان کے دوست مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی کے صاحبزادے تھے۔ مولانا زکریاؒ مدرسہ مظاہر علوم سے نئے نئے فارغ ہوئے تھے اور وہیں ایک چھوٹے مدرس مقرر ہوئے تھے۔ مولانا نے اس خاص شاگرد کو بتایا کہ اس کتاب کی تالیف کی پوشیدہ آرزو ہمیشہ ان کے سینے میں رہی ہے مگر اس کے اسباب مہیا نہیں ہوسکے۔ اب ان کے قویٰ کمزور اور نگاہ ضعیف ہوگئی ہے۔ اس تمنا کے بر آنے میں سب سے زیادہ جس شخص کے تعاون پر بھروسہ ہوسکتا تھا وہ مولانا زکریاؒ کے والد مولانا محمد یحییٰؒ تھے جو بڑے ذہین و فطین اور علمِ حدیث میں اچھی مہارت رکھتے تھے، اور وہ الشیخ الامام المحدث مولانا رشید احمدؒ گنگوہی کے لائق ترین شاگرد تھے۔ اپنے استاد کے ساتھ مولانا یحییٰ رحمہ کے بہت سوال و جواب ہوتے اور علمی مباحث اور دقیق مسائل میں گفتگو رہا کرتی تھی، بالخصوص حدیث و فقہ کی تطبیق کے باب میں اور مذہب حنفی کے دلائل و براہین کے بیان میں، اور مولانا یحییٰؒ کی وفات ۱۳۳۴ھ میں واقع ہوچکی تھی مولانا سہارنپوریؒ ان کی وفات کے باعث محسوس کرتے تھے کہ ان کا دایاں بازو اور اس کام میں سب سے بڑا مددگار گم ہوگیا ہے۔ مولانا

یحییٰؒ کی وفات سے علم و تعلیم کو جو نقصان پہنچا مولانا اس پر شدید طور پر غمگین رہتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے چہل قدمی کی حالت میں مولانا زکریاؒ سے فرمایا تھا کہ اگر تم اور تمہارا دوست حسین احمد اس شرح کی تالیف میں میرا ہاتھ بٹاؤ تو شاید میری آرزو بر آسکے۔ شاگرد رشید اس بات پر بہت خوش ہوئے اور انہوں نے محسوس کیا کہ اس طرح حدیث شریف کی خدمت کی حرص پوری ہونے کی ایک دلی رغبت کامیاب ہو جائے گی۔ وہ پہلے سے یہ تہیہ کر چکے تھے کہ عمر عزیز کو اس کام میں لگائیں گے مگر ایک ابتدائی مدرس ہونے کے باعث اس کا موقع ملنے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ وہ اس تمنا کے پورا ہونے کی دعائیں بھی کر چکے تھے کہ حیات مستعار کو حدیث کی خدمت میں کھپا دیں۔ مولانا سہانپوریؒ کی بات کو انہوں نے اپنے دل کی بات جانا اور فوراً یوسف علیہ السلام کا وہ قول نقل کر دیا جو انہوں نے یعقوبؑ اور ان کی اولاد کے مصر میں داخلے کے وقت کہا تھا کہ "یہ میرے بچپن کے خواب کی تعبیر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا ہے"۔ اور کہا شاید اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمالی ہے۔ اور پھر وہ طویل قصہ گوش گزار کر دیا۔ مولانا اس پر خوش ہوئے اور شاگرد کے لئے توفیق الٰہی کی دعا کی۔ پھر اس موضوع پر مدد حاصل کرنے کے لئے مناسب کتابوں کے نام لکھوائے اور دوسرے ہی دن کام شروع کر دیا۔ یہ واقعہ یکم ربیع الاول ۱۳۳۵ھ کا ہے۔

تالیف کا طریقہ یہ تھا کہ مولانا جمع شدہ کتابوں کے اوراق سے جو مدرسہ کے کتب خانہ میں موجود تھیں، موضوعات کی تلاش کے مواقع کی نشاندہی کرتے تھے اور شاگرد اس علمی مواد کو جمع کرتا اور پہلے شارحین و مؤلفین کے لکھے ہوئے مواد کو جمع کرتا اور مولانا کے سامنے پڑھتا تھا۔ مولانا جن چیزوں کو پسند کرتے انہیں چن لیتے اور شرح کا املاء کراتے جاتے۔ یہ کام اسی نہج پر جاری رہا۔ مولانا اب ہمہ تن اسی کام میں مصروف ہو گئے۔ اس کے سوا انہیں کسی چیز میں لذت نہ ملتی، وہ اسے سب سے افضل عبادت سمجھتے تھے۔ شاگرد کو چند گھنٹوں کی تعلیمی مصروفیت کے علاوہ کتابوں کے مطالعہ، مواد کو جمع کرنے اور اسے استاد محترم کے سامنے پیش کرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہ تھا۔

نو ماہ کا عرصہ گزر گیا اور اواخر ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ میں پہلے جزء کی شرح مکمل ہو گئی۔ مولانا سہانپوری دل و جان سے صرف اسی ایک کام کی طرف متوجہ تھے۔ سوتے جاگتے اسی کا فکر تھا۔ بقول شاعر ؎

أَآخِرُ شَيْءٍ أَنْتِ فِي كُلِّ هَجْعَةٍ وَأَوَّلُ شَيْءٍ أَنْتِ عِنْدَ هُبُوبِي

(اے دوست سونے کے وقت آخری جس چیز کا مجھے خیال رہتا ہے وہ تو ہے اور بیداری کے بعد پہلی چیز جو میرے دل میں آتی ہے وہ تو ہے)

اس چیز کو کچھ وہی شخص سمجھ سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کسی بلند مطمح نظر اور رفیع مقصد کا عشق دیا ہو۔ مولانا کی رضا کا پیمانہ اور ان کے ہاں قرب کا وسیلہ یہی مقصد تھا۔ جس قدر کوئی آدمی اس مقصد میں تعاون کر سکتا اتنا ہی مولانا کی نگاہ میں باوقعت ہوتا۔ لوگ اس بات کو جانتے تھے اور اس سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ قاضی ابن شداد نے سلطان صلاح الدین الیوبیؒ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ مجھے اس ذکر کے سلسلے میں یاد آگیا، وہ لکھتے ہیں:۔

"جہاد کی محبت اور اس کا شغف سلطان کے قلب پر غالب اور باطنی حواس پر پوری طرح محیط تھا۔ وہ بات کرتا تو اسی کی کرتا، دیکھ بھال کرتا تو صرف آلات جہاد کی۔ اس کا اہتمام فقط مجاہدین کے لئے تھا۔ وہ صرف انہی سے مانوس ہوتا جو اسے جہاد کی باتیں سناتے اور اس کی ترغیب دیتے۔ جب کوئی آدمی اس کا تقرب حاصل کرنا چاہتا تو سلطان کو جہاد کی ترغیب دیتا"۔

تراجم و طبقات کی کتابیں پڑھنے والے بہت سے علماء، مؤلفین، عظماء اور مصلحین میں اپنے اپنے مشرب و ذوق

کے متعلق اسی ذوق وشوق اور استغراقِ قلبی کی مثالیں دیکھ سکتے ہیں۔ جب یہ محبت کسی انسان پر غالب آجائے اور روح کی مانند اس میں جاری وساری ہوجائے اور خون کی طرح رگ وریشے میں گردش کرنے لگے تو عجائب وغرائب پیدا کرتی ہے اور الہام وتوجیہ کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ مولانا سہارنپوری کو بھی اسی قسم کے تجربات پیش آئے۔ ایک بار انہوں نے خواب میں دیکھا کہ انہیں کوئی شخص اس شرح میں کسی غلطی پر متنبہ کررہا ہے۔ جب وہ بیدار ہوئے تو انہوں نے اپنے شاگردِ رشید مولانا زکریا کو بلاکر یہ خواب سنایا۔ مراجعت سے پتہ چلا کہ واقعی اس مقام پر ایک غلطی ہوگئی تھی چنانچہ اس کی اصلاح کردی گئی۔

شرح کا کام پورے زور وشور سے جاری تھا، حضرت شیخ دل وجان سے اس پر متوجہ تھے اور ان کا شاگردِ رشید اپنی پوری قوت اور خداداد صلاحیتوں کے ساتھ اس میں مصروف تھا کہ انہیں حج کعبۃ اللہ اور زیارت مدینہ منورہ کا سفر پیش آگیا۔ مولانا زکریا کو ایک تو اس شرح کی تکمیل کے لئے استاد کی زبردست خواہش کا علم تھا اور دوسرے وہ ان کے ضعف اور کبر سنی کو بھی دیکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بھی اس سفر میں استاد کی رفاقت کی رغبت ظاہر کی۔ مولانا سہارنپوری نے بخوشی اس درخواست کو قبول کرلیا۔ انہیں امید تھی کہ اس طرح شرح کا کام تکمیل کو پہنچ سکے گا۔ شوال ۱۳۴۴ھ میں دونوں حضرات عازمِ حجاز ہوگئے اور وہاں پر مسلسل اس کتاب کے اتمام میں مصروف رہے۔ عبادات، فرائضِ دینیہ اور طبعی حاجات کے علاوہ سارا وقت اسی کام میں صرف ہوتا تھا۔ مولانا سہارنپوری کی تین دعائیں اور عزیز تمنائیں تھیں، ایک یہ کہ حجاز کی سرزمین میں مضبوط اسلامی حکومت قائم ہو جو امن وامان کو قائم کرسکے، دوسری یہ کہ بذل المجہود مکمل ہوجائے، تیسری یہ کہ ان کی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں ہو اور جنت البقیع میں دفن ہوں۔ یہ دعائیں انہوں نے بیت اللہ کے ملتزم پر مانگی تھیں اور تینوں قبول ہوئیں۔

آخر کار ۲۱ شعبان ۱۳۴۵ھ کو ان کی خونِ جگر سے پلی ہوئی تمنا پوری ہوئی اور شرح مکمل ہوگئی۔ اس کی مدت تالیف دس سال پانچ ماہ اور دس دن تھی اور یہ پانچ بڑی جلدوں میں تمام ہوئی۔ بڑی تقطیع پر اس کے دو ہزار صفحات تھے۔ یہ دن ان کے لئے یوم عید سے کم نہ تھا، بلکہ ان کی زندگی میں اتنی فرحت وسرور کا دن نہیں آیا تھا۔ انہوں نے ۲۳ شعبان ۱۳۴۵ھ کو جو جمعہ کا دن تھا، علمائے مدینہ منورہ اور اپنے احباب واصدقاء کی دعوت کی تاکہ خداوند تعالیٰ کے شکریے کے ساتھ فرح وسرور کا اظہار کریں۔ اس دن انہوں نے اہلِ حجاز کے قاعدے کے مطابق بہت سا کھانا پکوایا اور وطن میں اپنے شاگردوں، مریدوں اور احباب کو خبر دی تاکہ وہ بھی اس خوشی کے موقع پر ان کے ساتھ شامل ہوسکیں۔

اس شرح کے حقوقِ طباعت مولانا مرحوم نے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کو دے دیئے تھے۔ اربابِ مدرسہ کے زیرِ اہتمام یہ دو بار چھپ چکی ہے اور تیسری بار ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی کے اضافوں اور فوائد کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

بذل المجہود کے خصائص اس کتاب کے علمی فضائل وخصائص کا صحیح اندازہ وہی شخص کرسکتا ہے جسے سُننِ ابی داؤد کی تدریس کا طویل عرصے تک موقع ملا ہو اور فنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ چند خصائص کو اجمالی طور پر اشارات کے انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ پہلی خصوصیت یہ ہے کہ مؤلف نے امام ابوداؤد کے اقوال، ان کے راویوں پر کلام اور بعض احادیث

کے الفاظ اور جملوں کے مطالب کی شرح و تفسیر کا پورا اہتمام کیا ہے۔

۲۔ دوسری یہ کہ سُنن ابی داؤد کے بہت سے نسخے ہیں جو اقصائے عالم میں منتشر ہیں، مؤلف علام نے ان کی تصحیح و تطبیق یا ترجیح کا فریضہ بطریقِ احسن انجام دیا ہے، مثلاً باب افتتاح الصلوٰۃ میں ابو حُمید رضؓ الساعدی کی حدیث میں اس کی ایک مثال موجود ہے۔

۳۔ تیسری یہ کہ انہوں نے سُنن ابی داؤد کی تعلیقات (معلق روایات) کی تخریج کا اور دوسری کتابوں سے ان کی جستجو کا بہت اہتمام کیا ہے۔ پوری کوشش کے باوجود اگر وہ کامیاب نہیں ہوئے تو بلا تردد اس کا اظہار کر دیا ہے۔

۴۔ روایات کو ابواب کے تراجم (عنوانات) سے تطبیق دی ہے۔ اس معاملے میں ان کے فہم کی گہرائی اور طویل غور و فکر ظاہر ہوتا ہے۔ اگر کہیں ابواب میں تکرار نظر آیا تو اسے رفع کیا ہے اور اس تکرار کی حکمت بتائی ہے۔ اس کی ایک واضح مثال کتاب الخراج والفیئ والامارۃ میں باب صفایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من الاموال اور باب فی الفئی میں موجود ہے۔

۵۔ جہاں پر شارحینِ سُنن کا اختلاف پایا مولاناؒ نے اسے خدا داد شرح صدر سے قولِ فیصل کے طور پر حل کیا ہے اور ایسے مواقع پر ان کا کلام حرفِ آخر ہے جو سینے کو ٹھنڈا کرتا اور رگرہ کھولتا ہے۔

۶۔ برصغیر میں شرحِ حدیث میں یا مذہبِ حنفی کے اثبات میں تالیف کی جانے والی کُتب میں بالعموم عقلی استدلال اور کلامی اسلوبِ بیان و ادا غالب تھا، بالخصوص اس آخری دور میں۔ یہ کتابیں گو اپنے اندر بہت سے علمی نکات اور کلامی لطائف رکھتی تھیں اور ان کی قدر و قیمت سے انکار کرنا بے انصافی ہوگا۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کتابوں کا اسلوب محدثین اور قدیم شارحینِ حدیث جیسا نہ تھا۔ یہی باعث تھا کہ ان میں راویوں پر جرح و تعدیل کی بحث، روایات کے اتفاق و اختلاف کی بحث، عللِ حدیث کی بحث، طبقاتِ رواۃ کی بحث کی تشنگی پائی جاتی تھی۔ ان میں سے دو کتابیں مستثنیٰ ہیں جو حنفی مسلک کے علماء نے لکھیں۔ ایک تو المحلّی شرح مؤطا ہے جو شیخ سلام اللہ ابن شیخ الاسلام دہلوی رامپوری (م ۱۲۲۹ھ یا ۱۲۳۳ھ) کی تالیف ہے۔ اور دوسری کتاب التعلیق الحسن علی آثار السنن ہے جو علامہ شیخ ظہیر حسن نیموی بہاری (م ۱۳۲۹ھ) کی تالیف ہے۔ افسوس کہ یہ دوسری کتاب نامکمل ہے یعنی ابواب الطہارۃ کی ابتداء سے ابواب الصلوٰۃ کے آخر تک۔ اگر یہ مکمل ہو جاتی تو ایک عظیم الشان کام ہوتا۔ جہانتک بذل المجہود کا تعلق ہے یہ محدثین کے طرز پر اور شرّاحِ حدیث کے نہج پر ہے، جن کی کتابیں قبولِ عام کی سند حاصل کر چکی ہیں اور ہر دور کے طلبۂ علم نے ان سے استفادہ کیا ہے۔ اس شرح میں اصولِ حدیث اور اسماء الرجال پر نہایت قیمتی ابحاث ہیں۔ مؤلف نے دلیل کا جواب دلیل سے دیا ہے اور اکثر اوقات میں ان کا کلام حدیث اور اس کے متعلقات تک محدود رہا ہے۔

مؤلف نے اس شرح میں اپنے استاد المحدث الامام مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تحقیقات سے استفادہ کیا ہے جو ان کے درسوں میں آتی رہی ہیں اور ان کے شاگرد رشید، نابغۂ روزگار، نادرۂ زمان مولانا محمد یحییٰؒ کاندھلوی نے انہیں ضبطِ تحریر میں لا کر محفوظ کیا ہے۔ حضرت گنگوہیؒ کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ حتی الامکان راوی کی طرف خطا کو منسوب کرنے سے گریز کرتے تھے۔ جہاں پر دوسرے شارحین راوی کو خطا کا مرتکب قرار دیئے بغیر چارۂ کار نہ پاتے تھے حضرت مرحوم اس کی کوئی ایسی تاویل

فرماتے تھے جسے فہم قبول کرے اور عاقل منصف اسے تسلیم کرے۔ اس کی مثال وہ روایات ہیں جو وضع الخاتم میں وارد ہوئی ہیں۔ سب محدثین کے بقول ان میں امام زہریؒ کو وہم ہوا ہے لیکن بذل المجہود کے مؤلف نے اس کی بہت اچھی تاویل کردی ہے جو حضرت گنگوہیؒ کے افادات و اقتباسات میں سے ہے۔ اس کے لئے کتاب الطہارۃ کے باب الخاتم یکون فیہ ذکر اللہ تعالیٰ کی مراجعت کرنی چاہیئے۔

۷۔ یہ شرح بہت سے لطیف استنباطات پر مشتمل ہے جو کتاب کے اندر بکھرے پڑے ہیں اور پڑھنے والا دوران مطالعہ میں ان سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔

۸۔ مؤلف کی سلامتِ فکر اور کتبِ حدیث پر ان کی وسیع نظر کئی لطیف مباحث میں نظر آتی ہے ان میں سے قسامہ کا مسئلہ بھی ہے، اس پر ان کی گفتگو سے روایات کا اختلاف دور ہو جاتا ہے۔

۹۔ فتن و ملاحم کی احادیث ہمیشہ سے بہت مشکل اور بعض پیچیدہ بھی سمجھی گئی ہیں۔ ان احادیث کی شرح اس کتاب کے محاسن اور اہم مقامات میں سے ہے، مصنف نے ان پر بہت جدوجہد صرف کی ہے اور ان سب کو سمیٹنے کی سعی کی ہے۔ ان احادیث میں جن فتنوں کی طرف اشارات آئے ہیں ان کی تعیین میں مؤلف نے بڑی محنت کی ہے اور راجح باتوں کی ترجیح کا اہتمام کیا ہے، بعض کی چھان بین اور تعیین اپنے اجتہاد سے کی ہے جس کی مثال قتادہ کے کلام کی شرح ہے جہاں سنن ابی داؤد میں وارد ہے کہ قتادہ فلاں حدیث کو حضرت ابوبکرؓ صدیق کے دور میں واقع ہونے والے فتنۂ ارتداد پر چسپاں کیا کرتا تھا۔

۱۰۔ ایک حدیث کی شرح میں مؤلف نے شریف حسین بن علی کے فتنے کی طرف اشارہ کیا ہے اسے دیکھنے کے لئے کتاب الفتن و الملاحم میں عبد اللہ بن عمرؓ کی حدیث دیکھنی چاہیئے جس کے الفاظ یہ ہیں "پھر لوگ ایک آدمی پر صلح کرلیں گے جو ایسا ہوگا جیسے پسلی پر سُرین۔ مولانا اسے تفصیل و وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔ اس قسم کے مقامات میں مؤلف کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں اپنی تحقیق پر وثوق و اعتماد تھا جو ان کے غور و فکر اور بحث و تامل کا نتیجہ ہے۔ چونکہ خود شارح میں تردد اور شک نہیں، لہٰذا وہ اپنے قاری کو بھی اسی جزم و یقین سے بھر دیتے ہیں۔

۱۱۔ بعض دفعہ حدیث میں وارد ہونے والے کسی لفظ کی صحت میں مؤلف کو شک و تردد ہوتا ہے، وہ اس کی تحقیق میں انتہائی کوشش کرتے ہیں۔ اس کی مثال کتاب الجہاد کی وہ حدیث ہے جو باب عبید المشرکین یلحقون بالمسلمین فیسلمون میں آئی ہے۔ اس حدیث میں جو علی بن ابی طالب سے آئی ہے یہ الفاظ بھی ہیں کہ "صلح حدیبیہ کے دن صلح سے قبل دو غلام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف آگئے۔ مؤلف نے اس بارے میں ایک طویل کلام کیا ہے کہ آیا یہ واقعہ صلح حدیبیہ کا ہے یا نہیں، اور ثابت کیا ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ طائف میں پیش آیا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ واقعہ جو ابوداؤد، ترمذی اور مستدرک کی حدیثوں کے مطابق حدیبیہ میں پیش آیا تھا، ظاہر یہ ہے کہ تین وجوہ کے باعث اس واقعہ کا حدیبیہ میں پیش آنا غلط ہے پھر ان وجوہ کی تفصیل بیان کی ہے اور کہا ہے کہ حدیبیہ کا لفظ حضرت علیؓ کی طرف سے نہیں بلکہ کسی نیچے کے راوی کا اضافہ ہے اور اس کا ثبوت خود ابوداؤد کی روایت میں موجود ہے۔ اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ یہ واقعہ حدیبیہ کا ہے تو حدیث میں بعض کفار کے لفظ سے مراد وہ قریش ہیں جو وہاں پر موجود تھے نہ کہ صحابۂ کرام۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قولِ شارح

سنن ابی داؤد جیسی عظیم اور منفرد کتابِ حدیث کی شرح لکھنا مجھ جیسے کم سواد اور قلیل المطالعہ شخص کو زیب نہیں دیتا۔ ناشرانِ قرآن لمیٹڈ لاہور کی یہ آرزو تھی کہ چونکہ اس کتاب کی کوئی مناسب اردو شرح موجود نہ تھی، خاص طور پر ایسی اردو شرح جس میں فقہِ حنفی کی نمائندگی کی گئی ہو (بلکہ عربی زبان میں بھی بذل المجہود سے بڑھ کر اس مقصد کے لئے کوئی مفید کتاب موجود نہیں) لہٰذا کسی عالمِ دین سے ایسی شرح لکھوائی جائے جو مختصر اور جامع ہو اور بذل المجہود کے مطالب کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہو۔ مجھ میں علم و فضل کا مدعی تو نہیں، لیکن حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت جامع المنقول و المعقول مولانا محمد ابراہیم بلیاوی اور حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی جیسے علماء و صلحاء کی جوتیاں سیدھی کرنے کا شرف ضرور حاصل کر چکا ہوں اور یہی میرا دنیوی افتخار اور اخروی سرمایہ ہے۔ مستند دینی کتب کی وسیع پیمانے پر اشاعت کرنے والے اس قابلِ قدر ادارے کی تحریک پر میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اس خدمت پر آمادہ ہوگیا اور فوراً کام شروع کر دیا۔ السعی منی والاتمام من اللہ تعالیٰ

اکثر و بیشتر میرا انحصار بذل المجہود کے اس ایڈیشن پر رہا ہے جو شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کے حواشی کے ساتھ شائع ہوا ہے لیکن کہیں کہیں سنن ابی داؤد میں اپنے شیخ مولانا السید بدر عالم میرٹھیؒ کی تقریری یادداشت (تحریری و زبانی)، حضرت عثمانیؒ کے افادات، فتح الملہم اور حضرت بلیاویؒ کی تقریر سے بھی استفادہ کیا ہے (جو کچھ بفضلہ تعالیٰ میرے ذہن میں اور کچھ تحریری یادداشت کی صورت میں میرا سرمایۂ حیات ہے)

میں نے حتی الوسع اس شرح کو مختصر و جامع و مانع رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حقیر خدمت کو قبول فرمائے اور اس کا افادہ عام ہو۔ آمین۔

بذل المجہود کے مصنف علامہ خلیل احمد سہارنپوریؒ کے مقدمۂ کتاب اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تقدیم کا اردو ترجمہ اس شرح کی افادیت میں اضافے کے لئے بطور تمہید شامل کر لیا گیا ہے۔

(پروفیسر) میاں منظور احمد
(رزقہ اللہ الرزق والولد)

لہ۔ یہ الفاظ یہاں بطورِ ترکیب اضافی استعمال ہوئے ہیں نہ کہ بطورِ اصطلاحِ منطق بصورت ترکیب توصیفی ۱۲

مولانا خلیل احمد انبیٹھوی سہارنپوری کا مختصر تعارف

(از علامہ سید عبدالحی الحسنی م ۱۳۴۱ھ ۔ مؤلف نزہۃ الخواطر)

شیخ علامہ فقیہ خلیل احمد بن مجید علی بن احمد علی بن قطب علی بن غلام محمد انصاری حنفی انبیٹھوی علمائے صالحین اور عظیم وکبیر فقہاء ومحدثین میں سے تھے۔ آپ کی ولادت قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور (بھارت) میں اپنے ننھیال میں اواخر صفر ۱۲۶۹ھ میں ہوئی اور پرورش اپنی ددھیال انبیٹھہ میں ہوئی۔ آپ نے علوم وفنون کا حصول اپنے ماموں مولانا یعقوب بن مملوک علی نانوتوی شیخ محمد مظہر نانوتوی اور دوسرے علماء وفضلاء سے دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور میں کیا۔ علوم ادبیہ کی تحصیل آپ نے مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے لاہور (پاکستان) میں کی۔ مولانا فیض الحسن ان دنوں یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور میں بطور مدرس علوم عربیہ متعین تھے۔

۱۲۸۸ھ میں آپ علوم وفنون کی تحصیل سے فارغ ہوئے اور مظاہر العلوم میں معین المدرسین مقرر ہوئے۔ کچھ عرصہ آپ کا قیام ہند کے شہروں بھوپال، سکندرآباد اور بریلی میں اور پاکستان کے مشہور شہر بہاولپور میں (بطور شیخ الجامعۃ العباسیہ) بحیثیت مدرس رہا۔ آخر ۱۳۰۸ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس منتخب کیا گیا اور چھ سال آپ کا وہیں قیام رہا۔ پھر ۱۳۱۴ھ میں بحیثیت صدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور میں منتقل ہوگئے اور تیس برس سے زائد عرصے تک اسی کام میں منہمک رہے۔ ۱۳۲۵ھ میں آپ نے اسی درسگاہ کے مہتمم کا مقام سنبھالا اور اپنی پوری ہمت اس کی ترقی وتوسیع میں صرف کردی۔ آپ کی نظارت میں یہ مدرسہ قبولیت عامہ اور ملک اور بیرون ملک میں شہرت کے مقام پر پہنچ گیا۔ دینی علوم کی ترقی اور علمی درجے کے اعتبار سے مظاہر العلوم اس وقت دارالعلوم دیوبند کا ہمسر بن گیا۔ ملک اور بیرون ملک کے طلبہ کے لئے یہ درسگاہ ملجاء وماویٰ بن گئی۔ ۱۳۴۴ھ میں آپ نے اس مدرسہ کی ذمہ داریوں کو خیرباد کہہ کر حجاز مقدس کا رُخ کیا اور پھر واپس تشریف نہ لائے۔

تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد آپ الشیخ الامام علامہ رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت اور اختصاص کا تعلق قائم کرچکے تھے۔ ۱۲۹۷ھ میں حج وزیارت کے شرف سے مشرف ہوئے اور مکہ مکرمہ میں الشیخ الاجل الحاج امداد اللہ مہاجرؒ سے ملے۔ انہوں نے مولانا کا اکرام واحترام کیا اور خصوصی عنایات مبذول فرمائیں اور طرق تصوف میں انہیں بیعت کرنے کی اجازت دی۔ جب وہ وطن واپس ہوئے تو الشیخ الامام رشید احمدؒ گنگوہی نے بھی اجازت مرحمت فرمائی۔ مولانا خلیل احمدؒ کو اپنے شیخ کے ساتھ خصوصی تعلق پیدا ہوگیا اور انہوں نے اس اختصاص سے بہت نفع حاصل کیا حتیٰ کہ وہ ان کے خاص ساتھی اور سب سے بڑے خلیفہ قرار پائے۔ انہوں نے اپنے شیخ کے علوم وبرکات کو حاصل کرنے اور ان کے طریق اور دعوت کو پھیلانے میں سب سے بڑھ کر کام کیا۔

مولانا خلیل احمدؒ نے علم حدیث کو خوب سمجھ سوچ کر حاصل کیا تھا اور وقت کے بڑے بڑے صاحب سند مشائخ سے انہیں اجازت حاصل ہوئی تھی، مثلاً شیخ محمد مظہرؒ نانوتوی، شیخ عبدالقیومؒ بڈھانوی، شیخ احمدؒ دحلان مفتی شافعیہ، شیخ عبدالغنی بن ابی سعید مجددی مہاجر مکی سید احمد برزنجی۔

مولاناؒ نے تحقیق وتدریس اور تالیف ومطالعہ کے لحاظ سے علم حدیث کی طرف بہت توجہ رکھی۔ ان کی عظیم ترین آرزو

یہ تھی کہ سُنن ابی داؤد کی شرح لکھیں، چنانچہ انہوں نے اس شرح پر ۱۳۳۵ھ میں کام شروع کیا۔ اس کام میں ان کے دستِ راست ان کے لائق اور فرماں بردار شاگرد مولانا زکریا کاندہلوی ابن مولانا الشیخ محمد یحییٰ کاندھلوی رہے۔ مولانا نے اپنی پوری ہمت اور ساری قوتوں کو اس کام میں کھپا دیا۔ وہ ہمہ وقت اس کا مواد جمع کرتے، اس کی تہذیب و ترتیب اور املاء میں مصروف رہتے تھے حتیٰ کہ ۱۳۴۴ھ میں انہوں نے حجاز شریف کا آخری سفر اختیار کیا اور وسطِ محرم ۱۳۴۵ھ میں مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ یہاں پر وہ ہمہ تن اسی شرح کے کام میں مصروف ہوگئے اور شعبان ۱۳۴۵ھ میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ یہ کتاب پانچ بڑی جلدوں میں مکمل ہوئی، مولانا نے اس میں اپنی جان کا خلاصہ، اپنے علم و فضل کا نچوڑ اور درس و مطالعہ کا حاصل انڈیل دیا۔ انہوں نے اپنی قوتیں مطالعہ و تالیف، عبادت و تلاوت اور مجاہدہ و مراقبہ میں غرق کردیں۔ آخر ان پر شدید ضعف طاری ہوا، غذا کم ہوگئی اور گوشہ نشینی میں انہماک بڑھ گیا۔ خلوت انہیں محبوب ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شوق غالب آگیا۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت تلاوت قرآن کریم میں گزارنے لگے اور بڑی تکلیف کے ساتھ مسجد نبوی میں نمازوں کیلئے حاضری دیتے۔ اس وقت انہوں نے اپنے شاگردوں کو الوداع کہہ دی اور خاص احباب کو برصغیر واپس بھیج دیا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمسائیگی میں مہمانِ مدینہ اور خانہ نشین ہوگئے۔ ہر وقت ذکر و فکر اور عبادت و ریاضت میں مصروف رہنے لگے حتیٰ کہ وہیں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

مولانا خلیل احمدؒ کو فقہ و حدیث میں قوی مہارت حاصل تھی، وہ جدل و مناظرہ میں بھی یدِطولیٰ رکھتے تھے۔ علومِ دین اور معرفت و یقین میں انہیں رسوخِ تام کا مقام مل چکا تھا۔ وہ طالبین الٰہی کی ہدایت اور مسترشدین کے ارشاد و دلالت میں بھی بہت تجربہ اور مشق رکھتے تھے۔ وہ معالمِ رُشد و ہدایت کے شناسا اور غوامضِ طریق و غوائل نفوس کے رمز آشنا تھے۔ ان کی نسبت قوی تھی، قدسی افاضات اور جذبۂ الٰہیہ سے سرفراز تھے جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے خلق کو بہت فائدہ پہنچایا۔ علماء و مشائخ اور اہلِ تربیت و ارشاد کی ایک جماعت ان کی تربیت و رہنمائی سے تیار ہوئی مثلاً مولانا محمد یحییٰؒ کاندھلوی اور ان کے بھائی مولانا محمد الیاسؒ کاندھلوی جن کی تبلیغی دعوت دنیا بھر میں پھیل چکی ہے، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کاندھلوی جو فنِ حدیث میں کئی مشہور تصانیف کے مصنّف ہیں۔

مولانا خلیل احمد مرحوم بہت خوبرو، میانہ قد کے مگر بظاہر طویل، سفید رنگ کے جس میں سُرخی کی جھلک تھی۔ لاغر اندام، نرم و نازک جسم والے، روشن پیشانی والے، ہمیشہ مسکراتے رہتے، رخساروں پر بال بہت ہلکے تھے، نظافت و طہارت کو بہت پسند کرتے تھے۔ لباس بہت خوبصورت ہوتا، کپڑے صاف ستھرے رکھتے مگر سادگی پسند کرتے، اسراف و تکلف سے گریزاں رہتے تھے۔ شعور و ادراک بہت گہرا تھا۔ ذکی الحس تھے۔ حق بات منہ پر اور فوراً کہہ دیتے تھے۔ بات صاف صاف کرتے مگر نرم نرم۔ اتباعِ سُنّت میں شدید تھے۔ ہر چیز میں ترتیب اور نظام کو پسند کرتے تھے۔ وقت کی پابندی اور وضع داری کا خیال رکھتے تھے۔ اپنے آپ میں مصروف رہتے اور وہ کام کرتے جو دین میں نفع مند ہوتا۔ ملکی سیاست سے کنارہ کش رہے مگر مسلمانوں کے معاملات سے بے تعلق نہ تھے بلکہ ان کا اہتمام فرماتے۔ دینی حمیت و غیرت بہت تھی۔ سات مرتبہ حج کیا جن میں آخری حج ۱۳۴۴ھ میں ہوا۔

بذل المجہود کے علاوہ ان کی اور بھی تصانیف ہیں۔ آپ کی وفات بعد العصر بدھ کے دن ۱۶ ربیع الآخر ۱۳۴۶ھ کو مدینہ منورہ میں واقع ہوئی۔ جنازے کے ساتھ ایک بڑا ہجوم تھا اور آپ کے حق میں کئی اچھے خواب دیکھے گئے۔ جنۃ البقیع میں مدفنِ اہلِ بیت کے قریب دفن ہوئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمۂ بذل المجہود

(از حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ)

الحمد للہ المتأزر بازار العظمة والعلاء المرتدی برداء المجد والعزة والکبریاء۔ اللّٰھم لا نحصی علیك الثناء، انت کما اثنیت علی نفسك بلا امتراء، فانت اللّٰھم من درك العقول والظنون والاوھام وراء الوراء ثم وراء الوراء ثم وراء الوراء، سبحانك ما اعظم شانك واحکم برھانك۔ مننت علینا بارسال الرسل وکرمتنا بانزال الکتب من السماء وھدیتنا الملة الحنیفیة السمحة السھلة البیضاء التی لیلھا ونھارھا سواء، وعلمتنا العلوم النبویة والحکم المصطفویة ما لم نعلم فعلونا بہ مدارج السماء۔ اللّٰھم فصل وسلم وزد ودم وتفضل و بارك وانعم علی سیدنا سید الرسل وخیر خلقك، وعبدك محمد داعی الخلق والھادی الی الحق، الماحی سبل الضلال والفسق، تنور العالم بنور ھدایتہ وضیائہ وتزینت السماوات و الارض بزینتہ وبھائہ وعلی اٰلہ واصحابہ نصحائہ وامنائہ۔

امّا بعد۔ بندہ فقیر حقیر، سب کوتاہیوں اور تقصیرات کا جامع، خلیل احمد بن شاہ مجید علی بن شاہ احمد علی بن شاہ قطب علی، اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں اور اس کے مشائخ اور آباء و اجداد کی غلطیوں سے درگذر فرمائے، عرض پرداز ہے کہ میں نے سُنن ابی داؤد بروایتِ لؤلؤی اپنے شیخ اور بزرگ محمد مظہر شاہؒ نانوتوی سے پڑھی۔ بعض حصے میں نے پڑھ کر سنائے اور بعض انھوں نے پڑھے جبکہ وہ لکھنؤ میں مقیم تھے۔ پھر اس کی تمام مرویات کی اجازت میرے استاد مولانا عبد القیومؒ بن مولانا عبد الحیؒ بڈھانوی ثم بھوپالی نے مجھ کو عنایت فرمائی، یہ بزرگ شاہ محمد اسحاقؒ دہلوی مہاجر مکی کے داماد تھے۔ پھر خط وکتابت کے ذریعے سے مجھے اس کی اجازت شیخ العلماء سید احمدؒ دحلان (مکہ مکرمہ) سے حاصل ہوئی۔ پھر میں نے صحاحِ ستہ کے اوائل اپنے استاد مولانا الشیخ عبد الغنیؒ مجددی دہلوی مہاجر مدنی کے سامنے پڑھے اور انہوں نے ۱۲۹۴ھ میں مجھے اجازت عامہ لکھ کر عطا فرمائی۔ پھر خط وکتابت کے بعد بالمشافہہ مجھے مولانا سید احمدؒ برزنجی نے اس وقت اجازت دی جبکہ میں دوسری بار مدینہ منورہ میں ۱۳۲۴ھ میں حاضر ہوا۔

میرے دل میں بارہا یہ خیال آتا تھا کہ سُنن ابی داؤد کی کوئی ایسی شرح ہونی چاہئیے جو اس کے مغلقات کو کھولے، اس کی معضلات کا حل کرے، اس کے دشوار مقامات کو آسان کرے اور اس کی مشکلات کو سہل بنائے، مگر اپنے آپ کو اس سے بہت حقیر پاتا تھا کہ اس بھاری بوجھ کو اٹھاؤں اور اس تنگ گھاٹی میں داخل ہوں، یہاں تک کہ شیخ ابو الطیب شمس الحق کی تالیف کی ہوئی شرح غایة المقصود کا ایک جزء دیکھا تو محسوس کیا کہ یہ کتاب سنن ابی داؤد کے مخفی خزانوں کو کھولنے کی کفیل اور اس کے تمام دبے ہوئے دفینوں پر محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو جزائے خیر دے کہ اس نے اس باب میں خوب خوب محنت صرف کی ہے، مگر بعض مقامات میں اس میں تیزی آگئی ہے اور وہ ابو حنیفة النعمان علیہ سجال الرحمة والغفران پر حملہ آور ہوا ہے۔ اس کتاب کا صرف ایک جزء

شائع ہؤا اور باقی اجزاء گویا صحراؤں میں بہہ گئے یا ہواؤں میں اُڑ گئے۔

پھر میں نے غایۃ المقصود کا اختصار عون المعبود کی صورت میں دیکھا (جو الشیخ محمد اشرف کی تالیف ہے) لیکن دل پر وہ اثر نہ پڑا جو اس کے پہلے جزء کا پڑا تھا۔ یہ کتاب اس پہلی کے درجے کی نہیں ہے۔ یہ شرح اس کی مستحق نہیں کہ اسے یہ نام دیا جائے علاوہ ازیں مؤلف نے غایۃ المقصود کا حدّت میں اتباع کیا ہے اور اس کی شرح کا اختصار لکھا ہے اور اس میں کئی خلل واقع ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب سے درگزر فرمائے۔ جب میری جوانی جاتی رہی اور بڑھاپے نے آپکڑا اور حالت وہ ہو گئی جو کسی شاعر نے کہی ہے کہ جب میں نے اپنی کنپٹیوں کے بال سفید دیکھے تو دل بھر آیا۔

مجھے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں حدیث کی تدریس پر مامور کیا گیا تھا۔ میں نے اپنے آپ پر غور کیا تو نظر آیا کہ میرے اعمال میں سے کوئی ایسا نہیں جو نجات کا وسیلہ بن سکے یا گناہوں اور خطاؤں کو دور کرنے کا ذریعہ بن سکے۔ پس میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ سنن ابی داؤد پر ایک مختصر جامع شرح لکھوں جو اس کے خزانوں کے قفل کھولے اور اس کے رموز کی مشکلات کو آسان کرے۔ باوجودیکہ میں اس کا اہل نہ تھا مگر میں نے اس میں اللہ تعالیٰ کی پاک ذات کی مدد اور لطف وعنایت پر اعتماد کیا، اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ میرا حشر حدیث کے خادموں اور اس علم والوں میں کرے۔ پس درس وتدریس سے جو فارغ وقت ملتا میں نے اس میں یہ کام شروع کر دیا۔

اس میں میرے بعض احباب نے بالخصوص میرے عزیز، میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کے سرور الحاج حافظ مولوی محمد زکریا ابن حافظ حاجی مولوی یحییٰ کاندھلوی نے میری مدد کی۔ ہاتھ میں رعشہ پیدا ہو جانے کے باعث میں تو نہ لکھ سکتا تھا اور نہ تلاش وجستجو کے قابل تھا علاوہ ازیں میری نظر اور دماغ میں بھی ضعف پیدا ہو گیا تھا۔ پس میں لکھواتا اور مولانا زکریا لکھتے اور مشکل مباحث کو ان کے مناسب مقامات سے تلاش کرتے تھے۔ اس طرح میرے لئے املاء آسان ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور کرے، انہیں بہتر جزا دے، ان کی جدوجہد کو قبول فرمائے۔ انہیں باطنی اور ظاہری مفید علوم سے نوازے، دنیا اور آخرت میں، اور زندگی مقبول نیک اعمال سے آراستہ فرمائے۔

اس شرح کی املاء کے وقت میرے پاس مختلف علوم کی کتابیں تھیں۔ فن حدیث اور اس کی شروح، صحاح ستہ، ہر دو مؤطا (یعنی امام مالکؒ اور امام محمد بن الحسنؒ کے)، سنن دارمی، دارقطنی، مصنف ابن ابی شیبہ، سنن کبریٰ بیہقی، مسند امام احمدؒ، شرح معانی الآثار طحاویؒ، مشکوٰۃ المصابیح، مرقات علی القاری، مسند ابی داؤد الطیالسی، منتقی الاخبار مع شرح نیل الاوطار شوکانی، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد حافظ ابن القیم، فتح الباری، قسطلانی، شرح مسلم نووی، المراسیل ابی داؤد سجستانی، عمل الیوم واللیلۃ ابن السنی، حاشیہ سندھی علی النسائی، سنن ابن ماجہ، المصفّٰی شرح مؤطا، مسند امام اعظم ابوحنیفہؒ، مسند امام شافعیؒ، مجمع الزوائد ہیثمی، کتاب الآثار محمد بن حسن شیبانی، جزء القراءۃ بخاری، جزء القراءۃ بیہقی، الادب المفرد بخاری، جزء رفع الیدین بخاری، المستدرک للحاکم، تلخیص المستدرک ذہبی (یہ دونوں کتابیں شرح کی جلد اول کے پورا ہو جانے کے بعد ملیں) سبل السلام للامیر الیمانی، عمدۃ القاری عینی شرح بخاری، الدرجات لمرقاۃ الصعود والمدمنتی (اس شرح میں مطلق شرح سے مراد یہی کتاب ہے) انجاح الحاجۃ علی ابن ماجہ شاہ عبدالغنی مجددی، آثار السنن اور اس کی تعلیق ہر دو از مولانا نیموی، تنسیق النظام علی مسند الامام شیخ محمد حسن سنبھلی، الجوہر النقی لابن الترکمانی، الزرقانی علی المؤطا، التعلیق الممجد مولانا عبدالحیؒ، التلخیص الحبیر علی الرافعی الکبیر ابن حجر عسقلانی، الدرایہ حافظ ابن حجر، حضرت گنگوہی کی تقریر سنن براز مولانا محمد یحییٰ، شرح الخطابی علی ابی داؤد، تخریج الزیلعی، حاشیہ الحصن مولانا عبدالحیؒ، الاکمال والمکمل علی صحیح مسلم، کتب الموضوعات مثلاً اللآلی المصنوعہ اور اس کی ذیل اور تعقبات وغیرہ

تفاسیر | تفسیر ابن جریر، الدر المنثور سیوطی، تفسیر بیضاوی، حاشیہ بیضاوی للخفاجی، ایضاً شیخ زادہ، ایضاً قنوی، ایضاً عبدالحکیم

تفسیر الجلالین بعض شروح سمیت۔ تفسیر کبیر رازی۔

اسماء الرجال امام ابن حجر عسقلانی کی کتب مثلاً تقریب، تہذیب التہذیب، تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الاربعہ، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، لسان المیزان، طبقات المدلسین، خزرجی کا خلاصۃ تہذیب الکمال، میزان الاعتدال ذہبی، تذکرۃ الحفاظ ذہبی، التجرید ذہبی، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ابن الاثیر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب حافظ ابن عبد البر، المؤتلف والمختلف ازدی، الطبقات الکبیر ابن سعد، الجمع بین رجال الصحیحین مقدسی، التاریخ الصغیر بخاری، الضعفاء الصغیر بخاری، الاکمال تبریزی، الانساب سمعانی، رجال جامع الاصول ابن الاثیر، کتاب الکنٰی دولابی، المغنی للدین قدامہ، الجواہر المضیئہ فی طبقات الحنفیہ، طبقات الشافعیہ الکبرٰی ابونصر عبد الوہاب بن تقی الدین سبکی، لباب الانساب ایک حصہ، اسعاف المبطا برجال المؤطا سیوطی، الفوائد البہیہ فی طبقات الحنفیہ مولانا عبد الحی، کتاب المنفردات والوحدان امام مسلم، کتاب الضعفاء والمتروکین للنسائی۔

اصول الحدیث شرح نخبۃ الفکر حافظ ابن حجر، شرح الشرح شیخ وجیہ الدین، تدریب الراوی سیوطی، الفیۃ الحدیث عراقی، شرح الفیہ، فتح المغیث، بستان المحدثین۔

فقہ حنفیہ بدائع الصنائع، مبسوط سرخسی، الہدایہ مع الکفایہ والبنایہ، فتح القدیر، الکبیری، البحر الرائق، الدر المختار مع حاشیہ طحطاوی وشامی، مراقی الفلاح مع حاشیہ طحطاوی، الزیلعی علی الکنز، سعایہ مولانا عبد الحی۔

فقہ شافعیہ کتاب الام امام شافعی، حاشیۃ الاقناع علی شرح الخطیب لسنن ابی الشجاع، تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج ابن حجر مکی، روضۃ المحتاجین شیخ رضوان العدل، کتاب الانوار اردبیلی، کتاب التوشیح محمد نووی، المیزان الکبرٰی للشعرانی۔

فقہ مالکیہ المدونہ امام مالک، کتاب المقدمات ابن رشد، مختصر الخلیل، الثلاثہ فی المذہب المالکی، اعلام الموقعین ابن قیم الجوزیہ۔

فقہ الحنابلہ کشف الغمۃ عن جمیع الائمہ،

اصول فقہ نور الانوار، التوضیح والتلویح، الحسامی مع حواشی، التحریر لابن الہمام، المستصفٰی امام غزالی۔

غریب الحدیث واللغۃ مجمع البحار شیخ محمد طاہر، لسان العرب جمال الدین افریقی، القاموس المحیط مجد الدین فیروزآبادی، النہایہ ابن الاثیر، مصباح المنیر للمقریٔ، المخصص لابن سیدہ۔

سیرت وسوانح سیرت ابن ہشام، تاریخ طبری، تاریخ الخلفاء سیوطی، معجم البلدان یاقوت حموی، تاریخ الخمیس حسین ابن محمد دیار بکری، وفیات الاعیان ابن خلکان۔

دیگر علوم شرح جامی، شافیہ ابن الحاجب وشرحہ للرضی، شرح ابن القاصح فی التجوید۔

سنن ابی داؤد کے مختلف نسخے میرے ہاتھ میں سنن کے کئی نسخے تھے۔ (ا) ایک پرانا تصحیح شدہ نسخہ جس کا مقابلہ بعض اور نسخوں سے کیا گیا تھا اور جسے بعض اساتذہ سے پڑھا گیا تھا۔ یہ نسخہ مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی مہاجر مکی کے سامنے بھی پڑھا گیا تھا۔ یہ نسخہ مولانا خلیل الرحمٰن ابن مولانا الشیخ الحاج الحافظ احمد علی محدث سہارنپوری کی ملک میں تھا۔ (ب) صاحب عون المعبود کا نسخہ جو اس کتاب کے صفحات کی پیشانیوں پر لکھا ہوا تھا۔ (ج) مولانا شیخ الہند محمود حسن صدر مدرس دار العلوم دیوبند کا تصحیح کردہ نسخہ۔ ہمارا نیادہ تر

اعتماد نسخوں کے اختلاف کے وقت اسی پر تھا۔ یہ نسخہ ۱۳۱۸ھ میں مطبع مجتبائی دہلی میں چھپا تھا۔ (د) اوائل ذی الحجہ ۱۳۱۸ھ میں مصر کے مطبع خیریہ کا مطبوعہ نسخہ۔ یہ مؤطا کی شرح زرقانی کے حاشیوں پر لکھوایا گیا تھا۔ (ھ) نسخہ محشی مولانا فخر الحسن گنگوہی جس کا کچھ حصہ اصح المطابع میں اور کچھ مطبع نامی میں چھپا تھا اور کانپوری نسخے سے یہی مراد ہے۔ (و) ۱۳۰۸ھ میں مطبع اصح المطابع کا مطبوعہ نسخہ، یہ ہمیں جزء ثانی کی شرح کے آخر میں ملا تھا اور نسخہ لکھنویہ سے ہماری مراد یہ نسخہ ہے۔

حوالہ کی معتمد علیہ کتابیں

شرح حدیث میں ہمارا غالب اعتماد علامہ علی القاری کی مرقاۃ پر، حافظ ابن حجر کی فتح الباری پر، علامہ بدر الدین عینی کی شرح بخاری پر، فقہی مسائل میں بدائع الصنائع پر، رجال کے احوال میں تقریب، تہذیب، اصابہ، انساب سمعانی پر اور حل لغات میں مجمع، قاموس اور لسان العرب پر رہا ہے۔
اور میں نے غایۃ المقصود اور عون المعبود کا کلام نہیں لیا۔ انہوں نے متقدمین میں سے اگر کسی سے کچھ نقل کیا تو اصل کی مراجعت کے بعد ہی اسے لیا ہے۔

شرح کی بعض خاص باتیں

اس شرح میں ایسے امور کا اہتمام کیا گیا ہے جو کسی اور شرح میں بمشکل ہی ملیں گے۔ ایک یہ کہ حدیث کی توضیح وغیرہ کے متعلق ہر چیز اکابر قدماء سے منقول ہے، اسی لئے اکثر مواضع میں میں نے کلام کو اس کے قائل کی طرف منسوب کیا ہے۔ جہاں تک امام ابوداؤد کے اقوال کے حل کا تعلق ہے، وہ زیادہ تر میں نے خود ہی کیا ہے کیونکہ متقدمین کی کتابوں میں ان مشکل اقوال کا کوئی حل نظر نہیں آتا۔ جہاں تک رواۃ حدیث کا تعلق ہے، جب کوئی راوی پہلی مرتبہ کسی سند میں آیا ہے تو میں نے اس کے احوال کا شرح میں ذکر کیا ہے۔ بعد میں جب کہیں اس کا نام آئے گا تو اس کے احوال بیان نہیں ہوں گے۔ احادیث کی شرح کے متعلق جہاں تک فقہی مذاہب کا تعلق ہے، کوئی حدیث اگر حنفی فقہاء کے مسلک کے موافق ہے تو میں نے اس کا اظہار کر دیا ہے، بصورت دیگر ان کے دلائل کا ذکر کر کے حدیث زیر شرح کے متعلق ان کے جوابات نقل کئے ہیں۔ عنوانات ابواب کے ساتھ ان کے تحت واقع ہونیوالی احادیث کی مناسبت میں موقع بہ موقع بیان کرتا رہا ہوں جہاں پر یہ مناسبت مخفی نظر آئے اس کی وضاحت کر دی ہے شارحین سنن ابی داؤد سے جن مقامات پر شرح میں تسامح ہوا ہے وہ میں نے بیان کیا ہے تاکہ قارئین ان پر اعتماد کر کے غلطی میں نہ پڑ جائیں اس کے باوجود انسان سہو و خطا کا پتلا ہے اور میں اپنے آپ کو غلطی سے مبرا نہیں ٹھہراتا، نہ مجھے اپنے متعلق کوئی فخر و عجب ہے اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ فرمائے۔ بعض ضروری اہم مطالب کو کسی مصلحت سے اگر کہیں دوبارہ بیان کرنا پڑا ہے تو میں نے ایسا کرنے سے گریز نہیں کیا۔ مصنف نے سنن میں بعض روایات کو مختصراً بیان کیا ہے اور دوسرے محدثین نے انہیں سنداً و متناً مفصل بیان کیا ہے، میں نے ایسی روایات کو حوالہ سمیت مناسب جگہوں پر مفصل بیان کر دیا ہے۔ ائمہ مجتہدین بالخصوص ائمہ اربعہ کے مذاہب و دلائل میں نے جہاں جہاں ضرورت ہوئی بیان کئے ہیں۔ زیادہ تر ان کی نقل میں شوکانی پر اعتماد کیا ہے۔
بعض روایات کو ابوداؤد نے مرسل یا معلق بیان کیا ہے، میں نے انہیں موصول کر دیا ہے۔ وَهُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

سنن ابی داؤد کی روایات

معلوم رہنا چاہیے کہ سنن ابی داؤد کی متعدد روایات ہیں جن میں مشہور تین ہیں:۔ (۱) ابن داسہ ابوبکر محمد بن عبد الرزاق کی روایت۔ یہ روایت افریقی ممالک میں مشہور ہے۔ (۲) ابن الاعرابی ابوسعید احمد بن محمد ابن زیاد کی روایت۔ یہ تینوں روایات میں سے ناقص تر ہے، حتّٰی کہ کہا گیا ہے کہ اس میں کتاب الفتن والملاحم والحروف

وغیرہ نہیں ہیں۔ (۳) محمد بن احمد بن عمرو لؤلؤی کی روایت۔ یہ راوی ابوداؤد کے روایت کرنے والوں میں سے مؤخر تر ہے اسی لئے اس روایت کو صحیح ترین کہا جاتا ہے۔ مشرقی ممالک اور برصغیر پاک و ہند میں یہی روایت متداول ہے۔

امام ابوداؤد کا تعارف

یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ سنن ابی داؤد کے مصنف کا جو ابوداؤد کے مختصر نام سے مشہور ہیں، تعارف یہ ہے:۔

ابوداؤد کنیت، سلیمان نام، ابن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو بن عمران ازدی سجستانی (الخلاصۃ و وفیات الاعیان) حدیث کے معتبر اور معتمد علیہ امام تھے اور سید الحفاظ کہلاتے تھے۔ وہ تقویٰ و طہارت، علم و فضل اور عبادت میں بہت اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ پیدائش ۲۰۲ھ۔ وفات ۱۶ شوال بروز جمعہ ۲۷۵ھ۔ اللہ ان سے راضی ہو اور انہیں راضی کرے۔

ابراہیم کا قول ہے کہ جس طرح لوہا داؤد علیہ السلام کے لئے نرم کر دیا گیا تھا اسی طرح علم حدیث کو ابوداؤد کے سامنے نرم کیا گیا کہا گیا ہے کہ کتاب کی تالیف کے بعد جب ابوداؤد نے اسے لوگوں کے سامنے پڑھا تو ان کی کتاب مصحف کے مانند ٹھہرائی گئی کہ لوگ اسے پڑھتے اور اس کی اتباع کرتے تھے، اہل دنیا نے ان کی جلالت قدر اور عظمت کا اعتراف کر لیا۔ ابن مندہ کا قول ہے کہ جن لوگوں نے ثابت حدیث کو معلول سے اور خطا کو صواب سے ممتاز کیا وہ چار شخص تھے۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی۔

ابوعبداللہ حاکم کا قول ہے کہ ابوداؤد اپنے دور میں بلا اختلاف محدثین کے امام تھے۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ ہمیں بعض ائمہ سے یہ خبر ملی ہے کہ ابوداؤد چال ڈھال، طور طریقے اور اخلاق و عادات میں امام احمد حنبلؒ کے مشابہ تھے۔ امام احمدؒ ان چیزوں میں وکیعؒ سے، وکیعؒ سفیانؒ سے، سفیانؒ منصورؒ سے، منصورؒ ابراہیمؒ سے، ابراہیمؒ علقمہؒ سے اور علقمہؒ عبداللہ بن مسعودؓ سے مشابہت رکھتے تھے۔ علقمہؒ نے کہا کہ ابن مسعودؓ اپنے اخلاق و عادات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔

امام ابوداؤد کے فقہی مسلک میں اختلاف ہے، کسی نے انہیں حنبلی اور کسی نے شافعی کہا ہے۔ اسی طرح وہ جس سجستان کی طرف منسوب ہیں اس کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ ایک مشہور سلطنت اور علاقہ ہے، بعض نے کہا کہ بصرہ کے مضافات میں سے ایک قصبے کا نام ہے۔ مولانا شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ کمال درجے کی تاریخ دانی کے باوجود ابن خلکان کو اس نسبت کے بارے میں غلطی لگی ہے کہ اس نے کہا ہے کہ یہ نسبت سجستان کی طرف ہے یا سجستانہ کی طرف ہے جو بصرہ کے قریب ایک بستی ہے شیخ تاج الدین سبکی نے ابن خلکان کی یہ عبارت نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ وہم ہے صحیح یہ ہے کہ یہ نسبت اس مشہور علاقے کی طرف ہے جو برصغیر پاک و ہند سے متصل ہے، یعنی یہ نسبت سیستان کی طرف ہے جو سندھ اور ہرات کے درمیان ایک ملک کا نام ہے اور وہ قندھار اور چشت کے متصل ہے (احقر عرض کرتا ہے کہ بقول مولانا عبدالقدوس ہاشمی ــــ جو موجودہ زمانے میں ہمارے ملک میں تاریخ پر ایک سند مانے جاتے ہیں، یہ علاقہ اب پاکستانی بلوچستان میں شامل ہے۔ گویا اس لحاظ سے صحاح ستہ کے مصنفین میں سے یہ جلیل القدر امام پاکستانی تھا)

نوعیت سنن ابی داؤد

اس کتاب کی نوعیت کا جہاں تک سوال ہے، وہ اس اعتبار سے سنن کہلاتی ہے۔ کتب حدیث کی کئی اقسام ہیں۔ پہلی قسم جوامع کہلاتی ہے۔ یہ وہ کتابیں ہیں جن میں ہر قسم کی احادیث پائی جاتی ہیں، یعنی جن کا تعلق عقائد، احکام، رقاق، آداب، تفسیر، تاریخ، مناقب اور فتن وغیرہا سے ہوتا ہے، اور علمائے حدیث نے ان فنون میں سے ہر ایک کے باب میں مستقل اور مفرد تصانیف لکھی ہیں۔ دوسری قسم سنن کہلاتی ہے جیسے سنن ابی داؤد، ان میں احکام کی احادیث درج کی جاتی ہیں جو کتاب الطہارۃ سے لے کر

کتاب الوصایا تک ہوتی ہیں سُنن کی کتابیں بے شمار ہیں۔ تیسری قسم مسانید کہلاتی ہے، ان میں احادیث کو صحابہؓ کی ترتیب پر بیان کیا جاتا ہے (ہر ایک صحابی کی مرویات الگ الگ ایک ترتیب سے درج کی جاتی ہیں جیسے مسند احمد بن حنبلؒ)۔ چوتھی قسم معاجم کہلاتی ہے۔ یہ وہ کتب ہیں جن میں احادیث کو مشائخ واساتذہ کی ترتیب پر بیان کیا جاتا ہے۔ پانچویں قسم اجزاء کہلاتی ہے۔ یہ وہ کتب ہیں جن میں سے ہر ایک میں صرف ایک شخص کی روایات کو جمع کیا جاتا ہے وہ صحابہؓ میں سے ہوں مثلاً جزء حدیث ابی بکر صدیقؓ، اور خواہ وہ مؤلف کے مشائخ میں سے کوئی بزرگ ہوں۔ اسی طرح کسی جزئی مسئلے پر روایاتِ حدیث کو جمع کیا جاتا ہے مثلاً جزء القراءة، جزء رفع الیدین وغیرہما۔ چھٹی قسم اربعینیات کہلاتی ہے، یعنی وہ کتابیں جن میں سے کسی میں صرف چالیس احادیث جمع کی جائیں جیسے اربعینِ نووی وغیرہ۔ ساتویں قسم علل کہلاتی ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ ہر حدیث یا ہر باب کی احادیث کے طرق اور سندیں جمع کی جائیں اور ان کے راویوں کے اختلاف بیان کئے جائیں، کیونکہ علل کا علم علومِ حدیث میں سے جلیل ترین علم ہے۔ آٹھویں قسم اطراف کہلاتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ حدیث کا صرف ایک ٹکڑا بیان کیا جائے جو باقی حدیث پر دلالت کرتا ہو، اور پھر اس کی تمام سندوں کو تفصیلی طور پر یا مخصوص کتابوں کے ساتھ مقید کر کے جمع کیا جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام ابوداؤد کا خط اہل مکہ کے نام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى نِعَمِهِ الْجَمَّةِ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ شَهَادَةً تُزِيْحُ كُلَّ كَرْبٍ وَغُمَّةٍ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ الَّذِىْ اَنَارَ بِشَرِيْعَتِهِ الْبَيْضَاءِ حَلَكَ اللَّيَالِى الْمُدْلَهِمَّةِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهِ الْمَخْصُوْصِيْنَ بِعُلُوِّ الْهِمَّةِ **مُقَدَّمَة** قَالَ اَبُوْدَاؤدَ فِىْ رِسَالَتِهٖ اِلٰى اَهْلِ مَكَّةَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ فَاِنِّىْ اَحْمَدُ اِلَيْكُمُ اللّٰهَ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَسْاَلُهٗ اَنْ يُّصَلِّىَ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِهٖ وَرَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّمَا ذُكِرَ **اَمَّا بَعْدُ** عَافَانَا اللّٰهُ وَاِيَّاكُمْ عَافِيَةً لَّا مَكْرُوْهَ مَعَهَا وَلَا عِقَابَ بَعْدَهَا فَاِنَّكُمْ سَاَلْتُمُوْنِىْ اَنْ اَذْكُرَ لَكُمُ الْاَحَادِيْثَ الَّتِىْ فِىْ كِتَابِ السُّنَنِ اَهِىَ اَصَحُّ مَا عَرَفْتُ فِى الْبَابِ وَقَفْتُ عَلٰى جَمِيْعِ ذِكْرِكُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّهٗ كَذٰلِكَ كُلُّهٗ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ قَدْ رُوِىَ مِنْ وَّجْهَيْنِ اَحَدُهُمَا اَقْوٰى اِسْنَادًا وَّالْاٰخَرُ صَاحِبُهٗ اَقْدَمُ فِى الْحِفْظِ فَرُبَّمَا كَتَبْتُ ذٰلِكَ وَاِذَا اَعَدْتُ الْحَدِيْثَ فِى الْبَابِ مِنْ وَّجْهَيْنِ اَوْ ثَلٰثَةٍ مَّعَ زِيَادَةِ كَلَامٍ فِيْهِ رُبَّمَا فِيْهِ كَلِمَةٌ زَائِدَةٌ عَلَى الْحَدِيْثِ الطَّوِيْلِ لِاَنِّىْ لَوْ كَتَبْتُهٗ بِطُوْلِهٖ لَمْ يَعْلَمْ بَعْضُ مَنْ سَمِعَهٗ وَلَا يُفْهَمُ مَوْضِعُ الْفِقْهِ مِنْهُ فَاخْتَصَرْتُهٗ لِذٰلِكَ اَمَّا الْمَرَاسِيْلُ فَقَدْ كَانَ يَحْتَجُّ بِهَا الْعُلَمَاءُ فِيْمَا مَضٰى مِثْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِىِّ وَمَالِكٍ وَّالْاَوْزَاعِىِّ حَتّٰى جَاءَ الشَّافِعِىُّ رحمه الله فَتَكَلَّمَ فِيْهِ وَتَابَعَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَّغَيْرُهٗ فَاِذَا لَمْ يَكُنْ مُّسْنَدٌ

غير المراسيل ولم يوجد المسند فالمرسل يحتج به وليس هو مثل المتصل في القوة وليس في كتاب السنن الذي صنفته عن رجل متروك الحديث شيء وإذا كان فيه حديث منكر بيّنته انه منكر وليس على نحوه في الباب غيره وما كان في كتابي من حديث فيه وهن شديد فقد بيّنته ومنه ما لا يصح سنده وما لم اذكر فيه شيئاً فهو صالح وبعضها اصح من بعض وهو كتاب لا يرد عليك سنة عن النبي صلى الله عليه وسلم الا وهو فيه الا ان يكون كلام استخرج من الحديث ولا يكاد يكون هذا ولا اعلم شيئاً بعد القرآن الزم للناس ان يتعلموا من هذا الكتاب ولا يضر رجلاً ان لا يكتب من العلم بعد ما يكتب هذا الكتاب شيئاً وإذا نظر فيه وتدبره وتفهمه ح يعلم مقداره وأما هذه المسائل مسائل الثوري ومالك والشافعي فهذه الاحاديث اصولها ويعجبني ان يكتب الرجل مع هذه الكتب من رأى اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ويكتب ايضاً مثل جامع سفيان الثوري فانه احسن ما وضع الناس من الجوامع والاحاديث التي وضعتها في كتاب السنن اكثرها مشاهير وهو عند كل من كتب شيئاً من الحديث الا ان تمييزها لا يقدر عليه كل الناس والفخر بها انها مشاهير فانه لا يحتج بحديث غريب ولو كان من رواية مالك ويحيى بن سعيد والثقات من ائمة العلم ولو احتج رجل بحديث غريب وحديث من يطعن فيه لا يحتج بالحديث الذي قد احتج به إذا كان الحديث غريباً شاذاً فاما الحديث المشهور المتصل الصحيح فليس يقدر ان يردّه عليك احد قال ابراهيم النخعي كانوا يكرهون الغريب الحديث وقال يزيد بن ابي حبيب

إذا سمعت الحديث فانشده كما تنشد الضالة فإن عرف وإلا فدعه وإنّ
من الأحاديث في كتاب السنن ما ليس بمتصل وهو مرسل ومتواتر إذا لم
توجد الصحاح عند عامة أهل الحديث على معنى أنه متصل وهو مثل الحسن
عن جابر والحسن عن أبي هريرة والحكم عن مقسم عن ابن عباس وليس بمتصل
وسماع الحكم عن مقسم أربعة أحاديث وأما أبو إسحق عن الحارث عن
علي فلم يسمع أبو إسحق الحارث إلا أربعة أحاديث ليس فيها مسند واحد
وما في كتاب السنن من هذا النحو فقليل ولعل ليس في كتاب السنن للحارث
الأعور إلا حديث واحد وإنما كتبته بآخرة وربما كان في الحديث ما لم
يثبت صحة الحديث منه أنه كان يخفى ذلك علي فربما تركت الحديث
إذا لم أفقه وربما كتبته إذا لم أقف عليه وربما أتوقف عن مثل هذه
لأنه ضرر على العامة أن تكشف لهم كلما كان من هذا الباب فيما مضى
من عيوب الحديث لأن علم العامة يقصر عن مثل هذا وعدد كتبي هذه
السنن ثمانية عشر جزءا مع المراسيل منها جزء واحد مراسيل.

وما يروى عن النبي صلى الله عليه وسلم من المراسيل منها ما لا يصح
وما يسند عند غيره وهو متصل صحيح ولعل عدد الأحاديث التي في كتبي
من الأحاديث قدر أربعة آلاف حديث وثماني مائة حديث ونحو ستمائة
حديث من المراسيل فمن أحب أن يميز هذه الأحاديث مع الألفاظ فربما
يجيء الحديث من طريق عند العامة من حديث الأئمة الذين هم
مشهورون غير أنه ربما طلب اللفظة التي تكون لها معان كثيرة وممن
عرفت وقد نقل من جميع هذه الكتب ممن عرفت فربما يجيء الإسناد

فَيُعْلَمُ مِنْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ اَنَّهٗ مُتَّصِلٌ وَلَا يَتَبَيَّنُهُ السَّامِعُ اِلَّا بِاَنْ يَّعْلَمَ الْاَحَادِيْثَ فَيَكُوْنَ لَهٗ فِيْهِ مَعْرِفَةٌ فَيَقِفُ عَلَيْهِ مِثْلُ مَا يُرْوٰى عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ اُخْبِرْتُ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَيَرْوِيْهِ الْبُرْسَانِيُّ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ فَالَّذِيْ يَسْمَعُ يَظُنُّ اَنَّهٗ مُتَّصِلٌ وَلَا يَصِحُّ بَيْنَهُمْ وَاِنَّمَا تَرَكْنَا ذٰلِكَ لِاَنَّ اَصْلَ الْحَدِيْثِ غَيْرُ مُتَّصِلٍ وَهُوَ حَدِيْثٌ مَعْلُوْلٌ وَمِثْلُ هٰذَا كَثِيْرٌ وَالَّذِيْ لَا يَعْلَمُ يَقُوْلُ قَدْ تَرَكْتُ حَدِيْثًا صَحِيْحًا مِنْ هٰذَا وَجَاءَ بِحَدِيْثٍ مَعْلُوْلٍ وَاِنَّمَا لَمْ اُصَنِّفْ فِيْ كِتَابِ السُّنَنِ اِلَّا الْاَحْكَامَ وَلَمْ اُصَنِّفْ فِي الزُّهْدِ وَفَضَائِلِ الْاَعْمَالِ وَغَيْرِهَا فَهٰذَا اَرْبَعَةُ اٰلَافٍ وَالثَّمَانِمِائَةٍ كُلُّهَا فِي الْاَحْكَامِ فَاَمَّا اَحَادِيْثُ كَثِيْرَةٌ صِحَاحٌ مِنَ الزُّهْدِ وَالْفَضَائِلِ وَغَيْرِهَا فِيْ غَيْرِ هٰذَا لَمْ اُخْرِجْهَا وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اِنْتَهَتِ الرِّسَالَةُ مُخْتَصَرًا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ - اللہ تعالیٰ کی بے حساب نعمتوں پر اُسی کی حمد و ثنا ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، ایسی گواہی جو ہر مصیبت اور گھٹن کو دور کرے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے سردار محمدؐ اس کے بندے اور اس کے پیغام بر ہیں جنہوں نے اپنی روشن شریعت کے ساتھ نہایت کالی راتوں کی ظلمتوں کو روشنی میں تبدیل کر دیا۔ اللہ آپ پر اور آپ کے آل واصحاب پر صلوٰۃ وسلام بھیجے، جو بلندئ ہمت کے ساتھ مخصوص ہیں۔

مقدمہ

ابو داؤدؒ نے اہل مکہ کے نام اپنے خط میں کہا، تم پر سلامتی ہو، میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کی حمد لکھ بھیجتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس سے دُعا کرتا ہوں کہ محمدؐ پر صلوٰۃ بھیجے جو اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں جیسا کہ اُس نے (قرآن میں) خود ذکر کیا ہے (کہ وہ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں)۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو عافیت دے جس کے بعد کوئی ناپسندیدگی اور عذاب نہ ہو۔ سو تم نے مجھ سے پوچھا ہے کہ میں تمہارے لیے کتاب السنن میں وارد احادیث کے متعلق ذکر کروں کہ آیا یہ اس باب کی صحیح ترین احادیث ہیں؟ اور تم نے جو کچھ ذکر کیا ہے میں اس سب سے آگاہ ہوگیا ہوں۔

احادیث سنن ابی داؤد کا مرتبہ

سو تم لوگ جان لو کہ یہ سب احادیث ایسی ہی ہیں۔ سوائے اُن کے جو دو طریقوں سے مروی ہیں جن میں سے ایک سند کے لحاظ سے قوی تر ہے اور دوسرا طریق وہ ہے جس کا راوی حفظ میں مقدم تر ہے۔ پس میں نے بالعموم اسے لکھا ہے۔ اور

ہو سکتا ہے کہ اس میں کوئی کلمہ حدیث طویل کی نسبت سے زائد ہو، کیونکہ اگر میں اسے اس کے طول سمیت لکھوں تو بعض سننے والے نہ جانیں گے اور نہ سمجھیں گے کہ اس میں فقہ کی جگہ کونسی ہے پس میں نے اُسے اسی سبب سے مختصر کر دیا ہے۔

مُرسل احادیث اور ان کا مقام

مراسیل کو گزشتہ زمانے میں علماء قابل حجت گردانتے تھے جیسے سفیان ثوری، مالک اور اوزاعی حتیٰ کہ شافعیؒ آئے اور انہوں نے مُرسل احادیث پر اعتراض کیا اور احمد بن حنبلؒ وغیرہ نے اس مسئلے میں اُن کی متابعت کی۔ پس جبکہ کوئی مسند حدیث نہ ہو اور مراسیل ہی ہوں اور مُسند نہ پائی جائے تو مُرسل سے استدلال کیا جائے گا مگر وہ قوت میں متصل حدیث کی مانند نہیں ہے۔

سنن ابی داؤد کی احادیث کیسی ہیں؟

اور کتاب السنن جسے میں نے تصنیف کیا ہے، اس میں کسی ایسے شخص کی روایت نہیں ہے جو متروک الحدیث ہو، اور جب اس میں کوئی منکر حدیث آئی ہے تو میں نے واضح کر دیا ہے کہ وہ منکر ہے۔ مگر کسی اور باب میں اس کا اظہار کرنا مجھ پر ضروری نہیں ہے (یعنی جب ایک باب میں منکر حدیث پر اظہار خیال کر دیا ہے تو بس وہ کافی ہے، ضروری نہیں کہ اگر وہ کسی اور جگہ آئے تو پھر اس پر اظہار خیال کروں) اور میری کتاب میں جو حدیث ایسی آگئی ہو جس میں شدید وہن (کمزوری) ہو تو میں نے اسے بھی واضح کر دیا ہے۔ اور بعض ایسی احادیث ہیں جن کی سند صحیح نہیں اور جب تک میں اس کے متعلق کچھ بیان نہ کروں تو وہ لائق احتجاج ہے۔ اور ان میں سے بعض بعض سے صحیح تر ہیں۔ اور وہ ایک ایسی کتاب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تم تک آنے والی ہر سنت اس میں موجود ہے۔ بجز یہ کہ کوئی ایسا کلام ہو جو حدیث سے نکالا گیا ہو اور اس میں تقریباً ناپید ہے۔ اور میرے علم میں قرآن کے بعد جس کتاب کا سیکھنا لوگوں پر لازم تر ہے وہ یہی کتاب ہے۔ اور کوئی آدمی جب اس کتاب کو لکھ لے تو اور کسی چیز کا نہ لکھنا اسے کوئی نقصان نہ دے گا۔ اور جب وہ اس میں غور کرے گا اور سوچے گا اور خوب سمجھ لے گا تو اس وقت وہ اس کا مقام جان لے گا۔

سنن ابی داؤد کی احادیث فقہاء کا معمول بہا ہیں

اس کتاب کی احادیث ثوری، مالک اور شافعیؒ کے اصول ہیں۔ اور مجھے یہ بات پسند ہے کہ آدمی ان کتابوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی آراء بھی لکھ لے اور مثلاً وہ جامع سفیان ثوری کو بھی لکھ لے کیونکہ وہ لوگوں کی جمع کی ہوئی کتابوں (الجوامع) میں سے احسن تر ہے۔ اور جو حدیثیں میں نے کتاب السنن میں درج کی ہیں وہ اکثر مشہور احادیث ہیں، اور وہ ہر اس شخص کے پاس موجود ہیں جس نے حدیث میں سے کچھ لکھا ہے۔ لیکن ان کی چھانٹی کرنا اکثر لوگوں کی طاقت میں نہیں ہے۔ اور یہ فخر کہ یہ احادیث مشاہیر ہیں اس لیے ہے کہ حدیث غریب سے استدلال نہیں کیا جاتا چاہے وہ مالکؒ، یحییٰ بن سعید اور دیگر ثقہ اہل علم سے مروی ہوں۔ اور اگر کوئی آدمی حدیث غریب سے حجت پکڑے اور اس شخص کی حدیث کو قابل استدلال جانے جس پر طعن کیا گیا ہو تو بھی وہ اس حدیث سے استدلال نہ کرے گا جو غریب شاذ ہو۔ لیکن

جو حدیث مشہور، متصل، صحیح ہو تو اُسے تم پر کوئی بھی رد کرنے کی جرأت نہیں رکھتا۔ ابراہیم نخعیؒ نے کہا ہے کہ بزرگانِ سلف غریب حدیث کو پسند نہ کرتے تھے۔ اور یزید بن ابی حبیب نے کہا کہ جب تو کوئی حدیث سُنے تو اُسے اس طرح بہ سرِ عام پکار جیسے گم شدہ چیز کو پکارا جاتا ہے، پس اگر وہ معروف ہو تو بہتر ورنہ اس کو چھوڑ دے۔

مُرسل احادیث پر کچھ گفتگو

اور کتاب السنن میں بعض احادیث وہ ہیں جو متصل نہیں اور وہ مُرسل ہیں۔ اور وہ عامۃ محدثین کے نزدیک اس لحاظ سے متواتر ہیں کہ جب متصل حدیث نہ پائی جائے تو انہیں مانا جائے۔ مثلاً الحسنؒ کی روایت جابرؓ سے، الحسنؒ کی روایت ابوہریرہؓ سے، الحکم کی روایت مقسم اور اس کی ابن عباسؓ سے اور یہ متصل نہیں ہیں اور الحکم نے مقسم سے صرف چار حدیثیں سُنی ہیں۔ لیکن ابو اسحاق عن الحارث عن علیؓ سو ابو اسحاق نے الحارث سے صرف چار حدیثیں سُنی تھیں جن میں سے کوئی مُسند نہیں تھی۔ اور کتاب السنن میں اس قسم کی روایات تھوڑی ہیں، بلکہ شاید کتاب السنن میں الحارث الأعور سے صرف ایک حدیث ہے اور میں نے اس کو بہت بعد میں لکھا تھا۔ اور بعض دفعہ حدیث میں ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں جن سے اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت نہیں ہوتا اور وہ مجھ پر مخفی تھا اور جب میں کسی حدیث سے واقف نہ ہوا تو بعض دفعہ اسے ترک کر دیا ہے، اور بعض دفعہ اسے لکھ بھی دیا ہے۔ اور بعض دفعہ اس قسم کی حدیثوں سے میں نے توقف کیا ہے کیونکہ یہ بات عوام کے لیے ضرر رساں ہے کہ گذشتہ زمانے میں حدیث کے جو عیوب تھے ان کو عوام پر کھولا جائے کیونکہ عوام کا علم اس قسم کی چیزوں سے قاصر ہوتا ہے۔ اور اس سُنن کی کتب کی تعداد ۱۸ اجزاء ہیں مراسیل سمیت۔ اور مراسیل ان میں سے ایک جزء ہے (پچھلے بزرگ کتاب کو اجزاء کے لحاظ سے جانچتے تھے نہ کہ تعدادِ احادیث کے لحاظ سے) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مُرسل احادیث مروی ہیں ان میں سے بعض غیر صحیح ہیں، اور بعض وہ ہیں جو دوسری سند سے مُسند ہیں اور متصل اور صحیح ہیں۔

سُنن کی احادیث کی تعداد

اور میری کتابوں (یعنی سُنن کے حصص) میں جو احادیث ہیں شاید ان کی تعداد ۴۸۰۰ کے قریب ہے اور تقریباً چھ سو احادیث مُرسل ہیں (یہ ایک اندازہ ہے ورنہ مکرر احادیث سمیت اصل تعداد ہم نے سُنن کی شرح میں اور مراسیل میں درج کر دی ہے) پس جو شخص ان احادیث کو الفاظ کے ساتھ جانچے تو اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ بعض دفعہ حدیث کسی ایک طریق سے آتی ہے (اور اس کے الفاظ کچھ اور ہوتے ہیں) اور عامۃ محدثین کے نزدیک وہ حدیث ان ائمہ کی روایت سے ہوتی ہے جو مشہور ہیں (اور وہاں اس کے لفظ مختلف ہوتے ہیں) لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ ایسا لفظ تلاش کرے جس کے بہت سے معانی ہوں (اور وہ لفظ اسے اس طریق کی روایت میں جائے جو عام مشہور طُرق کے ماسوا ہو) اور وہ لفظ کسی معروف آدمی سے مروی ہو۔ اور میں نے ان کتب میں ان سب لوگوں سے روایات نقل کی ہیں جن کو میں جانتا ہوں اور بعض دفعہ ایک سند آتی ہے اور اس شخص کی روایت کے علاوہ کسی اور کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ متصل ہے اور سُننے والے کو اس کا پتہ صرف اس وقت

چل سکتا ہے جبکہ وہ احادیث کو جانتا ہوں اور اسے ان کی معرفت حاصل ہو وہ ان سے واقف ہو۔ جیسا کہ مثلاً جو ابن جریج سے مروی ہے اُس نے کہا: مجھے زہری سے خبر دی گئی۔ اور بسا اوقات اسے ابن جریج عن الزہری کے لفظ سے روایت کرتا ہے۔ پس اس دوسری روایت کو سُننے والا گمان کرے گا کہ یہ متصل ہے لیکن یہ محدثین کے نزدیک صحیح نہیں۔ اور ہم نے اس کو اس لیے رہنے دیا کہ اصل حدیث غیر متصل ہے اور وہ ایک معلول حدیث ہے اور اس کی مثالیں بہت ہو سکتی ہیں۔ اور جسے علم نہیں وہ کہتا ہے کہ "تو نے اس سے زیادہ صحیح حدیث چھوڑ دی ہے اور ایک معلول حدیث لے لی ہے۔" اور اس کا سبب یہ ہے کہ میں نے کتاب السنن میں صرف احادیث احکام کو روایت کیا ہے اور زہد اور فضائل اعمال وغیرہ میں کتاب تصنیف نہیں کی۔ پس یہیں چار ہزار آٹھ سو احادیث سب کی سب احکام کی حدیثیں ہیں۔ لیکن بہت سی صحیح احادیث جو زہد اور فضائل وغیرہ میں ہیں وہ اس کتاب کے علاوہ دوسری کتب میں ہیں میں نے انہیں یہاں روایت نہیں کیا۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ۔ خط مختصراً ختم ہوا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

١- كِتَابُ الطَّهَارَةِ

١- بَابُ التَّخَلِّي عِنْدَ قَضَاءِ الْحَاجَةِ

قضائے حاجت کے وقت خلوت اختیار کرنا

١- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ الْقَعْنَبِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ مُحَمَّدٍ يَعْنِي ابْنَ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا ذَهَبَ الْمَذْهَبَ أَبْعَدَ۔

(ترجمۃ) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے تھے۔

(شرح) تخلی کا معنی ہے خلوت میں داخل ہونا اور لوگوں سے دور چلے جانا۔ قضائے حاجت سے مراد خاص حاجت سے فراغت ہے۔ امام ابوداؤد کی کتاب سنن کہلاتی ہے کیونکہ اس میں زندگی گزارنے کے شب و روز کے طریقے (سُنن، جمع سُنت بمعنی طریقہ اور مراد اس سے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقے ہیں) فقہی ابواب کے طرز پر بیان ہوئے ہیں۔ اسلام کی اہم ترین عبادت نماز ہے۔ طہارت نماز کی شرط ہے، لہٰذا اسی سے کتاب کی ابتداء ہوئی۔ طہارت کا معنی ہے پاکیزگی اور صفائی یہ نجاست کی ضد ہے جس کا معنی ہے پلیدی اور گندگی۔ اس حدیث میں قضائے حاجت کا یہ ادب بتایا گیا ہے کہ اس حالت میں حتی الوسع لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو جانا اور ایسے مقام پر چلے جانا چاہئیے جہاں زیادہ سے زیادہ پردہ اور خلوت ملحوظ رہ سکے۔

٢- حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ حَدَّثَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيْلُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ الْبَرَازَ انْطَلَقَ حَتّٰى لَا يَرَاهُ أَحَدٌ۔

(ترجمہ) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب رفع حاجت کا ارادہ فرماتے تو اتنی دور تشریف لے جاتے کہ کوئی آپ کو نہ دیکھ سکے۔

(شرح) براز کا معنی ہے کھلا میدان، اور مراد اس سے قضائے حاجت ہے کیونکہ اس کے لئے دور دراز جگہوں اور صحراؤں کو پسند کیا جاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس حدیث میں حضرت جابرؓ کا بیان اور گذشتہ حدیث میں حضرت مغیرہؓ کا بیان حالتِ سفر کے متعلق ہے، یا اس زمانے کا ذکر ہے جبکہ گھروں میں رفعِ حاجت کا انتظام

نہ تھا۔ آگے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث آرہی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ جب آبادیوں میں بھی یہ انتظام ہو گیا تو حضورؐ گھر پہ ہی رفع حاجت کیا کرتے تھے۔

۲۔ بَابُ الرَّجُلِ يَتَبَوَّأُ لِبَوْلِهِ

پیشاب کے لئے مناسب جگہ ڈھونڈنا

۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ أَخْبَرَنَا أَبُو التَّيَّاحِ حَدَّثَنِي شَيْخٌ قَالَ لَمَّا قَدِمَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ الْبَصْرَةَ فَكَانَ يُحَدَّثُ عَنْ أَبِي مُوسَى فَكَتَبَ عَبْدُ اللهِ إِلَى أَبِي مُوسَى يَسْأَلُهُ عَنْ أَشْيَاءَ فَكَتَبَ إِلَيْهِ أَبُو مُوسَى إِنِّي كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَأَرَادَ أَنْ يَبُولَ فَأَتَى دَمِثًا فِي أَصْلِ جِدَارٍ فَبَالَ ثُمَّ قَالَ إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَبُولَ فَلْيَرْتَدْ لِبَوْلِهِ مَوْضِعًا۔

(ترجمہ) جب عبداللہ بن عباسؓ بصرہ میں آئے تو انہیں ابوموسیٰ اشعریؓ کی طرف سے احادیث بتائی جاتی تھیں۔ عبداللہؓ نے کچھ چیزیں دریافت کرنے کے لئے ابوموسیٰؓ کو خط لکھا اور انہوں نے جواب لکھا کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو آپ نے پیشاب کرنے کا ارادہ کیا اور ایک دیوار کی جڑ میں نرم زمین پہ جا کر پیشاب کیا، پھر فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو اس کے لئے کوئی مناسب جگہ تلاش کرے۔

(شرح) ابوموسیٰ اشعریؓ کو جناب عمر فاروقؓ نے بصرہ کا حاکم بنایا تھا۔ اپنے زمانۂ قیام میں انہوں نے وہاں پہ شاگردوں کی ایک جماعت تیار کی تھی۔ جناب علی المرتضیٰؓ کی خلافت میں جب ابن عباسؓ کو بصرہ کا گورنر بنایا گیا تو وہاں آ کر ان کی ملاقات ابوموسیٰ اشعریؓ کے شاگردوں سے ہوئی اور ان کی بیان کردہ احادیث کا علم ہوا۔ پھر انہوں نے خود براہ راست بعض احادیث ان سے دریافت کیں۔ اس حدیث میں دَمِثًا کے لفظ کا معنیٰ ہے نرم ہموار زمین۔ پرانی دیواروں کے نیچے بالخصوص جبکہ وہ کچی ہوں ـــ ایسی نرم زمین ہوتی ہے جس میں گرد و غبار اور دھول جمع رہتی ہے۔ حضورؐ نے یہ جو ارشاد فرمایا کہ پیشاب کے لئے مناسب جگہ تلاش کرنی چاہیئے، اس کی ایک غرض تو پردہ ہے اور دوسری یہ کہ سخت یا ناہموار زمین پر پیشاب کرنے سے چھینٹے اڑنے اور کپڑے یا جسم کے نجس ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ مسند احمد بن حنبل میں یہ حدیث آئی ہے اور اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ جب بنی اسرائیل قضائے حاجت کرتے تھے اور ان کے کپڑوں پر پیشاب پڑ جاتا تھا تو اس جگہ کو تلاش کر کے قینچی سے کاٹ دیتے تھے۔ تم میں سے جب کوئی پیشاب کا ارادہ کرے تو اس کے لئے کسی مناسب مقام کو تلاش کرے۔ مسند کی اس روایت سے پتہ چل گیا کہ مناسب جگہ سے مراد کونسی جگہ ہے اور اس سے غرض کیا ہے۔

فَلْيَرْتَدْ کا مادہ رَدَد ہے جس کا معنیٰ ہے تلاش کرنا، مصدر اس کا ارتیاد ہے۔

۳- بَابُ مَا يَقُولُ الرَّجُلُ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ

باب: آدمی بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت کیا کہے؟

۴ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ وَعَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ قَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ، وَقَالَ عَنْ عَبْدِ الْوَارِثِ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔

(ترجمہ)۔ انس بن مالک سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو کہا کرتے تھے: اے اللہ میں خبیث مخلوق اور خبیث چیزوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

(شرح) خبیث مخلوق سے مراد شیاطین ہیں جو اس قسم کی جگہوں میں پائے جاتے ہیں اور خبیث چیزوں سے مراد خلاف اخلاق و مروت افعال و اعمال ہیں۔ بیت الخلاء چونکہ غلاظت اور بدبو کے باعث ذکر الٰہی سے خالی ہوتا ہے اس لئے اس میں داخل ہوتے وقت یہ پڑھا کرتے تھے اور خارج ہوتے وقت استغفار کا ذکر احادیث سے ثابت ہے۔ اعوذ کا مصدر عوذ ہے جس کا معنی ہے پناہ لینا، پناہ مانگنا، حمایت میں آنا۔

۵ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَمْرٍو يَعْنِي السَّدُوسِيَّ قَالَ أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ هُوَ ابْنُ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ بِهَذَا الْحَدِيثِ قَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ وَقَالَ شُعْبَةُ وَقَالَ مَرَّةً أَعُوذُ بِاللَّهِ وَقَالَ وُهَيْبٌ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللَّهِ۔

(ترجمہ) یہ وہی اوپر والی حدیث ہے جس کی روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انس رضی اللہ عنہ نے کی ہے مگر ان کے شاگرد عبدالعزیز بن صہیب سے روایت کرنے والوں میں یہ اختلاف ہوگیا کہ عبدالعزیز نے کون سے الفاظ بولے تھے چنانچہ اوپر کی روایت کے مطابق حماد بن زید نے عبدالعزیز سے یہ لفظ روایت کئے: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ الخ اور عبدالوارث نے یہ الفاظ روایت کئے: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ۔ اس روایت میں شعبہ نے کہا کہ میرے استاذ عبدالعزیز نے ایک مرتبہ یہ لفظ روایت کئے: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ الخ اور دوسری مرتبہ یہ الفاظ بولے: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ۔ اور عبدالعزیز کے ایک اور شاگرد وُہیب نے یہ روایت کی کہ حضور نے فرمایا: بیت الخلاء میں داخل ہونے والے کو اللہ سے پناہ مانگنی چاہیئے۔ راوی سب ثقہ ہیں اور چند شرائط کے ساتھ روایت بالمعنیٰ کتب حدیث کی تدوین تک جائز رہی ہے۔ الفاظ کے ان اختلافات سے معنیٰ میں فرق نہیں پڑتا۔ ہاں عبدالعزیز کے پہلے تین شاگرد حضور کا فعل بیان کرتے ہیں اور چوتھے وُہیب کی روایت میں حضور کا حکم بیان ہو رہا ہے۔

۶ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَرْزُوقٍ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ ھٰذِہِ الْحُشُوْشَ مُحْتَضَرَۃٌ فَاِذَا اَتٰی اَحَدُکُمُ الْخَلَاءَ فَلْیَقُلْ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔

(ترجمہ) زید بن ارقم رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: رفع حاجت کی جگہیں شیاطین کے موجود ہونے کی جگہیں ہیں سو جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء میں آئے تو یوں کہے: میں خباثتوں اور خبیثوں سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں۔

(شرح) دعاء میں جس چیز کا اشارہ نکلتا ہے کہ یہاں پر شیاطین موجود ہوتے ہیں اس ارشاد میں اس کی صراحت آگئی گویا فرمایا گیا کہ پناہ مانگنے کی علت شیاطین کی آمد و رفت ہے۔ حشوش حُش کی جمع ہے جس کا اصلی لغوی معنی ہے کھجوروں کا گھنا جھنڈ۔ چونکہ اسی قسم کے مقامات میں رفع حاجت کیا جاتا تھا لہٰذا جب گھروں میں بیت الخلاء بنائے گئے تو ان کا نام بھی حُش رکھ دیا گیا۔ یہ یاد رہے کہ تعوذ کے الفاظ بیت الخلاء کے اندر جانے سے پہلے بولے جانے چاہئیں۔

۴۔ بَابُ کَرَاھِیَۃِ اِسْتِقْبَالِ الْقِبْلَۃِ عِنْدَ قَضَاءِ الْحَاجَۃِ

قضائے حاجت کے وقت قبلہ رُخ ہونے کی کراہت

۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْھَدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِیَۃَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ یَزِیْدَ عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قِیْلَ لَہٗ لَقَدْ عَلَّمَکُمْ نَبِیُّکُمْ کُلَّ شَیْءٍ حَتَّی الْخِرَاءَۃَ قَالَ اَجَلْ لَقَدْ نَھَانَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَۃَ بِغَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ وَاَنْ لَّا نَسْتَنْجِیَ بِالْیَمِیْنِ وَاَنْ لَّا یَسْتَنْجِیَ اَحَدُنَا بِاَقَلَّ مِنْ ثَلٰثَۃِ اَحْجَارٍ اَوْ یَسْتَنْجِیَ بِرَجِیْعٍ اَوْ عَظْمٍ۔

(ترجمہ) سلمان فارسی سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے کہا، تمہارے نبی نے تمہیں ہر چیز کی تعلیم دی ہے حتیٰ کہ قضائے حاجت کے طریقے کی بھی! انہوں نے کہا کہ ہاں! ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پاخانہ یا پیشاب کرتے وقت قبلہ رُخ ہونے سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ دائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کریں اور یہ کہ ہم میں سے کوئی تین ڈھیلوں سے کم کے ساتھ استنجاء نہ کرے اور گوبر یا ہڈی کے ساتھ استنجاء کرنے سے منع فرمایا۔

(شرح) حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے سوال کرنے والے کفار مدینہ تھے۔ شارح ابن رسلان نے کہا کہ ایک یہودی نے یہ سوال کیا تھا۔ سوال کا منشا جو الفاظ سے معلوم ہوتا ہے وہ از راہ استہزاء اظہار تعجب تھا۔ سلمان رضی اللہ عنہ نے ان کے استہزاء کو نظر انداز کیا اور تفصیل بتا دی کہ حضور نے تو بیت الخلاء کے کئی آداب ارشاد فرمائے ہیں۔ آپ جامع و کامل دین لیکر تشریف لائے ہیں، اُمت کے باپ ہیں، اگر آپ یہ طریقے نہ سکھائیں گے تو اور کون سکھائے گا؟ اس حدیث سے رفع حاجت کی حالت

میں مطلقاً استقبال قبلہ کی ممانعت ثابت ہوتی ہے اور اس میں صحراء اور آبادی وغیرہ کا کوئی فرق نہیں آیا۔ آگے بعض احادیث آتی ہیں جن سے پُشت بہ قبلہ کی بھی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ زیر شرح حدیث کے پیش نظر مطلقاً استقبال قبلہ کی ممانعت کا قول ابوایوبؓ انصاری، مجاہد، ابراہیم نخعی، سفیان ثوری، ابوثورؒ اور احمدؒ بن حنبل ایک روایت کی رُو سے منقول ہوا ہے۔ دائیں ہاتھ سے استنجاء کی ممانعت پر بقول امام نوویؒ علمائے اُمت کا اجماع ہے۔ پھر جمہور کے نزدیک یہ نہی تنزیہ اور ادب کے طور پر ہے اور بعض اہل ظاہر اور شوافع کے نزدیک یہ نہی تحریم کے لئے ہے۔ اس نہی کی علت دائیں ہاتھ کا احترام ہے۔ اس حدیث میں جو تین ڈھیلوں سے کم کے ساتھ استنجاء کی نہی وارد ہوئی ہے اس سے ائمہ اہل بیت اور حنفیہ کے نزدیک تین کے عدد کا وجوب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ مقصد تو صفائی اور پاکیزگی کا حصول ہے جو اکثر احوال میں صرف اسی عدد سے حاصل ہوتا ہے، اگر کم تعداد سے تنقیہ ہو جائے تو مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ استنجاء کا وجوب اور تین کے عدد کا وجوب اس حدیث سے امام شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہ اور ابوثورؒ کے نزدیک ثابت ہے۔ امام مالکؒ اور داؤد ظاہری فرماتے ہیں کہ واجب صفائی ہے ڈھیلوں کی تعداد واجب نہیں۔ بخاری میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ صرف دو ڈھیلوں پر اکتفاء فرمایا تھا جس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ عدد شرط نہیں بلکہ تطہیر و تنقیہ شرط ہے۔ سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ اور مسند احمد کی ایک حدیث اس پر مزید روشنی ڈالتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:۔ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ تین کا عدد شرط نہیں ہے بلکہ تنقیہ شرط ہے۔ گوبر اور لید اور ہڈی سے استنجاء کی ممانعت اس لئے ہے کہ گوبر اور لید تو خود نجس ہیں اور ہڈی سے ضرر کا اندیشہ ہے۔ نیز بروئے احادیث ہڈی جنوں کی خوراک ہے۔

۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ عَنِ الْقَعْقَاعِ ابْنِ حَكِيمٍ عَنْ اَبِي صَالِحٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ اُعَلِّمُكُمْ فَاِذَا اَتَى اَحَدُكُمُ الْغَائِطَ فَلَا يَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا يَسْتَدْبِرْهَا وَلَا يَسْتَطِبْ بِيَمِينِهِ وَكَانَ يَاْمُرُ بِثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ وَيَنْهَى عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّةِ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے لئے باپ کی مانند ہوں، تمہیں تعلیم دیتا ہوں۔ سو جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء میں جائے تو قبلہ رُخ نہ ہو اور نہ قبلہ کی طرف پشت کرے، اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے۔ اور حضورؐ تین ڈھیلے استعمال کرنے کا حکم دیتے اور لید اور بوسیدہ ہڈی سے منع فرماتے تھے۔

(شرح) اوپر گزری ہوئی سلمانؓ کی روایت میں جس مضمون کی صراحت نہ تھی وہ یہاں آگئی ہے۔ حضورؐ امت کے روحانی باپ ہیں۔ باپ اپنی اولاد کو ہر چھوٹی بڑی چیز کی تعلیم دیتا ہے۔ روحانی والد کے لئے تو یہ اور بھی ضروری ہے۔ اس حدیث سے صراحۃً رفع حاجت کے وقت قبلہ رُخ ہونے یا قبلہ کی طرف پشت کرنے کی ممانعت آئی ہے اور صحراء یا آبادی میں سے کسی کی بھی تخصیص نہیں آئی۔ یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ کی روایت جو آگے آرہی ہے وہ بظاہر اس حدیث کے خلاف ہے اس میں گفتگو کی گنجائش ہے مگر ایک اصولی مسئلہ یہ ہے کہ جب حضورؐ کے قول و فعل میں تعارض ہو تو قول کو ترجیح دی

جاتی ہے کیونکہ فعل میں حضورؐ کی خصوصیت کا احتمال موجود ہے۔ اسی طرح جب تحریم اور اباحت میں تعارض ہو تو تحریم کو ترجیح ہوتی ہے۔ رَوث سُم والے جانوروں کی لید کو کہتے ہیں اور رِمّہ کہتے ہیں بوسیدہ ہڈی کو جو عموماً کھلی جگہوں، صحراؤں اور گھوڑے میں پڑی ہوئی ملتی ہے۔

۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ رِوَايَةً قَالَ إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ وَلَا بَوْلٍ وَلَكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا، فَقَدِمْنَا الشَّامَ فَوَجَدْنَا مَرَاحِيضَ قَدْ بُنِيَتْ قِبَلَ الْقِبْلَةِ فَكُنَّا نَنْحَرِفُ عَنْهَا وَنَسْتَغْفِرُ اللَّهَ۔

(ترجمہ) ۔ ابوایوب انصاریؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا؛ جب تم بیت الخلاء میں جاؤ تو خواہ پاخانہ کرنا ہو یا پیشاب، قبلہ رُخ مت ہو بلکہ مشرق یا مغرب کو منہ کرلو۔ ابوایوبؓ فرماتے ہیں کہ پھر جب ہم ملک شام میں گئے تو ہم نے ایسے بیت الخلاء پائے جو قبلہ رُخ بنے ہوئے تھے پس ہم ان میں منہ پھیر کر بیٹھا کرتے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔

(شرح) غائط کا لغوی معنیٰ ہے پست یا ہموار زمین اور مجازی معنیٰ ہے جسم سے خارج ہونے والی غلاظت، اس حدیث میں یہ لفظ پہلی مرتبہ پہلے معنیٰ میں اور دوسری مرتبہ دوسرے معنیٰ میں آیا ہے۔ شَرِّقُوا اَوْ غَرِّبُوا کا حکم اہل مدینہ اور ان سب لوگوں کے لئے ہے جن کا قبلہ شمال یا جنوب میں ہو، مگر جن لوگوں کا قبلہ مشرق یا مغرب میں ہو ان کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ شمال یا جنوب کے رُخ پر بیٹھیں۔ مَرَاحِيض جمع ہے مِرحاض کی جس سے مراد غسل یا طہارت کی جگہیں ہیں۔ ابوایوبؓ انصاری شام میں جہاد کے سلسلے میں تشریف لے گئے تھے جن غسل خانوں اور طہارت گاہوں کا وہ ذکر کرتے ہیں یہ اسلامی فتوحات سے پہلے وہاں کے عیسائی باشندوں نے بنا رکھے تھے ورنہ کوئی مسلمان تو ایسی جگہیں اس رُخ پر نہیں بنائے گا۔ ابوایوبؓ کا یہ قول کہ ہم رُخ پھیر لیتے اور استغفار کرتے تھے، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بھول چوک سے اُسی رُخ پر بیٹھ جاتے اور جب تنبہ ہوتا تو منحرف ہو جاتے اور استغفار کرتے تھے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہاں بیٹھنا تو مجبوری کی بناء پر ہوتا تھا مگر حتی الوسع رُخ بدلتے تھے اور پورا رُخ نہ بدل سکنے کے باعث استغفار کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ طہارت گاہیں آبادی کے اندر ہی ہوئی تھیں اور صحابیؓ کہتے ہیں کہ ہم انحراف اور استغفار کرتے تھے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ استقبال و استدبار قبلہ میں صحراء اور آبادی کا کوئی فرق نہیں ہے۔

۱۰۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى عَنْ أَبِي زَيْدٍ عَنْ مَعْقِلِ بْنِ أَبِي مَعْقِلٍ الْأَسَدِيِّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَتَيْنِ بِبَوْلٍ أَوْ غَائِطٍ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَأَبُو زَيْدٍ هُوَ مَوْلَى بَنِي ثَعْلَبَةَ۔

(ترجمہ) معقل بن ابی معقل اسدی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پاخانہ یا پیشاب کرتے وقت

دونوں قبلوں کی طرف منہ کرنے سے منع فرمایا۔

(شرح) قبلتین سے مراد کعبۃ اللہ اور بیت المقدس ہے۔ مدینہ منورہ میں اگر کوئی شخص بیت المقدس کا رخ کرے تو پشت کعبہ شریف کی طرف ہوگی کیونکہ وہاں پر یہ دونوں متخالف سمتوں میں واقع ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا مقام ہو جہاں پر بیت المقدس کی طرف منہ کرنے سے کعبہ کی طرف پشت نہ ہو تو وہاں بیت المقدس کا رخ کرنا آیا تحریم پر مبنی ہوگا یا تنزیہ پر؟ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ وہاں پر نہی تحریم کے لئے نہیں بلکہ تنزیہ و کراہت کے لئے ہے۔ امام احمدؒ نے اسے ابن عمرؓ کی حدیث کی بناء پر منسوخ کیا ہے۔

۱۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ قَالَ حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيسَى عَنِ الْحَسَنِ بْنِ ذَكْوَانَ عَنْ مَرْوَانَ الْأَصْفَرِ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ أَنَاخَ رَاحِلَتَهُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ثُمَّ جَلَسَ يَبُولُ إِلَيْهَا فَقُلْتُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَلَيْسَ قَدْ نُهِيَ عَنْ هٰذَا قَالَ بَلَى إِنَّمَا نُهِيَ عَنْ ذٰلِكَ فِي الْفَضَاءِ فَإِذَا كَانَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ شَيْءٌ يَسْتُرُكَ فَلَا بَأْسَ۔

(ترجمہ) مروان اصفر کا بیان ہے کہ میں نے ابن عمرؓ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنا اونٹ قبلہ رخ بٹھایا پھر بیٹھ کر سواری کی طرف پیشاب کرنے لگے۔ میں نے کہا: اے ابو عبدالرحمٰن کیا اس فعل سے نہی وارد نہیں ہوئی؟ وہ بولے: کیوں نہیں، مگر نہی اس وقت ہے جبکہ کھلی جگہ ہو، جب کہ تیرے اور قبلہ کے درمیان کوئی چیز ہو جو تجھے چھپائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(شرح) ابو ایوبؓ انصاری کی حدیث گزر چکی ہے جسے بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے مختلف الفاظ سے روایت کیا ہے۔ مسلم اور ابوداؤد کے الفاظ ملتے جلتے ہیں۔ بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں: نہ قبلہ کی طرف منہ کرو نہ پشت۔ یہ صحاح ستہ کی روایت ہے جس میں استقبال و استدبار دونوں سے نہی آئی ہے۔ موجودہ روایت میں حسن بن ذکوان راوی ضعیف ہے۔ یحییٰ بن معین اور ابو حاتم نے اسے ضعیف کہا ہے۔ نسائی کا قول ہے کہ وہ غیر قوی ہے۔ ابن ابی الدنیا نے اسے غیر قوی بتایا ہے اور امام احمد کا قول ہے کہ اس کی احادیث باطل ہیں۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو روایت کر کے سکوت اختیار کیا ہے مگر صرف اتنی بات سے ابن ذکوان لائق استناد نہیں ہو جاتا۔ علاوہ ازیں یہ عبداللہ بن عمرؓ کی اپنی رائے ہے۔ حدیث کے الفاظ میں ایسا نہیں آیا۔ اصول حدیث کی رو سے صحابی کا قول جب حدیث مرفوع کے صریحاً خلاف پڑے تو اس سے استناد نہیں ہو سکتا جب تک کہ کچھ اور دلائل بھی موجود نہ ہوں جن کی بناء پر حدیث کو ترک کیا جا سکے۔

۵۔ بَابُ الرُّخْصَةِ فِي ذٰلِكَ

باب ہے اس سے رخصت کے متعلق

۱۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى ابْنِ حَبَّانَ عَنْ عَمِّهِ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ لَقَدِ ارْتَقَيْتُ عَلَى ظَهْرِ الْبَيْتِ

فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى لَبِنَتَيْنِ مُسْتَقْبِلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ لِحَاجَتِهٖ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ میں (اُمّ المومنین حفصہؓ کے) گھر کی چھت پر چڑھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو کچی اینٹوں پر بیت المقدس کی طرف رُخ کئے ہوئے رفع حاجت کے لئے بیٹھے دیکھا۔

(شرح) یہ فعلی حدیث ہے اور اوپر کئی قولی احادیث میں اس سے نہی آچکی ہے۔ قول کو ترجیح دی جانا انسب ہے کیونکہ فعل میں خصوصیت کا احتمال موجود ہے۔ مسلم کی روایت میں صراحت موجود ہے کہ یہ گھر ابن عمرؓ کی حقیقی بہن اُمّ المومنین حفصہؓ کا تھا۔ ابن عمرؓ کا دیکھنا بالکل اتفاقی تھا، ایسی حالت میں ازراہِ حیاء نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں جا سکتا اور صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جس قدر ادب کرتے تھے اس کے پیشِ نظر یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ ابن عمرؓ غور سے نظریں جما کر دیکھتے۔ یہ حدیث پُشت بہ قبلہ ہو کر رفع حاجت کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتی چہ جائیکہ اس سے یہ استدلال کیا جائے کہ آبادی کے اندر استقبال واستدبار، دونوں جائز ہیں۔ یہ استدلال اس بات پر موقوف ہے کہ اس واقعہ کا وقوع بعد از نہی ثابت ہو جائے اور وہ ثابت نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ حضورؐ نے جو نہی فرمائی وہ اس نہی کے بعد ہو۔ علاوہ ازیں تحریم اور اباحت میں جب تعارض ہو تو اصول کے قاعدے سے تحریم کو ترجیح ہوتی ہے۔ امام شوکانی کے نزدیک بھی یہ فعل حضورؐ کے ساتھ مخصوص ہے، اُمت کے لئے عام حکم وہی ہے جو اوپر کی احادیث میں صراحۃً موجود ہے۔ امام ابوداؤد نے باب کا جو عنوان رکھا ہے حدیث اس سے مطابقت نہیں رکھتی کیونکہ اس سے امت کے لئے کوئی رخصت ثابت نہیں کی جا سکتی۔

۱۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبِي قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْحَاقَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبَانَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِبَوْلٍ فَرَأَيْتُهٗ قَبْلَ أَنْ يُقْبَضَ بِعَامٍ يَسْتَقْبِلُهَا۔

(ترجمہ) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کرتے وقت قبلہ رُخ ہونے سے منع فرمایا۔ پھر میں نے آپ کو وفات سے ایک سال پہلے قبلہ رُخ ہوتے دیکھا۔

(شرح) اس حدیث کا ایک راوی محمد بن اسحاق امام المغازی ہے جس کے متعلق علمائے جرح وتعدیل میں اختلاف ہُوا ہے۔ شعبہ نے اسے امیر المومنین فی الحدیث کہا۔ امام نسائی نے غیر قوی، دارقطنی نا قابل اعتبار، سلیمان تیمی اور ہشام بن عروہ نے کذاب، یحییٰ بن سعید اور امام مالک نے مجروح اور دجّال ٹھہرایا تھا۔ اس پر تشیع اور قدری ہونے کا الزام بھی تھا۔ دوسرا راوی ابان بن صالح ہے جسے ابن عبدالبر نے ضعیف اور حافظ ابن حزم نے غیر مشہور قرار دیا ہے۔ اس حدیث سے اُمت کے لئے عام حکم نہیں نکلتا اور حضورؐ کی خصوصیت کا احتمال موجود ہے لہٰذا یہ نہی کی واضح اور صریح احادیث سے ترجیح نہیں پا سکتی۔

۶۔ بَابُ كَيْفَ التَّكَشُّفُ عِنْدَ الْحَاجَةِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ رفع حاجت کے وقت کپڑا کیونکر کھولا جائے

۱۴۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ رَجُلٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَرَادَ حَاجَۃً لَا یَرْفَعُ ثَوْبَہٗ حَتّٰی یَدْنُوَ مِنَ الْاَرْضِ۔

قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ رَوَاہُ عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ وَّھُوَ ضَعِیْفٌ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کا ارادہ کرتے تو زمین کے بالکل قریب ہو کر کپڑا اٹھاتے تھے۔ اس حدیث کی دوسری روایت جو عبدالسلام بن حرب عن الاعمش عن انسؓ بن مالک سے ہے، امام ابو داؤد اسے ضعیف کہتے ہیں۔

(شرح) اس حدیث سے خلوت اور قضائے حاجت کے وقت حسب ضرورت عریاں ہونے کا جواز نکلا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں حیاء بہت زیادہ تھی حتیٰ کہ آپؐ نے تنہائی میں بھی حتی الامکان عریانی سے منع فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنے کا ادب ارشاد فرمایا۔ پس رفع حاجت کے وقت بلا ضرورت بیٹھنے سے پہلے کپڑا اٹھانا ممنوع ہُوا۔ حدیث کی سند میں ایک مجہول شخص بھی ہے جو امام بیہقی کی روایت میں قاسم بن محمد ہے جو فقہائے مدینہ میں سے تھا، بناء بریں یہاں اس کا نام نہ ہونے کی بناء پر روایت ضعیف نہیں رہتی۔

۷۔ بَابُ کَرَاھِیَۃِ الْکَلَامِ عِنْدَ الْحَاجَۃِ

قضائے حاجت کے وقت بات چیت کی کراہت کا باب

۱۵۔ حَدَّثَنَا عُبَیْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ بْنِ مَیْسَرَۃَ حَدَّثَنَا ابْنُ مَھْدِیٍّ حَدَّثَنَا عِکْرِمَۃُ بْنُ عَمَّارٍ عَنْ یَحْیَی بْنِ اَبِیْ کَثِیْرٍ عَنْ ھِلَالِ بْنِ عِیَاضٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْ سَعِیْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: لَا یَخْرُجُ الرَّجُلَانِ یَضْرِبَانِ الْغَائِطَ کَاشِفَیْنِ عَنْ عَوْرَتِھِمَا یَتَحَدَّثَانِ فَاِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَمْقُتُ عَلٰی ذٰلِکَ۔ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ لَمْ یُسْنِدْہُ اِلَّا عِکْرِمَۃُ بْنُ عَمَّارٍ۔

(ترجمہ) ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا: دو آدمی باہر نکل کر رفع حاجت کرتے ہوئے اپنا پردہ کھولے ہوئے باہم گفتگو نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت ناراض ہوتا ہے۔ امام ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث کو عکرمہ بن عمار کے سوا کسی نے مسند بیان نہیں کیا، یعنی دراصل یہ روایت مُرسل ہے۔

(شرح) یہ وعید جو اس حدیث میں وارد ہے دو افعال کے مجموعے پر ہے۔ ایک رفع حاجت کی حالت میں گفتگو اور دوسرا اس حالت میں بے پردگی جو کسی اور کے سامنے ہو۔ بلا ضرورت کسی کے سامنے ننگا ہونا اجماعِ اُمت سے حرام ہے، پھر رفع حاجت کے وقت گفتگو اس حرمت کو مزید شدید بنا دیتی ہے بلا ضرورت کی قید اس لئے ہے کہ بعض ضرورت کے مواقع پر عریانی کی حالت میں کلام خود احادیث سے ثابت ہے۔ فتح مکّہ کے موقع پر حضور پردے کے پیچھے غسل فرما رہے تھے کہ آپ کی چچا زاد امّ ہانیؓ حاضر ہوئیں اور آپ نے ان سے گفتگو فرمائی۔ حالتِ غسل میں گھر کے اندر امّ المومنین عائشہؓ

سے آنجناب کی گفتگو ثابت ہوئی ہے۔ زوجین کے معاملے میں عریانی کے احکام میں نرمی پائی جاتی ہے۔

۸۔ بَابُ الرَّجُلِ يَرُدُّ السَّلَامَ وَهُوَ يَبُولُ

یہ باب اس شخص کے بیان میں ہے جو بول کی حالت میں سلام کا جواب دے

۱۶۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ وَأَبُو بَكْرٍ ابْنَا أَبِي شَيْبَةَ قَالَا حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ عُثْمَانَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَبُولُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَغَيْرِهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَيَمَّمَ ثُمَّ رَدَّ عَلَى الرَّجُلِ السَّلَامَ۔

(ترجمہ) ابن عمرؓ نے کہا کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گذرا اور آپ پیشاب کر رہے تھے۔ اس نے سلام کیا مگر حضورؐ نے جواب نہیں دیا۔ ابو داؤد نے کہا کہ ابن عمرؓ وغیرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کیا پھر اس شخص کے سلام کا جواب دیا۔

(شرح) باب کا عنوان بظاہر حدیث کے خلاف ہے لیکن ایک نسخے میں حرف استفہام کے ساتھ اَيَرُدُّ السَّلَامَ اور ایک اور نسخے میں لَا يَرُدُّ کا لفظ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ کیا اس حالت میں سلام کا جواب دے سکتا ہے؟ یا یہ کہ اس حالت میں سلام کا جواب نہ دے۔ سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ حضورؐ کے عمل سے معلوم ہوگیا کہ پیشاب کرتے وقت سلام کا جواب نہ دینا چاہیئے۔ نیز سلام کرنے والے کے لئے اس وقت سلام کہنا مناسب نہیں اور اگر کہہ دے تو جواب کا حقدار نہیں۔ دُرِّ مختار میں ہے کہ نماز پڑھنے والے، تلاوت میں مصروف، حدیث بیان کرتے ہوئے شخص، خطیب اور ان سب کو سننے والوں، فقہ میں بحث کرنے والے، مؤذن، مدرس، اجنبی جوان عورتوں، شطرنج کھیلنے والوں، بے پردہ شخص اور قضائے حاجت میں مصروف اور کافر۔ ان لوگوں کو سلام کہنا مکروہ ہے۔ ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ کو بول کی حالت میں سلام کیا۔ آپؐ نے بعد میں فرمایا کہ جب تم مجھے اس حالت میں پاؤ تو سلام مت کرو، اگر کروگے تو میں جواب نہ دوں گا۔ بے پردگی کی حالت میں جب گفتگو کا جواز نہیں تو اللہ کے ذکر کا جواز کیسے ہوسکتا ہے؟ حضورؐ سے جو یہ منقول ہے کہ آپ سب اوقات میں اللہ کا ذکر فرماتے تھے اس سے مراد طہارت اور بے وضو ہونے کی حالت ہے نہ کہ بے پردگی اور قضائے حاجت کا وقت۔ ابو داؤد نے ابن عمرؓ کے علاوہ جن لوگوں کی روایت کا ذکر کیا ہے وہ ابو الجہیمؓ اور ابن عباسؓ ہیں۔ ان حضرات کی روایت کے مطابق حضورؐ نے تیمم فرما کر سلام کا جواب دیا۔ گو تیمم کے بغیر بھی جواب جائز تھا مگر افضلیت کو اختیار فرمانے کے لئے ایسا کیا تھا۔ بیت الخلاء سے نکلتے وقت بعض اذکار کا حدیث میں ثبوت ملتا ہے سو وہ اس وقت کے ساتھ مخصوص ہیں، یا یوں کہیئے کہ حضورؐ نے بیان جواز کے لئے غُفْرَانَكَ یا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَذْهَبَ عَنِّي الْاَذٰى وَعَافَانِي پڑھا ہوگا۔

۱۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ حُضَيْنِ بْنِ الْمُنْذِرِ أَبِي سَاسَانَ عَنِ الْمُهَاجِرِ بْنِ قُنْفُذٍ أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَبُولُ

فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتّٰى تَوَضَّأَ ثُمَّ اعْتَذَرَ إِلَيْهِ فَقَالَ إِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أَذْكُرَ اللّٰهَ تَعَالٰى ذِكْرُهُ إِلَّا عَلٰى طُهْرٍ أَوْ قَالَ عَلٰى طَهَارَةٍ۔

(ترجمہ) مہاجر بن قنفذ کا بیان ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت حاضر ہوئے جبکہ آپؐ بول کر رہے تھے، انہوں نے حضورؐ کو سلام کیا تو آپؐ نے وضوء کرنے سے پہلے جواب نہ دیا، پھر معذرت فرمائی کہ میں نے پاکیزگی کی حالت کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ذکر بلند کو کرنا ناپسند کیا۔ طہر کا لفظ بولا یا طہارت کا لفظ (معنیٰ ایک ہی ہے)

(شرح) نسائی کی روایت میں بھی یہی لفظ ہیں کہ اس صحابی کی حاضری کے وقت آپ بول فرما رہے تھے۔ اسی طرح مسند احمد کی روایت میں ہے کہ بول کر رہے تھے یا کر چکے تھے۔ لیکن ابن ماجہ کی روایت میں اور مسند احمد کی دوسری روایت میں ہے کہ اس وقت حضورؐ وضوء کر رہے تھے۔ ان احادیث میں یا تو وضوء سے مراد بول لیا جائے گا یعنی بطور استعارہ، کیونکہ بول وضوء کا سبب اور علت ہے۔ اور اگر اس سے مراد عرفی استنجاء ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ جب اس حالت میں ردِّ سلام میں تاخیر روا ہے تو حالتِ بول میں بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگی۔ اس حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ فراغت کے بعد بلا وضوء سلام جواب جائز تھا لیکن آپؐ نے افضلیت کو اختیار فرمایا۔ اور یہ جو ارشاد فرمایا کہ میں نے طہارت کے بغیر ذکر اللہ کو ناپسند کیا، سو اس کی علت یہ ہے کہ سلام اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے: اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ الخ مرفوع حدیث ہے۔

۹۔ بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَذْكُرُ اللّٰهَ تَعَالٰى عَلٰى غَيْرِ طُهْرٍ

باب اس شخص کے بیان میں جو بے طہارت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔

۱۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ خَالِدِ بْنِ سَلَمَةَ يَعْنِي الْفَأْفَاءَ عَنِ الْبَهِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى كُلِّ أَحْيَانِهِ۔

(ترجمہ) اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام اوقات میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔

(شرح) جن حالات واوقات کی تخصیص خود حضورؐ نے ہی فرمادی ہے ان کے علاوہ تمام اوقات میں ذکر اللہ جائز ہے وضوء ہو یا نہ ہو۔ غسل واجب ہونے کی حالت میں قرأۃِ قرآن جائز نہیں، بے وضوء ہوں تو زبانی قرأۃ قرآن کی اجازت ہے۔ اسی طرح دیگر اذکار واوراد کی بھی، مگر طہارت کی حالت میں قرأۃِ قرآن اور اوراد افضل ہے جیسا کہ پچھلی احادیث میں گزرا کہ حضورؐ نے حدث کی حالت میں سلام کا جواب نہیں دیا تھا۔ بے پردگی کی حالت میں، قضائے حاجت کے وقت ذکر اللہ جائز نہیں بلکہ اس وقت کلام کی بھی ممانعت ہے۔ ذکرِ قلبی ہر حالت میں جائز ہے جسے اصطلاحِ صوفیہ میں حضور کہا جاتا ہے۔

١٠ - بَابُ الْخَاتَمِ يَكُونُ فِيهِ ذِكْرُ اللهِ تَعَالَى يَدْخُلُ بِهِ الْخَلَاءَ

باب اس انگوٹھی کے بیان میں جس میں اللہ کا ذکر ہو اُسے لیکر کوئی بیت الخلاء میں داخل ہو۔

١٩ - حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ أَبِي عَلِيٍّ الْحَنَفِيِّ عَنْ هَمَّامٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ وَضَعَ خَاتَمَهُ — قَالَ أَبُو دَاوُدَ هٰذَا حَدِيثٌ مُنْكَرٌ وَإِنَّمَا يُعْرَفُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ زِيَادِ بْنِ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ وَرِقٍ ثُمَّ أَلْقَاهُ - وَالْوَهْمُ فِيهِ مِنْ هَمَّامٍ وَلَمْ يَرْوِهِ إِلَّا هَمَّامٌ -

(ترجمہ) انسؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں جاتے تو اپنی انگوٹھی اتار دیتے تھے ۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے ۔ معروف وہ حدیث ہے جس کی روایت ابن جریج نے زیاد ابن سعد سے اس نے زہری سے اور اس نے انسؓ سے کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی پھر اسے پھینک دیا۔ اور اس میں وہم ہمام کی طرف سے ہے اور ہمام کے سوا کسی اور نے اس کی روایت نہیں کی ۔

(شرح) جس انگوٹھی پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا ہو اس کی یہ تعظیم تو ثابت ہوگئی مگر ہر وہ چیز جس پر اللہ تعالیٰ کا نام ہو، مثلاً سکّہ، کاغذ وغیرہ، اس کا بھی یہی حکم ہے ۔ بلکہ انگوٹھی پر یا کاغذ وغیرہ میں کسی قسم کے الفاظ و حروف ہوں ان کی تعظیم مناسب ہے کیونکہ حرف اللہ تعالیٰ کے اسماء کے ہجے اور مادے ہیں ۔ مباشرت اور استنجاء وغیرہ حالات کا بھی یہی حکم ہے ۔ ابوداؤد نے اس حدیث کو دو باتوں کی وجہ سے منکر ٹھہرایا ہے : ایک یہ کہ ابن جریج اور زہری کا درمیانی واسطہ منقطع ہے ۔ دوسری یہ کہ ان کے نزدیک حدیث کا اصل متن اور ہے جسے یہاں تبدیل کر دیا گیا ہے مگر ابوداؤد کا یہ فیصلہ حیرت ناک ہے کیونکہ حدیث منکر وہ ہے جس کا ضعیف راوی ثقہ کی مخالفت کرے، اس حدیث کا راوی جس پر ابوداؤد کو اعتراض ہے ہمام ہے، جو ثقہ ہے ۔ بخاری اور مسلم دونوں نے اس کی روایت لی ہے ۔ حدیث منکر کی دوسری تعریف کے مطابق ہمام غلطیوں کی کثرت، جہالت، غفلت اور فسق کا بھی مرتکب نہیں ہے لہٰذا وہ اصول حدیث کی رُو سے لائق اعتماد ہے ۔ اسی روایت کو ترمذی نے بیان کیا اور کہا ہے : هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ ۔ ہاں اگر ابوداؤد اس حدیث میں ہمام کی تدلیس کا الزام عائد کرتے تو درست ہوتا کیونکہ ہمام کے سوا ابن جریج کے دوسرے شاگرد زہری سے قبل زیاد بن سعد کا نام لیتے ہیں ۔ یہی دوسری حدیث جس کا ابوداؤد ذکر کرتے ہیں، سو ایک ہی سند کے ساتھ کئی احادیث ہو سکتی ہیں ۔ حافظ ابن حبان نے ان دونوں روایتوں کو صحیح کہا ہے ۔ رہا تدلیس کا سوال، سو اس سند میں یہ الزام جس طرح ہمام پر آتا ہے جیسا کہ ابوداؤد نے عائد کیا، اسی طرح یہ الزام ابن جریج پر بھی ہے کہ تدلیس

اس نے کی نہ کہ ہمام نے۔ ترمذی اور نسائی اور بیہقی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت انگوٹھی اتار دینے اور اسے باہر رکھ دینے کی احادیث بیان کی ہیں ۔ چاندی کی انگوٹھی کو پھینک دینے کی جو روایت ابوداؤد نے بیان کی ہے محدثین کے نزدیک اس میں ابن شہاب زہری نے غلطی کی ہے۔ صحیح تر احادیث کی بنا پر جو انگوٹھی آپ نے پھینکی تھی وہ چاندی کی نہیں بلکہ سونے کی تھی۔ حضورؐ کی انگوٹھی چاندی ہی کی تھی جو آپ کے بعد خلفائے راشدین کے استعمال میں رہی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے اریس نامی کنوئیں میں گر گئی تھی صحاح اور سیرت میں یہ قصہ مشہور ہے مناسب تر بات یہ نظر آتی ہے کہ اس سند کے ساتھ ہمام دو حدیثوں کی روایت کرتا ہے، ایک وہ جس میں زیاد بن سعد کا واسطہ نہیں اور متنِ حدیث کا تعلق بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت انگوٹھی اتار دینے سے ہے۔ دوسری وہ جس میں زیاد کا واسطہ ہے اور چاندی کی انگوٹھی بنوا کر حضورؐ کے اسے پھینک دینے کا ذکر ہے مگر اس میں امام زہری کو وہم ہوا ہے کیونکہ پھینکی جانے والی انگوٹھی سونے کی تھی نہ کہ چاندی کی۔

۱۱۔ بَابُ الْاِسْتِبْرَاءِ مِنَ الْبَوْلِ

"یہ باب بول سے بچنے کے متعلق ہے"

۲۰۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَهَنَّادٌ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ سَمِعْتُ مُجَاهِدًا يُحَدِّثُ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى قَبْرَيْنِ فَقَالَ إِنَّهُمَا يُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا هٰذَا فَكَانَ لَا يَسْتَنْزِهُ مِنَ الْبَوْلِ وَأَمَّا هٰذَا فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ۔ ثُمَّ دَعَا بِعَسِيبٍ رَطْبٍ فَشَقَّهُ بِاثْنَيْنِ ثُمَّ غَرَسَ عَلَى هٰذَا وَاحِدًا وَعَلَى هٰذَا وَاحِدًا وَقَالَ لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا۔ قَالَ هَنَّادٌ يَسْتَتِرُ مَكَانَ يَسْتَنْزِهُ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں پر گزرے تو فرمایا کہ انہیں عذاب ہو رہا ہے اور کسی بہت بڑی بات پر نہیں ہو رہا۔ یہ شخص تو پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور یہ دوسرا چغلیاں کھاتا پھرتا تھا۔ پھر آپؐ نے کھجور کی ایک تر شاخ منگوائی، اس کے دو ٹکڑے کئے۔ ایک ٹکڑا اِس قبر پر اور دوسرا اُس قبر پر گاڑ دیا اور فرمایا، جب تک یہ خشک نہ ہوں گی شائد ان دونوں سے عذاب کی تخفیف رہے گی۔ ہناد راوی نے یَسْتَنْزِهُ کے بجائے یَسْتَتِرُ کا لفظ بولا ہے۔

(شرح) استبراء کا لفظی معنی ہے برأت طلب کرنا، اصطلاحی معنی ہے بول کے بعد پاکیزگی اور صفائی حاصل کرنا کہ محل کی صفائی میں کوئی شک نہ رہ جائے۔ علامہ ابن عابدین شامی کا قول ہے کہ استبراء کا معنی ہے کسی نہ کسی طور پر

پیشاب سے برأت حاصل کرنا جس سے اس کے اثر کے زوال کا یقین حاصل ہو جائے۔ استنقاء کا معنیٰ ہے رفع حاجت کے بعد مقعد کو پانی وغیرہ سے صاف کرنا اور استنجاء (طلب نجات) کا معنیٰ ہے ڈھیلوں یا پانی کا استعمال کرنا۔ یہ دو قبریں جن کا حدیث میں ذکر ہے ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ نئی قبریں تھیں۔ مسند احمد کی روایت ہے کہ یہ واقعہ بقیع کا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ آج تم نے یہاں کس کو دفن کیا ہے؟ گو مشرکین مکہ میں مُردوں کے دفن کا رواج تھا مگر حدیث کی تمام روایات پر نگاہ ڈالیں تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ مسلمانوں کی قبریں تھیں کیونکہ مشرکوں کے لئے حضورؐ دعائے مغفرت کیوں کر فرما سکتے تھے؟ پھر آپ نے ان کے عذابِ قبر کا سبب بول سے نہ بچنا اور چغلی کھانا فرمایا، اگر یہ مشرک ہوتے تو عذاب کا اصل باعث ان کا شرک و کفر ہوتا نہ کہ محض یہ افعال۔ اور یہ جو فرمایا کہ انہیں کسی بڑی بات پر عذاب نہیں ہو رہا، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان افعال کو معمولی جانتے تھے ورنہ حقیقت میں تو یہ کبیرہ گناہ ہیں۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ کیوں نہیں، یہ گناہ کبیرہ ہی تھے! یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اگر یہ لوگ ان گناہوں سے بچنا چاہتے تو بڑی بات نہ تھی، بلا مشقت ان سے بچ سکتے تھے مگر یہ ان سے نہ بچے۔ حضورؐ کا ان مُردوں کے عذاب کو جان لینا غیبی امور میں سے تھا جو وحی خداوندی کے بغیر معلوم نہ ہو سکتا تھا۔ پھر آپ نے کھجور کی چھڑی کے دو حصے کر کے جو ان قبروں پر گاڑے اور فرمایا کہ شاید ان کے سبب سے ان کے عذاب میں تخفیف رہے جب تک کہ یہ خشک نہ ہو جائیں، اس کا تعلق بھی امورِ غیب سے تھا، یہی سبب ہے کہ اس فعل کو حضورؐ کی خصوصیت قرار دیا گیا ہے اور قرونِ اُولیٰ میں کسی نے بھی اسے عام سمجھ کر قبروں پر تازہ ٹہنیاں نہیں گاڑیں۔ بریدہؓ صحابی سے اس سلسلے میں جو کچھ مروی ہے، اس کا ذکر کتاب الجنائز میں آئے گا۔

۲۱۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِیْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ قَالَ كَانَ لَا یَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهٖ وَقَالَ اَبُوْ مُعَاوِیَةَ یَسْتَنْزِهُ۔

(ترجمہ) اس حدیث کی دوسری روایت میں ابن عباسؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے گزشتہ حدیث کے معنیٰ کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ اس روایت میں جریر راوی نے لَا یَسْتَتِرُ کا لفظ بولا ہے اور ایک اور راوی ابو معاویہ نے اعمش سے روایت کی اور یَسْتَنْزِہُ کا لفظ بولا ہے۔ (مفاد دونوں کا ایک ہے)

۲۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِیَادٍ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ زَیْدِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَسَنَةَ قَالَ انْطَلَقْتُ اَنَا وَعَمْرُو بْنُ الْعَاصِ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ وَمَعَهٗ دَرَقَةٌ ثُمَّ اسْتَتَرَ بِهَا ثُمَّ بَالَ فَقُلْنَا انْظُرُوْا اِلَیْهِ یَبُوْلُ كَمَا تَبُوْلُ الْمَرْاَةُ فَسَمِعَ ذٰلِكَ فَقَالَ اَلَمْ تَعْلَمُوْا مَا لَقِیَ صَاحِبُ بَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ؟ كَانُوْا اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَوْلُ قَطَعُوْا مَا اَصَابَهُ الْبَوْلُ مِنْهُمْ فَنَهَاهُمْ فَعُذِّبَ فِیْ قَبْرِهٖ

قَالَ اَبُوْدَاوُدَ قَالَ مَنْصُوْرٌ عَنْ اَبِیْ وَآئِلٍ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ فِیْ هٰذَا الْحَدِیْثِ قَالَ جِلْدَ اَحَدِهِمْ وَقَالَ عَاصِمٌ عَنْ اَبِیْ وَآئِلٍ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَسَدَ اَحَدِهِمْ۔

(ترجمہ) عبدالرحمٰن بن حسنہ کا بیان ہے کہ "میں اور عمرو بن العاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے۔ آپؐ گھر سے برآمد ہوئے تو آپؐ کے پاس ایک ڈھال تھی۔ آپؐ نے اس کے ساتھ پردہ کیا اور بول کیا۔ ہم نے کہا دیکھو! آپ عورت کی طرح پیشاب کرتے ہیں" آپؐ نے یہ سُن لیا تو فرمایا: تمہیں معلوم نہیں کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص کو کیا پیش آیا؟ بنی اسرائیل اس حصے کو کاٹ دیتے تھے جس پر بول پڑ جاتا تو اس نے انہیں اس سے منع کیا تو قبر میں اس کے سبب اسے عذاب ہوا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس حدیث کی روایت منصور نے کی تو جِلْدَ اَحَدِهِمْ کا لفظ بولا (یعنی ان میں سے کسی کی کھال کو جب پیشاب لگ جاتا) اور عاصم نے اپنی روایت میں ابوموسیٰؓ کا یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نقل کیا کہ آپؐ نے فرمایا: جَسَدَ اَحَدِهِمْ۔ یعنی ان میں سے کسی کے جسم کو جب بول لگ جاتا۔

(شرح) مسند احمد کی ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں: بنی اسرائیل کو جب کچھ بول لگ جاتا تو اسے قینچیوں سے کاٹ دیتے تھے۔ نسائی کی حدیث میں بھی یہی الفاظ ہیں اور اس کی دوسری روایت میں ہے: جب ان میں سے کسی کو کچھ بول لگ جاتا تو الخ۔ بظاہر اس سے مراد کپڑا وغیرہ ہے۔ حافظ ابن حجرؒ عسقلانی کی بھی یہی رائے ہے۔ اگر خدانخواستہ ان لوگوں کو جسم کے حصے کاٹنے کا حکم دیا جاتا تو یہ ارحم الراحمین خدا کی رحمت و حکمت کے خلاف ہوتا۔ بہت سے لوگوں کو جسم کاٹنے پڑتے کیونکہ دن بھر میں کئی مرتبہ ہر شخص کو بول کی حاجت ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل کی تاریخ سے اور خود کتاب و سُنّت سے ثابت نہیں ہوا کہ ان لوگوں کے اعضائے جسم یا کھال کے بعض حصے کٹے ہوئے تھے۔ ابوداؤد نے منصور اور عاصم کی روایات سے جِلْد اور جَسَد کے الفاظ ثابت کرکے شاید یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ انہیں واقعی جسم کے حصے کاٹنے کا حکم تھا۔ ان میں سے پہلی روایت تو ابوموسیٰؓ پر موقوف ہے۔ بخاری نے جب اس روایت کو بیان کیا تو: ثَوْبَ اَحَدِهِمْ کا لفظ بتایا (یعنی ان میں سے کسی کے کپڑے کو اگر نجاست لگ جاتی الخ) مسلم نے جِلْدَ اَحَدِهِمْ کا لفظ روایت کیا ہے جس سے مراد بقول امام قرطبی وہ کھال ہے جسے وہ لوگ جسم پر اوڑھتے تھے نہ کہ خود ان کے جسم کی کھال۔ بخاری نے منصور سے بحوالہ ابووائل حضرت ابوموسیٰؓ اشعری کے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ بول کے معاملے میں شدید تھے وہ فرماتے تھے کہ بنی اسرائیل کے کپڑوں میں اگر پیشاب لگ جاتا تو وہ کاٹ دیتے تھے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حدیث میں بنی اسرائیل کے بارے میں جو شدّت مذکور ہے اس کا تعلق کپڑوں وغیرہ سے تھا نہ کہ جسم سے۔ واللہ اعلم۔ عبدالرحمٰن بن حسنہ کا یہ بیان کہ ہم نے کہا دیکھو آپؐ عورت کی مانند بول کرتے ہیں، بطور تعجب تھا کیونکہ عربی جاہلی معاشرے میں پردے وغیرہ کا کوئی سوال نہ تھا۔ لوگ ایک دوسرے کے سامنے عریاں ہو جانا معیوب نہ جانتے تھے۔ ان حضرات کا یہ قول خدا نخواستہ بطور استہزا نہ تھا کیونکہ کسی مسلمان سے اس کا تصور نہیں ہو سکتا، اور صحابہؓ تو حضورؐ کا از حد زیادہ ادب و احترام ملحوظ رکھتے تھے۔

۱۲- بَابُ الْبَوْلِ قَائِمًا

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا باب

۲۳- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ وَ مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ح وَ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ وَهٰذَا لَفْظُ حَفْصٍ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ أَتَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ - قَالَ أَبُو دَاؤدَ قَالَ مُسَدَّدٌ قَالَ فَذَهَبْتُ أَتَبَاعَدُ فَدَعَانِي حَتّٰى كُنْتُ عِنْدَ عَقِبِهِ -

(ترجمہ) حذیفہ رضؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کے کوڑے کے ڈھیر پر تشریف لے گئے اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ پھر پانی منگوایا اور اپنے موزوں پر مسح فرمایا۔ ابوداؤد نے کہا کہ مسدد نے کہا کہ حضرت حذیفہ رضؓ نے کہا: میں آپؐ سے دور ہٹنے لگا تو آپؐ نے مجھے بلایا یہاں تک کہ میں آپؐ کی ایڑیوں کے پاس تھا۔

(شرح) سُباطہ کا معنیٰ ہے کوڑا پھینکنے کی جگہ جو آبادی کے قریب مکانات سے باہر بنی رہتی ہے۔ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہو کر بول کرنے کا ذکر ہے جو بعض دوسری احادیث کے خلاف ہے۔ عائشہ صدیقہ رضؓ کی حدیث میں ہے کہ جو شخص تم سے یہ بیان کرے کہ حضور نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا تھا تو اس کی تصدیق مت کرو۔ دونوں احادیث میں توافق کی یہ صورت ہے کہ حضورؐ نے گھر میں کبھی ایسا نہیں کیا، بلا عذر کبھی ایسا نہیں کیا اور عادت شریف یہی تھی بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے۔ عامہ فقہاء کا مسلک یہی ہے کہ کھڑے ہو کر بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے اور یہ کراہت تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے، یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔ سعید بن مسیبؒ، عروہؒ، احمد بن حنبل وغیرہم کے نزدیک کھڑے ہو کر بول کرنا جائز ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ اگر ایسا کرنے سے چھینٹے پڑنے کا خدشہ ہو تو ناجائز ہے ورنہ نہیں۔ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ عربوں کے نزدیک پشت کے درد میں یہ فعل باعث شفاء ہے اور ہمارے خیال میں حضورؐ نے اسی غرض سے ایسا کیا تھا۔ قاضی عیاض مالکی نے کہا کہ آپؐ امور اُمت میں مصروفیت کے باعث کچھ دیر بول کو روکے رہے اور دُور تشریف نہ لے جاسکے اس لئے کھڑے ہو کر ایسا کیا تھا۔ امام حاکم وغیرہ نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے ایک زخم کے باعث ایسا کیا تھا، مگر اس روایت کو بیہقی اور دارقطنی نے ضعیف کہا ہے۔ ابوعوانہ اور ابن شاہین نے کہا کہ اس وقت تک کھڑے ہو کر پیشاب جائز تھا مگر بعد میں منسوخ ہو گیا۔ حذیفہ رضؓ کے دُور ہٹ جانے کا سبب یہ تھا کہ اُسے حضورؐ کی عادت معلوم تھی کہ ایسے حالات میں آپ پردہ پسند فرماتے ہیں مگر حضورؐ نے انہیں قریب بلا لیا تاکہ پیچھے کھڑے رہیں اور پردے کا مقصد بہتر طور پر حاصل ہو۔ حدیث کے آخر میں پانی منگوانے کے ساتھ صرف موزوں پر مسح کرنے کا ذکر ہے مگر یہ بات تو مسلّم ہے کہ مسح خفّین وضوء کے بعد ہی ہوتا ہے۔

۱۳- بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَبُولُ بِاللَّيْلِ فِي الْإِنَاءِ ثُمَّ يَضَعُهُ عِنْدَهُ

باب اس شخص کے بیان میں جو رات کو برتن میں بول کرے اور اسے اپنے پاس رکھ دے

۲۴- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ حُكَيْمَةَ بِنْتِ أُمَيْمَةَ ابْنَةِ رُقَيْقَةَ عَنْ أُمِّهَا أَنَّهَا قَالَتْ كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَحٌ مِنْ عَيْدَانٍ تَحْتَ سَرِيرِهِ يَبُولُ فِيهِ۔

(ترجمہ) اُمیمہؓ بنت رُقیقہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کھجور کی جڑ کا ایک پیالہ تھا جو آپ کی چارپائی کے نیچے ہوتا تھا، آپ رات کو اس میں پیشاب کرتے تھے۔

(شرح) اُمیمہؓ اور رُقیقہؓ ماں بیٹی دونوں صحابیہ ہیں۔ یہ رُقیقہؓ حضرت خدیجہؓ کی بہن ہوتی تھیں اور اسی رشتے کے باعث اُمیمہؓ کا حضورؐ کے ہاں آنا جانا تھا۔ اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ حضورؐ چارپائی پر استراحت فرماتے تھے اور یہ چیز خلافِ زہد نہیں ہے۔ رہا رات کو اس پیالے میں پیشاب کرنا تو غالباً یہ مرض الوفات کا ذکر ہے، ورنہ یہ آپ کی ہمیشہ کی عادت نہ تھی۔ اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جس میں ہے کہ جس گھر میں بول ہو وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ یاد رہے کہ ان معاملات میں حضورؐ اپنے ساتھ تمام افرادِ امّت کا سا معاملہ فرماتے تھے ورنہ بہت سے علمائے امّت کا یہ قول ہے کہ آپ کے خصائص میں یہ بات بھی داخل ہے کہ آنحضابؐ کے فضلات طاہر تھے نجس نہ تھے۔ پسینے کی خوشبو تو صحیح احادیث میں وارد ہے۔ جسے تفصیل کی خواہش ہو وہ علامہ علی القاریؒ کی شرحِ شفا، شرح مواہب لدنیہ، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، تحفۃ المحتاج، التلخیص الحبیر عسقلانی، تہذیب الاسماء واللغات للنوویؒ کا مطالعہ کرے۔

۱۴- بَابُ الْمَوَاضِعِ الَّتِي نُهِيَ عَنِ الْبَوْلِ فِيهَا

ان جگہوں کا باب جہاں بول کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

۲۵- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضـ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اتَّقُوا اللَّاعِنَيْنِ قَالُوا وَمَا اللَّاعِنَانِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي يَتَخَلَّى فِي طَرِيقِ النَّاسِ أَوْ ظِلِّهِمْ

(ترجمہ) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لعنت کے دو اسباب سے بچو۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ لعنت کے دو اسباب کیا ہیں؟ فرمایا: ایک تو وہ شخص جو لوگوں کے راستے میں رفع حاجت کرے، دوسرا وہ جو ان کے سائے میں ایسا کرے۔

(شرح) اس حدیث میں لاعن بمعنیٰ فاعل بمعنیٰ مفعول ہے، یعنی وہ دو اشخاص جن پر لعنت کی جاتی ہے۔ راستے پر ہر گزرنے والا اور سائے میں ہر پناہ لینے والا ان پر لعنت کرتا ہے۔ یا مراد وہ دو افعال ہیں جو سبب لعنت ہیں۔ طریق الناس تو ظاہر ہے کہ جس راہ سے لوگ گزرتے ہیں۔ سائے سے مراد وہ سایہ ہے جہاں اٹھنے بیٹھنے اور آرام کرنے کی عادت ہو، ہر سایہ نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک کھجور کے سائے میں قضائے حاجت ثابت ہے۔

۲۶ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ سُوَيْدٍ الرَّمْلِيُّ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَبُو حَفْصٍ وَحَدِيثُهُ أَتَمُّ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْحَكَمِ حَدَّثَهُمْ قَالَ أَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ يَزِيدَ قَالَ حَدَّثَنِي حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْحِمْيَرِيَّ حَدَّثَهُ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَةَ، الْبَرَازَ فِي الْمَوَارِدِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيقِ وَالظِّلِّ۔

(ترجمہ) معاذ بن جبل نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لعنت کے تین اسباب سے بچو، پانی کے گھاٹوں پر قضائے حاجت کرنا اور راستے کے وسط اور سائے میں رفع حاجت کرنا۔

(شرح) موارد جمع ہے مورد کی، اس سے مراد پانی کا گھاٹ اور راستہ ہے۔ شیخ ابن حجر کا قول ہے کہ موسم سرما میں دھوپ سینکنے کے لئے لوگوں کی نشست و برخاست کی جگہوں کا بھی یہی حکم ہے۔

۱۵ - بَابُ الْبَوْلِ فِي الْمُسْتَحَمِّ

غسل خانے میں بول کرنے کا باب

۲۷ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَحْمَدُ قَالَ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ قَالَ أَخْبَرَنِي أَشْعَثُ، وَقَالَ الْحَسَنُ عَنْ أَشْعَثَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي مُسْتَحَمِّهِ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ، قَالَ أَحْمَدُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ فِيهِ فَإِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن مغفل نے کہا کہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: تم میں سے کوئی غسل خانے میں پیشاب نہ کرے پھر اس میں غسل کرنے لگے، احمد نے کہا کہ پھر وضو کرنے لگے، کیونکہ زیادہ تر وسوسہ اسی سے پیدا ہوتا ہے۔

(شرح) غسل خانے میں بول کرنا بری عادت ہے مگر حدیث میں جس چیز سے منع فرمایا ہے وہ دو چیزوں کا مجموعہ ہے: ایک غسل خانے میں یہ فعل کرنا اور دوسری پھر اس میں غسل کرنا۔ وجہ یہ ہے کہ اس وقت بالعموم غسل خانوں میں پانی ٹھہرا رہتا تھا جو نجس ہو جاتا تھا۔ آج کل کے غسل خانے جن سے پانی وغیرہ فوراً باہر نکل جاتا ہے ان کا یہ حکم نہیں، گو ان میں بھی بول سے پرہیز بہتر واولیٰ ہے۔ یہ علامہ علی القاری، حافظ ابن حجر عسقلانی، علی بن محمد طنافسی، عبداللہ بن المبارک اور علامہ شوکانی کے اقوال

کا خلاصہ ہے۔ نہی کی علت وسوسہ پیدا ہونا ہے۔ جب اس کے اسباب ختم ہو جائیں تو نہی نہ رہے گی۔

۲۸۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ دَاؤدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ حُمَيْدِ الْحِمْيَرِيِّ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ لَقِيْتُ رَجُلًا صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا صَحِبَهُ اَبُوْ هُرَيْرَةَ۔ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّمْتَشِطَ اَحَدُنَا كُلَّ يَوْمٍ اَوْ يَبُوْلَ فِيْ مُغْتَسَلِهٖ۔

(ترجمہ) حمید بن عبدالرحمٰن حمیری کا بیان ہے کہ میں ایک شخص سے ملا جو ابو ہریرہؓ کی طرح حضورؐ کا صحابی تھا۔ اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ ہم میں سے کوئی ہر روز کنگھی کرے یا غسل خانے میں پیشاب کرے۔

(شرح) جب یہ ثابت ہو جائے کہ جس راوی کا نام سند میں نہیں آیا وہ واقعی صحابی تھا تو پھر اس کے نام و نشان کی جہالت حدیث میں کوئی نقص یا ضعف پیدا نہیں کرتی۔ یہاں جس شخص کا نام چھوٹا تھا وہ واقعی صحابی تھا جیسا کہ بیہقی اور نسائی کی روایات سے اس پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ اصحابؓ کے عدول اور ثقہ ہونے میں اہل حق میں سے کسی کو کلام نہیں بعض بدعتی اور غالی فرقوں کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ بلا ضرورت روزانہ کا رسنگھار اور کنگھی پٹی مردوں کو زیب نہیں دیتی اور جو شخص اس میں لگا رہے اسے اچھا مسلمان نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہ نہی تحریم کے لئے نہیں بلکہ تنزیہی ہے۔

۱۶۔ بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْبَوْلِ فِي الْجُحْرِ

سوراخ میں بول کرنے کی ممانعت

۲۹۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ مَيْسَرَةَ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ يُّبَالَ فِي الْجُحْرِ۔ قَالَ قَالُوْا لِقَتَادَةَ مَا يُكْرَهُ مِنَ الْبَوْلِ فِي الْجُحْرِ قَالَ كَانَ يُقَالُ اِنَّهَا مَسَاكِنُ الْجِنِّ۔

(ترجمہ) عبداللہؓ بن سرجس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بل (سوراخ) میں بول کرنے سے منع فرمایا۔ ہشام راوی نے کہا کہ لوگوں نے قتادہ سے پوچھا کہ بل میں پیشاب کرنے میں کیا کراہت ہے؟ اس نے کہا کہ کہا جاتا تھا کہ یہ جگہیں جنوں کے رہنے کی ہیں۔

(شرح) قتادہ کی بیان کردہ علت کے علاوہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بعض دفعہ زہریلے جانور باہر نکل کر ڈس لیتے ہیں اور اس سے انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ ایسے واقعات پیش آچکے ہیں۔

۱۷۔ بَابُ مَا يَقُوْلُ الرَّجُلُ اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ

باب اس بیان میں کہ آدمی بیت الخلاء سے نکل کر کیا کہے؟

٣٠- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ النَّاقِدُ حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ يُوسُفَ ابْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ رض أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْغَائِطِ قَالَ غُفْرَانَكَ۔

(ترجمہ) اُمّ المومنین عائشہ رض نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء سے نکلتے تو کہتے : غُفْرَانَكَ۔ اے اللہ تو بخش دے۔

(شرح) اللہ تعالیٰ کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں کھلایا، پھر کھانا ہضم کیا اور اس کے فضلات کو آسانی خارج کر دیا۔ خدانخواستہ ان مرحلوں میں سے اگر کسی پر بھی اس کے فضل و کرم کی نگاہ پھر جاتی تو زندگی ختم ہو جاتی۔ انسان اس فضل و احسان کے شکریے سے قاصر ہے۔ اسی احساس نے سید البشر ؐ سے یہ الفاظ کہلوائے۔ افضل یہ ہے کہ اس کے بعد دوسری روایت کے الفاظ بھی کہے : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنِّي الْاَذٰى وَعَافَانِيْ۔ حضور ؐ کے قول کا باعث بیت الخلاء کے اندر بلا ذکرِ الٰہی رہنے پر استغفار بھی ہو سکتا ہے۔

١٨- بَابُ كَرَاهِيَةِ مَسِّ الذَّكَرِ بِالْيَمِينِ فِي الْاِسْتِبْرَاءِ

استنجاء میں دائیں ہاتھ سے شرمگاہ کو مس کرنے کا مکروہ ہونا

٣١- حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَا حَدَّثَنَا أَبَانُ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَمَسَّ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ وَإِذَا أَتَى الْخَلَاءَ فَلَا يَتَمَسَّحْ بِيَمِينِهِ وَإِذَا شَرِبَ فَلَا يَشْرَبْ نَفَسًا وَاحِدًا۔

(ترجمہ) ابو قتادہ رض نے کہا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو اپنی شرمگاہ کو دائیں ہاتھ سے مس نہ کرے اور جب بیت الخلاء میں جائے تو دائیں ہاتھ سے صفائی نہ کرے اور جب پانی پیئے تو ایک ہی سانس میں نہ پی جائے۔

(شرح) عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ حضور ؐ کا دایاں ہاتھ پاک کاموں اور کھانے کے لئے تھا اور بائیں ہاتھ سے طہارت کیا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم عام ہے۔ بیت الخلاء کے علاوہ دائیں ہاتھ کو شرمگاہ کو نہ لگایا جائے۔ ایک ہی سانس میں پانی پی جانے سے کئی بیماریوں کا اندیشہ ہے لہٰذا اس سے بھی منع فرمایا گیا۔ یہ ممانعت تعلیم آداب سے تعلق رکھتی ہے اور تینوں کاموں سے نہی تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔ جمہور کا مذہب یہی ہے اور اس میں اربابِ ظواہر کا اختلاف ہے۔

٣٢- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ آدَمَ بْنِ سُلَيْمَانَ الْمِصِّيصِيُّ أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ حَدَّثَنَا

أَبُو أَيُّوبَ يَعْنِي الْإِفْرِيقِيَّ عَنْ عَاصِمٍ عَنِ الْمُسَيَّبِ بْنِ رَافِعٍ وَمَعْبَدٍ عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ الْخُزَاعِيِّ قَالَ حَدَّثَتْنِي حَفْصَةُ رضی اللہ عنہا زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْعَلُ يَمِينَهُ لِطَعَامِهِ وَشَرَابِهِ وَثِيَابِهِ وَيَجْعَلُ شِمَالَهُ لِمَا سِوَى ذٰلِكَ۔

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ کو کھانے پینے اور کپڑے پہننے کے لئے استعمال فرماتے تھے اور دوسرے کاموں میں بایاں ہاتھ لگاتے تھے۔

(شرح) لباس میں دایاں ہاتھ استعمال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ لباس کو دائیں طرف سے پہننا شروع فرماتے تھے بقول امام نووی شرح میں یہ ایک مستمرہ قاعدہ ہے کہ تکریم و تشریف کے سب کاموں میں دایاں ہاتھ اور دائیں جانب استعمال کی جائے مثلاً قمیص، پاجامہ، موزہ وغیرہ پہننا، مسجد میں داخل ہونا، مسواک، سرمہ لگانا، ناخن کاٹنا، مونچھیں تراشنا، بالوں کو سنوارنا، اذیت دہ بالوں کی صفائی، سر منڈانا، نماز کا سلام، اعضائے طہارت کا دھونا، بیت الخلاء سے نکلنا، کھانا پینا، مصافحہ کرنا، حجر اسود کو بوسہ دینا وغیرہ وغیرہ۔ اور اس کے برعکس کاموں میں بایاں ہاتھ، بایاں پاؤں یا بائیں جانب (جو بھی صورت ہو) کو استعمال کیا جائے۔

۳۳ - حَدَّثَنَا أَبُو تَوْبَةَ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ ابْنِ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَتْ يَدُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيُمْنَى لِطُهُورِهِ وَطَعَامِهِ وَكَانَتْ يَدُهُ الْيُسْرَى لِخَلَائِهِ وَمَا كَانَ مِنْ أَذًى۔

(ترجمہ) اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دایاں ہاتھ پاک چیزوں اور کاموں اور کھانے کیلئے استعمال ہوتا تھا اور بایاں ہاتھ بیت الخلاء میں اور دوسری ناپسند چیزوں میں استعمال ہوتا تھا۔

(شرح) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والا اس حدیث میں ابراہیم بن یزید ہے۔ امام منذری کا قول ہے کہ ابراہیم کا حضرت ام المؤمنین سے سماع ثابت نہیں لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے مگر مضمون اس کا دیگر مسند مرفوع احادیث کے مطابق ہے اس لئے امام ابو داؤد نے آگے دوسری سند بیان کی ہے جس میں ابراہیم نخعی اور ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان اسود بن یزید نخعی کا واسطہ موجود ہے اور وہ روایت یہ ہے:

۳۴ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ بَزِيعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَطَاءٍ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ۔

(ترجمہ) اسود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ہم معنی روایت کرتی ہیں۔

۱۹ - بَابٌ فِي الْاِسْتِتَارِ فِي الْخَلَاءِ

رفع حاجت کے وقت پردے کا باب

۳۵- حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ ثَوْرٍ عَنِ الْحُصَيْنِ الْحُبْرَانِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اكْتَحَلَ فَلْيُوتِرْ، مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ. وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ، مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ. وَمَنْ أَكَلَ فَمَا تَخَلَّلَ فَلْيَلْفِظْ وَمَا لَاكَ بِلِسَانِهِ فَلْيَبْتَلِعْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ. وَمَنْ أَتَى الْغَائِطَ فَلْيَسْتَتِرْ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ إِلَّا أَنْ يَجْمَعَ كَثِيبًا مِنْ رَمْلٍ فَلْيَسْتَدْبِرْهُ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَلْعَبُ بِمَقَاعِدِ بَنِي آدَمَ، مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ أَبُو عَاصِمٍ عَنْ ثَوْرٍ قَالَ حُصَيْنٌ الْحِمْيَرِيُّ، قَالَ وَرَوَاهُ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ الصَّبَّاحِ عَنْ ثَوْرٍ فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ الْخَيْرُ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ أَبُو سَعِيدٍ الْخَيْرُ هُوَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(ترجمہ) ابوسعید الخیر الانصاری ابوہریرہؓ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: جو سرمہ لگائے تو طاق عدد میں لگائے۔ جس نے ایسا کیا تو خوب کیا اور جس نے نہ کیا تو کوئی حرج نہیں۔ اور جو ڈھیلے استعمال کرے تو طاق عدد میں کرے، جس نے ایسا کیا تو خوب کیا اور جس نے نہ کیا تو کوئی حرج نہیں۔ اور جس نے کچھ کھایا اور خلال کیا تو جو کچھ نکلے وہ پھینک دے۔ اور جو چیز زبان پھیر کر نکلے اسے نگل لے، جس نے یہ کیا تو خوب کیا اور جس نے نہ کیا تو کوئی حرج نہیں۔ اور جو قضائے حاجت کے لئے گیا تو پردہ کرلے اگر اور کچھ نہ ملے تو ریت کا ایک ڈھیر ہی جمع کرلے اور اس کی طرف پشت کرکے بیٹھ جائے کیونکہ شیطان بنی آدم کے نچلے حصہ جسم سے کھیلتا ہے۔ جس نے ایسا کیا تو بہتر کیا اور جس نے نہ کیا تو کوئی حرج نہیں۔

(شرح) امام ابوداؤد نے حدیث کے راویوں پر جو گفتگو کی ہے اسے ہم نے چھوڑ دیا ہے کیونکہ اصل مضمون سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ اس حدیث میں جو آدابِ طہارت وغیرہ بیان ہوئے ہیں وہ ظاہر کرتے ہیں کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ جامعیت، و کاملیت کا کیا عالم تھا۔ جن چیزوں کو پیش پا افتادہ اور معمولی سمجھا جاتا ہے ان پر بھی آنجناب کی گہری نظر ہے اور تربیت اور تزکیہ امت کے لئے حسب موقع و ضرورت اسے کھول کر بیان فرماتے ہیں۔ سرمہ طاق عدد میں لگانے پر کافی گفتگو ہوئی ہے مگر شمائل ترمذی میں ایک حدیث اس میں فیصلہ کن ہے کہ حضورؐ ہر رات کو دونوں آنکھوں میں تین تین سلائی سرمہ لگاتے تھے اور یہی مستحب ہے۔ استجمار کا معنی ہے ڈھیلے استعمال کرنا۔ حدیث سے پتہ چل گیا کہ کوئی خاص عدد مسنون نہیں ہے اور مقصد طہارت ہے۔ شیطان کا مقاعد بنی آدم سے کھیلنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ انہیں بے پردگی اور خلاعت کی ترغیب دیتا ہے اور جب کوئی بے پردہ بیٹھا ہو تو دوسروں کو اس کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

۲۰ - بَابُ مَا يُنْهَى عَنْهُ أَنْ يُسْتَنْجَى بِهِ

باب، کن چیزوں سے استنجاء منع ہے۔

۳۶ - حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ الْهَمْدَانِيُّ أَخْبَرَنَا الْمُفَضَّلُ يَعْنِي ابْنَ فَضَالَةَ الْمِصْرِيَّ عَنْ عَيَّاشِ بْنِ عَبَّاسٍ الْقِتْبَانِيِّ أَنَّ شِيَيْمَ بْنَ بَيْتَانَ أَخْبَرَهُ عَنْ شَيْبَانَ الْقِتْبَانِيِّ قَالَ إِنَّ مَسْلَمَةَ بْنَ مُخَلَّدٍ اسْتَعْمَلَ رُوَيْفِعَ بْنَ ثَابِتٍ عَلَى أَسْفَلِ الْأَرْضِ قَالَ شَيْبَانُ فَسِرْنَا مَعَهُ مِنْ كَوْمِ شَرِيكٍ إِلَى عَلْقَمَاءَ أَوْ مِنْ عَلْقَمَاءَ إِلَى كَوْمِ شَرِيكٍ يُرِيدُ عَلْقَامَ فَقَالَ رُوَيْفِعٌ: إِنْ كَانَ أَحَدُنَا فِي زَمَنِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَأْخُذُ نِضْوَ أَخِيهِ عَلَى أَنَّ لَهُ النِّصْفَ مِمَّا يَغْنَمُ وَلَنَا النِّصْفُ، وَإِنْ كَانَ أَحَدُنَا لَيَطِيرُ لَهُ النَّصْلُ وَالرِّيشُ وَلِلْآخَرِ الْقِدْحُ - ثُمَّ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رُوَيْفِعُ لَعَلَّ الْحَيَاةَ سَتَطُولُ بِكَ بَعْدِي فَأَخْبِرِ النَّاسَ أَنَّهُ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهُ أَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا أَوِ اسْتَنْجَى بِرَجِيعِ دَابَّةٍ أَوْ عَظْمٍ فَإِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ بَرِيءٌ۔

(ترجمہ) رویفعؓ بن ثابت نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم میں سے بعض لوگ اپنے بھائی کا دُبلا پتلا اونٹ اس وعدے پہلے لیتے تھے کہ مالِ غنیمت ان دونوں میں نصف نصف ہوگا اور ہم میں سے بعض کے حصے میں صرف تیر کا لوہا اور اس کا پر آتا تھا اور دوسرے کے حصے میں تیر کی لکڑی۔ پھر رُویفعؓ نے کہا کہ مجھ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے رُویفع! میرے بعد شاید تیری زندگی دراز ہوگی تو لوگوں کو بتا دینا کہ جس نے اپنی داڑھی باندھی یا بچوں اور جانوروں کے گلے میں تانت لٹکائی یا جانور کے گوبر یا لید سے استنجاء کیا یا ہڈی سے استنجاء کیا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہیں۔

(شرح) حضورؐ کے ارشاد کے مطابق رُویفع نے طویل زندگی پائی اور امیر معاویہؓ کے دور میں فوت ہوئے۔ یہ معجزاتِ نبویؐ میں سے ہے کہ آپ کی خبر حرف بحرف پوری ہوئی۔ پھر آپ نے کچھ لوگوں کے جن تغیرات کا ذکر فرمایا وہ بھی وقوع میں آئے۔ ڈاڑھی باندھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بال گتھم گتھا کر کے گرہ لگا دی جائے جس طرح کہ ہندوستان کے سکھ لگاتے ہیں۔ عربوں میں دورِ جاہلیت کے اندر ڈاڑھی باندھنے، جانوروں اور بچوں کے گلے میں تانت ڈال کر اس میں کچھ منکے وغیرہ پرونے کا رواج تھا، سو اس سے بھی منع فرمایا اور نہی کا بڑا سخت انداز اختیار فرمایا۔

۳۷ - حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدٍ أَخْبَرَنَا الْمُفَضَّلُ عَنْ عَيَّاشٍ أَنَّ شُيَيْمَ بْنَ بَيْتَانَ أَخْبَرَهُ

بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَيْضًا عَنْ اَبِيْ سَالِمٍ الْجَيْشَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَيَذْكُرُ ذٰلِكَ وَهُوَ مَعَهُ مُرَابِطٌ بِحِصْنِ بَابِ اَلْيُوْنَ، قَالَ اَبُوْ دَاؤُدَ حِصْنُ اَلْيُوْنَ بِالْفُسْطَاطِ عَلٰى جَبَلٍ۔ قَالَ اَبُوْ دَاؤُدَ هُوَ شَيْبَانُ بْنُ اُمَيَّةَ يُكْنٰى اَبَا حُذَيْفَةَ۔

۳۸۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ اَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ اِسْحَاقَ حَدَّثَنَا اَبُو الزُّبَيْرِ اَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَّتَمَسَّحَ بِعَظْمٍ اَوْ بَعْرٍ۔

(ترجمہ) جابرؓ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہڈی یا مینگنی سے صفائی حاصل کرنے سے منع فرمایا۔

۳۹۔ حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ الْحِمْصِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ عَيَّاشٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الدَّيْلَمِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَدِمَ وَفْدُ الْجِنِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا مُحَمَّدُ اِنْهَ اُمَّتَكَ اَنْ يَّسْتَنْجُوْا بِعَظْمٍ اَوْ رَوْثَةٍ اَوْ حُمَمَةٍ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ جَعَلَ لَنَا فِيْهَا رِزْقًا۔ قَالَ فَنَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ۔

(ترجمہ) عبداللہؓ بن مسعود نے کہا کہ جنوں کا وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: اے محمدؐ! اپنی اُمّت کو ہڈی یا گوبر یا کوئلے سے استنجاء کرنے سے منع کر دیجئے کیونکہ اللہ عز و جل نے ہمارے لئے ان چیزوں میں رزق رکھا ہے۔ عبداللہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا۔

(شرح) احادیث و سیرت سے جنوں کا دو مرتبہ حضورؐ کی خدمت میں آنا ثابت ہے۔ ایک دفعہ ہجرت مدینہ سے قبل مکہ میں اور دوسری بار بعد از ہجرت مدنی زندگی میں۔ اس جگہ بیان ہونے والا واقعہ پہلا ہے۔ یہ جن نصیبین نامی مقام کے رہنے والے تھے۔ ان جنوں نے حضورؐ کو نام لیکر خطاب کیا تھا کیونکہ ابھی اس کی ممانعت نہیں اتری تھی۔ حدیث سے ثابت ہوا کہ جن بھی کھانے پینے کے محتاج ہیں۔ گو ان کے اجسام لطیف ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ ان مذکورہ اشیاء میں ان کا رزق کیونکر ہوتا ہے۔ آیا ان کے لئے از سرِ نو ان چیزوں میں کچھ پیدا کیا جاتا ہے یا وہ فقط ان چیزوں کو سونگھتے ہیں۔ معلوم یوں ہوتا ہے کہ ہڈیوں میں ان کا رزق ہے، گوبر وغیرہ میں ان کی سواریوں کا اور کوئلہ وغیرہ شائد اسی طرح کام آتا ہو جس طرح ہم لکڑی سے کام لیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۲۱۔ بَابُ الْاِسْتِنْجَاءِ بِالْاَحْجَارِ

پتھروں سے استنجاء کرنے کا باب

۴۰۔ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَا حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ

عَنْ اَبِیْ حَازِمٍ عَنْ مُّسْلِمِ بْنِ قُرْطٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا ذَهَبَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْغَائِطِ فَلْيَذْهَبْ مَعَهٗ بِثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ يَّسْتَطِيْبُ بِهِنَّ فَاِنَّهَا تُجْزِئُ عَنْهُ۔

(ترجمہ) عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے: جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء کی طرف جائے تو اپنے ساتھ تین پتھر لے جائے۔ ان کے ساتھ پاکیزگی حاصل کرے وہ اس کے لئے کافی ہیں۔

(شرح) تین کے عدد کی علت خود حضورؐ کے ارشاد سے پاکیزگی اور صفائی کا حصول ہے۔ اغلب احوال میں اس عدد سے کفائیت ہو جاتی ہے۔ گویا عدد مقصود نہیں ہے بلکہ طہارت مقصود ہے۔ علامہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ اگر کسی وجہ سے تین سے مقصد حاصل نہ ہو تو زیادہ تعداد واجب ہے۔ اس مضمون پر اس سے پہلے کئی بار بحث ہو چکی ہے۔ اس حدیث کی سند میں مسلم بن قرط ایک ضعیف راوی ہے مگر دارقطنی نے اس روایت کے بعد اسے صحیح حسن قرار دیا ہے۔

۴۱- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ خُزَيْمَةَ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ عَنْ خُزَيْمَةَ رض بْنِ ثَابِتٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْاِسْتِطَابَةِ فَقَالَ بِثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ لَّيْسَ فِيْهَا رَجِيْعٌ۔ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ كَذَا رَوَاهُ اُسَامَةُ وَابْنُ نُمَيْرٍ عَنْ هِشَامٍ يَّعْنِي ابْنَ عُرْوَةَ

(ترجمہ) خزیمہؓ بن ثابت انصاری نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استنجاء کے متعلق سوال ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ تین پتھروں کے ساتھ کافی ہے جن میں گوبر وغیرہ نہ ہو۔

۲۲- بَابٌ فِی الْاِسْتِبْرَآءِ

یہ باب طلب طہارت کے بیان میں ہے

۴۲- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَّخَلَفُ بْنُ هِشَامٍ الْمُقْرِئُ الْمَعْنٰى قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَحْيَى التَّوْاَمُ ح وَحَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ اَخْبَرَنَا اَبُوْ يَعْقُوْبَ التَّوْاَمُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنْ اُمِّهٖ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ بَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عُمَرُ رض خَلْفَهٗ بِكُوْزٍ مِّنْ مَّاءٍ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا عُمَرُ فَقَالَ مَاءٌ تَتَوَضَّاُ بِهٖ قَالَ مَا اُمِرْتُ كُلَّمَا بُلْتُ اَنْ

اَتَوَضَّأُ وَلَوْ فَعَلْتُ لَكَانَتْ سُنَّةً۔

(ترجمہ) عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بول کیا تو عمرؓ آپؐ کے پیچھے پانی کا کوزہ لئے کھڑے ہوگئے۔ آپؐ نے فرمایا: اے عمرؓ یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ پانی ہے کہ آپؐ اس سے وضوء فرمائیں۔ فرمایا مجھے یہ حکم نہیں ملا کہ جب بھی پیشاب کروں تو وضوء کیا کروں، اور اگر ایسا کروں تو یہ سنّت ہو جائے گا۔

(شرح) بول کے بعد پانی کا استعمال افضل ہے جیسا کہ آئندہ احادیث میں آرہا ہے۔ اور بعض دفعہ پانی کا استعمال واجب ہے جیسا کہ عموماً رفع حاجت کے بعد ہوتا ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح عزیمت پر عمل فرماتے تھے کبھی کبھی رخصت پر بھی عمل فرماتے تاکہ اُمت کے لئے آسانی ہو۔ ہر مرتبہ بول کے بعد پانی سے طہارت اور وضوء کا اگر حکم ملتا تو باعثِ مشقت ہوتا لہٰذا ازراہِ رحمت اس سے گریز فرمایا گیا۔ حدیث سے ثابت ہوا کہ حضورؐ کا ہر قول و فعل اللہ کے حکم سے ہوتا تھا اور آپ کی سُنّت بھی مامور بہا ہے اگرچہ فرض کے درجے میں نہ ہو۔

٢٣۔ بَابٌ فِي الْاِسْتِنْجَاءِ بِالْمَاءِ

یہ باب پانی کے ساتھ استنجا کرنے میں ہے

٤٣۔ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ عَنْ خَالِدٍ يَعْنِي الْوَاسِطِيَّ عَنْ خَالِدٍ يَعْنِي الْحَذَّاءَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِي مَيْمُونَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ حَائِطًا وَمَعَهُ غُلَامٌ مَعَهُ مِيضَاةٌ وَهُوَ اَصْغَرُنَا فَوَضَعَهَا عِنْدَ السِّدْرَةِ فَقَضَى حَاجَتَهُ فَخَرَجَ عَلَيْنَا وَقَدِ اسْتَنْجَى بِالْمَاءِ۔

(ترجمہ) انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں داخل ہوئے اور آپؐ کے ساتھ ایک نوجوان تھا جس کے پاس وضوء کا برتن تھا اور وہ ہم میں سب سے چھوٹا تھا۔ اس نے برتن کو بیری کے درخت کے پاس رکھ دیا۔ آپؐ نے قضائے حاجت کی اور پانی سے طہارت کرکے ہمارے پاس تشریف لائے۔

(شرح) اس باب کی حدیث سے پانی کے ساتھ استنجاء کا مستحب ہونا معلوم ہوا۔ جس نوجوان کا اس میں ذکر ہے اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ عبداللہ بن مسعودؓ تھے، مگر وہ انسؓ سے عمر میں بڑے تھے دراں حالیکہ وہ کہہ رہے ہیں کہ وہ نوجوان ہم میں سب سے کم عمر تھا۔ شاید یہ جابرؓ بن عبداللہ یا کوئی اور انصاری نوجوان تھا۔

٤٤۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ اَخْبَرَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ عَنْ يُونُسَ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ اِبْرَاهِيمَ بْنِ اَبِي مَيْمُونَةَ عَنْ اَبِي صَالِحٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فِي اَهْلِ قُبَاءَ: فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ اَنْ يَتَطَهَّرُوا۔ قَالَ كَانُوا يَسْتَنْجُونَ

بِالْمَاءِ فَنَزَلَتْ فِيهِمْ هٰذِهِ الْآيَةُ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت مسجد قباء والے لوگوں کے حق میں اُتری تھی، اُس مسجد میں ایسے لوگ ہیں جو پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں۔ ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ نزولِ آیت کا باعث یہ تھا کہ وہ لوگ پانی کے ساتھ طہارت کیا کرتے تھے۔

(شرح) یعنی پہلے مٹی اور پتھر وغیرہ سے استنجاء کے بعد وہ پانی کا بھی استعمال کرتے تھے، حدیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اسی طرح سے مزید طہارت حاصل ہوتی ہے جسے اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا کے لفظ سے بیان فرمایا گیا ہے۔

۲۴۔ بَابُ الرَّجُلِ يَدْلُكُ يَدَهُ بِالْأَرْضِ إِذَا اسْتَنْجٰى

یہ باب اس شخص کے متعلق ہے جو استنجاء کے بعد اپنا ہاتھ زمین پر ملے

۴۵۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا أَسْوَدُ بْنُ عَامِرٍ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ وَهٰذَا لَفْظُهُ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ يَعْنِي الْمُخَرِّمِيَّ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ شَرِيكٍ الْمَعْنٰى عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ جَرِيرٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى الْخَلَاءَ أَتَيْتُهُ بِمَاءٍ فِي تَوْرٍ أَوْ رَكْوَةٍ فَاسْتَنْجٰى۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ فِي حَدِيثِ وَكِيعٍ ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ أَتَيْتُهُ بِإِنَاءٍ آخَرَ فَتَوَضَّأَ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَحَدِيثُ الْأَسْوَدِ بْنِ عَامِرٍ أَتَمُّ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں جاتے تو میں پتیل یا پتھر یا چمڑے کے ایک برتن میں پانی لاتا پس آپ استنجاء کرتے۔ ابوداؤد نے کہا کہ وکیع کی حدیث میں ہے کہ پھر آپ اپنا ہاتھ زمین پر ملتے، پھر میں ایک اور برتن لاتا تو آپ وضوء کرتے۔ ابوداؤد نے کہا کہ اسود بن عامر کی حدیث زیادہ پوری ہے۔

(شرح) یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت قوی حسِ طہارت اور لطافت مزاج کی دلیل ہے۔ مٹی پر ہاتھ رگڑنے سے پوری پاکیزگی حاصل ہو جاتی ہے جو کسی صابون یا اور چیز سے نہیں مل سکتی۔ مٹی کے اجزاء جراثیم کُش بھی ہیں، جو جرثوم کسی دوائی یا صابن سے ضائع نہیں ہو سکتے وہ مٹی سے ختم ہو جاتے ہیں۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ ان معاملات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم افراد و آحادِ اُمت کا سا معاملہ کرتے تھے ورنہ اس مسئلہ پر کافی بحث و تمحیص ہوئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات نجس ہیں یا نہیں۔ حضورؐ کا اپنا معیارِ طہارت اسی قدر بلند تھا جتنا بلند آپؐ کا مقام تھا صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۵۔ بَابُ السِّوَاكِ

مسواک کے بارے میں باب

۴۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ

يَرْفَعُهُ قَالَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ لَاَمَرْتُهُمْ بِتَاخِيْرِ الْعِشَاءِ وَبِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: اگر میں ایمانداروں کو مشکل میں نہ ڈال دوں تو انہیں نماز عشاء کی تاخیر کا اور ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔

(شرح) یعنی ان دو چیزوں کی فضیلت کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایمانداروں کو اس کا مامور کیا جائے مگر کیا اس خدشے سے نہیں کہ انہیں تکلیف اور مشقت نہ ہو۔ نماز عشاء کی تاخیر ایک ثلث رات تک یا نصف تک بروئے احادیث مستحب ہے اور یہی جمہور علماء کا مسلک ہے حضورؐ باوجود فطرۃً نہایت پاک صاف اور خوشبودار ہونے کے بہت زیادہ مسواک فرماتے تھے اور خوشبو کا استعمال بھی بہت کرتے تھے۔ بات وہی ہے جو اوپر گزری کہ آپؐ کا معیار لطافت و نظافت بہت ارفع و اعلیٰ تھا، لہٰذا اپنے لئے تو عمل یہ رکھا کہ ہر نماز سے قبل مسواک کی پابندی کی۔ اسی لئے بعض علماء نے فرمایا کہ آپؐ پر ہر نماز کے وضو کے ساتھ مسواک بھی واجب تھی، مگر ازراہ رحمت و رافت اُمت کے لئے مسواک کا صرف استحباب رکھا۔ ویسے مسواک والے وضو سے نماز پڑھنے کی فضیلت بھی ارشاد فرما دی۔ وضو کے علاوہ سو کر اٹھنے کے بعد اور کوئی ایسی چیز کھا کر جس سے منہ کی ہوا تبدیل ہو جائے فقہائے حنفیہ نے مسواک کو مستحب ٹھیرایا ہے۔ "ہر نماز کے وقت" سے مراد یہ نہیں کہ نماز میں کھڑے ہو کر مسواک کی جائے بلکہ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ کی مانند اس سے بھی مراد نماز کی تیاری یعنی وضو ہے۔

۴۷۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسٰى حَدَّثَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ، لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ۔ قَالَ اَبُوْ سَلَمَةَ فَرَاَيْتُ زَيْدًا يَجْلِسُ فِي الْمَسْجِدِ وَاِنَّ السِّوَاكَ مِنْ اُذُنِهٖ مَوْضِعَ الْقَلَمِ مِنْ اُذُنِ الْكَاتِبِ فَكُلَّمَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ اسْتَاكَ۔

(ترجمہ) زید بن خالد الجہنی نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اگر مجھے اپنی اُمت کی مشقت کا خوف نہ ہوتا تو انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔ ابوسلمہ نے کہا کہ میں نے زیدؓ کو مسجد میں بیٹھے دیکھا، ان کی مسواک اس طرح کان پر ٹکی ہوئی تھی جس طرح کہ کاتب کا قلم ہوتا ہے، سو جب بھی نماز کے لئے اٹھتے تو مسواک کرتے تھے۔

۴۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَوْفٍ الطَّائِيُّ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحٰقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ قَالَ قُلْتُ اَرَاَيْتَ تَوَضُّؤَ ابْنِ عُمَرَؓ لِكُلِّ صَلٰوةٍ طَاهِرًا وَغَيْرَ طَاهِرٍ عَمَّ ذَاكَ؟ فَقَالَ حَدَّثَتْنِيْهِ اَسْمَاءُ بِنْتُ زَيْدِ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ حَنْظَلَةَ بْنِ اَبِيْ عَامِرٍ حَدَّثَهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِالْوُضُوْءِ

لِكُلِّ صَلٰوةٍ طَاهِرًا أَوْ غَيْرَ طَاهِرٍ فَلَمَّا شَقَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِ أَمَرَ بِالسِّوَاكِ لِكُلِّ صَلٰوةٍ فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَرٰى أَنَّ بِهِ قُوَّةً فَكَانَ لَا يَدَعُ الْوُضُوْءَ لِكُلِّ صَلٰوةٍ۔ قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ إِبْرَاهِيْمُ ابْنُ سَعْدٍ رَوَاهُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ۔

(ترجمہ) محمد بن یحییٰ نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے عبداللہ (یا دوسرے بیٹے عبیداللہ) سے پوچھا کہ یہ تو بتاؤ کہ عبداللہ بن عمرؓ ہر نماز کے لئے وضوء کرتے تھے پہلے سے باوضوء ہوں یا بے وضوء، تو ایسا کیوں تھا؟ اس نے کہا کہ مجھ سے اسماء بنت زید بن الخطاب نے بیان کیا کہ عبداللہ بن حنظلہؓ بن ابی عامر نے اسے بتایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پہلے یہ حکم ملا تھا کہ ہر نماز کے لئے وضوء کیا کریں، مگر جب اس کے باعث مشقت ہوئی تو ہر نماز کے لئے مسواک کا حکم دیا گیا۔ پس عبداللہ بن عمرؓ سمجھتے تھے کہ ان میں اتنی قوت ہے لہٰذا ہر نماز کے لئے وضوء کرتے تھے۔

(شرح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسواک ہر نماز کے لئے وضوء کرنے کے حکم کے قائم مقام قرار دی گئی تھی۔ یہ بھی پتہ چلا کہ یہ حکم بطور وجوب حضورؐ کے ساتھ مخصوص تھا۔ حضورؐ کے متعلق تمام احادیث یہی بتاتی ہیں کہ آپ وضوء کرتے وقت مسواک کرتے تھے، نہ یہ کہ نماز کے لئے کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ کے وقت۔ یہ عمل نہ حضورؐ سے نہ خلفائے راشدینؓ سے منقول ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو جس طرح دیگر واجبات کا ذکر تواتر سے احادیث میں آتا ہے، اس کا بھی آتا اگر وضوء کے علاوہ بھی مسواک کی جائے تو حرج نہیں مگر سوال مسجد کے اندر اور نماز میں قیام کے وقت کا ہے جو ثابت نہیں ہے۔

۲۶۔ بَابُ كَيْفَ يَسْتَاكُ

مسواک کرنے کی کیفیت کا باب

۴۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَسُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ الْمَعْنٰى قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيْرٍ عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ عَنْ أَبِيْهِ، قَالَ مُسَدَّدٌ قَالَ، أَتَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَحْمِلُهُ فَرَأَيْتُهُ يَسْتَاكُ عَلٰى لِسَانِهِ۔ قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ قَالَ سُلَيْمَانُ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَسْتَاكُ وَقَدْ وَضَعَ السِّوَاكَ عَلٰى طَرَفِ لِسَانِهِ وَهُوَ يَقُوْلُ أَهْ أَهْ يَعْنِيْ يَتَهَوَّعُ قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ قَالَ مُسَدَّدٌ كَانَ حَدِيْثًا طَوِيْلًا اخْتَصَرْتُهُ۔

(ترجمہ) ابو موسیٰؓ نے فرمایا کہ ہم سواریاں طلب کرنے کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو میں نے دیکھا کہ آپ اپنی زبان پر مسواک مل رہے تھے۔ دوسری روایت کے مطابق فرمایا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اس وقت مسواک کر رہے تھے اور مسواک کو اپنی زبان کے کنارے پر رکھا ہوا تھا اور آع آع

کر رہے تھے (جیسا کہ مسواک کرتے وقت اکثر ہوتا ہے)

(شرح) اس حدیث سے یہ پتہ چلا کہ مسواک کو صرف دانتوں پر نہیں بلکہ زبان پر بھی پھیرنا چاہیئے بلکہ حلق کے قریب تک کی صفائی مسنون ہے۔ حضورؐ سے قبیلۂ اشعریین کے لوگوں کے سواریاں طلب کرنے کا واقعہ جنگ تبوک کا ہے جس کا ذکر سنن نسائی صحیح مسلم صحیح بخاری اور مسند احمد میں آتا ہے مگر ان کی حدیث میں کہیں بھی اُس موقع پر مسواک کا ذکر نہیں ہے۔ ہاں امسواک کا ذکر بخاری و مسلم کی جس حدیث میں ہے وہ واقعہ دوسرا ہے کہ ابو موسیٰؓ کے ساتھ دو اور اشعری حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے حضورؐ سے کسی علاقے کی حکومت کا مطالبہ کیا۔ حضورؐ نے ابو موسیٰؓ سے پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ واللہ مجھے ان لوگوں نے یہاں آنے سے پہلے بالکل نہیں بتایا تھا کہ وہ اس غرض سے جا رہے ہیں۔ اس واقعہ میں حضورؐ کے مسواک فرمانے کا ذکر موجود ہے۔ پس ابوداؤد کی روایت میں سواری مانگنے کا ذکر کسی نیچے کے راوی کی غلط فہمی یا وہم کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۷ - بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَسْتَاكُ بِسِوَاكِ غَيْرِهِ

یہ باب دوسرے کی مسواک استعمال کرنے کے متعلق ہے

۵۰ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ بْنُ عَبْدِ الْوَاحِدِ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَنُّ وَعِنْدَهُ رَجُلَانِ أَحَدُهُمَا أَكْبَرُ مِنَ الْآخَرِ فَأُوحِيَ إِلَيْهِ فِي فَضْلِ السِّوَاكِ أَنْ كَبِّرْ أَعْطِ السِّوَاكَ أَكْبَرَهُمَا قَالَ أَحْمَدُ ابْنُ حَزْمٍ قَالَ لَنَا أَبُو سَعِيدٍ هُوَ ابْنُ الْأَعْرَابِيِّ هٰذَا مِمَّا تَفَرَّدَ بِهِ أَهْلُ الْمَدِينَةِ۔

(ترجمہ) ام المؤمنین عائشہؓ صدیقہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کر رہے تھے اور آپؐ کے پاس دو مرد تھے جن میں ایک دوسرے سے بڑا تھا۔ پس مسواک کی فضیلت میں آپ پر وحی آئی کہ بڑے کا خیال رکھیں یعنی مسواک بڑے کو عطا کریں۔

(شرح) یہاں پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بیداری کا ہے۔ بخاری سے پتہ چلتا ہے کہ خواب کا واقعہ تھا۔ آداب شرع میں ہر چیز کے اندر ایک نظم و ضبط اور ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے۔ بڑی عمر والوں کا اکرام و اعزاز اور بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔

۲۸ - بَابُ غَسْلِ السِّوَاكِ

مسواک کو دھونے کے متعلق باب

۵۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ بْنُ سَعِيدٍ الْكُوفِيُّ الْحَاسِبُ حَدَّثَنَا كَثِيرٌ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَاكُ فَيُعْطِينِي السِّوَاكَ لِأَغْسِلَهُ فَأَبْدَأُ بِهِ فَأَسْتَاكُ ثُمَّ أَغْسِلُهُ وَأَدْفَعُهُ إِلَيْهِ۔

(ترجمہ) ام المؤمنین عائشہؓ نے فرمایا کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کرتے پھر اسے دھونے کے لئے مجھے دیتے تو میں دھونے سے قبل اسے استعمال کرتی، پھر دھوتی اور حضورؐ کو واپس دے دیتی تھی۔

(شرح) ام المؤمنینؓ کا یہ عمل تبرک حاصل کرنے کے لئے تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ زوجین کے باہمی تعلقات ومعاملات کی نوعیت کیا ہونی چاہئیے۔

۲۹- بَابُ اَلسِّوَاكُ مِنَ الْفِطْرَةِ

اس بات کا باب کہ مسواک فطرت کے خصائل میں سے ہے۔

۵۲- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ مُصْعَبِ ابْنِ شَيْبَةَ عَنْ طَلْقِ بْنِ حَبِيبٍ عَنِ ابْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ، قَصُّ الشَّارِبِ وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَالسِّوَاكُ وَالِاسْتِنْشَاقُ وَقَصُّ الْأَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْإِبِطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ يَعْنِي الِاسْتِنْجَاءَ بِالْمَاءِ قَالَ زَكَرِيَّا قَالَ مُصْعَبٌ وَنَسِيتُ الْعَاشِرَةَ إِلَّا أَنْ تَكُونَ الْمَضْمَضَةُ۔

(ترجمہ) عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: دس چیزیں فطرت میں سے ہیں، مونچھیں کاٹنا، ڈاڑھی بڑھانا، مسواک، پانی سے ناک کی صفائی کرنا، ناخن کاٹنا، میل کچیل جمع ہونے کے خفیہ مقامات کو دھونا، بغل کے بال اکھاڑنا، زیر ناف کے بال مونڈھنا اور پانی سے استنجاء کرنا۔ مصعب راوی کو دسویں چیز بھول گئی، اس کے خیال میں شاید کلی کرنا ہے۔

(شرح) خصائلِ فطرت سے مراد انبیاءؑ کی سنتیں ہیں جن کی اقتداء کا ہمیں حکم ملا ہے۔ اس لحاظ سے گویا یہ طریقے ہماری فطرت میں داخل ہیں کیونکہ فطرۃ اللہ کی طرف رہنمائی کرنے والے تو انبیاء علیہم السلام ہی ہیں۔ یہ چیزیں بالخصوص ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں اور یہ ایسے پسندیدہ خصائل ہیں کہ انسانوں کی سلیم طبائع از روئے فطرت انہیں پسندیدہ ٹھیراتی ہیں۔ سلیم العقل والطبع انسانوں میں فطرۃً یہ مادہ رکھا گیا ہے کہ ان خصائل کو پسند کریں۔ فطرت سے مراد دینِ برحق ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے: فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا یعنی یہ اللہ کا دین ہے جسے اُس نے ابتداءِ کائنات سے ہی انسانوں کے لئے پسند فرمایا ہے اور یہ افعال اس دین کے توابع ہیں۔ مونچھوں کو کاٹنے کی کم از کم مقدار یہ ہے کہ اوپر کے ہونٹ کا نچلا حصہ بالکل ننگا رہے۔ اور احادیث میں اس کے لئے کئی الفاظ وارد ہیں مثلاً: جُزُّوا الشَّوَارِبَ، اَحْفُوا الشَّوَارِبَ، اَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ۔ ان الفاظ کا تقاضا یہ ہے کہ مونچھوں کے کاٹنے میں مبالغہ کیا جائے مگر انہیں مُنڈوانا ناجائز ہے۔ جسے مکروہ، بدعت اور مُثلہ کے الفاظ سے پکارا گیا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب اِحفاء کو تقصیر سے افضل قرار دیتے ہیں۔ یعنی مونچھیں کٹوانا مامور بہ ہے مگر انہیں کٹواتے میں مبالغہ کرنا افضل ہے۔ اِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ سے مراد ہے

داڑھی کو بڑھانا۔ دُرِّ مختار میں ہے کہ داڑھی کے اطراف کو کٹواتے اور سفید بالوں کو دور کرنے میں کوئی حرج نہیں اور سُنّت اس میں ایک قبضہ (مٹھی) ہے ناخن کا کاٹنا بھی سُنتِ انبیاء ہے اور جس ترتیب و کیفیت سے کاٹے جائیں سُنّیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے لئے کوئی دن بھی مقرر نہیں، ہاں چالیس دن سے زیادہ مدّت گزارنا اچھا نہیں۔ براجم جمع ہے بُرجم کی، اس کا معنی ہے انگلیوں کی گرہیں، ان کے درمیانی حصّے، کانوں کے پچھلے حصّے اور سوراخ اور ناک کا اندرونی حصّہ وغیرہ۔ ان کی صفائی ایک مستقل سُنّت ہے اور صرف وضوء سے مخصوص نہیں ہے۔ بغل کے بال کے لئے نتف کا لفظ آیا ہے۔ مقصد تو ان بالوں کا ازالہ ہے مگر انہیں اکھاڑنا بروئے حدیث افضل ہے۔ موئے زیرناف کا ازالہ بھی سُنّتِ انبیاء ہے، جس طور پر بھی ہوجائے جائز ہے مگر حلق کے لفظ سے معلوم ہوا کہ مردوں کے لئے مونڈھنا افضل ہے۔ اس حدیث میں تو راوی نے دسویں چیز کلی کو بتایا ہے مگر امام نوویؒ نے فرمایا ہے کہ دوسری حدیث کی رُو سے وہ چیز ختنہ ہے۔ روایاتِ حدیث کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ موئے زیرِناف کے ازالے، بغلوں کی صفائی، مونچھوں کو کاٹنے اور ناخن اتارنے میں چالیس دن سے زیادہ کا وقفہ مناسب نہیں، صحیح مسلم میں حضرت انسؓ کی حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

۵۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ وَدَاوُدُ بْنُ شُعَيْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ مُوسَى عَنْ أَبِيهِ وَقَالَ دَاوُدُ عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍؓ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِنَ الْفِطْرَةِ الْمَضْمَضَةَ وَالْاِسْتِنْشَاقَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ إِعْفَاءَ اللِّحْيَةِ وَزَادَ وَالْخِتَانَ۔ قَالَ وَالْاِنْتِضَاحَ وَلَمْ يَذْكُرِ انْتِقَاصَ الْمَاءِ يَعْنِي الْاِسْتِنْجَاءَ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَرُوِيَ نَحْوُهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ وَقَالَ خَمْسٌ كُلُّهَا فِي الرَّأْسِ ذَكَرَ فِيهَا الْفَرْقَ وَلَمْ يَذْكُرْ إِعْفَاءَ اللِّحْيَةِ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَرُوِيَ نَحْوُ حَدِيثِ حَمَّادٍ عَنْ طَلْقِ بْنِ حَبِيبٍ وَمُجَاهِدٍ وَعَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيِّ قَوْلُهُمْ وَلَمْ يَذْكُرُوا إِعْفَاءَ اللِّحْيَةِ وَفِي حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِ إِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ نَحْوُهُ وَذَكَرَ إِعْفَاءَ اللِّحْيَةِ وَالْخِتَانَ۔

(مطلب) یہ حدیث عمار بن یاسرؓ سے روایت ہوئی تو اس میں داڑھی بڑھانے کا ذکر نہیں آیا مگر ختنے کا آیا ہے۔ اور انتقاص الماء کے بجائے الانتضاح کا لفظ آیا ہے (معنی ایک ہی ہے) ابن عباسؓ کی روایت میں پانچ چیزوں کا ذکر ہے جو سب کی سب سر میں ہیں اور ان میں مانگ نکالنے کا ذکر موجود ہے مگر داڑھی بڑھانے کا نہیں۔ طلق بن حبیب، مجاہد اور بکر بن عبداللہ مزنی نے اس حدیث کو مرفوع بیان نہیں کیا بلکہ انہی پر موقوف ہے اور ان کی روایات میں داڑھی بڑھانے کا ذکر نہیں ہے۔ ابوہریرہؓ کی حدیث میں داڑھی بڑھانے کا ذکر موجود ہے۔ ابراہیم نخعیؒ کی روایت میں داڑھی اور ختنے ہر دو کا ذکر موجود ہے۔

ختنہ امام شافعیؒ اور احمدؒ کے نزدیک مذکر و مؤنث سب کے لئے واجب اور امام ابو حنیفہؒ اور مالکؒ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ ابن عباسؓ اس معاملے میں شدید تھے۔ ان کے قول کے مطابق غیر مختون کا حج اور نماز نامقبول ہے۔ حسن بصریؒ نے نرمی کی راہ اختیار کی ہے اور کہا ہے کہ نومسلم اگر ختنہ نہ کرائیں تو حرج نہیں ہے۔ اسی طرح جن لوگوں میں کسی سبب سے ختنے کی طاقت نہیں وہ نہ کرائیں تو جائز ہے۔ تمام روایات کو جمع کیا جائے تو خصائل فطرت کی تعداد بارہ بنتی ہے۔ چھ کا تعلق سر کے ساتھ ہے: کُلّی، ناک میں پانی ڈالنا، مسواک، مونچھیں کٹوانا، ڈاڑھی بڑھانا اور مانگ نکالنا۔ تین کا تعلق شرمگاہ سے ہے: ختنہ، استنجا اور موئے زیرِ ناف کا دور کرنا۔ تین کا تعلق باقی جسم کے ساتھ ہے۔ ناخن کاٹنا، بغل صاف کرنا اور میل کچیل کے خفیہ مقامات کو دھونا

۳۰۔ بَابُ السِّوَاكِ لِمَنْ قَامَ بِاللَّيْلِ

رات کو اٹھنے والے کے لئے مسواک کا باب

۵۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ وَحُصَيْنٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ رض قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ ۔

(ترجمہ) حذیفہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھتے (یعنی نمازِ تہجد کے لئے) تو مسواک سے اپنا منہ صاف فرماتے تھے۔

(شرح) اس حدیث کی روایت مسلم نے کی تو اس میں ہے کہ جب آپ تہجد کے لئے اٹھتے۔ شوص کا معنیٰ ہے دانتوں کو مسواک کے ساتھ چوڑائی کے بل پر صاف کرنا۔ اس کا معنیٰ دھونا اور صاف کرنا بھی ہے۔

۵۵۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ حَكِيمٍ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ عَائِشَةَ رض أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوضَعُ لَهُ وَضُوءُهُ وَسِوَاكُهُ فَإِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ تَخَلَّى ثُمَّ اسْتَاكَ ۔

(ترجمہ) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وضوء کا پانی اور مسواک رکھ دی جاتی تھی۔ جب آپ رات کو اٹھتے تو قضائے حاجت کرتے پھر مسواک کرتے۔

(شرح) آپ جس گھر میں بھی آرام فرماتے وہاں اہل خانہ یہ انتظام کرتے تھے۔ اس حدیث میں اشارہ موجود ہے کہ اس وقت گھروں میں بیت الخلاء بن چکے تھے۔ واللہ اعلم۔

۵۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا هَمَّامٌ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أُمِّ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ رض

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَرْقُدُ مِنْ لَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ فَيَسْتَيْقِظُ إِلَّا يَتَسَوَّكُ قَبْلَ أَنْ يَتَوَضَّأَ۔

(ترجمہ) عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خواہ رات کو سو کر اٹھتے خواہ دن کو، وضو سے پہلے مسواک کیا کرتے تھے۔

۵۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا حُصَيْنٌ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ لَيْلَةً عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ مِنْ مَنَامِهِ أَتَى طَهُورَهُ فَأَخَذَ سِوَاكَهُ فَاسْتَاكَ ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَاتِ: إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ، حَتَّى قَارَبَ أَنْ يَخْتِمَ السُّورَةَ أَوْ خَتَمَهَا ثُمَّ أَتَى مُصَلَّاهُ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى فِرَاشِهِ فَنَامَ مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَفَعَلَ مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى فِرَاشِهِ فَنَامَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَفَعَلَ مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى فِرَاشِهِ فَنَامَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَفَعَلَ مِثْلَ ذَلِكَ، كُلَّ ذَلِكَ يَسْتَاكُ وَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ أَوْتَرَ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ حُصَيْنٍ قَالَ فَتَسَوَّكَ وَتَوَضَّأَ وَهُوَ يَقُولُ: إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ حَتَّى خَتَمَ السُّورَةَ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں رات گزاری، جب آپ نیند سے بیدار ہوئے تو آپ اپنے وضوء کے پانی کے پاس تشریف لے گئے۔ مسواک لیکر اسے استعمال فرمایا۔ پھر یہ آیات پڑھیں، بیشک، آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے پے درپے آنے میں عقلمندوں کے لئے دلائل ہیں یہاں تک کہ سورۃ کو ختم کرنے ہی والے تھے، یا ختم کردی۔ پھر وضوء کیا اور اپنی نماز گاہ میں تشریف لے گئے۔ پھر دو رکعتیں پڑھیں اور جب تک اللہ نے چاہا سو گئے۔ پھر بیدار ہوئے اور اسی طرح کیا۔ پھر اپنے بستر پر واپس ہوئے اور سو گئے۔ پھر اٹھے اور اسی طرح کیا، پھر بستر پر تشریف لے گئے اور سو گئے۔ پھر جاگے اور اسی طرح کیا۔ ہر بار مسواک کرتے اور دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ پھر وتر پڑھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ مسواک کی اور وضوء کرتے وقت آخر سورت تک یہ آیات تلاوت فرمائیں۔

(شرح) یہی حدیث مسلم میں آئی تو آخر میں ہے کہ آپ نے تین وتر پڑھے۔ علاوہ ازیں مسلم کی روایت میں ۱۰+۳ رکعات کا ذکر ہے اور یہاں سنن ابی داؤد میں ۸+۳ کا بشرطیکہ وتر کو تین شمار کریں۔ امام نووی نے شرح مسلم میں اس حدیث

کو باقی احادیث کے خلاف قرار دیا ہے مگر خود صحیح مسلم میں اسی قسم کی روایت ابن عباسؓ سے موجود ہے۔ دراصل معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں جو دو مختلف احادیث میں آئے ہیں۔ دارقطنی نے اس روایت کو مضطرب ٹھیرایا ہے۔ مگر اس کی سند میں کوئی اضطراب نہیں۔ اسی طرح اگر دو الگ واقعات سمجھے جائیں تو متن میں بھی کوئی اضطراب نہیں ہے۔

۵۸۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى الرَّازِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عِيسَى حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ رض بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يَبْدَأُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ قَالَتْ بِالسِّوَاكِ۔

(ترجمہ) شریح بن ہانیؒ نے عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا کہ گھر میں آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلا کام کیا کرتے تھے؟ فرمایا مسواک۔

(شرح) سو کر اٹھنے اور بات چیت کے بعد حضورؐ کا بار بار مسواک کرنا اعلیٰ درجہ کی طہارت ونظافت پر دلالت کرتا ہے۔ سونے، بات چیت کرنے اور کھانے پینے سے منہ کی ہوا متغیر ہو جاتی ہے لہٰذا مسواک کا اس قدر اہتمام فرمایا۔

۳۱۔ بَابُ فَرْضِ الْوُضُوءِ

وضوء کی فرضیت کا باب

۵۹۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَقْبَلُ اللَّهُ صَدَقَةً مِنْ غُلُولٍ وَلَا صَلٰوةً بِغَيْرِ طُهُورٍ۔

(ترجمہ) اُسامہ بن عمرؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ حضورؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خیانت کے مال میں سے صدقہ قبول نہیں کرتا اور پاکیزگی کے بغیر نماز قبول کرتا ہے۔

(شرح) غلول کا اصل معنیٰ ہے مالِ غنیمت میں خیانت کرنا۔ جب تک مالِ غنیمت کی تقسیم نہ ہو جائے اس کا استعمال ناجائز ہے۔ مالِ غنیمت میں سب مسلمانوں کا حق ہے۔ جب ایسے مال میں بددیانتی کرنا اتنا شدید ہے جس میں اُس خیانت کار کا بھی حق تھا تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس مال میں اس کا کوئی حق سرے سے نہیں اس میں سے اگر صدقہ دیا جائے تو اس کا کیا حکم ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ مالِ حرام میں سے صدقہ غیر مقبول ہے بعض علماء نے تو یہاں تک کہا کہ اگر یہ صدقہ دینے والا ثواب کی امید رکھتا ہو تو اس نے کفر کا ارتکاب کیا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ رفیع کے ساتھ شدید ڈھٹائی اور مذاق ہے۔ نماز کی شرائط میں سے نمازی کے جسم، کپڑوں اور اد جائے نماز کی طہارت بھی ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ نماز چاہے فرض ہو یا نفل اس کے لئے طہارت شرط ہے اور یہ مسئلہ ساری امت کا اجماعی ہے۔ نماز میں سجدۂ تلاوت، سجدۂ شکر اور نمازِ جنازہ سب داخل ہیں۔ نماز جنازہ میں شعبی اور ابن جریر طبری

کا اختلاف ہے، کہا گیا ہے کہ ان کے نزدیک (غالباً نمازِ جنازہ کے اصلاً محض دعائے مغفرت ہونے کی بنا پر) وہ بلا طہارت جائز ہے۔ مگر علمائے امت نے اس مذہب کو بالاجماع باطل ٹھیرایا ہے۔ علامہ ابن حزم ظاہری کے نزدیک بقول حافظ ابن قیم الجوزیہ سجدہ تلاوت کے لئے طہارت شرط نہیں۔ مگر یہ مسلک بھی بالاتفاق باطل ہے۔ طہارت میں تیمم بھی داخل ہے کیونکہ وہ حسب ارشاد الٰہی وضوء کا قائم مقام ہے۔

۶۰۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ تَعَالٰى صَلٰوةَ اَحَدِكُمْ اِذَا اَحْدَثَ حَتّٰى يَتَوَضَّاَ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی جب بے وضوء ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی نماز اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک وضوء نہ کرلے۔

(شرح) یہ حدیث اس آیتِ قرآنی کی تفسیر ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ الخ یہ جو فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی بے وضوء ہو، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ چاہے پہلے سے بے وضوء تھا یا اثنائے نماز میں وضوء باطل ہوگیا ہو۔ جیسا کہ اوپر گزرا اس میں تیمم بھی داخل ہے کیونکہ وہ وضوء کا خلیفہ ہے۔ اگر حدیث کے لفظ يتوضأ کا معنی بقول محدث علی القاری يتطهر لیا جائے تو اس میں غسل، وضوء اور تیمم حسب ضرورت درجہ بدرجہ داخل ہو جائے گا۔

۶۱۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ ابْنِ عُقَيْلٍ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ وَتَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَتَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ۔

(ترجمہ) علیؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نماز کی کنجی طہارت ہے اور اس کی تحریم تکبیر ہے اور اس کی تحلیل سلام کہنا ہے۔

(شرح) یعنی جس طرح کنجی سے تالا کھول کر گھر میں داخل ہوتے ہیں اسی طرح نماز میں داخل ہونے کی سب سے بڑی شرط طہارت ہے۔ تکبیر کو تحریم اور سلام کو تحلیل اس بناء پر کہا گیا کہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی نماز کے منافی تمام افعال حرام ہو جاتے ہیں، اور انتہائے صلوٰۃ پر سلام کے ساتھ ہی بہت سے حرام افعال، مثلاً بول چال، بات چیت کھانا پینا وغیرہ حلال ہو جاتے ہیں۔ تکبیر تحریمہ کے اللہ اکبر ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اس کے علاوہ تین الفاظ اور ہیں: اللہ الاکبر، اللہ الکبیر، اللہ کبیر۔ پس اللہ الاکبر کا لفظ بولنا امام مالکؒ اور احمدؒ کے نزدیک جائز نہیں لیکن امام شافعیؒ اسے نہ صرف جائز بلکہ زیادہ بلیغ قرار دیکر بہتر ٹھیراتے ہیں۔ اسی طرح شافعیؒ کے نزدیک باقی دو الفاظ بھی جائز ہیں اور ان سے نماز میں دخول ہو سکتا ہے۔ حنفیہؒ میں سے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قرآنی آیت، وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ کی رو سے یہ چاروں الفاظ جائز ہیں مگر اللہ اکبر کا لفظ مسنون ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ نے کہا کہ مسنون تو یہی لفظ ہے مگر اللہ اجل، اللہ اعظم، الرحمٰن اکبر، لا الٰہ الا اللہ، تبارک اللہ وغیرہا وہ الفاظ جو اللہ تعالیٰ کے مخصوص اسماء و صفات پر دلالت کرتے ہیں اور ان میں اس کا کوئی شریک نہیں قرآنی آیت وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ کی رُو سے جائز ہو جائیں گے۔ خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ از روئے قرآن ابتدا وصلوٰۃ "ذکر رب اور اسکی بڑائی" فرض ہے اور بروئے سنت و حدیث، اللہ اکبر کا لفظ ادا کرنا واجب ہے۔ بعض نیم لوگ حنفیہ کے مسلک کو جانے اور سمجھے بغیر گالیوں کی بوچھاڑ شروع کر کے نامۂ اعمال سیاہ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو پہلے کسی کا مسلک تحقیق سے معلوم کرنا لازم ہے پھر اگر گنجائش ہو تو زبانِ نقد و تبصرہ کھولیں۔ یہاں پر ایک نازک سی بحث اور بھی ہے جسے ہم بوجوہ چھیڑنا نہیں چاہتے کہ آیا تکبیر تحریمہ نماز کے اندر ہے یا باہر۔ علامہ سندھی نے شرح بخاری میں حضرت انسؓ کی حدیث: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ يَفْتَتِحُونَ الصَّلٰوةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پر گفتگو کرتے ہوئے یہی ظاہر کیا ہے کہ اس حدیث کی رُو سے تکبیر تحریمہ خارج صلوٰۃ ہے۔ ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کے اس مسلک کو جو اوپر بیان ہوا کتاب و سنّت کے دلائل قاہرہ سے ثابت کیا جا سکتا ہے، مثلاً یہ قرآنی آیت: وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا میں دراصل امر خداوندی یہ ہے کہ اپنے ربّ کی تعظیم کر۔ اسی طرح زنانِ مصر کے متعلق قرآنی ارشاد ہے: فَلَمَّا رَأَيْنَهٗ أَكْبَرْنَهٗ۔ جب انہوں نے یوسفؑ کو دیکھا تو اس کی عظمت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہیں۔ ایک جگہ فرمایا: وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے رب کی تعظیم کر، اس کی عظمت وکبریائی کا اعتراف کر۔ اور اس حدیث میں بھی مقصودِ اصلی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی جائے۔ سبحان اللہ کہنے والا بھی اللہ کی تعظیم کرتا ہے اور اسے نقص و حدوث سے بری و منزّہ قرار دیتا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس لا الٰہ الا اللہ جس نے کہا اس نے اللہ تعالیٰ کو تفرد، الوہیت اور عظمت و قدیم ہونے کی صفات سے متصف ٹھیرایا۔ اللہ اکبر اور الرحمٰن اکبر کا معنی بھی ایک ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ أَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى یہی سبب ہے کہ بسم اللہ واللہ اکبر کے بجائے اگر بسم اللہ والرحمٰن اکبر کہہ کر ذبح کیا جائے تو جائز ہے۔ بلکہ بسم اللہ والرحیم اکبر بھی کہا جائے تو ذبح جائز ہے۔ عبدالرحمٰن سُلمی سے روایت ہے کہ انبیاء علیہم السلام لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہہ کر نماز شروع کیا کرتے تھے، یہ تو ہے اس مسئلہ کی علمی تحقیق، باقی فقہی حکم اوپر بیان کر دیا گیا ہے۔

جہاں تک سلام کا تعلق ہے، سو حنفیہ کے نزدیک خبر واحد سے وجوب ثابت ہوتا ہے لہٰذا لفظِ "سلام" کے ساتھ نماز ختم کرنا واجب ہے۔ (عددِ سلام کی بحث آگے باب السلام میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ) امام مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک لفظِ سلام فرض ہے لہٰذا جو یہ لفظ نہ بولے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ ان کا استدلال اسی حدیث کے لفظ: "وتحليلها التسليم" سے ہے۔ دلیل ان کی یہ ہے کہ حضورؐ نے تحلیلِ صلوٰۃ کو تسلیم کے ساتھ مخصوص فرما دیا ہے لہٰذا یہ تعیین فرضیت کے لئے ہوئی اور اس کے بغیر نماز سے تحلیل جائز نہ رہی۔ حنفیہ نے ایک اور حدیث سے استدلال کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن مسعودؓ کو تشہد سکھایا اور فرمایا: جب تم یہ کہہ یا یہ کر لو تو تم پر جو نماز کا فریضہ تھا وہ تم نے پورا کر دیا۔ اب اگر اٹھنا چاہو تو اٹھ جاؤ اور بیٹھنا چاہو تو بیٹھے رہو۔ پس اگر سلام کہنا فرض ہوتا تو حضورؐ یہ نہ فرماتے کیونکہ تشہد کے بعد بھی ایک فریضہ ـــ سلام ـــ ابھی ان کے ذمہ باقی رہتا۔ پھر حضورؐ نے ابنِ مسعود کو لفظ سلام کہے بغیر اٹھنے یا بیٹھنے کا اختیار دیا، اگر سلام کہنا فرض ہوتا تو آپ انہیں یہ اختیار نہ دیتے۔ اس زیر شرح حدیث میں سلام کے بغیر تحلیل کی نفی نہیں ہے، صرف تسلیم کو خاص کیا گیا ہے کیونکہ بہرحال تسلیم واجب تو ضرور ہے۔ حدیثِ ابنِ مسعود مسند احمد میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں ترمذیؒ نے رفاعہؓ بن رافع سے ایک حدیث روایت

کی ہے جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں ، پھر تو اطمینان سے بیٹھ جا ، پھر اُٹھ کھڑا ہو ، جب تو نے یہ کیا تو تیری نماز مکمل ہو گئی۔ اس قسم کی روایت ابوداؤد میں آرہی ہے جس پر وہاں بحث ہو گی انشاء اللہ تعالیٰ ۔ اس گفتگو میں حنفیہ کا وہ مسئلہ بھی زیرِ بحث آیا کرتا ہے کہ بعض فقہاء نے کہا : امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک " خروج بصنعہ المصلّی " بھی فرض ہے ۔ یعنی نمازی خود اپنے فعل سے جان بوجھ کر نماز سے خارج ہو ۔ مگر امام ابن الہمامؒ نے صراحت کی ہے کہ یہ روایت ابوحنیفہؒ سے نہیں آئی اور حنفی فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کہ خروج بصنع المصلی فرض نہیں ہے ۔

۳۲ ۔ بَابُ الرَّجُلِ يُجَدِّدُ الْوُضُوْءَ مِنْ غَيْرِ حَدَثٍ

بے وضوء ہوئے بغیر تجدیدِ وضوء کرنے والے آدمی کا باب

۶۲ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ الْمُقْرِيُّ ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زِيَادٍ ، قَالَ اَبُوْدَاوُدَ اَخْبَرَنَا لِحَدِيْثِ ابْنِ يَحْيٰى اَضْبَطُ عَنْ غُطَيْفٍ وَقَالَ مُحَمَّدٌ عَنْ اَبِيْ غُطَيْفٍ الْهُذَلِيِّ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عُمَرَؓ فَلَمَّا نُوْدِيَ بِالظُّهْرِ تَوَضَّاَ فَصَلّٰى فَلَمَّا نُوْدِيَ بِالْعَصْرِ تَوَضَّاَ فَقُلْتُ لَهٗ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَوَضَّاَ عَلٰى طُهْرٍ كُتِبَ لَهٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ ۔ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ هٰذَا حَدِيْثُ مُسَدَّدٍ وَهُوَ اَتَمُّ ۔

(ترجمہ) ابوغُطیف ہذلی کا بیان ہے کہ میں ابن عمرؓ کے پاس تھا ۔ پس جب ظہر کی اذان ہوئی تو انہوں نے وضوء کر کے نماز پڑھی ۔ پھر جب عصر کی اذان ہوئی تو وضوء کیا ۔ میں نے اس کے متعلق پوچھا تو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے : جو آدمی طہارت کے باوجود وضوء کرے اس کی دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں ۔

(شرح) شرح السنہ میں ہے کہ تجدیدِ وضوء تب مستحب ہے جبکہ پہلے وضوء سے نماز پڑھ چکا ہو ۔ علامہ طیبی کا بیان ہے کہ اگر پہلے وضوء سے نماز نہیں پڑھی تو اس پر دوسرا وضوء مکروہ ہے ۔ طواف ، تلاوت وغیرہ عبادات کا بھی یہی حکم ہے ۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلے وضوء سے کوئی عبادت کرلی ہو تو پھر اس کی تجدید مستحب ہے ورنہ نہیں کیونکہ یہ اسراف میں داخل ہے ۔

۳۳ ۔ بَابُ مَا يُنَجِّسُ الْمَاءَ

باب ان چیزوں میں جو پانی کو پلید کر دیتی ہیں ۔

۶۳ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَعُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَغَيْرُهُمْ قَالُوْا حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنِ الْوَلِيْدِ بْنِ كَثِيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ

ابْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَاءِ وَمَا يَنُوْبُهُ مِنَ الدَّوَابِّ وَالسِّبَاعِ فَقَالَ اِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ - قَالَ اَبُوْدَاوُدَ وَهٰذَا لَفْظُ ابْنِ الْعَلَاءِ وَقَالَ عُثْمَانُ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبَّادِ بْنِ جَعْفَرٍ - قَالَ اَبُوْدَاوُدَ وَهُوَ الصَّوَابُ -

(ترجمہ) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پانی کے متعلق پوچھا گیا جس پر چارپائے اور درندے آتے جاتے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب پانی دو مٹکے ہو تو نجس نہیں ہوتا۔

(شرح) اصحابِ ظواہر اور امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ پانی کے اوصاف میں سے جب تک کوئی وصف بدل نہ جائے (یعنی رنگ، بُو اور مزہ) تو وہ پاک ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور احمد بن حنبل کا قول ہے کہ قلیل پانی نجاست ملنے سے ناپاک ہوجاتا ہے۔ پھر ان میں قلیل مقدار میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ اور احمدؒ نے فرمایا کہ وہ دو مٹکے سے کم ہو اور حنفیہ نے کہا کہ اگر اتنا پانی ہو کہ ایک طرف سے ہلانے سے فوراً دوسری طرف سے ہل جائے تو قلیل ہے ورنہ نہیں۔ قلتین کی حدیث پر بڑی طویل بحثیں ہوئی ہیں۔ یہ حدیث بخاری شریف میں نہیں آئی باقی صحاح میں موجود ہے۔ ابن ماجہ اور مسند احمد کے الفاظ ہیں: لَمْ يُنَجِّسْهُ شَيْءٌ "اس پانی کو کوئی چیز نجس نہیں کرسکتی"۔ اس حدیث کی روایت امام شافعی، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، دارقطنی اور بیہقی نے بھی کی ہے۔ اس کا مدار ولید بن کثیر پر ہے۔ اس نے روایت کبھی تو محمد بن جعفر بن زبیر سے کی ہے کبھی محمد بن عباد بن جعفر سے پھر اس سے اوپر کبھی عبیداللہ بن عمرؓ کا نام ہے اور کبھی عبداللہ بن عمرؓ کا۔ یہ اس کی سند کا اضطراب ہے۔ متن کا اضطراب یوں ہے کہ بعض جگہ وہ لفظ ہے جو اوپر آچکا، اور بعض دفعہ یہ لفظ ہے: اِذَا كَانَ الْمَاءُ قَدْرَ قُلَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثٍ لَمْ يَنْجُسْ۔ بعض جگہ یہ لفظ ہے: اِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّةً فَاِنَّهُ لَا يَحْمِلُ الْخَبَثَ۔ دارقطنی کی ایک روایت ہے: اَرْبَعِيْنَ قُلَّةً۔ امام ابوداؤد نے خود سند کے اضطراب کو تسلیم کرکے کہا ہے کہ ولید بن کثیر کی روایت محمد بن جعفر بن زبیر سے نہیں بلکہ صحیح یہ ہے محمد بن عباد بن جعفر سے ہے۔ ابوداؤد کے ایک نسخے میں لکھا ہے کہ محمد بن جعفر بن زبیر سے روایت صحیح ہے۔ ابن ابی حاتم نے اسی کی تائید کی ہے۔ دارقطنی نے کہا ہے کہ ولید بن کثیر نے دونوں سے روایت کی ہے۔ بیہقی اور حافظ عسقلانی ہر دو نے دارقطنی کی تائید کی ہے۔ مگر اس سے اضطراب رفع نہیں ہوا بلکہ بڑھ گیا ہے۔ اسی طرح متن کے اضطراب کو رفع کرنے کے لئے جو یہ کہا گیا ہے کہ اَوْ ثَلَاثًا کا لفظ شاذ ہے یہ بھی خوش فہمی ہے کیونکہ ثقہ کی زیادتی از روئے اصول مقبول ہوتی ہے۔ اسی طرح اَرْبَعِيْنَ قُلَّةً کا لفظ مرفوع اور موقوف دونوں طرح روایت ہوا ہے اور اس کی روایت صحیح ہے۔ اگر سند اور متن کے اضطراب کو نظرانداز کردیا جائے تو قلتین کی مقدار میں جو اختلاف ہے وہ اس پر عمل سے مانع ہے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے تمہید میں کہا کہ: امام شافعیؒ کا قلتین والا مذہب از روئے اجتہاد بھی ضعیف ہے اور از روئے روایت بھی غیر ثابت ہے کیونکہ یہ ایک ایسی حدیث ہے جس میں اہل علم کی ایک جماعت نے کلام کیا ہے۔ اور کسی حدیث و اثر یا اجماع سے قلتین کی مقدار معلوم نہیں ہوسکی۔ استذکار میں ہے کہ یہ حدیث معلول ہے اسماعیل قاضی نے اسے رد کیا ہے۔ امام طحاویؒ نے کہا کہ ہم قلتین کی حدیث کے اس لئے قائل نہیں ہوئے کہ وہ ثابت نہیں ہوئی۔ پھر امام طحاویؒ نے اس حدیث کا معارضہ حیوان کے کنوئیں میں گرجانے اور اس کے پانی کے نجس ٹھہرائے جانے سے مدلل طور پر کیا ہے، حالانکہ کنوئیں کا پانی تو بعض دفعہ ہزار ہا قُلّہ کے برابر ہوتا ہے۔

۶۴ - حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ح وَحَدَّثَنَا اَبُوْ كَامِلٍ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ يَعْنِي

ابْنَ زُرَيْعٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ أَبُو كَامِلٍ ابْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْمَاءِ يَكُونُ فِي الْفَلَاةِ فَذَكَرَ مَعْنَاهُ ۔

(ترجمہ) اس حدیث میں فی الفلاۃ (صحرا میں) کا لفظ زائد ہے باقی حدیث اوپر کی مانند ہے۔

(شرح) امام ابوداؤد یہ روایت غالبًا ولید بن کثیر کی روایت کی تائید میں لائے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ولید بن کثیر خارجی اباضی تھا تو محمد بن اسحاق (اس حدیث کا راوی) متکلم فیہ اور مختلف فیہ ہے۔ امام مالکؒ کی رائے تو اس کے بارے میں بڑی سنگین تھی۔ بعض ائمہ حدیث نے تو اسے کذاب و دجال تک کہا ہے، اب اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ روایت ولید بن کثیر کی روایت کی کیا تائید و تقویت کرے گی!

۶۵۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ قَالَ أَخْبَرَنَا عَاصِمُ بْنُ الْمُنْذِرِ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَا يَنْجُسُ ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ وَقَفَهُ عَنْ عَاصِمٍ ۔

(ترجمہ) عبداللہ عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جب پانی دو قُلّے ہو تو پلید نہیں ہوتا۔

(شرح) اس روایت کے الفاظ صریح ہیں کہ جب پانی اتنی مقدار میں ہو تو نجس نہیں ہوتا مگر حدیث موقوف ہے جیسا کہ خود ابوداؤد وضاحت کر رہے ہیں۔ پہلی روایت کا راوی حماد بن سلمہ ہے جو اسے مرفوع بیان کرتا ہے۔ دوسری روایت کا راوی حماد بن زید ہے جو موقوف بیان کرتا ہے۔ اسی طرح اسماعیل بن عُلَیّہ نے ایک مجہول راوی سے اس حدیث کو عبداللہ بن عمرؓ پر موقوف بیان کیا ہے۔ دارقطنی نے اسماعیل بن عُلَیّہ کی موقوف روایت کو ترجیح دی ہے، پس اس حدیث کا موقوف ہونا مرفوع ہونے سے قوی تر ہے۔ اب جن محدثین نے اسے اس کے بعد بھی صحیح کہا ہے یہ انکی ذمہ داری ہے کہ اپنے اصول کے خلاف اسے کیونکر درجۂ صحت کو پہنچاتے ہیں!

۳۴۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي بِئْرِ بُضَاعَةَ

اس باب میں بیر بضاعہ کا بیان ہے

۶۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَمُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَنْبَارِيُّ قَالُوا حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ كَثِيرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ رَافِعِ ابْنِ خَدِيجٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَتَوَضَّأُ مِنْ بِئْرِ بُضَاعَةَ وَهِيَ بِئْرٌ يُطْرَحُ فِيهَا الْحِيَضُ وَلَحْمُ الْكِلَابِ وَالنَّتْنُ ۔ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَاءُ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ - قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ رَافِعٍ -

(ترجمہ) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کیا ہم بضاعہ کے کنوئیں سے وضوء کریں؟ اور وہ ایک ایسا کنواں تھا جس میں حیض کے چیتھڑے اور کتوں کا گوشت اور بدبودار چیزیں پھینکی جاتی تھیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس پانی کو کوئی چیز پلید نہیں کرتی۔

(شرح) اس حدیث کا اگر بالکل ظاہر مراد لیا جائے تو کوئی پانی کبھی نجس نہیں ہو سکتا۔ اور حیض و نفاس کے چیتھڑے اور مُردہ کتوں کی لاشیں اور باقی ہر قسم کی بدبودار اور غلیظ چیزیں سب کنوؤں میں گرا دینی چاہئیں تاکہ سطح زمین صاف پاک رہے، رہ گیا کنواں تو وہ کبھی پلید ہو ہی نہیں سکتا، چلو چھٹی ہوئی۔ اس حدیث کا ایک راوی تو وہی ایاض خارجی ولید بن کثیر ہے، عبید اللہ ابن عبد اللہ بن رافع یا عبید اللہ بن عبد الرحمن بن رافع مستور الحال ہے۔ اس کے نام و مقام میں شدید اختلاف ہے اور اس کے بارے میں پانچ قول آئے ہیں۔ ابن مندہ نے اسے مجہول قرار دیا ہے۔ یہ تو اس کی سند کا حال ہے۔ اب رہا متن، سو بقول علامہ طیبیؒ کے اس پاک و طاہر معاشرے سے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موجود تھے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ لوگ حیض و نفاس کے غلیظ چیتھڑے، مردار کی لاشیں بالخصوص کتوں کی لاشیں اور ہر قسم کی بدبودار غلیظ چیزیں ڈھیروں لاکر ڈالتے ہوں اور صحابہ پھر اس میں سے وضوء کریں اور آپ اجازت دے دیں۔ بات یوں معلوم ہوتی ہے کہ کنواں اسی قسم کا تھا جیسے اُس زمانے میں باؤلی نما کنوئیں ہوتے تھے۔ لوگ سیڑھیوں کے ذریعے ان میں اتر جاتے تھے۔ صحرا نشین خانہ بدوش آتے ہوں گے اور ان کی روانگی کے بعد پھٹے پرانے گندے مندے کپڑے رہ جاتے ہوں گے جو اڑ کر کنوئیں میں گر جاتے ہوں گے۔ پھر یہ کنواں ایسے مقام پر واقع تھا کہ شدید بارش کا پانی بصورت سیلاب وادی کی تمام اشیاء بہا کر اس میں لا پھینکتا ہوگا۔ کنوئیں کا پانی کثیر تھا اور غالباً نیچے ہی نیچے نہر کی صورت میں بہتا ہوگا۔ اس پر سوال و جواب ہوا۔ حضورؐ کے جواب میں جو الْمَاء ہے، اس کا معنی یہی ہے کہ یہ پانی جس کے بارے میں سوال کیا جا رہا ہے بوجہ کثیر ہونے اور جاری پانی کے حکم میں ہونے کے پاک ہے۔ حدیث کے مفہوم میں یہ کوئی کھینچا تانی نہیں ہے ورنہ ماننا پڑے گا کہ پانی قلیل ہو یا کثیر، متغیر ہو یا غیر متغیر بہر صورت پاک ہے۔ کنوئیں میں اس قسم کی غلیظ اور نجس چیزیں جن کا حدیث میں ذکر ہے اگر پڑتی رہیں تو پانی چند روز میں سڑ کر بدبودار اور بہر صورت ناقابل استعمال ہو جاتا ہے۔ متغیر پانی تو سب کے نزدیک نجس ہے اور اس پر علمائے امت کا اجماع ہے۔ تھوڑا پانی نجاست سے متغیر ہو جائے (اس کا رنگ یا بو یا مزہ بگڑ جائے) تو ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، حسن بصریؒ، ابن المسیبؒ اور داؤد ظاہری کے نزدیک بھی نجس ہے۔ یہی مذہب امام مالکؒ کا ہے مگر عبد اللہ بن عمرؓ، مجاہدؒ، شوافع، حنفیہ، حنابلہ اور اسحاق بن راہویہ نے کہا کہ قلیل پانی نہ بھی بگڑے محض نجس کی ملاقات سے ہی نجس ہو جاتا ہے، امام ابو حنیفہؒ کا یہی قول ہے۔ علامہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں ایک عجیب بات کہی ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ بضاعہ کنوئیں کا پانی نجس اور متغیر ہونے کے باوجود ضرورت کی بنا پر وضوء کیلئے جائز ٹھیرایا گیا مگر اس سے غسل اور دیگر طہارات (مثلاً کپڑوں کی طہارت) جائز نہ تھی (سبحان اللہ وبحمدہ)، ایک معلول روایت کو بچانے کی خاطر طہارت و نظافت کے سارے شرعی اصول یوں بالائے طاق رکھے جاتے ہیں۔ اور اگلی روایت اس کے صریحاً خلاف ہے۔

۶۷ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي شُعَيْبٍ وَعَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ يَحْيَى الْحَرَّانِيَّانِ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ سَلِيطِ بْنِ أَيُّوبَ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ رَافِعٍ

الْأَنْصَارِيِّ ثُمَّ الْعَدَوِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُقَالُ لَهُ أَنَّهُ يُسْتَقَى مِنْ بِئْرِ بُضَاعَةَ وَهِيَ بِئْرٌ يُلْقَى فِيهَا لُحُومُ الْكِلَابِ وَالْمَحَائِضُ وَعَذِرُ النَّاسِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَسَمِعْتُ قُتَيْبَةَ بْنَ سَعِيدٍ قَالَ سَأَلْتُ قَيِّمَ بِئْرِ بُضَاعَةَ عَنْ عُمْقِهَا فَقُلْتُ أَكْثَرُ مَا يَكُونُ فِيهَا الْمَاءُ؟ قَالَ إِلَى الْعَانَةِ۔ قُلْتُ فَإِذَا نَقَصَ قَالَ دُونَ الْعَوْرَةِ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَقَدَّرْتُ أَنَا بِئْرَ بُضَاعَةَ بِرِدَائِي مَدَدْتُهُ عَلَيْهَا ثُمَّ ذَرَعْتُهُ فَإِذَا عَرْضُهَا سِتَّةُ أَذْرُعٍ وَسَأَلْتُ الَّذِي فَتَحَ لِي بَابَ الْبُسْتَانِ فَأَدْخَلَنِي فِيهِ هَلْ غُيِّرَ بِنَاؤُهَا عَمَّا كَانَتْ عَلَيْهِ؟ قَالَ لَا۔ وَرَأَيْتُ مُتَغَيِّرَ اللَّوْنِ۔

(ترجمہ) ابوسعید خدریؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوتے سُنا کہ بُضاعہ کے کنوئیں سے پانی لیکر استعمال کیا جاتا ہے حالانکہ یہ ایسا کنواں ہے جس میں کتوں کی لاشیں اور حیض کے چیتھڑے اور لوگوں کا پاخانہ اور گندگی وغیرہ پھینکی جاتی ہے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک یہ پانی پاک ہے اسے کوئی چیز نجس نہیں کر سکتی۔ ابوداؤدؒ نے کہا کہ میں نے قتیبہ بن سعید سے سُنا، اس نے کہا کہ میں نے بُضاعہ کے کنوئیں کے منتظم سے اس کی گہرائی کے متعلق پوچھا کہ اس میں زیادہ سے زیادہ کتنا پانی ہوتا ہے؟ اس نے کہا شرمگاہ تک۔ میں نے کہا کہ جب کم ہو جائے تو؟ اس نے کہا گھٹنوں تک۔ ابوداؤدؒ نے کہا میں نے خود اپنی چادر سے بُضاعہ کے کنوئیں کو ناپا، اس پر چادر پھیلائی اور پھر اسے ناپا تو اس کا عرض چھ ہاتھ تھا۔ اور جس نے باغ کا دروازہ کھول کر مجھ کو اس میں داخل کیا تھا اس سے میں نے پوچھا کہ کیا اس کی بناوٹ میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے یا نہیں اور پہلے کی طرح ہی ہے، تو اس نے تبدیلی سے انکار کیا۔ اور میں نے اس کا رنگ بدلا ہوا پایا۔

(شرح) اس روایت میں عبید اللہ بن عبدالرحمٰن مجہول راوی تو موجود ہی ہے مگر اس پر مستزاد محمد بن اسحاق ہے جسے محدثین لائق اعتنا نہیں جانتے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ اسے بعض ائمہ حدیث نے کذاب و دجال تک کہا ہے۔ پھر اوپر کی حدیث میں تو صرف وضوء کا ذکر تھا یہاں یُستقیٰ کا لفظ آگیا ہے جو مجہول پڑھا جائے تو مطلب یہ ہے کہ اس کنوئیں کا پانی پینے اور دیگر ضروریات میں بھی استعمال ہوتا تھا، پس علامہ شوکانیؒ کی تاویل یا در ہوا ہو گئی۔ اگر اس لفظ کو معروف پڑھیں یعنی یَسْتَقِیْ تو معنیٰ اور بھی سنگین بنے گا (اور دوسرے نسخے میں یُسْتَقٰی لگ ہے) کہ خود حضورؐ اس کا پانی ضروریاتِ خانہ میں استعمال فرماتے تھے۔ پھر امام ابوداؤدؒ خود فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا پانی متغیر پایا تھا۔ ساری اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ پانی قلیل ہو یا کثیر، جب اس میں تغیر آجائے تو نجس ہے۔ معلوم نہیں ابوداؤدؒ اس ساری کاوش سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ کیا یہ کہ پانی قلیل ہو یا کثیر، اس میں گندگی، کوڑا کرکٹ، حیض و نفاس کے چیتھڑے، مُردار، پاخانہ وغیرہ سب کچھ پڑا رہے تو بھی پاک ہے؟ ذرا ذرا سی بات پر فقہائے اُمت بالخصوص ابوحنیفہؒ کو صلواتیں سُنانے والے اس میں کیا فرماتے ہیں؟

سیدھی سی بات یہ ہے کہ اگر تمام علتوں کے باوجود حدیث کو صحیح یا حسن ہی ٹھیرانا ہے تو سیلاب وغیرہ کے ساتھ اس میں گندگی کے پڑنے اور پھر باہر نکل جانے کو تسلیم کرنا پڑے گا کیونکہ یہ کنواں ـــ اس زمانے کے کنوؤں کی مانند ـــ ایک باوَلی نما تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۳۵- بَابُ الْمَاءِ لَا يُجْنِبُ

باب اس بیان میں کہ پانی جنبی نہیں ہوتا۔

۶۸ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ قَالَ حَدَّثَنَا سِمَاكٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اغْتَسَلَ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَفْنَةٍ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَتَوَضَّأَ مِنْهَا أَوْ يَغْتَسِلَ، فَقَالَتْ لَهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي كُنْتُ جُنُبًا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَاءَ لَا يُجْنِبُ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی زوجۂ مطہرہ نے (میمونہؓ) ایک ٹب میں سے غسل کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے وضوء یا غسل کرنے کو تشریف لائے تو اس نے کہا یا رسول اللہ مجھے غسل کی حاجت تھی (اور میں نے اس میں سے غسل کیا ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی جنبی (پلید) نہیں ہوتا۔

(شرح) میمونہ رضی اللہ عنہا نے اس بڑے ٹب میں ہاتھ ڈال کر پانی لیا تھا لہٰذا یہ سوال پیدا ہوا۔ دارقطنی کی روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ میمونہؓ نے اسی ٹب سے پانی لیکر غسل کیا تھا اور کچھ پانی اس میں بچ رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ بچا ہوا پانی طاہر تھا۔ ایک حدیث میں عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل کی ممانعت آئی ہے۔ دونوں کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ زیر شرح حدیث بیان جواز کے لئے ہے اور نہی کی حدیث کراہتِ تنزیہی کو ظاہر کرتی ہے۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔ یہ بات تو مسلّم ہے کہ اُمّ المؤمنینؓ نے ٹب میں ہاتھ ڈالنے سے قبل اسے دھولیا ہو گا کیونکہ اس کا حکم احادیث میں موجود ہے۔

۳۶- بَابُ الْبَوْلِ فِي الْمَاءِ الرَّاكِدِ

کھڑے پانی میں بول کا باب

۶۹ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ فِي حَدِيثِ هِشَامٍ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ ثُمَّ يَغْتَسِلُ مِنْهُ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے

پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے پھر اسی سے غسل کرنے لگے۔

(شرح) اس حدیث میں پانی کے قلیل و کثیر ہونے کا بھی ذکر نہیں نہ قلتین کا نہ تین قلّے کا نہ چالیس کا، مطلق حکم ہے کہ کھڑے پانی میں پیشاب نہ کیا جائے، کیونکہ اگر پانی کثیر ہے اور ہر شخص اس میں یہی فعل کرے تو بہت جلد فاسد ہو جائے گا۔ اگر قلیل ہے تو اس کے فساد میں بحث ہی نہیں ہے۔

۷۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَلَا يَغْتَسِلُ فِيهِ مِنَ الْجَنَابَةِ۔

(ترجمہ) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے اور نہ اس میں جنابت سے غسل کرے۔

(شرح) شرح السنّۃ میں ہے کہ اس حدیث میں اس مسئلے کی دلیل موجود ہے کہ جنبی اگر پانی لینے کے لئے اپنا ہاتھ اس میں ڈالے تو اس کا حکم نہیں بدلتا لیکن غسلِ جنابت کے سلسلے میں اپنا ہاتھ پانی میں داخل کرے تو اس کا حکم بدل جائے گا۔ علامہ علی القاریؒ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک بھی اس کا یہی حکم ہے، اور یہیں سے ماءِ مستعمل کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے جس کی تفصیلات میں سے بعض میں امام شافعیؒ کا مسلک بالکل حنفیہ کے مطابق ہے۔

۳۷۔ بَابُ الْوُضُوْءِ بِسُؤْرِ الْكَلْبِ

کتے کے جھوٹے پانی سے وضوء کا باب

۷۱۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ فِي حَدِيثِ هِشَامٍ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: طُهُورُ إِنَاءِ أَحَدِكُمْ إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ أَنْ يُغْسَلَ سَبْعَ مَرَّاتٍ أُولَاهُنَّ بِالتُّرَابِ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَكَذٰلِكَ قَالَ أَيُّوبُ وَحَبِيبُ بْنُ الشَّهِيدِ عَنْ مُحَمَّدٍ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا: جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال کر پی لے تو اس کی پاکیزگی کا طریقہ یہ ہے کہ اسے سات بار دھوئے جن میں سے پہلی بار مٹی سے صاف کرے۔

(شرح) ایک صحیح روایت میں ہے: إِحْدَاهُنَّ بِالتُّرَابِ۔ ایک اور صحیح روایت میں ہے: أُولَاهُنَّ أَوْ أُخْرَاهُنَّ بِالتُّرَابِ۔ ایک اور صحیح روایت ہے: عَفِّرُوهُ الثَّامِنَةَ بِالتُّرَابِ۔ امام مالکؒ کے نزدیک کتا جب تک برتن میں وُلوغ نہ کرے برتن کو نہ دھویا جائے گا، کیونکہ کتا ان کے نزدیک پاک ہے اور پانی جب تک متغیر نہ ہو جائے، کم ہو یا زیادہ

مالکیہ کے ہاں پلید نہیں ہوتا۔ مگران کے ہاں اس مسئلے میں کچھ تفصیل بھی ہے، وہ یہ کہ جس پانی میں کتے نے منہ ڈالا ہو اس سے وضوء اور غسلِ جنابت تو نہیں ہوسکتا مگر اسے عام استعمال میں بے کھٹکے لایا جاسکتا ہے، امام شافعیؒ اور احمدؒ نے زیر شرح حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ حدیث اور اس قسم کی اور احادیث بھی کتے کی نجاست کی شدت بیان کرتی ہیں ورنہ جہاں تک برتن وغیرہ کی پاکیزگی کا سوال ہے عام دلائل شرع کی بناء پر تین مرتبہ دھونا کافی ہے اور مٹی سے مانجھنا بھی واجب نہیں، صرف ایک استحبابی حکم ہے۔ دار قطنی کی روایت میں حضورؐ سے مرفوعاً منقول ہے کہ فرمایا: يُغْسَلُ ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ سَبْعًا۔ ایک اور روایت بھی تین مرتبہ دھونے کی ہے۔ تمام احادیث کو جمع کریں تو بات وہی نکلتی ہے کہ کم از کم تین بار دھونا تو واجب ہے اور باقی حسب ضرورت اور حسب موقع مستحب۔

۷۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ جَمِيعًا عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ بِمَعْنَاهُ وَلَمْ يَرْفَعَاهُ وَزَادَ وَإِذَا وَلَغَ الْهِرُّ غُسِلَ مَرَّةً ۔

(ترجمہ) اس حدیث میں ایک فقرہ زائد ہے کہ جب بلی برتن کو چاٹ جائے تو اُسے ایک مرتبہ دھویا جائے۔

(شرح) بلی کے جھوٹے کی کراہت تو ضرور ہے کیونکہ وہ بھی درندہ اور حرام جانور ہے مگر جیسا کہ آگے احادیث میں آرہا ہے اس کے ایک گھریلو جانور ہونے کی وجہ سے نجاست کا حکم اٹھالیا گیا ہے۔ یہ ایک مرتبہ دھونے کا حکم جو اس حدیث میں ہے یہ بھی استحباب پر مبنی ہے۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

۷۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبَانُ الْعَطَّارُ قَالَ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ سِيرِينَ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي الْإِنَاءِ فَاغْسِلُوهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ السَّابِعَةَ بِالتُّرَابِ ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَأَمَّا أَبُو صَالِحٍ وَأَبُو رَزِينٍ وَالْأَعْرَجُ وَثَابِتٌ الْأَحْنَفُ وَهَمَّامُ بْنُ مُنَبِّهٍ وَأَبُو السُّدِّيِّ عَبْدُ الرَّحْمَنِ رَوَوْهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ وَلَمْ يَذْكُرُوا التُّرَابَ ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کُتا برتن کو چاٹ جائے تو اسے سات بار دھوؤ، ساتویں بار مٹی سے دھوؤ۔ امام ابوداؤدؒ چھ راویوں کا نام لیکر کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ حدیث ابوہریرہؓ سے روایت کی مگر مٹی کا ذکر نہیں کیا۔

(شرح) ابورزین اور ابوصالح کی روایت مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بیان کی ہے۔ اعرج کی روایت بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ میں ہے۔ ثابت ابن احنف کی روایت نسائی میں ہے۔ ہمام بن منبّہ کی روایت مسلم میں ہے۔ ابوالسدی

کی روایت کے متعلق شارح فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں مل سکی شاید یہ راوی مجہول ہے اس لئے اس کی روایت کردی گئی ہے۔

۷۴۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ شُعْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو التَّيَّاحِ عَنْ مُطَرِّفٍ عَنِ ابْنِ مُغَفَّلٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ ثُمَّ قَالَ مَا لَهُمْ وَلَهَا فَرَخَّصَ فِي كَلْبِ الصَّيْدِ وَفِي كَلْبِ الْغَنَمِ وَقَالَ إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي الْإِنَاءِ فَاغْسِلُوهُ سَبْعَ مِرَارٍ وَالثَّامِنَةَ عَفِّرُوهُ بِالتُّرَابِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ هَكَذَا قَالَ ابْنُ مُغَفَّلٍ

(ترجمہ) عبد اللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کے قتل کا حکم دیا۔ پھر فرمایا: کتوں سے لوگوں کو کیا بیر ہے؟ پھر آپؐ نے شکاری اور ریوڑ کے رکھوالے کتے کی رخصت دی اور فرمایا کہ جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اسے سات مرتبہ دھوؤ اور آٹھویں مرتبہ مٹی سے صاف کرو۔

(شرح) بعض دفعہ کتے زیادہ تعداد میں ہوجاتے ہیں اور انسانوں کے لئے کئی مسائل کا سبب بنتے ہیں لہٰذا آپؐ نے ان کے قتل کا حکم دیا۔ پھر جب کافی مارے جاچکے ہونگے تو فرمایا کہ اب ان سے ضرر کا اندیشہ نہیں لہٰذا قتل بند کیا جائے اور ضرورت شرعی کے لئے کتّے کی اجازت دیدی۔ روایت میں آٹھ بار دھونے کا ذکر ہے کیونکہ آٹھویں مرتبہ جب مٹی سے برتن مانجھا جائیگا تو پانی سے دھوئے بغیر صفائی نہیں ہوگی جیسا کہ اوپر گزرا۔ دراصل یہ حکم تشدد کی خاطر تھا، اور یہ بھی مقصد ہوگا کہ لوگوں کے دلوں میں کتّے سے نفرت پیدا ہوجائے جدید تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ کتّے کے لعاب اور اس کے دانتوں میں دیوانگی کے جراثیم موجود ہیں۔ تندرست کتا بھی بعض دفعہ دیوانگی کا باعث بن جاتا ہے حدیث میں یہ اشارہ بھی ہے کہ برتن کو اتنی بار دھونے کا حکم اسی زمانے کا ہوگا جبکہ آپؐ نے کتوں کے قتل کا حکم دیا تھا۔ اور یہ ابتدائے اسلام کا واقعہ ہے۔

۳۸۔ بَابُ سُؤْرِ الْهِرَّةِ

بلّی کے جھوٹے کا باب

۷۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ إِسْحَقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ حُمَيْدَةَ بِنْتِ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ كَبْشَةَ بِنْتِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَتْ تَحْتَ ابْنِ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ دَخَلَ فَسَكَبَتْ لَهُ وَضُوءًا فَجَاءَتْ هِرَّةٌ فَشَرِبَتْ مِنْهُ فَأَصْغَى لَهَا الْإِنَاءَ حَتَّى شَرِبَتْ. قَالَتْ كَبْشَةُ فَرَآنِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ فَقَالَ أَتَعْجَبِينَ يَا بِنْتَ أَخِي فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ إِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ وَالطَّوَّافَاتِ۔

(ترجمہ) کبشہ بنت کعب کا بیان ہے کہ اس کا خسر ابو قتادہؓ ان کے ہاں آیا۔ کبشہ نے اس کے لئے وضوء کا پانی برتن میں ڈالا۔ ایک بلی آگئی جو اس میں سے پانی پینے لگی تو ابو قتادہؓ نے اس کے لئے برتن جھکا دیا حتیٰ کہ اس نے پانی پی لیا۔ کبشہ نے کہا کہ ابو قتادہؓ نے مجھے اپنی طرف (از راہِ تعجب) نگاہ ڈالتے دیکھا تو کہا: اے بھتیجی! کیا تو حیران ہو رہی ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ ابو قتادہؓ نے کہا کہ یہ پلید نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا یہ پلید نہیں کیونکہ یہ تو ان جانوروں میں سے ہے جو ہر وقت تمہارے ارد گرد گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔

(شرح) ابو قتادہؓ نے کبشہ کو عادتِ اہلِ عرب کے مطابق بھتیجی کہا تھا۔ عربوں میں بڑے آدمی کو چچا اور چھوٹے کو بھتیجا کہا جاتا ہے۔ حضورؐ کا ارشاد کہ بلی نجس نہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خدانخواستہ حلال ہو گئی ہے۔ بلکہ صرف اس لئے کہ وہ ہر وقت گھر میں گھومتی پھرتی ہے برتنوں میں منہ ڈالتی ہے اور اس سے بچنا دشوار ہے، اسے گھر کے خدمت گاروں سے تشبیہ دی ہے۔ قرآن نے خود نوکروں کے لئے طوّافون کا لفظ بولا ہے کیونکہ وہ بھی خدمت انجام دینے کی خاطر آگے پیچھے، دائیں بائیں گھومتے پھرتے ہیں اور پھر بلی کیڑے مکوڑے اور چوہے وغیرہ قتل کرتی ہے جو انسان کی اذیت کا باعث ہیں، یہ بھی اس کی ایک خدمت ہے۔ بلی کے جھوٹے کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ ابو داؤد نے جو روایات درج کی ہیں وہ اس کے طاہر ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ ابو قتادہؓ کی اس روایت میں بھی محدثین کا اختلاف ہوا ہے۔ بخاری اور دار قطنی وغیرہ نے اسے صحیح ٹھیرایا ہے مگر ابن مندہ کے نزدیک یہ حدیث بایں سبب معلول ہے کہ کبشہ سے روایت کرنے والی حمیدہ مجہول ہے اور اسی طرح کبشہ بھی۔ ابن مندہ کا بیان ہے کہ ان دونوں کی اس حدیث کے سوا اور کوئی روایت بھی نہیں۔ الجوہر النقی کے مصنف نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں بہت سا اضطراب ہے اور اس میں دو مجہول عورتیں ہیں اور بقول ابن مندہ یہ حدیث کسی وجہ سے بھی ثابت نہیں ہے۔ دوسری حدیث کا بھی یہی حال ہے اس میں ام داؤد ابن صالح مجہول راویہ ہے کسی محدث نے اس حدیث کو صحیح نہیں کہا۔ الجوہر النقی میں ہے کہ اس حدیث میں اہلِ علم کے نزدیک ایک مجہول عورت ہے، اسی لئے بزار نے کہا کہ یہ نقل کی جہت سے ثابت نہیں ہے۔ دوسری قسم کی روایات وہ ہیں جو بلی اور اس کے جھوٹے کو ناپاک یا کم از کم مکروہ ٹھیراتی ہیں۔ ان میں سے ایک صحیح حسن حدیث ترمذی میں ابو ہریرہؓ سے آئی ہے جس میں کتے کے برتن میں ولوغ سے سات مرتبہ دھونے اور بلی کے ولوغ سے ایک مرتبہ دھونے کا حکم وارد ہوا ہے۔ دار قطنی نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے جس میں بلی کے ولوغ سے برتن کو ایک یا دو مرتبہ دھونے کا حکم ہے۔ اسی طرح بہت سی موقوف روایات میں بھی یہ حکم آیا ہے جن کی تائید فقہائے تابعین کے فتاویٰ سے ہوتی ہے مثلاً طاؤسؒ، عطاؒ اور مجاہدؒ۔ مگر بلی کے جھوٹے کو پاک بتلانے والی روایات بہر حال ان دوسری روایات سے قوی ہیں اور ان تین مذکورہ بالا ائمہ کے سوا اور کسی نے بھی بلی کے سؤر کو نجس نہیں ٹھیرایا، لہٰذا ائمۂ امت کا گویا اجماع ہو گیا ہے کہ بلی کا جھوٹا پاک ہے۔ اختلاف اب صرف کراہت اور عدمِ کراہت میں رہ گیا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بلی کا جھوٹا پاک ہے اور یہی قول امام ابو یوسفؒ کا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اسے طاہر مگر مکروہ ٹھیراتے ہیں۔ پھر یہ کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی حنفی روایات دونوں طرح کی ہیں۔ درِ مختار میں ہے کہ وہ ضرورت کی بنا پر طاہر مگر مکروہ تنزیہی ہے۔ اور یہی قول سب سے بہتر ہے۔

۷۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ عَنْ دَاوُدَ بْنِ صَالِحِ بْنِ دِيْنَارٍ التَّمَّارِ عَنْ أُمِّهِ أَنَّ مَوْلَاتَهَا أَرْسَلَتْهَا بِهَرِيْسَةٍ إِلَى عَائِشَةَ فَوَجَدَتْهَا تُصَلِّيْ فَأَشَارَتْ إِلَيَّ أَنْ ضَعِيْهَا فَجَاءَتْ هِرَّةٌ فَأَكَلَتْ مِنْهَا فَلَمَّا انْصَرَفَتْ أَكَلَتْ مِنْ حَيْثُ أَكَلَتِ الْهِرَّةُ فَقَالَتْ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّہَا لَیْسَتْ بِنَجَسٍ اِنَّمَا ھِیَ مِنَ الطَّوَّافِیْنَ عَلَیْکُمْ وَلَقَدْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَوَضَّأُ بِفَضْلِھَا۔

(ترجمہ) اُمِّ داؤد بن صالح کا بیان ہے کہ اس کی مالکہ نے اسے کھیر دیکر حضرت عائشہ رضؓ کے پاس بھیجا۔ اُمِّ داؤد نے انہیں نماز میں پایا۔ ام المؤمنین رضؓ نے اشارہ کیا کہ اسے رکھ دو بس ایک بلّی آئی اور اس میں سے کھا گئی۔ حضرت عائشہؓ نے نماز کے بعد وہیں سے کھایا جہاں سے بلّی نے کھایا تھا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ پلید نہیں کیونکہ وہ ہر وقت تمہارے ارد گرد گھومنے پھرنے والے جانوروں میں سے ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بچے ہوئے پانی سے وضوء کرتے دیکھا ہے۔

(شرح) اوپر بتایا جا چکا ہے کہ اس حدیث میں ایک راویہ ام داؤد بن صالح مجہول ہے۔ وہ اپنی آزاد کرنے والی مالکہ کا نام بھی نہیں لیتی جس نے اسے ہریسہ دے کر ام المؤمنین عائشہؓ کے پاس بھیجا تھا۔ اس حدیث سے بلّی کے جھوٹے کی کراہت کی نفی بہر حال نہیں ہوتی کیونکہ اس کی طہارت کا حکم علتِ طواف کی بناء پر ہے نہ کہ مطلقاً۔

۳۹۔ بَابُ الْوُضُوْءِ بِفَضْلِ طَھُوْرِ الْمَرْأَۃِ

عورت کے بچے ہوئے وضوء کے پانی سے وضوء کرنے کا باب

۷۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا یَحْیٰی عَنْ سُفْیَانَ قَالَ حَدَّثَنِیْ مَنْصُوْرٌ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَۃَ رض قَالَتْ کُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ وَّنَحْنُ جُنُبَانِ۔

(ترجمہ) عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسلِ جنابت کیا کرتے تھے۔

(شرح) جُنب کا معنی اجنبی ہے۔ غسل کی حاجت والا انسان چونکہ غسل کئے بغیر عبادات سے دور اور اجنبی رہتا ہے اس لئے اس کو جُنب کہا گیا ہے اور اس حالت کو جنابت سے پکارا گیا ہے۔ اسی قسم کی احادیث حضرت میمونہؓ اور ام سلمہؓ کے متعلق بھی مروی ہیں۔ مرد اور عورت کا اکٹھا ایک برتن سے غسل کرنا ان صحیح احادیث کی بناء پر اجماعاً جائز ہے۔ اسی طرح مرد کے بچے ہوئے پانی سے عورت کا غسل بھی بالاجماع جائز ہے۔ عورت کے بچے ہوئے پانی کے ساتھ مرد کا غسل امام مالکؒ امام ابوحنیفہ رح اور جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے۔ امام احمدؒ اور داؤد ظاہری فرماتے ہیں کہ عورت جب اکیلی ٹب وغیرہ کا پانی استعمال کر چکے تو اس کا بچا ہوا پانی مرد کے لئے جائز نہیں۔ اس نہی میں جو حدیث آئی ہے، وہ ضعیف ہے، بخاری وغیرہ ائمہ حدیث نے اسے ضعیف ٹھیرایا ہے۔ پھر اس حدیث کی کراہت کو استحباب اور تنزیہ پر بھی محمول کیا گیا ہے۔

۷۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَیْلِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ عَنْ اُسَامَۃَ بْنِ زَیْدٍ عَنِ ابْنِ خَرَّبُوْذَ عَنْ اُمِّ صُبَیَّۃَ الْجُھَنِیَّۃِ قَالَتِ اخْتَلَفَتْ یَدِیْ وَیَدُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

فِی الْوُضُوْءِ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ۔

(ترجمہ) ام صبیّہ جہنیہ نے کہا کہ ایک برتن سے وضوء کرنے کے لئے میرا ہاتھ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ باری باری پڑتا تھا۔

(شرح) اس صحابیہ کا نام خولہ بنت قیس تھا۔ مگر اس کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی محرمیت کا رشتہ نہیں تھا تو یہ کیونکر ہوا کہ حضورؐ کے ساتھ ایک ہی برتن سے اس نے وضوء کیا تھا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ واقعہ حکم حجاب سے پہلے کا ہے لیکن اس میں مشکل یہ ہے کہ نزولِ حجاب سے قبل صرف منہ کھولنا جائز تھا نہ کہ بازوؤں اور سر وغیرہ اعضائے وضوء کا بہتر یہی ہے کہ یوں کہا جائے کہ واقعہ نزولِ حجاب کے بعد کا ہے اور حضورؐ کے اور اس صحابیہؓ کے درمیان پردہ تھا۔ باری باری سے وضوء کا پانی ایک برتن سے لیتے تھے۔ یا مطلب یہ ہے کہ اس صحابیہؓ نے حضورؐ کے وضوء سے بچے ہوئے پانی کے ساتھ بعد میں وضوء کیا یا اس کے برعکس معاملہ پیش آیا اور اسے بیان یوں کیا گیا کہ جس سے بیک وقت دونوں کے وضوء کا گمان ہوتا ہے۔ شائد یہ عورت کسی کام سے یا کوئی بات دریافت کرنے حضورؐ کے ہاں حاضر ہوئی ہو گی واللہ اعلم۔

۷۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مَسْلَمَۃَ عَنْ مَّالِکٍ عَنْ نَّافِعٍ ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ اَیُّوْبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ کَانَ الرِّجَالُ وَالنِّسَآءُ یَتَوَضَّؤُوْنَ فِیْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، قَالَ مُسَدَّدٌ مِنَ الْاِنَاءِ الْوَاحِدِ جَمِیْعًا۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ مرد اور عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں (بقول مسدد راوی ایک برتن سے) اکٹھے وضوء کرتے تھے۔

(شرح) اگر غیر محرم مراد لئے جائیں تو مطلب یہ مناسب ہے کہ ایک ہی برتن سے باری باری وضوء کرتے تھے۔ محرم مراد ہوں تو بالکل ساتھ بیٹھ کر وضوء کرنے میں بھی کوئی چیز مانع نہیں۔ امام رافعی نے اس سے یہی دوسری چیز مراد لی ہے۔

۸۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا یَحْیٰی عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ قَالَ حَدَّثَنِیْ نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ کُنَّا نَتَوَضَّأُ نَحْنُ وَالنِّسَآءُ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ تُدْلِیْ فِیْہِ اَیْدِیَنَا۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ہم مرد اور عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک ہی برتن سے وضوء کرتے تھے۔ ہم سب اس برتن میں ہاتھ ڈالتے تھے۔

۴۰۔ بَابُ النَّھْیِ عَنْ ذٰلِکَ

یہ باب اس سے نہی میں ہے

۸۱- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ دَاوُدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَوَانَةَ عَنْ دَاوُدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ حُمَيْدٍ الْحِمْيَرِيِّ قَالَ لَقِيتُ رَجُلًا صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَ سِنِيْنَ كَمَا صَحِبَهُ اَبُوْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَغْتَسِلَ الْمَرْاَةُ بِفَضْلِ الرَّجُلِ اَوْ يَغْتَسِلَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ الْمَرْاَةِ - زَادَ مُسَدَّدٌ وَلْيَغْتَرِفَا جَمِيْعًا -

(ترجمہ) حمید حمیری نے کہا کہ میں ایک آدمی سے ملا جو ابوہریرہؓ کی مانند چار سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی رہا تھا۔ اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ عورت مرد کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے اور مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے اور ان دونوں کو اکٹھا پانی لینا چاہیے (آخری لفظ مسدد نے زائد بیان کئے)

(شرح) جس راوی کا نام نہیں لیا گیا وہ حکم بن عمروؓ یا عبداللہ بن سرجس یا عبداللہ بن مغفل ہے۔ یہ روایت بظاہر مرسل ہے کیونکہ صحابی کا نام تیقن سے معلوم نہیں اور دوسری احادیث کے خلاف ہے۔ اسے دوسری روایات کے ساتھ یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ نہی سے مراد استحباب اور تنزیہ کی نہی ہے۔ اور آئندہ حدیث کے قرینے سے کہا گیا ہے کہ روایت کا راوی صحابی حکم بن عمروؓ ہے واللہ اعلم۔

۸۲- حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ دَاوُدَ يَعْنِي الطَّيَالِسِيَّ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِيْ حَاجِبٍ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عَمْرٍو وَهُوَ الْاَقْرَعُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ يَّتَوَضَّأَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ طَهُوْرِ الْمَرْاَةِ -

(ترجمہ) حکم بن عمروؓ الاقرع کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو عورت کے غسل یا وضوء کے بچے ہوئے پانی کے ساتھ وضوء کرنے سے منع فرمایا۔

۴۱- بَابُ الْوُضُوْءِ بِمَاءِ الْبَحْرِ

سمندری پانی سے وضوء کا باب

۸۳- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ سَلَمَةَ مِنْ اٰلِ ابْنِ الْاَزْرَقِ قَالَ اِنَّ الْمُغِيْرَةَ بْنَ اَبِيْ بُرْدَةَ وَهُوَ مِنْ بَنِيْ عَبْدِ الدَّارِ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رض يَقُوْلُ سَاَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا نَرْكَبُ الْبَحْرَ وَنَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِيلَ مِنَ الْمَاءِ فَإِنْ تَوَضَّأْنَا بِهِ عَطِشْنَا أَفَنَتَوَضَّأُ بِمَاءِ الْبَحْرِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ

(ترجمہ) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا یا رسول اللہ ہم سمندر میں سوار ہوتے ہیں اور اپنے ساتھ تھوڑا سا پانی لے جاتے ہیں۔ اگر ہم اس سے وضوء کرلیں تو پیاسے رہ جائیں گے، سو کیا سمندر کے پانی سے وضوء کرلیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مُردہ حلال ہے۔

(شرح) سمندر کے پانی کے متعلق سوال کا باعث یہ تھا کہ اس کا پانی نہایت کڑوا اور لیس دار سا ہوتا ہے، سائل کو شبہ تھا کہ شاید اس سے وضوء جائز نہ ہو۔ سمندر کے پانی کے طاہر و مطہر (خود پاک اور پاک کنندہ) ہونے کا مسئلہ اجماعی ہے۔ گو ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں اس کے خلاف بھی منقول ہوا ہے اور امام شعرانی رح نے اس میں علماء کے تین مذاہب بیان کئے ہیں، مگر یہ آحاد کا اختلاف اور روایات جماہیر علماء کے اتفاق کے سامنے معدوم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ رہا دوسرا مسئلہ کہ سمندر کا میتہ حلال ہے یا نہیں؟ اور میتہ سے یہاں کیا مُراد ہے؟ سو اس میں علماء کا اختلاف ہوا ہے۔ حنفیہ رح کے نزدیک اس سے مُراد مچھلی ہے اور اس کی دلیل ایک اور حدیث ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا: أُحِلَّتْ لَنَا الْمَيْتَتَانِ وَالدَّمَانِ اَلْمَيْتَتَانِ السَّمَكُ وَالْجَرَادُ وَالدَّمَانِ الْكَبِدُ وَالطِّحَالُ "ہمارے لئے دو مُردے اور دو خون حلال کئے گئے ہیں، دو مُردے تو مچھلی اور ٹڈی (مکڑی) ہے اور دو خون کلیجہ اور تلی ہے۔ انہیں مُردہ فرمانے کا باعث یہ ہے کہ ان میں خون نہ ہونے کے باعث انہیں بطریق معتاد ذبح نہیں کیا جاتا اور اس کے بغیر ہی جان نکل جانے کے باوجود حلال ہیں۔ اور آیت: أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ میں سمندر کے شکار سے یہی مُراد ہے کیونکہ سمندر کا شکار مچھلی ہی ہوتی ہے نہ کہ دوسرے دریائی اور سمندری جانور۔ مچھلی کے علاوہ حنفیہ کے نزدیک کوئی سمندری جانور حلال نہیں ہے۔ مچھلی بھی جو مرکر خود پانی پر تیرنے لگے وہ حلال نہیں کیونکہ اسے "صید" نہیں کیا گیا۔ امام شافعی رح کے نزدیک ہر سمندری جانور حلال ہے حتیٰ کہ سمندری کتا اور خنزیر اور اژدہے، گھوڑے اور مینڈک وغیرہ بھی۔ شافعی رح فقہاء نے بقول امام نووی رح کہا ہے کہ: مچھلی کی حلت پر تمام اہل اسلام کا اجماع ہے۔ ہمارے اصحاب کے نزدیک مینڈک حرام ہے کیونکہ حدیث میں اس کے قتل سے ممانعت آئی ہے۔ اس کے ماسوا میں تین اقوال ہیں جن میں سے صحیح تر یہ ہے کہ سب حلال ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ سب حرام ہیں۔ تیسرا یہ کہ جن سمندری جانوروں کی حلال نظیر زمین پر موجود ہے اور کھائی جاتی ہے وہ حلال ہیں باقی سب حرام۔ پس اس بناء پر سمندری گھوڑا، بھیڑ بکری اور ہرن جائز ہے اور کتا، خنزیر اور گدھا وغیرہ حرام ہے۔ ابن ابی لیلیٰ اور لیث بن سعد کے نزدیک مچھلی کے سوا بھی ہر سمندری حیوان حلال ہے مگر اس کی حلت کی شرط ذبح کرنا ہے۔ ہاں سمندری انسان اور خنزیر حلال نہیں ہے۔ امام شافعی رح کے نزدیک یہ سب جانور بلا ذبح کئے جائز ہیں، ان کا شکار ہی ان کا ذبح کرنا ہے۔ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ نے جو میتہ، خون، لحم الخنزیر حرام فرمایا ہے اس میں بری و بحری کی کوئی تخصیص نہیں ہے لہٰذا مچھلی کے استثناء کے سوا باقی سب حرام ہیں۔

۴۲۔ بَابُ الْوُضُوْءِ بِالنَّبِيْذِ

(نبیذ (کھجور کے شیرے) سے وضوء کرنے کا باب)

۸۴- حَدَّثَنَا هَنَّادٌ وَسُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ أَبِي فَزَارَةَ عَنْ أَبِي زَيْدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ لَيْلَةَ الْجِنِّ مَا فِي إِدَاوَتِكَ؟ قَالَ نَبِيذٌ. قَالَ تَمْرَةٌ طَيِّبَةٌ وَمَاءٌ طَهُورٌ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ قَالَ سُلَيْمَانُ عَنْ أَبِي زَيْدٍ أَوْ زَيْدٍ، كَذَا قَالَ شَرِيكٌ وَلَمْ يَذْكُرْ هَنَّادٌ لَيْلَةَ الْجِنِّ.

(ترجمہ) عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ الجن میں ان سے فرمایا: تمہارے لوٹے میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ نبیذ ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ پاک کھجور ہے اور پاک کرنے والا پانی ہے۔

(شرح) اس روایت میں ابوزید راوی پر جہالت کا طعن ہے مگر ابن العربی کا قول ہے کہ ابوزید مولائے عمرو بن حُرَیث ہے اور اس سے راشد کیسانی اور ابوروق بھی روایت کرتے ہیں لہٰذا وہ مجہول نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ابوزید کے علاوہ اس حدیث کو عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرنے والے چودہ اشخاص اور بھی ہیں جو اسی کی مانند بیان کرتے ہیں۔ ان کی روایات طحاوی، حاکم اور طبرانی وغیرہم نے بیان کی ہیں۔ روایت میں دوسرا اعتراض ابوفزارہ کے باعث ہے کہ وہ کون ہے؟ حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے صراحت کی ہے کہ وہ راشد بن کیسان ہے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ یہ شخص کوفہ میں نبیذ ساز تھا سو حافظ ابن حجرؒ نے ابوداؤد سے نقل کیا ہے کہ وہ ابوفزارہ نہیں بلکہ کوئی اور شخص تھا۔ مصابیح میں ہے کہ حضورؐ نے اس نبیذ سے وضو کیا اور مسند احمد اور ترمذی میں بھی اسی قسم کے الفاظ ہیں۔ نبیذ کا معنیٰ ہے شیرہ۔ کھجور کو بھگو دیتے تھے اور پانی میٹھا ہو جاتا تھا تو پی لیتے تھے اسے نبیذ کہا جاتا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نبیذ سے وضوء جائز ہے بشرطیکہ رقیق ہو اور اعضاء پر بہہ جائے۔ یہی نبیذ جب پختہ اور گاڑھی ہو جائے تو نشہ آور ہو جانے کے باعث حرام ہو جاتی ہے۔ دوسرے ائمہ نے اور حنفیہ میں سے ابو یوسفؒ نے کہا ہے کہ نبیذ سے وضوء جائز نہیں اور کہا جاتا ہے کہ ابوحنیفہؒ کا آخری قول بھی یہی ہے۔ حسن بصریؒ اور اوزاعیؒ کے نزدیک نبیذ سے وضوء جائز ہے۔ عکرمہؒ نے کہا کہ جسے پانی نہ ملے وہ اس سے وضوء کر سکتا ہے اور کوئی نہیں ــــ لیلۃ الجن کا واقعہ کم و بیش چھ مرتبہ پیش آیا ہے۔ ہجرت سے قبل بھی اور بعد بھی۔ امام محمدؒ نے آیت تیمم کو اس حدیث کا ناسخ قرار دیا ہے۔ مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ عبداللہؓ کس رات کا ذکر کرتے ہیں۔

۸۵- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ دَاوُدَ عَنْ عَامِرٍ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قُلْتُ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْجِنِّ فَقَالَ مَا كَانَ مَعَهُ مِنَّا أَحَدٌ.

(ترجمہ) علقمہؒ کا بیان ہے کہ میں نے عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا: آپ لوگوں میں سے لیلۃ الجن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کون تھا؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم میں سے آپؐ کے ساتھ کوئی نہ تھا۔

(شرح) ابوداؤدؒ نے یہ حدیث اس لئے درج کی ہے کہ گذشتہ حدیث جو باعتبار سند ضعیف بھی ہے اور وہ اس صحیح حدیث کے خلاف ہے اس لئے لائق استدلال نہیں۔ اوپر گذر چکا ہے کہ گذشتہ حدیث ایسی ضعیف بھی نہیں کہ اسے بالکل ناقابل اعتناء

سمجھا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جنوں کی طرف جانا چھ مرتبہ ہوا تھا، ظاہر ہے کہ ابن مسعودؓ ہر واقعہ میں تو ساتھ نہیں تھے۔ معلوم نہیں سائل نے کس رات کا سوال کیا تھا جس کے جواب میں ابن مسعودؓ نے کسی کے آپؐ کے ساتھ ہونے کی نفی کی ہے۔ ترمذی نے حضورؐ کا ابن مسعودؓ کو ساتھ لے کر مکہ کی پتھریلی زمین کی طرف جنوں سے ملنے کو جانا روایت کیا ہے اور اس روایت کی تصحیح کی ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جنوں کے پاس جاتے وقت حضورؐ اکیلے ہی تشریف لے گئے تھے اور ابن مسعودؓ کو دور پیچھے بٹھا گئے تھے جیسا کہ ترمذی کی حدیث میں ہے۔ ابن عباسؓ سے ترمذی میں جو ایک روایت لیلۃ الجن کے متعلق ہے اس میں تو حضورؐ کے ان سے ملنے اور ان کے سامنے قرآن پڑھنے کی نفی بھی موجود ہے حالانکہ حضورؐ کا ان سے ملنا، بات چیت کرنا اور انہیں تعلیم کرنا ثابت ہے۔ اس سے قبل سنن ابی داؤد میں ہی وہ روایت گزر چکی ہے جس میں جنوں کا یہ درخواست کرنا مذکور ہے کہ اپنی امت سے فرما دیجئے کہ ہڈی سے استنجا نہ کیا کریں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے ہمارا رزق رکھا ہے۔ پس کیا ابن عباسؓ کی اس روایت کی بنا پر جنوں کے آنے، حضورؐ کے تشریف لے جانے اور انہیں تبلیغ کرنے کی مطلقاً نفی جائز ہو گی؟ سمعانی نے کہا کہ علی بن المدینی نے بارہ سندوں سے ابن مسعودؓ کا حضورؐ کے ساتھ لیلۃ الجن میں ہونا ثابت کیا ہے۔

۸۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مَنْصُوْرٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ اَنَّهُ كَرِهَ الْوُضُوْءَ بِاللَّبَنِ وَالنَّبِيْذِ وَقَالَ اِنَّ التَّيَمُّمَ اَعْجَبُ اِلَيَّ مِنْهُ۔

(ترجمہ) ابن جریج نے کہا کہ عطاء بن ابی رباحؒ نے دودھ اور نبیذ سے وضوء کو مکروہ ٹھیرایا اور کہا کہ اس سے مجھے تیمم کر لینا زیادہ پسند ہے۔

۸۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ خَلْدَةَ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا الْعَالِيَةِ عَنْ رَجُلٍ اَصَابَتْهُ جَنَابَةٌ وَّلَيْسَ عِنْدَهُ مَاءٌ وَّعِنْدَهُ نَبِيْذٌ اَيَغْتَسِلُ بِهٖ؟ قَالَ لَا۔

(ترجمہ) ابو خلدہ نے ابو العالیہؒ سے پوچھا کہ ایک شخص کو نہانے کی حاجت ہو جائے اور اس کے پاس پانی تو نہ ہو مگر نبیذ ہو تو کیا وہ اس سے غسل کر سکتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔

(شرح) امام ابو داؤدؒ نے یہ دونوں آثار اپنے اس مسلک کی تائید و توثیق میں پیش کئے ہیں کہ نبیذ سے وضوء اور غسل جائز نہیں ہے۔ مسلک گو حنفیہ کا بھی یہی ہے مگر بنظر بحث کہا جا سکتا ہے کہ عطاءؒ بن ابی رباح اور ابو العالیہؒ بیشک حدیث اور فقہ میں مسلّم امام ہیں مگر ان کا فتویٰ شرعی حجت تو نہیں ٹھیرایا جا سکتا۔ بس زیادہ سے زیادہ دو بزرگوں کا فتویٰ ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی معلوم رہے کہ یہی اثر دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اس میں ایک فقرے کا اضافہ ہے جسے ابو داؤدؒ نے روایت نہیں کیا۔ وہ یہ کہ ابو خلدہ نے ابو العالیہؒ کے جواب پر لیلۃ الجن والی حدیث کا حوالہ دیا کہ حضورؐ نے نبیذ سے وضوء فرمایا تھا، تو

ابو العالیہؒ نے کہا کہ آج کل کی نبیذ گاڑھی اور غلیظ ہوتی ہے اور وہ نبیذ بہت پتلی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابو العالیہؒ کا فتوای کس بناء پر تھا۔ دارقطنی کی روایت کے مطابق نبیذ اگر رقیق ہو اور اس میں صرف کچھ مٹھاس پیدا ہو گئی ہو تو اس سے وضوء اور غسل جائز ہے۔

۴۳۔ بَابُ اَيُصَلِّي الرَّجُلُ وَهُوَ حَاقِنٌ

باب اس بیان میں کہ کیا آدمی پیشاب روک کر نماز پڑھ سکتا ہے؟

۸۸۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّهُ خَرَجَ حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا وَّمَعَهُ النَّاسُ وَهُوَ يَؤُمُّهُمْ فَلَمَّا كَانَ ذَاتَ يَوْمٍ اَقَامَ الصَّلٰوةَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ ثُمَّ قَالَ لِيَتَقَدَّمْ اَحَدُكُمْ وَذَهَبَ اِلَى الْخَلَاءِ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ، اِذَا اَرَادَ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّذْهَبَ الْخَلَاءَ وَقَامَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيَبْدَأْ بِالْخَلَاءِ۔ قَالَ اَبُو دَاؤدَ رَوٰى وُهَيْبُ بْنُ خَالِدٍ وَّشُعَيْبُ بْنُ اِسْحَاقَ وَاَبُو ضَمْرَةَ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ رَّجُلٍ حَدَّثَهُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَرْقَمَ وَالْاَكْثَرُ الَّذِيْنَ رَوَوْهُ عَنْ هِشَامٍ قَالُوْا كَمَا قَالَ زُهَيْرٌ۔

(ترجمہ) عروہ نے کہا کہ عبداللہ بن ارقمؓ حج یا عمرہ کو گئے۔ ان کے ساتھ اور لوگ بھی تھے اور عبداللہؓ انہیں نماز پڑھاتے تھے۔ ایک دن یوں ہوا کہ عبداللہؓ نے فجر کی نماز کھڑی کرنے کا حکم دیا اور یہ کہہ کر بیت الخلاء کو چلے گئے کہ تم میں سے کوئی شخص امام بن جائے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا کہ تم میں سے جب کوئی بیت الخلاء کو جانا چاہے اور نماز کی اقامت بھی ہو جائے تو پہلے فراغت حاصل کرے۔

(شرح) حاقن پیشاب روکنے والے کو، حاقب پاخانہ روکنے والے کو اور حازق دونوں حاجات کو روکنے والے کو کہا جاتا ہے یہ مسئلہ ائمہ کرام میں متفق علیہ ہے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ اس حالت میں نماز میں دل نہیں لگتا اور خشوع و خضوع جو عبادت کا مغز ہے حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہی حدیث دیگر صحاح میں موجود ہے اور دیگر احادیث بھی اس مضمون کی ثابت ہیں۔

۸۹۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ وَّمُسَدَّدٌ وَّمُحَمَّدُ بْنُ عِيْسَى الْمَعْنٰى، قَالُوْا حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ اَبِيْ حَزْرَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ ابْنُ عِيْسٰى فِيْ حَدِيْثِهٖ ابْنِ اَبِيْ بَكْرٍ ثُمَّ اتَّفَقُوْا اَخُو الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا فَجِيْءَ بِطَعَامِهَا فَقَامَ

الْقَاسِمُ يُصَلِّيْ فَقَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يُصَلِّيْ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ وَلَا وَهُوَ يُدَافِعُهُ الْاَخْبَثَانِ ـ

(ترجمہ) عبداللہ بن محمد (ابوبکر صدیق رض کا پڑپوتا) بیان کرتا ہے کہ ہم حضرت عائشہ رض کے پاس تھے کہ ان کا کھانا لایا گیا تو قاسم بن محمد (جناب صدیق اکبر کا پوتا) نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ ام المومنین رض نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ کوئی شخص کھانے کی موجودگی میں نماز نہ پڑھے اور نہ اس حالت میں کہ بول و براز کا تقاضا ہو رہا ہو۔

(شرح) کھانے کی موجودگی میں جہاں تک نماز میں داخل ہونے کا سوال ہے جس سے اس حدیث میں نہی آئی ہے، جمہور علماءِ امت کے نزدیک یہ نہی تنزیہی ہے کیونکہ اس حالت میں دھیان نماز میں نہیں لگتا۔ اہل ظواہر کے نزدیک یہ نہی تحریمی ہے یعنی نماز ہوتی ہی نہیں۔ طعام سے مراد اس حدیث میں وہ کھانا ہے جو انسان کے کھانے کی خاطر آیا ہوا اور اس کو اس کی رغبت، خواہش اور ضرورت ہو۔ اس کے ساتھ ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ وقت میں ابھی گنجائش ہو کہ کھانا کھا کر نماز وقت کے اندر بخوبی پڑھ سکے گا۔ اگر وقت تنگ ہو تو نماز کی تاخیر جائز نہ ہوگی۔ ابن جوزی کا قول ہے کہ یہ حق العبد کو حق اللہ پر مقدم کرنا نہیں ہے جیسا کہ بظاہر نظر آتا ہے، بلکہ اللہ کے حق کو بچانے کی خاطر ہے تاکہ بندہ صحیح معنوں میں نماز میں مشغول ہو سکے اور اس کا دل خشوع و خضوع کے ساتھ معبود کی طرف جھک سکے۔ جابر رض کی روایت اس حکم کے خلاف ہے۔ اس میں ہے کہ حضور نے فرمایا: نماز کو کھانے یا کسی اور چیز کی خاطر مؤخر نہ کیا جائے، مگر وہ روایت ضعیف ہے۔ اگر اس کی صحت کو مان لیں تو اس کا محل اور ہے۔ مثلاً وقت میں گنجائش نہ ہو یا مثلاً یہ کہ فی الحال کھانے کی خواہش نہ ہو وغیرہ۔

٩٠- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيْسٰى قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عَيَّاشٍ عَنْ حَبِيْبِ بْنِ صَالِحٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ شُرَيْحٍ الْحَضْرَمِيِّ عَنْ اَبِيْ حَيٍّ الْمُؤَذِّنِ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثٌ لَا يَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ يَّفْعَلَهُنَّ، لَا يَؤُمُّ رَجُلٌ قَوْمًا فَيَخُصُّ نَفْسَهٗ بِالدُّعَاءِ دُوْنَهُمْ فَاِنْ فَعَلَ فَقَدْ خَانَهُمْ، وَلَا يَنْظُرُ فِيْ قَعْرِ بَيْتٍ قَبْلَ اَنْ يَّسْتَاْذِنَ فَاِنْ فَعَلَ فَقَدْ دَخَلَ وَلَا يُصَلِّيْ وَهُوَ حَقِنٌ حَتّٰى يَتَخَفَّفَ ـ

(ترجمہ) ثوبان رض فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی کے لئے تین کام کرنے جائز نہیں ہیں۔ ایک یہ کہ کسی قوم کی امامت نہ کرے کہ پھر اپنے آپ کو دعا سے مخصوص کرے، اگر ایسا کیا تو ان سے خیانت کی۔ دوسرا یہ کہ اجازت لینے سے قبل کسی گھر کے اندر نہ جھانکے، اگر ایسا کیا تو گویا اندر ہی چلا گیا، تیسرا یہ کہ پیشاب روک کر نماز نہ پڑھے جب تک کہ ہلکا نہ ہو جائے۔

(شرح) امام جو اپنے آپ کو دعا سے مخصوص کرے گا اس سے مراد وہ امام ہے جو نماز کے اندر کی دعاؤں میں مقتدیوں کو نظر انداز کرے۔ اس کی نماز انفرادی نہیں ہوتی اور اس پر بڑی ذمہ داری ہوتی ہے۔

٩١- حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ خَالِدٍ السُّلَمِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا ثَوْرٌ عَنْ

يَزِيدَ بْنِ شُرَيْحٍ الْحَضْرَمِيِّ عَنْ أَبِي حَيٍّ الْمُؤَذِّنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُصَلِّيَ وَهُوَ حَقِنٌ حَتَّى يَتَخَفَّفَ ثُمَّ سَاقَ نَحْوَهُ عَلَى هٰذَا اللَّفْظِ قَالَ وَلَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَؤُمَّ قَوْمًا إِلَّا بِإِذْنِهِمْ وَلَا يَخْتَصُّ نَفْسَهُ بِدَعْوَةٍ دُونَهُمْ فَإِنْ فَعَلَ فَقَدْ خَانَهُمْ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَهٰذَا مِنْ سُنَنِ أَهْلِ الشَّامِ لَمْ يُشْرِكْهُمْ فِيهَا أَحَدٌ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے حلال نہیں کہ پیشاب روک کر نماز پڑھے حتیٰ کہ ہلکا ہو جائے۔ اور کسی شخص کے لئے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو حلال نہیں کہ لوگوں کی اجازت کے بغیر ان کا امام بنے اور انہیں چھوڑ کر اپنے آپ کو کسی دعاء کے لئے خاص نہ کرے، اگر ایسا کیا تو خیانت کی۔

(شرح) اس حدیث میں امام بننے کے لئے جلدی کرنے سے حضورؐ نے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے۔ یہ تو حال ہوا چھوٹی امامت کا مگر بڑی امامت ـــ خلافت ـــ بھی ارباب حل وعقد و شوریٰ کے آزادانہ مشورے کے بغیر منعقد نہیں ہوتی۔

۴۴- بَابُ مَا يُجْزِئُ مِنَ الْمَاءِ فِي الْوُضُوْءِ

باب اس بیان میں کہ کتنا پانی وضوء کے لئے کافی ہے

۹۲- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ وَيَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ أَبَانُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ صَفِيَّةَ۔

(ترجمہ) ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع سے غسل اور ایک مُد سے وضوء کرتے تھے۔

(شرح) حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ایک عام اندازے پر مبنی ہے، نہ یہ کہ انہوں نے ماپ کر دیکھ لیا تھا کہ حضورؐ نے غسل میں کس قدر اور وضوء میں کس قدر پانی صرف فرمایا تھا۔ نسائی کی روایت کے مطابق مُد کی مقدار دو رطل اور صاع کی آٹھ رطل ہے۔ عرب میں پانی کی مقدار بہت کم تھی ـــ آج بھی کم ہے ـــ لہٰذا غسل اور وضوء میں پانی کی کفایت مدِّ نظر رہتی تھی۔ شرعًا ان کے لئے کوئی خاص مقدار معین نہیں، مقصد حصول طہارت ہے۔ پھر حضورؐ نے بھی مختلف احوال میں کم و بیش پانی کا استعمال فرمایا ہے۔ ابوداؤدؒ نے دوسری حدیث میں قتادہ کی روایت "سمعتُ" کے

لفظ سے کی ہے کیونکہ وہ مدلس ہے اور پہلی روایت میں عن صفیہ کا لفظ ہے۔

۹۳- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ قَالَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي زِيَادٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ وَيَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ۔

(ترجمہ) جابرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع کے ساتھ غسل فرماتے اور ایک مُد سے وضوء فرماتے تھے۔

۹۴- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ حَبِيبٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عَبَّادَ بْنَ تَمِيمٍ عَنْ جَدَّتِهِ وَهِيَ أُمُّ عُمَارَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَأُتِيَ بِإِنَاءٍ فِيهِ مَاءٌ قَدْرُ ثُلُثَيِ الْمُدِّ۔

(ترجمہ) اُمّ عُمارہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء فرمایا، آپؐ کے پاس ایک برتن میں ⅔ مُد کی مقدار بھر پانی لایا گیا۔

(شرح) حضورؐ کے وضوء کے پانی کی یہ کم سے کم مقدار ہے جس حدیث میں ⅓ مُد کا ذکر ہے وہ ضعیف ہے۔ ⅓ مُد کی روایت بے اصل ہے۔

۹۵- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّازُ قَالَ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عِيسَى عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِإِنَاءٍ يَسَعُ رِطْلَيْنِ وَيَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَبْرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا إِلَّا أَنَّهُ قَالَ يَتَوَضَّأُ بِمَكُّوكٍ وَلَمْ يَذْكُرْ رِطْلَيْنِ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ يَحْيَى بْنُ دَاوُدَ عَنْ شَرِيكٍ قَالَ عَنِ ابْنِ جَبْرِ بْنِ عَتِيكٍ۔ وَرَوَاهُ سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عِيسَى قَالَ حَدَّثَنِي جَبْرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ يَقُولُ الصَّاعُ خَمْسَةُ أَرْطَالٍ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَهُوَ صَاعُ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ وَهُوَ صَاعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(ترجمہ) انسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے وضوء کرتے تھے جس میں دو رطل پانی سماتا تھا اور آپؐ

ایک صاع سے غسل کرتے تھے دوسری روایت کے مطابق وضوء مکوک سے فرماتے تھے اور اس کے راوی نے دو رطل کا ذکر نہیں کیا۔ حدیث کے آخر میں ابوداؤدؒ نے کہا کہ بقول امام احمدؒ بن حنبل صاع پانچ رطل کا ہوتا تھا۔ اور وہی صاع ابن ابی ذئب کا تھا اور حضورؐ کے صاع کی بھی یہی مقدار تھی۔

(شرح) مکوک دراصل تو ۱½ صاع کا پیمانہ ہے مگر یہاں شاید مُد مراد ہے۔ روایت میں جو ابن ابی ذئب مذکور ہے اس کا تعین نہیں ہو سکا کہ یہ کون ہے۔ شاید یہ محمد بن عبدالرحمٰن نامی شخص ہے جس کے پاس ایک صاع تھا جو حضورؐ کے صاع کے مشابہ تھا، لوگوں نے اپنے صاع اسی کے اندازے پر بنالئے جو "صاع ابن ابی ذئب" کے نام سے مشہور ہو گئے۔ ابوداؤد نے اسی کو نبوی صاع قرار دیا ہے اور اس کی مقدار ۵⅓ رطل تھی لیکن یہ صاع اہل حجاز میں معروف تھا اور اہل عراق کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع ۴ مُد یعنی ۸ رطل تھا کیونکہ ان کے نزدیک مُد دو رطل کا تھا۔ عراقی صاع بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رائج تھا اور وہ حجازی سے بڑا تھا۔ فطرانہ ادا کرنے میں اسی صاع کا اعتبار کیا گیا ہے کیونکہ اس کی مقدار زیادہ ہے اور اس میں احتیاط ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ نسائی کی ایک روایت کے مطابق مُد کی مقدار ۲ رطل اور صاع کی ۸ رطل ہے۔

۴۵۔ بَابٌ فِي الْإِسْرَافِ فِي الْوُضُوءِ

وضوء میں اسراف کا باب

۹۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْجُرَيْرِيُّ عَنْ أَبِي نَعَامَةَ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مُغَفَّلٍ سَمِعَ ابْنَهُ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْقَصْرَ الْأَبْيَضَ عَنْ يَمِينِ الْجَنَّةِ إِذَا دَخَلْتُهَا قَالَ أَيْ بُنَيَّ سَلِ اللَّهَ الْجَنَّةَ وَتَعَوَّذْ بِهِ مِنَ النَّارِ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّهُ سَيَكُونُ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ يَعْتَدُونَ فِي الطُّهُورِ وَالدُّعَاءِ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن مغفلؓ نے اپنے بیٹے کو یہ دعا کرتے سنا کہ: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ جب جنت میں داخل ہوں تو مجھے اس کے دائیں ہاتھ سفید محل عطا کیجیو۔ عبداللہ نے فرمایا: پیارے بیٹے اللہ سے جنت مانگ اور جہنم سے اس کی پناہ طلب کر کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ عنقریب اس امت میں کچھ لوگ ہوں گے جو پاکیزگی حاصل کرنے اور دعا میں حد سے تجاوز کریں گے۔

(شرح) وضوء اور غسل میں اعضائے جسم کو تین مرتبہ سے زیادہ دھونا یا ضرورت اور حد سے زیادہ پانی بہانا اسراف ہے جو مکروہ ہے۔ یہ کام شکی مزاج اور مُوسوِس کرتے ہیں یعنی جو وسوسہ کی بیماری کا شکار ہیں۔ وضوء ہو یا غسل، نجاست کا دور کرنا برتنوں سے ہو یا کپڑوں سے ان میں حد سے تجاوز کرنا باجماع اُمت ناجائز ہے۔ دعا میں حد سے تجاوز یہ ہے کہ وہ منازل طلب کی جائیں جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہیں۔ یہ بے ادبی اور حماقت بھی ہے۔ عبداللہ بن مغفلؓ

کے فرزند نے گو کوئی ایسا مقام طلب نہیں کیا تھا جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہو مگر صحابی نے اسے ان الفاظ پر بروقت ٹوک دیا کہ مبادا وہ حد سے تجاوز کرنے لگے ممکن ہے کہ وہ قصر ابیض جسے وہ صاحبزادہ طلب کرتا تھا کسی اور کے لئے مقدر ہو لہٰذا بلا وجہ و بلا ضرورت اس تعیین سے روک دیا گیا۔

۴۶- بَابٌ فِي إِسْبَاغِ الْوُضُوءِ

خوب اچھی طرح وضوء کرنے کا باب

۹۷- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ عَنْ هِلَالِ ابْنِ يَسَافٍ عَنْ أَبِي يَحْيَى عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى قَوْمًا وَأَعْقَابُهُمْ تَلُوحُ فَقَالَ وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ أَسْبِغُوا الْوُضُوءَ۔

(ترجمہ) عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگ دیکھے جن کی ایڑیاں خشک نظر آتی تھیں تو فرمایا، ایڑیوں کے لئے جہنم کا عذاب ہے، وضوء کا پانی خوب پہنچاؤ۔

(شرح) وضوء میں جن اعضاء کا دھونا فرض ہے — مثلاً پاؤں — ان کا کوئی حصہ خشک رہ جائے تو حکم کی ادائیگی نہ ہوئی لہٰذا سرے سے وضوء ہی نہ ہوا، اسی لئے حضورؐ نے اس پر اتنی شدید وعید سنائی تھی۔ جماہیر فقہاء و محدثین کے نزدیک وضوء میں پاؤں کا دھونا فرض ہے، ہاں موزوں پر حسب شرائط شرع مسح جائز ہے۔ حضورؐ کا بیان بہت سے اصحاب سے منقول ہے ان سب نے یہی فرمایا ہے کہ آپ نے پاؤں دھوئے اور موزوں کو پہننے کی حالت میں ان پر مسح کیا۔ اس حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ مسلم کی روایت میں مفصل آیا ہے اور یہ مکہ سے مدینہ کو واپسی کے دوران میں پیش آیا تھا۔ حضورؐ نے جو فرمایا تھا یہ بددعاء نہ تھی بلکہ اظہار حقیقت تھا کہ عمداً اعضائے وضوء میں سے کسی کا خشک رکھنا ناجائز ہے اور اس سے وضوء نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل حدیث کا آخری فقرہ ہے۔

۴۷- بَابُ الْوُضُوءِ فِي آنِيَةِ الصُّفْرِ

پیتل کے برتن میں وضوء کا باب

۹۸- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ قَالَ أَخْبَرَنِي صَاحِبٌ لِي عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ رض قَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي تَوْرٍ مِنْ شَبَهٍ۔

(ترجمہ) ام المومنین عائشہؓ نے فرمایا کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیتل یا برنج کے ایک ٹب میں

غسل کرتے تھے۔

(شرح) پیتل وغیرہ کے برتن میں پانی متغیر ہو جاتا ہے اور اس برتن سے ایک خاص بو بھی آتی ہے، شائد اسی بناء پر ابن عمرؓ اور بعض دوسرے بزرگوں سے اس کے استعمال کی کراہت آئی ہے مگر یہ کراہت تنزیہی ہی ہو سکتی ہے کیونکہ اس حدیث میں واضح طور پر پیتل اور جست اور تانبے وغیرہ کے برتنوں کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اس حدیث میں حماد اور ہشام کے درمیان ایک مجہول راوی ہے جس کے متعلق حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ وہ شعبہ ہے مگر یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ حماد نے اس کا نام کیوں ظاہر نہیں کیا۔ پھر ہشام بن عروہ اور حضرت عائشہ کے درمیان انقطاع ہے کیونکہ ہشام نے اُمّ المؤمنینؓ کا زمانہ نہیں پایا۔ حماد اور ہشام کے درمیان والا راوی تو اگلی روایت میں بھی مبہم ہے مگر اس میں ہشام اپنے باپ عروہ سے روایت کرتا ہے جس سے سند کا انقطاع دور ہو گیا۔

۹۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ أَنَّ إِسْحَاقَ بْنَ مَنْصُورٍ حَدَّثَهُمْ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رض عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِهِ۔

(ترجمہ) اس حدیث کا مضمون بھی وہی ہے جو اوپر گزرا۔

۱۰۰۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ وَسَهْلُ بْنُ حَمَّادٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ جَاءَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْرَجْنَا لَهُ مَاءً فِي تَوْرٍ مِّنْ صُفْرٍ فَتَوَضَّأَ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن زید نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے تو ہم نے آپؐ کے لئے پیتل کے ایک برتن میں پانی نکالا اور آپؐ نے وضوء فرمایا۔

۴۸۔ بَابُ التَّسْمِيَةِ عَلَى الْوُضُوءِ

وضوء کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے کا باب

۱۰۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَا وُضُوءَ لَهُ وَلَا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا وضوء نہیں اس کی نماز نہیں اور جس نے وضوء پر اللہ تعالیٰ کا نام یاد نہ کیا اس کا وضوء نہیں۔

(شرح) اس حدیث کے راوی یعقوب بن سلمہ لیثی اور اسکے باپ اور سلمہ کے بارے میں تنقید کی گئی ہے ۔ میزان میں یعقوب کو غیر عمدہ بوڑھا کہا گیا ہے ۔ امام بخاری نے یعقوب کے سماع کا اپنے باپ سے اور سلمہ کے سماع کا ابوہریرہ رض سے صاف انکار کیا ہے۔ ان کی فقط یہی ایک حدیث ثابت ہے جو سنن ابی داؤد کے علاوہ سنن ابن ماجہ میں بھی ہے ۔ سلمہ صرف اس حدیث کے باعث راوی حدیث ہے ورنہ اس کے متعلق کوئی کچھ نہیں جانتا ۔ یہ تو تھا حدیث کی سند کا حال، اب رہا اس کا مطلب تو یہ صیغہ جو لَاصَلٰوۃَ اور لَا وُضُوْءَ سے اس میں آیا ہے اس کے دو مطلب ہیں، ایک تو حقیقی نفی اور دوسرے نفی کمال ۔ پہلے کی مثال یہ حدیث ہے : لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِطُهُوْرٍ، اور دوسرے کی مثال یہ حدیث ہے : لَاصَلٰوۃَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِی الْمَسْجِدِ "مسجد کے ہمسائے کی مسجد کے سوا کوئی نماز نہیں"۔ جمہور اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ جہاں تک لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَا وُضُوْءَ لَہٗ، کا تعلق ہے اس میں صحت کی نفی مُراد ہے، یعنی بے وضوء کی نماز سرے سے ہوتی ہی نہیں ۔ جہاں تک وضوء کی ابتداء میں اللہ کا نام لینے کا تعلق ہے سو اصحاب ظواہر کے نزدیک اور اسحاق بن راہویہؒ اور امام احمدؒ بن حنبل کے نزدیک اس میں بھی صحت کی نفی مُراد ہے یعنی اس کے بغیر وضوء نہیں ہوتا ۔ شافعیہ، حنفیہ اور امام مالکؒ کے نزدیک وضوء کی ابتداء میں خدا کا نام لینا سُنّت ہے ۔ پس ان کے نزدیک یہاں پر "لَا" کا لفظ نفی کمال کے لئے ہے ۔ پہلے بزرگوں کا استدلال اس حدیث سے اور اس باب کی اور احادیث سے ہے اور حق بات یہ ہے کہ گو ان میں کوئی حدیث بھی گفتگو سے خالی نہیں مگر سب مل کر اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اس مسئلے کی کوئی نہ کوئی اصل ہے ۔ دوسرے فریق کا استدلال ابن عمرؓ کی حدیث سے ہے جسے دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضورؐ کا ارشاد ہے : جس نے بسم اللہ کہہ کر وضوء کیا تو اس کا سارا بدن پاک ہوگیا اور جس نے اللہ کا نام لئے بغیر وضوء کیا اس کے صرف اعضائے وضوء پاک ہوئے ۔ اس روایت میں ایک راوی ابوبکر داہری ہے ۔ پھر ان حضرات کی ایک اور روایت اسی مضمون کی ہے جس میں مرداس بن محمد باپ بیٹا دونوں ضعیف ہیں۔ انہی کی تیسری روایت میں یحیی بن ہشام ہے جس پر تنقید ہوئی ہے اور وہ متروک ہے ۔ پس یہ حدیث اپنی تمام روایتوں سمیت نفی کمال کا قرینہ ہے نہ کہ صحت کی نفی کا ۔ ساری بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ "لا وضوءَ" سے مُراد ہے کامل وضوء نہیں ہوتا ۔ امام ابوداؤدؒ نے اگلی روایت میں ذکر اللہ سے مُراد نیت لی ہے، یعنی ذکر کا مطلب یہاں ذکر لسانی نہیں بلکہ ذکر قلبی ہے اور وہ نیت ہے ۔ یہ تاویل ہے تو خوب مگر بعید ہے ۔ واللہ اعلم ۔

۱۰۲ - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنِ الدَّرَاوَرْدِيِّ قَالَ وَ ذَكَرَ رَبِيْعَةُ اَنَّ تَفْسِيْرَ حَدِيْثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اَنَّهُ الَّذِيْ يَتَوَضَّأُ وَيَغْتَسِلُ وَلَا يَنْوِيْ وُضُوْءًا لِلصَّلٰوةِ وَلَا غُسْلًا لِلْجَنَابَةِ ۔

(ترجمہ) ربیعۃ الرأی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث" لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ کی یہ تفسیر بیان کی کہ یہ وہ شخص ہے جو وضوء یا غسل کرے مگر نماز کے لئے وضوء کی نیت اور جنابت سے پاک ہونے کے لئے غسل کی نیت نہ کرے ۔

(شرح) وضوء اور غُسل کا ثواب و اجر اور عبادت ہونا حنفیہ کے نزدیک بھی نیت پر موقوف ہے، مگر بقول علامہ ابن رشد

اندلسی چونکہ یہ عبادتِ محضہ نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اس کی نیت نہ کرے گا تو طہارت کا حصول ہو جائے گا کیونکہ اس کے فرائض و واجبات پائے گئے گو وہ اجر و ثواب سے محروم رہا۔ اور مسئلہ کی تفصیل شائد کسی اور مقام پر آئیگی، انشاء اللہ تعالیٰ

۴۹۔ بَابُ فِي الرَّجُلِ يُدْخِلُ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ قَبْلَ أَنْ يَغْسِلَهَا

باب اس شخص کے بارے میں جو ہاتھ کو دھونے سے پہلے برتن میں ڈال دے

۱۰۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي رَزِينٍ وَّ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلَا يَغْمِسْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی رات کو اُٹھے تو اپنا ہاتھ تین مرتبہ دھونے سے پہلے برتن میں نہ ڈالے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ رات کو کہاں رہا تھا۔

(شرح) حدیث کے ظاہری الفاظ سے تو یہ حکم صرف رات سے متعلق ہے مگر حضورؐ نے اس کی جو علت بیان فرمائی: کہ وہ نہیں جانتا اس کا ہاتھ رات بھر کہاں رہا تھا، اس سے دن کی نیند کا بھی یہی حکم نکلتا ہے۔ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ ہمارا اور اہلِ تحقیق کا مذہب یہ ہے کہ یہ حکم رات کی نیند کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس میں یہ چیز معتبر ہے کہ ہاتھ کی نجاست کا شک ہو، جب بھی یہ شک ہوگا برتن میں دھوئے بغیر ہاتھ ڈالنا ممنوع ہوگا۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے اور امام احمدؒ کے نزدیک وجوبی اور وہ بھی رات کی نیند سے متعلق۔ امام شافعی وغیرہ نے اس حکم کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ اہلِ حجاز گرم ملک کے باشندے ہیں، وہ پتھروں سے استنجا کرتے تھے، نیند میں پسینہ آجاتا تھا، سوئے ہوئے شخص کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ کہیں اس نے نجس مقام پر ہاتھ نہیں لگا یا لہٰذا یہ حکم دیا گیا کہ سو کر اٹھو تو ہاتھ کو دھو کر برتن میں ڈالو۔ حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے نیند سے جاگنے والے کو تین مرتبہ ناک سنکنے کا حکم دیا۔ یہ حکم کسی کے نزدیک وجوبی نہیں بلکہ از قسم آداب اور تنزیہی و استحبابی ہے۔ اسی طرح اس حدیث میں بھی ہے۔ پھر جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ اگر کوئی دھوئے بغیر برتن میں ہاتھ ڈال ہی دے تو برتن اور اس کا پانی نجس نہ ہوگا کیونکہ بقولِ امام نوویؒ اصل چیز ہاتھ اور پانی کی طہارت ہے جو شک سے نجس نہیں ہو سکتے۔ حسنؒ بصری کے نزدیک رات کی نیند سے اٹھنے والے کا ہاتھ برتن میں پڑے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے، ایسی ہی روایت اسحاق بن راہویہ اور ابن جریرؒ طبری سے بھی آئی ہے مگر امام نوویؒ نے اس مسلک کو نہایت ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ یہ اصول کے خلاف ہے۔

۱۰۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي بِهٰذَا الْحَدِيثِ قَالَ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ کی اس دوسری روایت میں حضورؐ نبی کریم سے یہ منقول ہے کہ برتن میں ڈالنے سے قبل دو یا تین مرتبہ ہاتھ دھوئے۔

۵۰۔ بَابُ يُحَرِّكُ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ قَبْلَ أَنْ يَغْسِلَهَا

باب اس بیان میں کہ ہاتھ کو دھونے سے قبل برتن میں حرکت دے

۱۰۵۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ وَمُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلَا يُدْخِلْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ أَوْ أَيْنَ كَانَتْ تَطُوفُ يَدُهُ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ برتن میں نہ ڈالے جب تک اسے تین مرتبہ دھو نہ لے کیونکہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ رات کو کہاں رہا تھا یا کہاں کہاں پھرتا رہا تھا۔

(شرح) یہاں پر باب کا عنوان بالکل غیر موزوں نظر آتا ہے اس لئے اسے نہیں ہونا چاہئیے تھا، اس عنوان کا حدیث سے کوئی تعلق بھی نہیں اور حدیث کا مضمون اوپر کے باب کی حدیث کے مطابق ہے۔ سنن ابی داؤد کے تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نسخوں میں سے صرف دہلوی مجتبائی نسخے میں یہ عبارت ہے اور بالکل غیر متعلق سی ہے۔ اس حدیث میں صرف نیند سے بیداری کا ذکر ہے رات کا ذکر نہیں ہے۔ اس کا ایک راوی معاویہ ابن صالح متکلم فیہ ہے۔ یحییٰ بن سعید القطان اور ابن معین جیسے ائمۂ رجال نے اس پر تنقید کی ہے۔

۵۱۔ بَابُ صِفَةِ وُضُوءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کی کیفیت کا باب

۱۰۶۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ حُمْرَانَ بْنِ أَبَانَ مَوْلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ رَأَيْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ تَوَضَّأَ فَأَفْرَغَ عَلَى يَدَيْهِ ثَلَاثًا فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَغَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى إِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثًا ثُمَّ الْيُسْرٰى مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ ثُمَّ غَسَلَ قَدَمَهُ الْيُمْنٰى ثَلَاثًا ثُمَّ الْيُسْرٰى مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ

قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مِثْلَ وُضُوئِي هٰذَا ثُمَّ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ مِثْلَ وُضُوئِي هٰذَا ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ غَفَرَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔

(ترجمہ) حضرت عثمان بن عفان کے آزاد کردہ غلام حمران بن ابان نے کہا کہ میں نے عثمان بن عفان کو وضو کرتے دیکھا۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں پر تین مرتبہ پانی ڈالا اور انہیں دھویا پھر کلی کی، ناک میں پانی ڈال کر اسے صاف کیا اور چہرہ تین بار دھویا اور اپنا دایاں ہاتھ کہنی تک تین بار دھویا پھر بایاں بھی اسی طرح، پھر اپنے سر کا مسح کیا پھر اپنا دایاں پاؤں تین بار دھویا پھر بایاں بھی اسی طرح دھویا۔ پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح وضوء کرتے دیکھا جس طرح میں نے کیا ہے۔ پھر حضور نے فرمایا کہ جو شخص میرے اس وضوء کی مانند وضوء کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے اور اپنے دل میں خیالات نہ لائے تو اللہ عزوجل اس کے گذشتہ گناہ معاف فرمادے گا۔

(شرح) ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ چہرہ دھونے کے ساتھ جو ثلاثًا کا لفظ ہے اس کا تعلق تینوں چیزوں سے ہے کلی، ناک صاف کرنا اور چہرہ دھونا یعنی ان تینوں کو تین تین بار دھویا تھا۔ کلی اور ناک کی صفائی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سُنت ہے اور امام احمدؒ کے نزدیک ایک روایت میں سُنت، ایک میں واجب اور تیسری میں ناک کی صفائی واجب اور کلی سُنت ہے۔ سر کے مسح میں عدد کا ذکر نہیں آیا۔ حضورؐ کے وضوء کی صحیح روایات میں ایک ہی مرتبہ مسح کرنا آیا ہے۔ امام شافعیؒ نے دوسرے اعضاء پر قیاس کر کے تین بار کا مسح مستحب قرار دیا ہے لیکن بار بار مسح کیا جائے تو وہ غسل کے مشابہ ہو جائے گا۔ لہٰذا مسح ایک ہی بار ثابت ہے۔ اس حدیث کے آخر میں جو دو رکعات کا ذکر ہے یہ تحیۃ الوضوء کی نماز ہے جو امام شافعیؒ کے نزدیک سُنت مؤکدہ ہے جو گناہ وضوء سے معاف ہوتے ہیں وہ حسب دلائل شرع صغائر ہیں۔ کبائر کی مغفرت توبہ پر منحصر ہے اور حقوق العباد بندے ہی معاف کر سکتے ہیں۔ وضوء کی احادیث میں اعضاء وضوء کا ایک ایک، دو، دو بار اور تین تین بار دھونا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ ایک دفعہ دھونا فرض ہے جس کے بغیر وضوء ہی نہیں ہوتا، دو دو دفعہ اچھا اور تین تین بار دھونا بہت اچھا ہے۔ بعض احادیث میں کچھ اعضاء کا تین تین بار کچھ کا دو دو بار اور بعض کا ایک ایک بار دھونا بھی ثابت ہوا ہے۔ تحیۃ الوضوء کے متعلق یہ جو فرمایا کہ لَا يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ اس کا مطلب یہ ہے کہ جان بوجھ کر کوئی غیر صلوٰۃ کا خیال نہ لائے، اگر وساوس و خطرات خود بخود آئیں اور وہ انہیں دفع کرنے کی کوشش کرے تو وہ اس میں داخل نہیں کیونکہ معذور ہے۔

۱۰۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ وَرْدَانَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنِي حُمْرَانُ قَالَ رَأَيْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ تَوَضَّأَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرِ الْمَضْمَضَةَ وَالْاِسْتِنْشَارَ وَقَالَ فِيهِ وَمَسَحَ رَأْسَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ هٰكَذَا وَقَالَ مَنْ تَوَضَّأَ دُونَ هٰذَا كَفَاهُ وَلَمْ يَذْكُرْ أَمْرَ الصَّلٰوةِ۔

(ترجمہ) اسی حدیث کی دوسری دوسری روایت میں حمران نے اسی طرح بیان کیا مگر کلی اور ناک سنکنے کا ذکر نہیں کیا اور اس میں کہا کہ جناب عثمانؓ نے سر کا مسح بھی تین مرتبہ کیا پھر تین دفعہ پاؤں دھوئے پھر فرمانے لگے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضوء کرتے دیکھا اور فرمایا کہ جو اس سے کم مرتبہ وضوء کرے یعنی دو یا ایک ہی مرتبہ تو اسے کافی ہے اور اس حدیث میں نماز کا معاملہ مذکور نہیں۔

(شرح) روایت بالمعنی جائز تھی لہٰذا لوگ ایک ہی چیز یا ایک ہی واقعہ کے بیان میں مختلف ہو جاتے تھے ہر راوی کا حافظہ بھی ایک جیسا نہ تھا، کسی کو زیادہ یاد رہا کسی کو کم۔ پھر بعض دفعہ تعدد واقعات کے باعث بھی الفاظ و عبارات بدل جاتی ہیں۔ حدیث سے مسائل کا استنباط کرتے وقت ان سب چیزوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ورنہ ٹھوکریں لگیں گی۔ دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک مضمون کی تمام یا حتی الوسع اکثر روایات جمع کی جائیں اور انہیں ملا کر کوئی نتیجہ نکالا جائے۔ اس حدیث میں مسح راس کا تین مرتبہ کرنا آیا ہے۔ حضرت عثمانؓ و علیؓ کی روایات مشہورہ میں مسح کا ایک بار کرنا مذکور ہوا ہے۔ آگے خود ابوداؤد سے بھی یہ صراحت آرہی ہے۔ اس روایت میں عبدالرحمن بن وردان ایک متکلم فیہ غیر قوی راوی ہے اس کی روایت ثقات کے خلاف ہے لہٰذا شاذ ہے۔ صحاح کی تمام روایات موجود ہیں جن میں مسح کا ایک بار کرنا آیا ہے۔ ایک ہی پانی سے اگر کوئی تین مرتبہ مسح کرلے تو حرج نہیں مگر ہر بار نیا پانی لے گا تو وہ مسح نہ رہیگا بلکہ غسل ہو جائے گا۔ امام ابوحنیفہؒ نے یہی فرمایا ہے کہ ایک ہی پانی سے تین بار مسح کرلیا جائے تو اس قسم کی روایات پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ تثلیث مسح کی روایات سے یہ مراد لینا انسب ہے کہ حضورؐ نے سر کا مسح کرتے وقت سارے سر کو گھیرا تھا، نہ یہ کہ یہ تین مستقل الگ الگ مسح تھے۔

۱۰۸- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ دَاوُدَ الْإِسْكَنْدَرَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ يُونُسَ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ زِيَادٍ الْمُؤَذِّنُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ التَّيْمِيِّ قَالَ سُئِلَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ الْوُضُوءِ فَقَالَ رَأَيْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ سُئِلَ عَنِ الْوُضُوءِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَأُتِيَ بِمِيضَأَةٍ فَأَصْغَاهَا عَلَى يَدِهِ الْيُمْنَى ثُمَّ أَدْخَلَهَا فِي الْمَاءِ فَتَمَضْمَضَ ثَلَاثًا وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا وَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى ثَلَاثًا وَغَسَلَ يَدَهُ الْيُسْرَى ثَلَاثًا ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فَأَخَذَ مَاءً فَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَأُذُنَيْهِ فَغَسَلَ بُطُونَهُمَا وَظُهُورَهُمَا مَرَّةً وَاحِدَةً ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَيْنَ السَّائِلُونَ عَنِ الْوُضُوءِ هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ - قَالَ أَبُو دَاوُدَ أَحَادِيثُ عُثْمَانَ الصِّحَاحُ كُلُّهَا تَدُلُّ عَلَى مَسْحِ الرَّأْسِ أَنَّهُ مَرَّةً فَإِنَّهُمْ ذَكَرُوا الْوُضُوءَ ثَلَاثًا وَقَالُوا فِيهَا وَمَسَحَ رَأْسَهُ

لَمْ يَذْكُرُوْا عَدَدًا كَمَا ذَكَرُوْا فِيْ غَيْرِهٖ۔

(ترجمہ) حضرت عثمان بن عفان سے وضوء کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے پانی مانگا اور آپ کے پاس وضوء کا ایک برتن لایا گیا۔ پس آپ نے دائیں ہاتھ پہ پانی ڈالا پھر اسے پانی میں داخل کیا اور تین مرتبہ کلی کی اور تین بار ناک میں پانی ڈال کر اسے صاف کیا اور اپنا چہرہ تین بار دھویا۔ پھر دایاں ہاتھ تین بار دھویا اور بایاں ہاتھ تین بار دھویا، پھر اپنا ہاتھ پانی میں ڈالا اور پانی لیا اور پھر اپنے سر اور کانوں کا مسح کیا، اور ان کا ظاہر و باطن ایک بار صاف کیا پھر دونوں پاؤں دھوئے۔ پھر فرمایا: وضوء کے متعلق سوال کرنے والے کہاں ہیں؟ میں نے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضوء کرتے دیکھا تھا۔ ابوداؤد نے کہا کہ حضرت عثمانؓ کی صحیح احادیث سب بتاتی ہیں کہ سر کا مسح ایک بار تھا کیونکہ سب راویوں نے اعضائے وضوء کو تین تین بار دھونے کا ذکر کیا ہے مگر سر کے بارے میں کہا ہے کہ "سر کا مسح کیا" اور اس میں کوئی تعداد بیان نہیں کی جیسی کہ دوسرے اعضاء میں کی ہے۔

(شرح) ابوداؤد کے قول سے پتہ چل گیا کہ جن احادیث میں حضرت عثمانؓ سے سر کے مسح کی تثلیث روایت ہوئی ہے وہ ابوداؤد کے نزدیک صحیح نہیں ہیں حالانکہ انہوں نے بعض کی روایت خود بھی کی ہے۔ اس روایت میں کانوں کے مسح پہ غسل کا لفظ آیا ہے جو اول تو دوسری احادیث کے خلاف ہے اور دوسرے غالباً اس سے مراد یہ ہے کہ انگلیوں کے ساتھ کان صاف کئے۔

۱۰۹۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسٰى قَالَ أَخْبَرَنَا عِيْسٰى قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ يَعْنِي ابْنَ أَبِيْ زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ أَبِيْ عَلْقَمَةَ أَنَّ عُثْمَانَ دَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ فَأَفْرَغَ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى ثُمَّ غَسَلَهُمَا إِلَى الْكُوْعَيْنِ قَالَ ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا وَذَكَرَ الْوُضُوْءَ ثَلَاثًا قَالَ وَمَسَحَ بِرَأْسِهٖ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ وَقَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مِثْلَ مَا رَأَيْتُمُوْنِيْ تَوَضَّأْتُ ثُمَّ سَاقَ نَحْوَ حَدِيْثِ الزُّهْرِيِّ وَأَتَمَّ۔

(ترجمہ) ابوعلقمہ کا بیان ہے کہ عثمانؓ نے پانی منگوایا اور وضوء کیا۔ اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا پھر دونوں کو گٹوں تک دھویا، ابوعلقمہ نے کہا کہ پھر تین تین بار کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا۔ اور راوی نے سارے وضوء کا تین تین بار کرنا ذکر کیا اور کہا کہ پھر اپنے سر کا مسح کیا اور دونوں پاؤں دھوئے اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضوء کرتے دیکھا جس طرح کہ تم نے مجھے کرتے دیکھا ہے۔ پھر راوی نے اس حدیث کو زہری کی مانند روایت کیا اور اس سے زیادہ الفاظ بیان کئے۔

(شرح) اس حدیث کا راوی عبید اللہ یعنی ابن ابی زیاد ضعیف ہے لیکن ابوداؤد نے یہ کہہ کر اس کا ضعف دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ روایت زہری کی روایت کی مانند ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ بعض دفعہ حدیث ضعیف بھی جبکہ اس میں دلائل و شواہد سے قوت آجائے تو قابلِ استدلال ہوتی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ بعض محدثین حنفیہ کا رد کرنے کے شوق میں مسلّم اصول سے ہٹ جاتے ہیں۔

۱۱۰- حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ عَامِرِ بْنِ شَقِيقِ بْنِ جَمْرَةَ عَنْ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ رَأَيْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وَّمَسَحَ رَأْسَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ هٰذَا۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ وَكِيعٌ عَنْ إِسْرَائِيلَ قَالَ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا فَقَطْ۔

(ترجمہ) شقیق بن سلمہؒ نے کہا کہ میں نے عثمانؓ بن عفان کو تین تین بار بازو دھوتے دیکھا ہے اور سر کا مسح بھی تین بار کیا۔ پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہی کرتے دیکھا۔ ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث کی دوسری روایت میں صرف تین بار اعضائے وضو دکو دھونے کا ذکر ہے۔

(شرح) اس حدیث میں عامر بن شقیق ایک ضعیف راوی ہے۔ اس میں تثلیثِ مسح کا ذکر صراحتہً موجود ہے مگر حدیث کی دوسری علت یہ ہے کہ یحیی بن آدم اسرائیل سے تثلیثِ مسح کی روایت کرتا ہے مگر وکیع جب یہی روایت اسرائیل سے کرتا ہے تو تثلیث کا ذکر نہیں کرتا۔ یحیی بن آدم جب وکیع کی مخالفت کرے تو وکیع کی حدیث کو ترجیح ہوتی ہے اور یحیی کی روایت شاذ رہ جاتی ہے۔

۱۱۱- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ خَالِدِ بْنِ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ قَالَ أَتَانَا عَلِيٌّ وَّقَدْ صَلَّى فَدَعَا بِطَهُورٍ فَقُلْنَا مَا يَصْنَعُ بِالطَّهُورِ وَقَدْ صَلَّى، مَا يُرِيدُ إِلَّا لِيُعَلِّمَنَا فَأُتِيَ بِإِنَاءٍ فِيهِ مَاءٌ وَّطَسْتٌ فَأَفْرَغَ مِنَ الْإِنَاءِ عَلَى يَمِينِهِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثَلَاثًا ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا فَمَضْمَضَ وَنَثَرَ مِنَ الْكَفِّ الَّذِي يَأْخُذُ فِيهِ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَّغَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الشِّمَالَ ثَلَاثًا ثُمَّ جَعَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَمَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّةً وَّاحِدَةً ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنَى ثَلَاثًا وَّرِجْلَهُ الْيُسْرَى ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَّعْلَمَ وُضُوءَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ هٰذَا۔

(ترجمہ) عبد خیر کا بیان ہے کہ علیؓ ہمارے پاس آئے اور وہ نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔ پس آپ نے پانی منگوایا تو ہم نے کہا کہ یہ پانی کو کیا کریں گے نماز تو پڑھ چکے ہیں؟ صرف ہمیں تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ سو ایک برتن میں پانی لایا گیا اور ایک طشت بھی لایا گیا۔ آپ نے اپنے دائیں ہاتھ پر برتن میں سے پانی انڈیلا اور دونوں کو تین دفعہ دھویا پھر تین تین مرتبہ کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور کلی اور ناک میں پانی ڈالنا دائیں ہاتھ سے تھا۔ پھر تین دفعہ منہ دھویا اور دایاں ہاتھ تین دفعہ دھویا۔ پھر بایاں ہاتھ تین بار دھویا۔ پھر اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا اور ایک مرتبہ سر کا مسح کیا۔ پھر دایاں پاؤں تین دفعہ دھویا اور بایاں پاؤں بھی تین بار دھویا، پھر کہا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو معلوم کرنا پسند کرے تو وہ یہ ہے۔

۱۱۲- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ الْجُعْفِيُّ عَنْ زَائِدَةَ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَلْقَمَةَ الْهَمْدَانِيُّ عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ قَالَ صَلَّى عَلِيٌّ الْغَدَاةَ ثُمَّ دَخَلَ الرَّحْبَةَ فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَتَاهُ الْغُلَامُ بِإِنَاءٍ فِيهِ مَاءٌ وَطَسْتٍ قَالَ فَأَخَذَ الْإِنَاءَ بِيَدِهِ الْيُمْنَى فَأَفْرَغَ عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى وَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلَاثًا ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى فِي الْإِنَاءِ فَمَضْمَضَ ثَلَاثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا ثُمَّ سَاقَ قَرِيبًا مِّنْ حَدِيثِ أَبِي عَوَانَةَ، قَالَ ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ مُقَدَّمَهُ وَمُؤَخَّرَهُ مَرَّةً ثُمَّ سَاقَ الْحَدِيثَ نَحْوَهُ۔

(ترجمہ) عبد خیر نے کہا کہ علیؓ نے فجر کی نماز پڑھی پھر رحبہ میں داخل ہوئے اور پانی منگوایا۔ غلام پانی برتن میں لایا اور ایک طشت بھی لایا۔ عبد خیر نے کہا کہ انہوں نے برتن کو داہنے ہاتھ میں پکڑا اور پانی بائیں ہاتھ پر انڈیلا اور دونوں ہتھیلیوں کو تین بار دھویا۔ پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں ڈالا، تین دفعہ کلی کی اور تین دفعہ ناک کو پانی سے صاف کیا پھر زائدہ نے تقریباً ابو عوانہ کی طرح بیان کیا، عبد خیر نے کہا کہ پھر آپ نے اپنے سر کا اگلا اور پچھلا حصہ چھوا ایک مرتبہ پھر پچھلی حدیث کی طرح زائدہ نے یہ حدیث بیان کی۔

۱۱۳- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ عُرْفُطَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ خَيْرٍ قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا أُتِيَ بِكُرْسِيٍّ فَقَعَدَ عَلَيْهِ ثُمَّ أُتِيَ بِكُوزٍ مِّنْ مَّاءٍ فَغَسَلَ يَدَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ تَمَضْمَضَ مَعَ الْاِسْتِنْشَاقِ بِمَاءٍ وَّاحِدٍ وَّذَكَرَ الْحَدِيثَ۔

(ترجمہ) عبد خیر نے کہا کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ ان کے پاس ایک کرسی لائی گئی اور وہ اس پر بیٹھ گئے۔ پھر ایک کوزہ لایا گیا تو آپ نے تین بار ہاتھ دھویا (دوسری روایت میں ہے کہ دونوں ہاتھ دھوئے) پھر کلی اور ناک میں پانی ڈالنا ایک ہی پانی سے انجام دیا۔

(شرح) اس روایت کی بناء پر کلی اور استنشاق ایک ہی ہتھیلی کے پانی سے ثابت ہوا۔ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے اسے جائز ٹھیرایا ہے مگر دونوں کے لئے الگ الگ پانی لینا افضل قرار دیا ہے۔ اس روایت میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ پہلی یہ کہ شعبہ نے اس حدیث کی دوسری روایات کے برخلاف کلی اور ناک کی صفائی ایک ہی پانی سے بیان کی ہے جبکہ دوسرے روات مثلاً زائدہ عن خالد عن علقمہ اور ابو اسحاق عن ابی حیہؒ کلی کیلئے تین بار الگ اور ناک صاف کرنے کے لئے تین بار الگ بیان کرتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ شعبہ نے یہاں اپنے استاد کا نام مالک بن عرفطہ بتایا ہے حالانکہ وہ دراصل خالد بن علقمہ ہے۔ امام ترمذی نے اسی مضمون کی حدیث مرفوع بیان کی ہے اور کہا ہے کہ خالد بن عبداللہ راوی کا یہ بیان کہ حضورؐ

نے ایک ہی چلو سے کلی اور استنشاق کیا، دوسرے راویوں کے خلاف ہے۔ گو خالد ثقہ اور حافظ ہے۔ پس ترمذی کی روایت کو صحیح مانا جائے تو کہا جائے گا کہ حضورؐ نے یہ کام ایک مرتبہ بیانِ جواز کے لئے کیا تھا ورنہ دوسری احادیث کا مضمون اس کے خلاف ہے۔

۱۱۴۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا رَبِيعَةُ الْكِنَانِيُّ عَنِ الْمِنْهَالِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ أَنَّهُ سَمِعَ عَلِيًّا وَسُئِلَ عَنْ وُضُوءِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ وَقَالَ مَسَحَ رَأْسَهُ حَتَّى لَمَّا يَقْطُرْ وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا كَانَ وُضُوءُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(ترجمہ) زِرّ بن حُبَیش کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی بابت سوال ہوا اور حضرت علیؓ نے وضو ذکر کرکے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو اس طرح ہوتا تھا، راوی کہتا ہے کہ حضرت علیؓ نے سر کا مسح کیا اس طرح کہ پانی بالکل نہ ٹپکا اور اپنے دونوں پاؤں تین تین دفعہ دھوئے۔

(شرح) پانی بالکل نہ ٹپکا کا مطلب یہ ہے کہ مسح صرف ایک بار تھا، زیادہ دفعہ ہوتا تو پانی ٹپک پڑتا۔

۱۱۵۔ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ الطُّوسِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى قَالَ حَدَّثَنَا فِطْرٌ عَنْ أَبِي فَرْوَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا تَوَضَّأَ فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَغَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثَلَاثًا وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَاحِدَةً ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا تَوَضَّأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(ترجمہ) عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کا بیان ہے کہ میں نے علیؓ کو وضو کرتے دیکھا، انھوں نے اپنا چہرہ تین بار دھویا اور بازو تین بار دھوئے اور سر کا ایک بار مسح کیا پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں وضو کیا تھا۔

(شرح) اس حدیث کا ایک راوی عبید اللہ بن موسیٰ ہے جو متروک ہے، منکر الحدیث اور غالی رافضی تھا، ایک اور فطر ہے جو فرقہ جہمیہ سے تعلق رکھتا تھا، احمد بن حنبل، دارقطنی اور ابو داؤدؒ نے اسے ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے۔ اس حدیث میں پاؤں دھونے کا ذکر نہیں ہے (نہ ان پر مسح کا ذکر ہے) معلوم نہیں کیوں، شاید اختصار کی غرض سے ایسا ہوا ہے یا حضرت عبید اللہ ابن موسیٰ کا تصرف ہے۔

۱۱۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَأَبُو تَوْبَةَ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ ح وَأَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي حَيَّةَ قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا تَوَضَّأَ فَذَكَرَ وُضُوءَهُ كُلَّهُ ثَلَاثًا ثَلَاثًا قَالَ ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَالَ إِنَّمَا أَحْبَبْتُ أَنْ أُرِيَكُمْ

طُهُورَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(ترجمہ) ابوحیہ نے کہا کہ میں نے حضرت علیؓ کو وضوء کرتے دیکھا۔ پھر ابوحیہ نے حضرت علیؓ کے سارے وضوء کا ذکر کیا کہ وہ تین تین بار تھا، ابوحیہ نے کہا کہ پھر انہوں نے سر کا مسح کیا پھر ٹخنوں سمیت پاؤں دھوئے پھر فرمایا: میں نے صرف یہ چاہا کہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضوء دکھاؤں۔

(شرح) اس حدیث میں مسح راس اور پاؤں دھونے کا کوئی عدد نہیں آیا لیکن یہی روایت سنن نسائی میں بھی ہے اور اس میں یہ ذکر موجود ہے۔

۱۱۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ يَحْيَى الْحَرَّانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ طَلْحَةَ بْنِ يَزِيدَ بْنِ رُكَانَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ الْخَوْلَانِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ دَخَلَ عَلَيَّ عَلِيٌّ يَعْنِي ابْنَ أَبِي طَالِبٍ وَقَدْ أَهْرَاقَ الْمَاءَ فَدَعَا بِوَضُوءٍ فَأَتَيْنَاهُ بِتَوْرٍ فِيهِ مَاءٌ حَتَّى وَضَعْنَاهُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ أَلَا أُرِيكَ كَيْفَ كَانَ يَتَوَضَّأُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قُلْتُ بَلَى فَأَصْغَى الْإِنَاءَ عَلَى يَدِهِ فَغَسَلَهَا ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى فَأَفْرَغَ بِهَا عَلَى الْأُخْرَى ثُمَّ غَسَلَ كَفَّيْهِ ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَيْهِ فِي الْإِنَاءِ جَمِيعًا فَأَخَذَ بِهِمَا حَفْنَةً مِنْ مَاءٍ فَضَرَبَ بِهِمَا عَلَى وَجْهِهِ ثُمَّ أَلْقَمَ إِبْهَامَيْهِ مَا أَقْبَلَ مِنْ أُذُنَيْهِ ثُمَّ الثَّانِيَةَ ثُمَّ الثَّالِثَةَ مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ أَخَذَ بِكَفِّهِ الْيُمْنَى قَبْضَةً مِنْ مَاءٍ فَصَبَّهَا عَلَى نَاصِيَتِهِ فَتَرَكَهَا تَسْتَنُّ عَلَى وَجْهِهِ ثُمَّ غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ وَظُهُورَ أُذُنَيْهِ ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَيْهِ جَمِيعًا فَأَخَذَ حَفْنَةً مِنْ مَاءٍ فَضَرَبَ بِهَا عَلَى رِجْلِهِ وَفِيهَا النَّعْلُ فَفَتَلَهَا بِهَا ثُمَّ الْأُخْرَى مِثْلَ ذَلِكَ۔ قَالَ قُلْتُ فِي النَّعْلَيْنِ قَالَ وَفِي النَّعْلَيْنِ قَالَ قُلْتُ وَفِي النَّعْلَيْنِ قَالَ فِي النَّعْلَيْنِ قَالَ قُلْتُ وَفِي النَّعْلَيْنِ قَالَ وَفِي النَّعْلَيْنِ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ حَدِيثُ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ شَيْبَةَ يُشْبِهُ حَدِيثَ عَلِيٍّ قَالَ فِيهِ حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّةً وَاحِدَةً وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ فِيهِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ ثَلَاثًا۔

(ترجمہ) ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ علیؓ بن ابی طالب میرے ہاں آئے اور انہوں نے پیشاب کیا تھا، پس پانی طلب کیا۔ ہم ان کے

پاس برتن لائے جس میں پانی تھا، اسے ہم نے ان کے سامنے رکھ دیا۔ پس انہوں نے کہا: اے ابن عباسؓ! کیا میں تجھے نہ دکھاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کیسے کرتے تھے؟ میں نے کہا کیوں نہیں۔ پس انہوں نے پانی کو اپنے ہاتھ پر انڈیلا اور اسے دھویا، پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں ڈالا اور اس کے ساتھ بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا، پھر اپنی دونوں ہتھیلیاں دھوئیں۔ پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈال کر صاف کیا۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ برتن میں ڈالے اور ان کے ساتھ پانی کا دوہرا چلو لیا اور اسے اپنے چہرے پر پھینکا، پھر اپنے دونوں انگوٹھوں کو کانوں کے آگے ڈالا، پھر دوسری دفعہ بھی کیا، پھر تیسری مرتبہ ایسا ہی کیا۔ پھر اپنی دائیں ہتھیلی میں پانی لیا اور اسے اپنی پیشانی پر ڈالا اور اسے اپنے چہرے پر بہتے چھوڑ دیا۔ پھر اپنے دونوں بازو کہنیوں تک دھوئے تین تین مرتبہ۔ پھر اپنے سر کا مسح کیا اور اپنے کانوں کے ظاہری حصے کا مسح کیا۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ برتن میں ڈالے اور پانی کا دوہرا چلو بھرا اور اسے اپنے پاؤں پر، جوتے سمیت، ڈالا اور پانی کے چلو سے پاؤں کو مل کر صاف کیا۔ پھر دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی کیا۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ جوتوں سمیت؟ انہوں نے کہا ہاں جوتوں سمیت، ابن عباسؓ نے دوبارہ اور سہ بارہ یہی سوال دہرایا اور حضرت علیؓ نے یہی جواب دیا۔

(شرح) اس حدیث کے بعض بیانات عام صحاح کے بیانات سے مختلف ہیں، مثلاً منہ دھوتے وقت پانی کو منہ پر زور سے مارنا۔ نیل الاوطار میں شوکانیؒ نے کہا ہے کہ بقولِ منذری اس حدیث پر اعتراضات ہیں، اور بقولِ ترمذیؒ امام بخاریؒ نے اس حدیث کا انکار کیا اور اسے ضعیف ٹھیرایا ہے۔ مگر ان حضرات کے قول کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ ابوداؤد کی روایت میں ابن اسحاق کی تدلیس کا خدشہ تھا مگر مسندِ احمد کی روایت میں اس سے لفظِ تحدیث آگیا ہے جس سے یہ شبہ رفع ہوگیا ہے۔ بزار نے اس کی روایت میں عبید اللہ خولانی اور محمد بن طلحہ کو منفرد قرار دیا ہے مگر اس سے صرف یہ حدیث غریب کہلائے گی اور عام احادیث احاد غریب ہی ہوتی ہیں۔ شیخ ولی الدین کا قول ہے کہ پانی کو منہ پر زور سے مارنے کا مطلب پانی ڈالنا ہے اور بس۔ حضورؐ کے وضوء کی روایت کرنے والے سب یہی بتاتے ہیں کہ آپؐ نے منہ پر پانی ڈالا، بہایا، دھویا نہ یہ کہ زور سے اس کا چھینٹا مارا۔ ضرب کا لفظ اس روایت میں اسی معنی میں آیا ہے، پاؤں دھونے میں بھی یہی لفظ آیا ہے: فَضَرَبَ بِهِ عَلٰى رِجْلِهِ الْيُمْنٰى۔

اس حدیث میں کانوں کے اندرونی حصہ کا چہرے کے ساتھ مسح کرنا اور بیرونی حصہ کا سر کے ساتھ مسح کرنا مذکور ہوا ہے اور یہی اسحاق بن راہویہ کا قول مختار ہے اور بعض اور سلف کا مسلک بھی یہی ہے مگر جمہور اہلِ علم صحابہ و تابعین اور ائمہ فقہ و محدثین کا مسلک عامۃ احادیث کی بنا پر یہ ہے کہ کانوں کا حکم سر جیسا ہے لہٰذا انہیں سر کے ساتھ مسح کیا جائے گا، احادیث میں "اَلْاُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ" کا لفظ صراحۃً موجود ہے۔ اس حدیث میں تیسری عجیب بات یہ ہے کہ منہ دھونے کے بعد پانی کا چلو ماتھے پر ڈالنا اور اسے چہرے پر بہتا چھوڑ دینا مذکور ہوا ہے۔ امام نوویؒ نے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تین بار منہ دھو کر یہ چوتھی مرتبہ کا دھونا ہے اور یہ عدد عام صحاح کے خلاف اور اجماعِ مسلمین کے برعکس ہے۔ لیکن شیخ ولی الدین کہتے ہیں کہ یہ اس لئے تھا تاکہ چہرے کا غسل یقینی ہو جائے۔ مولانا یحییٰ کاندھلویؒ نے حضرت گنگوہیؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے ماتھا ٹھنڈا کرنے کی خاطر ایسا کیا تھا ورنہ چہرہ تو تین بار دھویا ہی جا چکا تھا۔

اس حدیث میں ابن عباسؓ کا بار بار حضرت علیؓ سے پوچھنا آیا ہے کہ کیا آپ جوتوں سمیت پاؤں دھوتے ہیں؟ اور کچھ آگے خود ابن عباسؓ کی حضورؐ سے یہ روایت موجود ہے کہ آپؐ نے ایسا کیا تھا۔ شاید یہ سوال نیچے کے کسی راوی کا اپنے استاد سے تھا یا ابن عباسؓ

کو ذہول ہو گیا تھا۔ واللہ اعلم۔

ابوداؤد جس حدیث کا حوالہ دیتے ہیں یہ سنن نسائی میں موجود ہے اور اس میں سر کے ایک بار مسح کا ذکر ہے لیکن یہی حدیث جب ابن جریج سے ابن وہب روایت کرتا ہے (یہ روایت بیہقی کی سنن کبیر میں ہے) تو سر کا مسح تین بار بیان کرتا ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ عامۃ احادیث ایک بار کی ہیں اور جمہور علماء کا یہی مسلک ہے کہ سر کا مسح ایک بار ہونا چاہیئے۔

۱۱۸- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ، وَهُوَ جَدُّ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُرِيَنِي كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ نَعَمْ. فَدَعَا بِوَضُوءٍ فَأَفْرَغَ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ بِيَدَيْهِ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ، بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهِ ثُمَّ ذَهَبَ بِهِمَا إِلَى قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا حَتَّى رَجَعَ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي بَدَأَ مِنْهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ۔

(ترجمہ) عمرو بن یحییٰ مازنی نے اپنے دادا عبداللہ بن زید سے کہا کہ آپ مجھے دکھا سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کی کیفیت کیا تھی؟ عبداللہ بن زید نے کہا ہاں! پھر انہوں نے پانی منگوایا، اسے اپنے ہاتھوں پر ڈالا اور ہاتھ دھوئے۔ تین بار کلی کی اور ناک صاف کی پھر تین مرتبہ چہرہ دھویا۔ پھر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دو دو بار دھویا، پھر دونوں ہاتھوں سے سر کا مسح کیا اور ہاتھوں کو آگے پیچھے کو پھیرا، سر کے اگلے حصے سے شروع کیا اور پچھلے حصے تک لے گئے، اور پھر واپس وہیں لے آئے جہاں سے مسح شروع کیا تھا، پھر اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔

(شرح) عبداللہ بن زید کی عام روایات میں ہاتھوں کا دو دو بار دھونا مذکور ہے، لیکن مسلم نے جب ان کی روایت اپنی سند سے بیان کی تو اس میں تین تین بار کا ذکر ہے۔ احادیث کی رو سے کہنیاں ہاتھوں کے ساتھ غسل کے حکم میں داخل ہیں، قرآن کے لفظ الی المرافق سے از روئے لغت انہیں ہاتھوں کے حکم میں داخل کرنا صراحۃً معلوم نہیں ہوتا۔ حنفیہ میں سے امام زفرؒ اور مالکیؒ کے بعض متأخرین اصحاب اور ابن جریر طبریؒ کا مسلک یہ ہے کہ کہنیاں اس حکم سے خارج ہیں۔ بعض مرفوع احادیث میں بھی کہنیوں کا ہاتھوں کے ساتھ دھونا مذکور ہوا ہے۔ عبداللہ بن زیدؓ کی اس حدیث میں ابتدائے وضوء کے ساتھ ہاتھوں کے دھونے کی تعداد مذکور نہیں، بخاری، مؤطا امام مالک اور مؤطا امام محمد میں ہاتھوں کے دو مرتبہ دھونے کا ذکر آیا ہے۔

۱۱۹- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ بِهَذَا الْحَدِيثِ قَالَ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَاحِدَةٍ يَفْعَلُ

ذٰلِكَ ثَلَاثًا ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَهُ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن زید بن عاصم سے یہ حدیث (یعنی اوپر والی امام مالکؒ کی روایت) مسدد کی سند سے مروی ہے تو اس میں یہ لفظ ہیں کہ پھر عبداللہ رضؓ نے ایک ہی ہتھیلی (کے پانی سے) کلّی کی اور ناک میں پانی چڑھایا، تین مرتبہ ایسا ہی کیا۔ پھر باقی حدیث اسی طرح بیان کی جس طرح اوپر گزری ہے۔

(شرح) اس مضمون پر اوپر گفتگو گزر چکی ہے۔ اس حدیث کے الفاظ سے دونوں معانی کا احتمال ہے: (ا) ایک یہ کہ کُلّی اور ناک میں پانی ایک ہی بار ایک ہی پانی سے ڈالا۔ (ب) دوسرا یہ کہ ایک مرتبہ کُلّی کی پھر ایک مرتبہ ناک میں پانی ڈالا (یعنی نیا پانی لے کر) اور تین بار ایسا ہی کیا۔ اگر پہلا معنی مُراد لیا جائے تو بیانِ جواز پر محمول ہوگا کیونکہ عام صحیح احادیث میں ہر کُلّی کے لئے الگ الگ پانی لینا مذکور ہے وعلیٰ ہٰذا القیاس ناک میں پانی ڈالنے کے لئے۔

۱۲۰۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ أَنَّ حَبَّانَ بْنَ وَاسِعٍ حَدَّثَهُ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ الْمَازِنِيَّ يَذْكُرُ أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ وُضُوءَهُ وَقَالَ وَمَسَحَ رَأْسَهُ بِمَاءٍ غَيْرِ فَضْلِ يَدَيْهِ وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ حَتّٰى أَنْقَاهُمَا۔

(ترجمہ) عبداللہ بن زید بن عاصم مازنی کو واسع نے بیان کرتے سُنا کہ عبداللہ رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا۔ عبداللہ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے سر کا مسح کیا مگر ہاتھوں کے بچے ہوئے پانی سے نہیں (بلکہ نیا پانی لیکر) اور آپؐ نے اپنے پاؤں دھوئے حتیٰ کہ انہیں مل کر صاف کیا۔

(شرح) شیخ ابن قدامہ حنبلی نے المغنی میں فرمایا ہے کہ ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ کے نزدیک سر کے مسح کے لئے نیا پانی لینا چاہئیے مگر حسن بصریؒ، عروہؓ اور عبدالرحمٰن اوزاعیؒ کے نزدیک ہاتھوں سے بچے ہوئے پانی سے سر کا مسح جائز ہے۔ یہاں پر یہ بحث چھیڑنا لاحاصل ہے کہ مستعمل پانی سے طہارت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ کیونکہ حنفیہ کا مسلک تو سر کے مسح کے لئے جدید پانی لینے کا ہے۔ ہاں! اعتراض اگر ہوگا تو ان مجوّز حضرات پر ہوگا۔ سننِ دارقطنی میں رُبیّع بنت معوّذ سے دو روایات آئی ہیں جن میں سر کا مسح ہاتھوں کے بچے ہوئے پانی سے کرنا مذکور ہے۔ ان روایات کا ایک راوی عبداللہ بن محمد بن عقیل متکلم فیہ ہے کہ اس کا حافظہ اچھا نہ تھا مگر ترمذیؒ نے بخاریؒ سے نقل کیا ہے کہ امام احمدؒ، اسحاق اور حُمیدیؒ سب کی حدیث کو لائق استدلال جانتے تھے۔ امام ابوداؤد نے یہ روایت اس لئے بیان کی ہے کہ اس میں یہ دو اضافے وارد ہیں جو اور کسی روایت میں نہیں، ایک سر کے مسح کے لئے نئے پانی کا ذکر اور دوسرا پاؤں کو میل کچیل سے مل مل کر صاف کرنے کا ذکر۔

۱۲۱۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الْمُغِيرَةِ قَالَ حَدَّثَنَا حَرِيزٌ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَيْسَرَةَ الْحَضْرَمِيُّ قَالَ سَمِعْتُ الْمِقْدَامَ بْنَ مَعْدِ يْكَرِبَ

الْكِنْدِيِّ قَالَ أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلَاثًا وَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ وَأُذُنَيْهِ ظَاهِرِهِمَا وَبَاطِنِهِمَا۔

(ترجمہ) مقدامؓ بن معدیکرب کندی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وضوء کا پانی لایا گیا تو آپؐ نے وضوء فرمایا۔ دونوں ہتھیلیاں تین بار دھوئیں اور چہرہ تین بار دھویا۔ پھر اپنے دونوں بازو تین تین بار دھوئے پھر کلی کی اور ناک میں تین بار پانی ڈالا پھر اپنے سر اور کانوں کا اندر اور باہر سے مسح فرمایا۔

(شرح) سنن ابی داؤد کے اکثر نسخوں میں یہ حدیث اسی طرح آئی ہے کہ اس میں کلی اور استنشاق کا ذکر بازو دھونے کے بعد "ثُمَّ" کے لفظ سے ہے مگر سنن کے حاشیے پر ایک نسخے میں کلی اور استنشاق کا ذکر منہ دھونے سے پہلے اپنے اصل مقام پر آیا ہے۔ زیادہ نسخوں کی روایت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ وضوء میں ترتیب واجب نہیں ہے۔ دارقطنی سے ربیع کی روایت سے بھی وضوء کا جو طریقہ منقول ہوا ہے وہ خلاف ترتیب ہے۔ عباس بن یزید راوی نے ان دونوں روایات پر انکار کرتے ہوئے حدیث کو منکر بتایا ہے۔ غایۃ المقصود کے مؤلف نے اس روایت کو شاذ اور عام ترتیب والی روایات کو محفوظ بتایا ہے۔ شوکانی نے نیل الاوطار میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند صالح ہے اور اس کے خلاف ترتیب والی روایات سے ترتیب کا وجوب ثابت نہیں ہوتا، نہ اس زیر نظر حدیث سے "ثُمَّ" کے لفظ سے ترتیب ثابت ہوتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس حدیث سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ حضورؐ نے ایک بار اس ترتیب سے وضوء فرمایا۔ ترتیب کے وجوب کا ثبوت کسی واضح اور متعین دلیل سے ہو سکتا ہے۔ پس مفاد اس روایت کا یہ ہوا کہ اگر کبھی ایسا ہو جائے تو وضوء جائز ہوگا۔ اس حدیث سے کانوں کے اندرونی اور بیرونی دونوں حصوں کا مسح سر کے مسح کے پانی سے ثابت ہوا۔ یہی مسلک ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کا ہے۔ مگر امام مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ و ابو ثور نے کہا کہ کانوں کا مسح جدید پانی سے ہونا چاہیئے۔ ابن قدامہؒ نے المغنی میں کہا ہے کہ جدید پانی سے کانوں کا مسح کرنا مسنون ہے۔ امام زہریؒ نے فرمایا کہ کانوں کو چہرے کے ساتھ دھونا چاہیئے۔ اسحاق بن راہویہ اور دیگر فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ کانوں کا چہرے کی طرف کا حصہ دھونا اور سر کی طرف کے حصے کا مسح مسنون ہے۔ امام احمد اور مالکؒ ہر دو سے ایک ایک روایت اس مسلک کی تائید میں ہے جو اوپر امام ابو حنیفہؒ اور ثوریؒ کا بیان ہوا۔ حافظ ابن القیمؒ نے فرمایا کہ کانوں کے لئے جدید پانی لینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہو سکا۔ ہاں ابن عمرؓ سے یہ عمل صحیح روایت سے ثابت ہے۔ حدیث صحیح کے الفاظ "اَلْاُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ" سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ کان سر کے اندر داخل ہیں، یعنی حکم میں اور ان کے لئے جدید پانی نہ لینے ہیں۔

١٢٢۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ وَيَعْقُوبُ بْنُ كَعْبٍ الْأَنْطَاكِيُّ لَفْظُهُ قَالَا حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ حَرِيزِ بْنِ عُثْمَانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَلَمَّا بَلَغَ مَسْحَ رَأْسِهِ

وَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى مُقَدَّمِ رَأْسِهِ فَأَمَرَّهُمَا حَتَّى بَلَغَ الْقَفَا ثُمَّ رَدَّهُمَا إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي مِنْهُ بَدَأَ۔ قَالَ مَحْمُودٌ قَالَ أَخْبَرَنِي حَرِيزٌ۔

(ترجمہ) مقدامؓ بن معدیکرب نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا۔ جب نوبت سر کے مسح کی آئی تو آپؐ نے اپنی دونوں ہتھیلیاں سر کے آگے والے حصے پر رکھیں پھر انہیں سر پر پھیرا یہاں تک کہ گُدّی تک پہنچے پھر دونوں ہاتھوں کو اسی جگہ تک واپس لائے جہاں سے مسح شروع فرمایا تھا۔

(شرح) اس حدیث کے راوی ولید بن مسلم پر تدلیس و اختلاط کا الزام لگایا گیا ہے۔ مگر اس میں سر کے مسح کی جو کیفیت مذکور ہے وہ دیگر صحاح سے اسی طور پر ثابت ہوئی ہے۔

۱۲۳۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ وَهِشَامُ بْنُ خَالِدٍ الْمَعْنَى قَالَا حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بِهَذَا الْإِسْنَادِ قَالَ وَمَسَحَ بِأُذُنَيْهِ ظَاهِرَهُمَا وَبَاطِنَهُمَا زَادَ هِشَامٌ وَأَدْخَلَ أَصَابِعَهُ فِي صِمَاخِ أُذُنَيْهِ۔

(ترجمہ) مقدامؓ بن معدیکرب سے ہی یہ دوسری روایت ہے جس میں یہ قول مذکور ہے کہ حضورؐ نے اپنے کانوں کے اگلے اور پچھلے حصوں کا مسح کیا۔ ایک راوی ہشام نے یہ اضافہ کیا کہ: آپ نے اپنی انگلیاں کانوں کے سوراخوں میں ڈالیں۔

۱۲۴۔ حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ الْفَضْلِ الْحَرَّانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَزْهَرِ الْمُغِيرَةُ بْنُ فَرْوَةَ وَيَزِيدُ بْنُ أَبِي مَالِكٍ أَنَّ مُعَاوِيَةَ تَوَضَّأَ لِلنَّاسِ كَمَا رَأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ فَلَمَّا بَلَغَ رَأْسَهُ غَرَفَ غُرْفَةً مِنْ مَاءٍ فَتَلَقَّاهَا بِشِمَالِهِ حَتَّى وَضَعَهَا عَلَى وَسَطِ رَأْسِهِ حَتَّى قَطَرَ الْمَاءُ أَوْ كَادَ يَقْطُرُ ثُمَّ مَسَحَ مِنْ مُقَدَّمِهِ إِلَى مُؤَخَّرِهِ وَمِنْ مُؤَخَّرِهِ إِلَى مُقَدَّمِهِ۔

(ترجمہ) معاویہؓ نے لوگوں کو یہ دکھانے کے لئے وضو کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کیسے وضوء کرتے دیکھا تھا۔ جب سر کے مسح تک پہنچے تو دائیں ہاتھ سے پانی کا چُلّو لیکر بائیں پر ڈالا اور اسے اپنے سر کے درمیان رکھا حتّٰی کہ پانی ٹپکا یا ٹپکنے کے قریب تھا۔ پھر سر کے آگے سے پیچھے تک اور پیچھے سے آگے تک مسح کیا۔

(شرح) یہی حدیث علی بن بحر عن ولید بن مسلم اسی سند کے ساتھ بروایت امام احمد بن حنبل مسند میں آئی ہے اور بالکل اگلی روایت سنن ابی داؤد میں بھی مروی ہے مگر اس میں سر کے مسح کی کیفیت مذکور نہیں۔ یہی حدیث امام

طحاوی نے بھی روایت کی ہے مگر اس میں مسح کی کیفیت دیگر احادیث کے عین مطابق ہے اور پانی کا چلو بائیں ہاتھ سے سر پر رکھنے کا کوئی ذکر نہیں۔ ابن قدامہؒ نے المغنی میں اس حدیث کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے سر کا مسح نہیں بلکہ (تقریباً) دھونا ثابت ہوا اور مسح اس کے ضمن میں آگیا جس طرح کہ غسل میں ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کے فعل سے جو کچھ حضورؐ کا عمل ثابت ہوا وہ غسل اور مسح کے درمیان ہے، نہ پورا غسل ہے نہ بالکل مسح ہے۔ امام الحرمین کا قول ہے کہ سر کا دھونا بالاتفاق جائز ہے کیونکہ مسح اس کے ضمن میں آجاتا ہے۔ اکثر فقہاء اسے مکروہ کہتے ہیں کیونکہ یہ عام احادیث سے ثابت نہیں ہوا۔ امام غزالیؒ اور رافعیؒ نے کہا کہ مکروہ نہیں ہے۔ مولانا محمد یحییٰ نے حضرت گنگوہی سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص سر کو دھو ڈالے تو مسح اس کے ضمن میں آجائے گا۔

۱۲۵۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ قَالَ فَتَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ بِغَيْرِ عَدَدٍ۔

(ترجمہ) حضرت معاویہؓ کی گذشتہ حدیث کی یہ دوسری روایت ہے۔ اس کے مطابق راوی نے کہا کہ معاویہؓ نے تین تین بار وضوء میں اعضاء دھوئے اور دونوں پاؤں میں تین کا عدد ملحوظ نہیں رکھا۔

۱۲۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِينَا فَحَدَّثَتْنَا أَنَّهُ قَالَ اُسْكُبِي لِي وَضُوءًا فَذَكَرَتْ وُضُوءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ فِيهِ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلَاثًا وَوَضَّأَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مَرَّةً وَوَضَّأَ يَدَيْهِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّتَيْنِ يَبْدَأُ بِمُؤَخَّرِ رَأْسِهِ ثُمَّ بِمُقَدَّمِهِ وَبِأُذُنَيْهِ كِلْتَيْهِمَا ظُهُورِهِمَا وَبُطُونِهِمَا وَوَضَّأَ رِجْلَيْهِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَهٰذَا مَعْنَى حَدِيثِ مُسَدَّدٍ۔

(ترجمہ) رُبَیِّع بنت معوّذ بن عفراءؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ رُبیع نے کہا کہ حضورؐ نے ایک بار فرمایا کہ میرے لئے وضوء کا پانی ڈالو۔ پھر رُبیعؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کا ذکر کیا جس میں بتایا کہ حضورؐ نے اپنی ہتھیلیاں تین بار دھوئیں اور چہرہ مبارک تین بار دھویا اور کلی اور ناک میں پانی ڈالنا ایک بار کیا اور دونوں ہاتھ تین بار دھوئے اور سر کا مسح دو بار فرمایا۔ پہلے تو سر کے پچھلے حصے سے شروع کر کے اگلے تک اور پھر اگلے سے شروع کر کے پچھلے تک مسح کیا اور دونوں کانوں کے ظاہر و باطن کا مسح کیا اور دونوں پاؤں تین تین مرتبہ دھوئے۔

(شرح) امام ابوداؤدؒ نے خود ہی حدیث بیان کر کے فرما دیا ہے کہ میں نے اپنے استاد مسدد کے الفاظ نقل نہیں کئے بلکہ

ان کے بیان کا مطلب نقل کیا ہے۔ یہ حدیث امام بیہقیؒ نے بیان کی تو اس میں اور کئی اضافے روایت کئے ہیں۔ اس حدیث کے راوی عبداللہ بن محمد بن عقیل پر جرح ہوئی ہے۔ ابن سعدؒ نے اسے منکر الحدیث کہا ہے اور بتایا ہے کہ محدثین اس کی روایت پر اعتماد نہیں کرتے امام مالکؒ نے اس سے روایت نہیں کی اور اپنی کتابوں میں اسے نہیں لائے۔ یحییٰ بن سعید القطان نے بھی اس کی روایت نہیں لی۔ سفیانؒ بن عیینہ نے اسے حافظہ اچھا نہ ہونے کا الزام دیا ہے۔ یحییٰؒ بن معین نے اس کی حدیث کو ضعیف ٹھیرایا ہے۔ علیؒ بن مدینی کے نزدیک بھی وہ ضعیف ہے۔ اسی طرح امام نسائیؒ، ابن خزیمہؒ اور ابو حاتمؒ جیسے نقادِ حدیث نے اسے مجروح قرار دیا ہے۔ اس حدیث کی راویہ حضرت رُبیعؓ حضورؐ کے دادا عبدالمطلب کے ننھیال بنی نجار میں سے تھیں اور اسی رشتے کی بناء پر حضورؐ کا ان کے گھر میں آنا جانا تھا۔ ان کے سات بیٹے جنگ بدر میں شامل ہوئے۔ یہ ایسی خصوصیت ہے جو اور کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔ حضورؐ کے وضوء کے متعلق رُبیعؓ کی بیان کردہ احادیث میں بعض اعضاء کا ایک بار، بعض کا دو بار اور بعض کا تین بار دھونا ثابت ہوا ہے۔ نیز سر کا مسح پچھلی طرف سے آگے کو اور پھر اس کے برعکس آیا ہے۔ پھر اس میں کُلی اور استنشاق کا ذکر منہ دھونے کے بعد ہوا ہے اور ان دونوں (کُلی اور استنشاق) کا صرف ایک بار کرنا مذکور ہے۔ سر کے مسح کی کیفیت دیگر احادیث کے صریحًا خلاف ہے۔ ہاں اس کی تاویل ہو سکتی ہے کہ مُراد اس سے پہلے آگے سے پیچھے اور پھر اس کے برعکس کرنا ہے جسے راوی نے ایسے الفاظ سے بیان کیا کہ بظاہر دوسری احادیث کے خلاف ہو گیا۔ بہرحال اگر ظاہری الفاظ پر ہی اعتماد کریں تو اس سے بیانِ جواز کا مقصد مدِنظر رکھنا مطلوب ہوگا واللہ اعلم

۱۲۷- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ عَقِيلٍ بِهٰذَا الْحَدِيثِ يُغَيِّرُ بَعْضَ مَعَانِي بِشْرٍ قَالَ فِيهِ وَتَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا۔

(ترجمہ) وہی گزشتہ حدیث دوسری سند سے آئی ہے جس میں بعض چیزوں میں تبدیلی ہوئی ہے مثلاً اس میں راوی نے تین بار کُلی اور ناک صاف کرنا بیان کیا ہے۔

۱۲۸- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَيَزِيدُ بْنُ خَالِدٍ الْهَمْدَانِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ عِنْدَهَا فَمَسَحَ الرَّأْسَ كُلَّهُ مِنْ قَرْنِ الشَّعْرِ كُلَّ نَاحِيَةٍ لِمُنْصَبِّ الشَّعْرِ لَا يُحَرِّكُ الشَّعْرَ عَنْ هَيْئَتِهِ۔

(ترجمہ) رُبیعؓ بنت معوذ بن عفراء نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاں وضوء فرمایا تو سارے سر کا مسح کیا، سر کی چوٹی سے لے کر بالوں کے نچلی طرفوں کو جانے والی جگہ تک، مگر آپ نے بالوں کو ان کی حالت پر رہنے دیا، ہلایا نہیں۔

(شرح) پیچھے ایک حدیث میں مسح رأس کے ذکر میں گُدی کا ذکر گزر چکا ہے جس سے گردن کے مسح پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ اس حدیث میں قذال کا لفظ تو نہیں ہے مگر حاصل اس کا یہی ہے کہ حضورؐ نے گُدی تک کا مسح فرمایا تھا۔ اس سے قبل رُبیعؓ کی ایک روایت میں یہ ذکر تھا کہ حضورؐ نے سر کے پچھلے حصے سے مسح شروع فرمایا تھا مگر یہ موجودہ حدیث اس کے خلاف ہے۔ واقعہ تو شاید ایک ہی ہے مگر ممکن ہے نچلے راویوں کے تصرف سے یہ لفظی تبدیلیاں پیدا ہو گئی ہوں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ایک مضمون

کی تمام روایات کو جمع کرکے ہی مطلب نکالنا چاہیئے۔

۱۲۹- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا بَكْرٌ يَعْنِي ابْنَ مُضَرَ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ أَنَّ رُبَيِّعَ بِنْتَ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ أَخْبَرَتْهُ قَالَتْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ قَالَتْ فَمَسَحَ رَأْسَهُ وَمَسَحَ مَا أَقْبَلَ مِنْهُ وَمَا أَدْبَرَ وَصُدْغَيْهِ وَأُذُنَيْهِ مَرَّةً وَاحِدَةً۔

(ترجمہ) رُبَیّع رضؓ بنت معوّذ بن عفراء نے عبداللہ بن محمد بن عقیل کو بتایا، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضوء فرماتے دیکھا۔ کہتی ہیں کہ حضورؐ نے اپنے سر کے اگلے اور پچھلے حصے کا مسح فرمایا اور دونوں کنپٹیوں اور دونوں کانوں کا بھی ایک مرتبہ مسح کیا۔

(شرح) سر کے اگلے پچھلے حصوں اور دونوں کنپٹیوں کا ذکر کرکے یہ بتانا مدِ نظر ہے کہ سر کا مسح اس کے تمام حصوں کو محیط تھا۔

۱۳۰- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دَاوُدَ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ عَقِيلٍ عَنِ الرُّبَيِّعِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ بِرَأْسِهِ مِنْ فَضْلِ مَاءٍ كَانَ فِي يَدِهِ۔

(ترجمہ) حضرت رُبَیّع رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کا مسح اس پانی سے کیا جو بچا ہوا آپؐ کے ہاتھ میں تھا۔

(شرح) سنن ابن ماجہؒ میں یہی روایت ہے مگر اس میں یہ لفظ ہیں کہ حضورؐ نے سر کے مسح کے لئے جدید پانی لیا تھا۔ سو اس طرح یہ روایت مضطرب ہے۔ بیہقی نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ حضورؐ نے جدید پانی لیکر نصف پھینک دیا تو باقی رہ گیا اور اسی تری سے مسح فرمایا۔ ہاتھ جھٹکنے کی تاویل صاحب بذل المجہود کی ہے۔ اوپر ابن عقیل پر جرح گزر چکی ہے صحیح احادیث میں جدید پانی لینے کا ذکر موجود ہے اور انہی پر اعتماد کیا گیا ہے۔

۱۳۱- حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ قَالَ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَأَدْخَلَ إِصْبَعَيْهِ فِي جُحْرَيْ أُذُنَيْهِ۔

(ترجمہ) رُبَیّع رضؓ بنت معوّذ سے روایت ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء کیا تو اپنی دو انگلیاں دونوں کانوں کے سوراخوں میں ڈالیں۔

۱۳۲- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى وَمُسَدَّدٌ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ لَيْثٍ عَنْ طَلْحَةَ

ابْنِ مُصَرِّفٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ رَأْسَهُ مَرَّةً وَاحِدَةً حَتَّى بَلَغَ الْقَذَالَ وَهُوَ أَوَّلُ الْقَفَا وَقَالَ مُسَدَّدٌ وَمَسَحَ رَأْسَهُ مِنْ مُقَدَّمِهِ إِلَى مُؤَخَّرِهِ حَتَّى أَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنْ تَحْتِ أُذُنَيْهِ، قَالَ مُسَدَّدٌ فَحَدَّثْتُ بِهِ يَحْيَى فَأَنْكَرَهُ - قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَسَمِعْتُ أَحْمَدَ يَقُولُ إِنَّ ابْنَ عُيَيْنَةَ زَعَمُوا أَنَّهُ كَانَ يُنْكِرُهُ وَيَقُولُ أَيْشَ هٰذَا طَلْحَةُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ.

(ترجمہ) طلحہ بن مصرف اپنے باپ سے وہ اس کے دادا (کعب بن عمرو یا عمرو بن کعب) سے روایت کرتا ہے۔کعب نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سر کا مسح ایک ہی بار کرتے دیکھا تھا یہاں تک کہ آپؐ کا ہاتھ قذال تک پہنچ گیا جو گدّی کا پہلا حصہ ہے اور مسدد نے کہا کہ سر کا مسح پہلے حصے سے لیکر پچھلے حصے تک کیا حتیٰ کہ اپنے ہاتھوں کو کانوں کے نیچے سے نکالا۔

(شرح) خود اسی حدیث کے آخر میں امام ابوداؤدؒ نے اسی حدیث کی سند: طلحہ بن مصرف عن ابیہ عن جدہ پر کچھ گفتگو کرکے اس پر جرح کا اظہار کیا ہے حالانکہ طلحہ بن مصرف ثقہ، عادل اور حافظ راوی ہے۔اس کے باپ مُصَرِّف میں البتہ ضعف پایا جاتا ہے اور مُصَرِّف کا باپ، صحیح تر قول کے مطابق صحابی ہے جیساکہ اسد الغابہ میں تصریح موجود ہے۔ اس حدیث سے گردن کا مسح ثابت ہوتا ہے جو بقول امام بغویؒ و غزالی مستحب ہے اور رافعیؒ نے اسے سنت کہا ہے۔امام شافعیؒ اور مالکؒ نے اسے سنت نہیں مانا مگر امام ابوحنیفہؒ، احمدؒ بن حنبل اور بعض شافعیہؒ کے نزدیک گردن کا مسح مستحب ہے۔

۱۳۳- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبَّادُ بْنُ مَنْصُورٍ عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ رَأَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ كُلَّهُ ثَلَاثًا ثَلَاثًا قَالَ وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَأُذُنَيْهِ مَسْحَةً وَاحِدَةً۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضوء کرتے دیکھا، پھر ابن عباسؓ نے حدیث بیان کی جس میں سب اعضاء کا غسل تین تین یاد ہے، ابن عباسؓ نے کہا کہ حضورؐ نے اپنے سر اور کانوں کا ایک ہی بار مسح فرمایا۔

۱۳۴- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَقُتَيْبَةُ عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ سِنَانِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رضی اللہ عنہ وَذَكَرَ وُضُوءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ

الْمَاقَيْنِ وَقَالَ الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ يَقُولُهَا أَبُو أُمَامَةَ قَالَ قُتَيْبَةُ قَالَ حَمَّادٌ لَا أَدْرِي هُوَ مِنْ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ مِنْ أَبِي أُمَامَةَ يَعْنِي قِصَّةَ الْأُذُنَيْنِ قَالَ قُتَيْبَةُ عَنْ سِنَانٍ أَبِي رَبِيعَةَ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَهُوَ ابْنُ رَبِيعَةَ كُنْيَتُهُ أَبُو رَبِيعَةَ۔

(ترجمہ) ابوامامہؓ باہلی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وضوء کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ حضورؐ وضوء میں آنکھوں کے اطراف کو ملتے تھے۔ کہا اور حضورؐ کا ارشاد ہے کہ دونوں کان سر میں سے ہیں۔

(شرح) المأقین مأق کا تثنیہ ہے اور راس کا معنی ہے آنکھ کا وہ حصہ جو ناک کی طرف ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ حضورؐ وضوء میں آنکھوں کو خوب صاف کیا کرتے تھے۔ جملہ: اَلْاُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ کا صراحۃً قولِ رسولؐ ہونا سننِ ابنِ ماجہ میں انہی حضرت ابوامامہؓ سے ثابت ہے۔ ابنِ ماجہ نے عبداللہ بن زید اور ابوہریرہؓ کی حدیثوں سے بھی صراحۃً ثابت کیا ہے کہ یہ قولِ رسولؐ ہے پس سنن ابی داؤد کی اس حدیث کے راویوں کا کلام کوئی وزن نہیں رکھتا۔ اس جملے کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ حکمِ مسح میں کان بھی سر میں داخل ہیں۔ دوسرا یہ کہ کانوں کا مسح سر کے پانی سے ہی ہوگا نہ کہ جدید پانی لے کر۔ مسند امام احمد میں بھی ابوامامہؓ کی حدیث آئی ہے اور جملہ: اَلْاُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ کو بطورِ قولِ رسولؐ ہی پیش کیا ہے۔

۵۲۔ بَابُ الْوُضُوْءِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا

وضوء کو تین تین بار کرنے کا باب

۱۳۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ إِنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ الطُّهُورُ؟ فَدَعَا بِمَاءٍ فِي إِنَاءٍ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثَلَاثًا ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ وَأَدْخَلَ إِصْبَعَيْهِ السَّبَّاحَتَيْنِ فِي أُذُنَيْهِ وَمَسَحَ بِإِبْهَامَيْهِ عَلَى ظَاهِرِ أُذُنَيْهِ وَبِالسَّبَّاحَتَيْنِ بَاطِنَ أُذُنَيْهِ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا الْوُضُوءُ فَمَنْ زَادَ عَلَى هٰذَا أَوْ نَقَصَ فَقَدْ أَسَاءَ وَظَلَمَ أَوْ ظَلَمَ وَأَسَاءَ۔

(ترجمہ) عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور اس نے اس کے دادا سے روایت کی کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ وضوء کیونکر ہوتا ہے؟ سو حضورؐ نے ایک برتن میں پانی منگوایا اور دونوں ہاتھ تین تین بار

دھوئے پھر چہرہ تین بار دھویا پھر دونوں بازو تین بار دھوئے پھر اپنے سر کا مسح کیا اور اپنی شہادت کی انگلیوں کو کانوں میں ڈالا اور اپنے انگوٹھوں سے کانوں کے ظاہری حصے کا اور شہادت کی انگلیوں سے کانوں کے اندرونی حصے کا مسح فرمایا، پھر دونوں پاؤں تین تین بار دھوئے پھر فرمایا کہ وضو یوں ہوتا ہے۔ پس جو اس پر زیادتی کرے یا کمی کرے تو اس نے بُرا کیا اور ظلم کیا، یا یہ فرمایا کہ ظلم کیا اور بُرا کیا۔

(شرح) علامہ شوکانیؒ نے امام نوویؒ سے نقل کیا ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس امر پر اجماع ہے کہ وضو کے اعضاء کو ایک ایک بار دھونا واجب ہے اور تین بار سُنّت ہے اور احادیث میں ایک ایک، دو دو اور تین تین بار، غرض سب طرح سے ثابت ہوا ہے اور احادیث کا اختلاف اس امر کی دلیل ہے کہ یہ سب صورتیں جائز ہیں۔ عمرو بن شعیب کی روایتوں کو بخاری اور مسلم نے نہیں لیا کیونکہ اس کی اکثر احادیث کی سند عن ابیہ عن جدہٖ کے الفاظ سے آتی ہے۔ عمرو بن شعیب کا نسب یوں ہے: عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ ابن عمرو بن العاص القرشی السہمی۔ عمرو بن شعیب کی کُنیت ابو ابراہیم ہے۔ عمرو بن شعیب کی حدیث پر اعتماد یا عدم اعتماد میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ یحییٰ بن سعید القطان کا قول ہے کہ جب عمرو بن شعیب سے ثقہ راوی روایت کریں تو وہ ثقہ ہے اور اس کی حدیث لائقِ اعتماد ہے ورنہ نہیں۔ علی بن المدینی نے یحییٰ بن سعید کے حوالے سے کہا ہے کہ اس کی حدیث ہمارے نزدیک واہیات ہے۔ سفیانؒ بن عیینہ نے کہا کہ اس کی حدیث میں کچھ کلام ہے۔ ابو عمرو بن العلاء نے کہا کہ قتادہؒ اور عمروؒ بن شعیب دونوں میں یہ عیب شمار کیا جاتا تھا کہ ہر سُنی ہوئی بات کی روایت کرتے تھے۔ بقول میمونی امام احمد بن حنبل نے کہا کہ اس کی بہت سی احادیث منکر ہیں۔ اس کی حدیث پرکھنے کی خاطر لکھی جائے گی نہ کہ بطور حجت و دلیل۔ ابوداؤد نے احمد بن حنبل سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: محدثین کبھی اس کی حدیث پر اعتماد کرتے ہیں اور کبھی نہیں کرتے۔ امام بخاری کا قول ہے کہ میں نے احمد بن حنبل، علی بن المدینی، اسحاق بن راہویہ، ابو عبید اور ہمارے اکثر اصحاب کو دیکھا کہ وہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہٖ کی حدیث کو حجت مانتے تھے۔ کسی مسلم نے اسے ترک نہیں کیا۔ امام بخاری نے کہا کہ ان ائمۂ فن کے بعد اور کون باقی رہ گیا ہے؟ یحییٰ بن معین نے کہا کہ یہ سند: عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہٖ کتاب سے نقل و روایت ہوتی ہے اسی لئے اس میں ضعف آگیا ہے۔ جب عمرو بن شعیب دوسرے لوگوں مثلاً سعید بن المسیّب، سلیمان بن یسار یا عروہ سے روایت کرے تو اس کی روایت ٹھیک ہے کیونکہ وہ خود ثقہ ہے۔ آجری نے کہا کہ میں نے ابوداؤد سے پوچھا: کیا عمرو بن شعیب آپ کے نزدیک حجت ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں، بلکہ نصف حُجّت بھی نہیں۔ امام نسائیؒ اور عجلیؒ نے عمرو بن شعیب کو ثقہ کہا ہے۔ احمد بن سعید دارمی نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔ ابوبکر بن زیاد نیشاپوری کا قول ہے کہ عمرو بن شعیب کا سماع اپنے باپ سے اور شعیب کا سماع اپنے دادا (عبداللہ بن عمروؓ) سے صحیح ہے۔ ابن عدیؒ نے عمرو بن شعیب کو ثقہ قرار دیا ہے مگر عن ابیہ عن جدہ کی سند کو مشکوک ٹھہرایا ہے کیونکہ یہ روایت سماع سے نہیں بلکہ کتاب سے ہے۔

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ عمرو بن شعیب کو بعض نے مطلقاً ضعیف قرار دیا ہے۔ جمہور نے اسے ثقہ ٹھہرایا ہے اور بعض نے اس کی روایت عن ابیہ عن جدہٖ کو ضعیف کہا ہے گو بذاتِ خود وہ ثقہ ہے۔ جن لوگوں نے اسے مطلقاً ضعیف کہا وہ اس روایت کے سبب سے کہا: عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہٖ۔ عمرو کی اپنے باپ شعیب سے روایت جب عَن سے ہو تو اس میں تدلیس کا امکان ہے۔ مگر جب وہ کہے کہ: میرے باپ نے مجھ سے بیان کیا (حَدَّثَنِیْ اَبِیْ) تو اس کی صحت میں کوئی شک نہیں ہوتا۔ اور اس کا باپ جو عن جدہٖ کہہ کر روایت کرتا ہے تو اس سے مُراد شعیب کا دادا اور عمرو کا پردادا حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص ہوتا ہے نہ کہ محمد بن عبداللہ جو کہ عمرو کا دادا ہے۔ شعیب نے کئی جگہوں پر اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے سماع کی صراحت کی ہے اور یہ سماع صحیح ہے۔ عنقریب سنن ابی داؤد میں ہی باب فی الغسل للجمعہ میں

یہ صراحتہً آنے والی ہے۔ امام ذہبی کا قول ہے کہ عمرو کا دادا محمد بن عبداللہ اپنے زمانے کا بڑا عالم تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ محمد اپنے باپ کی زندگی میں فوت ہو گیا تھا لہٰذا شعیب کو اس کے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص نے پالا تھا۔ جدہ سے مراد جو ہم نے شعیب کا دادا لیا ہے اس کی صراحت امام حلبی نے بھی کی ہے۔ حافظ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں لکھا ہے کہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کو ائمہ اربعہ اور سب فقہائے اسلام نے صحیح مان کر اس سے استدلال کیا ہے۔ ابن العربی نے العارضہ میں کہا ہے کہ عمرو کا سماع شعیب سے اور اس کا اپنے دادا عبداللہ سے صحیح طور پر ثابت شدہ امر ہے۔ ترمذی نے تصریح کی ہے کہ شعیب کا سماع اپنے دادا عبداللہؓ سے ثابت ہے۔

اس حدیث میں تغلیباً انگوٹھوں کے ساتھ والی دو انگلیوں کو سبا حتان کہا گیا ہے حالانکہ سباحہ صرف دائیں ہے جس کے ساتھ تشہد میں اشارہ کیا جاتا ہے۔ کانوں کے ظاہری حصے سے مراد سر کے ساتھ والے حصے ہیں جن کو انگوٹھوں سے مسح کیا جاتا ہے۔ حدیث کے آخر میں جو کمی بیشی کا ذکر ہے اس سے مراد وہ کمی بیشی ہے جو خود حضورؐ کے فعل سے ثابت نہ ہو کیونکہ اعضائے غسل کا دو دو مرتبہ اور ایک ایک مرتبہ دھونا خود حضورؐ سے ثابت ہے، گویا زیادتی سے مراد تین پر زیادتی ہے اور کمی سے مراد ایک سے کمی ہے۔ محدث ابن خزیمہ اور امام مسلمؒ نے صرف نقص کا لفظ روایت کیا اور اکثر راوی صرف اتنی ہی روایت کرتے ہیں۔

۵۳۔ بَابٌ فِی الْوُضُوْءِ مَرَّتَیْنِ

وضو میں دو دو بار دھونے کا باب

۱۳۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ حَدَّثَنَا زَیْدٌ یَعْنِی ابْنَ الْحُبَابِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ ثَوْبَانَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُفَضَّلِ الْهَاشِمِیُّ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ مَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں اعضاء کو دو دو بار دھویا۔

(شرح) اس حدیث کی سند میں زید بن الحباب متکلم فیہ راوی ہے۔ پھر عبدالرحمٰن بن ثوبان کی روایات کو بعض محدثین نے منکر قرار دیا ہے اور امام نسائی اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ یہی حکم اس پر یحییٰ بن معین نے بھی لگایا ہے۔ حدیث کا مضمون دیگر صحاح سے بھی ثابت ہے اور دو دو مرتبہ دھونے کا باعث بیانِ جواز تھا۔

۱۳۷۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامُ ابْنُ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا زَیْدٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ اَتُحِبُّوْنَ اَنْ اُرِیَکُمْ کَیْفَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَوَضَّاُ فَدَعَا بِاِنَاءٍ فِیْهِ مَاءٌ فَاغْتَرَفَ غُرْفَةً بِیَدِهِ الْیُمْنٰی فَتَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثُمَّ اَخَذَ اُخْرٰی فَجَمَعَ بِهَا یَدَیْهِ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ

ثُمَّ اَخَذَ اُخْرٰی فَغَسَلَ بِهَا يَدَهُ الْيُمْنٰی ثُمَّ اَخَذَ اُخْرٰی فَغَسَلَ بِهَا يَدَهُ الْيُسْرٰی ثُمَّ قَبَضَ قَبْضَةً مِّنَ الْمَآءِ ثُمَّ نَفَضَ يَدَهُ ثُمَّ مَسَحَ بِهَا رَاْسَهُ وَاُذُنَيْهِ ثُمَّ قَبَضَ قَبْضَةً اُخْرٰی مِنَ الْمَآءِ فَرَشَّ عَلٰی رِجْلِهِ الْيُمْنٰی وَفِيْهَا النَّعْلُ ثُمَّ مَسَحَهَا بِيَدَيْهِ، يَدٌ فَوْقَ الْقَدَمِ وَيَدٌ تَحْتَ النَّعْلِ ثُمَّ صَنَعَ بِالْيُسْرٰی مِثْلَ ذٰلِكَ۔

(ترجمہ) عطاء بن یسارؒ کا بیان ہے کہ ہم سے عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کیا تم پسند کرتے ہو کہ میں تمہیں دکھاؤں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضوء فرمایا کرتے تھے؟ پھر ایک برتن میں پانی منگوایا اور دائیں ہاتھ سے ایک چلو لیا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا۔ پھر ایک اور چلو لیا اور دونوں ہاتھ ملا کر منہ دھویا۔ پھر ایک اور چلو پانی لیا اور اس سے دایاں ہاتھ دھویا پھر ایک اور چلو لیا اور بایاں بازو دھویا۔ پھر ایک چلو پانی لیا اور ہاتھ کو جھاڑ دیا اور اس سے سر اور کانوں کا مسح کیا۔ پھر ایک اور چلو پانی لیا اور اپنے دائیں پاؤں پر چھڑکا اور وہ جوتے ہی میں تھا پھر اسے اپنے دونوں ہاتھوں سے ملا۔ ایک ہاتھ قدم کے اوپر تھا اور ایک ہاتھ جوتے کے نیچے۔ پھر بائیں پاؤں کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا۔

(شرح) اس حدیث کا راوی ہشام بن سعد امام احمدؒ کے نزدیک حافظ نہیں اور اس کی حدیث محکم نہیں۔ یحییٰ بن معین، امام نسائیؒ ابن سعدؒ اور یعقوبؒ بن سفیان نے اسے ضعیف کہا ہے۔ یحییٰ بن سعید القطان اس کی روایت نہیں لیتے تھے۔ ابوحاتمؒ نے کہا ہے کہ اس کی حدیث قابلِ احتجاج نہیں۔ دوسرے راوی زیدؒ بن اسلم کے متعلق سفیان بن عیینہ کی رائے یہ تھی کہ اس کے حافظے میں نقص تھا۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے اسے مدلس کہا ہے۔ اس حدیث کو ابوداؤدؒ نے اس باب میں درج کیا ہے جس میں ہر عضو کے دو مرتبہ دھونے کا ذکر لازم تھا مگر حدیث ترجمۃ الباب کے بالکل خلاف ہے، اس میں کسی عضو کے بھی دوبار دھونے کا ذکر نہیں، بلکہ ایک ہی چلو پانی سے ایک کلی اور ایک بار استنشاق کا ذکر ہے، پھر ایک ہی بار منہ دھونے کا، پھر ایک ایک بار دونوں بازو دھونے کا۔ پھر عدد کے بغیر پاؤں دھونے کا ذکر ہے وہ بھی اس طرح کہ ان پر پانی ڈالا اور جوتے سمیت ایک ہاتھ سے اسے پکڑا اور دوسرے سے مل لیا۔ اہل عرب کے جوتے ایسے ہوتے تھے کہ نیچے چمڑا ہے اور اوپر صرف تسمہ ہے، انہیں اس کیفیت سے وضوء النا جس کا ذکر اس روایت میں ہے کچھ مشکل نہ تھا۔ بخاریؒ نے ابن عمرؓ کی حدیث بَابُ غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ فِي النَّعْلَيْنِ میں درج کی ہے کہ ان کا بیان ہے، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نعلین میں وضوء فرماتے دیکھا تھا۔ ابن عباسؓ کے فعل کو راوی نے مسح سے تعبیر کیا ہے مگر اس سے مراد "غسلِ خفیف" ہے کیونکہ پاؤں کے اوپر پانی ڈال کر ملنا عرفاً مسح نہیں ہوتا بلکہ ہلکا سا دھونا ہوتا ہے۔ بخاریؒ نے یہی حدیث صحیح میں اپنی سند سے درج کی ہے تو اس میں غسل کا ہی لفظ ہے نہ کہ مسح کا۔ اسی طرح بیہقی نے اس روایت میں غسل کا لفظ بولا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس نسائی کی روایت ہے جس میں غسل کا لفظ آتا ہے۔

۵۴۔ بَابُ الْوُضُوْءِ مَرَّةً مَرَّةً

ایک ایک بار وضوء کرنے کا باب

۱۳۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰی عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِيْ زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِوُضُوْءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَضَّاَ مَرَّةً مَرَّةً

(ترجمہ) عطاء بن یسار نے کہا کہ ابن عباسؓ نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضوء نہ بتاؤں ؟ پھر ایک ایک بار اعضاء دھوکر وضوء کیا۔

(شرح) اعضاء دھونے کا ادنیٰ مرتبہ یہی ہے کہ ایک ایک بار دھوئے جائیں۔ دو دو بار دھونا اس سے افضل اور تین تین مرتبہ دھونا افضل ترین ہے جیسا کہ عام احادیثِ وضوء کا مضمون ظاہر کرتا ہے۔ گذشتہ روایت کو بھی اسی باب میں درج ہونا چاہیئے تھا مگر معلوم نہیں امام ابوداؤد نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ نہ خود انہوں نے اس کی کوئی توجیہہ پیش کی ہے۔ اگر اس حدیث کی کوئی غیر معیاری روایت ان کے اپنے ذہن میں تھی تو اس کا کم از کم حوالہ ہی دے دیتے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۵۵۔ بَابٌ فِي الْفَرْقِ بَيْنَ الْمَضْمَضَةِ وَالِاسْتِنْشَاقِ

کُلّی اور استنشاق میں فرق کرنے کا باب

۱۳۹۔ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ قَالَ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ سَمِعْتُ لَيْثًا يَذْكُرُ عَنْ طَلْحَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ دَخَلْتُ يَعْنِي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ وَالْمَاءُ يَسِيلُ مِنْ وَجْهِهِ وَلِحْيَتِهِ عَلَى صَدْرِهِ فَرَأَيْتُهُ يَفْصِلُ بَيْنَ الْمَضْمَضَةِ وَالِاسْتِنْشَاقِ۔

(ترجمہ) طلحہ بن مصرف اپنے باپ سے، وہ اس کے دادا عمروؓ بن کعب یا کعب بن عمرو سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ وضوء فرما رہے تھے۔ اور پانی آپؐ کے منہ اور داڑھی سے آپؐ کے سینے پر بہہ رہا تھا۔ سو میں نے آپ کو کُلّی اور ناک میں پانی ڈالنے کو جدا جدا پانی لے کر کرتے دیکھا تھا۔

(شرح) عام روایات میں حضرت عثمانؓ اور علیؓ اور دیگر اصحاب سے حضورؐ کے وضوء کی جو کیفیت ظاہر ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ پہلے تین بار کُلّی کے لئے الگ الگ پانی لے کر کُلّی کی جائے۔ پھر اسی طرح استنشاق کیا جائے۔ ابنِ قدامہ نے المغنی میں اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے تین بار الگ پانی لے کر کُلّی اور پھر اسی طرح ناک کی صفائی کو ثابت کیا ہے۔ ابنُ الصلاح اور ابنُ الہمام نے اس کی تائید کی ہے۔ دارقطنی نے اسی سند سے یہ روایت بیان کرتے ہوئے پہلے تین بار کُلّی پھر تین بار استنشاق کا ذکر کیا ہے۔ آثار السنن میں اسی مسئلے کی وضاحت کئی روایات سے کی گئی ہے۔ طلحہ بن مصرف عن ابیہ عن جدہ پہ گفتگو اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

۵۶۔ بَابٌ فِي الِاسْتِنْشَاقِ

ناک جھاڑنے کا باب

۱۴۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ فِي أَنْفِهِ مَاءً ثُمَّ لِيَنْثُرْ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی وضوء کرے تو ناک میں پانی ڈالے

پھر اسے جھاڑ دے۔

(شرح) استنشاق کا معنیٰ ہے ناک میں پانی ڈالنا اور استنثار کا معنیٰ ہے ناک کو زور سے جھاڑنا تاکہ صفائی حاصل ہو جائے۔ اس قولی حدیث سے امام احمدؒ، اسحاقؒ اور ابو ثورؒ نے استدلال کیا ہے کہ استنثار واجب ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ امر استحباب کے لئے ہے۔

۱۴۱- حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ قَارِظٍ عَنْ أَبِي غَطَفَانَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَنْثِرُوا مَرَّتَيْنِ بَالِغَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا۔

(ترجمہ) ابن عباسؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو مرتبہ خوب اچھی طرح ناک صاف کرو یا تین مرتبہ۔

۱۴۲- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ فِي آخَرِينَ قَالُوا حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ إِسْمَعِيلَ ابْنِ كَثِيرٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ لَقِيطِ بْنِ صَبْرَةَ عَنْ أَبِيهِ لَقِيطِ بْنِ صَبْرَةَ قَالَ كُنْتُ وَافِدَ بَنِي الْمُنْتَفِقِ أَوْ فِي وَفْدِ بَنِي الْمُنْتَفِقِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ نُصَادِفْهُ فِي مَنْزِلِهِ وَصَادَفْنَا عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، قَالَ فَأَمَرَتْ لَنَا بِخَزِيرَةٍ فَصُنِعَتْ لَنَا قَالَ وَأُتِينَا بِقِنَاعٍ وَلَمْ يَقُلْ قُتَيْبَةُ الْقِنَاعَ، وَالْقِنَاعُ الطَّبَقُ فِيهِ تَمْرٌ، ثُمَّ جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَصَبْتُمْ شَيْئًا أَوْ أُمِرَ لَكُمْ بِشَيْءٍ؟ قَالَ فَقُلْنَا نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ۔ قَالَ فَبَيْنَا نَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُلُوسٌ إِذْ دَفَعَ الرَّاعِي غَنَمَهُ إِلَى الْمُرَاحِ وَمَعَهُ سَخْلَةٌ تَيْعَرُ فَقَالَ مَا وَلَّدْتَ يَا فُلَانُ قَالَ بَهْمَةً قَالَ فَاذْبَحْ لَنَا مَكَانَهَا شَاةً ثُمَّ قَالَ لَا تَحْسِبَنَّ وَلَمْ يَقُلْ لَا تَحْسَبَنَّ إِنَّا مِنْ أَجْلِكَ ذَبَحْنَاهَا، لَنَا غَنَمٌ مِائَةٌ لَا نُرِيدُ أَنْ تَزِيدَ فَإِذَا وَلَّدَ الرَّاعِي بَهْمَةً ذَبَحْنَا مَكَانَهَا شَاةً۔ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ لِي امْرَأَةً وَإِنَّ فِي لِسَانِهَا شَيْئًا يَعْنِي الْبَذَاءَ قَالَ فَطَلِّقْهَا إِذًا قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ لَهَا صُحْبَةً وَلِي مِنْهَا وَلَدٌ قَالَ فَمُرْهَا يَقُولُ عِظْهَا فَإِنْ يَكُ فِيهَا خَيْرٌ فَسَتَفْعَلْ وَلَا تَضْرِبْ ظَعِينَتَكَ

كَفِّرْ بِكَ أُمَيَّتَكَ - فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَخْبِرْنِي عَنِ الْوُضُوءِ قَالَ أَسْبِغِ الْوُضُوءَ وَخَلِّلْ بَيْنَ الْأَصَابِعِ وَبَالِغْ فِي الِاسْتِنْشَاقِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا -

(ترجمہ) لقیط بن صبرہ کا بیان ہے کہ میں بنی منتفق کا وفد لیکر (یا اس وفد میں) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ جب ہم لوگ وہاں پہنچے تو حضورؐ کو گھر پر موجود نہ پایا اور ہم ام المؤمنین عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے ہمارے لئے خزیرہ بنانے کا حکم دیا جو بنایا گیا اور ہمارے سامنے ایک طبق لایا گیا جس میں کھجوریں تھیں۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، فرمایا کیا تمہیں کچھ (کھانے کو) ملا ہے؟ یا یہ فرمایا کہ کیا تمہارے لئے کوئی حکم دیا گیا ہے؟ ۔لقیط کہتے ہیں کہ ہم نے کہا ہاں ! یا رسول اللہ۔ لقیطؓ کہتے ہیں کہ اس اثناء میں جبکہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ اچانک گڈریا آپؐ کی بھیڑ بکریوں کا ریوڑ لیکر آیا اور اس کے ساتھ ایک بکری کا بچہ تھا جو ممیاتا تھا۔ وہ ریوڑ کو باڑے کی طرف لے جارہا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا اے فلاں! تم نے کیا چیز جنوائی ہے؟ اس نے کہا کہ بکری کا بچہ۔ حضورؐ نے فرمایا کہ پھر اس کی جگہ پر ہمارے لئے ایک بکری ذبح کرو۔ پھر فرمایا کہ یہ نہ سمجھنا کہ ہم یہ بکری تمہاری خاطر ذبح کر رہے ہیں، بلکہ ہماری سو بکریاں ہیں جن پر اضافہ نہیں چاہتے، جب گڈریا کوئی بچہ جنوا کر لائے تو ہم اس کی جگہ پر ایک بکری ذبح کر لیتے ہیں۔ لقیطؓ نے کہا کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ میری ایک بیوی ہے جس کی زبان میں فحش گوئی پائی جاتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، پھر تم اسے طلاق دے دو۔ لقیطؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ اس کی میرے ساتھ پرانی رفاقت ہے اور میرے اس سے بچے بھی ہیں۔ فرمایا کہ پھر اسے حکم دو یعنی نصیحت کرو، اگر اس میں کچھ بھلائی ہوگی تو تمہارے کہے پر عمل کرے گی۔ اور اپنی پردہ نشین بیوی کو اس طرح مت مارو جس طرح لونڈی کو پیٹتے ہو۔ صحابی کہتے ہیں کہ پھر میں نے کہا یا رسول اللہ مجھے وضوء کے متعلق بتلائیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ وضوء کا پانی اعضاء کو اچھی طرح پہنچاؤ، انگلیاں دوسری انگلیوں میں ڈال کر صفائی کرو اور ناک میں پانی ڈال کر صفائی کرنے میں مبالغہ کرو، ہاں اگر روزہ دار ہو تو پھر مبالغہ مت کرو۔

(شرح) اس حدیث میں وضوء کے بعض احکام کے علاوہ حضورؐ کی مہمان نوازی، سیر چشمی، صحابہؓ سے شفقت و رحمت کا سلوک اور کچھ معاشرتی احکام بھی آ گئے ہیں۔

۱۴۳ - حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ كَثِيرٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ لَقِيطِ بْنِ صَبِرَةَ عَنْ أَبِيهِ وَافِدِ بَنِي الْمُنْتَفِقِ أَنَّهُ أَتَى عَائِشَةَ فَذَكَرَ مَعْنَاهُ - قَالَ فَلَمْ نَنْشَبْ أَنْ جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَقَلَّعُ يَتَكَفَّأُ وَقَالَ عَصِيدَةً مَكَانَ خَزِيرَةٍ -

(ترجمہ) لقیطؓ بن صبرہ جو بنی منتفق کا وفد لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تھے ان سے روایت ہے کہ (حضورؐ گھر پر نہ تھے) وہ ام المؤمنین عائشہؓ کے ہاں حاضر ہوئے۔ پھر اوپر والی حدیث کے مطلب کی حدیث بیان کی۔ صحابی نے کہا کہ ہم زیادہ نہ ٹھہرے تھے کہ حضورؐ با وقار تیز رفتاری سے تشریف لائے۔ اور اس حدیث میں راوی نے خزیرہ کے بجائے عصیدہ کا لفظ بولا ہے

(شرح) خزیرہ، گوشت کی چھوٹی بوٹیاں پانی میں ابالی جاتی تھیں پھر ان میں نمک ملا کر اوپر سے آٹا ڈالتے تھے اور اس میں گھی یا پنیر یا دہی وغیرہ ملاتے تھے، اسے خزیرہ کہا جاتا تھا۔ جب گوشت کے بغیر پکاتے تو عصیدہ کہلاتا تھا۔ حضورؐ کی رفتار کے متعلق لقیطؓ نے جو لفظ یَتَقَلَّعُ بولا ہے اس کا مصدر قلع ہے جس کا معنیٰ ہے اکھاڑنا۔ مطلب یہ کہ آپ کی رفتار یہ تھی کہ نپے تلے باوقار قدم اٹھاتے تھے، متکبرانہ چال نہ تھی نہ کمزور بیمار لوگوں کی طرح اِدھر اُدھر جھوم کر چلتے تھے۔ یَتَکَفَّأُ کا معنیٰ ہے تیز رفتاری سے چلتے تھے گویا کسی بلند جگہ سے نیچے اترتے ہوں اور پاؤں نزدیک نزدیک رکھتے تھے نہ یہ کہ گویا چھلانگیں لگاتے ہوں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۴۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ بِهٰذَا الْحَدِيثِ قَالَ إِذَا تَوَضَّأْتَ فَمَضْمِضْ۔

(ترجمہ) اس روایت میں ابن جریج سے اوپر تو وہی پہلی حدیث کے راوی ہیں مگر نیچے دو راوی پہلی حدیث کی نسبت مختلف ہیں اور اس میں ابن جریج نے یہ لفظ زائد بولے کہ حضورؐ نے فرمایا جب تو وضوء کرے تو کلی کر۔ یہ قولی حدیث ہے جس سے کلی کا واجب ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک پچھلی حدیث میں ناک صاف کرنے کا بھی حکم گزر چکا ہے جس سے اس کا وجوب نکلتا ہے۔ امام شوکانی نے نیل الاوطار میں فرمایا کہ کلی اور ناک صاف کرنے کے وجوب اور عدم وجوب میں فقہاء کا اختلاف ہوا ہے۔ امام احمدؒ، اسحاق بن راہویہؒ، ابو عبیدؒ، ابو ثورؒ اور ابن المنذرؒ وجوب کی طرف گئے ہیں۔ ابن ابی لیلیٰ اور حماد بن سلیمان کا قول بھی یہی ہے۔ امام نوویؒ نے مسلم کی شرح میں فرمایا کہ ابو ثورؒ، ابو عبیدؒ، داؤد ظاہری اور ابو بکر بن المنذر کا مذہب اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ بن حنبل کا بھی یہ قول ہے کہ استنشاق غسل اور وضوء دونوں میں واجب ہے اور کلی کرنا دونوں میں سنّت ہے۔ اور ان حضرات نے وجوب پر کئی دلائل دیئے ہیں۔ مثلاً چہرے کے دھونے کا حکم کتاب و سنّت سے ثابت اور فرض ہے اور کلی اور استنشاق اس غسل کو مکمل کرتے ہیں۔ ابو ہریرہؓ کی متفق علیہ حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا وضوء کرتے وقت ناک میں پانی ڈالو اور اسے خوب صاف کرو۔ اسی مضمون کی حدیث ذرا مختلف الفاظ میں سلمہؓ بن قیس سے آئی ہے جسے ترمذیؒ اور نسائیؒ نے روایت کیا ہے۔ اور لقیطؓ بن صبرہ کی حدیث جو اوپر گزری کہ حضورؐ نے استنشاق میں مبالغے کا حکم دیا اور روزہ دار کو اس سے مستثنیٰ فرمایا۔ یہ موجودہ حدیث جس میں کلی کا واضح حکم موجود ہے۔ اور دارقطنی میں ابو ہریرہؓ کی حدیث جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی اور استنشاق کا حکم دیا۔

امام مالکؒ، شافعیؒ، اوزاعیؒ، لیث بن سعدؒ، حسن بصریؒ، زہریؒ، ربیعۃ الرائیؒ، یحییٰ بن سعیدؒ، قتادہؒ، حکم بن عتیبہؒ اور ابن جریر طبریؒ کا مسلک ان دونوں کے عدم وجوب کا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، سفیان ثوریؒ اور فقہائے حنفیہ کا یہ مذہب ہے کہ غسلِ جنابت میں یہ دونوں واجب ہیں اور وضوء میں سنّت ہیں۔ حنفیہ کا استدلال یہ ہے کہ وضوء میں تین اعضاء کا دھونا اور سر کا مسح کرنا از روئے قرآن فرض ہے اور منہ کا اندرونی حصہ اور ناک کا اندرونی حصہ ان اعضاء میں سے نہیں ہے۔ اور جنابت کے غسل میں بدن کی تطہیر کا حکم ہے نہ کہ صرف بعض اعضاء کی: "وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا" اور اگر تم جنابت سے ہو تو خوب طہارت کرو۔ پس جسم کے جن حصوں کا دھونا ممکن ہو وہ اس حکم میں داخل ہیں چاہے ان کا ظاہر ہو یا باطن۔ حضورؐ نے وضوء میں جو کلی اور استنشاق پر ہمیشہ عمل فرمایا یہ سنّت ہونے کی دلیل ہے۔ جن احادیث میں قولی امر آیا ہے وہاں جمہور کے نزدیک امر سے مراد استحباب ہے نہ کہ فرضیت۔

اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جسے ترمذی نے حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے کہ حضورؐ کا ارشاد ہے: تَوَضَّأْ كَمَا أَمَرَكَ اللهُ فَاغْسِلْ وَجْهَكَ وَيَدَيْكَ وَامْسَحْ رَأْسَكَ وَاغْسِلْ رِجْلَيْكَ ۔ اس میں صرف وہی اعضاء بیان فرمائے جن کی فرضیت قرآن سے ثابت ہے اور کلی اور استنشاق کا ذکر نہیں فرمایا۔ پس یہ دونوں سُنّت ٹھہرے نہ کہ فرض۔ اور حدیث میں دس چیزوں کے متعلق حضورؐ نے فرمایا کہ یہ رسولوں کی سُنّتیں ہیں اور ان میں کلی اور استنشاق بھی ہے۔ اسی طرح ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: کلی اور استنشاق سُنّت ہے۔

۵۷۔ بَابُ تَخْلِيلِ اللِّحْيَةِ

ڈاڑھی کے خلال کے بارے میں باب

۱۴۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو تَوْبَةَ يَعْنِي رَبِيعَ بْنَ نَافِعٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الْمَلِيحِ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ زَوْرَانَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا تَوَضَّأَ أَخَذَ كَفًّا مِنْ مَاءٍ فَأَدْخَلَهُ تَحْتَ حَنَكِهِ فَخَلَّلَ بِهِ لِحْيَتَهُ وَقَالَ هٰكَذَا أَمَرَنِي رَبِّي۔

(ترجمہ) انسؓ بن مالک کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضوء کرتے تو پانی کا ایک چلّو لیکر اس کو ٹھوڑی کے نیچے داخل کرتے اور اس کے ساتھ ڈاڑھی کا خلال فرماتے اور فرمایا کرتے تھے کہ میرے ربّ نے مجھے اسی طرح حکم دیا ہے۔

(شرح) اس حدیث کے ایک راوی ولید بن زوران کے متعلق ابوداؤد کا قول ہے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ اس کا انسؓ سے سماع ہے یا نہیں۔ حافظ عسقلانیؒ نے تقریب میں اسے لین الحدیث ٹھیرایا ہے اور یہ لفظ جرح کا ہے۔ ابن دقیق العید کے نزدیک یہ شخص مجہول ہے۔ ڈاڑھی کے خلال میں علماء کے اقوال مختلف ہیں حسنؒ بن صالح، ابوثورؒ اور ظاہریہؒ کا مسلک یہ ہے کہ وہ غسل اور وضوء دونوں میں واجب ہے۔ امام مالکؒ، شافعیؒ، سفیانؒ ثوری اور اوزاعیؒ کے نزدیک ڈاڑھی کا خلال وضوء میں واجب نہیں ہے بلکہ امام مالکؒ اور مدنی فقہاء کی ایک جماعت اسے غسلِ جنابت میں بھی واجب نہیں ٹھیراتی۔ امام ابوحنیفہؒ شافعیؒ اور ان دونوں کے اصحاب، ثوریؒ، اوزاعیؒ، لیثؒ، احمد بن حنبلؒ، اسحاقؒ، ابوثورؒ، داؤدؒ، طبریؒ اور اکثر اہل علم کا قول یہ ہے کہ یہ غسلِ جنابت میں واجب ہے وضوء میں واجب نہیں فقط سُنّت ہے۔ شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ احادیث سے اس کا وجوب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ حضورؐ نے کسی اور کو اس کا حکم نہیں دیا جیسا کہ اعرابی کی حدیث میں یہ حکم نہیں ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ وضوء اس طرح کر جس طرح تجھے اللہ نے حکم دیا ہے۔ رہی موجودہ حدیث کہ: میرے ربّ نے مجھ کو یوں ہی حکم دیا ہے۔ اس سے امت پر وجوب ثابت نہیں ہوتا بلکہ حضورؐ کا اختصاص الفاظِ حدیث سے ظاہر ہے۔

۵۸۔ بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْعِمَامَةِ

عمامہ پر مسح کا باب

۱۴۶۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ ثَوْرٍ عَنْ

رَاشِدِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً فَاَصَابَهُمُ الْبَرْدُ فَلَمَّا قَدِمُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَهُمْ اَنْ يَّمْسَحُوْا عَلَى الْعَصَائِبِ وَالتَّسَاخِيْنِ۔

(ترجمہ) ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا ایک دستہ بھیجا تو انہیں سردی لگ گئی جب وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے انہیں عماموں اور موزوں پر مسح کرنے کا حکم دیا۔

(شرح) اس حدیث کے ایک راوی راشد بن سعد مُقرائی یا حُبرانی کو بقولِ حاکم دارقطنی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اسی طرح ابن حزمؒ نے بھی اسے ضعیف ٹھیرایا ہے۔ مسح علی العمامہ کا مسئلہ فقہاء میں مختلف فیہا ہے، گو اس حدیث میں مطلقاً مسح عمامہ کا ثبوت نہیں کیونکہ ان لوگوں کو سردی لگی ہوئی تھی اور حالتِ عذر میں کسی کے نزدیک بھی مسح کرنا ناجائز نہیں ہے۔ سردی سے حفاظت کی خاطر انہیں سر نہ کھولنے کی اجازت دی گئی۔ اب رہ گیا اصل اختلافی مسئلہ، سو قرآن کے الفاظ: وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔ عامۃ احادیث میں بھی مسح علی العمامہ کا کوئی ذکر نہیں۔ مگر اس کا اثبات کرنے والوں نے بعض احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے، حالانکہ انصاف کی بات یہ ہے کہ اس کا متنازعہ فیہ امر سے کوئی تعلق نہیں، یہ حالتِ عذر اور حالت مرض پر محمول ہے۔ شوکانی نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ مسح علی العمامہ میں اختلاف ہے۔ اس کے جواز کے قائلین میں اوزاعیؒ، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابوثور اور داؤد بن علی ظاہری کے نام نمایاں ہیں۔ پھر ان حضرات میں یہ اختلاف ہے کہ آیا اس کے لئے بھی موزوں کی مانند عمامہ کو طہارتِ کاملہ کی حالت میں باندھنا اور دوسرے وضو تک نہ اتارنا شرط ہے یا نہیں۔ ابوثور اور حنابلہ نے کہا کہ موزوں کی مانند مسح عمامہ میں بھی پہنتے وقت پوری طہارت کا ہونا شرط ہے۔ دوسروں نے یہ شرط نہیں لگائی۔ اسی طرح اس کی توقیت میں اختلاف ہے کہ آیا موزوں کی مانند اس کے لئے بھی مقیم کے لئے ایک دن رات اور مسافر کے لئے تین دن رات کی گنجائش ہے کہ نہیں؟ ابوثور نے اس میں بھی موزوں کی مانند یہی شرط رکھی ہے۔ جمہورِ علماء وفقہاء کے نزدیک جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں فرمایا، صرف عمامہ پر مسح جائز نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ سر پر بھی مسح نہ ہو۔ امام ترمذیؒ کا قول ہے کہ کئی صحابہؓ نے کہا ہے کہ جب تک سر پر مسح نہ کرے صرف عمامہ پر جائز نہیں۔ ابن رسلان شارحِ سننِ ابی داؤد نے لکھا ہے کہ امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب کا بھی بالکل یہی مذہب ہے، اور ابن رسلان نے حدیث زیرِ نظر کے متعلق کہا ہے کہ اس میں اختصار واقع ہوا ہے، دراصل حضور کا حکم ناصیہ اور عمامہ دونوں کے لئے تھا۔ ناصیہ کا معنیٰ ہے سر کا اگلا چوتھائی حصہ۔ یہی مسلک سفیان ثوریؒ، مالکؒ، عبداللہ بن المبارک اور شافعیؒ کا ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ سر کا مسح تو بر بنائے قرآن متیقن ہے اور عمامہ کا مسح جن احادیث میں ہے ان کی تاویل ممکن ہے۔ پس یقینی حکم کو غیر یقینی کے باعث ترک نہیں کیا جا سکتا۔ سر پر گو بال ہوتے ہیں مگر انہیں سر کے لفظ سے ہی تعبیر کیا جاتا ہے، عمامے کو کوئی بھی سر نہیں کہتا۔ امام محمد بن الحسن شیبانی نے مؤطا میں فرمایا ہے کہ عمامے یا دوپٹے پر مسح جائز نہیں۔ ہمیں خبر ملی ہے کہ عمامہ کا مسح پہلے تھا مگر پھر متروک ہو گیا تھا۔ بقول مولانا عبدالحیٔ لکھنوی مسحِ عمامہ کی احادیث جو عمروؓ بن امیہ ضمری، ابن المغیرہ بنؓ شعبہ اور انسؓ سے مروی ہیں وہ سب معلول ہیں۔

۱۴۷۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ

عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ اَبِيْ مَعْقِلٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ قِطْرِيَّةٌ فَاَدْخَلَ يَدَهُ مِنْ تَحْتِ الْعِمَامَةِ فَمَسَحَ مُقَدَّمَ رَأْسِهِ فَلَمْ يَنْقُضِ الْعِمَامَةَ ۔

(ترجمہ) انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا اور آپؐ کے سر مبارک پر ایک قطری عمامہ تھا پس آپؐ نے اپنا ہاتھ عمامے کے نیچے داخل کیا اور سر کے اگلے حصے کا مسح کیا اور عمامہ کے پیچ نہیں کھولے (نہ اسے اتارا)

(شرح) اس حدیث میں عمامہ کا مسح مذکور نہیں بلکہ عمامہ کے نیچے سر کا مسح مذکور ہے۔ جن روایات میں عمامہ کا مسح آیا ہے غالباً ان مواقع پر بھی ایسا ہی ہوا ہوگا کہ عمامہ کے نیچے ہاتھ ڈال کر سر کا مسح کیا ہوگا مگر ہاتھ عمامہ پر بھی پڑ گیا تو دیکھنے والوں نے اسے عمامہ کا مسح سمجھ لیا۔ عامۃ احادیث اس کے ذکر سے یکسر خاموش ہیں۔ قطری عمامہ سے مراد وہ منقش عمامہ تھا جو قطر (بحرین) میں تیار ہوتا تھا۔ حدیث میں وسوسہ زدہ لوگوں کے لئے بھی عبرت وموعظت ہے کہ عمامہ سر سے اتار دینا یا اسے ضرور ہی کھول دینا کوئی نیکی نہیں۔ سید الوجودؐ نے جب اس کی سر کے بعض حصوں پر موجودگی میں مسح کیا تو اس کے خلاف کرنا کوئی نیکی نہیں مگر اتنا ضرور ہے کہ یہ حدیث معلول ہے کیونکہ احمد بن صالح راوی کو نسائی نے ضعیف اور ابن معین نے کذاب کہا ہے، گو جمہور علمائے اصول کے نزدیک وہ ثقہ راوی ہے۔ اسی طرح ابو معقل کو ابن القطان نے مجہول ٹھیرایا ہے۔ ابو علی السکن کا قول ہے کہ اس حدیث کی سند ثابت نہیں ہے، حافظ ابن عبد البرؒ نے بھی اسے مجہول کہا ہے۔ صاحب بذل المجہود مولانا خلیل احمد فرماتے ہیں کہ جو شخص سارے سر کا مسح کرنے کی خاطر عمامہ اتارے اس کا فعل وسوسہ میں نہیں آتا، اس حدیث میں بھی تو یہی ہے کہ حضورؐ نے اس موقع پر سارے سر کا مسح نہیں کیا بلکہ صرف ناصیہ کا مسح کیا تھا۔

۵۹۔ بَابُ غَسْلِ الرِّجْلِ

پاؤں کے دھونے کا باب

۱۴۸۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيْعَةَ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحُبُلِيِّ عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ يَدْلُكُ اَصَابِعَ رِجْلَيْهِ بِخِنْصَرِهِ ۔

(ترجمہ) مستوردؓ بن شداد نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب وضو کرتے تو اپنی چھنگلیا سے دونوں پاؤں کی انگلیوں کو ملتے تھے۔

(شرح) سنن ابی داؤد کے ایک نسخے میں اس باب کا عنوان یوں آیا ہے: بَابُ تَخْلِيْلِ اَصَابِعِ الرِّجْلَيْنِ۔ ایک نسخے میں بَابُ غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ آیا ہے۔ اس حدیث کے راوی ابن لہیعہ پر طویل گفتگو ہوئی ہے۔ اس کا نام نسب یہ ہے: عبد اللہ بن لہیعہ بن عقبۃ الحضرمی، ابو عبد الرحمن المصری الفقیہ القاضی۔ امام ترمذیؒ کا قول ہے کہ ابن لہیعہ کو یحییٰ بن سعید القطان وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ ابو داؤدؒ نے احمد بن حنبل کے حوالے سے کہا ہے کہ: مصر میں کثرتِ حدیث اور ضبط و اتقان میں

ابن لہیعہ جیسا کون تھا؟ امام بخاریؒ نے یحیی بن بکیر سے روایت کی ہے کہ ابن لہیعہ کی کتابیں ۱۷۰ھ میں جل گئی تھیں یحیی بن عثمان بن صالح نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ اس کی ساری کتابیں نہیں جلی تھیں صرف بعض جل گئی تھیں۔ ابن ابی مریم کا قول ہے کہ اس کی کتابیں نہیں جلیں۔ سفیان ثوریؒ نے کہا کہ میں نے صرف ابن لہیعہ سے ملنے کی خاطر کئی بار حج کا سفر کیا۔ امام مسلمؒ نے ابن لہیعہ سے جب بھی روایت کی ہے کسی دوسرے راوی کو ساتھ ملا کر کی ہے، گویا وہ اکیلا حجت نہیں۔ امام بخاریؒ نے کتاب الفتن، کتاب الاعتصام، سورۂ نساء کی تفسیر، سورۂ طلاق کے آخر میں اور کئی اور جگہوں میں ابن لہیعہ کا نام لئے بغیر دوسرے راویوں کے ساتھ ملا کر اس سے روایت کی ہے اور وہ یقیناً ابن لہیعہ ہیں۔ امام مسلمؒ نے دو جگہوں پر اس سے استدلال کیا ہے۔ بعض نُقّاد کا خیال ہے کہ ابن لہیعہ سے جب یہ لوگ روایت کریں تو روایت صحیح ہوتی ہے: عبداللہ بن المبارک، عبداللہ بن وہب اور عبداللہ المقریؒ۔ امام نسائی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ یہی تنقید ابن معین کی بھی ہے۔ ابو عبداللہ حاکم نے کہا ہے کہ کتابیں جل جانے کے بعد کی روایات جو اس نے حافظہ سے کی ہیں ان میں خطاء واقع ہوگئی تھی ورنہ وہ کوئی کذاب نہ تھا۔ ابو حاتم اور ابو زرعہ رازی نے ابن لہیعہ کو ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کا معاملہ گڑبڑ ہے۔ ابن سعد نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ ابن مہدی، یحیی بن سعید القطان اور وکیع اسے متروک قرار دیتے ہیں۔ ابن حبان نے بھی اسے یکسر متروک قرار دیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ابن لہیعہ کی روایت سے گریز ہی بہتر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۶۰- بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

موزوں پر مسح کا باب

۱۴۹- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَبَّادُ بْنُ زِيَادٍ أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ الْمُغِيرَةَ رضی اللہ عنہ يَقُولُ عَدَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا مَعَهُ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَعَدَلْتُ مَعَهُ فَأَنَاخَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَبَرَّزَ ثُمَّ جَاءَ فَسَكَبْتُ عَلَى يَدِهِ مِنَ الْإِدَاوَةِ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثُمَّ حَسَرَ عَنْ ذِرَاعَيْهِ فَضَاقَ كُمَّا جُبَّتِهِ فَأَدْخَلَ يَدَيْهِ فَأَخْرَجَهُمَا مِنْ تَحْتِ الْجُبَّةِ فَغَسَلَهُمَا إِلَى الْمِرْفَقِ وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ ثُمَّ تَوَضَّأَ عَلَى خُفَّيْهِ ثُمَّ رَكِبَ فَأَقْبَلْنَا نَسِيرُ حَتَّى نَجِدَ النَّاسَ فِي الصَّلٰوةِ قَدْ قَدَّمُوا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ فَصَلَّى بِهِمْ حِينَ كَانَ وَقْتُ الصَّلٰوةِ وَوَجَدْنَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ وَقَدْ رَكَعَ بِهِمْ رَكْعَةً مِنْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَفَّ مَعَ الْمُسْلِمِينَ فَصَلَّى وَرَاءَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ الرَّكْعَةَ الثَّانِيَةَ ثُمَّ سَلَّمَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فِي صَلَاتِهِ فَفَزِعَ الْمُسْلِمُونَ فَأَكْثَرُوا التَّسْبِيحَ لِأَنَّهُمْ سَبَقُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالصَّلَاةِ فَلَمَّا سَلَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُمْ قَدْ أَصَبْتُمْ أَوْ قَدْ أَحْسَنْتُمْ۔

(ترجمہ) عروہ بن مغیرہ نے اپنے باپ مغیرہؓ بن شعبہ کو فرماتے سنا کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اثنائے سفر میں راستے سے ہٹ کر اپنی سواری کو ہٹا کر ایک طرف کو تشریف لے گئے۔ میں آپؐ کے ساتھ تھا۔ آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ پھر جب واپس ہوئے تو میں نے ایک لوٹے سے آپؐ کے ہاتھ پر پانی ڈالا تو آپؐ نے ہاتھ دھوئے، پھر چہرہ دھویا۔ پھر آپ نے اپنے بازو ننگے کرنے چاہے مگر جبے کی آستینیں تنگ تھیں اس لئے آپ نے آستینوں میں ہاتھ ڈال کر جبّے کے نیچے سے انہیں نکالا اور کہنیوں تک انہیں دھویا اور سر کا مسح کیا پھر موزوں پر مسح کیا پھر سوار ہوئے۔ ہم جب لشکر میں واپس آئے تو دیکھا کہ لوگ نماز میں تھے اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو امام بنا رکھا تھا کیونکہ نماز کا وقت ہو چکا تھا اور ہم نے دیکھا کہ عبدالرحمٰن انہیں نماز فجر کی ایک رکعت پڑھا چکے تھے۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صف میں مسلمانوں کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور دوسری رکعت عبدالرحمٰن کے پیچھے پڑھی پھر عبدالرحمٰن نے سلام کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں کھڑے ہو گئے۔ مسلمان گھبرا گئے اور انہوں نے بہت تسبیح پڑھی کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نماز میں مشغول ہو گئے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کہا تو ان سے فرمایا تم نے درست کیا یا فرمایا تم نے اچھا کیا۔

(شرح) موزوں کے مسح کے جواز پر روافض و خوارج اور ابوداؤد کے سوا ساری امت کا اجماع ہے لاتعداد صحابہؓ نے اس کی روایت کی ہے۔ حسنؒ بصری کا قول ہے کہ مجھ سے ستر اصحابؓ نے بیان کیا کہ حضورؐ موزوں پر مسح فرماتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں صراحت کی ہے کہ حُفّاظِ حدیث کی ایک جماعت نے مسح علی الخفین کی احادیث کو متواتر ٹھیرایا ہے۔ بعض محدثین نے اس کے راویوں کی تعداد کو جمع کیا تو اسی سے اوپر نکلی۔ ان میں سے عشرہ مبشرہؓ بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اس کو اہل سنت و جماعت کی شرائط میں شمار کیا اور فرمایا کہ: سنت و جماعت کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ تم ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو افضل جانو، عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت کرو اور موزوں پر مسح کرنے کو جائز سمجھو۔ اور امام ابوحنیفہؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے موزوں پر مسح کو اس وقت تک سنت قرار نہ دیا جب تک اس کے دلائل دن کی روشنی کی طرح میرے سامنے نہ آ گئے۔ اس سے انکار کرنا کیا رصحابہؓ کی بات کو رد کرنا اور انہیں خطاء سے منسوب کرنا ہے اور یہ فعل بدعت ہے۔ امام کرخیؒ نے کہا کہ جو موزوں کے مسح کا قائل نہیں مجھے اس پر کفر کا شبہ ہے۔ اور کرخیؒ نے ابوحنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: اگر موزوں کا مسئلہ بے غبار اور واضح نہ ہوتا تو ہم مسح نہ کرتے۔ ابوحنیفہؒ کے اس قول سے معلوم ہو گیا کہ ابن عباسؓ سے جو مسح کا انکار مروی ہوا ہے وہ ثابت شدہ امر نہیں ہے۔ عبداللہؒ بن مبارک نے کہا کہ اگر کسی صحابی سے اس میں اختلاف نقل ہوا ہے تو اسی کے قوی ثابت شدہ اقوال سے اثبات بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ سنت نے ہم پر یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ موزوں پر مسح کرنا رخصت نہیں ہے کہ اس کے مقابلے میں غسل رجلین (پاؤں دھونا) کو عزیمت قرار دیا جائے۔ یہ مسئلہ اصولِ فقہ میں شرح و بسط سے آ چکا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے بظاہر قضائے حاجت کے بعد پانی استعمال نہیں فرمایا تھا۔ اور تَوَضَّأَ عَلٰی خُفَّيْهِ سے مراد مَسَحَ عَلٰی خُفَّيْهِ ہے، ورنہ موزوں کو دھونے کا تو کوئی بھی قائل نہیں ہوا اور مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں کہ: آپؐ نے وضوء فرمایا اور پھر موزوں پر مسح کیا۔ توضّأ کا مجازاً مسح بھی ہو سکتا ہے جس طرح کبھی کبھی توسعاً مسح سے مراد غسلِ خفیف ہوتا ہے۔ (بشرطیکہ اس معنی کی شرعی دلیل موجود ہو)۔ اس حدیث میں تنگ آستینوں والا لباس پہننا حضورؐ سے ثابت ہوا۔ یہ مسئلہ بھی معلوم

ہوگیا کہ امام عارضی طور پر غیر حاضر ہو تو اس کا انتظار کئے بغیر دوسرا امام کھڑا کر دینا جائز ہے۔ حضورؐ نے اسی حدیث میں فعلاً و قولاً اس کی تصویب فرمائی ہے۔ حدیث میں جو لوگوں کے گھبرانے اور تسبیح کی کثرت کا ذکر ہے، سو گھبرانے کا باعث تو یہ تھا کہ انہوں نے حضورؐ پر سبقت کی اور آپ کی ایک رکعت بھی رہ گئی جو حضورؐ نے اکیلے ہی ادا فرمائی۔ تسبیح کا ذکر اسی حدیث کی بعض روایات میں نماز کے اندر آیا ہے جیسا کہ موطا کی شرح زرقانی میں ہے کہ حضورؐ تشریف لائے تو لوگوں نے سبحان اللہ سبحان اللہ کہنا شروع کر دیا، عبدالرحمٰنؓ پیچھے ہٹنے لگے مگر حضورؐ نے اشارے سے منع فرمایا، مگر ابوداؤد کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تسبیح اس وقت کہی گئی جبکہ نماز کا سلام ہوگیا اور حضورؐ اٹھ کر فوت شدہ رکعت کو پڑھنے لگے۔ شاید دونوں موقعوں پر تسبیح بلند کی گئی ہو کیونکہ واقعہ غیر معتاد قسم کا تھا۔ امام نوویؒ نے فرمایا کہ اس حدیث سے کئی مسائل نکلتے ہیں۔ (ا) مفضول کے پیچھے افضل کی نماز جائز ہے۔ (ب) پیغمبر ضرورت کے وقت امتی کی اقتداء کر سکتا ہے۔ (ج) اول مسنون وقت میں نماز افضل ہے۔ (د) امام اگر کسی وجہ سے غیر حاضر ہو تو کسی اور کو امام بنایا جا سکتا ہے۔ (ھ) مسبوق امام کے سلام کے بعد اپنی باقی ماندہ نماز ادا کرے۔ (و) مسبوق پر امام کی اقتداء واجب ہے۔ (ز) مسبوق امام سے اس وقت جدا ہوتا ہے جب امام سلام کہہ دے۔

حضورؐ نے اپنی امت میں سے فقط ابوبکر صدیقؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے پیچھے نماز ادا فرمائی ہے۔ اس سے ان دونوں حضرات کا مقام رفیع ثابت ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ رہا کہ ابوبکرؓ کی اقتداء متعدد بار فرمائی اور عبدالرحمٰن کی صرف ایک بار۔ ابوبکرؓ ایک بار حضورؐ کے اشارے کے باوجود پیچھے ہٹ گئے یہ ان کا کمال ادب تھا، عبدالرحمٰنؓ اشارے کے بعد پیچھے نہ ہٹے یہ ان کا امتثال امر تھا۔ کبھی ادب امر پر فوقیت رکھتا ہے اور کبھی امر کو ادب پر فوقیت ہوتی ہے۔

۱۵۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى يَعْنِي ابْنَ سَعِيدٍ ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ عَنِ التَّيْمِيِّ قَالَ حَدَّثَنَا بَكْرٌ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ ابْنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ نَاصِيَتَهُ وَذَكَرَ فَوْقَ الْعِمَامَةِ قَالَ عَنِ الْمُعْتَمِرِ سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ ابْنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنِ الْمُغِيرَةِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَعَلَى نَاصِيَتِهِ وَعَلَى عِمَامَتِهِ۔ قَالَ بَكْرٌ وَقَدْ سَمِعْتُهُ مِنِ ابْنِ الْمُغِيرَةِ۔

(ترجمہ) مغیرہؓ بن شعبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء فرمایا اور سر کے اگلے حصے کا مسح فرمایا اور راوی نے عمامے کے اوپر کا بھی ذکر کیا۔ دوسری روایت کے الفاظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موزوں پر اور سر کے اگلے حصے پر اور عمامہ پر مسح فرماتے تھے۔

(شرح) اس حدیث کا راوی سلیمان تیمی بقول یحییٰ بن معین مدلس ہے۔ یحییٰ بن سعید القطان نے کہا کہ اس کی مرسل روایت لاشئے ہے۔ تاریخ بخاری میں ہے کہ جب وہ حسنؒ اور ابن سیرینؒ سے روایت کرے تو سَمِعْتُ اور حَدَّثَنَا کے

الفاظ سے قابلِ اعتماد ہے ورنہ نہیں۔ محدثین کے نزدیک اس حدیث کا راوی ابن المغیرہ حمزہؒ ہے مگر گذشتہ حدیث میں اس کا نام عروہ آیا ہے۔ قاضی عیاضؒ نے اس کی تصریح کی ہے کہ بکر کی روایت میں تو ابن المغیرہ سے مراد حمزہ ہی ہے، گو اپنے باپ مغیرہؓ سے یہ حدیث ان کے دونوں بیٹوں حمزہؓ اور عروہؓ نے روایت کی ہے۔ جہاں تک مسح عمامہ کے مسئلے کا تعلق ہے اس پر گفتگو اوپر گزر چکی ہے۔ مسح علی الخفین پر اجمالی کلام ابھی ابھی گزرا۔

۱۵۱- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عُرْوَةَ بْنَ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ يَذْكُرُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَكْبِهِ وَمَعِي إِدَاوَةٌ فَخَرَجَ لِحَاجَتِهِ ثُمَّ أَقْبَلَ فَتَلَقَّيْتُهُ بِالْإِدَاوَةِ فَأَفْرَغْتُ عَلَيْهِ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ وَوَجْهَهُ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُخْرِجَ ذِرَاعَيْهِ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنْ صُوفٍ مِنْ جِبَابِ الرُّومِ ضَيِّقَةُ الْكُمَّيْنِ فَضَاقَتْ فَادَّرَعَهُمَا ادِّرَاعًا ثُمَّ أَهْوَيْتُ إِلَى الْخُفَّيْنِ لِأَنْزِعَهُمَا فَقَالَ لِي دَعِ الْخُفَّيْنِ فَإِنِّي أَدْخَلْتُ الْقَدَمَيْنِ الْخُفَّيْنِ وَهُمَا طَاهِرَتَانِ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا، قَالَ أَبِي قَالَ الشَّعْبِيُّ شَهِدَ لِي عُرْوَةُ عَلَى أَبِيهِ وَشَهِدَ أَبُوهُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(ترجمہ) مغیرہؓ بن شعبہ نے فرمایا کہ ہم لوگ کچھ سواروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور میرے ساتھ ایک لوٹا تھا۔ حضورؐ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے، پھر واپس آئے تو میں آپ کو لوٹا لے کر آگے جا کر ملا اور آپؐ کے ہاتھوں پر پانی ڈالا آپ نے ہاتھ دھوئے اور چہرہ دھویا۔ پھر اپنے بازوؤں کو باہر نکالنا چاہا اور آپؐ نے اس وقت تنگ آستینوں کا ایک رومی جبہ پہنا ہوا تھا۔ اس کی آستینیں بازوؤں کو نکالنے میں رکاوٹ بنیں تو آپؐ نے بازوؤں کو جبے کے نیچے سے باہر نکال لیا۔ پھر میں نے آپؐ کے موزے اتارنے کا ارادہ کیا تو مجھے فرمایا: موزوں کو رہنے دو، میں نے ان میں پاؤں پاکیزگی کی حالت میں ڈالے تھے۔ پس آپؐ نے موزوں پر مسح کیا۔ عیسیٰ بن یونس کا بیان ہے کہ میرے باپ نے حلفاً شعبی کے حوالے سے بیان کیا اور اس نے حلفاً عروہ بن مغیرہؓ کے حوالے سے اور اس کے باپ مغیرہؓ نے حلفاً اور تاکیداً حضورؐ کی طرف سے یہ حدیث سنائی۔

(شرح) یحییٰ بن سعید القطان نے اس حدیث کے ایک راوی یونس پر شدید الغفلت ہونے کا حکم لگایا ہے۔ امام احمدؒ نے کہا کہ اس کی حدیث مضطرب ہے۔ ابو حاتمؒ اس کی حدیث کو لائق استدلال نہیں جانتے۔ بہر حال وہ متکلم فیہ ہے گو اکثر محدثین نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ پانی کی موجودگی میں بھی صرف پتھروں اور ڈھیلوں سے استنجا کرنا جائز ہے کیونکہ حضورؐ کے فعل سے یہی ثابت ہوا ہے۔ فقہاء اس پر متفق ہیں کہ پانی سے استنجاء افضل ہے اور ڈھیلوں پر اکتفاء جائز اور رخصت ہے۔ رومی جبہ جس کا ذکر اس حدیث میں ہے

ظاہر ہے کہ کفار کے ہاتھ کا بنا ہوا تھا۔ اسلام ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں متعصب نہیں ہے۔ رُوم سے مراد یہاں پر شام کا وہ علاقہ ہے جس پر اُس وقت اہل روم کا قبضہ تھا۔ بعض روایات میں جُبّہ شامیۃ کا لفظ ہے

۱۵۲۔ حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ وَعَنْ زُرَارَةَ بْنِ اَبِي اَوْفٰى اَنَّ الْمُغِيْرَةَ بْنَ شُعْبَةَ قَالَ تَخَلَّفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ هٰذِهِ الْقِصَّةَ، قَالَ فَاَتَيْنَا النَّاسَ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ يُّصَلِّيْ بِهِمُ الصُّبْحَ فَلَمَّا رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَادَ اَنْ يَّتَاَخَّرَ فَاَوْمٰى اِلَيْهِ اَنْ يَّمْضِيَ قَالَ فَصَلَّيْتُ اَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَةً فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى الرَّكْعَةَ الَّتِيْ سُبِقَ بِهَا وَلَمْ يَزِدْ عَلَيْهَا شَيْئًا۔ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ: اَبُوْسَعِيْدٍ الْخُدْرِيُّ وَابْنُ الزُّبَيْرِ وَابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُوْنَ مَنْ اَدْرَكَ الْفَرْدَ مِنَ الصَّلٰوةِ عَلَيْهِ سَجْدَتَا السَّهْوِ۔

(ترجمہ) مغیرہ رضؓ بن شعبہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر سے پیچھے رہ گئے اور پھر مغیرہ رضؓ نے یہ قصہ بیان کیا۔ کہا کہ پھر ہم لوگوں کے پاس آئے تو عبدالرحمٰن بن عوف انہیں صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ پس جب اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو پیچھے ہٹنا چاہا مگر حضورؐ نے اشارہ فرمایا کہ نماز جاری رکھے۔ مغیرہ رضؓ نے کہا کہ میں نے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ ایک رکعت پڑھی۔ جب امام نے سلام کہا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور وہ رکعت پڑھی جو پہلے ہو چکی تھی اور اس پر کچھ اضافہ نہ فرمایا۔

ابوداؤد نے کہا کہ ابوسعید خدری رضؓ، ابن زبیرؓ اور ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جو شخص نماز میں سے ایک رکعت پائے اس کے ذمہ سہو کے دو سجدے ہیں۔

(شرح) اس حدیث کا راوی ہدبہ بن خالد عامۃ محدثین کے نزدیک ثقہ ہے مگر امام نسائی نے اسے ایک مرتبہ ضعیف اور ایک مرتبہ قوی کہا ہے۔ ابوداؤدؒ نے روایت کے آخر میں تین اصحاب کا جو مذہب بیان کیا ہے وہی عطاءؒ بن ابی رباح، مجاہدؒ، طاؤسؒ اور اسحاقؒ بن راہویہ کا ہے۔ ان سب حضرات کے قول کا سبب یہ ہے کہ جس کی رکعت رہ گئی ہو اس کی نماز میں نقص واقع ہو جاتا ہے جسے پورا کرنے کے لئے سجدۂ سہو واجب ہے۔ مولانا رشید احمدؒ گنگوہی نے اس کا سبب یہ بتایا کہ وہ شخص چونکہ پہلی رکعت پر بیٹھا ہے جو بیٹھنے کا مقام نہ تھا لہٰذا اس نقصان کو پورا کرنے کے لئے سجدۂ سہو ان حضرات نے واجب جانا۔ جمہور کا مسلک اس کے خلاف ہے کیونکہ حضورؐ نے اس موقع پر سجدۂ سہو نہیں کیا۔

۱۵۳۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَبِيْ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِيْ بَكْرٍ يَعْنِي ابْنَ حَفْصِ بْنِ عُمَرَ بْنِ سَعْدٍ سَمِعَ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ اَنَّهُ شَهِدَ

عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ يَسْأَلُ بِلَالًا عَنْ وُضُوءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يَخْرُجُ يَقْضِي حَاجَتَهُ فَآتِيهِ بِالْمَاءِ فَيَتَوَضَّأُ وَيَمْسَحُ عَلَى عِمَامَتِهِ وَمُوقَيْهِ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَهُوَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ مَوْلَى بَنِي تَيْمِ بْنِ مُرَّةَ.

(ترجمہ) بلال رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمن بن عوف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کے بارے میں سوال پر بتایا کہ حضور باہر تشریف لے جاتے اور قضائے حاجت فرماتے میں آپ کے پاس پانی لایا کرتا تو وضوء فرماتے اور اپنے عمامہ پر اور موزوں پر مسح فرماتے۔ سند میں جو ابو عبداللہ مذکور ہے اس کے متعلق ابوداؤد نے کہا کہ وہ بنی تیم بن مرہ کا غلام تھا۔

(شرح) یہ ابو عبداللہ جس کا ذکر ابوداؤد نے کیا ہے معروف ثقہ راوی ہے مگر حافظ ابن عبدالبر نے اسے مجہول قرار دیا ہے اور اس حدیث کی سند کو مقلوب و مضطرب ٹھیرایا ہے۔ مسح عمامہ پر اس سے قبل گفتگو ہو چکی ہے۔

۱۵۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ الدِّرْهَمِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ دَاوُدَ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَامِرٍ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ أَنَّ جَرِيرًا بَالَ ثُمَّ تَوَضَّأَ فَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَقَالَ مَا يَمْنَعُنِي أَنْ أَمْسَحَ وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ. قَالُوا إِنَّمَا كَانَ ذٰلِكَ قَبْلَ الْمَائِدَةِ قَالَ مَا أَسْلَمْتُ إِلَّا بَعْدَ نُزُولِ الْمَائِدَةِ.

(ترجمہ) جریر بن عبداللہ بجلی نے بول کیا پھر وضوء کیا اور موزوں پر مسح کیا اور کہا کہ مجھے مسح کرنے سے کون سی چیز روک سکتی ہے جبکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسح کرتے دیکھا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ واقعہ تو سورہ مائدہ کے نزول سے پہلے کا ہے۔ جریر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اسلام ہی المائدہ کے نزول کے بعد لایا تھا۔

(شرح) بکیر بن عامر کو یحییٰ بن سعید القطان، ابوزرعہ رازی، نسائی اور ابن حجر عسقلانی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن سعد نے اسے ان شاء اللہ کہہ کر ثقہ ٹھیرایا ہے اور ابو عبداللہ حاکم نے بھی۔ سورۂ مائدہ کا ذکر حدیث کے آخر میں اس لئے آیا ہے کہ اس میں آیۃ الوضوء ہے اور اسی آیت میں پاؤں دھونے کا حکم ہے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ موزوں پر مسح کا جواز اس سے پہلے تھا مگر جریر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تو اسلام ہی اس کے بعد قبول کیا تھا اور حضور کو مسح کرتے دیکھا تھا۔ یہ نسخ نہیں بلکہ قرآنی حکم میں ایک رخصت و جواز کی صورت ہے۔ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ میں دوسری قرأت أَرْجُلِكُمْ ہے جسے موزوں کے مسح پر محمول کیا گیا ہے مگر اس صورت میں إِلَى الْكَعْبَيْنِ کا لفظ حائل ہوگا کیونکہ مسح تو ٹخنوں تک نہیں ہوتا۔

۱۵۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَأَحْمَدُ بْنُ شُعَيْبٍ الْحَرَّانِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ قَالَ حَدَّثَنَا دَلْهَمُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ حُجَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّجَاشِيَّ أَهْدَى إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ أَسْوَدَيْنِ سَاذِجَيْنِ فَلَبِسَهُمَا ثُمَّ تَوَضَّأَ وَ

مَسَحَ عَلَيْهِمَا۔ قَالَ مُسَدَّدٌ عَنْ دَلْهَمِ بْنِ صَالِحٍ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ هٰذَا مِمَّا تَفَرَّدَ بِهِ أَهْلُ الْبَصْرَةِ۔

(ترجمہ) بریدہؓ سے روایت ہے کہ شاہِ نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو سیاہ سادہ موزے بطور تحفہ بھیجے۔ حضورؐ نے انہیں پہنا اور ان پر مسح فرمایا۔ ابوداؤد نے کہا کہ مسدد نے عَنْ کے لفظ سے روایت کی۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث صرف اہلِ بصرہ کی روایت سے آئی ہے۔

(شرح) دلہم بن صالح راوی کو ابن معینؒ اور ابن حبانؒ نے ضعیف، منکر الحدیث کہا ہے۔ ابوداؤدؒ اس کی روایت میں جرح نہیں جانتے۔ اسی طرح حجیر کو ابن عدیؒ نے مجہول کہا ہے مگر ابن حبانؒ نے ثقہ ٹھہرایا ہے۔ امام احمدؒ نے ابن بریدہؓ (عبداللہ) کو ضعیف قرار دیا ہے مگر ابوعبداللہ الحاکم نے اس فیصلے پر تعجب کا اظہار کیا ہے۔ امام ابوداؤدؒ کے اس قول پر کہ اس حدیث کی سند میں سب بصری راوی ہیں، محدث ولی الدین اظہارِ حیرت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسدد کے سوا باقی سب راوی کوفہ کے رہنے والے تھے تو ابوداؤد کا یہ قول تعجب خیز ہے۔ مولانا خلیل احمدؒ فرماتے ہیں کہ رواۃِ حدیث میں غالب تعداد بصریوں کی ہی ہے۔ مثلاً مسدد، بُریدہ اسلمیؓ اور ان کا بیٹا عبداللہ (جو مدینہ سے بصرہ جا بسے تھے) پس یہ تین راوی ہوئے اور وکیع اور دلہم کوفی اور حجیر کے متعلق معلوم نہیں کہ بصری ہے یا کوفی۔ سو ابوداؤد کے قول کا یہی مطلب ہے کہ زیادہ راوی بصری ہیں۔

۱۵۶۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ حَيٍّ هُوَ الْحَسَنُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَامِرٍ الْبَجَلِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي نُعْمٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَنَسِيتَ قَالَ بَلْ أَنْتَ نَسِيتَ، بِهٰذَا أَمَرَنِي رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ۔

(ترجمہ) مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا تو میں نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ بھول گئے ہ فرمایا نہیں بلکہ تم بھولے ہو۔ میرے عزت وجلال والے ربّ نے مجھے اس کا حکم دیا ہے۔

(شرح) عبدالرحمٰن بن ابی نُعم کو یحییٰ بن معین نے ضعیف کہا ہے۔ ابن حبان نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اہلِ کوفہ کے عابدوں میں سے تھا جو لمبی بھوک پر بھی صبر کر سکتا تھا۔ حجاج بن یوسف نے انہیں قتل کرنے کے لئے پکڑا اور پندرہ دن تک ایک تاریک گھر میں بند رکھا۔ پھر اسے کھولنے کا حکم دیا تاکہ اس کے دفن کا انتظام کیا جائے۔ دروازہ کھلا تو وہ کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ حجاج نے اسے چھوڑ کر کہا جہاں چاہو چلے جاؤ۔ ابن سعد اور نسائی نے اسے ثقہ کہا ہے۔ حضورؐ نے جو صحابی کو فرمایا کہ تم بھول گئے ہو اس کا مطلب یہ تھا کہ تمہیں سوال کا ڈھنگ نہیں آیا، پوچھنا یہ چاہیے تھا کہ حضور! آپ نے پاؤں پر مسح کیوں فرمایا ہے درآنحالیکہ آیتِ وضوء میں تو پاؤں دھونے کا حکم ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم نے میری طرف نسیان کی نسبت کی ہے یہ تمہاری بھول ہے۔

۶۱- بَابُ التَّوْقِيتِ فِي الْمَسْحِ

مسح میں وقت مقرر کرنے کا باب

۱۵۷- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ وَحَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ الْجَدَلِيِّ عَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ لِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَّلِلْمُقِيمِ يَوْمٌ وَّلَيْلَةٌ - قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ مَنْصُورُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ بِإِسْنَادِهِ قَالَ فِيهِ وَلَوِ اسْتَزَدْنَاهُ لَزَادَهُ -

(ترجمہ) خزیمہ بن ثابتؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا موزوں پر مسح مسافر کے لئے تین دن ہے اور مقیم کے لئے ایک دن رات ہے دوسری سند سے اسی روایت کے آخر میں حضرت خزیمہؓ کے یہ الفاظ مروی ہیں کہ اگر ہم وقت میں اضافے کی درخواست کرتے تو حضورؐ اضافہ فرما دیتے۔

(شرح) اس حدیث کی سند میں حکم کے ساتھ حماد کا نام ہے۔ یہ حماد بن ابی سلیمان ہے جو محدثین کے نزدیک متکلم فیہ ہے۔ نیز امام بخاریؒ کے بقول ابو عبد اللہ جدلی کا سماع حضرت خزیمہؓ سے ثابت نہیں ہوا۔ اسی طرح ابراہیم نخعیؒ کا سماع ابو عبد اللہ جدلی سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا۔ مگر ابو عبد اللہ جدلی کا امکان ملاقات خزیمہؓ سے رد نہیں کیا جا سکتا، پس یہ حدیث اگرچہ بخاریؒ کی شرط کے مطابق نہیں مگر مسلم اور دیگر عامۂ محدثین کا مسلک اس باب میں بخاری کے خلاف ہے جیسے مسلمؒ نے اپنی صحیح کے مقدمے میں شدّ و مد سے پیش کیا ہے۔ اس حدیث پر ترمذیؒ نے حسن صحیح کا حکم لگایا ہے۔ بقول امام شوکانیؒ (نیل الاوطار میں) یہ حدیث ثابت شدہ صحیح ہے اور یحیٰی بن معین نے اس کی تصحیح کی ہے۔ ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ جدلی کی روایت خزیمہؓ سے بہت سی روایات سے ثابت ہے۔ ابو زرعہ رازیؒ نے بھی اس سند کو صحیح مانا ہے مگر امام نوویؒ شرح المہذب میں اس حدیث کو بالاتفاق ضعیف کہتے ہیں اور حافظ عسقلانیؒ نے امام نوویؒ کا قول رد کر دیا ہے۔ حافظ ابن حبانؒ نے بھی اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔

رہا دوسرا اعتراض کہ ابراہیم نخعیؒ کا سماع جدلی سے معدوم ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ترمذیؒ کی تصحیح اس اعتراض کو رد کرتی ہے۔ اسی طرح ابن ابی حاتمؒ کا یہ قول بھی اسے رد کرتا ہے کہ: ابو زرعہؒ نے کہا کہ صحیح روایت ابراہیم نخعیؒ سے ہے جو جدلی سے بلا واسطہ روایت کرتا ہے۔ ابن حزمؒ نے اس روایت کو جدلی کی وجہ سے معلول ٹھیرایا ہے مگر ترمذیؒ، احمد بن حنبل اور ابن معینؒ اس کی توثیق کرتے ہیں۔

اسی حدیث سے موزوں کے مسح کی مدت سفر میں تین دن رات اور قیام میں ایک دن رات ثابت ہوتی ہے۔ مدتِ مسح میں فقہاء میں اختلاف موجود ہے۔ توقیت کی ابتداء شافعیؒ، ابو حنیفہؒ اور بہت سے علماء کے نزدیک حدث سے ہوتی ہے،

مگر اوزاعیؒ اور احمدؒ سے منقول ہے کہ ابتداء موزے پہننے سے ہوگی۔ مطلب یہ کہ جب سے کسی شخص نے موزوں پر مسح شروع کیا ہے امام ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ اس وقت سے مدتِ مسح کو شمار کرتے ہیں مگر دوسرے حضرات موزے پہننے کے وقت سے شروع کرتے ہیں۔ امام مالکؒ اور لیثؒ بن سعد کا قول ہے کہ موزوں کے مسح کی کوئی مدت مقررہ نہیں، جس نے پوری طہارت کی حالت میں موزے پہن لئے وہ جب تک چاہے مسح کرتا رہے، اس میں مقیم اور مسافر کا بھی کوئی امتیاز نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب، سفیان ثوریؒ اوزاعیؒ، حسنؒ بن صالح، شافعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ، داؤد ظاہری، ابنؒ جریر طبری مسافر کے لئے تین دن رات اور مقیم کے لئے ایک دن رات قرار دیتے ہیں اور بالکل یہی اس حدیث کا اور دیگر کئی صحیح احادیث کا مضمون ہے۔ ابوداؤد کے حاشیے پر اٹھارہ صحابہؓ کے نام لکھے ہیں جن سے یہ توقیت ثابت ہے، ان میں جناب عمر فاروقؓ، حضرت علیؓ، ابنؓ مسعود، ابن عباسؓ، حذیفہؓ، مغیرہؓ اور ابوزید انصاری شامل ہیں۔ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ اکثر تابعین اور فقہاء کا یہی مذہب ہے۔ مدتِ مسح میں نہانے کی حاجت کے سوا موزے نہیں اتارے جائیں گے۔ خزیمہؓ بن ثابت کا یہ قول کہ اگر ہم حضورؐ سے مدتِ مسح میں اضافے کی درخواست کرتے تو آپ زیادہ وقت دے دیتے، کوئی حکم شرعی ثابت نہیں کرتا کیونکہ نہ کسی نے اضافے کی درخواست کی نہ اضافہ ہوا۔

۱۵۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُعِينٍ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ الرَّبِيعِ بْنِ طَارِقٍ قَالَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى ابْنُ أَيُّوبَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ رَزِينٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ أَيُّوبَ بْنِ قَطَنٍ عَنْ أُبَيِّ بْنِ عُمَارَةَ، قَالَ يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَكَانَ قَدْ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقِبْلَتَيْنِ، أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ؟ قَالَ نَعَمْ، قَالَ يَوْمًا قَالَ وَيَوْمَيْنِ قَالَ وَثَلَاثَةً قَالَ نَعَمْ وَمَا شِئْتَ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ الْمِصْرِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَيُّوبَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ رَزِينٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ نُسَيٍّ عَنْ أُبَيِّ بْنِ عُمَارَةَ قَالَ فِيهِ حَتّٰى بَلَغَ سَبْعًا، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَمَا بَدَا لَكَ۔ وَقَدِ اخْتُلِفَ فِي إِسْنَادِهِ وَلَيْسَ هُوَ بِالْقَوِيِّ۔ وَرَوَاهُ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ وَيَحْيَى بْنُ إِسْحَاقَ السَّيْلَحِينِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَيُّوبَ وَاخْتُلِفَ فِي إِسْنَادِهِ۔

(ترجمہ) اُبَیّ بن عمارۃؓ نے، جو بقول یحییٰ بن ایوب راوی حدیث حضورؐ کے ساتھ دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھ چکے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا میں موزوں پر مسح کروں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں؟ صحابیؓ نے کہا ایک دن؟ فرمایا دو دن بھی! پھر صحابی بولا: تین دن؟ فرمایا ہاں اور جب تک چاہو۔ ابوداؤدؒ اس حدیث کی دو سندیں اور بیان کرتے ہیں جن میں سے ایک میں سات دن کا ذکر ہے اور دونوں سندوں کو مختلف فیہ اور غیر قوی ٹھیراتے ہیں۔

(شرح) اس حدیث کے راوی یحییٰ بن ایوب کو امام احمدؒ نے کمزور حافظے والا، ابن ابی حاتم نے ناقابلِ استدلال، امام نسائیؒ نے غیر قوی اور ابن سعدؒ نے منکر الحدیث بتایا ہے۔ دارقطنی نے کہا ہے کہ اس کی بعض حدیثوں میں اضطراب ہے۔ امام احمدؒ نے کہا کہ وہ بہت خطا کرتا ہے۔ حاکم نے کہا کہ جب زبانی روایت کرے تو خطا کرتا ہے اور کتاب سے کرے تو اس میں حرج نہیں۔ عُقیلیؒ نے اسے ضُعفا میں شمار کیا ہے۔ یہ تو اس کی جرح کا بیان ہے۔ دوسری طرف اس کی توثیق بھی ہوئی ہے۔ ابن معینؒ نے ایک مرتبہ اُسے ثقہ قرار دیا ہے۔ ابوداؤدؒ نے کہا کہ وہ لائق اعتبار ہے، نسائیؒ نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں۔ ترمذیؒ نے بخاریؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ ثقہ ہے۔ یعقوب بن سفیان، ابراہیم حربی اور ابن حبّان اسے ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ایک اور راوی اس حدیث میں محمد بن یزید ہے جسے ابوحاتمؒ نے مجہول، امام احمدؒ نے غیر معروف کہا ہے۔ اسی طرح ابنؒ حبان اور رازدی نے بھی اس سند کے راویوں پر جرح و تنقید کی ہے۔ پھر ایوب بن قطن کو بھی مجہول کہا گیا ہے۔ حدیث کے آخر میں خود ابوداؤد نے اس روایت کو غیر قوی ٹھیرایا ہے۔ پھر صحابیؓ کے نام میں بھی اختلاف کیا گیا ہے، ابوحاتم کے نزدیک اس کا نام ابواُبیّ عبداللہؓ بن عمرو بن اُمّ حرام ہے۔ اس روایت میں اضطراب بھی ہے جیسا کہ ابوداؤد کی روایت سے ظاہر ہے۔ پس یہ حدیث ثابت نہیں ہوسکی ورنہ اس میں مسح کی مدت میں توقیت کو ختم کردیا گیا ہے۔ جن فقہاء نے موزوں کے مسح کی مدّت غیر معینہ ٹھیرائی ہے معلوم نہیں ان کا استدلال کس حدیث سے ہے کیونکہ اس حدیث کا حال تو ظاہر ہے ایسا نہیں کہ اس سے کوئی مسئلہ نکالا جائے۔

۶۲۔ بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ

جرابوں پر مسح کا باب

۱۵۹۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ عَنْ وَكِيعٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي قَيْسٍ الْأَوْدِيِّ هُوَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ ثَرْوَانَ عَنْ هُزَيْلِ بْنِ شُرَحْبِيلَ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَكَانَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ لَا يُحَدِّثُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ لِأَنَّ الْمَعْرُوفَ عَنِ الْمُغِيرَةِ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ۔ وَرُوِيَ هٰذَا أَيْضًا عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ مَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ وَلَيْسَ بِالْمُتَّصِلِ وَلَا بِالْقَوِيِّ۔ وَمَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَأَبُو مَسْعُودٍ وَالْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ وَأَنَسُ بْنُ مَالِكٍ وَأَبُو أُمَامَةَ وَسَهْلُ بْنُ سَعْدٍ وَعَمْرُو بْنُ حُرَيْثٍ وَرُوِيَ ذٰلِكَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَابْنِ عَبَّاسٍ۔

(ترجمہ) مُغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا۔

ابوداؤدؒ نے کہا کہ عبدالرحمٰن بن مہدی یہ حدیث بیان نہیں کیا کرتے تھے کیونکہ مغیرہؓ سے معروف روایت یہ ہے کہ حضورؐ نے موزوں پر مسح فرمایا۔ ابوموسیٰ اشعریؓ سے بھی روایت کی گئی ہے کہ حضورؐ نے جرابوں پر مسح کیا لیکن وہ روایت متصل نہیں اور نہ قوی ہے۔ اور جرابوں پر مسح علیؓ بن ابی طالب، ابومسعودؓ، براء بن عازبؓ، انسؓ بن مالک، ابوامامہؓ، سہلؓ بن سعد اور عمروؓ بن حریث نے کیا۔ اور یہ عمرؓ بن الخطاب اور ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔

(شرح) عربی میں جورب وہ چیز ہے جو موزہ اور جرموق نہ ہو اور اسے سردی سے بچنے کے لئے پہنا جائے۔ اس حدیث کے راوی عبدالرحمٰن بن ثروان کو ابوحاکم نے غیر قوی اور غیر حافظ، اور عقیلی نے ضعیف کہا ہے۔ مشہور محدثین نے اس کی توثیق کی ہے۔ مولانا خلیل احمدؒ فرماتے ہیں کہ ابوداؤد کی یہ تنقید اس وقت تو واقعی مؤثر ہے جبکہ ایک ہی واقعہ کے متعلق انہوں نے مختلف بیان دیئے ہوں۔ لیکن اگر یہ دو واقعات ہیں تو ابوداؤدؒ کا یہ کہنا کہ: مغیرہؓ سے معروف روایت مسح علی الخفین کی ہے، کوئی ضرر نہیں پہنچاتا۔ ترمذیؒ نے اس حدیث کی روایت کر کے اسے حسن صحیح ٹھیرایا ہے گو ابن العربیؒ نے ابوداؤد کی بات کو ترجیح دی ہے۔ بقول علامہ شوکانیؒ ابن سید الناس نے ترمذی کی شرح میں جرابوں پر مسح کے قائل اصحاب کی فہرست میں عبداللہ بن عمرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابومسعود بدریؓ، عقبہ بن عمرو کا بھی اضافہ کیا ہے۔ انس بن مالکؓ سے جن جرابوں پر مسح مروی ہے وہ نیچے سے چمڑے کی تھیں اور اوپر سے خز کی۔ جرابوں پر مسح علماء کے نزدیک ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اگر پوری جرابیں جوتے کی مانند ہوں یا ان کا نچلا حصہ چمڑے کا ہو تو ان پر مسح جائز ہے۔ اگر پتلی ہوں کہ پانی ان سے فوراً نیچے کو رس جائے تو مسح جائز نہیں۔ اگر جرابیں سوتی یا صرف اونی ہوں مگر موٹی ہوں تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسح جائز نہیں، امام شافعیؒ اور احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام ابویوسفؒ اور محمدؒ کے نزدیک ان پر مسح جائز ہے اور مروی ہے کہ آخر کار امام ابوحنیفہؒ نے بھی انہی کے قول کی طرف رجوع فرما لیا تھا۔ ایک روایت امام شافعیؒ کے مذہب کی یہ ہے کہ جرابیں اگر ٹخنوں تک چمڑے کی ہوں تو مسح جائز ہے ورنہ نہیں۔ بقول امام ترمذیؒ سفیانؒ ثوری، عبداللہؒ بن مبارک، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کے نزدیک جرابوں پر مسح جائز ہے جبکہ وہ موٹی ہوں۔ زیرنظر حدیث میں جرابوں کے ساتھ نعلین کا لفظ بھی ہے۔ اوپر گذر چکا ہے کہ عربوں کے نعلین کیسے ہوتے تھے یعنی نیچے چمڑا اور اس کے اوپر فقط دو تسمے باندھ لیتے تھے۔ سو مطلب یہ ہوا کہ نعلین سمیت حضورؐ نے جرابوں پر مسح کیا۔ سبب اس کا یہ بھی ہے کہ جوتوں سمیت نماز ادا کی جاتی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۶۳۔ بَابٌ

۱۶۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَّعَبَّادُ بْنُ مُوْسٰی قَالَا حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ يَّعْلَى بْنِ عَطَاءٍ عَنْ اَبِيهِ قَالَ عَبَّادٌ قَالَ اَخْبَرَنِيْ اَوْسُ بْنُ اَبِيْ اَوْسٍ الثَّقَفِيُّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلٰى نَعْلَيْهِ وَقَدَمَيْهِ وَقَالَ عَبَّادٌ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتٰى عَلٰى كِظَامَةِ قَوْمٍ يَعْنِي الْمِيْضَاَةَ وَلَمْ يَذْكُرْ مُسَدَّدٌ الْمِيْضَاَةَ وَالْكِظَامَةَ ثُمَّ اتَّفَقَا، فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلٰى نَعْلَيْهِ وَقَدَمَيْهِ۔

(ترجمہ) اوس بن ابی اوس ثقفی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء فرمایا اور اپنے جوتوں اور پاؤں پر مسح کیا۔ عباد کی روایت میں یہ لفظ ہیں کہ صحابی نے کہا: میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قوم کی وضوگاہ (حوض وغیرہ) پر تشریف لے گئے۔ مسدد نے وضوءگاہ یا حوض وغیرہ کا ذکر نہیں کیا۔ پھر دونوں متفق ہو گئے اور یہ روایت کی کہ حضور نے وضوء کیا اور اپنے نعلین اور پاؤں کا مسح فرمایا۔

(شرح) سنن ابی داؤد کے بعض نسخوں میں صرف "باب" کا لفظ ہے اور اس کے ساتھ کوئی وضاحت نہیں۔ اس قسم کا باب گزشتہ باب کے مضمون سے ہی ملتا جلتا ہوا کرتا ہے۔ اس حدیث کے راوی عطاء کو ابوالحسن قطان نے اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے مجہول الحال کہا ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس روایت کو بیان کر کے کہا ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک موزوں کی مانند نعلین کا مسح بھی جائز ہے اور ان کے نزدیک اس کی تائید ابوظبیان کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے کھڑے ہو کر بول کیا پھر پانی منگا کر وضوء کیا اور جوتوں پہ مسح کیا، پھر مسجد میں داخل ہوئے اور جوتے اتار دیئے اور نماز پڑھی۔ دیگر فقہاء نے کہا ہے کہ نعلین کا مسح جائز نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ہو سکتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعلین پر مسح اس لئے کیا ہو کہ نیچے پاؤں میں جرابیں تھیں اور مسح سے مقصد جرابوں کا تھا نہ کہ نعلین کا۔ اور جرابیں ایسی تھیں کہ اگر نعلین نہ ہوتے تو ان پر مسح جائز تھا۔ پس اصل مسح تو جرابوں کا تھا مگر نعلین اوپر ہونے کے باعث ان پر بھی ہاتھ پھر گیا تھا۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی احادیث میں جرابوں اور نعلین دونوں کا ذکر موجود ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آتا ہے کہ وہ جوتوں سمیت پاؤں کا مسح کرتے تھے اور بتاتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر عمل تھا۔ پس ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایات پر تو ہمارا عمل ہے کہ ہم جرابوں پر مسح کرنے میں حرج نہیں جانتے۔ رہی ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سو اس کے معارض احادیث ثابت ہیں جن سے اس کا منسوخ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ نظری طور پر یہ بات اجماع سے ثابت ہے کہ اگر موزے پھٹ جائیں حتیٰ کہ سارے پاؤں یا ان کا اکثر حصہ ننگا ہو جائے تو ان پر مسح جائز نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ موزوں پر مسح اس وقت جائز ہے جبکہ انہوں نے قدموں کو ڈھانک رکھا ہو اور جب ایسا نہ ہو تو مسح باطل ہے اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ جوتوں سے ــــ اس وقت کے نعلین سے پاؤں ڈھکے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔ یہ تو تھی امام طحاوی رحمہ اللہ کی فقیہانہ اور محدثانہ بحث، اوپر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث پر گفتگو گزر چکی ہے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں: "يَتَوَضَّأُ فِيهَا" کا لفظ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مجازاً یہاں مسح سے مراد شرعی مسح نہیں بلکہ غسل خفیف ہے، یعنی پاؤں پہ پانی ڈال کر اسے مل لیا گیا تھا۔ اس زیر نظر حدیث میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ وَأَرْجُلِكُمْ کی قرأت نازل ہوئی، بعد میں یہ قرأت شاذ کہلائی اور مسح علی القدمین منسوخ ہو گیا جس کی دلیل وہ حدیث ہے: "وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ۔" "خشک ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔"

۶۴۔ بَابُ كَيْفَ الْمَسْحُ

مسح کی کیفیت کا باب

۱۶۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّازُ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ قَالَ ذَكَرَهُ أَبِي عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

كَانَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَقَالَ غَيْرُ مُحَمَّدٍ عَلَى ظَهْرِ الْخُفَّيْنِ۔

(ترجمہ) مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موزوں پر مسح فرماتے تھے ۔ محمد بن صباح کے علاوہ دوسرے لوگوں نے کہا کہ، موزوں کی پشت پر مسح کرتے تھے ۔

(شرح) امام شافعیؒ کے نزدیک مسح کی کم از کم مقدار تین انگلیوں کے برابر ہے ۔ حنفیہ اور امام احمدؒ کے نزدیک موزے کا اکثر ظاہری حصہ مسح کی مقدار ہے اور امام مالک کے نزدیک موزوں کے ظاہری حصے کو پورے کا پورا مسح کرنا ضروری ہے ۔ اس حدیث کا ایک راوی عبدالرحمن بن ابی الزناد مختلف فیہ ہے ۔ یحییٰ بن معین نے اسے ناقابلِ احتجاج اور ضعیف قرار دیا ہے ، امام احمدؒ نے اسے مضطرب الحدیث اور علی بن المدینی نے ضعیف کہا ہے ۔ امام نسائی کا قول ہے کہ اس کی حدیث حجت نہیں ۔ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ یہ راوی مالکی مسلک کے رد میں حدِ اعتدال سے گزر جاتا تھا ۔ ابوداؤدؒ نے جن لوگوں کی روایت کا حوالہ دیا ہے وہ علی بن حجر ہے اس کی روایت ترمذی میں ہے جس میں مَسَحَ عَلَى ظَاهِرِهِمَا کا لفظ ہے ۔ ابوداؤد طیالسی نے عروہ بن مغیرہ کے حوالے سے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی روایت درج کی ہے جس میں : مَسَحَ ظَاهِرَ خُفَّيْهِ کے لفظ ہیں ۔ یہ دونوں روایات سنن بیہقی میں بھی ہیں ۔ دارقطنی کی روایت سلیمان بن داؤد الہاشمی سے مروی ہے اس کے الفاظ ہیں : مَسَحَ عَلَى ظَهْرِ الْخُفَّيْنِ۔

۱۶۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ حَدَّثَنَا حَفْصٌ يَعْنِي ابْنَ غِيَاثٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ عَنْ عَلِيٍّؓ قَالَ لَوْ كَانَ الدِّينُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ أَسْفَلُ الْخُفِّ أَوْلَى بِالْمَسْحِ مِنْ أَعْلَاهُ وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى ظَاهِرِ خُفَّيْهِ۔

(ترجمہ) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر دین رائے پر مبنی ہوتا تو موزے کا نچلا حصہ اوپر کے حصے کی نسبت مسح کا زیادہ مستحق تھا مگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں کے اوپر کے حصے پر مسح کرتے دیکھا تھا ۔

(شرح) حدیث سے صراحتہً معلوم ہو گیا کہ موزوں کے اوپر کے حصے پر مسح ہونا چاہیئے ۔ اعلیٰ و اسفل کا فرق بھی وضاحت سے معلوم ہو گیا ۔ رائے سے مراد وہ محض رائے ہے جو دین کی روشنی سے منور نہ ہو ۔ عقل اندرونی روشنی ہے اور دین بیرونی ۔ بصارت کے لئے ان دونوں کی ضرورت ہے ورنہ مجنون پر تو کوئی شرعی حکم عائد نہیں ہوتا اور وہ معذور رکھا گیا ہے ۔ عقلِ سلیم دین کے خلاف نہیں ہو سکتی کیونکہ دین عین فطرت ہے ۔ محدث علی القاری نے لکھا ہے کہ عقلِ کامل شرع کے تابع ہوتی ہے کیونکہ وہ اکیلی خدائی حکمتوں کے ادراک سے عاجز ہے ۔ کافر ، فلاسفر ، بدعتی اور ہوا و ہوس کے بندے صرف اسی لئے گمراہ ہوئے کہ انہوں نے عقلِ محض کی پیروی کی اور نقل کی روشنی کو ترک کر دیا ۔ ایک عظیم عاقل انسان امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ اگر میں محض عقل پر چلتا تو پیشاب سے غسل کو واجب ٹھیراتا کیونکہ اس کے نجس ہونے پر تو سب متفق ہیں اور منی کے خروج سے وضو کا حکم دیتا کیونکہ وہ نجس ہے مگر اس کی نجاست میں اختلاف ہے اور اگر محض عقل پر دین کا مدار ہوتا تو میں لڑکی کو دوگنا اور لڑکے کو اس کا نصف حصہ وراثت سے دیتا کیونکہ مؤنث ضعیف اور مذکر قوی ہے ۔ یہاں موزے کے مسح کے سلسلے میں نچلے حصے میں تو حدث اور خبث دونوں جمع ہیں مگر اوپر فقط حدث ہے لہٰذا اگر عقلِ محض پر فیصلہ کرتے تو نچلے حصے کا مسح واجب ٹھیراتے ۔

۱۶۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنِ الْأَعْمَشِ بِإِسْنَادِهِ بِهٰذَا الْحَدِيثِ قَالَ مَا كُنْتُ أَرَى بَاطِنَ الْقَدَمَيْنِ إِلَّا أَحَقَّ بِالْغَسْلِ حَتّٰى رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلٰى ظَهْرِ خُفَّيْهِ -

(ترجمہ) یہ اس پچھلی حدیث کی دوسری روایت ہے جس میں علیؓ کا یہ قول مذکور ہے کہ میں قدموں کے نچلے حصے کو دھونے کا زیادہ مستحق سمجھتا تھا حتّٰی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں کے اوپر ظاہری حصے پر مسح کرتے دیکھا۔

(شرح) اس روایت سے پتہ چلا کہ غسل کا لفظ کبھی مسح کے معنے میں بھی آتا ہے (اور اسی طرح بالعکس بھی) حضرت علیؓ کے قول کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں کے ظاہری حصے پر مسح کرتے نہ دیکھ لیا اس وقت تک وہ پاؤں کے نچلے حصے کو مسح کا زیادہ حقدار جانتے ہیں یہ معنیٰ بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ پاؤں کے اوپر والے حصے پر تو لوجہ موزوں کے مسح کرنا سمجھ میں آتا تھا مگر نچلا حصہ جو غلاظتوں اور نجس مقامات سے مس کرتا ہے اسے تو دھونا ہی واجب سمجھتا تھا مگر جب میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کے ظاہری حصے پر مسح کیا اور نچلے حصے کو نہ دھویا نہ اس کا مسح کیا تو میری تسلی ہوگئی کہ موزوں کی صورت میں فقط یہی واجب ہے۔ یہاں پر محقق ابن ہمامؒ کی ایک دقیق فقیہانہ بحث کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں کہ انہوں نے موزوں کے اسفل (نچلے حصے) سے مراد وہ طرف لی ہے جو پاؤں کے ساتھ لگی رہتی ہے مگر دیگر فقہائے کرام نے اس کا مُدلّل ردّ لکھا ہے۔

۱۶۴ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنِ الْأَعْمَشِ بِهٰذَا الْحَدِيثِ قَالَ لَوْ كَانَ الدِّينُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ بَاطِنُ الْقَدَمَيْنِ أَحَقَّ بِالْمَسْحِ مِنْ ظَاهِرِهِمَا وَقَدْ مَسَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى ظَهْرِ خُفَّيْهِ - وَرَوَاهُ وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ بِإِسْنَادِهِ قَالَ كُنْتُ أَرَى أَنَّ بَاطِنَ الْقَدَمَيْنِ أَحَقُّ بِالْمَسْحِ مِنْ ظَاهِرِهِمَا حَتّٰى رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلٰى ظَاهِرِهِمَا قَالَ وَكِيعٌ يَعْنِي الْخُفَّيْنِ - وَرَوَاهُ عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ الْأَعْمَشِ كَمَا رَوَاهُ وَكِيعٌ وَرَوَاهُ أَبُو السَّوْدَاءِ عَنِ ابْنِ عَبْدِ خَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا تَوَضَّأَ فَغَسَلَ ظَاهِرَ قَدَمَيْهِ وَقَالَ لَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ وَسَاقَ الْحَدِيثَ -

(ترجمہ) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر دین رائے پر مبنی ہوتا تو قدموں کا باطن ان کے ظاہر سے مسح کا زیادہ حقدار تھا

حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کے ظاہری حصے پر مسح فرمایا۔ دوسری سند کے مطابق فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ پاؤں کا باطن ان کے ظاہر کی نسبت مسح کا زیادہ مستحق ہے حتیٰ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے (بقول وکیع یعنی موزوں کے) ظاہری حصے پر مسح کرتے دیکھا۔ عبد خیر کی روایت میں یہ لفظ ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو وضوء کرتے دیکھا تو انہوں نے پاؤں کے ظاہری حصے کو دھویا اور کہا کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے نہ دیکھ چکا ہوتا الخ۔

(شرح) باطن سے مراد وہ حصہ ہے جو زمین پر آتا ہے نہ کہ جسم کے ساتھ لگنے والا موزوں کا اندرونی حصہ۔ اور روایات میں سے بعض میں جو قدمین کا لفظ ہے اس سے مراد خفین ہے جیسا کہ عامۃ احادیث سے ثابت ہے۔ ابوداؤدؒ نے ان روایات کو جو بیان کیا ہے اس سے ان کی غرض یہ ہے کہ بعض میں مسح کا لفظ ہے بعض میں غسل کا، بعض میں قدمین کا ذکر ہے اور بعض میں خفین کا۔ دلائل شرع سے یہاں پر مسح اور غسل کا لفظ ایک دوسرے کا ہم معنیٰ آیا ہے اور قدمین سے مراد خفین ہے۔ یہ روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ شرع میں ثابت شدہ مسح موزوں کے اوپر ہے نہ کہ نیچے اور باطن میں۔ سفیان ثوریؒ، ابوحنیفہؒ اور احمد بن حنبلؒ کا یہی مذہب ہے۔ امام شافعیؒ، مالکؒ اور ان کے اصحاب کا مسلک یہ ہے کہ موزوں کے اوپر اور نیچے مسح کیا جائے ہاں اگر صرف ظاہر پر مسح کرے تو کافی ہے اور مالکؒ نے فرمایا کہ جس نے موزوں کی نچلی طرف کا مسح کیا اور اوپر نہیں کیا تو کافی نہیں ہوا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسح کے آلے کی مقدار ہاتھ کی تین انگلیوں کے برابر ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک موزوں کا اکثر حصہ اور امام شافعیؒ کے نزدیک صرف مسح واجب ہے جسے عرفاً مسح کہا جائے۔ یہ تفصیل شوکانیؒ نے بیان کی ہے ابن قدامہ نے المغنی میں یہی کہا ہے۔ امام شعرانیؒ اور محدث علی القاریؒ نے امام مالکؒ کا مذہب سارے موزے پر مسح کرنا لکھا ہے۔ اس مضمون پر کچھ گفتگو اوپر گزری۔

۱۶۵۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ مَرْوَانَ وَمَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ الدِّمَشْقِيُّ الْمَعْنَى قَالَا حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ قَالَ مَحْمُودٌ أَخْبَرَنَا ثَوْرُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ رَجَاءِ بْنِ حَيْوَةَ عَنْ كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ وَضَّأْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ فَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَأَسْفَلِهِمَا۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَبَلَغَنِي أَنَّهُ لَمْ يَسْمَعْ ثَوْرٌ هَذَا الْحَدِيثَ مِنْ رَجَاءٍ۔

(ترجمہ) مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا کہ میں نے غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضوء کرایا۔ پس آپؐ نے موزوں کے اوپر اور نیچے بھی مسح فرمایا۔ ابوداؤد نے کہا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ ثور نے یہ حدیث رجاء سے نہیں سنی۔

(شرح) ابوداؤدؒ کے نزدیک یہ روایت منقطع ہے لیکن اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ دارقطنی نے یہ روایت داؤد بن رشید سے بیان کی ہے۔ اس میں حدثنا کے لفظ سے ثور کا سماع رجاء سے ثابت ہوتا ہے۔ اس حدیث کی بعض روایات میں مغیرہؓ کا ذکر نہیں بلکہ کاتب مغیرہؓ اسے مرسل روایت کرتا ہے جس کی بناء پر بیہقی نے اس حدیث کو معلول ٹھہرایا ہے لیکن جن روایات میں ارسال نہیں بلکہ مغیرہؓ کا ذکر موجود ہے وہ مقبول ہیں کیونکہ ثقہ کی زیادتی (اضافہ) از روئے اصول حدیث مقبول ہوتی ہے۔ اس حدیث میں ایک علت اور ہے کہ کاتب المغیرۃ مجہول شخص ہے، مگر اس کا جواب یہ ہے کہ مغیرہؓ کا معروف کاتب وراد ہے جو ثقہ ہے اور بخاری و مسلم کا راوی ہے۔ اسی حدیث کو ابن ماجہؒ نے روایت کیا تو وراد کا نام لیا ہے۔ مگر ایک اور علت بھی ہے

جس کا جواب مشکل ہے۔ وہ یہ کہ بقول احمد بن حنبل، بخاری اور ابو زرعہ، وراد کی ملاقات رجاء سے ثابت نہیں ہوئی۔
اس حدیث سے مسح کا محل موزوں کے اوپر نیچے دونوں طرف ثابت ہوتا ہے بیہقی نے سنن کبیر میں ابن عمرؓ کا اثر روایت کیا ہے کہ وہ موزوں کے اوپر اور نیچے مسح کرتے تھے۔ ترمذی نے اس حدیث مرفوع کو معلول قرار دیا ہے اور ابو زرعہ اور بخاری کے حوالے سے اسے غیر صحیح ٹھیرایا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ موزوں کے ظاہر کا مسح واجب ہے اور باطن کا سنت، کیونکہ گو وہ حدیث ضعیف سے ثابت ہوا ہے مگر ایسی حدیث فضائل اعمال میں بالاتفاق مقبول ہے۔ محدث علی القاریؒ نے فرمایا کہ حدیث ضعیف کا یہ حکم اس وقت ہے جبکہ وہ کسی صحیح یا حسن حدیث کے خلاف نہ ہو مگر یہ حدیث صحاح کے خلاف ہے لہٰذا قابل ترک ہے۔

۶۵۔ بَابٌ فِي الْاِنْتِضَاحِ

باب ہے انتضاح میں

۱۶۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ الْحَكَمِ الثَّقَفِيِّ اَوِ الْحَكَمِ بْنِ سُفْيَانَ الثَّقَفِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا بَالَ يَتَوَضَّأُ وَيَنْتَضِحُ۔ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ وَافَقَ سُفْيَانَ جَمَاعَةٌ عَلَى هٰذَا الْاِسْنَادِ وَقَالَ بَعْضُهُمُ الْحَكَمُ اَوِ ابْنُ الْحَكَمِ۔

(ترجمہ) سفیان بن الحکم ثقفی یا حکم بن سفیان ثقفی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بول کرتے تو وضوء کرتے اور مذاکیر پر پانی چھڑکتے تھے (یا استنجاء کرتے تھے)۔
(شرح) انتضاح کے کئی معانی بیان کئے گئے ہیں جن میں سے واضح تر استنجاء ہے یا وضوء کے بعد رانوں میں پانی کا چھینٹا دینا تاکہ وسوسہ دفع ہو جاتا ہے۔ بقول امام نوویؒ یہاں پر یہی دوسرا مطلب مراد ہے کیونکہ استنجاء تو وضوء سے پہلے ہوتا ہے اور یہاں انتضاح کا ذکر وضوء کے بعد آیا ہے، اس کی تائید سنن بیہقی اور دارقطنی کی روایات سے بھی ہوتی ہے۔ اس حدیث میں صحابی کے نام میں اختلاف ہے مگر اس نام کا مسمّی ایک ہی ہے اور وہ واقعی صحابی تھا لہٰذا حدیث مضطرب نہیں۔

۱۶۷۔ حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ اَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ ثَقِيفٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَاَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَالَ ثُمَّ نَضَحَ فَرْجَهُ۔

(ترجمہ) مجاہد نے ثقیف کے ایک آدمی سے اور اس نے اپنے باپ سے روایت کی۔ اس نے کہا میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بول کیا پھر استنجاء کیا۔

(شرح) اہل عرب عموماً قضائے حاجت کے بعد ڈھیلوں کے استعمال پر اکتفا کرتے تھے مگر حضورؐ نے انہیں پانی سے استنجا بھی سکھایا۔ اس حدیث میں نضح فرجہ سے مُراد استنجا ہی لیا جانا اولیٰ ہے۔ اس حدیث میں رَجُلٌ مِّنْ ثَقِیْف کے لفظ سے کون مُراد ہے؟ پچھلی روایت کے مطابق وہ حکمؓ بن سفیان یا سفیانؓ بن حکم ثقفی ہے۔ پس اگر وہ حکم ہے تو اس کے باپ کا نام سفیان ہے اور اگر وہ سفیان ہے تو اس کے باپ کا نام حکم ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب میں کہا ہے۔ اس صراحت سے معلوم ہو گیا کہ یہ روایت مجہول الحال یا مجہول الاسم شخص کی نہیں ہے کیونکہ صحابی کے نام میں اختلاف ہے۔

۱۶۸۔ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ الْمُهَاجِرِ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ الْحَكَمِ أَوِ ابْنِ الْحَكَمِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَالَ ثُمَّ تَوَضَّأَ وَنَضَحَ فَرْجَهُ۔

(ترجمہ) حکم اپنے باپ (سفیان) سے یا ابن الحکم (سفیان) اپنے باپ (الحکم) سے روایت کرتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بول کیا پھر وضوء کیا اور اپنی شرمگاہ پر پانی کا چھینٹا مارا۔

(شرح) اس حدیث سے استنجا بھی مُراد ہو سکتا ہے لیکن عبارت کی ترتیب سے چھینٹا مارنا مناسب تر نظر آتا ہے۔

۶۶۔ بَابُ مَا يَقُولُ الرَّجُلُ إِذَا تَوَضَّأَ

اس بات کا بیان کہ آدمی وضوء کر کے کیا کہے؟

۱۶۹۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ الْهَمْدَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ يَعْنِي ابْنَ صَالِحٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُدَّامَ أَنْفُسِنَا نَتَنَاوَبُ الرِّعَايَةَ رِعَايَةَ إِبِلِنَا فَكَانَتْ عَلَيَّ رِعَايَةُ الْإِبِلِ فَرَوَّحْتُهَا بِالْعَشِيِّ فَأَدْرَكْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ الْوُضُوءَ ثُمَّ يَقُومُ فَيَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ يُقْبِلُ عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهِ وَوَجْهِهِ إِلَّا فَقَدْ أَوْجَبَ فَقُلْتُ بَخٍ بَخٍ مَا أَجْوَدَ هٰذِهِ فَقَالَ رَجُلٌ بَيْنَ يَدَيَّ اَلَّتِي قَبْلَهَا يَا عُقْبَةُ أَجْوَدُ مِنْهَا فَنَظَرْتُ فَإِذَا هُوَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ۔ قُلْتُ مَا هِيَ يَا أَبَا حَفْصٍ؟ قَالَ إِنَّهُ قَالَ آنِفًا قَبْلَ أَنْ تَجِيءَ: مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ الْوُضُوءَ ثُمَّ يَقُولُ حِينَ يَفْرُغُ مِنْ وُضُوئِهِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، إِلَّا فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ۔ قَالَ مُعَاوِيَةُ وَحَدَّثَنِي رَبِيعَةُ بْنُ يَزِيدَ

عَنْ اَبِیْ اِدْرِیْسَ عَنْ عُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ۔

(ترجمہ) عقبہ بن عامرؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور اپنے سب کام خود کرتے تھے اور اپنے اونٹوں کو باری باری سے چرانے لے جاتے تھے۔ ایک دن اونٹ چرانے کی میری باری تھی پس میں انہیں چرا کر پچھلے پہر واپس آیا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے۔ میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا کہ تم میں سے جو شخص بھی وضوء کرے پھر اچھی طرح کرے پھر اٹھ کر دو رکعت نماز پڑھے جن پر وہ دل وجان سے متوجہ ہو، تو اس نے اپنے لئے جنت واجب کر لی۔ میں نے کہا واہ واہ کیا اچھی چیز ہے۔ میرے آگے ایک آدمی تھا وہ بولا اے عقبہ اس سے پہلی چیز اس سے بھی اچھی تھی! میں نے غور سے دیکھا تو عمر بن الخطابؓ تھے۔ میں نے کہا اے ابوحفص وہ کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا کہ ابھی تھوڑی دیر قبل تیرے آنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم میں سے جو شخص اچھی طرح سے وضوء کرے پھر اس سے فارغ ہو کر یہ کلمہ پڑھے: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل گئے وہ جس میں سے چاہے داخل ہو جائے۔

(شرح) عقبہ بن عامر جہنی جو واقعہ بیان کر رہے ہیں یہ اس وقت کا ہے جبکہ وہ بارہ اونٹ سواروں کے ایک قافلے میں حضورؐ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے تھے۔ زیادہ سے زیادہ وقت حضورؐ کے پاس صرف کرنے کی خاطر ان لوگوں نے اونٹوں کو چرانے کی باری مقرر کر لی تھی۔ ان کے ساتھ کوئی خادم یا غلام نہ تھا جو یہ خدمت انجام دے سکتا۔ حضورؐ نے نماز تحیۃ الوضوء میں دل وجان لگانے کے لئے جو لفظ بولے ہیں امام نوویؒ نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ خضوع اعضاء سے اور خشوع دل سے ہوتا ہے، پس ان الفاظ میں حضورؐ نے خضوع وخشوع دونوں کو جمع فرما دیا۔

۱۷۰۔ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عِيْسٰى قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ الْمُقْرِئُ عَنْ حَيْوَةَ بْنِ شُرَيْحٍ عَنْ اَبِيْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ عَمِّهٖ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرِ الْجُهَنِيِّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهٗ وَلَمْ يَذْكُرْ اَمْرَ الرِّعَايَةِ، قَالَ عِنْدَ قَوْلِهٖ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ رَفَعَ نَظَرَهٗ اِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ: وَسَاقَ الْحَدِيْثَ بِمَعْنٰى حَدِيْثِ مُعَاوِيَةَ۔

(ترجمہ) یہ وہی اوپر کی حدیث ہے مگر اس میں اونٹ چرانے کا ذکر نہیں۔ اور وضوء اچھی طرح کرنے کے بعد نظریں آسمان کی طرف اٹھانے اور کلمۂ شہادت پڑھنے کا ذکر ہے۔

(شرح) اس روایت میں ایک مجہول راوی ہے یعنی ابو عقیل کا چچا زاد بھائی جو صحابی سے روایت کر رہا ہے۔

۶۷۔ بَابُ الرَّجُلِ يُصَلِّي الصَّلَوَاتِ بِوُضُوْءٍ وَّاحِدٍ

اس شخص کا باب جو کئی نمازیں ایک ہی وضوء سے پڑھے

۱۷۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيْسٰى قَالَ حَدَّثَنَا شَرِيْكٌ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَامِرِ الْبَجَلِيِّ قَالَ

مُحَمَّدٌ هُوَ اَبُوْ اَسَدِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَأَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ الْوُضُوْءِ فَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ وَّكُنَّا نُصَلِّى الصَّلَوَاتِ بِوُضُوْءٍ وَّاحِدٍ۔

(ترجمہ) عمرو بن عامر بجلی کا بیان ہے کہ میں نے انسؓ بن مالک سے وضوء کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے وضوء فرماتے تھے اور ہم ایک وضوء سے کئی کئی نمازیں پڑھتے تھے۔

(شرح) ایک ہی وضوء سے کئی نمازیں پڑھنا جائز ہے مگر افضل یہی ہے کہ ہر نماز کے لئے تازہ وضوء کر لیا جائے جیسا کہ حضورؐ کرتے تھے۔ امام طحاوی نے لکھا ہے کہ شاید یہ آپؐ کی خصوصیت تھی مگر فتح مکہ کے دن آپؐ نے ایک ہی وضوء سے متعدد نمازیں پڑھیں۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے یہ آپ پر فرض ہو مگر ضرورت کی خاطر اور بیانِ جواز کے لئے اسی دن آسانی کر دی گئی ہو۔ مسند احمدؒ اور سنن ابی داؤدؒ کی ایک حدیث جو عبیداللہؓ بن حنظلہ سے مروی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے آپؐ کو ہر نماز کے لئے تازہ وضوء کا حکم تھا، پہلا وضوء ہوتا یا نہ ہوتا مگر بعد میں اس حکم میں نرمی کی گئی۔

ائمہ شرع کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک وضوء سے کئی نمازیں جائز ہیں جب تک وضوء ٹوٹ نہ جائے۔ ابراہیم نخعیؒ نے کہا کہ ایک وضوء سے پانچ نمازوں سے زیادہ نہ پڑھی جائیں۔ عبیدؒ بن عمیر کا قول ہے کہ ہر نماز کے لئے وضوء واجب ہے اور بعض اہلِ ظاہر کا بھی یہی مذہب ہے۔ صحیح احادیث سے جمہور کا مذہب ثابت ہوتا ہے۔

۱۷۲ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِيْ عَلْقَمَةُ بْنُ مَرْثَدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ بِوُضُوْءٍ وَّاحِدٍ وَّمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ اِنِّيْ رَاَيْتُكَ صَنَعْتَ الْيَوْمَ شَيْئًا لَّمْ تَكُنْ تَصْنَعُهٗ، قَالَ عَمْدًا صَنَعْتُهٗ۔

(ترجمہ) حضرت بریدہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن پانچ نمازیں ایک وضوء سے ادا فرمائیں اور اپنے موزوں پر مسح فرمایا، تو حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے گزارش کی، میں نے آج آپ کو ایک ایسا کام کرتے دیکھا جو آپ پہلے نہیں کیا کرتے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے۔

(شرح) حضرت عمرؓ کا مطلب یہ تھا کہ آپ نے وضوء ایک فرمایا اور اس میں بھی موزوں پر مسح کیا اور پھر اسی ایک وضوء سے پانچ نمازیں ادا فرمائیں، ایسا آپؐ پہلے نہیں کرتے تھے۔ حضورؐ نے جواب ارشاد فرمایا کہ میں نے عمداً ایسا کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہاں بے شمار لوگ نئے نئے اسلام میں آئے ہیں لہٰذا بیانِ جواز اور آسانی کی خاطر میں نے ایسا کیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ آیتِ وضوء میں اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ کے الفاظ سے یہ سمجھا جانے کا احتمال تھا کہ جب بھی نماز کا ارادہ ہو، آدمی بے وضوء ہو یا باوضوء بہر حال وضوء کرنا واجب ہے۔ میں نے اپنے فعل سے آیت کی وضاحت کر دی ہے کہ باوضوء ہو تو دوبارہ وضوء کرنا واجب نہیں بلکہ اسی پہلے وضوء سے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

۶۸- بَابٌ فِي تَفْرِيقِ الْوُضُوءِ

وضوء کی تفریق کا باب

۱۷۳- حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ أَنَّهُ سَمِعَ قَتَادَةَ بْنَ دِعَامَةَ قَالَ حَدَّثَنَا أَنَسٌ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ تَوَضَّأَ وَتَرَكَ عَلَى قَدَمِهِ مِثْلَ مَوْضِعِ الظُّفُرِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْجِعْ فَأَحْسِنْ وُضُوءَكَ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَهٰذَا الْحَدِيثُ لَيْسَ بِمَعْرُوفٍ وَلَمْ يَرْوِهِ إِلَّا ابْنُ وَهْبٍ وَحْدَهُ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ مَعْقِلِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ الْجَزَرِيِّ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ قَالَ ارْجِعْ فَأَحْسِنْ وُضُوءَكَ۔

(ترجمہ) حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس نے وضو کیا تھا مگر اپنے پاؤں پر ناخن کی مانند جگہ چھوڑ دی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: واپس جا اور اپنا وضو درست کر۔ دوسری روایت جو حضرت عمرؓ سے ہے اس کا مضمون بھی یہی ہے۔

(شرح) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو اچھی طرح وضو کرنے کا حکم دیا، اس حکم کا منشا اس سے پورا ہو جاتا تھا کہ وہ شخص خشک رہنے والی جگہ کو تر کر لیتا، پس اس سے ثابت ہوا کہ وضوء میں موالاۃ (پے درپے کرنا) شرط نہیں ہے۔ حدیث میں وضوء کے اعادے کا حکم موجود نہیں ہے۔ ابوداؤدؒ نے حدیث کی اس سند کو غیر معروف ٹھہرایا ہے اور ایک اور حدیث اسی مضمون کی بیان کر دی ہے جس سے پہلی حدیث کا مضمون ثابت ہوتا ہے اور اس کی تائید و توثیق ہوتی ہے۔ پہلی روایت میں بقولِ ابوداؤد ابن وہب منفرد ہے اور بقولِ دارقطنی جریر بن حازم منفرد ہے۔ دوسری جس حدیث کا حوالہ ابوداؤدؒ نے دیا ہے وہ صحیح مسلم میں ہے۔

۱۷۴- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ قَالَ أَخْبَرَنَا يُونُسُ وَحُمَيْدٌ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَى قَتَادَةَ۔

(شرح) یہ مرسل روایت ہے کیونکہ حسن بصریؒ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صحابی کا واسطہ مفقود ہے، مگر ابوداؤدؒ نے اسے گزشتہ قتادہ والی حدیث کی تائید کے لئے بیان کیا ہے۔

۱۷۵- حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ قَالَ حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ عَنْ بَحِيرٍ عَنْ خَالِدٍ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ

النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا يُصَلِّي وَفِي ظَهْرِ قَدَمِهِ لُمْعَةٌ قَدْرُ الدِّرْهَمِ لَمْ يُصِبْهَا الْمَاءُ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُعِيدَ الْوُضُوءَ وَالصَّلٰوةَ

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نمازی کو نماز پڑھتے دیکھا حالانکہ اس کے پاؤں کے اوپر خشک جگہ تھی جو درہم کے برابر تھی اور اسے پانی نہیں پہنچا تھا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وضوء اور نماز لوٹانے کا حکم دیا۔

(شرح) علامہ شوکانی ؒ نے اس حدیث کو بقیہ کی وجہ سے (بقول منذری) معلول قرار دیا ہے کیونکہ جب وہ عن کے ساتھ روایت کرے تو مدلس ہونے کے باعث ضعیف ہے۔ شوکانی ؒ نے کہا ہے کہ روایت دراصل بعض ازواج مطہرات کی طرف سے ہے صحابی کا مجہول ہونا روایت کو مرسل یا ناقابل اعتبار نہیں ٹھہراتا، مگر ابن القطان ؒ اور بیہقی نے روایت کو مرسل قرار دیا ہے۔ نووی ؒ نے اس حدیث کو ضعیف الاسناد کہا ہے۔ امام احمد ؒ بن حنبل کے نزدیک یہ روایت مرسل یا ضعیف نہیں ہے کیونکہ صحابی کے نام کا نہ لیا جانا قدح کا سبب نہیں ہوتا۔

مولانا خلیل احمد ؒ فرماتے ہیں کہ ابن القطان اور بیہقی کا اس روایت کو مرسل کہنا امام بخاری کے مذہب کے مطابق ہے کیونکہ خالد بن معدان عن کے لفظ سے کسی صحابی سے روایت کرتا ہے جس سے اس کی ملاقات کا کوئی ثبوت نہیں۔ ہاں اگر وہ حدثنی کا لفظ بولتا تو روایت متصل ہو جاتی۔ مگر امام مسلم اور جمہور کے مذہب پر یہ حدیث متصل ہے۔ حدیث کے معلول ہونے کے باوجود اگر یہ کہا جائے کہ حضور کا اس شخص کو وضوء کے اعادے کا حکم دینا استحباب کی بنا پر تھا ورنہ اگر وہ صرف وہ خشک جگہ دھولیتا تو وضوء میں موالاۃ کے واجب نہ ہونے کے باعث وضوء درست ہو جاتا۔ ہاں! چونکہ وضوء مکمل نہ تھا لہٰذا نماز کے اعادے کا حکم البتہ بالکل واجبی تھا کیونکہ اس کی نماز سرے سے ہوئی ہی نہ تھی۔

اس حدیث کا راوی بقیہ متکلم فیہ ہے اور بوجہ مدلس ہونے کے اگر عن سے روایت کرے تو ناقابل قبول ہے۔ یہ فیصلہ امام نسائی کا ہے۔ اس روایت کو معلول یا ضعیف ٹھہرانے کا باعث یہی علت ہے۔

۶۹۔ بَابُ إِذَا شَكَّ فِي الْحَدَثِ

یہ باب ہے کہ جب کوئی وضوء ٹوٹنے کا شک کرے

۱۷۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ أَبِي خَلَفٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَعَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ شُكِيَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلُ يَجِدُ الشَّيْءَ فِي الصَّلٰوةِ حَتّٰى يُخَيَّلَ إِلَيْهِ فَقَالَ لَا يَنْفَتِلُ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا۔

(ترجمہ) عبداللہ بن زید بن عاصم المازنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آدمی کے بارے میں شکایت کی گئی جو نماز میں محسوس کرتا ہے کہ کوئی چیز اس سے خارج ہوئی ہے اور اسے اس بات کا خیال پیدا ہوتا ہے

(تو وہ کیا کرے؟) حضورؐ نے فرمایا کہ جب تک کوئی آواز نہ سُنے یا ہوا نہ پائے نماز نہ چھوڑے۔

(شرح) عباد بن تمیم کا چچا عبداللہ بن زید صحابی تھا۔ حضورؐ نے سوال کا جو جواب دیا اس کا مفاد یہ تھا کہ محض شک یا وہم اور وسوسہ پر وضوء نہیں ٹوٹتا بلکہ اس کے لئے یقین کی ضرورت ہے۔ طہارت تو یقینی تھی، اب جب تک اس کو باطل کرنے والا یقین نہ ہوگا وہ کالعدم نہیں ہو سکتی۔ "اَلْیَقِیْنُ لَا یَزُوْلُ بِالشَّکِّ" یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ یہ علم اصول کا مسلمہ قاعدہ ہے۔ یہ حدیث فقہ کے قواعد میں سے ایک بنیادی قاعدہ ہے۔ اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ اشیاء اپنے اصول پر باقی رہتی ہیں جب تک کہ اس کے خلاف یقین نہ ہو جائے، اور شک سے یقین باطل نہیں ہوتا۔ شرح بخاری میں علامہ عینیؒ حنفی نے شرح مسلم میں امام نوویؒ شافعیؒ نے ایسا ہی لکھا ہے۔ حصولِ یقین کی دو صورتیں تو حضورؐ نے فرما دی ہیں، باقی جس دلیل سے بھی یقین ہو جائے اس کا یہی حکم ہے۔

۱۷۷۔ حَدَّثَنَا مُوْسَی بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ قَالَ أَخْبَرَنَا سُهَيْلُ بْنُ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَوَجَدَ حَرَكَةً فِي دُبُرِهِ أَحْدَثَ أَوْ لَمْ يُحْدِثْ فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ فَلَا يَنْصَرِفْ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی جب نماز میں ہو اور اپنی پشت میں حرکت محسوس کرے، اس پر یہ بات الجھن کا سبب بن جائے کہ وضوء ٹوٹ گیا یا نہیں ٹوٹا تو جب تک کوئی آواز نہ سُنے یا ہوا نہ پائے اس وقت تک نماز نہ چھوڑے۔

(شرح) امام ابو حنیفہؒ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کسی کی پیشاب گاہ سے ہوا خارج ہو تو اس سے وضوء باطل ہو جاتا ہے۔ اصحاب ابی حنیفہؒ کے نزدیک ایسا نہیں ہے، الا یہ کہ کوئی ایسی عورت ہو کہ اس کے دونوں راستے ایک ہو چکے ہوں تو اس کا وضوء ٹوٹ جائے گا۔

۷۰۔ بَابُ الْوُضُوْءِ عَنِ الْقُبْلَةِ

بوسے سے وضوء کے ٹوٹنے کا باب

۱۷۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي رَوْقٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَهَا وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَهُوَ مُرْسَلٌ وَإِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ عَائِشَةَ شَيْئًا۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَكَذَا رَوَاهُ الْفِرْيَابِيُّ وَغَيْرُهُ۔

(ترجمہ) اُمّ المؤمنین عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بوسہ لیا اور پھر وضوء نہ کیا۔ ابو داؤدؒ اس روایت کو اس بنا پر مرسل (منقطع) بتلاتے ہیں کہ ابراہیم تیمی نے حضرت عائشہؓ سے کچھ نہیں سنا، اور فریابی وغیرہ نے اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا۔

(شرح) ابراہیم تیمی ویسے تو ثقہ ہیں لیکن ان کا تعلق فرقہ مرجیہ سے ہے اور بقول ابن المدینیؒ نہ اس کا سماع حضرت عائشہؓ سے ثابت ہے۔ حضرت حفصہؓ سے قطان نے اس حدیث کو لاشئ کہا ہے۔ حدیث گو ضعیف ہے مگر اس کی تائید کئی احادیث اور آثار سے ہوتی ہے۔ اس حدیث سے پتہ چلا کہ عورت کو مس کرنے سے وضوء نہیں ٹوٹتا بلکہ بوسے سے بھی وضوء میں خلل نہیں آتا۔ امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کا یہی قول ہے۔ پھر بعض تفاصیل میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ نے کہا کہ عورت کو مس کرنا اگر شہوت سے ہو تو وضوء ٹوٹ جائے گا، اگر شہوت کے بغیر ہو مثلاً عورت بہت چھوٹی عمر کی ہے یا محرم ہے تو اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا، امام شافعیؒ کا ایک قول یہی ہے مگر دوسرے قول میں عورت کا مس بہر حال وضوء ٹوٹنے کا سبب ہے بشرطیکہ محرم نہ ہو۔ ان کی دلیل اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ کی آیت ہے جس میں لمسِ نساء کو موجب حدث ٹھیرایا ہے۔ اس کی دوسری قراءت اَوْ لَمَسْتُمُ ہے۔ جمہور نے کہا کہ لمس سے مراد اس آیت میں بطور مجاز جماع ہے جس کی دلیل حضرت عائشہؓ کی وہ حدیث ہے جس میں انہوں نے رات کی تاریکی میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم چھوئے مگر حضورؐ نے نہ نماز توڑی نہ وضوء فرمایا۔ یہ حدیث صحیحین کی ہے اور پھر وہ حدیث صحیح جس میں اُمّ المؤمنین عائشہؓ حضورؐ کی صلوٰۃ اللیل کا ذکر فرماتی ہیں اور لوگوں سے کہتی ہیں کہ تم نے ہمیں کتوں اور گدھوں سے ملا ڈالا ہے جو بہت بُری بات ہے مطلب یہ کہ عورت کے مس یا دیکھنے سے نماز نہیں ٹوٹتی نہ وضوء میں نقص آتا ہے۔ اس حدیث میں ذکر ہے کہ حضورؐ سجدہ کرتے وقت اُمّ المؤمنین کو چھوتے اور وہ ٹانگیں سکیڑ لیتیں، جب اٹھ کھڑے ہوتے تو پھر پھیلا لیتیں۔ یہ بھی صحاح کی حدیث ہے۔

زیر نظر حدیث میں ضعف ہے مگر اس کی تائید بہت سی صحیح احادیث سے ہوتی ہے۔ ابو داؤدؒ نے اس حدیث کو جو مُرسل کہا ہے یہ وسیع تر معنوں میں کہا ہے ورنہ دراصل اصولِ حدیث کی رُو سے یہ حدیث منقطع ہے، مُرسل نہیں۔ اگر صرف اس وجہ سے اسے رد کیا جاتا ہے تو دوسری بات ہے۔ فریابی کی جس روایت کا ابو داؤدؒ نے حوالہ دیا ہے مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ وہ مجھے کتب حدیث میں نہیں مل سکی۔ البتہ وکیعؒ، ابو عاصمؒ، محمد بن جعفرؒ، عبد الرزاقؒ اور قبیصہؒ نے سفیانؒ سے روایت کی ہے اور وہ بھی ارسال یعنی منقطع ہے۔

۱۷۹۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ قَالَ حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ قَالَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ حَبِیْبٍ عَنْ عُرْوَۃَ عَنْ عَائِشَۃَ رض اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَبَّلَ امْرَاَۃً مِّنْ نِّسَائِہٖ ثُمَّ خَرَجَ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَلَمْ یَتَوَضَّاْ، قَالَ عُرْوَۃُ فَقُلْتُ لَھَا مَنْ ھِیَ اِلَّا اَنْتِ فَضَحِکَتْ۔ قَالَ اَبُوْ دَاؤدَ وَھٰکَذَا رَوَاہُ زَائِدَۃُ وَعَبْدُ الْحَمِیْدِ الْحِمَّانِیُّ عَنْ سُلَیْمَانَ الْاَعْمَشِ۔

(ترجمہ) عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں میں سے ایک کا بوسہ لیا پھر نماز کے لئے تشریف لے گئے اور وضوء نہیں کیا۔ عروہ (عائشہؓ کے شاگرد بھانجے) نے کہا کہ وہ عورت آپ کے سوا اور کون ہو سکتی تھی!

تو اُمّ المؤمنین ہنس پڑیں۔

(شرح) حضرت عائشہؓ کا ہنسنا اس سبب سے تھا کہ عروہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے قرب کو خوب بھانپا۔ ابوداؤدؒ نے حدیث کے آخر میں جو بات کہی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ روایت میں عروہ کا لفظ ہے اور اس کی نسبت یعنی عروہ ابن زبیرؓ مذکور نہیں۔ ابوداؤدؒ اگلی روایت میں عروہ المزنی کا ذکر کرتے ہیں جس کے باعث اس زیر نظر روایت کو بھی معلول ٹھیراتے ہیں کیونکہ عروہ مزنی مجہول ہے۔ مگر ابن ماجہ نے سنن میں یہ روایت عروہ بن زبیر سے بیان کی ہے۔ حضرت عائشہؓ کی اکثر و بیشتر روایات عروہ بن زبیر سے ہیں جو اُمّ المؤمنینؓ کے بھانجے اور انہی کے پروردہ تھے، اور وہی اس لئے تکلفی سے اُمّ المؤمنینؓ سے بات کر سکتے تھے جس کا ذکر اس حدیث میں ہے۔

۱۸۰۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مَخْلَدٍ الطَّالِقَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَغْرَاءٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنَا اَصْحَابٌ لَّنَا عَنْ عُرْوَةَ الْمُزَنِيِّ عَنْ عَائِشَةَ رض بِهٰذَا الْحَدِيْثِ۔

(شرح) یہ وہ روایت ہے جس کی بناء پر اُوپر کی حدیث کی سند میں عروہ سے مراد عروہ المزنی لیکر اسے معلول قرار دیا گیا ہے مگر اس دوسری روایت کے راوی عبدالرحمان بن مغراء کو ابن المدینی نے لاشیٔ کہہ کر رد کیا ہے۔ ابن عدی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور اسی طرح ساجی نے بھی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب میں عروہ المزنی کو بالکل مجہول کہا ہے بہت سی روایات میں عروہ عن عائشہؓ سے مراد محدثین عروہ بن زبیرؓ ہی لیتے ہیں مگر یہ امر افسوسناک ہے کہ یہاں عروہ کو ایک حدیث میں غیر منسوب کہہ کر دوسری حدیث کی روایت کے مطابق خواہ مخواہ اسے عروہ مزنی ٹھیرایا گیا اور اس کی حدیث کو معلول قرار دیا گیا ہے پھر اس مزنی والی روایت میں اعمش جن لوگوں سے روایت کرتا ہے وہ خود مجہول ہیں، ان کی بناء پر اس حدیث کو وہی پہلی ٹھیرا کر دونوں کو رد کیسے کیا جاسکتا ہے؟ اس کے بعد ابوداؤدؒ فرماتے ہیں: قَالَ اَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ الْقَطَّانُ لِرَجُلٍ اُحْكِ عَنِّيْ اَنَّ هٰذَيْنِ يَعْنِيْ حَدِيْثَ الْاَعْمَشِ هٰذَا عَنْ حَبِيْبٍ وَحَدِيْثَهٗ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ اَنَّهَا تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ، قَالَ يَحْيَى اُحْكِ عَنِّيْ اَنَّهُمَا شِبْهُ لَا شَيْءَ۔ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ وَرُوِيَ عَنِ الثَّوْرِيِّ اَنَّهٗ قَالَ مَا حَدَّثَنَا حَبِيْبٌ اِلَّا عَنْ عُرْوَةَ الْمُزَنِيِّ يَعْنِيْ لَمْ يُحَدِّثْهُمْ عَنْ عُرْوَةَ ابْنِ الزُّبَيْرِ بِشَيْءٍ۔ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ وَقَدْ رَوٰى حَمْزَةُ الزَّيَّاتُ عَنْ حَبِيْبٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ حَدِيْثًا صَحِيْحًا۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ابوداؤدؒ یحیی بن سعید القطان سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کسی شخص سے کہا کہ میری طرف سے لوگوں کو بتا دو کہ اعمش کی روایت حبیب سے (جس میں عروہ کا لفظ ہے یعنی غیر منسوب) اور مستحاضہ کے باب میں اسی سند سے اس کی روایت کہ مستحاضہ ہر نماز کے لئے وضوء کرے، یہ دونوں حدیثیں بے قیمت ہیں۔ پھر ابوداؤدؒ ثوری کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ حبیب ہم سے جو روایت بیان کرتے ہیں وہ عروہ مزنی سے ہے نہ کہ عروہ بن زبیر سے۔ تیسری بات جو ابوداؤدؒ نے اس عبارت میں بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ حمزہ زیات جو روایت حبیب سے اور وہ عروہ سے اور وہ عائشہؓ سے بیان کرتا ہے اس میں واقعی عروہ بن زبیر ہی راوی ہے اور وہ حدیث صحیح ہے۔

مولانا خلیل احمدؒ نے فرمایا کہ ابوداؤد کی پہلی بات کا جہاں تک تعلق ہے ہم نے اوپر ثابت کیا ہے کہ عروہ سے مراد عروہ بن زبیرؓ ہی ہے، وہی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بھانجا، ان کا شاگرد اور پروردہ ہے۔ کسی روایت میں اگر غیر منسوب آجائے تو وہ مجہول نہیں ہوا

جبکہ عامہ روایات میں وہی ام المؤمنینؓ سے راوی ہے اور اسی کو یہ جرأت ہو سکتی تھی کہ اُم المؤمنین سے یہ بات کہتا کہ: مَنْ هِيَ إِلَّا أَنْتِ۔ مسند احمد اور دار قطنی کی روایات دلالت کرتی ہیں کہ عروہ سے مراد ابن زبیرؓ ہے نہ کہ کوئی اور۔ بس جب عروہ کی جہالت جاتی رہی اور وہ عروہ بن زبیر ہی ثابت ہو گیا تو اس روایت کی علت دور ہو گئی اور یحییٰ بن سعید کا اعتراض جس بنیاد پر تھا وہ جاتی رہی۔ رہا سفیان ثوریؒ کا یہ قول کہ ہم سے حبیب نے صرف عروہ المزنی کی طرف سے ہی حدیث بیان کی ہے، تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ حبیب نے ثوریؒ کے علاوہ کسی اور کو بھی مزنی ہی کی روایت سنائی ہو؟ پھر ابوداؤدؒ نے ثوریؒ کا جو قول نقل کیا ہے اس کی سند کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ خود ابوداؤدؒ تو ثوریؒ کے شاگرد نہیں نہ انہوں نے ثوریؒ کا زمانہ پایا ہے، لہٰذا یہ اعتراض بھی باد رہوا ثابت ہوا۔ اگر ثوریؒ کا یہ قول ثابت بھی ہو جائے تو یہ صرف ثوریؒ کا اپنا خیال ہے کیونکہ حبیب بن ابی ثابت نے عروہ بن زبیرؓ کی ملاقات سے تو انکار نہیں کیا۔ حبیب کی روایات عروہ بن زبیرؓ کے ہمعصروں بلکہ ان سے بڑی عمر والوں سے بھی ثابت ہیں۔ امام مسلمؒ نے اپنی کتاب کے خطبے میں صراحت کی ہے کہ روایت کے اتصال کے لئے راوی کا مروی عنہ سے سماع کا ثبوت ضروری نہیں صرف معاصرت کافی ہے۔ اور امام مسلمؒ نے اس بات پر محدثین کا اتفاق نقل کیا ہے (گو امام بخاریؒ نے اسے تسلیم نہیں کیا) کہ دو راویوں کی ایک دوسرے سے روایت کے لئے صرف امکانِ ملاقات کافی ہے۔ حافظ ابو عمرؒ نے اس حدیث کی تصحیح کا میلان ظاہر کیا ہے کیونکہ ثقہ ائمہ حدیث اس کے راوی ہیں۔ ابن ماجہ اور ابن ابی شیبہ نے اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ پھر خود امام ابوداؤدؒ نے ہی یہ کہہ کر ثوریؒ کا قول رد کر دیا ہے کہ حمزہ الزیات نے حبیب سے اور اس نے عروہ بن زبیرؓ سے ایک صحیح حدیث روایت کی ہے۔ مولانا سہارنپوریؒ فرماتے ہیں کہ حمزہ نے اسی سند کے ساتھ چار احادیث کی روایت کی ہے۔ پہلی تو یہی ابوداؤدؒ کی زیر بحث حدیث ہے جو ترمذی نے بھی بیان کی ہے۔ عروہ اکثر روایات میں غیر منسوب آتا ہے اور وہ ابن زبیرؓ ہی ہوتا ہے۔ اور ابن ماجہ کی روایت میں تصریح موجود ہے کہ وہ ابن زبیرؓ ہے۔ دوسری حدیث ترمذی نے حمزۃ الزیات عن حبیب بن ابی ثابت عن عروہ عن عائشہؓ روایت کی ہے جس میں مشہور دعا ہے: اَللّٰهُمَّ عَافِنِیْ فِیْ جَسَدِیْ۔ اور اس حدیث کے متعلق بقول ترمذیؒ امام بخاریؒ نے کہا ہے کہ حبیب کا سماع عروہ سے ثابت نہیں (جو بخاریؒ کی شرط ہے اور عام محدثین کی نہیں) اور ابوداؤدؒ نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے وہ شاید یہی حدیث ہے مگر ترمذیؒ نے صراحت نہیں کی کہ یہ عروہ بن زبیرؓ کی روایت ہے۔ تیسری حدیث وہ ہے جو ابوداؤدؒ نے مستحاضہ کے وضوء کے باب میں بیان کی ہے۔ چوتھی حدیث ترمذیؒ نے اعمش عن حبیب عن عروہ بیان کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرے کا ابن عمرؓ سے سوال و جواب مذکور ہے اور اس کے بعد ترمذیؒ نے پھر بخاری کا قول نقل کیا ہے کہ حبیب کا سماع عروہ بن زبیر سے ثابت نہیں (حالانکہ عامہ محدثین کے نزدیک ثبوت سماع یا ثبوتِ لقاء شرط نہیں بلکہ صحیح حدیث کے لئے صرف دو راویوں کا امکانِ ملاقات کافی ہے) اور خود امام ترمذیؒ نے اَللّٰهُمَّ عَافِنِیْ فِیْ جَسَدِیْ والی حدیث کو حسن غریب کہا ہے، یعنی ضعیف یا منکر یا منقطع نہیں ہے۔

۷۱۔ بَابُ الْوُضُوْءِ مِنْ مَّسِّ الذَّكَرِ

شرم گاہ کے مس سے وضوء کا باب

۱۸۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ بَكْرٍ اَنَّهٗ سَمِعَ عُرْوَةَ يَقُوْلُ: دَخَلْتُ عَلٰى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ فَذَكَرْنَا مَا يَكُوْنُ مِنْهُ الْوُضُوْءُ فَقَالَ مَرْوَانُ وَمِنْ مَّسِّ

الذَّكَرِ فَقَالَ عُرْوَةُ مَا عَلِمْتُ ذٰلِكَ فَقَالَ مَرْوَانُ أَخْبَرَتْنِي بُسْرَةُ بِنْتُ صَفْوَانَ أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ مَسَّ ذَكَرَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ۔

(ترجمہ) عروہ نے کہا کہ میں مروان بن الحکم کے پاس گیا اور ہم نے ان چیزوں کا ذکر کیا جن سے وضوء واجب ہوتا ہے تو مروان نے کہا کہ شرمگاہ کو چھونے سے بھی۔ عروہ نے کہا کہ مجھے اس کا علم نہیں، مروان نے کہا مجھے بُسرہؓ بنت صفوان نے بتایا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جو اپنی شرمگاہ کو چھوئے اسے وضوء کرنا چاہیئے۔

(شرح) دیکھ لیجئے اس حدیث کی سند میں بھی عروہؓ بن زبیر کا نام غیر منسوب آیا ہے، عام طور پر عروہ سے مراد یہی عروہ ہوتے ہیں۔ امام طحاوی نے اس حدیث کے راوی عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کے متعلق سفیانؒ بن عیینہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ حدیث کی معرفت رکھنے والوں میں سے نہیں تھا۔ مروان بن الحکم کے ساتھ تمام سیاسی اختلافات کے باوجود محدثین نے اسے روایتِ حدیث میں ثقہ مانا ہے۔ امام بخاریؒ نے بھی اس کی روایت درج کی ہے جس پر محدث اسماعیلی کو اعتراض ہے۔ اس حدیث سے پتہ چلا کہ مسِ ذکر وضوء کو توڑ دیتا ہے۔ بقولِ شوکانی یہ مسلک حضرت عمرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابوہریرہؓ، ابن عباسؓ، عائشہ صدیقہؓ، سعدؓ بن ابی وقاص، عطاءؒ، زہریؒ، ابن المسیبؒ، مجاہدؒ، ابانؒ بن عثمان، سلیمانؒ بن یسار، شافعیؒ، احمدؒ، اسحٰقؒ اور بروایتِ مشہورہ امام مالکؒ کا ہے۔ اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور اس کو صحیح بتانے والے امام احمدؒ، ترمذیؒ، دارقطنیؒ، یحییٰؒ ابن معین (حسب بیان حافظ ابنؒ عبدالبر)، بیہقیؒ اور حازمیؒ ہیں۔ بخاریؒ اور مسلمؒ نے یہ حدیث صحیحین میں درج نہیں کی تھی ان کی دلیل یہ ہے کہ عروہؓ اور بسرہؓ کے درمیان کا واسطہ یا تو مروان ہے جو عدالت میں مطعون ہے اور یا اس کا دربان ہے جو ایک مجہول شخص ہے۔ اور حدیث میں وضوء کا حکم استحباباً ہے یعنی تقاضائے ادب یہ ہے ورنہ ذکر جسم کا حصہ ہے، اگر وہ نجس ہے تو اس کی موجودگی میں نماز کیسے ہوگی؟ اس کی مثال ایسی ہے جیسے نماز کے باہر اگر قہقہہ لگا لیں تو ادباً وضوء کرلیں، یا خالص دنیوی باتیں کرلیں تو وضوء کرلیں۔ پھر طبرانی میں اس روایت میں یہ اضافہ ہے: أَوْ أُنْثَيَيْهِ أَوْ رُفْغَيْهِ۔ یعنی اگر کوئی فوطوں کو ہاتھ لگالے یا رانوں کو ہاتھ لگالے تو وضوء کرے، حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ پھر یہاں پر یہ سوال بھی ہے کہ عورت اگر اپنی شرم گاہ کو چھولے تو اس کا کیا حکم ہے؟

مثبتین نے کہا ہے کہ کئی ائمہ حدیث جزم کے ساتھ کہتے ہیں کہ عروہ نے یہ حدیث خود بُسرہؓ سے بھی سُنی تھی جیسا کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے عروہ کا بیان نقل کیا ہے کہ انہوں نے خود بُسرہؓ سے اس روایت کی تصدیق چاہی تو انہوں نے تصدیق کی تھی۔ لیکن اس صورت میں مخالفین کی طرف سے یہ سوال پھر بھی باقی رہتا ہے کہ اگر ایسا ہوا تھا تو بخاری اور مسلم نے اس روایت کو کیوں نہ لیا؟ پھر بعض محدثین نے یحییٰ ابن معین سے نقل کیا ہے کہ تین حدیثیں ثابت نہیں ہیں۔ ایک مسِ ذکر والی حدیث، دوسری لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ اور تیسری كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ۔ امام طحاویؒ نے مسِ ذکر سے وضوء واجب ہونے کی سب احادیث پر کلام کیا ہے اور انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ مسند احمد میں مسِ ذکر کی حدیث کی سند میں محمد بن اسحاق کا نام بھی ہے جس پر محدثین شدید جرح کرتے ہیں۔ امام ابوداؤدؒ اس کے بعد والے باب میں جو حدیث لاتے ہیں اس سے پتہ چل گیا کہ حکم والی حدیث میں یا تو حکم استحباب پر محمول ہے یا وضوء سے مراد لغوی وضوء یعنی ہاتھ دھونا ہے یا پہلا حکم منسوخ ہے اور بعد میں رخصت ہوگئی تھی۔

۷۲- بَابُ الرُّخْصَةِ فِي ذٰلِكَ

اس سے رخصت کا باب

۱۸۲- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا مُلَازِمُ بْنُ عَمْرٍو الْحَنَفِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بَدْرٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ رَجُلٌ كَأَنَّهُ بَدَوِيٌّ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ مَا تَرَى فِي مَسِّ الرَّجُلِ ذَكَرَهُ بَعْدَ مَا يَتَوَضَّأُ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ هُوَ إِلَّا مُضْغَةٌ مِنْهُ أَوْ بَضْعَةٌ مِنْهُ - قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ هِشَامُ بْنُ حَسَّانٍ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَشُعْبَةُ وَابْنُ عُيَيْنَةَ وَجَرِيرٌ الرَّازِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَابِرٍ عَنْ قَيْسِ ابْنِ طَلْقٍ -

(ترجمہ) حضرت طلق رضؓ نے کہا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو ایک آدمی آیا جو بدوی معلوم ہوتا تھا، اس نے کہا اے اللہ کے نبیؐ جو آدمی وضوء کے بعد اپنے عضو خاص کو مس کرے تو اس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تمہارا ایک ٹکڑا یا تمہارا ایک حصہ ہی ہے۔

(شرح) اس حدیث کے راوی قیس بن طلق کو علی بن المدینی، یحیی بن معین، العجلی، ابن حبان نے ثقہ کہا ہے مگر ابو حاتم اور شافعیؒ نے اس پر جرح کی ہے۔ امام شافعیؒ کی جرح تو اس بناء پر ہے کہ ان کے نزدیک قیس مجہول ہے۔ مگر دوسرے ائمہ حدیث اگر اسے مجہول جانتے تو توثیق نہ کرتے، ان کی توثیق زیادہ علم پر مبنی ہے لہٰذا مقبول ہے۔ رہی ابو حاتم کی جرح سو وہ مبہم ہے۔ پتہ نہیں چلتا کہ انہیں اس جلیل القدر تابعی پر کیا اعتراض ہے؟ بعض لوگوں نے طلق رضؓ کی حدیث کو بسرہؓ کی حدیث سے منسوخ گردانا ہے مگر یہ بات بھی مضحکہ خیز نظر آتی ہے کیونکہ اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے۔ اس کے برعکس ابواب کی ترتیب ثابت کرتی ہے کہ ابو داؤدؒ کے نزدیک بسرہؓ کی حدیث منسوخ ہے، کیونکہ پابندی پہلے اور رخصت بعد میں ہوتی ہے۔ طلقؓ کی حدیث کے مطابق بہت سے صحابہؓ اور تابعینؒ کا مذہب ہے، مثلاً علی بن ابی طالبؓ، عمارؓ بن یاسر، عبداللہؓ بن مسعود، حذیفہؓ، عمرانؓ بن حصین، ابوالدرداءؓ، سعدؓ بن ابی وقاص (ایک روایت میں) اور سعید بن المسیبؒ، حسن بصریؒ، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعیؒ، ربیعہؒ بن ابی عبدالرحمٰن، سفیانؒ ثوری اور ان کے اصحاب، یحییؒ بن معین، اور تمام علمائے کوفہ ـــــ علامہ شوکانی رح نے کہا کہ عمرو بن علی الفلاس نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ علی بن المدینی نے کہا کہ یہ حدیث بسرہؓ کی حدیث سے احسن ہے۔ اس کی سند مستقیم ہے اور اس میں اضطراب نہیں ہے۔ ابن حبان، طبرانی اور ابن حزم بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔

۱۸۳- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَابِرٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقٍ بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ وَقَالَ فِي الصَّلٰوةِ -

(ترجمہ) دوسری سند سے یہ حدیث جب مروی ہوئی تو اس میں یہ لفظ زائد ہو گیا کہ: نماز میں۔
(شرح) یعنی صحابی کا سوال یہ تھا کہ جب کوئی آدمی نماز میں اپنے عضو خاص کو مس کرے تو کیا حکم ہے؟

۷۳- بَابُ الْوُضُوْءِ مِنْ لُحُوْمِ الْإِبِلِ

اونٹوں کے گوشت سے وضوء کرنے کا باب

۱۸۴- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ قَالَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الرَّازِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ لَيْلٰى عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوُضُوْءِ مِنْ لُحُوْمِ الْاِبِلِ فَقَالَ تَوَضَّئُوْا مِنْهَا۔ وَسُئِلَ عَنْ لُحُوْمِ الْغَنَمِ فَقَالَ لَا تَوَضَّئُوْا مِنْهَا وَسُئِلَ عَنِ الصَّلٰوةِ فِيْ مَبَارِكِ الْاِبِلِ فَقَالَ لَا تُصَلُّوْا فِيْ مَبَارِكِ الْاِبِلِ فَاِنَّهَا مِنَ الشَّيَاطِيْنِ وَسُئِلَ عَنِ الصَّلٰوةِ فِيْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ فَقَالَ صَلُّوْا فِيْهَا فَاِنَّهَا بَرَكَةٌ۔

(ترجمہ) براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اونٹ کے گوشت سے وضوء کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا کہ اس سے وضوء کرو۔ بھیڑ بکریوں کے گوشت کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ اس سے وضوء مت کرو۔ اور اونٹوں کے باڑے میں نماز کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ اونٹوں کے باڑوں میں نماز مت پڑھو کیونکہ یہ شیطانوں میں سے ہیں اور بھیڑ بکریوں کے باڑوں میں نماز کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا اس میں نماز پڑھ لو کیونکہ وہ باعث برکت ہیں۔

(شرح) وضوء کا ایک شرعی معنی ہے جو سب کو معلوم ہے، اور ایک لغوی معنی ہے یعنی ہاتھ منہ دھو لینا، یہاں پر لغوی معنی مراد ہے جس پر بہت سے دلائل قائم ہیں۔ اسے ہم مجازی معنی بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ حقیقی معنی تو وہی شرعی معنی ہے اور مجازی معنی مراد ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ جمہور صحابہ اور خلفائے اربعہ نے اونٹ کا گوشت کھا کر وضوء کرنا مراد نہیں لیا۔ خبر واحد کا جب یہ حال ہو کہ صدر اول میں اس پر عمل ترک ہو گیا ہو تو اس پر (حقیقی شرعی معنی کے اعتبار سے) عمل واجب نہیں ہوتا۔ کتب اصول میں یہ بحث مفصل موجود ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے وضوء سے اگر شرعی وضوء ہی مراد ہو تو استحباب پر مبنی ہوگا کیونکہ اونٹ کے گوشت میں چربی بہت ہوتی ہے جس سے کھانے والے کے ہاتھ وغیرہ لتھڑ جانے کا احتمال ہوتا ہے، اور اس گوشت میں ایک خاص قسم کی بو بھی ہوتی ہے۔

علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ اس مسئلے میں اختلاف ہے اور اکثر کا مذہب یہی ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔ امام نوویؒ نے کہا کہ اس مسئلے میں یہی مذہب خلفائے اربعہؓ، ابن مسعودؓ، اُبی بن کعبؓ، ابن عباسؓ، ابو الدرداءؓ، ابو طلحہؓ، عامر بن ربیعہؓ، ابو امامہؓ، جمہور تابعین، مالکؒ، ابو حنیفہؒ، شافعیؒ اور ان کے اصحاب کا ہے۔ یہ لوگ اونٹ کا گوشت کھانے یا مس کرنے سے وضوء کے وجوب کے قائل نہیں۔ اونٹ کے گوشت سے وضوء کے قائل احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، یحیی بن

یحییٰ، ابن المنذرؒ، ابن خزیمہؒ اور حافظ بیہقیؒ ہیں اور ان حضرات کی دلیل یہ حدیث اور اسی جیسی اور روایات ہیں۔ جو لوگ اس کے قائل نہیں ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحاح میں حضرت جابرؓ سے آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری امر یہی تھا کہ آگ چھوئی ہوئی چیزوں سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔ آگ چھوئی ہوئی چیزوں میں اونٹ کا گوشت بھی داخل ہے کیونکہ اسے کچا تو نہیں کھایا جاتا اور حدیث کی ممانعت سے مراد اس کو مس کرنا بھی نہیں ہو سکتا۔ جمہور علمائے امت یعنی علمائے صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین نے آگ چھوئی چیزوں سے وضوء نہ ٹوٹنے کو پہلے احکام کا ناسخ مانا ہے۔ اب یہ بات واضح ہے کہ اس حدیث میں اگر وضوء سے مراد لغوی نہیں بلکہ شرعی لیا جائے اور امر کو استحباب کے لئے نہیں بلکہ وجوب کے لئے سمجھا جائے تو اُسے اُس حدیث کے باعث منسوخ ماننا پڑے گا۔ روایات و آثار سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہاں پر وضوء سے مراد اس کا لغوی معنیٰ ہے۔ ابن مسعودؓ کے پاس گوشت اور ثرید لایا گیا جسے کھا کر انہوں نے انگلیاں دھوئیں، کُلّی کی اور نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ بدبودار بات سے وضوء کرنا مجھے لقمۂ طیّبہ کے باعث وضوء کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ عثمانؓ ذوالنورین سے بھی روایت ہے کہ انہوں نے گوشت کھا کر صرف ہاتھ دھوئے اور پھر نماز پڑھ لی۔ ظاہر ہے کہ ان حضرات کا گوشت زیادہ تر اونٹ کا ہی ہوتا تھا۔ اور کوئی گوشت متنازعہ نہیں ہے لہٰذا اس سے مراد اونٹ کا گوشت ہی لینا ہوگا۔ ابن عباسؓ سے بھی بالکل اسی طرح کی روایت ثابت ہے۔

پھر ایک قابلِ غور چیز اس حدیث کے متعلق یہ بھی ہے کہ اس حدیث سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ اونٹ کے گوشت سے وضوء ہے، اس میں کچے اور پکّے کی کوئی صراحت نہیں، نہ کھانے اور مس کرنے کا ذکر ہے۔ اونٹ کا پکا ہوا گوشت کھانا مراد لینا کس دلیل سے ہے؟ یہ تو محض حدیث کے شارحین نے کہا ہے۔ حدیث کے کسی لفظ سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ نوویؒ نے شرح مسلم میں، شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں، محدّث علی قاریؒ نے شرح مشکوٰۃ میں اس سے مراد اونٹ کا پختہ گوشت کھانا لیا ہے۔

پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ حدیث میں اونٹنی کے دودھ کے استعمال سے بھی وضوء کا حکم موجود ہے۔ یہ حدیث ابن ماجہؒ نے اسیدؓ بن حضیر اور عبداللہؓ بن عمرو سے روایت کی ہے۔ اور ساری اُمّت کا اس پر اجماع ہے کہ وہاں پر وضوء سے مراد کُلّی کرنا اور دودھ کی دسومت کو زائل کرنا ہے۔ پھر بھیڑ بکری کے گوشت کے متعلق مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: چاہے اس سے وضوء کرو چاہے نہ کرو۔ اس کا مطلب بھی وُہی لغوی وضوء ہے نہ کہ شرعی اور اصطلاحی۔

اس حدیث میں اونٹوں کے باڑے میں نماز سے جو منع فرمایا ہے۔ اس کی علّت یہ بیان فرمائی کہ وہ شیاطین ہیں مطلب یہ کہ بھڑک اٹھتے ہیں اور بعض دفعہ بدمست ہو کر کاٹ کھاتے ہیں لہٰذا وہاں پر نماز میں خشوع و خضوع قائم نہیں رہ سکتا۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ نہی تحریم کے لئے نہیں بلکہ کراہت کے لئے ہے جس کی دلیل خود حدیث میں موجود ہے۔ لیکن جوازیا محض کراہت کا سوال اس وقت ہوگا کہ وہاں پر نجاست موجود نہ ہو۔ ورنہ حدیث کا یہ مطلب تو نہیں کہ بکریوں اور بھیڑوں کے باڑے میں مینگنیوں کے اندر اور پیشاب اور غلاظت پر بھی نماز جائز ہے۔ یہ ایک الگ مسئلہ تھا۔ سائل کا سوال ظاہر کرتا ہے کہ وہ آخر جانوروں کے باڑے میں پاک وصاف جگہ پر ہی نماز کے بارے میں پوچھ رہا تھا نہ کہ غلاظت کے ڈھیر پر۔

۷۴۔ بَابُ الْوُضُوْءِ مِنْ مَسِّ اللَّحْمِ النِّيِّ وَغَسْلِهِ

تازہ گوشت سے وضوء اور غسل کا باب

۱۸۵- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَاَيُّوْبُ بْنُ مُحَمَّدٍ الرَّقِّيُّ وَعَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ الْحِمْصِيُّ الْمَعْنٰى قَالُوْا حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ قَالَ اَخْبَرَنَا هِلَالُ بْنُ مَيْمُوْنٍ الْجُهَنِيُّ عَنْ عَطَاءِ ابْنِ يَزِيْدَ اللَّيْثِيِّ قَالَ هِلَالٌ لَا اَعْلَمُهُ اِلَّا عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَقَالَ اَيُّوْبُ وَعَمْرٌو اُرَاهُ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِغُلَامٍ يَسْلَخُ شَاةً فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنَحَّ حَتّٰى اُرِيَكَ فَاَدْخَلَ يَدَهُ بَيْنَ الْجِلْدِ وَاللَّحْمِ فَدَحَسَ بِهَا حَتّٰى تَوَارَتْ اِلَى الْاِبِطِ ثُمَّ مَضٰى فَصَلّٰى لِلنَّاسِ وَلَمْ يَتَوَضَّاْ۔ زَادَ عَمْرٌو فِيْ حَدِيْثِهٖ يَعْنِيْ لَمْ يَمَسَّ مَاءً وَقَالَ عَنْ هِلَالِ بْنِ مَيْمُوْنٍ الرَّمْلِيِّ۔ قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ وَرَوَاهُ عَبْدُ الْوَاحِدِ ابْنُ زِيَادَةَ وَاَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنْ هِلَالٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا لَمْ يَذْكُرْ اَبَا سَعِيْدٍ۔

(ترجمہ) ابوسعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک نوجوان کے پاس سے گزرے جو بکری کی کھال اتار رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ ذرا ایک طرف ہو جاؤ تاکہ میں تمہیں دکھاؤں پس آپ نے اپنا ہاتھ کھال اور گوشت کے درمیان ڈالا اور اسے دھنسایا حتیٰ کہ بغل تک کھال میں چھپ گیا۔ پھر تشریف لے گئے اور لوگوں کو نماز پڑھائی اور وضوء نہ کیا۔ یعنی پانی مس تک نہیں کیا۔

(شرح) ابوداؤد اس حدیث سے شاید یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اس حدیث میں گوشت کے مس سے حضورؐ نے نہ وضوء کیا نہ ہاتھ کو دھویا، مگر پچھلی حدیث میں اونٹ کے گوشت سے جو وضوء کا حکم ہے اس سے مس کرنا مراد نہیں بلکہ پکا ہوا گوشت کھانا ہے۔ لیکن اس صورت میں مشکل یہ پیش آسکتی ہے کہ ممانعت جو گزری وہ اونٹ کے متعلق تھی اور یہاں قصہ بکری کا ہے! بکری کے گوشت سے تو گزشتہ حدیث میں بھی وضوء نہ کرنے کا حکم گزرا ہے۔ بہرحال یہ ایک احتمال ہے، یقینی بات نہیں کہ ابوداؤد کی غرض یہی ہو۔

اس حدیث کے ایک راوی مروان بن معاویہ پر بعض اصحاب جرح و تعدیل نے کچھ جرح کی ہے۔ حضورؐ نے جس نوجوان کو بکری کی کھال اتارتے دیکھا تھا اس کا نام طبرانی میں معاذ بن جبل مذکور ہے۔ حضورؐ نے کھال میں ہاتھ ڈال کر اسے کھال اتارنے کا ڈھنگ سکھایا مگر بعد میں ہاتھ نہ دھویا اس کا مطلب یہ تھا کہ گوشت کو ہاتھ لگانے سے شرعی تو کجا لغوی وضوء بھی ضروری نہیں، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ذبح ہو چکنے کے بعد گوشت اور کھال کے ساتھ جو خون لگا رہتا ہے وہ نجس نہیں ہے۔

۷۵- بَابٌ فِيْ تَرْكِ الْوُضُوْءِ مِنْ مَسِّ الْمَيْتَةِ

مُردار کو چھونے سے وضوء ترک کرنے کا باب

۱۸۶- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِالسُّوقِ دَاخِلًا مِنْ بَعْضِ الْعَالِيَةِ وَالنَّاسُ كَنَفَتَيْهِ فَمَرَّ بِجَدْيٍ أَسَكَّ مَيِّتٍ فَتَنَاوَلَهُ فَأَخَذَهُ بِأُذُنِهِ، ثُمَّ قَالَ أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنَّ هٰذَا لَهُ وَسَاقَ الْحَدِيثَ۔

(ترجمہ) جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی ایک بیرونی آبادی سے داخل ہو کر بازار میں سے گزرے اور لوگ آپؐ کے دونوں طرف تھے۔ آپؐ ایک کان کٹے بکرے کے مُردہ بچے کے پاس سے گزرے۔ آپؐ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر اس کا کان پکڑ لیا، پھر فرمایا تم میں سے کون چاہتا ہے کہ یہ اُسے مل جائے الخ۔

(شرح) ابوداؤد نے حدیث کو مختصر کر دیا ہے، اگلی عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ: ایک درہم کے بدلے، لوگوں نے کہا کہ ہم اسے لینا نہیں چاہتے اور لیکر کریں بھی کیا؟ پھر فرمایا کہ کیا تم اس کو لینا چاہتے ہو؟ لوگوں نے کہا واللہ اگر یہ زندہ ہوتا تو کن کٹا بدنما ہونے کی وجہ سے عیب دار تھا چہ جائیکہ یہ مُردہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا! واللہ جتنا تم اسے بے قیمت سمجھتے ہو اللہ کے نزدیک ساری دنیا اس سے بھی بے قیمت ہے۔ یہ مسلم کی حدیث ہے اور بخاری نے الادب المفرد میں درج کی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ مُردار نجس ہونے کے باوجود ہاتھ لگانے سے وضوء کو باطل نہیں کرتا۔ اس حدیث میں وضوء وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں آیا مگر ابوداؤد کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ اگر اس سے وضوء ٹوٹتا تو اس کا ذکر آتا۔ اس حدیث کا راوی جعفر ابن محمد جو جابرؓ سے روایت کرتا ہے یہ وہی شخصیت ہے جسے امام جعفر صادقؒ اور ان کے والد کو محمدؒ الباقر کہا جاتا ہے۔ جُعفر کی والدہ ام فروہ بنت القاسم بن محمد بن ابی بکرؓ تھیں اور اُم فروہ کی والدہ (جعفر کی نانی) اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ تھیں۔ اسی لئے وہ کہا کرتے تھے: وَلَدَنِي أَبُو بَكْرٍ مَرَّتَيْنِ" ابوبکرؓ میرے دوہرے باپ ہیں"۔ زہیر بن معاویہ کا بیان ہے کہ میں نے جعفرؒ سے کہا کہ میرا ایک ہمسایہ کہتا ہے کہ آپ ابوبکرؓ و عمرؓ سے اظہار برأت کرتے ہیں۔ جعفر نے کہا: اللہ تیرے ہمسائے سے بری ہو، خدا کی قسم مجھے تو ابوبکرؓ کی قرابت کے سبب خدا تعالیٰ سے نفع کی امید ہے۔ حفص بن غیاث کا بیان ہے کہ میں نے جعفر کو یہ فرماتے سُنا: جتنی مجھے علیؓ کی شفاعت کی امید ہے اتنی ہی ابوبکرؓ کی شفاعت کی اُمید ہے۔ جعفر کی ثقاہت اور علم و فضل میں تو شک نہیں مگر ان کے نام سے روایت کرنے والوں نے جو کچھ کیا ہے غالباً اسی کے سبب امام مالکؒ جب تک کسی اور راوی کو بھی اس کے ساتھ نہ ملاتے ان سے روایت نہ کرتے تھے۔ ابن سعد نے ان کی روایت کو ناقابلِ استدلال اور ضعیف قرار دیا ہے اور یحییٰ بن سعید القطان نے کہا ہے کہ: میرے دل میں اس کے بارے میں کھٹک ہے۔ اسی طرح جعفر کے والد محمد الباقر بہت ثقہ اور کثیر الحدیث تھے مگر ان سے روایت کرنے والوں نے معاملہ گڑبڑ کر دیا ہے۔ ائمہ حدیث محمدؒ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ سالم بن ابی حفصہ کا بیان ہے کہ میں نے محمدؒ بن علی اور ان کے فرزند جعفرؒ سے حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ عنہما کے متعلق سوال کیا تو دونوں کا جواب یہ تھا کہ اے سالم! ان دونوں سے پیار رکھ اور ان کے دشمنوں سے اظہار برأت کر، وہ دونوں ہدایت کے امام تھے۔ انہی محمد الباقر کا قول ہے کہ: میں نے اپنے اہلِ خاندان کو ان دونوں سے پیار کرتے ہوئے پایا ہے۔

۷۶- بَابٌ فِي تَرْكِ الْوُضُوْءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ
آگ چھوئی چیزوں سے وضوء نہ کرنے کا باب

۱۸۷- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ ابْنِ يَسَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ

(ترجمہ) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے شانے کا گوشت کھایا اور وضو نہیں کیا۔
(شرح) اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ جس چیز کو آگ نے چھوا ہو اس کے استعمال سے وضوء واجب نہیں ہوتا۔

۱۸۸- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْاَنْبَارِيُّ الْمَعْنٰى قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ اَبِي صَخْرَةَ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ ضِفْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَاَمَرَ بِجَنْبٍ فَشُوِيَ وَاَخَذَ الشَّفْرَةَ فَجَعَلَ يَحُزُّ لِي بِهَا مِنْهُ. قَالَ فَجَاءَ بِلَالٌ فَاٰذَنَهُ بِالصَّلٰوةِ قَالَ فَاَلْقَى الشَّفْرَةَ وَقَالَ مَا لَهُ تَرِبَتْ يَدَاهُ وَقَامَ يُصَلِّي وَزَادَ الْاَنْبَارِيُّ وَكَانَ شَارِبِي وَفٰى فَقَصَّهُ لِي عَلٰى سِوَاكٍ اَوْ قَالَ اَقُصُّهُ لَكَ عَلٰى سِوَاكٍ۔

(ترجمہ) مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا کہ میں ایک رات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے متعلق حکم دیا اور اسے بھونا گیا۔ آپؐ نے چھری پکڑ لی اور مجھے اس میں سے کاٹ کاٹ کر دینے لگے۔ مغیرہؓ نے کہا کہ بلالؓ آیا اور حضورؐ کو نماز کی اطلاع دی۔ حضورؐ نے چھری پھینک دی اور فرمایا اسے کیا ہے، اللہ اس کا بھلا کرے، اور اٹھ کر نماز پڑھی۔

(شرح) مغیرہؓ غریب الوطن تھے، مدینہ میں ان کی کوئی جائداد یا اہل وعیال نہ تھے۔ حدیث سے حضورؐ کی مہمان نوازی اور اس کی خاطر داری کا پتہ چلتا ہے۔ بلالؓ کا فریضہ تھا کہ وقت پر حضورؐ کو نماز کی اطلاع دے، جب لوگ جمع ہو جاتے تو بلالؓ گھر آ کر آپؐ کو مطلع کیا کرتے، کیونکہ حضورؐ کی مصروفیات گھر پر بھی بہت ہوتی تھیں جن سب کا تعلق تعلیم و تبلیغ دین سے ہوتا تھا۔ مَالَهُ تَرِبَتْ يَدَاهُ کا اصلی معنیٰ تو ہے "اسے کیا ہوا اس کے ہاتھ خاک آلود ہو جائیں" مگر عموماً یہ لفظ پیار و محبت کیلئے بولا جاتا تھا، جیسے کوئی پیارے بچے کو ہلکی سی گالی دے تو اس سے مراد گالی نہیں ہوتی۔ کھانے کا وقت ہو یا کھانا حاضر ہو یا مہمان نوازی کے خیال سے ویسے بھی کھانے کو نماز پر عارضی ترجیح حاصل ہے۔ مگر حضورؐ نے چھری پھینک کر فوراً نماز کی طرف توجہ فرمائی کیونکہ لوگ انتظار میں تھے اس سے معلوم ہوا کہ اگر توجہ کے بٹنے کا اندیشہ نہ ہو تو نماز کھانے کی موجودگی میں بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ حدیث میں واضح اور صریح طور پر تو حضورؐ کے گوشت کھانے کا ذکر نہیں ہے مگر یہ بات مسلّم ہے کہ میزبان کو مہمان کے ساتھ کھانا چاہیئے۔ اس حدیث سے بھی گوشت کھا کر بنا وضو کئے بغیر نماز کا جواز ثابت ہوا۔ گو وہ گوشت بکری کا تھا مگر آگ سے پکا ہوا تو تھا۔ اور آگ سے پکی ہوئی چیزوں میں ان احادیث کی رو سے

سے کوئی فرق نہیں ہے۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ پکے ہوئے گوشت کو چھری سے کاٹ کر کھانا جائز ہے۔ مغیرہؓ کی مونچھوں کے طویل بالوں کا اس جگہ مسواک پر رکھ کر کاٹنے کا ذکر ہے کیونکہ حدیث کے لفظ وفیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کچھ زیادہ ہی طویل ہو گئی تھیں۔

۱۸۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ قَالَ حَدَّثَنَا سِمَاكٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَكَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتِفًا ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ بِمِسْحٍ كَانَ تَحْتَهُ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى۔

(ترجمہ) ابن عباسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شانے کا گوشت کھایا پھر اپنا ہاتھ ایک بالوں کے بنے ہوئے ٹاٹ سے پونچھا جو آپؐ کے نیچے تھا پھر اٹھے اور نماز پڑھی۔

۱۹۰۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ النَّمَرِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْتَهَسَ مِنْ كَتِفٍ ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

(ترجمہ) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شانے سے دانتوں سے نوچ کر کھایا پھر نماز پڑھی اور وضوء نہ کیا۔

(شرح) اس روایت میں یحییٰ بن یعمر قاضی مرو وہ پہلا شخص تھا جس نے قرآن کریم کے مصاحف میں نقطے لگائے۔ انتہاس اور نہس کا معنی ہے دانتوں سے نوچنا۔ اس سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ زندگی اور شانِ عبدیت ظاہر ہوتی ہے۔

۱۹۱۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْحَسَنِ الْخَثْعَمِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ قَرَّبْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُبْزًا وَلَحْمًا فَأَكَلَ ثُمَّ دَعَا بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ بِهِ ثُمَّ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ دَعَا بِفَضْلِ طَعَامِهِ فَأَكَلَ ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ

(ترجمہ) جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے روٹی اور گوشت پیش کیا اور آپؐ نے کھایا پھر پانی منگوایا اور اس سے وضوء فرما کر ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر اپنا بچا ہوا کھانا منگوایا اور کھایا۔ پھر عصر کی نماز کیلئے اٹھے اور وضوء نہیں کیا۔

(شرح) ظہر کے لئے وضوء اگر شرعی اصطلاحی وضوء تھا تو اس کی ضرورت ہوگی، اگر لغوی تھا تو اس میں کوئی بحث نہیں۔ دوسری مرتبہ وضوء نہ فرمایا، نہ لغوی نہ اصطلاحی کیونکہ ضروری نہ ہوگا یا مسئلہ بتانا مدنظر ہوگا۔

۱۹۲۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ سَهْلٍ أَبُو عِمْرَانَ الرَّمْلِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ آخِرُ الْأَمْرَيْنِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْكُ الْوُضُوءِ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ هَذَا اخْتِصَارٌ مِنَ

اَلْحَدِیْثُ الْاَوَّلُ ۔

(ترجمہ) جابرؓ نے کہا کہ وضوء کرنے یا نہ کرنے میں سے آخری امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ تھا کہ آگ سے تبدیل شدہ چیزوں کے استعمال سے وضوء ترک کر دیا تھا۔

(شرح) اس سے مراد یہاں زبانی حکم نہیں بلکہ بمعنیٰ ماموریعنی فعلی ہے۔ بقول امام نوویؒ شارح مسلم یہ حدیث نسائی میں بھی ہے اور صحیح ہے اور اس کا شاہد بخاری میں موجود ہے۔ طبرانی میں اسی مضمون کی حدیث محمدؐ بن مسلمہ سے روایت ہوئی ہے۔

۱۹۳۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ اَبِي كَرِيمَةَ، قَالَ ابْنُ السَّرْحِ مِنْ خِيَارِ الْمُسْلِمِيْنَ، قَالَ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ ثُمَامَةَ الْمُرَادِيُّ قَالَ قَدِمَ عَلَيْنَا مِصْرَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ فَسَمِعْتُهُ يُحَدِّثُ فِي مَسْجِدِ مِصْرَ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنِي سَابِعَ سَبْعَةٍ اَوْسَادِسَ سِتَّةٍ مَّعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دَارِ رَجُلٍ فَمَرَّ بِلَالٌ فَنَادَاهُ بِالصَّلٰوةِ فَخَرَجْنَا فَمَرَرْنَا بِرَجُلٍ وَّبُرْمَتُهُ عَلَى النَّارِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَطَابَتْ بُرْمَتُكَ؟ قَالَ نَعَمْ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ، فَتَنَاوَلَ مِنْهَا بَضْعَةً فَلَمْ يَزَلْ يَعْلُكُهَا حَتّٰى اَحْرَمَ بِالصَّلٰوةِ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهِ۔

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی عبد اللہ بن الحارث بن جزء مصر گئے اور انہوں نے وہاں ایک مسجد میں یہ حدیث بیان کی کہ میں نے اپنے آپ کو سات میں کا ایک یا چھ میں سے ایک دیکھا جبکہ ہم ایک شخص کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ بلالؓ وہاں سے گزرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی اطلاع دی۔ ہم وہاں سے باہر نکلے اور راستے میں ایک شخص کو دیکھا جس کی ہنڈیا آگ پر پک رہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا تیری ہنڈیا پک گئی ہے؟ اس نے کہا ہاں! میرے باپ اور ماں آپ پر قربان۔ پس حضورؐ نے اس میں سے گوشت کا ایک ٹکڑا لیا اور اسے برابر چباتے رہے حتیٰ کہ آپؐ نے نماز کی تکبیر کہ دی اور میں آپ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

(شرح) اس حدیث میں سے آگ کا پکا ہوا کھا کر وضوء نہ کرنے کا واضح ثبوت ہے، نیز بوقتِ ضرورت کھڑے ہو کر یا چلتے ہوئے کھانے کے جواز کا ثبوت بھی ہے۔ مسلم کی ایک حدیث میں کھڑے ہو کر کھانے سے نہی وارد ہے مگر یہ حدیث اس کی مخصص ہے۔ اور حضورؐ نے جس غرض سے یہ کیا تھا وہ ایک مسلمان کی دلجوئی تھی یہ مسئلہ بتانا کہ اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا اور نہ کلی اور ہاتھ دھونا ضروری ہے بھی مدِّنظر ہوگا اور ظاہر ہے کہ یہ ایک ضرورت تھی۔ ابو داؤدؒ نے ان احادیث کے بیان کے بعد دوسری قسم کی تخریج کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اپنا مسلک یہی تھا کہ آگ سے پکی ہوئی چیزوں سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ امام شافعیؒ نے صراحت سے فرمایا کہ آگ چھوئی ہوئی چیزوں سے وضوء کرنا منسوخ ہے۔ اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی ثابت ہے۔ پھر چہار خلفائے راشدینؓ، ابن عباسؓ، عامرؓ بن ربیعہ، اُبیؓ بن کعب اور ابوطلحہؓ سے یہی ثابت ہے۔

۷۷۔ بَابُ التَّشْدِيدِ فِي ذٰلِكَ

اس مسئلے میں تشدید کا باب

۱۹۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ حَفْصٍ عَنِ الْأَغَرِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْوُضُوءُ مِمَّا أَنْضَجَتِ النَّارُ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آگ سے پکی ہوئی چیزوں سے وضو ہے۔
(شرح) اس حدیث سے گزشتہ احادیث کے خلاف آگ کی پکی ہوئی چیزوں سے وضوء کا وجوب ثابت ہوتا ہے، اوپر گزر چکا کہ اگر اس وضوء سے مراد اصطلاحی وضوء ہے تو منسوخ ہے کیونکہ آخری امر ترکِ وضوء تھا، اور اگر اس سے مراد لغوی وضوء ہے تو وہ بطور استحباب ہے۔

۱۹۵۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبَانُ عَنْ يَحْيَى يَعْنِي ابْنَ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ سَعِيدِ بْنِ الْمُغِيرَةِ حَدَّثَهُ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى أُمِّ حَبِيبَةَ رض فَسَقَتْهُ قَدَحًا مِنْ سَوِيقٍ فَدَعَا بِمَاءٍ فَمَضْمَضَ قَالَتْ يَا ابْنَ أُخْتِي أَلَا تَوَضَّأُ؟ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَوَضَّؤُوا مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ أَوْ قَالَ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ فِي حَدِيثِ الزُّهْرِيِّ يَا ابْنَ أَخِي۔

(ترجمہ) ابوسفیان بن سعید بن مغیرہ اپنی خالہ محترمہ ام المومنین ام حبیبہؓ کے ہاں گیا تو انہوں نے اسے ستو کا ایک پیالہ پلایا۔ اس نے پانی منگوا کر کلی کی تو ام حبیبہؓ نے فرمایا: اے میرے بھانجے تو وضوء کیوں نہیں کرتا؟ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آگ سے پکی ہوئی یا بدلی ہوئی چیزوں سے وضوء کرو۔
(شرح) آگ سے پکی ہوئی چیزوں سے وضوء نہ کرنے کا مسلک خلفائے راشدین کے علاوہ عبداللہ بن مسعودؓ، ابوالدرداءؓ، ابن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، انس بن مالکؓ، جابرؓ بن عبداللہ، جابر بن سمرۃؓ، زیدؓ بن ثابت، ابوموسیٰ اشعریؓ، ابوہریرہؓ، اُبی بن کعبؓ، ابوطلحہؓ، عامر بن ربیعہؓ، ابوامامہؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، عائشہ صدیقہ ام المومنینؓ کا بھی یہی مسلک ہے اور جماہیر تابعین کا بھی اور یہی مذہب مالکؒ، ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، ابن المبارکؒ، احمدؒ بن حنبل، اسحاق، ابوثور، ابوخیثمہ، سفیانؒ ثوری کا ہے۔ اہل حجاز اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔ ان کے نزدیک وضوء سے مراد اگر شرعی و اصطلاحی وضوء ہے تو منسوخ ہے اور اگر وضوء سے مراد منہ ہاتھ دھونا اور کلی ہے تو وہ متنازعہ فیہ نہیں ہے۔ امام نوویؒ نے کہا کہ صدر اوّل میں اس مسئلے میں

کچھ اختلاف تھا مگر بعد میں سب لوگ اس پر متفق ہو گئے کہ آگ چھوئی ہوئی چیز سے نہ وضوء ٹوٹتا ہے اور نہ اس کے استعمال سے وضوء واجب ہے۔ عبد اللہ بن عباس اس شخص پر حیرانی کا اظہار کرتے تھے جو کہے کہ آگ چھوئی ہوئی چیز سے وضوء واجب ہے انہوں نے کہا کہ ہم گرم پانی سے نہاتے اور وضوء کرتے ہیں تیل کا استعمال کرتے ہیں کیا اس سے بھی وضوء واجب ہو گا؟ ابو ہریرہؓ کے ساتھ ان کا مناظرہ اس باب میں مشہور ہے۔

۷۸۔ بَابُ الْوُضُوْءِ مِنَ اللَّبَنِ

دودھ سے وضوء کرنے کا باب

۱۹۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَمَضْمَضَ ثُمَّ قَالَ اِنَّ لَهٗ دَسَمًا۔

(ترجمہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا۔ پھر پانی منگوایا اور کُلّی کی، پھر فرمایا کہ اس میں چکناہٹ ہوتی ہے۔

(شرح) ابن ماجہ اور طبرانی کی روایات میں حضورؐ کا امر مذکور ہے کہ دودھ پی کر کُلّی کیا کرو۔ مگر صحابہؓ اور تابعین اور فقہاء اور مجتہدین میں سے کسی نے بھی دودھ سے وضوء یا کُلّی کو واجب نہیں ٹھہرایا کیونکہ ان کے نزدیک یہ امر استحبابی ہے۔ ابوداؤدؒ نے اس حدیث کے باب کا عنوان؛ بَابُ الْوُضُوْءِ مِنَ اللَّبَنِ. رکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہاں کُلّی کرنا ہی وضوء تھا (یعنی لغوی وضوء)۔ اسی طرح آگ چھوئی چیزوں سے وضوء سے مراد بھی اگر وضوء لغوی لیا جائے تو بالکل روا اور لغت کے مطابق ہے۔ یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جنہیں ابن ماجہ کے علاوہ سب مؤلفین صحاح نے قتیبہ سے روایت کیا ہے۔

۷۹۔ بَابُ الرُّخْصَةِ فِيْ ذٰلِكَ

اس سے رخصت کا باب

۱۹۷۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ الْحُبَابِ عَنْ مُطِيْعِ بْنِ رَاشِدٍ عَنْ تَوْبَةَ الْعَنْبَرِيِّ اَنَّهٗ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا فَلَمْ يُمَضْمِضْ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَصَلّٰى۔ قَالَ زَيْدٌ دَلَّنِيْ شُعْبَةُ عَلٰى هٰذَا الشَّيْخِ۔

(ترجمہ) انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا پھر نہ کُلّی کی اور نہ وضوء کیا اور نماز پڑھ لی۔

(شرح) زید بن الحباب کا یہ قول کہ اس بوڑھے کی طرف میری رہنمائی شعبہ نے کی، کیا اس سے مطیع بن راشد کی جہالت دور ہو سکتی ہے یا نہیں کیونکہ محدثین کے ہاں وہ مجہول راوی ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے میزان میں لکھا ہے کہ ابوداؤد نے کہا: شعبہ نے اس راوی کی تعریف کی ہے۔ مولانا سہارنپوری نے فرمایا کہ مجھے ابوداؤد کا یہ قول کہیں نہ مل سکا۔ پھر اس کا استاد توبۃ العنبری بھی متکلم فیہ ہے۔ دیگر اسباب فن نے تو اس کی توثیق کی ہے مگر ازدی نے اسے منکر الحدیث قرار دیا ہے اور ابن معینؒ سے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ یہ راوی ضعیف ہے۔ ابوداؤد نے زید کا قول جو نقل کیا ہے اس سے ان کی مراد غالباً مطیع بن راشد کی توثیق ہے، کہ شعبہ جیسا علم کا پہاڑ جسے اچھا جان کر لوگوں کی رہنمائی اس کی طرف کرے وہ ضرور ثقہ ہوگا۔ پھر زید نے اسے شیخ کے لفظ سے یاد کیا جو تعظیم و توثیق پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے نخبۃ الفکر میں لکھا ہے مگر شعبہؒ نے خود اس شیخ سے کوئی حدیث نہیں لی جو اس کی جرح کی دلیل ہے۔

۸۰۔ بَابُ الْوُضُوْءِ مِنَ الدَّمِ

خون بہنے سے وضوء کا باب

۱۹۸۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ تَوْبَةَ الرَّبِيْعُ بْنُ نَافِعٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ قَالَ حَدَّثَنِيْ صَدَقَةُ بْنُ يَسَارٍ عَنْ عَقِيْلِ بْنِ جَابِرٍ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِيْ فِيْ غَزْوَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ فَاَصَابَ رَجُلٌ امْرَاَةَ رَجُلٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَحَلَفَ اَنْ لَّا اَنْتَهِيْ حَتّٰى اُهَرِيْقَ دَمًا فِيْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ يَتْبَعُ اَثَرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْزِلًا فَقَالَ مَنْ رَّجُلٌ يَكْلَؤُنَا فَانْتَدَبَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَرَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ كُوْنَا بِفَمِ الشِّعْبِ قَالَ فَلَمَّا خَرَجَ الرَّجُلَانِ اِلٰى فَمِ الشِّعْبِ اضْطَجَعَ الْمُهَاجِرِيُّ وَقَامَ الْاَنْصَارِيُّ يُصَلِّيْ وَاَتَى الرَّجُلُ، فَلَمَّا رَاٰى شَخْصَهٗ عَرَفَ اَنَّهٗ رَبِيْئَةٌ لِّلْقَوْمِ فَرَمَاهُ بِسَهْمٍ فَوَضَعَهٗ فِيْهِ فَنَزَعَهٗ حَتّٰى رَمَاهُ بِثَلَاثَةِ اَسْهُمٍ ثُمَّ رَكَعَ وَسَجَدَ ثُمَّ انْتَبَهَ صَاحِبُهٗ فَلَمَّا عَرَفَ اَنَّهُمْ قَدْ نَذِرُوْا بِهٖ هَرَبَ، فَلَمَّا رَاَى الْمُهَاجِرِيُّ مَا بِالْاَنْصَارِيِّ مِنَ الدِّمَاءِ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ اَلَا اَنْبَهْتَنِيْ اَوَّلَ مَا رَمٰى قَالَ كُنْتُ فِيْ سُوْرَةٍ اَقْرَؤُهَا فَلَمْ اُحِبَّ اَنْ اَقْطَعَهَا۔

(ترجمہ) جابرؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ غزوۂ ذات الرقاع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے۔ ایک شخص نے

ایک مشرک کی بیوی کو قتل یا قید کر لیا تو اس مشرک نے قسم کھائی کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب کا خون بہائے بغیر نہیں رہونگا پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیچھا کرنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک منزل پر فروکش ہوئے اور فرمایا کہ کون شخص ہماری چوکیداری کرے گا؟ پس ایک آدمی مہاجرین میں سے اور ایک انصار میں سے رضا کارانہ اس کام پر تیار ہو گئے۔ حضورؐ نے ان سے فرمایا کہ تم دونوں اس پہاڑی درے پر چلے جاؤ۔ جابرؓ نے کہا کہ جب وہ دونوں گھاٹی کے اس درے کی طرف چلے گئے تو مہاجر لیٹ گیا اور انصاری اٹھ کر نماز میں مصروف ہو گیا اور وہ مشرک آ گیا۔ جب اس نے اس انصاری کو دور سے دیکھ لیا تو پہچان لیا کہ یہ مسلم قوم کا چوکیدار ہے۔ مشرک نے اس پر تیر پھینکا جو اسے آ لگا۔ انصاری نے وہ تیر نکال دیا حتیٰ کہ اس مشرک نے اسے تین تیر مارے۔ پھر انصاری نے رکوع اور سجدہ کیا اور پھر اپنے ساتھی کو جگایا۔ جب مشرک نے دیکھا کہ ان لوگوں کو اس کا علم ہو گیا ہے تو وہ بھاگ گیا۔ مہاجر نے جب انصاری کا بہتا ہوا خون دیکھا تو کہا کہ سبحان اللہ! تم نے مجھے پہلے تیر پر کیوں نہ جگایا؟ اس نے کہا کہ میں ایک سورت پڑھ رہا تھا جسے قطع کرنا ناگوار معلوم ہوا۔

(شرح) اس باب کے عنوان کا مطلب یہ ہے کہ آیا خون بہنے سے وضوء ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ خون بہنے اور قے کا حکم ایک ہی ہے مگر امام ترمذیؒ نے تو ان دونوں کو ایک باب میں یعنی ایک ہی عنوان کے تحت درج کیا ہے اور ابوداؤدؒ نے ایسا نہیں کیا۔ گو کتاب الصوم میں ثوبانؓ کی حدیث بیان کی ہے جس میں قے کا حکم ہے۔ شاید ایسا اس لئے کیا ہو کہ دونوں کا حکم ایک ہی ہے لہٰذا دوسرے کے ذکر کی حاجت نہیں۔ غزوہ ذات الرقاع ۴ھ میں ہوا تھا مگر امام بخاریؒ کے نزدیک یہ غزوہ خیبر ۷ھ کے بعد ہوا کیونکہ ابوموسیٰ اشعریؓ کی اس میں موجودگی ثابت ہوئی ہے اور وہ جنگ خیبر کے بعد حبشہ سے آئے تھے۔ ذات الرقاع کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ وہاں کسی درخت کا نام تھا۔ کسی نے کہا کہ وہاں کسی پہاڑ کے سفید، سیاہ اور سرخ سنگریزوں کے باعث یہ نام پڑا۔ کسی نے کہا کہ مسلم فوج کے جھنڈوں میں رنگ برنگ کے کپڑے سلے ہوئے تھے اس لئے یہ نام ہوا۔ علامہ عینیؒ نے بخاری کی شرح میں ترجیح اس قول کو دی ہے کہ اہلِ لشکر کے پاؤں پھٹ گئے تھے اور انہوں نے ان پر چیتھڑے باندھ لئے تھے اس لئے یہ نام رکھا گیا۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ یہ حدیث امام احمدؒ، ابوداؤدؒ اور دارقطنیؒ نے روایت کی ہے اور اسے ابن حبانؒ، ابن خزیمہؒ اور حاکمؒ نے محمد بن اسحاق کی روایت سے صحیح کہا ہے۔ عینیؒ نے بھی اسی قسم کی بات کہی ہے۔ مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ میں نے سننِ دارقطنی میں اس حدیث کا ذکر نہیں پایا۔ امام بخاری نے اس حدیث کو صحیح میں نہیں بلکہ ایک باب کے عنوان میں: وَیُذْکَرُ عَنْ جَابِرٍ کے الفاظ سے بیان کیا ہے اور یہ الفاظ محدثین کے نزدیک صیغۂ تمریض کہلاتے ہیں۔ یعنی جس حدیث کے متعلق یہ کہا جائے وہ صحیح نہیں ہوتی۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کو صدقہ کے علاوہ کسی اور نے عقیل سے روایت نہیں کیا اور بخاریؒ نے اس کی تصحیح جزم و یقین سے نہیں کی، یا اس لئے کہ اس نے اسے مختصراً بیان کیا ہے اور یا اس لئے کہ محمد بن اسحاق راوی مختلف فیہ ہے۔

مولانا خلیل احمدؒ نے فرمایا کہ حدیث کو اگر مختصراً بیان کر دیا جائے تو اس قسم کے تمریض کے الفاظ نہیں بولے جاتے لہٰذا پہلا اور تیسرا سبب ہی ماننا پڑے گا جس کے باعث بخاری نے ان الفاظ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ خون کا نواقضِ وضوء میں سے ہونا یا نہ ہونا علماء میں مختلف فیہ ہے۔ دراصل ان کا اختلاف یہاں پر اس بات میں ہے کہ حدث کی علت کیا ہے؟ جیسا کہ ابن العربیؒ اور ابن رشدؒ نے کھول کر بیان کیا ہے۔ پس حنفیہ، سفیان ثوریؒ اور احمد بن حنبلؒ کے نزدیک علت نجس چیز کا بدن سے خروج ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک کسی چیز کا مخرج معتاد سے نکلنا ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک مخرج معتاد سے کسی معتاد چیز کا خروج وضوء ٹوٹنے کی علت ہے۔ یہی باعث ہے کہ انہوں نے سلسل البول کو ناقضِ وضوء نہیں ٹھیرایا کیونکہ وہ غیر معتاد ہے۔

خون کا نواقضِ وضوء میں سے ہونا ان حضرات کے ہاں مسلّم ہے: امام ابوحنیفہؒ، ابویوسفؒ، محمد بن الحسنؒ، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ۔ اور ان لوگوں نے خون کے خروج کو سیلان (بہنے) سے مقید کیا ہے۔ ان کے برخلاف ابن عباسؓ ابن ابی اوفیٰؓ، ابوہریرہؓ، جابر بن عبداللہؓ، سعید بن المسیبؒ، مکحولؒ، ربیعہؒ، مالکؒ اور شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ خون نکلنے سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے، انہوں نے کہا کہ اگر خون نکلنے سے وضوء ٹوٹ جاتا تو پہلے تیر پر ہی انصاری کی نماز باطل ہو جاتی اور اس کا جاری رکھنا جائز نہ ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک صحابی کا فعل ہے، شاید اس کا یہی مذہب ہو یا اس وقت تک اسے مسئلہ معلوم نہ ہو اور اس کی تقویت اس سے بھی ہوتی ہے کہ مہاجر نے جب انصاری کو دیکھا تو اس کا جسم اور کپڑے خون سے لتھڑے ہوئے تھے اور اسے تین تیر لگ چکے تھے۔ دِمَاء کا لفظ جو دَم کی جمع ہے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ تین تیر جسم کے تین حصوں پر لگے تھے۔ انصاری یہ دیکھ کر گھبرا گیا، سو جس طرح یہ بات اس پر دلالت نہیں کرتی کہ خون اور کپڑوں پر نجاست لگ جانے کے باوجود نماز جائز ہے اسی طرح اس سے یہ استدلال بھی نہیں ہو سکتا کہ خون کا بہنا ناقضِ وضوء نہیں ہے۔ بہتا ہوا خون تو از روئے قرآن اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا، حرام اور نجس ہے (وضوء ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا مسئلہ الگ ہے) زیادہ خون ائمۂ اربعہ کے نزدیک نجس ہے، ہاں ان میں قلیل و کثیر کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کی ایک روایت کی رُو سے تو خون کی کوئی مقدار معاف نہیں۔ دوسری روایت میں ایک ہتھیلی کی مقدار معاف ہے۔ امام مالکؒ نے ایک درہم کی مقدار کی معافی کا ذکر کیا ہے۔ بہرحال یہ تو معافی ہے۔ اصلی مسئلہ تو یہی ہے کہ خون کی زیادہ مقدار نجس ہے۔ اب اگر اس حدیث سے استدلال کرنا ہے تو اس سوال کا جواب ان بزرگوں کے ذمہ ہے کہ اتنی کثیر مقدار میں نکلنے والے خون سے آیا بدن اور کپڑے نجس ہوئے تھے یا نہیں؟ اس جواب پر ہی یہ استدلال موقوف ہے۔ ہاں بطور معجزہ و کرامت اگر خون اس طرح نکلا ہو کہ بدن اور کپڑوں پر لگا ہی نہ ہو تو البتہ دوسری بات ہے، مگر بڑی عجیب! اور مہاجر کے ڈر جانے اور نہ جگانے پر اظہارِ افسوس کرنے کی وجہ اس صورت میں سمجھ میں نہیں آتی۔ الغرض اس حدیث سے استدلال کئی وجوہ سے غلط ہے:

۱۔ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ محمد بن اسحاق مختلف فیہ اور عقیل مجہول ہے۔

۲۔ امام بخاری نے اسے صحیح نہیں سمجھا لہٰذا یُذْکَرُ عَنْ جَابِرٍ کے الفاظ استعمال کئے جو اصول کی رُو سے صیغۂ تمریض ہے۔

۳۔ یہ ایک صحابی کا فعل ہے جسے شائد اس وقت تک مسئلہ معلوم نہ تھا، یا اس کا یہی مذہب تھا، یا نماز میں استغراق نے اسے یہ خیال ہی نہ آنے دیا کہ اس کا وضوء نہیں رہا۔ ورنہ کپڑوں اور بدن کے خون آلود ہو جانے کے باوجود وضوء کا باقی رہنا تو سمجھ میں نہیں آتا اور نہ کسی کا مذہب ہے۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ عقیل راوی مجہول نہیں کیونکہ ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے اور اس کی حدیث کی تصحیح کی ہے، اور اسی طرح ابن خزیمہ اور حاکم نے بھی حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابن حبان نے عقیل کی توثیق نہیں کی ہے نہ کسی نے اس توثیق کا ذکر کیا ہے، ہاں اس نے عقیل کو کتاب میں ذکر کیا ہے اور یہ اس بات کو لازم نہیں کرتا کہ اس نے فلاں راوی کی انفراداً توثیق کی ہے۔ ابن حبان تو کئی راویوں کا ذکر ثقات میں کرتا ہے مگر وہ ثقہ نہیں ہوتے۔ اسی طرح ان تینوں حضرات کا اس حدیث کو صحیح کہنا اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ اس راوی کی انفراداً توثیق

کرتے ہیں۔ محدثین کے ہاں کسی راوی کی توثیق کے لئے صراحتہً اس کا نام لیکر اسے ثقہ ٹھیرانا ضروری ہے۔ حاکم کی تصحیح کے متعلق علامہ عینی نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ اس کا تساہل اور ضعیف بلکہ موضوع تک احادیث کو صحیح لکھنا سب کو معلوم ہے۔

امام بخاری نے خون نکلنے سے وضوء نہ ٹوٹنے پر کئی آثار سے استدلال کیا ہے:(الف) حسن بصریؒ کا قول کہ "مسلمان ہمیشہ اپنے زخموں کے ساتھ نماز پڑھتے رہے ہیں"۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ ان حضرات کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ اگر مان بھی لیا جائے تو وہ معذور تھے اور معذور کی طہارت باطل نہیں ہوتی، کیونکہ ایسا شخص حالت نماز میں یا تو اپنے زخم پر کوئی کپڑا لپیٹ کر اسے باندھ لیتا ہے یا زخم پر پٹی باندھ لیتا ہے اور اس کے باوجود اگر خون نکل آئے تو معذوری ہے جس سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔ پھر حسن بصریؒ کا جو مذہب ابن ابی شیبہ نے بیان کیا ہے وہ وہی ہے جو وضوء ٹوٹنے کے قائلین کا ہے کیونکہ وہ یہ مذہب ہے کہ بہتے ہوئے خون سے طہارت باطل ہو جاتی ہے۔

(ب) طاؤسؒ، محمد بن علیؒ، عطاءؒ اور اہل حجاز کا قول کہ خون میں وضوء نہیں۔ علامہ عینیؒ نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہ ان کے لئے دلیل نہیں کیونکہ وہ تابعی کے فعل کو واجب العمل نہیں جانتے اور یہ قول حنفیہ پر حجت نہیں کیونکہ (۱) یہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ فِي الدَّمِ کے لفظ سے بہتا ہوا خون مراد نہیں ہو سکتا بلکہ ممکن ہے اس سے غیر سائل (نہ بہتا ہوا) خون مراد ہو جس سے حنفیہ کے نزدیک بھی وضوء نہیں ٹوٹتا۔ (۲) امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ تابعی بھی مرد ہیں اور ہم بھی مرد ہیں وہ ہم سے اور ہم ان سے مزاحمت کرتے ہیں۔

(ج) پھر بخاریؒ نے بیان کیا ہے کہ ابن عمرؓ نے ایک پھنسی پھوڑی جس سے خون نکل آیا مگر انہوں نے وضوء نہیں کیا اور ابن ابی اوفیؓ نے خون تھوکا مگر نماز جاری رکھی۔ اور ابن عمرؓ اور حسنؒ نے کہا کہ جس نے سینگی لگوائی اس پر صرف سینگی کی جگہ کا دھونا واجب ہے —— اس کا جواب یہ ہے کہ پھنسی پھوڑنے سے جب تک خون نہ بہہ نکلے حنفیہ کے نزدیک بھی وضوء نہیں ٹوٹتا۔ جب خون بہہ جائے تو اس میں حنفیہ کے اقوال مختلف ہیں بعض مثلاً صاحب ہدایہ کے نزدیک اس میں بھی وضوء واجب نہیں (کیونکہ خود نہیں بہا بلکہ جان بوجھ کر خود تکلفاً بہایا گیا ہے) اور بعض نے کہا کہ اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور یہی مذہب ظاہر تر ہے۔ اسی طرح ابن ابی اوفیٰ کا اثر بھی کوئی دلیل نہیں کیونکہ منہ سے نکلنے والے خون میں غلبے کا اعتبار کیا جاتا ہے، یعنی وہ تھوک پر غالب ہو یا اس کے برابر ہو تو وضوء ٹوٹے گا ورنہ نہیں۔ اسی طرح ابن عمرؓ کا قول سینگی لگوانے والے کے بارے میں حجت نہیں کیونکہ جسم سے بہہ نکلنے والا خون تو ابن عمرؓ کے نزدیک بھی وضوء کو توڑ دیتا ہے۔ عنقریب ان کے مذہب کا بیان آئے گا۔ اور اسی طرح حسنؒ کا مذہب بھی یہی ہے جیسا کہ اوپر گزرا۔ پس ان کے اس قول کا کہ اس پر صرف سینگی کی جگہ کا دھونا واجب ہے، مطلب یہ ہے کہ اس پر غسل واجب نہیں صرف اس جگہ کو دھولے جہاں سینگی لگی ہوئی تھی۔ دراصل شائد حسن بصریؒ نے یہاں پر ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے سینگی لگوانے والے پر غسل واجب ہونے کا جواب دیا ہے۔ یہ حدیث مسند احمد میں ابن زبیرؓ سے روایت ہوئی ہے انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: چار چیزوں سے غسل کیا جائے، جمعہ کے لئے، جنابت سے، سینگی لگوانے سے اور میت کو غسل دینے سے۔ پس حسن بصریؒ کے قول میں وضوء کے واجب ہونے کی نفی نہیں ہے۔ حسن بصریؒ کے قول کا باعث علامہ عینیؒ نے شرح بخاری میں یہ بتایا ہے کہ بعض صحابہؓ کے نزدیک حجامت سے غسل واجب ہے۔ ابن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، علی ابن ابی طالبؓ کا یہی مذہب تھا اور ابن عباسؓ کے شاگرد مجاہد کا قول بھی یہی ہے۔

خون نکلنے سے وضوء ٹوٹ جانے کی دلیل کئی احادیث میں ہے۔ پہلی حدیث بخاریؒ کی ہے کہ فاطمہؓ بنتِ ابی حبیش نے

حضورؐ سے استحاضہ کی شکایت کی تو حضورؐ نے فرمایا کہ ہر نماز کے لئے وضوء کر لیا کر، "یہ حیض نہیں ایک رگ کا خون ہے" پس رگ کا خون جب بھی اور جس راہ سے بھی نکلے وہ وضوء کو توڑ دے گا۔ دوسری حدیث ابن ماجہ کی ہے جو مرسل اور مسند دونوں طرح سے روایت ہوئی ہے کہ "مَنْ اَصَابَهٗ قَیْءٌ اَوْ رُعَافٌ اَوْ قَلَسٌ اَوْ مَذْیٌ فَلْیَنْصَرِفْ فَلْیَتَوَضَّأْ وَلْیَبْنِ عَلٰی صَلٰوتِهٖ"۔ "جسے قے، نکسیر، پیٹ کا پانی یا مذی آئے وہ جاکر وضوء کر آئے اور آ کر پہلی نماز پر بناء کرے" بشرطیکہ بات نہ کی ہو۔ تیسری حدیث دارقطنی کی ہے جس میں نکسیر سے وضوء ٹوٹنے کا بیان ہے مگر اس میں ایک راوی ابوبکر الداہری متروک ہے۔ چوتھی حدیث دارقطنی کی ہے جس میں نکسیر سے وضوء ٹوٹنے کا حکم ہے مگر اس میں بھی ابن ارقم راوی متروک الحدیث ہے۔ پانچویں حدیث دارقطنی میں حضرت علیؓ کا قول ہے کہ قے اور نکسیر سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ چھٹی حدیث بھی دارقطنی میں ہے جس میں حضرت علیؓ کا قول امام کے بارے میں ہے کہ اگر اسے قے یا نکسیر آجائے تو دوسرے کو امام بنا کر چلا جائے اور ان دونوں حدیثوں پر دارقطنی نے کوئی تبصرہ نہیں کیا جس سے ان کا کوئی نقص معلوم ہو سکتا۔ ساتویں حدیث حضرت سلمانؓ سے دارقطنی میں آئی ہے کہ حضورؐ نے نکسیر سے انہیں وضوء کرنے کا حکم دیا اس کا راوی عمرو القرشی متروک الحدیث ہے۔ آٹھویں حدیث بھی دارقطنی میں ہے کہ حضورؐ کو اگر نماز میں نکسیر آجاتی تو وضوء فرماتے اور پہلی نماز پر بناء کرتے۔ اس میں بھی ایک راوی عمر بن رباح متروک ہے۔ نویں حدیث دارقطنی نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ بہتے ہوئے خون سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ اس میں محمد ابن فضل بن عطیہ راوی ضعیف ہے۔ دسویں حدیث دارقطنی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: اِذَا اَحْدَثَ اَحَدُكُمْ فِیْ صَلٰوتِهٖ فَلْیَاْخُذْ بِاَنْفِهٖ وَلْیَنْصَرِفْ وَلْیَتَوَضَّأْ۔ اور حدث سے مراد نکسیر بھی ہے۔

ان روایات میں بعض صحیح، بعض حسن اور بعض ضعیف ہیں جو ایک دوسری کی تائید سے قوت حاصل کرتی ہیں۔ اس مسئلے میں صحابہ و تابعین کے آثار بہت سے ہیں۔ ابن عمرؓ کا جو مذہب حافظ ابن عبدالبرؒ نے بیان کیا ہے وہ یہی ہے کہ ان کے نزدیک نکسیر اور بہتے ہوئے خون سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ ابن عمرؓ کا یہ مذہب استذکار کے علاوہ مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق میں بھی نقل ہوا ہے۔ اسی قسم کا قول علیؓ بن ابی طالب، ابن مسعودؓ، علقمہؒ، اسودؒ، شعبیؒ، عروہؒ، نخعیؒ، قتادہؒ، الحکمؒ اور حماد سے منقول ہوا ہے۔ ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب، سفیان ثوریؒ، الحسنؒ بن حیؒ، عبیداللہ بن الحسن، اوزاعیؒ، احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ نکسیر سے وضوء ٹوٹ جانے کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جسے ابن جریجؒ، ابن المبارک، عمر بن علی المقدمی اور فضلؒ بن موسیٰ نے ہشام بن عروہ سے، اس نے اپنے باپ سے اور اس نے عائشہ صدیقہ سے روایت کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی بے وضوء ہو جائے تو اپنا ہاتھ ناک پر رکھے اور نماز چھوڑ کر باہر چلا جائے۔ ناک پر ہاتھ رکھنے کا سوال اسی وقت ہے جبکہ اس حدیث میں اَحْدَثَ کے لفظ سے نکسیر مراد لی جائے۔ یہ حدیث امام بیہقی نے روایت کی۔

امام بیہقی نے جن لوگوں کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ خون نکلنے سے وضوء ٹوٹنے کے قائل نہ تھے یعنی سالمؒ بن عبداللہ سعیدؒ بن المسیب، طاؤسؒ یمنی اور حسن بصری، ان سب سے ان کے خلاف صحیح سندوں سے مصنف ابن ابی شیبہ میں ثابت ہے۔ حسنؒ کے ساتھ ابن ابی شیبہ نے ابن سیرین کا بھی ذکر کیا ہے۔

خون نکلنے سے وضوء نہ ٹوٹنے کے قائلین نے اس زیر نظر حدیث کے علاوہ جن احادیث سے استدلال کیا ہے وہ یہ ہیں:
دارقطنی سے انسؓ کی روایت کہ حضورؐ نے سینگی لگوائی اور اس کے بعد وضو کئے بغیر نماز پڑھی اور صرف وہی مقام دھویا جہاں سے

خون نکلا تھا۔ اس حدیث کی سند میں صالح بن مقاتل ضعیف اور سلیمان بن داؤد مجہول راوی ہے۔
دوسری حدیث بھی دارقطنی کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی اور پانی منگوا کر وضوء کیا۔ صحابی نے پوچھا کہ کیا قے سے وضوء فرض ہے تو فرمایا کہ اگر ایسا ہوتا تو تو قرآن میں پاتا۔ اس کی سند میں عتبہ بن السکن متروک الحدیث ہے۔
تیسری حدیث امام مالکؒ نے مؤطا میں روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے زخمی ہونے کے بعد اس حال میں نماز پڑھی کہ زخم سے خون تیزی سے بہ رہا تھا۔ مگر یہ حدیث محل نزاع سے باہر ہے کیونکہ یہ معذوری کی حالت تھی اور اس حالت میں وضوء ٹوٹنے کا سوال خارج از بحث ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۸۱ - بَابُ الْوُضُوْءِ مِنَ النَّوْمِ

یہ باب نیند سے وضوء کے متعلق ہے۔

۱۹۹ - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ حَنْبَلٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ اَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ قَالَ حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شُغِلَ عَنْهَا لَيْلَةً فَاَخَّرَهَا حَتّٰى رَقَدْنَا فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ اسْتَيْقَظْنَا ثُمَّ رَقَدْنَا ثُمَّ اسْتَيْقَظْنَا ثُمَّ رَقَدْنَا ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا فَقَالَ لَيْسَ اَحَدٌ يَّنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ غَيْرُكُمْ

(ترجمہ) عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات نماز عشاء سے قبل کسی اور ضروری کام میں مصروف تھے لہٰذا آپؐ نے اس نماز کو مؤخر کیا حتیٰ کہ ہم مسجد میں سو گئے، پھر اٹھے، پھر سوئے پھر اٹھے، پھر سو گئے تو حضورؐ گھر سے باہر نکلے اور فرمایا: تمہارے علاوہ اس نماز کے انتظار میں اور کوئی بھی نہیں ہے۔
(شرح) نیند وہ ناقض وضوء ہے جو لیٹ کر یا سہارا لگا کر ہو، ورنہ نماز کے ارکان کی کیفیات مثلاً قیام، رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ، حالت تشہد میں اگر کوئی شخص سہارا لئے بغیر سو جائے تو اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔ اس حدیث میں لوگوں کے سونے کی کیفیت نہیں بتائی گئی۔ اگر بیٹھے بیٹھے سو گئے تھے تو وضوء کسی کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔ پھر اس میں یہ ذکر بھی نہیں کہ اگر لیٹ کر سوئے تھے تو آیا وضوء کیا یا نہیں کیا۔ بہرحال اس سے کوئی استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ شافعی حضرات نے اس حدیث کو اور آئندہ انسؓ کی حدیث کو بیٹھ کر سونے پر محمول کیا ہے مگر مسند بزار کی صحیح حدیث میں ہے کہ ان میں سے بعض لوگ لیٹ کر سو جاتے تھے اور پھر اٹھ کر نماز پڑھنے لگتے تھے۔ مفصل بحث آگے آتی ہے۔

۲۰۰ - حَدَّثَنَا شَاذُ بْنُ فَيَّاضٍ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ الدَّسْتَوَائِيُّ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ الْاٰخِرَةَ حَتّٰى تَخْفِقَ رُؤُوْسُهُمْ ثُمَّ يُصَلُّوْنَ وَلَا يَتَوَضَّئُوْنَ ۔ قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ وَزَادَ فِيْهِ شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ

كُنَّا نَخْفِقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ قَالَ اَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ ابْنُ اَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ بِلَفْظٍ آخَرَ ۔

(ترجمہ) انسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب عشاء کی نماز کا انتظار کرتے تھے حتیٰ کہ ان کے سر اونگھ کے باعث جھک جاتے تھے پھر وہ نماز پڑھتے اور وضوء نہیں کرتے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اُونگھتے تھے۔

(شرح) یہ حدیث تو اس مضمون میں صریح اور واضح ہے کہ ان حضرات کی یہ نیند بیٹھے بیٹھے ہوتی تھی، اس طرح سو جانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا بلکہ سہارے کے ساتھ یا لیٹ کر سونے سے ٹوٹتا ہے۔

٢٠١ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ اِسْمٰعِيلَ وَدَاوُدُ بْنُ شَبِيبٍ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ اَنَّ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ اُقِيمَتْ صَلٰوةُ الْعِشَاءِ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ اِنَّ لِي حَاجَةً فَقَامَ يُنَاجِيهِ حَتّٰى نَعَسَ الْقَوْمُ اَوْ بَعْضُ الْقَوْمِ ثُمَّ صَلّٰى بِهِمْ وَلَمْ يَذْكُرْ وُضُوءًا ۔

(ترجمہ) انس بن مالکؓ نے کہا کہ عشاء کی نماز کھڑی ہوگئی تو ایک آدمی اٹھ کر بولا یا رسول اللہ مجھے ایک کام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے سرگوشی کرنے کھڑے رہے حتیٰ کہ لوگ یا بعض لوگ اونگھ گئے۔ پھر آپؐ نے نماز پڑھائی اور انسؓ نے وضوء کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

(شرح) اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ اقامت صلوٰۃ ہو چکنے کے بعد بھی امام کسی اہم دینی معاملے میں بات چیت کر سکتا ہے مگر عام احوال میں ایسا کرنا مکروہ ہے۔ دوسرا یہ کہ بیٹھ کر اونگھنے یا سو جانے سے وضوء پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ نوویؒ نے شرح مسلم میں اسی طرح لکھا ہے۔

٢٠٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ وَهَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ وَعُثْمَانُ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ عَنْ عَبْدِ السَّلَامِ ابْنِ حَرْبٍ وَّهٰذَا لَفْظُ حَدِيثِ يَحْيَى عَنْ اَبِي خَالِدٍ الدَّالَانِيِّ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِي الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْجُدُ وَيَنَامُ وَيَنْفُخُ ثُمَّ يَقُومُ فَيُصَلِّي وَلَا يَتَوَضَّأُ فَقُلْتُ صَلَّيْتَ وَلَمْ تَتَوَضَّأْ وَقَدْ نِمْتَ ۔ فَقَالَ اِنَّمَا الْوُضُوءُ عَلَى مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا ۔ زَادَ عُثْمَانُ وَهَنَّادٌ : فَاِنَّهُ اِذَا اضْطَجَعَ اسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُهُ ۔ قَالَ اَبُو دَاوُدَ قَوْلُهُ اِنَّمَا الْوُضُوءُ عَلَى مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا هُوَ حَدِيثٌ مُنْكَرٌ لَمْ يَرْوِهِ اِلَّا يَزِيدُ الدَّالَانِيُّ عَنْ قَتَادَةَ وَرَوَى اَوَّلَهُ جَمَاعَةٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَمْ يَذْكُرُوا شَيْئًا مِّنْ هٰذَا ۔ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَحْفُوْظًا وَقَالَتْ عَائِشَةُ رض قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ وَقَالَ شُعْبَةُ اِنَّمَا سَمِعَ قَتَادَةُ عَنْ اَبِي الْعَالِيَةِ اَرْبَعَةَ اَحَادِيْثَ: حَدِيْثُ يُوْنُسَ بْنِ مَتّٰى وَحَدِيْثُ ابْنِ عُمَرَ رض فِي الصَّلٰوةِ وَحَدِيْثُ الْقُضَاةِ ثَلَاثَةٌ وَحَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ رض حَدَّثَنِيْ رِجَالٌ مَرْضِيُّوْنَ مِنْهُمْ عُمَرُ وَاَرْضَاهُمْ عِنْدِيْ عُمَرُ رض

(ترجمہ) ابن عباس رض کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے اور سو جاتے اور خراٹے مارتے تھے پھر اٹھتے تو نماز پڑھتے اور وضوء نہ کرتے تھے تو میں نے آپ سے کہا کہ آپؐ نے وضوء کئے بغیر نماز پڑھی ہے حالانکہ آپؐ سو گئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا وضوء اس پر ہے جو لیٹ کر سوئے۔ عثمان اور ہناد راوی یہ جملہ اور زائد کرتے ہیں کہ کیونکہ جب وہ سو جائے تو اس کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ اور عائشہ رض نے فرمایا کہ حضورؐ کا ارشاد ہے: میری آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سوتا۔

(شرح) امام ابو داؤدؒ اس جملے کو کہ: وضوء اس پر لازم ہے جو لیٹ کر سوئے، منکر ٹھیراتے ہیں۔ حدیث منکر وہ ہوتی ہے جس کی روایت میں ضعیف راوی حفاظ اور ضابط راویوں کی مخالفت کرے۔ ابو خالد دالانی اکثر محدثین کے نزدیک ضعیف ہے اگرچہ ابو حاتم نے اس کی توثیق کی ہے۔ یہ روایت بیہقی اور صحیحین میں آئی ہے مگر اس میں وہ اضافہ نہیں جس کا ذکر ابو داؤدؒ نے کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محفوظ ہونے والا جملہ عکرمہ کا ہے نہ کہ ابن عباس کا جیسا کہ ابو داؤد کے دوسرے نسخہ میں جو کہ ابن داسہ سے مروی ہے۔ قَالَ عِكْرِمَةُ کا لفظ موجود ہے۔ حضورؐ کے محفوظ ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کسی حدث کے خارج ہونے سے محفوظ تھے، بلکہ یہ ہے کہ بے خبری کے عالم میں ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ حدث خارج ہو جائے، وضوء جاتا رہے اور آپ کو خبر تک نہ ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رض کی حدیث میں یہ جملہ ہے کہ: تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ۔ انبیاءؑ کے خصائص میں سے ہے۔ لیلۃ التعریس میں جو حضورؐ کے اور دیگر اصحاب کے سوتے ہوئے سورج چڑھ آیا تھا اس کے متعلق امام نوویؒ نے کہا ہے کہ طلوع شمس کا معائنہ آنکھ سے متعلق اور حدث کا نکلنا دل سے متعلق ہے۔ لیکن اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ حدث کے خروج کا ادراک ظاہری حس سے بھی ہے اور حضورؐ نے فرمایا ہے کہ وَكَاءُ السَّهِ الْعَيْنَانِ "آنکھیں حدث کے عضو کا ڈھکنا ہیں"۔ پس لیلۃ التعریس کے متعلق یہ کہنا انسب ہے کہ امت کی تعلیم و تربیت کے لئے یہ ایک خدائی انتظام تھا، اللہ تعالیٰ نے اس عظیم مقصد کی خاطر عصمت کے پردے کو کچھ دیر کے لئے ہٹا دیا تھا، اور بعض احادیث میں ابن صیاد یہودی کا قول مذکور ہے کہ: میری آنکھیں سوتی ہیں مگر دل بیدار رہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نیند اور بیداری ہر دو احوال میں خبث و فساد میں مصروف رہتا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر دو احوال میں ملأ اعلیٰ کے ساتھ مربوط رہتے تھے واللہ اعلم بالصواب۔

شعبہؒ کا یہ قول قتادہ نے ابو العالیہ سے صرف چار احادیث سنی ہیں۔ ترمذی کی روایت میں ان کی تعداد تین آئی ہے مگر بیہقی نے ابو داؤد کی چار پر دو کا اور اضافہ کیا ہے۔ پس یہ کل چھ ہوئیں۔ لہٰذا ابو داؤد کا قول چار میں اور ترمذی کا تین میں محض ایک اندازہ ہے اس سے حصر مراد نہیں۔ ابن جریر طبری کے نزدیک یہ حدیث جسے ابو داؤد نے ضعیف بتایا ہے، صحیح ہے

اور اس نے اپنے فقہی مذہب کی بنیاد اس مسئلے میں اسی حدیث کو بنایا ہے، نیز ابو خالد یزید الدالانی کو عادل وامین قرار دیا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ابو خالد یزید الدالانی کے متعلق امام احمد کا یہ قول مروی ہے کہ: لا بأس به۔ پھر اس اضافے کے منکر ہان لینے کے باوجود اصل مسئلے پر کوئی اثر نہیں پڑتا کہ سہارے سے یا لیٹ کر سو جانے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور یہ مضمون صحیح احادیث سے مثلاً ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کی حدیث ـــــ ثابت ہے۔

۲۰۳۔ حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ الْحِمْصِيُّ فِي آخَرِينَ قَالُوا حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ عَنِ الْوَضِينِ ابْنِ عَطَاءٍ عَنْ مَحْفُوظِ بْنِ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَائِذٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِكَاءُ السَّهِ الْعَيْنَانِ فَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ۔

(ترجمہ) علی بن ابی طالبؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: شرمگاہ کا ڈھکنا آنکھیں ہیں، پس جو سو گیا اُسے وضوء کرنا چاہیئے۔

(شرح) جس طرح ڈھکنا برتن اور مشک وغیرہ سے پانی وغیرہ کو نکلنے سے روکتا ہے اسی طرح بیداری وضوء ٹوٹنے کے سبب سے مانع ہے۔ بیداری میں حدث عموماً اختیار اور علم سے واقع ہوتا ہے مگر نیند میں یہ ڈھکنا کھل جاتا ہے اور عالم بے خبری میں اگر حدث ہو جائے تو پتہ نہیں چل سکتا۔ یہی باعث ہے کہ نیند کو خروج حدث کا قائم مقام ٹھیرا کر اسی سے وضوء کے ٹوٹ جانے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس حدیث کا راوی وضین بن عطاء، ابن سعد کے نزدیک ضعیف ہے، جوزجانی نے اسے واہی الحدیث کہا ہے ابن نافع نے اسے ضعیف اور ابو داؤدؒ نے صالح الحدیث ٹھیرایا ہے۔ ساجی نے حدیث زیر نظر کے باعث ہی اسے منکر کہا مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ابو داؤدؒ نے اس کی حدیث روایت کی ہے کیونکہ اس کے نزدیک حدیث صحیح ہے۔

امام نوویؒ نے فرمایا کہ نیند کے ناقض وضوء ہونے کے متعلق علماء کے مذاہب مختلف ہیں۔ ایک یہ کہ نیند سے وضوء نہیں ٹوٹتا خواہ نیند کیسی ہی ہو۔ یہ مذہب ابو موسیٰؓ، سعید بن المسیبؒ، ابو مجلزؒ، حمید اعرجؒ اور شعبہؒ سے مروی ہے۔ دوسرا یہ کہ نیند ہر حال میں ناقض وضوء ہے۔ یہ حسن بصریؒ، مزنیؒ، شافعیؒ، ابو عبید القاسم بن سلام، اسحاق بن راہویہؒ کا مذہب ہے اور امام شافعیؒ کا قول غریب بھی یہی ہے۔ تیسرا یہ کہ زیادہ نیند بہرصورت ناقض وضوء ہے اور تھوڑی بہرحال ناقض نہیں۔ اور یہ زہریؒ، ربیعہؒ، اوزاعیؒ، مالکؒ اور ایک روایت میں احمد بن حنبلؒ کا مذہب ہے۔ چوتھا یہ کہ جب سونے والا نماز کی کسی ہیئت میں سو جائے مثلاً رکوع میں، سجدہ میں، قیام میں، اور قعود میں تو وضوء نہیں ٹوٹتا خواہ وہ نماز کے اندر ہو یا باہر؛ اس کا وضوء نہیں ٹوٹتا۔ اگر پہلو پر سو جائے یا پشت پر سو جائے تو وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور یہ ابو حنیفہؒ، داؤد ظاہریؒ اور شافعیؒ کے ایک قول میں ان کا مذہب بھی ہے۔ پانچواں یہ کہ رکوع یا سجدہ میں اگر سو جائے تو وضوء ٹوٹتا ہے ورنہ نہیں۔ اور یہ احمد بن حنبلؒ سے مروی ہے۔ چھٹا یہ کہ صرف سجدہ میں سونے والے کا وضوء نیند سے ٹوٹتا ہے اور یہ مسلک بھی احمد بن حنبلؒ سے مروی ہے۔ ساتواں یہ کہ نماز میں سونے سے وضوء کسی حالت میں نہیں ٹوٹتا اور نماز سے باہر بہرحال ٹوٹ جاتا ہے اور یہ امام شافعیؒ کا ایک ضعیف قول ہے۔ آٹھواں یہ کہ جب آدمی زمین پر سرین جما کر بیٹھ جائے تو اس حالت میں سونے سے

وضو نہیں ٹوٹتا ورنہ ٹوٹ جاتا ہے، خواہ نیند تھوڑی ہو یا زیادہ، نماز کے اندر ہو یا باہر۔ اور اس بات پر فقہائے امت متفق ہیں کہ جس کی عقل زائل ہو جائے، جنون سے یا بے ہوشی سے یا شراب، نیند، بھنگ یا کسی اور سے زائل ہو تھوڑی ہو یا زیادہ، زمین پر نشست لگا کر بیٹھا ہو یا نہ بہر صورت اس کا وضو باطل ہو جاتا ہے۔

بقول ابن العربی نیند کے ناقض الوضوء ہونے یا نہ ہونے میں اصولی طور پر تین مذاہب ہیں۔ ایک یہ کہ نیند سے وضو کسی حالت میں نہیں ٹوٹتا، دوسرا یہ کہ بہر حال ٹوٹ جاتا ہے اور تیسرا یہ کہ اس میں قلیل و کثیر کا فرق ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۸۲۔ بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَطَأُ الْأَذَى بِرِجْلِهِ

باب اس شخص کے متعلق جو اپنے پاؤں سے نجاست لتاڑے

۲۰۴۔ حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي مُعَاوِيَةَ عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ ح وَحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ وَجَرِيرٌ وَابْنُ إِدْرِيسَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ كُنَّا لَا نَتَوَضَّأُ مِنْ مَوْطِئٍ وَلَا نَكُفُّ شَعْرًا وَلَا ثَوْبًا۔ قَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي مُعَاوِيَةَ فِيهِ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ مَسْرُوقٍ أَوْ حَدَّثَهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ وَقَالَ هَنَّادٌ عَنْ شَقِيقٍ أَوْ حَدَّثَهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ ہم پلیدی لتاڑنے سے وضو نہ کرتے تھے اور نہ نماز میں بالوں کو باندھتے اور نہ کپڑوں کو سمیٹتے تھے۔

(شرح) ابراہیم بن ابی معاویہ کو اکثر محدثین نے ثقہ اور بعض نے ضعیف کہا ہے۔ بیہقی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ عبداللہ نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے الخ۔ موطئ کا معنی یا تو یہ ہے کہ راستے میں ہم جو نجاست وغیرہ پر پاؤں رکھ کر آتے تھے اس کی وجہ سے وضو نہیں لوٹاتے تھے۔ یہ معنی نہیں ہے کہ اگر نجاست پاؤں کو لگ جاتی تو پاؤں بھی نہ دھوتے اور اس پلیدی کو زائل نہ کرتے تھے۔ بیہقی کے نزدیک معنی یہ ہے کہ خشک نجاست اگر پاؤں کے نیچے آ جاتی تو پاؤں نہ دھوتے تھے۔ ولی الدین نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ راستے میں کیچڑ وغیرہ جو پاؤں سے لگ جاتا اسے نہ دھوتے تھے کیونکہ اصولاً تو اسے طاہر ہی سمجھا جائیگا جب تک نجاست کی پختہ دلیل نہ ملے۔ موطئ بمعنی مصدر بھی ہو سکتا ہے، تب معنی یہ ہوگا کہ راستہ کیسا بھی ہو اس کو لتاڑتے ہوئے آنے سے وضو باطل نہیں ہوتا اور پاؤں پر اگر نجاست نہ لگے تو دھونے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ سجدہ کرتے وقت بعض لوگ بال سمیٹ لیتے ہیں اور کپڑوں کو بھی گرد وغیرہ سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں، عبداللہ بن مسعود کا مطلب یہ ہے کہ ہم ایسا نہ کرتے تھے بلکہ بالوں اور کپڑوں کو زمین پر لگنے دیتے تھے۔

۸۳۔ بَابٌ فِيمَنْ يُحْدِثُ فِي الصَّلَاةِ

باب اس شخص کے متعلق جو نماز میں بے وضو ہو جائے

۲۰۵ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِیْرُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِیْدِ عَنْ عَاصِمٍ الْاَحْوَلِ عَنْ عِیْسَی بْنِ حَطَّانٍ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ سَلَامٍ عَنْ عَلِیِّ بْنِ طَلْقٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَسَا اَحَدُکُمْ فِی الصَّلٰوةِ فَلْیَنْصَرِفْ فَلْیَتَوَضَّأْ وَلْیُعِدِ الصَّلٰوةَ۔

(ترجمہ) علی بن طلق نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نماز میں تم میں سے کسی کی ہوا خارج ہو جائے تو وہ نماز چھوڑ کر چلا جائے، وضوء کرے اور نماز لوٹائے۔

(شرح) علی بن طلق اہل یمامہ میں سے قبیلہ بنو حنیفہ میں سے تھے۔ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ یہ صحابی طلق بن علی کے والد تھے۔ ترمذی نے کہا کہ بقول امام بخاری علی بن طلق کی صرف یہی ایک حدیث ہے۔ ہوا خارج ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ قصداً ایسا کیا جائے، اس صورت میں اعادۂ صلوٰۃ کا حکم وجوبی ہے۔ دوسری صورت یہ کہ قصداً ایسا نہ ہو، اس صورت میں اعادۂ صلوٰۃ کا حکم استحباب اور افضلیت پر محمول ہے کیونکہ اس سے قبل نکسیر کے ذکر میں کئی احادیث میں پہلی نماز پر بناء کرنے کی صراحت گزر چکی ہے۔

۸۴ بَابٌ فِی الْمَذْیِ

مذی کے بارے میں باب

۲۰۶ - حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَیْدَةُ بْنُ حُمَیْدٍ الْحَذَّاءُ عَنِ الرُّکَیْنِ ابْنِ الرَّبِیْعِ عَنْ حُصَیْنِ بْنِ قَبِیْصَةَ عَنْ عَلِیٍّ قَالَ کُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَجَعَلْتُ اَغْتَسِلُ حَتّٰی تَشَقَّقَ ظَهْرِیْ فَذَکَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْ ذُکِرَ لَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَفْعَلْ، اِذَا رَاَیْتَ الْمَذْیَ فَاغْسِلْ ذَکَرَكَ وَتَوَضَّأْ وُضُوْءَكَ لِلصَّلٰوةِ فَاِذَا فَضَخْتَ الْمَاءَ فَاغْتَسِلْ۔

(ترجمہ) حضرت علیؓ نے کہا کہ میں بہت مذی والا آدمی تھا، پس میں غسل کرتا رہا حتیٰ کہ میری پشت پھٹ گئی، پھر میں نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا، یا آپ کو بتایا گیا، تو آپؐ نے فرمایا، ایسا مت کر، جب تو مذی دیکھے تو اپنی شرمگاہ دھولے اور نماز کے وضوء کی مانند وضوء کرلے۔ اور جب تو پانی نکالے (یعنی جماع کرے) تو غسل کر۔

(شرح) مذی وہ مادہ ہے جو بیوی سے بات چیت یا جماع کے مقدمات کے وقت خارج ہوتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت علیؓ نے حیا کے باعث خود سوال نہیں کیا بلکہ مقدادؓ بن الاسود کے ذریعے حضورؐ سے دریافت کرایا۔ مگر چونکہ سوال کا باعث وہ خود تھے لہٰذا بعض روایات میں سوال کی نسبت اپنی طرف کی ہے ایک روایت میں مقدادؓ اور عمارؓ دونوں سے سوال کرانا مذکور ہے اور ایک جگہ کسی اجنبی آدمی سے سوال کرانے کا ذکر بھی ہے۔ زیادہ غسل

کمرنے سے پُشت پھٹ جانے کا مطلب یہ ہے کہ بار بار سرد پانی سے نہانے کے باعث پشت پر نشان پڑ گئے تھے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ منی کا خروج غسل واجب ہونے کا باعث ہے۔ منی کی طہارت اور نجاست میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ امام نووی ؒ نے کہا کہ مالک ؒ اور ابو حنیفہ ؒ کے نزدیک منی نجس ہے (یعنی جب وہ باہر نکل آئے تو بہتے ہوئے خون کی طرح نجس ہے) پھر امام ابو حنیفہ ؒ کا قول ہے کہ اگر خشک ہو تو اسے مل کر اور رگڑ کر زائل کر دینا کافی ہے۔ امام احمد ؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ امام مالک ؒ نے کہا کہ خشک ہو یا تر، اسے دھونا ضروری ہے۔ لیث ؒ نے کہا کہ وہ نجس ہے مگر کپڑے وغیرہ پر لگی ہے تو نماز کا اعادہ واجب نہیں۔ حسن بصری ؒ نے کہا کہ کپڑے پر لگی ہو تو خواہ کثیر ہو نماز کا اعادہ واجب نہیں، اور جسم پر ہو تو خواہ قلیل ہو نماز کا اعادہ ضروری ہے۔ اور بہت سے لوگ منی کی طہارت کے قائل ہیں۔ یہی روایت علی ؓ بن ابی طالب، سعد ؓ بن ابی وقاص، ابن عمر ؓ، عائشہ صدیقہ ؓ، داؤد ظاہری، صحیح تر روایت میں احمد بن حنبل ؒ اور امام شافعی ؒ سے بھی ہے۔ نووی ؒ کہتے ہیں کہ منی کی طہارت کے قول میں شافعی ؒ منفرد نہیں ہیں اور اس باب میں مرد کی منی اور عورت کی منی برابر ہیں، دونوں طاہر ہیں۔ شافعی حضرات کا ایک شاذ قول یہ ہے کہ عورت کی منی ناپاک اور مرد کی پاک ہے۔ اس سے شاذ قول یہ ہے کہ دونوں کی منی نجس ہے۔ پھر شوافع کے نزدیک طاہر ہونے کے باوجود اس کا کھانا تمام قابلِ نفرت حرام اور خبیث اشیاء کی مانند حرام ہے۔ حیوانات میں سے کتے اور خنزیر کی منی بلا اختلاف نجس ہے اور دیگر حیوانات کی طاہر ہے خواہ ان کا گوشت حلال ہو یا حرام۔ یہی صحیح تر قول ہے۔ منی کی نجاست کا قول مالک ؒ اور ابو حنیفہ ؒ اور ان کے اصحاب کے علاوہ اوزاعی ؒ، ثوری ؒ، لیث ؒ، حسن بن حی ؒ اور ایک روایت میں احمد ؒ کا بھی ہے۔

منی کی طہارت کے قائلین کے نزدیک ان احادیث سے ثابت ہوتی ہے جن میں اسے مل کر اور رگڑ کر زائل کرنے کا بیان ہے نجاست کے قائل اُس سے جسم اور کپڑے کے دھونے کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ دھونے اور رگڑنے والی حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں۔ دھونے کی حدیث اس کی نجاست پر دلالت کرتی ہے۔ خشک منی میں بھی قیاس تو یہی تھا کہ اسے دھونا واجب قرار دیا جاتا مگر جن احادیث میں فرک (رگڑ کر دور کرنے) کا ذکر ہے ان کے باعث اس میں تخصیص ہو گئی ہے۔ بعض لوگوں نے اس کی طہارت پر اس آیت سے استدلال کیا ہے: هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا۔ لیکن یہ دلیل غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام حیوانات کی منی کو ماء (پانی) سے تعبیر فرمایا ہے: وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ۔ اگر یہ کہا جائے کہ منی انبیاء ؑ کی اصل ہے تو جواب یہ ہے کہ وہ نمرود، فرعون، ہامان اور شداد اور ابوجہل جیسے اعدائے الٰہی کی اصل بھی ہے۔ (نیز طہارت و نجاست کا سوال اس وقت ہے جبکہ وہ جسم سے باہر نکل آئے اور اگر ایک جسم کے اندر سے دوسرے میں جذب ہو جائے تو اس کا یہ حکم ٹھیرانا انصاف کے خلاف ہے۔ مثلاً خون کی نجاست کا حکم اس وقت ہو گا جبکہ وہ جسم سے باہر نکلے، جسم کے اندر ہو تو اس کا یہ حکم نہیں ہو سکتا!) علاوہ ازیں عَلَقَہ کی طہارت کا تو شاید کوئی بھی قائل نہیں، اور وہ منی کی نسبت انسان سے قریب تر ہے کہ منی تھوڑی مدت میں عَلَقَہ بن جاتی ہے اب عَلَقَہ بھی تو انبیاء ؑ کی اصل ہے، کیا اسے طاہر قرار دیا جائے گا؟۔

امام طحاوی ؒ نے اپنے محدثانہ اور فقیہانہ طرز سے حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کی اس حدیث سے منی کی نجاست پر استدلال کیا ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ كُنْتُ اَغْسِلُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَخْرُجُ اِلَى الصَّلٰوةِ وَاِنَّ بُقَعَ الْمَآءِ لَفِيْ ثَوْبِهٖ۔ اس حدیث کی رُو سے اُن کپڑوں سے منی کا دھونا واجب ہے جن میں

نماز ادا کی جائے۔ اور جن کپڑوں کے متعلق فرک (رگڑنے) کا ذکر آیا ہے وہ سوفے کے کپڑے ہیں جن میں نماز ادا نہیں کی جاتی۔

۲۰۷- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ اَبِی النَّضْرِ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ اِنَّ عَلِیَّ بْنَ اَبِی طَالِبٍ اَمَرَهٗ اَنْ يَّسْاَلَ لَهٗ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ اِذَا دَنَا مِنْ اَهْلِهٖ فَخَرَجَ مِنْهُ الْمَذْیُ مَاذَا عَلَيْهِ؟ فَاِنَّ عِنْدِیْ ابْنَتَهٗ وَاَنَا اَسْتَحْیِیْ اَنْ اَسْاَلَهٗ۔ قَالَ الْمِقْدَادُ فَسَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اِذَا وَجَدَ اَحَدُكُمْ ذٰلِكَ فَلْيَنْضَحْ فَرْجَهٗ وَلْيَتَوَضَّاْ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ۔

(ترجمہ) مقدادؓ بن اسود نے کہا کہ علیؓ بن ابی طالب نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھوں کہ آدمی جب اپنی بیوی کے قریب ہو اور اس کی مذی خارج ہو تو اس پر کیا واجب ہے؟ کیونکہ میرے نکاح میں حضورؐ کی بیٹی ہے اور میں آپؐ سے سوال کرنے سے شرماتا ہوں۔ مقدادؓ نے کہا کہ میں نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی یہ پائے تو اپنی شرمگاہ کو دھو ڈالے اور نماز کے لئے وضو کرلے۔

۲۰۸- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ قَالَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ اَنَّ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ لِلْمِقْدَادِ وَذَكَرَ نَحْوَ هٰذَا۔ قَالَ فَسَاَلَهُ الْمِقْدَادُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَغْسِلْ ذَكَرَهٗ وَاُنْثَيَيْهِ۔ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَرَوَاهُ الثَّوْرِیُّ وَجَمَاعَةٌ عَنْ هِشَامٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ الْمِقْدَادِ عَنْ عَلِیٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(ترجمہ) اس حدیث میں حضورؐ کا یہ ارشاد ہے کہ آپؐ نے مقدادؓ کے سوال پر فرمایا: وہ شخص اپنی شرمگاہ اور فوطے دھوئے

(شرح) اس روایت میں فوطے دھونے کا ذکر بھی ہے کیونکہ ممکن ہے وہ بھی آلودہ ہو چکے ہوں۔ اور اسی حدیث کی بناء پر امام احمدؒ کے نزدیک فوطوں کا دھونا بھی واجب ہے۔

۲۰۹- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا اَبِیْ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ حَدِيْثٍ حَدَّثَهٗ عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ قُلْتُ لِلْمِقْدَادِ فَذَكَرَ مَعْنَاهُ۔ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَرَوَاهُ الْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ وَالثَّوْرِیُّ وَابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَلِیٍّ وَرَوَاهُ ابْنُ اِسْحَاقَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ الْمِقْدَادِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَذْكُرْ اُنْثَيَيْهِ۔

(شرح) ابوداؤد یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بعض روایات تو عروہؓ، علیؓ سے کرتے ہیں اور بعض مقدادؓ سے اور وہ علیؓ کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ بہرصورت یہ صرف طریق بیان کا فرق ہے، اصل واقعہ میں اس سے کوئی فرق نہیں آتا۔ اور بعض روایات میں فوطوں کا ذکر نہیں ہے۔

۲۱۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ يَعْنِي ابْنَ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ إِسْحَقَ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ عُبَيْدٍ السَّبَّاقُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ كُنْتُ أَلْقَى مِنَ الْمَذْيِ شِدَّةً وَكُنْتُ أُكْثِرُ فِيهِ الِاغْتِسَالَ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ إِنَّمَا يُجْزِئُكَ مِنْ ذٰلِكَ الْوُضُوءُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَكَيْفَ بِمَا يُصِيبُ ثَوْبِي مِنْهُ قَالَ يَكْفِيكَ بِأَنْ تَأْخُذَ كَفًّا مِنْ مَاءٍ فَتَنْضَحَ بِهَا مِنْ ثَوْبِكَ حَيْثُ تَرَى أَنَّهُ أَصَابَهُ۔

(ترجمہ) سہلؓ بن حنیف نے کہا کہ میں مذی کے باعث تکلیف اٹھا رہا تھا اور اس سے بہت دفعہ غسل کرتا تھا پھر میں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس سے (غسل کی ضرورت نہیں) تمہیں صرف وضوء کافی ہے۔ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ پھر جو میرے کپڑوں کو لگ جائے اس کا کیا کروں؟ تو فرمایا کہ اس کے لئے تمہیں یہ کافی ہے کہ تھوڑا سا پانی لو اور کپڑے پر جہاں لگی ہو اسے دھو ڈالو۔

(شرح) نضح کا معنیٰ یہاں غسلِ خفیف ہے نہ کہ پانی چھڑکنا کیونکہ صرف پانی چھڑکنے سے تو صفائی نہیں ہو سکتی، بلکہ وہ چیز اور پھیل جاتی ہے۔ دوسری روایت میں یَغْسِلُ ذَکَرَہٗ کا لفظ آچکا ہے لہٰذا یہاں پر نضح بمعنی غسل ہی متعین ہے۔ احادیث میں پیشاب کے بارے میں نہایت تشدید وارد ہوئی ہے پس جو چیزیں اس جیسی ہوں وہ بھی اسی کے حکم میں ہوں گی۔ کون نہیں جانتا کہ مذی کا بھی یہی حکم ہے۔ بول کی جگہ سے نکلتی ہے پس اسی کی مانند ہے۔ اگر کسی روایت میں رشّ کا لفظ ہے تو ان دلائل کے باعث اس کا معنیٰ بھی غسل خفیف ہوگا نہ کہ مطلقاً چھڑکنا۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ خروج مذی سے بول کی مانند وضوء واجب ہے غسل نہیں۔ اور وہ نجس ہے جس کا دھونا واجب ہے۔ اگر ارباب ظواہر کی مانند صرف الفاظ پر انحصار نہ کیا جائے تو بات بالکل صاف ہے۔ ائمہ فقہ میں سے کسی نے بھی صرف پانی چھڑک دینے کو کافی نہیں جانا بلکہ سب مذی سے کپڑے اور جسم کو دھونا ضروری جانتے ہیں۔ اثرم کی روایت میں امام احمدؒ کا یہی قول بتایا گیا ہے کہ رشّ کافی ہے مگر اس کا مطلب بھی دلائل شرع سے غسل خفیف ہی لینا انسب ہے۔ ابن عمرؓ کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں کتے مسجدوں میں آتے جاتے اور گزرتے تھے مگر: لَمْ يَكُونُوا يَرُشُّونَ عَلَيْهِ الْمَاءَ۔ لوگ پانی تھوڑا یا زیادہ استعمال نہ کرتے تھے کہ کتوں کے گزرنے کے باعث پانی چھڑک دیتے رشّ کا معنیٰ اس حدیث میں بھی چھڑکنا نہیں، ورنہ اگر مسجد میں نجاست پڑی ہو تو کیا اُسے دھویا جائیگا یا پانی چھڑک کر ادھر اُدھر پھیلا دیا جائیگا؟ شائد اسی کے پیش نظر مالکی فقہاء کا یہ قول ہے کہ رشّ چھڑکنے کے معنیٰ میں اس وقت ہوگا جبکہ جسم

یا کپڑے پر صرف نجاست کا شک ہو، تیقن کی صورت میں غسل ہی متعین ہے۔ اس روایت کی سند میں محمد بن اسحاق موجود ہے جو ارباب حدیث کے ہاں متکلم فیہ اور مختلف فیہ ہے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک مذی سے غسل واجب ہے (غسل نہیں) اور صرف اسی جگہ کو دھونا واجب ہے جہاں تلویث ہوئی ہو۔ ابن حزم ظاہری کا بھی یہی مذہب ہے جس پر شوکانی کو بہت حیرانی اور افسوس ہے گویا کہ ظاہریت کا تقاضا شوکانی کے نزدیک یہ ٹھہرا کہ ہر مسئلے میں جمہور کی مخالفت کی جائے۔ فیاللعجب

۲۱۱- حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ يَعْنِي ابْنَ صَالِحٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ حَرَامِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ عَمِّهِ عَبْدِ اللهِ ابْنِ سَعْدٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَّا يُوجِبُ الْغُسْلَ وَعَنِ الْمَاءِ بَعْدَ الْمَاءِ فَقَالَ ذَلِكَ الْمَذْيُ وَكُلُّ فَحْلٍ يَمْذِي فَتَغْسِلُ مِنْ ذَلِكَ فَرْجَكَ وَأُنْثَيَيْكَ وَتَوَضَّأْ وُضُوءَكَ لِلصَّلٰوةِ۔

(ترجمہ) عبد اللہ بن سعد الانصاری نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ وہ کونسی چیز ہے جس سے غسل واجب ہے اور وہ پانی جو پانی کے بعد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مذی ہے (جو مسلسل بہتی ہے) اور ہر نر کی مذی خارج ہوتی ہے۔ پس تو اس سے اپنی شرمگاہ اور فوطے دھوئے اور نماز کی طرح وضو کرے۔

(شرح) ابن حزمؒ نے المحلی میں حرام بن حکیم کو بلا دلیل و حوالہ ضعیف ٹھیرایا ہے۔ خطیب بغدادی اور دارقطنی نے کہا ہے کہ حرام بن حکیم اور حرام بن معاویہ دو نہیں بلکہ ایک ہی شخص ہے اور بخاری نے جو انہیں دو قرار دیا ہے یہ اس کا وہم ہے۔ اکثر محدثین اسے ثقہ کہتے ہیں۔ حضورؐ نے جو فرمایا کہ "کُلُّ فَحْلٍ يَمْذِي" اس سے مراد فقط مذکر نہیں بلکہ مؤنث کی بھی یہ کیفیت ہوتی ہے۔ گویا فحل کا لفظ یہاں عام ہے۔ اس حدیث میں یہاں اختصار واقع ہوا ہے، کچھ وضاحت اگلی روایت میں آتی ہے۔ علامہ شوکانی نے "الْمَاءُ يَكُونُ بَعْدَ الْمَاءِ" کی شرح جو کی ہے وہ غلط ہے انہوں نے کہا کہ یہ وہ مادہ ہے جو بول کے بعد خارج ہو۔ حالانکہ اسے مذی نہیں بلکہ ودی کہا جاتا ہے اور حدیث میں صراحۃً مذی کا لفظ آیا ہے۔

۲۱۲- حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ بَكَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ الْحَارِثِ عَنْ حَرَامِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ عَمِّهِ أَنَّهُ سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَحِلُّ لِي مِنِ امْرَأَتِي وَهِيَ حَائِضٌ؟ قَالَ لَكَ مَا فَوْقَ الْإِزَارِ وَذَكَرَ مُوَاكَلَةَ الْحَائِضِ أَيْضًا وَسَاقَ الْحَدِيثَ۔

(ترجمہ) حرام بن حکیم کے چچا عبد اللہ بن سعد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرے لئے حیض کی حالت

ہیں میری بیوی سے کیا حلال ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ تجھے ازار کے اوپر کی جگہ سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے۔ اور حائضہ عورت کے ساتھ کھانے پینے کا بھی ذکر کیا اور آگے وہی گزشتہ حدیث بیان کی۔

(شرح) امام احمدؒ نے مسند میں اس پوری حدیث کو بیان کیا ہے جس میں مذی کا ذکر بھی ہے جس کی بناء پر ابوداؤدؒ نے اس کا حوالہ دیا ہے مگر مسند کی روایت میں حالتِ حیض میں عورت سے فوق الازار استمتاع کا ذکر نہیں کیا۔ یہ مسائل انشاء اللہ آگے اپنے مقام پر آئیں گے۔

۲۱۳ - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ الْيَزَنِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ عَنْ سَعْدٍ الْأَغْطَشِ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَائِذٍ الْأَزْدِيِّ قَالَ هِشَامٌ وَهُوَ ابْنُ قُرْطٍ أَمِيرُ حِمْصَ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَّا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ مِنِ امْرَأَتِهِ وَهِيَ حَائِضٌ فَقَالَ مَا فَوْقَ الْإِزَارِ وَالتَّعَفُّفُ عَنْ ذٰلِكَ أَفْضَلُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَلَيْسَ هُوَ بِالْقَوِيِّ۔

(ترجمہ) معاذ بن جبلؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ حالتِ حیض میں مرد کو بیوی سے کیا حلال ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ازار سے اوپر، اور اس سے بچنا ہی افضل ہے۔

(شرح) امام ابوداؤدؒ نے یہ حدیث شائد اس باب میں اس لئے درج کی ہے کہ حالتِ حیض میں بیوی سے مافوق الازار تمتع کی اجازت دی گئی ہے جو مذی کے خروج کا سبب ہے، ورنہ بظاہر تو اس حدیث کا باب المذی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سعد الاغطش راوی کو ابوداؤد نے غیر قوی قرار دیا ہے۔ شیخ عبدالحق نے اسے ضعیف بتایا ہے مگر ابن حبان نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے۔

۸۵ - بَابٌ فِي الْإِكْسَالِ

باب انزال کے بغیر جماع کے بارے میں

۲۱۴ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي بَعْضُ مَنْ أَرْضَى أَنَّ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا جَعَلَ ذٰلِكَ رُخْصَةً لِلنَّاسِ فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ لِقِلَّةِ الثِّيَابِ ثُمَّ أَمَرَ بِالْغُسْلِ وَنَهَى عَنْ ذٰلِكَ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ يَعْنِي الْمَاءَ مِنَ الْمَاءِ۔

(ترجمہ) اُبی بن کعبؓ نے سہل بن سعد کو بتایا کہ (بقول ابوداؤد) اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ابتدائے اسلام میں کپڑوں کی قلت کے سبب سے لوگوں کے لئے رخصت ہوئی تھی بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا تھا۔

(شرح) اس باب کے عنوان کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جماع تو کرے مگر انزال نہ ہو۔ ابن شہاب زہری نے اپنے کسی پسندیدہ شخص سے روایت کی ہے جو مجہول ہے۔ ابن خزیمہ نے بڑی محنت سے اسے ڈھونڈ نکالا تو وہ ابو حازم سلمہ بن دینار نکلا۔ ویسے ترمذی میں یہ حدیث ابن شہاب نے بلا واسطہ سہلؓ بن سعد سے روایت کی ہے اور اسے حسن صحیح کہا ہے۔ یہ حدیث دونوں سندوں سے مروی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے التلخیص الحبیر میں صراحت کی ہے۔ اب سوال یہ رہ گیا کہ بھلا اس چیز کا قلت ثیاب سے کیا رابطہ تھا؟ سو شارح ابن رسلان نے کہا کہ لوگ مرد عورتیں اکٹھے عریاں سوتے تھے اور یہ چیز کثرتِ جماع کا باعث تھی، مگر سردی کی شدت کے باعث ہر روز غسل کرنا بھی شدید تھا لہٰذا یہ اجازت دی گئی کہ صرف مجامعت اگر ہوا ور انزال نہ ہو تو غسل نہ کرنے میں مضائقہ نہیں۔ بعد میں جب کپڑوں کی قلت جاتی رہی تو یہ رخصت بھی جاتی رہی۔ ابو داؤد نے کتاب کے دوسرے نسخے کے مطابق کہا ہے کہ عمرو بن الحارث کے سوا سب راویوں نے اس حدیث کو زہری عن سہل بن سعدؓ روایت کیا ہے۔ پھر ابو داؤد نے یہ صراحت بھی کی ہے کہ زہری اور سہل کے درمیان والا شخص ابو حازم ہے (جو ثقہ راوی ہے) گویا ابو داؤد و ابو عیسیٰ ترمذی کی حدیث کی صحت کی توثیق کرتے ہیں۔ الماء من الماء کا معنیٰ ہے: غُسل انزال سے واجب ہوتا ہے۔

۲۱۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِهْرَانَ الرَّازِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا مُبَشِّرٌ الْحَلَبِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي غَسَّانَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍؓ قَالَ حَدَّثَنِي أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ أَنَّ الْفُتْيَا الَّتِي كَانُوا يُفْتُونَ أَنَّ الْمَاءَ مِنَ الْمَاءِ كَانَتْ رُخْصَةً رَخَّصَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَدْءِ الْإِسْلَامِ ثُمَّ أَمَرَ بِالِاغْتِسَالِ بَعْدُ

(ترجمہ) سہلؓ بن سعد نے اُبَیّ بن کعب کے حوالے سے کہا کہ یہ فتویٰ جو لوگ دیتے تھے یاد یا جاتا تھا کہ غسل انزال سے واجب ہوتا ہے، یہ ابتدائے اسلام میں ایک رخصت تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ پھر بعد میں حضورؐ نے اس سے غسل کا حکم دیا۔

(شرح) یہ روایت ظاہر کرتی ہے کہ گذشتہ حدیث کی سند میں زہریؒ اور سہلؓ کے درمیان جو آدمی ہے وہ ابو حازم ہے۔

۲۱۶۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْفَرَاهِيدِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ وَشُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قَعَدَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ وَأَلْزَقَ الْخِتَانَ بِالْخِتَانِ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ۔

(ترجمہ) ابو ہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جب مرد عورت کے سرینوں اور پاؤں کے درمیان بیٹھ گیا اور اس نے شرمگاہ کو شرمگاہ سے ملا دیا (داخل کر دیا)، تو غسل واجب ہو گیا (چاہے انزال ہو یا نہ ہو)

(شرح)، ختان سے مراد مقام قطع ہے جہاں سے ختنہ کیا جاتا ہے۔ الزاق (الصاق) سے مراد ادخال ہے ورنہ محض مس سے تو کسی کے نزدیک بھی غسل واجب نہیں ہوتا۔ یہ عبارت جماع سے کنایہ ہے۔

۲۱۷ - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عَمْرٌو عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَآءُ مِنَ الْمَآءِ وَکَانَ اَبُوْسَلَمَةَ یَفْعَلُ ذٰلِكَ -

(ترجمہ) ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غسل انزال سے ہے۔ اور ابوسلمہ ایسا کیا کرتا تھا۔

(شرح) داؤد ظاہری کا یہی مذہب ہے کہ غسل انزال سے واجب ہوتا ہے۔ لیکن یہ ثابت ہو چکا ہے کہ شروع میں صحابہؓ بھی ایسا کرتے تھے پھر اجماع اس کے خلاف منعقد ہو گیا اور گذشتہ احادیث سے واضح ہے کہ الماء من الماء ابتداء میں ایک رخصت تھی جو منسوخ ہو گئی تھی۔ بخاریؒ نے صحیح میں حدیث روایت کی ہے کہ زیدؓ بن خالد جہنی نے عثمانؓ بن عفان سے یہی مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ وضو کرے اور شرمگاہ کو دھولے اور فرمایا کہ میں نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ پھر زیدؓ بن خالد نے یہی سوال علیؓ بن ابی طالب، زبیرؓ بن عوام، طلحہؓ بن عبید اللہ اور ابیؓ بن کعب سے کیا تو سب کا جواب یہی تھا۔ اور ابوایوب نے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ دیا کہ میں نے آپؐ سے یہی سنا تھا۔ فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ اثرمؒ نے امام احمد بن حنبلؒ سے نقل کیا ہے انہوں نے اس حدیث کو معلول قرار دیا اور سبب یہ بتایا کہ ان پانچوں کا فتویٰ اس حدیث کے مضمون کے خلاف ثابت ہو چکا ہے۔ علی بن المدینی نے اس حدیث کو شاذ کہا ہے مگر حدیث کی سند متصل ہے اور سب راوی ثقہ ہیں لہٰذا اسے شاذ کہنا غلط ہے۔ رہا ان اصحاب کا فتویٰ، تو وہ حدیث کی صحت کو باطل نہیں کرتا کیونکہ ممکن ہے ان حضرات کو پتہ چل گیا ہو کہ فلاں حدیث یا فلاں حکم اس کا ناسخ ہے لہٰذا اس بناء پر انہوں نے فتویٰ دیا ہو۔ کئی احادیث ایسی ہیں جو سند اور متن کے لحاظ سے صحیح ہیں مگر منسوخ ہیں۔ جمہور کا مذہب اس حدیث کے متعلق یہ ہے کہ اس حدیث کو ابوہریرہؓ اور عائشہ صدیقہؓ کی حدیثوں نے منسوخ کر دیا ہے جو اس سے پہلے والے باب میں گزر چکی ہیں۔ ابن ابی شیبہ اور نسائی نے حدیث کا مطلب ابن عباسؓ کی تاویل کے مطابق یہ بیان کیا ہے کہ آدمی خواب میں اپنے آپ کو جماع کرتے ہوئے دیکھے تو جب تک بیداری کے بعد کوئی علامت احتلام کی نظر نہ آئے غسل واجب نہیں ہوتا۔ اس تاویل سے دونوں احادیث میں تعارض نہیں رہتا۔

۸۶ - بَابُ فِی الْجُنُبِ یَعُوْدُ

باب اس بیان میں کہ حالت جنابت میں دوبارہ جماع جائز ہے

۲۱۸ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ قَالَ حَدَّثَنَا حُمَیْدُ الطَّوِیْلُ عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ طَافَ ذَاتَ یَوْمٍ عَلٰی نِسَآئِهٖ فِیْ غُسْلٍ وَّاحِدٍ - قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَهٰکَذَا رَوَاهُ هِشَامُ بْنُ زَیْدٍ عَنْ اَنَسٍؓ، وَمَعْمَرٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍؓ، وَصَالِحُ بْنُ اَبِیْ

الْاٰخَرُ عَنِ الزُّهْرِيِّ كُلُّهُمْ عَنْ اَنَسٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(ترجمہ) انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ایک ہی رات میں اپنی ازواج کے پاس ایک ہی غسل سے تشریف لے گئے۔

(شرح) ذات یوم سے مُراد دن کا وقت نہیں بلکہ مطلق وقت ہے اور مطلب اس کا ایک ہی رات ہے۔ محدث علی القاریؒ نے کہا ہے کہ کم از کم تقسیم ہر بیوی کے لئے ایک رات تھی تو پھر یہ کیسے ہوا کہ ایک رات میں سب کے ہاں گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تقسیم کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب ہونا اختلافی مسئلہ ہے۔ ابوسعید نے کہا کہ حضورؐ پر تقسیم واجب نہ تھی مگر آپؐ از راہِ تبرع و تکرم اس کا لحاظ فرماتے تھے۔ تقسیم کا واجب نہ ہونا دینی ضروریات کی بناء پر تھا، کیونکہ آپؐ کے تو زیادہ نکاح ہی تبلیغ دین کی خاطر تھے اور اس ایک مصلحت پر کوئی اور چیز فوقیت نہیں رکھتی تھی۔ لیکن اکثر علماء کے نزدیک آپؐ پر بھی تقسیم واجب تھی اور اس ایک واقعہ میں سب ازواج کی رضاء شامل تھی۔ علامہ شوکانی نے حافظ ابن عبدالبرؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضورؐ نے ایسا اس وقت کیا تھا جبکہ ازواج میں سے کسی ایک کی باری نہ تھی مثلاً آپ سفر سے واپس تشریف لائے اور سب سے خاص ملاقات فرمائی۔ پھر اس کے بعد حسب معمول باری مقرر فرمائی۔ ابن العربیؒ کے نزدیک حضورؐ کے لئے ایک وقت اللہ تعالیٰ نے ایسا مقرر فرمایا تھا جس میں ازواج میں سے کسی ایک کا کوئی فائق حق نہ ہوتا تھا، بلکہ کسی کا حق بھی نہ ہوتا تھا۔ اس وقت میں آپؐ ان سب کے ہاں تشریف لے جاتے تھے۔ غالباً یہ واقعہ اسی وقت میں پیش آیا تھا، اگر کبھی عصر کے بعد فراغت نہ ملتی تو یہ وقت بعد از مغرب تھا۔ اس حدیث سے اس فعل کا جواز ثابت ہوا۔

۸۷۔ بَابُ الْوُضُوْءِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّعُوْدَ

باب۔ دوسری بار جماع کا ارادہ کرنیوالے کا وضوء

۲۱۹۔ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ رَافِعٍ عَنْ عَمَّتِهٖ سَلْمٰى عَنْ اَبِيْ رَافِعٍؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلٰى نِسَآئِهٖ يَغْتَسِلُ عِنْدَ هٰذِهٖ وَعِنْدَ هٰذِهٖ قَالَ فَقُلْتُ لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا تَجْعَلُهٗ غُسْلًا وَّاحِدًا قَالَ هٰذَا اَزْكٰى وَاَطْيَبُ وَاَطْهَرُ۔ قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ وَحَدِيْثُ اَنَسٍؓ اَصَحُّ مِنْ هٰذَا۔

(ترجمہ) ابورافعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار اپنی ازواج کے ہاں گھومے، سب کے ہاں غسل کرتے جاتے تھے۔ ابورافعؓ نے کہا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ان سب کے لئے ایک ہی غسل کیوں نہیں کرتے؟ تو فرمایا یہ بہت پاکیزہ، صاف تر اور طاہر تر ہے۔

(شرح) ابورافعؓ حضورؐ کے آزاد کردہ ایک قبطی غلام تھے۔ ابوداؤد نے اس حدیث پر کوئی قدح تو نہیں کی لیکن انسؓ کی گزشتہ حدیث کو اس پر ترجیح دی ہے۔ نسائیؒ کا قول ہے کہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور مختلف واقعات بتاتی ہیں۔ شوکانی نے کہا ہے کہ ظاہر یہ اس حدیث میں بیان شدہ صورت میں وضوء واجب قرار دیتے ہیں اور اس حدیث

سے استدلال کرتے ہیں، کیونکہ یہ امر استحباب اور نشاط پر مبنی ہے نہ کہ وجوب پر کیونکہ طحاوی اور حاکم کی روایات صراحۃً یہی ظاہر کرتی ہیں۔

۲۲۰۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ أَخْبَرَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ أَهْلَهُ ثُمَّ بَدَا لَهُ أَنْ يُعَاوِدَ فَلْيَتَوَضَّأْ بَيْنَهُمَا وُضُوءًا

(ترجمہ) ابوسعید خدری جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنی زوجہ سے ملے اور پھر دوبارہ ملنے کا ارادہ کرے تو دونوں کے درمیان وضوء کرلے۔ (اوپر گزرا کہ یہ امر استحباب کے لئے ہے کیونکہ بہت سی صحیح احادیث میں خود آپؐ سے اس کے خلاف ثابت ہے)

۸۸۔ بَابٌ فِي الْجُنُبِ يَنَامُ

غسل کی حاجت میں سونے کا باب

۲۲۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ تُصِيبُهُ الْجَنَابَةُ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ ثُمَّ نَمْ۔

(ترجمہ) عمر بن الخطابؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا کہ انہیں رات کو جنابت کی حالت پیش آتی ہے (کیا اس حالت میں سویا جا سکتا ہے؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ وضوء کرو، اپنی شرمگاہ کو دھولو پھر سو جاؤ۔

(شرح) ظاہریہ اور مالکیہ میں سے ابن حبیبؒ اور بقول ابن عربی امام مالکؒ اور شافعیؒ کا بھی یہ مسلک ہے کہ گذشتہ دو احادیث کی بناء پر دوبارہ جماع کرنے کے لئے یا سونے کے لئے وضوء کرنا واجب ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے کیونکہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضؓ سے صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ حضورؐ حالتِ جنابت میں سو جاتے تھے اور پانی کو مس بھی نہ کرتے تھے۔ ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ مجھے وضوء کا حکم اس حالت میں ملا ہے جب نماز پڑھنی ہو۔ ابن خزیمہؒ اور ابن حبانؒ نے ایک اور صحیح حدیث کی روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ کے سوال پر حضورؐ نے فرمایا تھا: ہاں! جنبی سو سکتا ہے اور اگر وضوء کرے تو بہتر ہے۔

۸۹۔ بَابُ الْجُنُبِ يَأْكُلُ

یہ باب حالتِ جنابت میں کھانے کے بارے میں ہے

۲۲۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ

عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ تَوَضَّأَ وُضُوْءَهُ لِلصَّلٰوةِ۔

(ترجمہ) عائشہ صدیقہ رض نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل کی حاجت کی حالت میں سونا چاہتے تو نماز کی مانند وضوء کر لیتے تھے (باب سے حدیث کی مناسبت آگے آتی ہے)

۲۲۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّازُ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يُّوْنُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِإِسْنَادِهٖ وَمَعْنَاهُ وَزَادَ وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَّأْكُلَ وَهُوَ جُنُبٌ غَسَلَ يَدَيْهِ۔ قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ وَرَوَاهُ ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُّوْنُسَ فَجَعَلَ قِصَّةَ الْأَكْلِ قَوْلَ عَائِشَةَ رض مَقْصُوْرًا وَّرَوَاهُ صَالِحُ بْنُ أَبِي الْأَخْضَرِ عَنِ الزُّهْرِيِّ كَمَا قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ إِلَّا أَنَّهٗ قَالَ عَنْ عُرْوَةَ أَوْ أَبِيْ سَلَمَةَ۔ وَرَوَاهُ الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ يُّوْنُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ۔

(ترجمہ) عائشہ صدیقہ رض سے یہ دوسری سند سے روایت ہے کہ حضور جب حالت جنابت میں کھانا چاہتے تو ہاتھ دھوتے تھے۔ پھر ابوداؤد نے اسی روایت کی اور سندیں بیان کی ہیں جن میں سے ایک تو اُمّ المؤمنین کا قول ہے اور باقی مرفوع ہیں۔

۹۰۔ بَابُ مَنْ قَالَ الْجُنُبُ يَتَوَضَّأُ

ان لوگوں کے قول کا باب جو کہتے ہیں کہ جنبی وضوء کرے۔

۲۲۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيٰى حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رض أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّأْكُلَ أَوْ يَنَامَ تَوَضَّأَ تَعْنِيْ وَهُوَ جُنُبٌ۔

(ترجمہ) عائشہ رض اُمّ المؤمنین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حالتِ جنابت میں کھانے یا سونے کا ارادہ فرماتے تو وضوء کرتے تھے۔

(شرح) عائشہ صدیقہ رض کی اس روایت میں ان کی طرف سے نہیں بلکہ ان کے شاگرد اسود کی طرف سے یہ وضاحت ہے کہ "حالتِ جنابت میں" عائشہ صدیقہ رض سے اس باب میں حدیثیں مختلف ہیں، اوپر کی حدیث میں صرف ہاتھ دھونے کا ذکر تھا اور اس میں وضوء کا ذکر ہے۔ یہ مختلف حوال دو واقعات کا ذکر ہے کیونکہ اس معاملے میں شرعاً توسّع ہے۔ وضوء کے لفظ کو لغوی وضوء پر محمول کرنے کی گنجائش ہے کیونکہ دوسری حدیث میں صرف ہاتھ دھونے کا ہی ذکر ہے، مگر جس حدیث میں ہے کہ

نماز کے وضوء کی مانند وضوء کرتے تھے اس کی یہ تاویل نہیں ہوسکتی۔

۲۲۵۔ حَدَّثَنَا مُوسَى يَعْنِي ابْنَ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ قَالَ أَخْبَرَنَا عَطَاءٌ الْخُرَاسَانِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِلْجُنُبِ إِذَا أَكَلَ أَوْ شَرِبَ أَوْ نَامَ أَنْ يَتَوَضَّأَ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ بَيْنَ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ وَعَمَّارِ ابْنِ يَاسِرٍ فِي هَذَا الْحَدِيثِ رَجُلٌ۔ وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَابْنُ عُمَرَ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو الْجُنُبُ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ تَوَضَّأَ۔

(ترجمہ) عمارؓ بن یاسر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی کے لئے یہ رخصت دی ہے کہ جب کھانا یا پینا یا سونا چاہے تو وضوء کرلے۔

(شرح) عطاء دو تھے ایک ابن عباسؓ کا خاص شاگرد عطاء بن ابی رباح اور دوسرا عطاء بن ابی مسلم خراسانی۔ نام کی شرکت کی وجہ سے بعض دفعہ ایک سے دوسرا مراد لے لیا جاتا ہے، حتیٰ کہ بعض محدثین کو ان میں اختلاط ہوجاتا ہے۔ عطاء خراسانی کی ملاقات ابن عباسؓ سے ثابت نہیں ہے جیسا کہ دارقطنی اور ابوداؤد نے تصریح کی ہے عطاء خراسانی صحابہ سے مرسل روایات بیان کرتا ہے اور بعض کے نزدیک متکلم فیہ ہے۔
بخاری کے متعلق بھی بقول مولانا سہارنپوریؒ کہا جاسکتا ہے کہ اگر اس نے صحیح میں کسی جگہ۔ مثلاً تفسیر میں۔ عطاء سے مراد خراسانی لیا ہے اور دراصل وہ ابن ابی رباح ہے تو یہ وہم ہے۔ لیکن بخاری نے عطائے خراسانی کو ضعفاء میں شمار کیا ہے لہٰذا یہی کہنا انسب ہوگا کہ اس نے عطاء سے مراد ابن ابی رباح لیا ہے نہ کہ خراسانی۔ ابن حبان نے بھی عطاء خراسانی پر تنقید کی ہے۔ ابوداؤد نے اس حدیث کو منقطع قرار دیا ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ یحییٰ اور عمار کے درمیان کون سا راوی ہے جو مذکور نہیں ہوا۔ ابوداؤد نے تین صحابہ کے جو معلق اقوال بیان کئے ہیں ان کی سند نہیں مل سکی۔ اوپر کئی بار گزر چکا ہے کہ معاملہ استحباب کا ہے نہ کہ وجوب کا۔

۹۱۔ بَابٌ فِي الْجُنُبِ يُؤَخِّرُ الْغُسْلَ

جنبی کے غسل کی تاخیر کا باب

۲۲۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ ح وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَا حَدَّثَنَا بُرْدُ بْنُ سِنَانٍ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ نُسَيٍّ عَنْ غُضَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ رض أَرَأَيْتِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ أَوْ فِي آخِرِهِ؟ قَالَتْ رُبَّمَا اغْتَسَلَ فِي أَوَّلِ اللَّيْلِ وَرُبَّمَا اغْتَسَلَ فِي آخِرِهِ۔

قُلْتُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ فِی الْاَمْرِ سَعَةً ۔ قُلْتُ اَرَاَیْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوْتِرُ اَوَّلَ اللَّيْلِ اَمْ فِیْ اٰخِرِهٖ ۔ قَالَتْ رُبَّمَا اَوْتَرَ فِیْ اَوَّلِ اللَّيْلِ وَرُبَّمَا اَوْتَرَ فِیْ اٰخِرِهٖ، قُلْتُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ فِی الْاَمْرِ سَعَةً ۔ قُلْتُ اَرَاَیْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ كَانَ يَجْهَرُ بِالْقُرْاٰنِ اَوْ يُخَافِتُ بِهٖ، قَالَتْ رُبَّمَا جَهَرَ بِهٖ وَرُبَّمَا خَفَتَ ۔ قُلْتُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ فِی الْاَمْرِ سَعَةً ۔

(ترجمہ) غضیف بن حارث کا بیان ہے کہ میں نے عائشہؓ سے پوچھا کہ یہ تو فرمائیے آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت رات کے پہلے حصے میں کرتے تھے یا پچھلے حصے میں؟ انہوں نے فرمایا کہ بارہا پہلے حصے میں غسل فرمایا اور بارہا آخری حصے میں۔ میں نے کہا اللہ اکبر۔ خدا کا شکر ہے جس نے اس معاملے میں گنجائش پیدا فرما دی۔ پھر میں نے پوچھا کہ یہ فرمائیے آیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رات کے پہلے حصے میں وتر پڑھتے تھے یا پچھلے حصے میں؟ انہوں نے فرمایا کبھی پہلے حصے میں کبھی پچھلے حصے میں۔ میں نے کہا، اللہ اکبر، تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے اس معاملے میں وسعت رکھ دی۔ پھر میں نے کہا یہ فرمائیے کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن باآواز بلند پڑھتے تھے یا آہستہ؟ فرمایا کبھی باآواز بلند اور کبھی آہستہ۔ میں نے کہا اللہ اکبر، خدا کا شکر ہے جس نے اس معاملے میں گنجائش رکھ دی۔

(شرح) اس حدیث کا ایک راوی برد بن سنان قدری تھا۔ علی بن المدینی نے اسے ضعیف کہا ہے اور ابو حاتم نے بھی اس پر تنقید کی ہے لیکن اکثر کے نزدیک وہ ثقہ ہے۔ غضیف بن الحارث جو اس حدیث کا راوی ہے یہ ایک صحابی تھا مگر غطیف بن الحارث تابعی تھا اور بعض دفعہ ان کے ناموں میں گڑبڑ ہوئی ہے، عائشہ ام المؤمنینؓ کے جواب پر بار بار غضیفؓ کا اللہ اکبر کہنا خوشی اور عظمتِ رسول کے ملے جلے جذبات کا اظہار تھا کہ آپؐ نے امت پر شفقت کی خاطر کتنی آسانیاں پیدا فرمائی ہیں۔

۲۲۷ ۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَلِیِّ بْنِ مُدْرِكٍ عَنْ اَبِیْ زُرْعَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ جَرِيْرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُجَيٍّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَلِیٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَدْخُلُ الْمَلٰٓئِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ صُوْرَةٌ وَّلَا كَلْبٌ وَّلَا جُنُبٌ ۔

(ترجمہ) علیؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا جس گھر میں تصویر یا کتا یا جنبی ہو، اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

(شرح) عبداللہ بن نجی کو امام شافعیؒ نے مجہول کہا ہے۔ دارقطنی نے غیر قوی اور بخاری اور ابن عدی نے کہا کہ اس میں کچھ کلام ہے۔ بعض علماء نے اس حدیث کو اتنا عام سمجھا ہے کہ جو تصویر سکوں پر ہو اس کا بھی یہی حکم ٹھیرایا ہے۔ اسی طرح کتے کے متعلق بھی عموم مراد لیا گیا ہے کیونکہ حضورؐ کو علم نہ تھا کہ حسن بن علیؓ نے ایک پلا گھر میں لا کر داخل کیا ہوا ہے۔

مگر جبریلؑ اس لاعلمی کے باوجود نہ آئے ۔ امام خطابیؒ نے کہا ہے کہ نہ داخل ہونے والے فرشتوں سے مراد برکت و رحمت کے فرشتے ہیں نہ کہ محافظ اور کراماً کاتبین کہ وہ تو ہر صورت اور حال میں ساتھ رہتے ہیں ۔ جنبی سے مراد وہ شخص ہے جو سہل انگاری کی بنا پر عادۃً اور عمداً نہ نہائے یا بہت دیر سے نہائے ورنہ یہ ثابت ہے کہ حضورؐ ایک ہی غسل کے ساتھ ازواجِ مطہرات کے گھروں میں پھرے اور بارہا جنابت کی حالت میں سوئے ۔

کُتّے سے مراد بقول خطابیؒ وہ کُتّا ہے جو حفاظت ، یا کھیتی کی نگرانی یا شکار کی ضرورت کے بغیر محض شوقیہ رکھا جائے ، ضرورت سے رکھا ہوا انشاء اللہ اس عموم سے خارج ہے ۔ تصویر سے مراد کسی ذی روح کی تصویر ہے ، اشخاص کی صورت میں ہو ، منقوش ہو ، چھت میں ہو ، دیوار یا پردے یا کپڑے پر ہو ، بنائی سے بُنی ہو یا کسی اور طرح سے ، سب اس عموم میں داخل ہیں ۔ مگر انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ پاسپورٹ ، شناختی کارڈ یا سکّوں اور نوٹوں پر بنی ہوئی تصاویر اس سے خارج ہوں کیونکہ وہ ایک مجبوری ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔ اسی طرح ہاتھ سے بنائی جانے والی تصویر اور کیمرے سے لی ہوئی عکسی تصویر میں بھی فرق نہیں ہے اِلّا اضطراراً ۔ زمانۂ حال کی بعض ضروریات کو بھی صرف ضرورت تک محدود رکھنا ہوگا مثلاً ٹیلی ویژن پر آنے والی تصاویر ، بعض دفعہ کسی ضرورت کے تحت تقریر سننا پڑتا ہوتی ہے ۔ واللہ اعلم ۔

۲۲۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنَامُ وَهُوَ جُنُبٌ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَمَسَّ مَاءً ـ قَالَ أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْوَاسِطِيُّ قَالَ سَمِعْتُ يَزِيدَ بْنَ هَارُونَ يَقُولُ هَذَا الْحَدِيثُ وَهْمٌ يَعْنِي حَدِيثَ أَبِي إِسْحَاقَ ـ

(ترجمہ) عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ جنابت میں پانی کو چھوئے بغیر سو جاتے تھے ۔

(شرح) پانی مس نہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ نہ غسل کرتے نہ وضوء اور نہ استنجاء ۔ ابوداؤدؒ نے اس حدیث کو وہم قرار دیا ہے ۔ امام احمدؒ نے غیر صحیح ، یزید بن ہارون نے کہا کہ یہ خطا ہے ۔ اور کئی محدثین نے اس پر نقد و جرح کی ہے مگر بقول حافظ ابن حجرؒ عسقلانی امام بیہقیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے ۔ ابن عباسؓ کی حدیث کہ حضورؐ نے فرمایا : مجھے وضوء کا حکم اس حالت میں ملا ہے جب میں نماز کے لئے اٹھوں ۔ طبرانی کی ایک حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ جناب عائشہؓ نے فرمایا کہ : حضورؐ جب اپنی بعض ازواج سے مباشرت کرتے اور اٹھنے کو جی نہ چاہتا تو دیوار پر تیمم کر لیتے تھے ۔ بیہقی نے جناب عائشہؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ حضورؐ حالتِ جنابت میں جب سونے کا ارادہ کرتے تھے تو وضوء یا تیمم کرتے تھے ۔ اس حدیث کی سند حسن ہے ۔ پس ان روایات سے ابو اسحاق کی روایت کی تائید ہوتی ہے لہٰذا اسے بالکل پرے پھینک دینا درست نہیں ۔ امام بیہقیؒ نے اس روایت کی تصحیح میں ایک شافی بحث کی ہے جو قابل دید ہے ۔

۹۲ - بَابٌ فِي الْجُنُبِ يَقْرَأُ

جنبی کے قرآن پڑھنے کا باب

۲۲۹ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلِمَةَ

قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عَلِيٍّ أَنَا وَرَجُلَانِ رَجُلٌ مِنَّا وَرَجُلٌ مِنْ بَنِي أَسَدٍ أَحْسَبُ فَبَعَثَهُمَا عَلِيٌّ وَجْهًا وَقَالَ إِنَّكُمَا عِلْجَانِ فَعَالِجَا عَنْ دِينِكُمَا ثُمَّ قَامَ فَدَخَلَ الْمَخْرَجَ ثُمَّ خَرَجَ فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَخَذَ مِنْهُ حَفْنَةً فَتَمَسَّحَ بِهَا ثُمَّ جَعَلَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَأَنْكَرُوا ذَلِكَ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْرُجُ مِنَ الْخَلَاءِ فَيُقْرِئُنَا الْقُرْآنَ وَيَأْكُلُ مَعَنَا اللَّحْمَ وَلَمْ يَكُنْ يَحْجُبُهُ أَوْ قَالَ يَحْجُزُهُ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْءٌ لَيْسَ الْجَنَابَةَ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن سلمہ کا بیان ہے کہ میں اور دو آدمی اور حضرت علی رض کے پاس گئے۔ ایک آدمی تو ہم میں سے تھا (یعنی مراد میں سے) اور دوسرا میرے خیال میں بنی اسد میں سے تھا پس علی رض نے انہیں کسی طرف بھیجا اور کہا کہ تم دونوں مضبوط آدمی ہو۔ پس اپنا دینی کام کرو (جو تمہارے سپرد ہوا ہے) پھر علی رض اٹھے اور بیت الخلاء میں داخل ہوئے پھر باہر نکلے تو پانی منگوایا اور اس میں سے دونوں ہاتھوں کا چلو لیا اور ہاتھ منہ دھویا۔ پھر قرآن کی قرأت کرنے لگے۔ لوگوں نے اس بات کا برا مانا تو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے نکلتے اور ہمیں قرآن مجید پڑھاتے تھے اور ہمارے ساتھ گوشت کھاتے تھے۔ اور آپ کو قرآن پڑھنے سے جنابت کے سوا کوئی چیز نہ روکتی تھی۔

(شرح) یہ حدیث بے وضو کے لئے قرأت قرآن کو جائز اور جنبی کے لئے ناجائز قرار دیتی ہے۔ اکثر فقہاء کا یہی مذہب ہے۔ امام عبدالوہاب شعرانی رح نے کہا کہ شافعی رح اور احمد رح نے جنبی کے لئے قرأت قرآن کو مطلقاً حرام کیا ہے۔ ابوحنیفہ رح کے نزدیک پوری آیت پڑھنا حرام ہے۔ مالک رح نے ایک دو آیتیں پڑھنا جائز قرار دیا۔ اور داؤد ظاہری نے مطلقاً قرأت کو جائز رکھا ہے امام شعرانی رح نے جو مذہب ابوحنیفہ رح کا بیان کیا ہے یہ حنفیہ میں سے طحاوی رح کا مسلک ہے۔ عارضۃ الاحوذی میں قرأت کا جواز اہل بدعت کا مذہب ٹھہرایا ہے۔

۹۳۔ بَابٌ فِي الْجُنُبِ يُصَافِحُ

جنبی کے مصافحہ کرنے کا باب

۲۳۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ وَاصِلٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَهُ فَأَهْوَى إِلَيْهِ فَقَالَ إِنِّي جُنُبٌ فَقَالَ إِنَّ الْمُسْلِمَ لَيْسَ بِنَجَسٍ

(ترجمہ) حذیفہ رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملے اور ان کی طرف متوجہ ہوئے تو حذیفہ رض نے کہا کہ میں جنبی ہوں، حضور ص نے فرمایا: مسلم پلید نہیں ہوتا۔

آئے تو کہا تو کہا کہ میں جنبی تھا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ مسلم نجس نہیں ہوتا۔ نسائی نے اس حدیث کو مفصل بیان کیا ہے۔ ابوداؤد کی روایت کے مطابق یہ گفتگو وہیں ہوئی تھی جہاں پر ملاقات ہوئی مگر مسلم اور نسائی کی روایت کے مطابق کچھ دیر بعد ہوئی جبکہ حذیفہؓ غسل کر کے آئے، بلکہ نسائی کی روایت کے مطابق حضورؐ نے سبب دریافت فرمایا اور حذیفہؓ نے جنابت کا عذر ظاہر کیا۔ حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جنابت کی حالت میں ظاہری نجاست تو مسلم کے جسم پر نہیں ہوتی بلکہ غسل کا حکم محض تعبدی ہے۔ دیگر دلائل شرع سے ثابت ہوتا ہے کہ کافر کا جسم بھی ظاہر کے اعتبار سے محض کفر و شرک کی وجہ سے نجس نہیں ہے یہی جمہور مسلمین کا سلف و خلف تک مذہب ہے اِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ میں نجاست سے مراد اعتقادی نجاست ہے ان کے اعیان کی نجاست مراد نہیں ہے۔ بعض اہل ظاہر کے نزدیک کافر و مشرک نجس العین ہیں لیکن اہل کتاب عورتوں کے نکاح کے جواز سے یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے کہ غیر مسلموں کی نجاست اعتقادی ہے نہ کہ مادی و اعیانی۔

۲۳۱- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى وَبِشْرٌ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ بَكْرٍ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ لَقِيَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي طَرِيقٍ مِّنْ طُرُقِ الْمَدِينَةِ وَأَنَا جُنُبٌ فَاخْتَنَسْتُ فَذَهَبْتُ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ فَقَالَ أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟ قَالَ قُلْتُ إِنِّي كُنْتُ جُنُبًا فَكَرِهْتُ أَنْ أُجَالِسَكَ عَلَى غَيْرِ طَهَارَةٍ۔ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ إِنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ۔ وَقَالَ وَفِي حَدِيثِ بِشْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ قَالَ حَدَّثَنِي بَكْرٌ۔

(ترجمہ) ابو ہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مدینہ کے ایک راستے میں ملے اور میں اس وقت جنبی تھا، پس میں کھسک گیا میں گیا اور غسل کر کے آیا تو حضورؐ نے فرمایا: ابوہریرہ تم کہاں تھے؟ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں جنبی تھا اور بلا طہارت آپ کے ساتھ بیٹھنا مجھے پسند نہ آیا۔ حضورؐ نے فرمایا: سبحان اللہ مسلمان نجس نہیں ہوتا۔

۹۴- بَابُ الْجُنُبِ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ

غسل کی حاجت کی حالت میں مسجد میں داخل ہونے کا باب

۲۳۲- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَفْلَتُ بْنُ خَلِيفَةَ قَالَ حَدَّثَتْنِي جَسْرَةُ بِنْتُ دَجَاجَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُولُ جَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوُجُوهُ بُيُوتِ أَصْحَابِهِ شَارِعَةٌ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ وَجِّهُوا هٰذِهِ الْبُيُوتَ عَنِ الْمَسْجِدِ۔ ثُمَّ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَصْنَعِ الْقَوْمُ شَيْئًا رَجَاءَ أَنْ تَنْزِلَ فِيهِمْ رُخْصَةٌ فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ وَجِّهُوا هٰذِهِ الْبُيُوتَ عَنِ الْمَسْجِدِ فَإِنِّي لَا أُحِلُّ

الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَّلَا جُنُبٍ - قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ وَهُوَ فُلَيْتُ الْعَامِرِيُّ -

(ترجمہ) جسرہ بنت دجاجہ نے عائشہ صدیقہؓ کو یہ کہتے سُنا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کے اصحاب کے گھروں کے دروازے مسجد کی طرف کھلتے تھے۔ پس آپؐ نے فرمایا: ان دروازوں کو مسجد سے ہٹا دو، پھر حضورؐ (اس کے بعد) مسجد میں داخل ہوئے اور ان لوگوں نے اس امید میں کہ شاید ان کے متعلق رخصت نازل ہو جائے ابھی کچھ نہ کیا تھا، آپ ان کی طرف نکلے اور فرمایا: ان گھروں کے دروازے مسجد کی طرف سے ہٹا دو کیونکہ میں مسجد کو کسی حائضہ عورت اور جنبی کے لئے حلال قرار نہیں دیتا۔ ابوداؤد نے افلت بن خلیفہ کا دوسرا نام فُلیت بتایا ہے۔

(شرح) دوسرے محدثین نے تو افلت بن خلیفہ کو ثقہ قرار دیا ہے مگر بعض اہلِ ظاہر نے اسے مجہول کہا ہے اور امام احمدؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو افلت کے باعث ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ وہ ان کے نزدیک مجہول ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ اسے ابن خزیمہ اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے اور اس سے روایت کرنے والے بھی ثقہ ہیں۔ ابوداؤد نے شاید اسی لئے اس کا دوسرا نام اور نسبت بتائی ہے کہ وہ مجہول نہیں ہے۔ شوکانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ابن القطانؒ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے (جو اگر صحیح کے خلاف نہ ہو تو صحیح کی طرح قابلِ عمل ہوتی ہے!) سفیان ثوری اور عبدالواحد بن زیاد جیسے لوگوں نے افلت سے روایت کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ جن لوگوں نے افلت کو متروک کہا ہے ان کا قول لائق رد ہے کیونکہ ائمۂ حدیث میں سے کسی نے اسے متروک نہیں ٹھیرایا۔ ابن حزم ظاہری کی شدت اور انتہا پسندی کو کون نہیں جانتا، اس کا یہ کہنا کہ یہ حدیث باطل ہے، ایک غلط قول ہے۔ بعض روایات میں جناب ابوبکرؓ اور علیؓ کے لئے اس حکم سے استثناء وارد ہے کہ ان کے دروازے مسجد نبوی میں باقی رکھے گئے تھے، یعنی حاجت اور واقعی ضرورت کے باعث۔

جنبی کے مسجد میں داخل ہونے کے متعلق اختلاف ہوا ہے، ابوداؤد اور مزنی وغیرہ کے نزدیک جنبی اور حائضہ عورت کا مسجد میں دخول مطلقاً جائز ہے۔ امام احمدؒ بن حنبل نے حائضہ عورت کا دخول مطلقاً ناجائز اور جنبی کا دخول اس شرط کے ساتھ جائز کہا ہے کہ وہ رفع حدث کے لئے وضوء کرلے۔ سفیان ثوریؒ، حنفیہ، مشہور قول کے مطابق مالکؒ اور جمہور امت کے نزدیک جنبی اور حائضہ کا دخولِ مسجد مطلقاً ناجائز ہے۔ شافعیؒ اور ان کے اصحاب کے نزدیک جنبی کے لئے مسجد سے عبور جائز ہے مگر وہاں ٹھیرنا جائز نہیں بعض روایاتِ فقہ کے مطابق شرعی اور واقعی ضرورت کے لئے مسجد سے گزرنا دوسرے آئمہ کے نزدیک بھی جائز ہے۔

علامہ ابن حزمؒ نے حسب معمول کہا ہے کہ جنبی اور حائضہ کے مسجد میں داخل ہونے کی حرمت کی کوئی دلیل ثابت نہیں اور افلت کی حدیث باطل ہے۔ علامہ شوکانیؒ نے اس کا تعاقب کرتے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح یا کم از کم حسن کے درجے کی ہے لہٰذا ابن حزم کا قول محض اٹکل پچو ہے۔ جواز کے قائلین نے ایک روایت سے استدلال کیا ہے کہ صحابہ حالتِ جنابت میں مسجد میں بیٹھتے تھے۔ مگر اس کا راوی ہشام بن سعید ابو حاتم کے نزدیک ناقابلِ احتجاج اور ابن معین، احمد اور نسائی کے نزدیک ضعیف ہے۔ ابوداؤد نے باصرار کہا ہے کہ زید بن اسلم سے روایت کرے تو یہ راوی نہایت ثقہ ہے اگر اس روایت کی صحت کو بالفرض مان بھی لیں تو حدیث مرفوع کے مقابلے میں کوئی قول یا فعل حجت نہیں۔ اس مسئلے پر اجماع ہے کہ صحیح حدیثِ مرفوع بہرحال قابلِ تسلیم ہے بشرطیکہ دلائلِ شرع کے مطابق اس کے خلاف پر اجماع نہ ہو جائے۔

امام شافعیؒ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے: اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ - ان کا کہنا ہے کہ عبور نماز کے محل پر

سے ہی ہوتا ہے اور وہ مسجد ہے، نماز سے عبور نہیں ہوتا اور اس کو سفر سے مقید کرنے کی کوئی دلیل نہیں بلکہ ظاہر یہ ہے اور اس سے مراد صرف گزرنے والا ہے کیونکہ قرآن نے مسافر کا ذکر اس کے بعد کیا ہے، قرآن میں تکرار نہیں ہوتا۔ ابن جریر نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ بعض انصار کو جنابت کی حالت میں مسجد سے گزرنا تا گزیر ہوتا تھا کیونکہ پانی کی طرف اور کوئی راستہ نہ تھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی : وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ ۔ بقولِ امام شافعیؒ یہ ایک ایسی برمحل دلیل ہے جس کے بعد اس مسئلے میں کوئی شک نہیں رہتا۔

جمہور نے، جو حالتِ جنابت میں مسجد کے عبور کے عدمِ جواز کے قائل ہیں، کہا ہے کہ یہ زیرِ نظر حدیث ہماری دلیل ہے اور اس میں کوئی استثناء نہیں لہٰذا یہ امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے بلکہ بطور عبارۃ النص اس سے یہی مسئلہ ثابت ہوتا ہے کیونکہ یہ حدیث آئی ہی اسی مسئلے میں ہے۔ پس قرآنی آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ: جنابت میں تم کسی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ سوائے اس صورت کے کہ تم مسافر ہو اور پانی نہ ملے یا ملے تو تم اس کے استعمال پر کسی سبب سے قادر نہ ہو۔ پس اس صورت میں تم تیمم کر لو۔ مفسرین میں علیؓ، ابن عباسؓ، مجاہدؒ اور سعید بن جبیر نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ مسجد میں بحالتِ جنبوی گزرنے کی اجازت والی تفسیر جس کا اوپر ذکر ہوا وہ ابن مسعودؓ، سعید بن مسیبؒ، حسنؒ اور نخعیؒ کا قول ہے۔ ان حضرات نے لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ سے جو لَا تَقْرَبُوْا مَوَاضِعَ الصَّلٰوةِ مراد لیا ہے یہ زبان و بیان کے خلاف ہے اور اس کی کوئی دلیل نہیں۔ اور اگر یہ معنیٰ مراد لیا جائے تو جنبی کے لئے مسجد کے علاوہ گھروں میں بنے ہوئے مواضعِ صلاۃ کا داخلہ بھی حرام ہو جائے گا حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

۹۵۔ بَابُ الْجُنُبِ يُصَلِّيْ بِالْقَوْمِ وَهُوَ نَاسٍ

جنبی کا باب جب وہ بھول کر نماز پڑھا دے

۲۳۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ زِيَادٍ الْأَعْلَمِ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضؓ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ فِي صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ أَنْ مَكَانَكُمْ ثُمَّ جَاءَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ فَصَلّٰى بِهِمْ۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ قَالَ أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ وَقَالَ فِي أَوَّلِهِ، فَكَبَّرَ وَقَالَ فِي آخِرِهِ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ قَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنِّي كُنْتُ جُنُبًا۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ الزُّهْرِيُّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ فَلَمَّا قَامَ فِي مُصَلَّاهُ وَانْتَظَرْنَا أَنْ يُكَبِّرَ انْصَرَفَ ثُمَّ قَالَ كَمَا أَنْتُمْ وَرَوَاهُ أَيُّوبُ وَابْنُ عَوْنٍ وَهِشَامٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَكَبَّرَ ثُمَّ أَوْمَأَ إِلَى الْقَوْمِ أَنِ اجْلِسُوا فَذَهَبَ فَاغْتَسَلَ۔ وَكَذٰلِكَ رَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ إِسْمَعِيلَ بْنِ أَبِي حَكِيمٍ

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِيْ صَلَاةٍ ۔ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ وَكَذٰلِكَ حَدَّثَنَاهُ مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبَانٌ عَنْ يَحْيٰى عَنِ الرَّبِيْعِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ كَبَّرَ ۔

(ترجمہ) ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر میں داخل ہوئے پھر اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اپنی جگہوں پر رہو پھر (گھر جا کر) واپس ہوئے اور آپؐ کے سر سے قطرے ٹپک رہے تھے، پھر آپؐ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ حدیث کی دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے نماز کی تکبیر کہہ لی تھی۔ اور نماز کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ میں بھی ایک انسان ہوں اور میں جنابت کی حالت میں تھا۔ ابوہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ جب آپ مصلا پر کھڑے ہوئے اور ہم نے انتظار کیا کہ تکبیر کہیں گے، تو واپس مڑ گئے اور فرمایا: یہیں رہو۔ محمد بن سیرین کی مرسل روایت میں ہے کہ آپ نے تکبیر کہی پھر لوگوں کی طرف اشارہ فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، پھر گئے اور غسل کیا۔ مالک نے عطاء بن یسار سے جو مرسل روایت بیان کی ہے اس میں بھی ہے کہ آپؐ نے تکبیر کہہ لی تھی۔ ربیع بن محمد کی مرسل روایت میں بھی ہے کہ آپ نے تکبیر کہہ لی تھی۔

(شرح) حافظ ابن عبدالبرؒ مالکی نے لکھا ہے کہ امام کو تکبیر تحریمہ کے بعد یاد آجائے کہ وہ جنبی تھا تو اسے اپنا نائب مصلّٰی پر کھڑا کر کے مسجد سے چلے جانا چاہیئے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو قوم خود ایک شخص کو آگے کرے۔ اگر سب تنہا نماز پڑھ لیں تب بھی جائز ہے، اگر وہ انتظار کریں اور کسی کو امام نہ بنائیں اور نہ خود اپنی اپنی نماز پڑھیں تو ان کی نماز فاسد ہوگئی۔ یہ امام مالکؒ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔ ان حضرات کے نزدیک لوگ امام کا انتظار بحیثیتِ امام نہیں کر سکتے، ہاں اگر وہ آجائے تو مقتدی کی حیثیت سے نماز ادا کرے گا اور اس نے جو پہلی تکبیر تحریمہ کہہ دی تھی وہ تمام علماء کے اجماع سے کافی نہیں کیونکہ اس وقت وہ طاہر نہیں تھا۔ علامہ قرطبیؒ مالکی نے لکھا ہے کہ حدیث زیرِ نظر کا مضمون اصل صلوٰۃ کے خلاف ہے لہٰذا مالکؒ نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت قرار دیا ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ: بطورِ خلاصہ یہاں پر تین مسائل ہیں: پہلا یہ کہ امام نے انہیں بے وضوء یا بے غسل نماز پڑھا دی اور انہیں اس کا علم نہ تھا تو حنفیہ کے نزدیک کسی کی بھی نماز نہیں ہوئی، نہ امام کی نہ مقتدیوں کی۔ دوسرے تینوں اماموں کے نزدیک مقتدیوں کی نماز ہوگئی مگر امام کی نہیں ہوئی۔ اگر امام کو نماز کے دوران میں پتہ چل گیا کہ وہ بے طہارت ہے تو اس کی نماز کسی کے نزدیک صحیح نہیں اور اس کے لئے اس نماز پر بناء کرنا جائز نہیں۔ رہی مقتدیوں کی نماز، سو امام کے جانے کے بعد اگر انہوں نے کسی کو اس کا نائب بنایا تھا یا اکیلے اکیلے نماز پڑھ لی تھی تو ان کی نماز امام مالکؒ اور احمدؒ کے نزدیک صحیح ہوگئی مگر حنفیہ اور شافعیؒ کے نزدیک صحیح نہیں ہوئی اور اسی طرح امام احمدؒ کے نزدیک بھی نہیں ہوئی۔

اس حدیث کی روایات میں جیساکہ ابوداؤدؒ نے صراحت کی ہے، یہ اختلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیا نماز شروع کر دی تھی اور بعد میں یاد آیا کہ غسل کرنا ہے۔ یا ابھی تکبیر نہیں کہی گئی تھی اور یاد آگیا تو گھر تشریف لے گئے۔ بخاری میں یہ حدیث ابوہریرہؓ سے مروی ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ آپ نے ابھی نماز شروع نہ کی تھی اور یاد آگیا۔ مسلم میں بھی قبل از تکبیر کا لفظ وارد ہے۔ بخاری اور مسلم کی روایات سے ابوداؤد کی حضرت ابوبکرہؓ کی حدیث، اور یہی حدیث ابن حبان نے

روایت کی ہے ۔ مالکؒ کی عطاء بن یسار والی مرسل حدیث، متعارض ہے۔ حافظ عسقلانی نے کہا کہ یا تو یہ دو واقعات ہیں جیسا کہ قاضی عیاضؒ ، قرطبیؒ، نوویؒ اور ابن حبان نے کہا ہے، ورنہ بخاری و مسلم کی حدیث کو ترجیح دی جائے گی۔ حافظ ابن عبد البرؒ نے ابوہریرہؓ اور ابوبکرہؓ کی حدیثوں کے تعارض کو یوں دور کیا ہے کہ غالباً ابوبکرہؓ صف میں حضورؐ کے قریب تھے لہٰذا انہوں نے تکبیر کی آواز سن لی اور ابوہریرہؓ دور کھڑے تھے اور ان تک آواز نہ پہنچی، پس ہر ایک نے اپنے علم کے مطابق روایت کی ۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر ابوبکرہؓ کی حدیث کے مطابق مان لیا جائے کہ حضورؐ نے نماز کی تکبیر کہہ دی تھی تو یہ حدیث ائمہ اربعہ میں سے کسی کے مذہب کے مطابق بھی نہیں ہے کیونکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر حضرات کے نزدیک بھی نماز کی صحت کی شرط یہ ہے کہ عدم طہارت کا علم نہ ہو، اگر امام کو نماز کے دوران یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس کی طہارت نہیں تو کسی کی بھی نماز نہ ہوگی۔ پس اس کے سوا چارہ نہیں رہ کہ بخاری و مسلم کی روایت پر اعتماد کیا جائے کہ ابھی نماز شروع نہیں ہوئی تھی کہ حضورؐ واپس تشریف لے گئے اور غسل کے بعد آ کر نماز پڑھائی۔ مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ امام محمدؒ نے مؤطا میں یہ حدیث امام مالکؒ کی سند سے عطاء بن یسار سے مرسلاً روایت کی ہے اور اسے اسی صورت پر محمول کیا ہے جبکہ امام کو نماز کے اندر حدث لاحق ہو۔ مگر حدیث یہ نہیں کہتی کہ حضورؐ کو نماز کے اندر حدث لاحق ہوا تھا بلکہ یہ بتاتی ہے کہ سابق حدث یاد آ گیا تھا۔ پس امام محمدؒ یا تو اسے کوئی دوسرا واقعہ خیال کرتے ہیں اور یا انہیں اس مسئلہ میں غلطی لگی ہے جیسا کہ مولانا عبدالحئیؒ لکھنوی نے تصریح کی ہے۔ اس حدیث کے بعد ابوداؤدؒ نے ابوہریرہؓ کی حدیث بیان کی ہے جس میں صراحت ہے کہ حضورؐ کو نماز شروع کرنے سے پہلے ہی یاد آ گیا اور غسل کے لئے تشریف لے گئے۔

۲۳۴ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ الْحِمْصِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا الزُّبَيْدِيُّ ح وَحَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْأَزْرَقِ قَالَ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ ح وَحَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ خَالِدٍ إِمَامُ مَسْجِدِ صَنْعَاءَ قَالَ حَدَّثَنَا رَبَاحٌ عَنْ مَعْمَرٍ ح وَحَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ الْفَضْلِ قَالَ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ وَصَفَّ النَّاسُ صُفُوفَهُمْ فَخَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى إِذَا قَامَ فِي مَقَامِهِ ذَكَرَ أَنَّهُ لَمْ يَغْتَسِلْ فَقَالَ لِلنَّاسِ مَكَانَكُمْ ثُمَّ رَجَعَ إِلٰى بَيْتِهِ فَخَرَجَ عَلَيْنَا يَنْطُفُ رَأْسُهُ قَدِ اغْتَسَلَ وَنَحْنُ صُفُوفٌ وَهٰذَا لَفْظُ ابْنِ حَرْبٍ وَقَالَ عَيَّاشٌ فِي حَدِيثِهِ فَلَمْ نَزَلْ قِيَامًا نَنْتَظِرُهُ حَتّٰى خَرَجَ عَلَيْنَا وَقَدِ اغْتَسَلَ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ نے کہا کہ نماز کی اقامت ہو گئی اور لوگوں نے اپنی صفیں بنا لیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

باہر تشریف لائے، یہاں تک کہ جب اپنی جگہ پر کھڑے ہوئے تو آپ کو یاد آیا کہ غسل نہیں کیا، پس آپؐ نے لوگوں سے فرمایا کہ اپنی جگہوں پر رہو، پھر اپنے گھر واپس تشریف لے گئے۔ پھر ہماری طرف نکلے، آپؐ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا اور آپؐ نے غسل فرمایا تھا اور ہم صفیں باندھے ہوئے تھے۔ یہ ابن حرب کے الفاظ ہیں، عیاش کی روایت میں ہے کہ ہم برابر کھڑے آپ کا انتظار کرتے رہے حتیٰ کہ آپؐ غسل فرما کر ہماری طرف باہر تشریف لائے۔

(شرح) ابوداؤد نے یہ حدیث زہری سے پہلے چار سندوں سے روایت کی ہے۔ تیسری سند میں مخلد بن خالد ایک راوی ہے جسے قاضی عیاضؒ نے شرح مسلم میں بالکل مجہول قرار دیا ہے۔ امام نوویؒ نے قاضی کا شدید رد کیا ہے۔ چوتھی سند کے راوی امام عبدالرحمٰن اوزاعی پر امام احمدؒ نے تنقید کی ہے اور ان کی حدیث کو ضعیف کہا ہے یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ جب اوزاعی زہری سے روایت کرے تو زیادہ لائق اعتماد نہیں۔

اوپر کی حدیث میں ابوداؤد نے ایک روایت وہ بھی بیان کی ہے کہ: پھر آپؐ نے لوگوں کو بیٹھنے کا اشارہ فرمایا۔ اور اس روایت میں ہے کہ ہم برابر صف بستہ کھڑے رہے۔ ان دونوں میں اختلاف ہے۔ وہ روایت جس میں بیٹھنے کے اشارے کا ذکر ہے، مرسل ہے، مگر دونوں کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ حضورؐ نے بیٹھنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ آپؐ کے اشارے سے کچھ لوگوں نے یہ سمجھا کہ بیٹھنے کا حکم دے رہے ہیں۔ اسی طرح ان روایات میں کہیں حضورؐ کے قول کا ذکر ہے اور کہیں اشارے کا۔ سو اشارے کو قول بھی کہا جاتا ہے، ممکن ہے آپؐ نے صرف اشارہ فرمایا ہو اور راوی نے اسے قول سے تعبیر کر دیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ زبان سے بھی فرمایا ہو اور اشارہ بھی کیا ہو۔ بعض نے بات سن لی اور باقی نے صرف اشارہ دیکھا ہو۔ اس حدیث میں یہ نہیں آیا کہ حضورؐ نے تکبیر تحریمہ کہی تھی۔ اوپر گزر چکا ہے کہ صحیحین کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تکبیر نہیں کہی تھی، مگر ابوبکرہؓ کی حدیث جو ابوداؤد نے روایت کی، ابوہریرہؓ کی روایت جو دارقطنیؒ نے روایت کی، انسؓ کی حدیث جو دارقطنی نے بیان کی، موطا اور سنن ابی داؤد میں عطاء بن یسار کی مرسل روایت محمد بن سیرین کی مرسل روایت جو ابوداؤد نے بیان کی اور ربیع کی مرسل روایت جو ابوداؤد نے بیان کی ان سب میں آیا ہے کہ حضورؐ نے نماز شروع کر دی تھی اور تکبیر تحریمہ کہہ دی تھی۔ اس مسئلے پر کچھ گفتگو اوپر گزر چکی ہے۔ جہاں تک صحابہؓ کا سوال ہے دارقطنی نے جو حدیث انسؓ سے روایت کی ہے اس کے علاوہ کسی کتاب کی کسی روایت میں یہ نہیں آیا کہ صحابہؓ نے بھی نماز شروع کر دی تھی۔ اس سے وہ مسئلہ یاد رہوا ہو جاتا ہے کہ مقتدی جب نہ جانتے ہوں کہ امام بے وضو یا بے غسل تھا تو ان کی نماز صحیح ہے اور بعد میں علم ہونے کے باوجود ان پر اعادہ واجب نہیں ہے۔ ایک مسئلہ اور واضح ہو گیا کہ مقتدی امام سے پہلے نماز شروع کر دے تو اس کی نماز باطل ہے۔ یہاں پر ابن قدامہؒ کے حوالہ سے یہ عبارت پیش کرنا نفع سے خالی نہیں کہ:

جب امام لوگوں کو بے وضو یا جنابت کی حالت میں نماز پڑھا دے، نہ اسے معلوم تھا نہ قوم کو حتیٰ کہ جماعت ہو چکی تو مقتدیوں کی نماز صحیح ہو گئی مگر امام کی نماز باطل ہے۔ یہی قول امام مالکؒ، اوزاعیؒ اور شافعیؒ کا ہے۔ اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ امام اور مقتدی سب دوبارہ نماز پڑھیں اور یہی قول ابن سیرینؒ، شعبیؒ، ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا ہے۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو بقول شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ اس حدیث میں امام کو علم ہو گیا کہ اس پر غسل واجب ہے لہٰذا ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک بھی اس قسم کی صورت میں مقتدیوں کی نماز نہیں ہوتی۔ حضرت علیؓ کا اثر جس کا ذکر ابن قدامہ نے کیا ہے وہ مصنف عبدالرزاق میں موجود ہے اور اس پر کوئی نکیر نہیں ہوئی، گویا یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

۹۶۔ بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَجِدُ الْبِلَّةَ فِي مَنَامِهِ

باب اس شخص کے بیان میں جو خواب میں تری دیکھے

۲۳۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ خَالِدٍ الْخَيَّاطُ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ الْعُمَرِيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يَجِدُ الْبَلَلَ وَلَا يَذْكُرُ احْتِلَامًا قَالَ يَغْتَسِلُ وَعَنِ الرَّجُلِ يَرَى أَنْ قَدِ احْتَلَمَ وَلَا يَجِدُ الْبَلَلَ قَالَ لَا غُسْلَ عَلَيْهِ فَقَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ الْمَرْأَةُ تَرَى ذٰلِكَ أَعَلَيْهَا غُسْلٌ قَالَ نَعَمْ إِنَّمَا النِّسَاءُ شَقَائِقُ الرِّجَالِ۔

(ترجمہ) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو تری پاتا ہے مگر اسے احتلام یاد نہیں، فرمایا وہ غسل کرے اور اس شخص کے متعلق سوال ہوا جو سمجھتا ہے کہ اسے احتلام ہوا ہے مگر تری نہیں پاتا، فرمایا اس پر غسل واجب نہیں۔ اُمّ سلیم نے کہا کہ اگر عورت یہ دیکھے تو کیا اس پر غسل ہے؟ فرمایا ہاں، عورتیں طبعاً مردوں جیسی ہی تو ہیں۔

(شرح) اس حدیث کا راوی عبداللہ عُمری (ابن عمر بن حفص بن عاصم بن عمرؓ بن الخطاب) متکلم فیہ ہے اور اس کی جرح وتعدیل میں خاصا اختلاف ہے۔ امام احمدؒ نے اس کی تعریف کی ہے اور اس کی روایت لی ہے۔ ابن معین نے اس کی حدیث لینے میں حرج نہیں سمجھا۔ اسی طرح ابن عدی، عجلی، ابن عمار موصلی وغیرہم نے اس کی حدیث میں حرج نہیں جانا۔ دوسری طرف علی بن المدینی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ ابن حاتم اسے ناقابلِ احتجاج بتاتے ہیں۔ ابن حبان اسے متروک ٹھیراتے ہیں۔ بخاری اسے متروک قرار دیتے ہیں اور قطان اسے ضعیف کہتے ہیں۔

امام خطابی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ حدیث بظاہر احتلام والے پر غسل واجب کرتی ہے بشرطیکہ وہ تری کے نشانات دیکھے اور گو اسے یقین نہ ہو کہ یہ منی (ماءِ دافق) ہے۔ یہی قول عطاؒ، شعبیؒ اور نخعیؒ کا ہے۔ اور اکثر اہلِ علم کہتے ہیں کہ جب تک اسے اس تری کے ماء دافق ہونے کا علم نہ ہو غسل واجب نہیں، مگر بطورِ احتیاط غسل مستحب ہے۔ اور اس مسئلے میں کسی کا اختلاف نہیں کہ جب آدمی خواب میں سمجھے کہ احتلام ہو گیا مگر کوئی تری وغیرہ نہیں ہے تو اس پر غسل واجب نہیں۔ ہاں بطور احتیاط غسل کرلے۔ اور حدیث میں جو بلل (تری) کا لفظ ہے اس سے مراد منی ہے نہ کہ مذی کیونکہ مذی سے بروئے احادیث صحیحہ غسل واجب نہیں ہوتا۔

۹۷۔ بَابُ الْمَرْأَةِ تَرَى مَا يَرَى الرَّجُلُ

باب، عورت اگر مرد کی مانند خواب میں دیکھے

۲۳۶- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ الْأَنْصَارِيَّةَ وَهِيَ أُمُّ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ أَرَأَيْتَ الْمَرْأَةَ إِذَا رَأَتْ فِي الْمَنَامِ مَا يَرَى الرَّجُلُ أَتَغْتَسِلُ أَمْ لَا قَالَتْ عَائِشَةُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ فَلْتَغْتَسِلْ إِذَا وَجَدَتِ الْمَاءَ قَالَتْ عَائِشَةُ فَأَقْبَلْتُ عَلَيْهَا فَقُلْتُ أُفٍّ لَكِ وَهَلْ تَرَى ذٰلِكَ الْمَرْأَةُ فَأَقْبَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تَرِبَتْ يَمِينُكِ يَا عَائِشَةُ وَمِنْ أَيْنَ يَكُونُ الشَّبَهُ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَكَذٰلِكَ رَوَى الزُّبَيْدِيُّ وَعُقَيْلٌ وَيُونُسُ وَابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ وَابْنُ أَبِي الْوَزِيرِ عَنْ مَالِكٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَوَافَقَ الزُّهْرِيَّ مُسَافِعٌ الْحَجَبِيُّ قَالَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ وَأَمَّا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ فَقَالَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ جَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(ترجمہ) عائشہؓ سے روایت ہے کہ ام سُلَیمؓ انصاریہ نے جو انس بن مالک کی ماں تھیں، کہا یا رسول اللہ، اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا، یہ تو فرمائیے کہ اگر عورت خواب میں وہ کچھ دیکھے جو مرد دیکھتا ہے تو غسل کرے یا نہ کرے؟ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! اُسے غسل کرنا چاہیئے بشرطیکہ پانی پائے۔ عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے ام سلیم کی طرف دیکھا اور کہا: تجھ پر افسوس ہے، کیا عورت بھی یہ دیکھتی ہے؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے عائشہ تیرا بھلا ہو اگر یہ نہیں تو بچے کی مشابہت کہاں سے ہوتی ہے؟

(شرح) اس حدیث کی سند میں عنبسہ راوی پر یحییٰ بن بکیر، ابو حاتم، ابن القطان اور احمد بن حنبل جیسے ماہرینِ فن نے کڑی تنقید کی، عائشہؓ نے اُمّ سُلیم کے سوال پر حیرانی ظاہر فرمائی، اس کا سبب شاید یہ تھا کہ کم عمری کے باعث انہیں کبھی اس سے سابقہ پیش نہیں آیا تھا، یا اس لئے کہ یہ چیز عورتوں میں شاذ و نادر ہوتی ہے اور مردوں میں اکثر۔ اُفٍّ کا لفظ ڈانٹ ڈپٹ، انکار اور اظہارِ ناراضی کے لئے آتا ہے۔ تَرِبَتْ يَمِينُكِ کا لفظی معنیٰ ہے، تیرا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو۔ مگر عام بول چال میں اس سے مراد بددعا، نہیں ہوتی بلکہ بعض دفعہ پیار کے طور پر بولا جاتا ہے۔ حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ بچہ مرد عورت دونوں کے پانی سے متولد ہوتا ہے اور ماں باپ سے مشابہت کا سبب یہی ہے۔ اور جب عورت میں منی موجود ہے تو اس کا خروج بعید نہیں۔

ابو داؤد نے دوسری روایت کا جو حوالہ دیا ہے اس کا ایک راوی ابن اخی الزہری (امام زہری کا بھتیجا) ہے جس کا نام محمد بن عبداللہ بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب ہے۔ یحییٰ بن سعید القطان اسے ضعیف کہتے ہیں، ابن معین غیر قوی، ضعیف اور ناقابلِ استدلال کہتے ہیں۔ اسی طرح ابو حاتم اور ابن حبان نے بھی اس پر تنقید کی ہے۔ مگر اس کی روایات مسلم اور بخاری میں بھی ہیں۔ ابو داؤد کے تبصرے کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کی روایت عائشہؓ سے ہے یا امّ سلمہؓ سے؟ اس میں روایات مختلف ہیں۔ زہری کی روایت میں ہے کہ عروہ نے عائشہؓ سے روایت کی اور ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے اور اس نے زینب بنتِ ابی سلمہ سے

اور اس نے ام سلمہؓ سے۔ زہری کی حدیث کو متابعت کی وجہ سے ترجیح حاصل ہے، اور ہشام کی روایت کی کسی نے متابعت نہیں کی مگر حافظ ابن حجر کا قول ہے کہ قاضی عیاض نے محدثین سے نقل کیا ہے کہ یہ قصہ ام سلمہؓ کا ہے نہ کہ عائشہؓ کا۔ گویا حافظ ابن حجر عسقلانی کے نزدیک ابوداؤد کے برخلاف ہشام کی روایت کو ترجیح ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے ذہلی سے نقل کیا ہے کہ دونوں روایتیں صحیح ہیں، ممکن ہے واقعہ کے وقت یہ دونوں خواتین موجود ہوں۔ واللہ اعلم۔

۹۸۔ بَابُ فِیْ مِقْدَارِ الْمَآءِ الَّذِیْ یُجْزِئُ بِهِ الْغُسْلُ

جنابت کے غسل کیلئے کافی ہو جانے والے پانی کی مقدار کا باب

۲۳۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِیُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنْ اِنَاءٍ هُوَ الْفَرَقُ مِنَ الْجَنَابَةِ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ فِیْ هٰذَا الْحَدِيْثِ قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ فِيْهِ قَدْرُ الْفَرَقِ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوٰى ابْنُ عُيَيْنَةَ نَحْوَ حَدِيْثِ مَالِكٍ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ وَسَمِعْتُ اَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ يَقُوْلُ الْفَرَقُ سِتَّةَ عَشَرَ رِطْلًا وَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ صَاعُ ابْنِ اَبِیْ ذِئْبٍ خَمْسَةُ اَرْطَالٍ وَّثُلُثٌ قَالَ فَمَنْ قَالَ ثَمَانِيَةُ اَرْطَالٍ قَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ بِمَحْفُوْظٍ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ وَسَمِعْتُ اَحْمَدَ يَقُوْلُ مَنْ اَعْطٰى فِیْ صَدَقَةِ الْفِطْرِ بِرِطْلِنَا هٰذَا خَمْسَةَ اَرْطَالٍ وَّثُلُثًا فَقَدْ اَوْفٰى قِيْلَ لَهُ الصَّيْحَانِیُّ ثَقِيْلٌ قَالَ الصَّيْحَانِیُّ اَطْيَبُ قَالَ لَا اَدْرِیْ۔

(ترجمہ) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے جنابت کا غسل فرماتے تھے جو ٹب تھا۔ دوسری روایت میں اسی مقدار کے برتن سے حضورؐ اور زوجہ مطہرہؓ دونوں کے غسل کا بیان ہے۔

(شرح) لغت میں فرق ایک برتن کا نام ہے جو ۱۶ رطل یعنی ۱۲ مد یعنی ۳ حجازی صاع کی مقدار کا تھا۔ ابوداؤد نے بقول امام احمدؒ فرق کے آٹھ رطل ہونے کی مقدار کو غیر محفوظ بتایا ہے لیکن اوپر ایک روایت میں گزر چکا ہے کہ مد کی مقدار دو رطل ہے لہٰذا اس حساب سے جس نے صاع کی مقدار آٹھ رطل بتائی اس نے احتیاط پر عمل کیا۔ اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ اس دور میں حجازی صاع کے علاوہ عراقی صاع بھی مروج تھا جس کی مقدار وہی آٹھ رطل تھی۔ ابن ابی ذئب امام احمدؒ کے ایک استاد کا نام تھا لہٰذا احمدؒ نے حجازی صاع کو اسی کی طرف منسوب کر کے بیان کیا۔ صاع بقول جوہری، ابن سیدہ اور ابن الاثیر ایک ناپنے کا پیمانہ تھا جس میں چار مُدّ ہوتے تھے (مُد بھی مقدار کا ایک پیمانہ تھا) حجازی فقہاء کے صاع کی مقدار ⅓۵ رطل تھی اور ایک روایت کے مطابق امام ابویوسفؒ نے بھی اس کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ بعض شافعی حضرات نے وسطی راہ اختیار کی ہے۔ اور کہا ہے کہ وہ صاع جو غسل کے پانی کے لئے ہے وہ آٹھ رطل کا ہے اور جو صدقہ

فطر کی مقدار کے لئے ہے وہ ⅓ ۵ رطل کا ہے۔ اور بقولِ ابن حجرؒ یہ مسلک ضعیف ہے۔ عراقی فقہاء کے نزدیک صاع آٹھ رطل کا ہے۔ اسی طرح مُد کی مقدار میں بھی اختلاف ہوا ہے۔ امام شافعیؒ اور حجازی فقہاء نے ⅓ ۱ رطل عراقی کو اس کی مقدار مانا ہے امام ابوحنیفہؒ اور عراقی فقہاء نے کہا ہے کہ مُد دو رطل کا ہے۔ پہلے فرق کی دلیل فدیے کی مقدار میں شیخین کی روایت ہے جس میں آتا ہے کہ: چھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ ہر مسکین ½ صاع کے برابر۔ اور صحیحین کی ہی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا کہ ایک فرق چھ مسکینوں کو کھلاؤ، اور فرق میں ۱۲ مُد ہوتے ہیں۔ اور مُد صاع کا ¼ ہوتا ہے، گویا کہ فرق میں ۱۶ رطل ہوتے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ فرق میں تین صاع ہوتے ہیں اور صاع ⅓ ۵ رطل کا ہے۔ اس کا جواب عراقی فقہاء کی طرف سے یہ ہے کہ آپ کا یہ استدلال آیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قول سے ہے یا کسی اور کے قول سے ہے؟ اگر حضورؐ کے قول سے استدلال مطلوب ہے تو آپ کا یہ قول ثابت نہیں ہوا کہ: فرق ۱۲ مُد یا ۱۶ رطل کا ہے۔ اہلِ لغت کے قول سے استدلال کرنا شرعی حجت نہیں ہے۔ اور لغت کی باریکیاں حنفی فقہاء سے زیادہ کون جانتا ہے؟ اور روایت کا یہ لفظ کہ: وہ ایک فرق چھ مساکین کو کھلائے ضروری نہیں کہ روایت باللفظ ہو، یعنی راوی نے حضورؐ کے الفاظ کی روایت نہیں کی بلکہ روایت بالمعنی کی ہے، اور وہ اس طرح کہ اس کے نزدیک جو مقدار مسلّم تھی اس نے خود اس کا ذکر کر دیا ہے۔ اس احتمال کے باعث یہ استدلال باطل ہو جاتا ہے۔ ان حضرات نے یہ بھی کہا کہ امام ابویوسفؒ جب حج کے بعد مدینہ آئے تو صاع کی چھان بین کی۔ ان کے پاس مہاجرین کی اولاد میں سے تقریباً پچاس بزرگ آئے جن میں سے ہر ایک کے پاس صاع تھا اور ہر ایک اپنے باپ یا چچا یا ماں سے روایت کرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع اسی مقدار کا تھا۔ ابویوسفؒ نے ناپا تو ⅓ ۵ رطل پایا اس پر انہوں نے صاع کے متعلق امام ابوحنیفہؒ کا قول ترک کر دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابویوسفؒ کا اس ضمن میں امام مالکؒ سے مناظرہ ہوا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نقل مجہول راویوں سے آئی ہے جس پر حسبِ قاعدۂ محدثین استدلال کی بنیاد رکھنا درست نہیں۔

امام طحاویؒ نے اس فرق والی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ عائشہؓ صدیقہ نے اس حدیث میں برتن کا ذکر کیا ہے کہ وہ فرق تھا، یہ نہیں فرمایا کہ اس برتن میں پانی کس قدر ہوتا تھا، ہو سکتا ہے کہ اس میں دو صاع پانی ہو اور حضورؐ اور زوجۂ مطہرہؓ دونوں کے حصے میں ایک ایک صاع آتا ہو۔ امام طحاویؒ نے سندِ صحیح کے ساتھ مجاہد سے روایت کی ہے کہ ہم اُم المؤمنین عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم میں سے بعض نے پانی مانگا۔ خادم ایک برتن لایا تو عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس قسم کے برتن کے پانی سے غسل فرماتے تھے۔ مجاہد نے کہا کہ میں نے اسے جانچا تو وہ آٹھ، نو، دس رطل تھا، مجاہد کو آٹھ میں شک نہیں لیکن اگلے دو اعداد میں شک تھا، پس کم از کم آٹھ رطل ثابت ہوا۔

بہت سی احادیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع پانی سے غسل فرماتے تھے، پھر عائشہؓ کا ایک برتن دکھانا کہ اتنے برتن کے پانی سے غسل فرماتے تھے اور مجاہد کا اسے آٹھ رطل (کم از کم) جانچنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ وہ صاع آٹھ رطل کا تھا۔ دارقطنی نے انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع سے یعنی آٹھ رطل سے غسل فرماتے تھے۔ موسیٰ بن نصر راوی جسے دارقطنی نے ضعیف قرار دیا ہے وہ ابن حبان کے نزدیک ثقہ ہے۔ امام طحاویؒ نے انسؓ سے ایک اور حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو رطل پانی سے وضوء اور ایک صاع سے غسل فرماتے تھے۔ طحاوی میں حضرت انسؓ کی ایک اور روایت میں ہے کہ: حضورؐ ایک مُد سے وضوء فرماتے تھے اور وہ

اور وہ دو رطل ہے۔ پس حضرت انسؓ سے جب مُد کا دو رطل ہونا ثابت ہوگیا تو صاع آٹھ رطل کا ہوا کیونکہ ایک مُد میں دو رطل ہوتے ہیں۔ امام طحاویؒ نے کئی روایات سے ثابت کیا ہے کہ حجاجی صاع وہی حضرت عمرؓ فاروق کا صاع تھا اور حضرت عمرؓ کا صاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع تھا۔ یہ حجاجی صاع آٹھ بغدادی رطل تھا۔ حجاج بن یوسف نے عراقیوں پر احسان جتایا تھا کہ میں نے تم کو وہ صاع لا کر دیا ہے جو عمرؓ بن الخطاب کا تھا۔ ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ کا صاع آٹھ رطل کا تھا۔ محقق ابن الہمامؒ نے کہا ہے کہ اہلِ حجاز کا صاع عراقی صاع سے بڑا تھا اور امام ابو یوسف اسی مدنی صاع کو وہاں کے حساب سے ⅓ ۵ رطل ناپا تھا۔ پس حقیقت میں عراقی اور حجازی صاع میں کوئی فرق نہ تھا کیونکہ وہاں کے ⅓ ۵ رطل عراق کے ۸ رطل کے برابر تھے۔ اور ابن الہمامؒ کا قول قرین قیاس ہے کیونکہ امام محمدؒ بن الحسن نے صاع کے متعلق گفتگو میں ابو یوسفؒ کا کوئی اختلاف نقل نہیں کیا۔ اس کے بعد ابوداؤدؒ نے ایک اور مسئلہ احمدؒ بن حنبل سے نقل کیا ہے: قَالَ وَسَمِعْتُ أَحْمَدَ يَقُولُ مَنْ أَعْطَى فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ بِرِطْلِنَا هٰذَا خَمْسَةَ أَرْطَالٍ وَثُلُثًا فَقَدْ أَوْفٰى، قِيْلَ لَهُ الصَّيْحَانِيُّ ثَقِيلٌ قَالَ الصَّيْحَانِيُّ أَطْيَبُ قَالَ لَا أَدْرِي۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ امام احمدؒ نے فرمایا کہ جو شخص ہمارے بغدادی رطل سے ⅓ ۵ رطل وزن صدقۂ فطر ادا کر دے تو اس نے حکم شرع کو پوری طرح ادا کر دیا۔ سوال کیا گیا کہ صیحانی کھجور (مدینہ کی ایک کھجور کا نام) تو بوجھل ہوتی ہے، جب ⅓ ۵ رطل وزن کی مقدار پر ادا کی جائے گی تو وہ ایک صاع نہیں بنتی بلکہ کم ہوگی، تو پہلے تو امام احمدؒ نے فرمایا کہ صیحانی کھجور بہت اچھی ہوتی ہے، مگر پھر سوال کا منشأ سمجھ کر کہا کہ: تمہارے سوال کا جواب میں نہیں جانتا۔

یہ تو امام احمدؒ کا قول تھا۔ حنفیہ کے نزدیک جب تک ایک صاع وزن کے حساب سے صدقہ نہ دیا جائے ادا نہیں ہوتا۔

۹۹۔ بَابٌ فِي الْغُسْلِ مِنَ الْجَنَابَةِ

جنابت سے غسل کے متعلق باب

۲۳۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحٰقَ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَنَّهُمْ ذَكَرُوا عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغُسْلَ مِنَ الْجَنَابَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا أَنَا فَأُفِيضُ عَلٰى رَأْسِي ثَلٰثًا وَأَشَارَ بِيَدَيْهِ كِلْتَيْهِمَا۔

(ترجمہ) جبیرؓ بن مطعم سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جنابت سے غسل کرنے کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں تو اپنے سر پر تین مرتبہ پانی بہاتا ہوں اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اشارہ فرمایا۔

(شرح) سُنن نسائی کی روایت میں ہے کہ بعض اصحاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غسل کے بارے میں گفتگو کی تو ان میں سے کسی نے کہا کہ میں تو اس طرح اس طرح اتنی بار غسل کرتا ہوں۔ بیہقی کی روایت میں ہے کہ کسی نے کہا کہ میں اپنا سر اس طرح اتنی مرتبہ دھوتا ہوں۔ تو اس پر حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا جو ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں پر بیانِ واقعہ میں اختصار ہوگیا ہے۔ اس حدیث سے سر کو تین مرتبہ دھونے کا مسنون ہونا معلوم ہوگیا اور اسی طرح دیگر اعضاء کا بھی بلکہ

بقول علامہ سندھیؒ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ تثلیث غسل سے مراد سارے بدن کا احاطہ و استیعاب ہے نہ کہ ہر ہر عضو کا تین تین بار دھونا۔

۲۳۹- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَاصِمٍ عَنْ حَنْظَلَةَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ دَعَا بِشَيْءٍ نَحْوَ الْحِلَابِ فَاَخَذَ بِكَفَّيْهِ فَبَدَاَ بِشِقِّ رَاْسِهِ الْاَيْمَنِ ثُمَّ الْاَيْسَرِ ثُمَّ اَخَذَ بِكَفَّيْهِ فَقَالَ بِهِمَا عَلٰى رَاْسِهِ۔

(ترجمہ) عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت سے غسل فرماتے تو ایک صاع کی مقدار کا برتن منگواتے اور دونوں ہاتھوں سے پانی لیتے، پھر سر کی دائیں طرف سے شروع کرتے پھر بائیں طرف سے۔ پھر دونوں ہاتھوں سے پانی لیتے اور اپنے سر پر پانی ڈالتے۔

(شرح) مجمع البحار میں ہے کہ: فَدَعَا بِاِنَاءٍ نَحْوَ مِنْ صَاعٍ اَیْ قَدْرَ صَاعٍ۔ امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ حلاب وہ برتن تھا جس میں اونٹنی کا ایک مرتبہ دوہا ہوا دودھ سما سکے۔ امام بخاریؒ کے اس خیال کی خطابی نے تردید کی ہے کہ اس سے مراد خوشبو ہے۔ بعض شارحین کے نزدیک یہ لفظ حلاب نہیں بلکہ جُلاب ہے یعنی گلاب ہے یعنی عرقِ گلاب یا گلاب کا عطر۔ سُنن بیہقی کی روایت سے خطابیؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے، اس کی سند میں بھی یہی راوی ہیں یعنی ابو عاصم النبیل عن حنظلہ عن القاسم عن عائشہؓ مضمون اس کا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حلاب سے غسل فرماتے تھے جس کی مقدار یہ تھی، راوی کہتا ہے کہ ابو عاصم نے ہمیں دونوں ہتھیلیوں سے وہ مقدار بتائی جو آٹھ رطل کے کوزے جتنی تھی۔

۲۴۰- حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ يَعْنِيْ ابْنَ مَهْدِيٍّ عَنْ زَائِدَةَ بْنِ قُدَامَةَ عَنْ صَدَقَةَ قَالَ حَدَّثَنَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَيْرٍ اَحَدُ بَنِيْ تَيْمِ اللّٰهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ اُمِّيْ وَخَالَتِيْ عَلٰى عَائِشَةَ رض فَسَاَلَتْهَا اِحْدَاهُمَا كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ عِنْدَ الْغُسْلِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّاُ وُضُوْءَهُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ يُفِيْضُ عَلٰى رَاْسِهِ ثَلٰثَ مِرَارٍ وَنَحْنُ نُفِيْضُ عَلٰى رُءُوْسِنَا خَمْسًا مِنْ اَجْلِ الضَّفْرِ۔

(ترجمہ) جمیع بن عمیر جو بنی تیم اللہ بن ثعلبہ میں سے تھا اس کا بیان ہے کہ میں اپنی ماں اور خالہ کے ساتھ عائشہؓ کے ہاں حاضر ہوا تو ان میں سے ایک نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آپ لوگ غسل کس طرح کرتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے نماز کے وضو کی مانند وضو کرتے اور پھر تین مرتبہ سر پر پانی بہاتے تھے اور ہم لوگ گندھے ہوئے بالوں کے باعث پانچ مرتبہ اپنے سروں پر پانی ڈالتے تھے۔

(شرح) جُمیع بن عُمیر راوی کے متعلق ابن حبان نے کہا ہے کہ وہ رافضی تھا، حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ ابن نمیر نے کہا کہ وہ سب سے جھوٹا انسان تھا۔ ابن عدی نے کہا کہ اس کی عام روایات میں کوئی اس کی متابعت نہیں کرتا۔ بخاری نے کہا کہ اس میں نظر ہے ابو حاتم نے کہا کہ وہ کوفی تھا، شیعوں کا سردار تھا مگر اس کی حدیث لی جاسکتی ہے۔ ساجی نے کہا کہ اس کی کئی منکر احادیث ہیں صحیحین کے علاوہ باقی چار کتابوں میں اس کی صرف تین احادیث ہیں جن میں سے بعض کو ترمذی نے حسن کہا ہے۔ جُمیع کے اسناد صدقہ پر بھی تنقید کی گئی ہے اور محمد بن وضاح نے اسے ضعیف کہا ہے۔

۲۴۱ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ الْوَاشِحِيُّ ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ قَالَ سُلَيْمَانُ يَبْدَأُ فَيُفْرِغُ بِيَمِينِهِ وَقَالَ مُسَدَّدٌ غَسَلَ يَدَيْهِ يَصُبُّ الْإِنَاءَ عَلَى يَدِهِ الْيُمْنَى ثُمَّ اتَّفَقَا فَيَغْسِلُ فَرْجَهُ وَقَالَ مُسَدَّدٌ يُفْرِغُ عَلَى شِمَالِهِ وَرُبَّمَا كَنَتْ عَنِ الْفَرْجِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ يُدْخِلُ يَدَيْهِ فِي الْإِنَاءِ فَيُخَلِّلُ شَعْرَهُ حَتَّى إِذَا رَأَى أَنَّهُ قَدْ أَصَابَ الْبَشَرَةَ أَوْ أَنْقَى الْبَشَرَةَ أَفْرَغَ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثًا فَإِذَا فَضَلَ فَضْلَةٌ صَبَّهَا عَلَيْهِ۔

(ترجمہ) ام المومنین عائشہ رض نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت کرتے تو پہلے دونوں ہاتھ دھوتے وہ اس طرح کہ دایاں دھو کر اس سے بایاں دھوتے، پھر استنجاء کرتے پھر نماز کے وضوء جیسا وضوء کرتے، پھر دونوں ہاتھ برتن میں ڈالتے اور سر پر پانی ڈال کر بالوں کی جڑوں تک پہنچاتے، جب سمجھ لیتے کہ پانی بالوں کے نیچے تک پہنچ گیا ہے یا یہ کہ اس نے سر کو صاف کر دیا ہے تو اپنے سر پر تین بار پانی بہاتے۔ پھر اگر کچھ پانی بچا ہوتا تو اسے اپنے اوپر ڈالتے۔

(شرح) اس حدیث کے الفاظ میں امام ابوداؤد کے دو استادوں سلیمان اور مسدد میں جو اختلاف ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ محض لفظی اختلاف ہے تاہم ہم نے ترجمے میں مدنظر رکھا ہے۔ حضرت عائشہ رض کا یہ قول کہ حضور ﷺ پہلے نماز کے وضوء کی مانند وضوء کرتے تھے۔ اس کا ظاہری مطلب تو یہی ہے کہ آپ ﷺ پاؤں غسل سے پہلے دھوتے تھے، مگر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ غسل کے مقام سے الگ ہٹ کر بعد میں پاؤں دھوتے تھے۔ شاید کبھی اس طرح اور کبھی اُس طرح کرتے ہوں گے یا یہ کہ پہلے تو پاؤں وضوء کی تکمیل کے لئے دھوتے تھے اور آخر میں نظافت کے لئے اور مٹی وغیرہ کو دُور کرنے کیلئے دھویا کرتے تھے۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ سر پر تین مرتبہ پانی ڈال کر پھر سارے جسم پر پانی ڈالتے تھے۔

۲۴۲ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ الْبَاهِلِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عَدِيٍّ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ عَنِ النَّخَعِيِّ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَغْتَسِلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأَ بِكَفَّيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ غَسَلَ مَرَافِقَهُ

وَاَفَاضَ عَلَيْهِ الْمَاءَ فَإِذَا اَنْقَاهُمَا اَهْوٰى بِهِمَا إِلٰى حَائِطٍ ثُمَّ يَسْتَقْبِلُ الْوُضُوْءَ وَيُفِيْضُ الْمَاءَ عَلٰى رَأْسِهِ۔

(ترجمہ) عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب جنابت سے غسل کا ارادہ فرماتے تو اپنے ہاتھوں سے شروع کرتے ہاتھوں کو دھو کر جسم کے پوشیدہ حصوں کو دھوتے اور ان پر پانی بہاتے۔ جب انہیں صاف کر چکتے تو انہیں ایک دیوار پر ملتے، پھر وضو کرتے اور سر پر پانی ڈالتے تھے۔

(شرح) عمرو بن علی باہلی علم حدیث کا ماہر امام ہوا ہے۔ اس میں اور علی بن المدینی میں کچھ نوک جھونک اور معاصرانہ چشمک تھی جسے معاصرة الاقران پر محمول کیا گیا ہے۔ مرافغ رُفغ کی جمع ہے، اس سے مراد جسم کے وہ پوشیدہ حصے ہیں جن میں میل کچیل جمع ہونے کا احتمال رہتا ہے مثلاً رانیں بغلیں وغیرہ۔ حضورؐ کے دیوار پر ہاتھ مارنے کا جو ذکر اس حدیث میں ہے اس سے یہ مراد ہے کہ مٹی سے ہاتھ مل کر صاف کرتے تھے۔

۲۴۳۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ شَوْكَرٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ عُرْوَةَ الْهَمْدَانِيِّ حَدَّثَنَا الشَّعْبِيُّ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا لَئِنْ شِئْتُمْ لَأُرِيَنَّكُمْ أَثَرَ يَدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَائِطِ حَيْثُ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کا نشان دیوار پر دکھا سکتی ہوں جہاں کہ آپ غسل جنابت کیا کرتے تھے۔

(شرح) شارح ابی داؤد ابن رسلان نے کہا ہے کہ شعبیؒ نے یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے نہیں سنی، مطلب یہ کہ یہ مرسل حدیث ہے۔ مرسل اگر حدیث صحیح یا حسن کے خلاف نہ ہو تو قابل قبول ہے، مراسیل کو تقریباً سب نے قبول کیا ہے۔ حدیث سے پتہ چلا کہ حضورؐ غسل میں اپنا دست مبارک اکثر دیوار پر ملا کرتے تھے۔

۲۴۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَالِمٍ عَنْ كُرَيْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ عَنْ خَالَتِهِ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا يَغْتَسِلُ بِهِ مِنَ الْجَنَابَةِ فَأَكْفَأَ الْإِنَاءَ عَلٰى يَدِهِ الْيُمْنٰى فَغَسَلَهَا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ صَبَّ عَلٰى فَرْجِهِ فَغَسَلَ فَرْجَهُ بِشِمَالِهِ ثُمَّ ضَرَبَ بِيَدِهِ الْأَرْضَ فَغَسَلَهَا ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ ثُمَّ صَبَّ عَلٰى رَأْسِهِ وَجَسَدِهِ ثُمَّ تَنَحّٰى نَاحِيَةً فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ فَنَاوَلْتُهُ الْمِنْدِيْلَ فَلَمْ يَأْخُذْهُ وَجَعَلَ يَنْفُضُ

الْمَاءَ عَنْ جَسَدِهِ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِإِبْرَاهِيمَ فَقَالَ كَانُوا لَا يَرَوْنَ بِالْمِنْدِيلِ بَأْسًا وَلَكِنْ كَانُوا يَكْرَهُونَ الْعَادَةَ قَالَ أَبُودَاؤُدَ وَقَالَ مُسَدَّدٌ قُلْتُ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ دَاوُدَ كَانُوا يَكْرَهُونَهُ لِلْعَادَةِ فَقَالَ هَكَذَا هُوَ وَلَكِنْ وَجَدْتُهُ فِي كِتَابِي هَكَذَا۔

(ترجمہ) ابن عباسؓ نے اپنی خالہ میمونہؓ کی طرف سے بیان کیا کہ انہوں نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غسل کا پانی رکھا تاکہ آپؐ اس سے غسل جنابت فرمائیں۔ پس آپؐ نے برتن کو اپنے دائیں ہاتھ پر جھکایا اور اسے دو یا تین مرتبہ دھویا پھر آپؐ نے اپنی شرمگاہ پر پانی ڈالا اور اسے اپنے بائیں ہاتھ سے دھویا۔ پھر اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور اسے دھویا پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور اپنا چہرہ اور دونوں بازو دھوئے پھر اپنے سر پر اور جسم پر پانی ڈالا، پھر ایک طرف ہٹ گئے اور اپنے پیر دھوئے۔ پس میں نے آپؐ کو رومال دیا تو آپؐ نے اسے نہیں لیا اور اپنے جسم سے پانی جھاڑنے لگے۔ اعمش کہتا ہے کہ میں نے یہ بات ابراہیم نخعی کو بتائی تو اس نے کہا کہ رومال کے استعمال میں کوئی حرج نہ جانتے تھے مگر اس کی عادت بنانا ناپسند کرتے تھے۔ ابوداؤد نے کہا کہ مسدد نے کہا میں نے عبداللہ بن داؤد سے کہا کہ حدیث کا لفظ "یکرھونہ للعادۃ" ہے، تو اس نے کہا کہ ٹھیک ہے یہ اسی طرح ہے مگر میں نے اپنی کتاب میں اسے اس طرح پایا ہے۔

(شرح) اس حدیث میں حضورؐ کے غسل کی کیفیات کا بیان حضرت عائشہؓ کی حدیث کی نسبت سے زیادہ اور کچھ مفصل ہے اس میں سر کے مسح کا ذکر نہیں مگر وہ دوسری احادیث میں موجود ہے، کیونکہ وہاں ہے کہ حضورؐ نے نماز کے وضوء کی مانند وضوء کیا، اور ظاہر ہے کہ اس میں مسح ضرور تھا۔ غسل کے بعد تولیے یا رومال کا استعمال حضرت انسؓ نے ناپسند کیا تھا مگر ابراہیم نخعی کا قول صحیح ہے کہ تابعینؒ اور صحابہؓ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، ہاں اسے عادت بنا لینا ناپسند کرتے تھے۔ عبداللہ بن داؤد کا قول کہ: ھکذا ھو۔ کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ مجھے بھی زبانی تو اسی طرح یاد ہے مگر میری کتاب میں للعادۃ لام کے ساتھ نہیں بلکہ العادۃ، الف لام کے ساتھ لکھا ہے۔ دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ العادۃ ہو یا للعادۃ ہو مطلب ایک ہی ہے اس میں فرق نہیں آتا۔

غسل میں پاؤں دھونے کی تاخیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالکؒ کا قول ہے کہ اگر جگہ صاف نہ ہو تو وضوء میں پاؤں نہ دھوئے جائیں بلکہ غسل کے بعد انہیں صاف جگہ دھویا جائے۔ حنفیہؒ نے کہا ہے کہ غسل کی سنت یہ ہے کہ اس سے پہلے وضوء کیا جائے اور اگر ایسی جگہ کھڑا ہو جہاں سے پانی بہ جاتا ہے مثلاً چوکی یا پتھر وغیرہ (یا آجکل کے جدید حمام اور غسل خانے) تو پاؤں کو وضوء کے ساتھ دھولے ورنہ بعد میں دھوئے۔ شافعیہ کے نزدیک بہرصورت غسل سے پہلے کامل وضوء کیا جانا بہتر ہے کیونکہ اکثر روایات میں یوں ہی آیا ہے۔ غسل کے بعد تولیے وغیرہ کے استعمال کی احادیث ضعیف ہیں جو ابن ماجہ اور ترمذی میں قیسؓ بن سعد، معاذ بنؓ جبل اور سلمانؓ فارسی سے مروی ہیں، تاہم حنفیہؒ نے ان پر عمل کو اچھا سمجھا ہے کیونکہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے اور کئی سندوں سے وارد ہونے کے باعث ان میں قوت آچکی ہے۔ ایک حدیث جو انسؓ سے مروی ہے کہ تولیے کا استعمال نہ حضورؐ نے کیا نہ ابوبکرؓ و عمرؓ نے نہ علیؓ اور ابن مسعودؓ نے۔ حافظ عسقلانیؒ نے کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے اور عدم استعمال سے کراہت ثابت نہیں ہوتی۔

۲۴۵۔ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عِيسَى الْخُرَاسَانِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ

عَنْ شُعْبَةَ قَالَ إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ يُفْرِغُ بِيَدِهِ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى سَبْعَ مِرَارٍ ثُمَّ يَغْسِلُ فَرْجَهُ فَنَسِيَ مَرَّةً كَمْ أَفْرَغَ فَسَأَلَنِي كَمْ أَفْرَغْتُ فَقُلْتُ لَا أَدْرِي فَقَالَ لَا أُمَّ لَكَ وَمَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَدْرِيَ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوءَهُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ يُفِيضُ عَلَى جِلْدِهِ الْمَاءَ ثُمَّ يَقُولُ هٰكَذَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَطَهَّرُ

(ترجمہ) شعبہ نے کہا کہ ابن عباسؓ جب غسلِ جنابت کرتے تو اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں پر سات مرتبہ پانی ڈالتے پھر شرمگاہ کو دھوتے۔ ایک مرتبہ بھول گئے کہ کتنی بار ہاتھوں پر پانی ڈالا ہے تو مجھ سے پوچھا کہ میں نے کتنی بار پانی ڈالا ہے؟ میں نے کہا کہ مجھے تو معلوم نہیں، تو کہنے لگے تیری ماں نہ رہے تجھے یہ جاننے سے کس چیز نے روکا ہے؟ پھر اس کے بعد ابن عباسؓ نماز کے وضوء جیسا وضوء کرتے پھر اپنے بدن پر پانی بہاتے اور کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح صفائی کرتے تھے۔

(شرح) اس روایت کا راوی شعبہ وہ مشہور امام حدیث وفقہ شعبہ بن حجاج نہیں ہے، بلکہ یہ دوسرا شعبہ ہے، یعنی شعبہ بن دینار ہاشمی جو ابن عباسؓ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اس کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ اس کی بیان کردہ حدیث نہ لکھی جائے۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ وہ غیر ثقہ ہے۔ جوزجانی اور نسائی نے اسے غیر قوی بتایا ہے۔ ابن سعد کا قول ہے کہ وہ لائقِ حجت نہیں۔ ابو زرعہ اور ساجی نے کہا کہ وہ ضعیف ہے۔ ابو حاتم نے کہا کہ وہ غیر قوی ہے۔ ابن حبان نے کہا کہ وہ ابن عباس سے بے اصل باتیں روایت کرتا ہے، بخاری نے امام مالک کے حوالے سے اسے متکلم فیہ بتایا ہے۔ پس خلاصہ یہ ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اگر ضعف کے باوجود اسے لائقِ عمل سمجھا جائے تو سات بار ہاتھ دھونے کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ ابتدائے اسلام کا حکم تھا جو بعد میں منسوخ ہوگیا اور شاید ابن عباسؓ کے نزدیک منسوخ نہ ہو۔

۲۴۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ جَابِرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُصْمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتِ الصَّلٰوةُ خَمْسِينَ وَالْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ سَبْعَ مِرَارٍ وَغَسْلُ الْبَوْلِ مِنَ الثَّوْبِ سَبْعَ مِرَارٍ فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُ حَتّٰى جُعِلَتِ الصَّلٰوةُ خَمْسًا وَالْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ مَرَّةً وَغَسْلُ الْبَوْلِ مِنَ الثَّوْبِ مَرَّةً۔

(شرح) اس کی سند میں ایوب بن جابر راوی یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، امام نسائی، ابو زرعہ اور ابو حاتم جیسے ائمۂ فن کے نزدیک ضعیف ہے۔ اس کا استاد عبداللہ بن عصم بھی ابن حبان کے بقول ضعیف اور منکر الحدیث ہے اس کی حدیث میں وہم یا وضع کا شک ہوتا ہے۔ نماز کی تعداد کا پچاس سے پانچ رہ جانا تو معراج کی حدیث سے ثابت ہے اور یہ مکی زندگی کا واقعہ ہے۔ کپڑے سے بول دھو کر اسے صاف کرنے میں تعداد کا اختلاف ائمۂ فقہ میں زیرِ بحث رہا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک حدث کے مانند ایک دفعہ دھونا کافی ہے، مگر کتا برتن میں منہ ڈال جائے تو اس کا حکم دوسرا ہے۔

امام احمد کے نزدیک سب نجاستوں کو سات مرتبہ دھونا ضروری ہے۔ مالکیہ کا مذہب ایک مرتبہ دھونا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ظاہر الروایۃ میں تین مرتبہ دھوئے بغیر پاک نہیں ہوتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کے منہ ڈال جانے کی صورت میں تین مرتبہ دھونے کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح نیند سے بیدار ہونے والوں کو بھی برتن میں ہاتھ ڈالنے سے قبل تین بار دھونے کا حکم حدیث سے ثابت ہے۔ پس جب غیر مرئی اور غیر متحقق نجاست میں یہ حکم ہے تو جب نجاست کا تحقق ہو تو بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہوگا۔ یہ تین مرتبہ کا عدد غالب رائے پر مبنی ہے کہ عادۃً اکثر اوقات میں اس سے صفائی حاصل ہو جاتی ہے۔

۲۴۷ - حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا الْحَارِثُ بْنُ وَجِيهٍ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ دِينَارٍ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةً فَاغْسِلُوا الشَّعْرَ وَأَنْقُوا الْبَشَرَ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ الْحَارِثُ بْنُ وَجِيهٍ حَدِيثُهُ مُنْكَرٌ وَهُوَ ضَعِيفٌ.

(ترجمہ) ابوہریرہؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ہر بال کے نیچے جنابت ہے، پس بالوں کو دھوؤ اور جلد کو صاف کرو۔

(شرح) ابوداؤد نے راوی حدیث الحارث بن وجیہ کو ضعیف ٹھیرایا اور اس کی حدیث کو منکر قرار دیا ہے۔ کمزور راوی جب ثقہ کی مخالفت کرے تو اس کی حدیث منکر کہلاتی ہے۔ ابن معین نے کہا کہ حارث کچھ نہیں۔ ساجی نے اسے ضعیف الحدیث کہا۔ عقیلی نے کہا کہ نصر بن علی نے حارث کو ضعیف بتایا ہے۔ طبری نے کہا کہ لائق اعتماد نہیں، ترمذی نے کہا کہ وہ ایک بوڑھا تھا اور کچھ قابل استناد نہیں تھا۔

حدیث میں آنے والا لفظ الشعر، جسم پر اگی ہوئی چیز کا نام ہے جو اون یا دیبنہ کہلا سکے۔ اس کی جمع شعور، شعار اور اشعار ہے، واحد شعرۃ ہے مگر شعر اسم جنس بھی ہے جس میں واحد وجمع برابر ہوتے ہیں۔ محدث علی القاری نے کہا کہ بقول ابن الملک البشرہ کھال کا ظاہری رخ ہوتا ہے۔ حدیث کا معنی یہ ہے کہ اسے میل کچیل سے صاف کرو، پس خشک کیچڑ اور گندھا ہوا آٹا اور موم وغیرہ جسم پر لگا ہوا ہو اور پانی اس کے نیچے تک نہ پہنچے تو جنابت رفع نہیں ہوتی۔ امام خطابیؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے عورت پر مینڈھیاں وغیرہ کھولنا واجب ٹھیرتا ہے کیونکہ گندھے ہوئے اور بندھے ہوئے بال ایک ایک کرکے نہیں دھلتے جب تک انہیں الگ الگ نہ کر دیا جائے۔ ابراہیم نخعی کا یہی مذہب ہے۔ جمہور فقہاء و محدثین کہتے ہیں کہ جب پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے تو گو بال کھلے ہوئے نہ ہوں غسل ہو جائے گا۔

مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ اس حکم میں حنفیہ کے نزدیک مرد اور عورت میں فرق ہے۔ عورت کے وہ بال جو نیچے لٹکے ہوئے ہوں ان کا غسل میں دھونا واجب نہیں بشرطیکہ پانی ان کی جڑوں تک پہنچ جائے لیکن مرد کا یہ حال نہیں ہے، اس پر واجب ہے کہ سارے کے سارے بال جڑوں سے لیکر آخر تک دھوئے ورنہ غسل نہ ہوگا۔ صحیح مسلم میں زوجۂ مطہرۂ رسول حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ میں اپنی مینڈھیاں باندھ کر رکھتی ہوں، کیا غسل کے لئے انہیں کھول دیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ بقول امام خطابیؒ اس حدیث سے ان لوگوں نے بھی استدلال کیا ہے جو غسل میں استنشاق (ناک میں پانی دینا) کو واجب ٹھہراتے ہیں کیونکہ ناک میں

بھی بال ہوتے ہیں اور حدیث کے لفظ "وَانْقُوا الْبَشَرَۃَ" سے کلّی کے وجوب پر استدلال کیا گیا ہے اور استدلال کرنے والوں نے منہ کے اندرونی حصّے کو بشرہ میں داخل سمجھا ہے اور یہ خلاف اہل لغت ہے کیونکہ ان کے نزدیک بشرہ جسم کا وہ حصّہ ہے جسے دیکھنے والا ظاہری نظر سے دیکھ سکے اور ناک کے اور منہ کے اندرونی حصّے کو بشرہ نہیں کہتے بلکہ ادمہ کہتے ہیں۔ مولانا سہارنپوری نے فرمایا کہ قاموس میں ہے ، آدمہ کھال کے اندرونی اور بیرونی دونوں حصّوں پر بولا جاتا ہے ۔

یہ حدیث منکر ہے مگر جمہور نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اس سے ڈاڑھی کا خلال غسل جنابت میں واجب ثابت ہوتا ہے ۔ اوپر ابن سید الناس سے یہ قول گزر چکا ہے۔ اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ بعض دفعہ ضعیف اور منکر حدیث سے بھی استدلال کیا جاتا ہے جبکہ دوسرے دلائل سے اس کی قوت معلوم ہو جائے ، اور یہ مسئلہ اصول میں مسلّم ہے ۔ پس ہر کہ و مہ کا کسی حدیث کو ضعیف و منکر کہہ کر پھینک دینا غلط ہے ۔

۲۴۸ ۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ أَخْبَرَنَا عَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ عَنْ زَاذَانَ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ مِنْ جَنَابَةٍ لَمْ يَغْسِلْهَا فُعِلَ بِهَا كَذَا وَكَذَا مِنَ النَّارِ قَالَ عَلِيٌّ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِي فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِي فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِي وَكَانَ يَجُزُّ شَعْرَهُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ۔

(ترجمہ) علی رضؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : جس شخص نے جنابت (کے غسل) سے ایک بال کی جگہ بھی چھوڑ دی کہ اسے دھویا نہیں تو اس بال کو اتنی اور اتنی (بہت زیادہ) جہنم کی سزا ہو گی ۔ علی رضؓ نے کہا کہ اسی لئے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی ، اسی لئے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی ، اسی لئے میں نے اپنے سر سے دشمنی کی ۔ اور علی رضؓ اپنے (سر کے) بال مونڈ دیا کرتے تھے ۔

(شرح) اس حدیث سے دیگر مسائل کے علاوہ سر کے بالوں کا منڈوا دینا جائز معلوم ہوا کیونکہ یہ علی رضؓ کا فعل ہے جو خلفائے راشدین میں سے ہیں ۔ علامہ طیبی نے تو یہاں تک کہا ہے کہ سر منڈوانا سُنّت قرار پاتا ہے ، مگر ابن حجر عسقلانی اور محدّث علی القاری رحؒ نے کہا ہے کہ جناب علی رضؓ کا فعل رخصت کو ثابت کرتا ہے سُنّت کو نہیں کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے ثلاثہ سے منقول نہیں ہُوا سوائے حج وعمرہ کے مواقع کے ۔ ابن قدامہ نے المغنی میں لکھا ہے کہ بال رکھنا نہیں زائل کرنے سے افضل ہے اور سر منڈوانا امام احمدؒ کی ایک روایت میں مکروہ ہے ۔ سبب یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج کے متعلق فرمایا : "سِيمَاهُمُ التَّحْلِيقُ" ان کی خاص علامت سر گھٹانا ہے ۔ جناب عمر رضؓ نے ایک بدعتی صبیغ کو فرمایا تھا کہ اگر میں تجھے سر منڈا پاؤں گا تو سر تلوار سے اڑا دوں گا ۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ حج وعمرہ کے سوا سر نہ منڈوائے جائیں ۔ یہ حدیث دارقطنی نے روایت کی ہے ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ شہر میں (یعنی حج وعمرہ کے علاوہ) جو سر منڈوائے وہ شیطان ہے ۔ امام احمدؒ کی دوسری روایت کے مطابق سر منڈوانا مکروہ نہیں لیکن نہ منڈوانا افضل ہے ۔ مفصّل بحث باب حلق الرأس میں آئے گی ۔

۱۰۰- بَابٌ فِي الْوُضُوءِ بَعْدَ الْغُسْلِ
غسل کے بعد وضوء کا باب

۲۴۹- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ وَيُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ وَصَلَاةَ الْغَدَاةِ وَلَا أُرَاهُ يُحْدِثُ وُضُوءًا بَعْدَ الْغُسْلِ۔

(ترجمہ) جناب عائشہ رض نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کرتے اور فجر کی دو رکعتیں پڑھتے اور فجر کی نماز پڑھتے اور میں آپؐ کو غسل کے بعد نیا وضوء کرتے نہیں پاتی تھی۔

(شرح) ابن عابدین شامی نے طبرانی کی روایت عبداللہ بن عباس رض سے نقل کی ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: جو شخص غسل کے بعد وضوء کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ مولانا سہارنپوریؒ فرماتے ہیں کہ وضوء جو غسل سے قبل کیا تھا اس پر اکتفاء کرنا اجماعی مسئلہ ہے۔ العینی اس میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ابن العربی نے یہ اجماع یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ نے فرمایا کہ المغنی کی روایت کے مطابق امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ غسل سے قبل یا اس کے بعد وضوء کرنا واجب ہے۔ شارح ابن رسلان نے کہا کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ غسل میں دو وضوء پسندیدہ فعل نہیں۔ ابن العربی نے کہا غسل سے پہلے اگر وضوء کر لیا تھا اور اثنائے غسل میں شرمگاہ کو ہاتھ لگایا تو وضوء از سرِ نو واجب ہو گیا۔ خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ امام احمد کی روایت کا مفاد بھی یہی ہے کہ اگر پہلے وضوء کر لیا تھا تو بعد میں نہ کیا جائے، پس مسئلہ کا اجماعی ہونا درست ہوا۔

۱۰۱- بَابُ الْمَرْأَةِ هَلْ تَنْقُضُ شَعْرَهَا عِنْدَ الْغُسْلِ
یہ باب اس بارے میں ہے کہ کیا عورت غسل کے وقت اپنے بال کھولے؟

۲۵۰- حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَابْنُ السَّرْحِ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَيُّوبَ ابْنِ مُوسَى عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ رَافِعٍ مَوْلَى أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ إِنَّ امْرَأَةً مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَقَالَ زُهَيْرٌ أَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي امْرَأَةٌ أَشُدُّ ضَفْرَ رَأْسِي أَفَأَنْقُضُهُ لِلْجَنَابَةِ قَالَ إِنَّمَا يَكْفِيكِ أَنْ تَحْفِنِي عَلَيْهِ ثَلَاثًا وَقَالَ زُهَيْرٌ تَحْثِي عَلَيْهِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ مِنْ مَاءٍ ثُمَّ تُفِيضِي عَلَى سَائِرِ جَسَدِكِ فَإِذَا أَنْتِ قَدْ طَهُرْتِ۔

(ترجمہ) اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہ رض نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سے ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ

یا رسول اللہ میں اپنے سر کی مینڈھیاں باندھتی ہوں، تو کیا غسلِ جنابت کے وقت انہیں کھول لیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا: یہی کافی ہے کہ تم اس پر دونوں ہاتھوں سے تین بار پانی ڈالو۔ پھر اپنے باقی جسم پر بھی پانی بہا دو۔ جب ایسا کرو گی تو پاک ہو جاؤ گی۔

(شرح) اس حدیث میں زہری کی روایت میں سوال کرنے والی عورت خود حضرت ام سلمہؓ تھیں۔ اس مسئلے میں جمہور فقہاء کے نزدیک غسلِ جنابت اور حیض سے غسلِ طہارت میں کوئی فرق نہیں، بلکہ دونوں جگہ ایک ہی حکم ہے۔ امام احمدؒ سے البتہ دو روایتیں ہیں۔ ایک میں دونوں قسم کے غسل کا ایک ہی حکم ہے جیسا کہ ابن قدامہ نے المغنی میں بیان کیا ہے۔ دوسری روایت میں جو شوکانی اور الباجی نے لکھی ہے ان دونوں میں فرق ہے یعنی غسلِ جنابت میں بالوں کو نہ کھولے اور غسلِ حیض میں کھول دے۔ یہ تو گندھے ہوئے بالوں کا حکم ہے۔ جہاں تک کھلے اور لٹکے ہوئے بالوں کا سوال ہے امام احمدؒ سے بقول ابن قدامہ (المغنی میں) دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ان بالوں کا دھونا واجب ہے اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔ دوسری روایت یہ کہ واجب نہیں (مستحب ہے) اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ اس حدیث میں بھی تین تین بار پانی ڈالنے کا بیان ہے۔ مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ اس تین بار پانی ڈالنے کی کفایت اس صورت میں ہے جبکہ غلبہ ظن سے بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا تین کے عدد سے منسلک ہو ورنہ اگر کسی وقت تثلیث سے بھی غلبہ ظن حاصل نہ ہو تو اس پر اضافہ واجب ہوگا کیونکہ مقصد تو پانی کا بالوں کے نیچے پہنچانا ہے نہ کہ کوئی مخصوص عدد۔ اور فرض کیا کہ پانی ایک دو مرتبہ ڈالنے سے ہی یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو پھر تین بار پانی ڈالنا سنت کہلائے گا۔

۲۵۱۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ حَدَّثَنِي ابْنُ نَافِعٍ يَعْنِي الصَّائِغَ عَنْ أُسَامَةَ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ إِنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ بِهَذَا الْحَدِيثِ قَالَتْ فَسَأَلْتُ لَهَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ۔ قَالَ فِيهِ وَاغْمِزِي قُرُونَكِ عِنْدَ كُلِّ حَفْنَةٍ۔

(ترجمہ) سعید المقبری کا بیان ہے کہ ام سلمہؓ نے فرمایا: ایک عورت ان کے پاس آئی۔ اور یہ اوپر والی حدیث سعید نے بیان کی ام سلمہؓ نے فرمایا کہ میں نے اس عورت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا، اسی حدیث میں حضورؐ کا یہ قول مذکور ہے کہ ہر بار جب سر پر پانی ڈالو تو اپنی مینڈھیاں دباؤ اور پانی نیچے تک پہنچاؤ۔

(شرح) اس حدیث سے پتہ چلا کہ پانی کو بالوں کی جڑوں تک پہنچانا ضروری ہے ورنہ اگر بال دبا دیا کہ پانی نیچے نہ پہنچا یا جائے تو تین بار پانی ڈالنا کافی نہیں ہے۔ ابو داؤد نے یہ حدیث اس غرض سے بیان کی ہے کہ زہری کی روایت بتاتی ہے کہ حضورؐ سے سوال کرنے والی خود ام سلمہؓ تھیں اور ابن سرح کی روایت بتاتی ہے کہ سوال کسی اور عورت نے کیا تھا، سو ہوا یوں تھا کہ سوال کرنے والی عورت کی طرف سے ام سلمہؓ نے سوال کیا تھا۔ اس طرح اوپر کی دونوں روایتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ اس حدیث کے راوی احمد بن عمرو السرح پر تنقید ہوئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ تھا تو ثقہ مگر حافظے میں کچھ خرابی بھی چنانچہ امام احمدؒ، ابوحاتم، حاکمؒ بخاریؒ اور خلیلی نے یہی کہا ہے۔ ایک اور راوی اس سند میں اسامہ ہے امام احمد نے لَيْسَ بِشَيْءٍ، ابن معین نے ضعیف اور نسائی نے غیر قوی بتایا ہے۔ دوسرے بعض ائمہ نے اس کی توثیق کی ہے۔ اس کی حدیث کو ابوداؤد نے یہاں استشہاداً پیش کیا ہے جیسا کہ مسلمؒ نے بھی اس کی روایت اسی غرض سے لی ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

۲۵۲۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَافِعٍ

عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ كَانَتْ إِحْدَانَا إِذَا أَصَابَتْهَا جَنَابَةٌ أَخَذَتْ ثَلَاثَ حَفَنَاتٍ هٰكَذَا تَعْنِي بِكَفَّيْهَا جَمِيعًا فَتَصُبُّ عَلَى رَأْسِهَا وَأَخَذَتْ بِيَدٍ وَاحِدَةٍ فَصَبَّتْهَا عَلَى هٰذَا الشِّقِّ وَالْأُخْرَى عَلَى الشِّقِّ الْآخَرِ۔

(ترجمہ) عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب ہم عورتوں میں سے کسی کو جنابت سے غسل کرنا ہوتا تو دونوں ہاتھوں سے تین چلو بھرتی، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دونوں ہاتھوں سے بتایا کہ یوں، پھر وہ اپنے سر پر ڈالتی۔ اور پھر ایک ہاتھ سے جسم کے دونوں طرف باری باری پانی ڈالتی تھی۔

(شرح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ازواجِ مطہرات غسل کے وقت بالوں کو کھولتی نہ تھیں بلکہ پانی کو بالوں کی جڑوں تک پہنچاتی تھیں۔ اس سے پہلے اوپر کی ایک حدیث میں پانچ بار کا ذکر گزرا ہے، پس مراد یہ ہے کہ حسبِ ضرورت کبھی یوں اور کبھی یوں کرتی تھیں۔ شارح ابن رسلان کا بیان ہے کہ اس قسم کی احادیث کا حکم مرفوع حدیث جیسا ہوتا ہے خواہ حضور کی طرف منسوب ہوں یا نہ ہوں۔ اور ابو عبداللہ حاکم نے جزم اور یقین سے اسے بیان کیا ہے۔

۲۵۳- حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دَاوُدَ عَنْ عُمَرَ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنَّا نَغْتَسِلُ وَعَلَيْنَا الضِّمَادُ وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحِلَّاتٍ وَمُحْرِمَاتٍ۔

(ترجمہ) عائشہ صدیقہ رض نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غیر احرام کے ساتھ بھی اور حالتِ احرام میں بھی ہوتے تھے اور ہمارے بالوں پر خطمی وغیرہ لپی ہوتی تھی اور ہم غسل کیا کرتے تھے۔

(شرح) ضماد سے مراد خوشبو یا خطمی وغیرہ ہے جس سے بالوں کو لیپ دیتے تھے کہ وہ کھلنے نہ پائیں۔ وہ کپڑا بھی ضماد کہلاتا ہے جسے زخم پر دوائی رکھ کر بطور پٹی باندھ دیتے ہیں۔ یہاں پہلا معنیٰ مراد ہے۔ بعض دفعہ سفر میں بالوں کو گرد و غبار سے محفوظ رکھنے کی خاطر لیپ کر دیتے تھے۔ امّ المؤمنین رض کے قول سے یا تو یہ مراد ہے کہ خوشبو یا خطمی وغیرہ کو دھونے کے لیے جو پانی استعمال کرتے تھے اس کو کافی جانتے تھے اور بعد میں دوبارہ پانی نہ ڈالتے تھے، یا یہ کہ بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا کافی سمجھتے تھے اور انہیں کھولتے نہ تھے۔

۲۵۴- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَوْفٍ قَالَ قَرَأْتُ فِي أَصْلِ إِسْمَاعِيلَ قَالَ ابْنُ عَوْفٍ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِيهِ حَدَّثَنِي ضَمْضَمُ بْنُ زُرْعَةَ عَنْ شُرَيْحِ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ أَفْتَانِي جُبَيْرُ بْنُ نُفَيْرٍ عَنِ الْغُسْلِ مِنَ الْجَنَابَةِ أَنَّ ثَوْبَانَ حَدَّثَهُمْ أَنَّهُمُ اسْتَفْتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ، أَمَّا الرَّجُلُ فَلْيَنْشُرْ رَأْسَهُ فَلْيَغْسِلْهُ حَتّٰى يَبْلُغَ

اُصُوْلَ الشَّعْرِ وَاَمَّا الْمَرْاَۃُ فَلَا عَلَیْھَا اَنْ لَّا تَنْقُضَہٗ لِتَغْرِفْ عَلٰی رَأْسِھَا ثَلَاثَ غَرَفَاتٍ بِکَفَّیْھَا۔

(ترجمہ) ثوبانؓ نے لوگوں کو بتایا کہ صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غسلِ جنابت کے متعلق دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ مرد تو اپنے سر کے بال کھول دے اور دھوئے حتیٰ کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے اور عورت کے لئے بال نہ کھولنے میں کوئی حرج نہیں، وہ دونوں ہاتھوں سے تین چلّو بھر کر سر میں ڈالے۔

(شرح) اس حدیث کی سند میں محمد بن عوف دو طرح سے روایت کرتا۔ ایک یہ کہ اس نے خود اسماعیل کی کتاب میں پڑھا اور دوسرا یہ کہ اس نے محمد بن اسماعیل سے اور اس نے اپنے باپ اسماعیل سے روایت کی۔ ابو حاتم نے کہا ہے کہ محمد بن اسماعیل نے اپنے باپ سے کچھ نہیں سنا، اور اسی لئے وہ محدثین کی تنقید کا نشانہ بنا ہے۔ ابوداؤد نے اسی نقص کو دور کرنے کی خاطر محمد بن عوف کا قول نقل کیا ہے کہ اس نے خود بھی یہ حدیث اسماعیل کی کتاب میں پڑھی تھی۔ ابوداؤد نے کئی احادیث محمد بن عوف سے روایت کی ہیں جنہیں وہ محمد بن اسماعیل سے باپ کے حوالے سے روایت کرتا ہے مگر وہ سب محمد بن عوف خود بھی اسماعیل کی کتاب میں پڑھ چکا ہے۔ گویا اس طرح روایت میں قوت پیدا ہو گئی۔ ضمضم بن زرعہ کو عام محدثین نے ثقہ سمجھا ہے مگر ابو حاتم نے اس کی تضعیف کی ہے۔ اس حدیث سے سر کے بالوں کے باب میں مرد اور عورت کے درمیان غسل جنابت کے لئے فرق ظاہر ہوا اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے جیسا کہ پیچھے کچھ تفصیل سے گزرا۔ علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو اسماعیل بن عیاش کے باعث معلّل ٹھہرایا جاتا ہے مگر وہ شامیوں سے روایت کرے تو مقبول ہے اور اس سند میں اس کی روایت اہل شام سے ہی ہے۔

۱۰۲- بَابٌ فِی الْجُنُبِ یَغْسِلُ رَأْسَہٗ بِالْخِطْمِیِّ

باب: جُنبی اپنا سر جب خطمی سے دھوئے

۲۵۵- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ زِیَادٍ حَدَّثَنَا شَرِیْكٌ عَنْ قَیْسِ بْنِ وَھْبٍ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ بَنِیْ سُوَاءَۃَ بْنِ عَامِرٍ عَنْ عَائِشَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ یَغْسِلُ رَأْسَہٗ بِالْخِطْمِیِّ وَھُوَ جُنُبٌ یَجْتَزِئُ بِذٰلِكَ وَلَا یَصُبُّ عَلَیْہِ الْمَاءَ۔

(ترجمہ) عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر حالتِ جنابت میں خطمی کے ساتھ دھوتے تھے اور پھر اسی دھونے کو کافی سمجھتے تھے، دوبارہ سر پر پانی نہ ڈالتے تھے۔

(شرح) اس حدیث کی سند میں بقول حافظ ابن حجر ایک مجہول راوی ہے جو حضرت عائشہؓ سے روایت کرتا ہے، اس کے نام کا پتہ نہیں چل سکا۔ خطمی ایک مشہور بوٹی کا نام ہے جسے سر کی میل کچیل دور کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ پانی میں اگر کوئی پاک چیز ملائی جائے جس سے کہ نظافت و طہارت کا اضافہ مدّ نظر ہو، خواہ اسے پانی میں پکایا جائے اور خواہ اسے صرف ملایا جائے جیسے اشنان، صابون (اور آجکل ڈیٹول وغیرہ) تو گو اس سے پانی کا رنگ یا بُو یا مزہ بدل جائے، اس سے حدث کا ازالہ جائز ہے کیونکہ پانی کا نام اور حقیقت باقی ہے اور اس کا معنیٰ

مطلب یعنی تطہیر زائد ہو چکی ہے۔ یہ حدیث ایک مجہول راوی کے باعث گو ضعیف ہے مگر ابن ابی شیبہ میں ابن مسعودؓ کی ایک حدیث اس مضمون کی ہے جس سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اسے تسلیم کیا ہے۔ اس کی تائید اس سُنّت سے بھی ہوتی ہے جو غسل میت کے بارے میں چلی آتی ہے کہ پانی کو بیری یا حرض کے پتے ڈال کر پکاتے ہیں اور پھر میت کو غسل دیتے ہیں۔ ہاں! اگر پانی کی رقت زائل ہو جائے اور وہ پانی ملے ستو کی مانند ہو جائے تو اس سے وضوء جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں پانی کا نام اور مقصد زائل ہو جاتا ہے۔ حلبی نے منیۃ المصلی کی شرح میں اس مسئلے کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اس مسئلے میں دوسرے ائمہ ثلاثہ کا اختلاف ہے۔

صحیحین میں وہ حدیث موجود ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹنی سے گرنے والے ایک شخص کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دینے کا حکم ثابت ہے۔ اسی طرح صحیحین میں اُم عطیہ انصاریہؓ کی وہ حدیث موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو اپنی بیٹی (زینبؓ) کے غسل کے احکامات کے سلسلے میں فرمایا کہ اسے تین یا پانچ یا اگر ضرورت ہو تو زیادہ بار پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو اور آخری مرتبہ کافور بھی ملا لو۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ میت کا غسل تنظیف کے لئے ہے نہ کہ تطہیر کے لئے لہٰذا اس پر وضوء اور غسل کو قیاس نہیں کر سکتے، لیکن بقول شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی سنن ابی داؤد میں ہی نفاس والی عورت کے لئے نمک اور بیری کے پتے ملا کر غسل کا حکم موجود ہے۔ پھر سنن ابی داؤد میں ہی نو مسلم کے لئے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل کا حکم آگے آئے گا۔ اسی طرح حضورؐ کا اس پانی سے غسل کرنا آگے آتا ہے جس میں آٹے کا اثر موجود تھا۔ ظاہر ہے کہ ان تمام مواقع پر غسل تطہیر کے لئے تھا نہ کہ تنظیف کی خاطر۔

پھر حافظ صاحبؒ نے جو فرمایا ہے کہ غسل میت تنظیف کی خاطر ہے تطہیر کے لئے نہیں، یہ بھی محل نظر ہے۔ عام حنفی فقہاء کے نزدیک (نبی اور شہید کے علاوہ) میت کا غسل تطہیر کے لئے ہے کیونکہ دم مسفوح موجود ہوتا ہے (گو تھم جاتا ہے) لیکن غسل کے بعد مسلم کے اعزاز و اکرام کے لئے اس کی طہارت کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ اس کے بغیر چارہ نہیں تھا۔ اور حدیث میں جو آیا ہے کہ مومن جنابت سے نجس نہیں ہوتا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جنابت ایک حکمی اور تعبدی نجاست ہے حقیقی نہیں۔ شرمگاہ سے مادۂ منویہ خارج ہو جانے پر سارے بدن کا غسل واجب ٹھیرایا گیا کیونکہ دراصل اس فعل میں سارا جسم شریک ہوتا ہے۔ جدید تحقیق نے تو ثابت کیا ہے کہ جنابت سے ایک قسم کا زہر پسینے کے ساتھ جسم سے خارج ہوتا ہے، پس یہ شرع کا ایک فطری حکم ٹھیرا کہ سارا جسم پاک صاف کیا جائے، اور اس حکم میں نبی اور غیر نبی کا بھی فرق نہیں رکھا گیا، گو نبی معصوم ہوتا ہے۔ مسئلے کے مختلف اطراف کی تفصیل کا یہ محل نہیں ہے۔

۱۰۳۔ بَابُ فِيمَا يَفِيضُ بَيْنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ مِنَ الْمَاءِ

مرد اور عورت سے خارج ہونے والے پانی کا باب

۲۵۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ قَيْسِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي سُوَاءَةَ بْنِ عَامِرٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا فِيمَا يَفِيضُ بَيْنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ مِنَ الْمَاءِ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ كَفًّا مِنْ مَاءٍ يَصُبُّ عَلَى الْمَاءِ

ثُمَّ يَأْخُذُ كَفًّا مِنْ مَاءٍ ثُمَّ يَصُبُّهُ عَلَيْهِ ۔

(ترجمہ) عائشہؓ نے مرد اور عورت کے درمیان خارج ہونے والے پانی کے متعلق فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی کا ایک چلو لیکر اسے اس پر ڈالتے پھر ایک چلو لے کر اس پر بہاتے تھے۔

(تشریح) خاوند بیوی کے باہمی معاملات کے وقت جو پانی خارج ہو وہ تو مذی ہے اور جماع سے نکلنے والا مادہ منی ہے۔ حدیث سے دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ مذی کی صورت میں تو صرف اسی کا دھوڈالنا کافی ہے اور منی کی صورت میں غسل فرض ہے جس سے قبل اس مادے کا ازالہ (اگر کہیں جسم پر لگا ہوا ہو) ضروری ہے۔ اس حدیث میں بھی وہی اوپر والا مجہول راوی ہے مگر مضمون اس کا صحیح اور حسن احادیث کے خلاف نہیں لہٰذا اس کا قبول کرنا جائز ہے۔

۱۰۲۔ بَابُ مُؤَاكَلَةِ الْحَائِضِ وَمُجَامَعَتِهَا

حائضہ عورت کے ساتھ کھانے پینے اور اکٹھے گھروں میں رہنے کا بیان

۲۵۷۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ أَخْبَرَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ إِنَّ الْيَهُودَ كَانَتْ إِذَا حَاضَتْ مِنْهُمُ امْرَأَةٌ أَخْرَجُوهَا مِنَ الْبَيْتِ وَلَمْ يُؤَاكِلُوهَا وَلَمْ يُشَارِبُوهَا وَلَمْ يُجَامِعُوهَا فِي الْبَيْتِ فَسُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى ذِكْرُهُ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَامِعُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ وَاصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ فَقَالَتِ الْيَهُودُ مَا يُرِيدُ هَذَا الرَّجُلُ أَنْ يَدَعَ شَيْئًا مِنْ أَمْرِنَا إِلَّا خَالَفَنَا فِيهِ فَجَاءَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ وَعَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ الْيَهُودَ تَقُولُ كَذَا وَكَذَا أَفَلَا نَنْكِحُهُنَّ فِي الْمَحِيضِ فَتَمَعَّرَ وَجْهُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنْ قَدْ وَجَدَ عَلَيْهِمَا فَخَرَجَا فَاسْتَقْبَلَتْهُمَا هَدِيَّةٌ مِنْ لَبَنٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ فِي آثَارِهِمَا فَسَقَاهُمَا فَظَنَنَّا أَنَّهُ لَمْ يَجِدْ عَلَيْهِمَا ۔

(ترجمہ) انس بن مالکؓ نے کہا کہ جب یہودیوں کی کوئی عورت حیض کی حالت میں ہوتی تو وہ اسے گھر سے نکال دیتے۔

نہ اس کے ساتھ کھاتے نہ پیتے اور نہ گھروں میں اکٹھے رہتے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری = اور یہ لوگ تجھ سے حیض کے متعلق سوال کرتے ہیں، کہو کہ وہ ایک تکلیف دہ چیز ہے پس اس میں عورتوں سے الگ رہو۔ آخر آیت تک۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں گھروں میں اپنے ساتھ رکھو اور خاص فعل جماع کے سوا سب کچھ کرو۔ پس یہود نے کہا کہ یہ شخص تو محض ہماری ہر بات میں ہماری مخالفت کرنا چاہتا ہے۔ پھر اُسیدؓ بن حضیر اور عبادؓ بن بشیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ یہودی یہ اور یہ کہتے ہیں۔ پس کیا ہم عورتوں سے حالتِ حیض میں مباشرتِ خاص نہ کیا کریں؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ بھڑک اُٹھا حتیٰ کہ ہم نے خیال کیا کہ آپ ان دونوں پر ناراض ہو گئے، سو وہ دونوں وہاں سے نکلے تو دودھ کا تحفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا جاتا ہوا انہیں راستے میں ملا، آپؐ نے ان دونوں کے پیچھے کوئی شخص بھیجا، وہ آئے تو حضورؐ نے انہیں دودھ پلایا اور ہم سمجھے کہ آپؐ ان پر ناراض نہیں ہوئے۔

(شرح) مجامعت کے لفظ سے اس حدیث میں خاص فعلِ جماع مُراد نہیں ہے بلکہ مجامعت فی البیوت یعنی گھروں میں ان کے ساتھ اکٹھے رہنا مُراد ہے جسے یہودی ناجائز سمجھتے تھے۔ محیض کا لفظ مصدر اور اسم ظرفِ مکان و زمان اور اسم مصدر کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ اس سے مراد ظرفِ مکان ہے یعنی "جائے حیض" اور امام محمد بن الحسن سے بھی یہی منقول ہے اور انہوں نے فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ سے استدلال کر کے کہا ہے کہ حالتِ حیض میں خاص موضعِ حیض سے پرہیز واجب ہوا ہے۔ اس لفظ کا استعمال ظرفِ مکان کے طور پر مصدری معنیٰ کی نسبت زیادہ ہے۔ اَذًی کا معنیٰ ہے قابلِ نفرت و کراہت چیز۔ علماء میں اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس حالت میں عورت کے ساتھ رہنا، مخالطت، اکٹھے کھانا پینا سب جائز ہے۔ اس مسئلے پر مزید بحث آگے ان شاء اللہ تعالیٰ کتاب النکاح میں تفصیل سے آئے گی۔ اُسیدؓ بن حضیر اور عبادؓ بن بشر کی بات پر آپؐ کا چہرہ اس لئے متغیر ہوا تھا کہ ان کا یہ قول ایک منصوص حکم کے خلاف اجازت طلبی کے طور پر تھا، مگر چونکہ ان کی بات حُسنِ نیت پر مبنی تھی لہٰذا جلدی ہی آپؐ کا غصّہ فرو ہو گیا۔

آیت قرآنی میں جو حالتِ حیض میں اعتزال کا حکم دیا گیا ہے اس سے کیا مُراد ہے؟ اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہوا ہے۔ ابن عباسؓ، شریحؒ، ابن جبیرؓ، مالک بن انسؒ، ابوحنیفہؒ، ابویوسف اور اہلِ علم کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ناف سے نیچے سے لیکر گھٹنوں تک سے کامل پرہیز واجب ہے اور اس کی تائید ایک حدیثِ صحیح سے ہوتی ہے کہ عورت اپنا ازار کس کر باندھ لے اور مرد اس کے اوپر سے استمتاع کر سکتا ہے۔ لیکن حضرت عائشہؓ، شعبیؒ، عکرمہؓ، مجاہدؒ، ثوریؒ، محمد بن الحسنؒ شیبانی اور داؤد ظاہری اس طرف گئے ہیں کہ مرد پر صرف خاص شرمگاہ سے پرہیز واجب ہے۔ یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔ ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہوا ہے کہ مرد کو عورت کے بستر پر جانے سے پرہیز چاہئیے اور یہی قول عبیدۃ سلمانی کا ہے مگر یہ ایک شاذ قول ہے۔

۲۵۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دَاوُدَ عَنْ مِّسْعَرٍ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَتَعَرَّقُ الْعَظْمَ وَأَنَا حَائِضٌ فَأُعْطِيْهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ فَاهُ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِيْ فِيْهِ وَضَعْتُهُ وَأَشْرَبُ الشَّرَابَ فَأُنَاوِلُهُ فَيَضَعُ فَمَهُ

فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي كُنْتُ أَشْرَبُ مِنْهُ۔

(ترجمہ) عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں ہڈی پر گوشت کھالیتی درآنحالیکہ میں ماہواری ایام میں ہوتی، پھر وہ ہڈی میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پکڑاتی تو آپ اپنا منہ اسی جگہ پر رکھتے جہاں پر میں نے رکھا ہوتا تھا۔ اور میں پانی پیتی اور آپ کو پکڑاتی تو آپ اپنا منہ اسی جگہ پر رکھتے جس جگہ سے میں نے پیا ہوتا تھا۔

(شرح) منکرین حدیث اور ہمارے ہاں کے متنوّرین شاید اس پر ناک بھوں چڑھائیں کہ اس قسم کی باتیں حدیث میں کیوں آتی ہیں، حالانکہ قرآن مجید میں بھی جماع، حیض، عورتوں کے مردوں کی کھیتی ہونے کا ذکر صاف موجود ہے، مگر ان احادیث سے ایک تو حضور کی خانگی زندگی کی صحیح تصویر سامنے آتی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک اچھے جوڑے کے باہمی علائق محبت و مودت کی کیفیت کیا ہونی چاہیئے۔ پھر حضور ایک بہتر خاوند ہی نہ تھے بلکہ آپ کی اصلی حیثیت رسول اللہ کی تھی جس کی ذات میں اور زندگی کے ایک ایک حرکت و سکون میں اہل ایمان کے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ اس قسم کی احادیث کے بغیر حضور کی یہ حیثیت کھل کر سامنے نہ آسکتی تھی۔ اس حدیث سے پتہ چلا کہ حائضہ عورت کا جسم، اس کے اعضاء، ہاتھ اور منہ وغیرہ پاک ہیں۔

۲۵۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ صَفِيَّةَ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ رَأْسَهُ فِي حِجْرِي فَيَقْرَأُ وَأَنَا حَائِضٌ۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ رض نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر میری گود میں رکھتے اور قرآن مجید پڑھتے درآنحالیکہ میں مخصوص ایام میں ہوتی تھی۔

(شرح) اس حدیث سے پتہ چلا کہ محل نجاست کے قریب قرآن مجید کی قرأت ہوسکتی ہے۔ امام نووی رح نے کہا کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کے کپڑے پاک ہوں تو اس کے ساتھ سہارا لگایا جاسکتا ہے۔

۱۰۵۔ بَابُ الْحَائِضِ تُنَاوِلُ مِنَ الْمَسْجِدِ

حائضہ عورت کے مسجد سے کوئی چیز پکڑ کر دینے کا باب

۲۶۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ ثَابِتِ ابْنِ عُبَيْدٍ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاوِلِينِي الْخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ قُلْتُ إِنِّي حَائِضٌ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ اِنَّ حَیْضَتَكِ لَیْسَتْ فِیْ یَدِكِ۔

(ترجمہ) عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: مسجد سے چٹائی پکڑ دو۔ میں نے کہا کہ میں مخصوص ایام میں ہوں تو آپؐ نے فرمایا کہ: تیرا حیض تیرے ہاتھ میں نہیں ہے۔

(شرح) عائشہ صدیقہ رضؓ نے اجتہاد سے کام لیکر سمجھا کہ جس طرح حائضہ مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی اس کے لئے کوئی چیز مسجد سے لینا بھی جائز نہ ہوگا۔ حضورؐ نے جو جواب دیا اس سے معلوم ہوگیا کہ اگر عورت مسجد سے باہر ہو تو اس حالت میں مسجد سے کسی چیز کے پکڑ لینے میں حرج نہیں ہے۔ سنن نسائی کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے اور آپؐ نے وہاں سے زوجہ مطہرہ رضؓ کو کپڑا گھر کے اندر سے لیکر پکڑانے کا حکم دیا تھا۔ وہ حدیث گو اس زیر نظر حدیث کے اس معنیٰ کی تائید کرتی ہے جو بعض شارحین نے کیا ہے کہ حدیث کی عبارت کو یوں سمجھنا چاہیئے: قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَسْجِدِ الخ گویا مِنَ الْمَسْجِدِ کا لفظ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا حال واقع ہوا ہے۔ مگر نسائی کی حدیث میں کپڑے کا ذکر ہے۔ بقول مولانا سہارنپوریؒ مِنَ الْمَسْجِدِ کا لفظ الْخُمْرَۃَ سے حال ہے، یعنی اس حال میں کہ چٹائی مسجد میں تھی۔ مگر قاضی عیاضؒ نے اس کا انکار کیا ہے اور پہلا معنیٰ لیا ہے۔ امام خطابیؒ نے کہا ہے کہ حِیضَۃ کا لفظ ح کی زیر کے ساتھ ہے جیسے قِعْدَۃ اور جِلْسَۃ۔ اور اس سے مراد حالتِ حیض ہے مگر امام نووی نے کہا ہے کہ یہ لفظ حا کی فتحہ کے ساتھ ہے اور یہی صحیح ہے۔ بقول مولانا سہارنپوریؒ امام خطابیؒ کا قول ہی صحیح ہے۔ مسئلہ اس سے یہ نکلا کہ دخول مسجد کی جو اس حال میں ممانعت ہے وہ سارے اعضائے بدن کا دخول ہے نہ کہ صرف ہاتھ کا۔ حائضہ عورت کے لئے مسِ مصحف کا مسئلہ دوسرا ہے جس کی بنیاد آیتِ قرآنی لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ ہے۔

۱۰۶۔ بَابٌ فِی الْحَائِضِ لَا تَقْضِی الصَّلٰوۃَ

حائضہ کے نماز کو قضا نہ کرنے کا باب

۲۶۱۔ حَدَّثَنَا مُوْسَی بْنُ اِسْمٰعِیْلَ حَدَّثَنَا وُھَیْبٌ حَدَّثَنَا اَیُّوْبُ عَنْ اَبِیْ قِلَابَۃَ عَنْ مُعَاذَۃَ قَالَتْ اِنَّ امْرَاَۃً سَاَلَتْ عَائِشَۃَ اَتَقْضِی الْحَائِضُ الصَّلٰوۃَ فَقَالَتْ اَحَرُوْرِیَّۃٌ اَنْتِ لَقَدْ کُنَّا نَحِیْضُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَا نَقْضِیْ وَلَا نُؤْمَرُ بِالْقَضَاءِ۔

(ترجمہ) معاذہ کا بیان ہے کہ ایک عورت نے عائشہ صدیقہ رضؓ سے پوچھا کیا حائضہ عورت نماز قضا کرے؟ تو حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا: کیا تو حروری (خارجی) ہے؟ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خاص ایام میں ہوتے مگر نہ نماز قضا کرتے اور نہ ہمیں قضاء کا حکم دیا جاتا تھا۔

(شرح) سوال کا تعلق ان نمازوں کے ساتھ تھا جو زمانہ حیض میں فوت ہوئی تھیں۔ خارجی فرقے کو حروری بھی کہا گیا ہے کیونکہ جنگ صفین کے بعد حضرت علی رضؓ کی فوج کا ایک حصہ ان کے ساتھ اختلاف کی بناء پر حروراء نامی ایک قصبے میں جمع ہوگیا تھا۔ یہ لوگ خارجی اور حروری کہلائے۔ یہ انتہاء پسند لوگ تھے۔ ان کے مخصوص

مسائل میں سے ایک یہ بھی تھا کہ حائضہ عورت زمانۂ حیض کی نمازوں کو قضا کرے۔ یہ اجماعِ اُمّت کے خلاف ہے۔ امّ المؤمنین رضی اللہ عنہا نے اسی لئے سوال کرنے والی عورت سے فرمایا تھا کہ کیا تو حروری ہے؟۔

حائضہ عورت ایامِ حیض کے روزے قضاء کرتی ہے مگر نماز نہیں۔ وجہ یہ کہ صومِ رمضان سال بھر میں ایک بار آتا ہے اور اس کی قضا مشقت کا سبب نہیں بنتی، برخلاف نماز کے، کیونکہ وہ کثیر ہے اور بار بار آتی ہے۔ اگر اس کی قضاء کا حکم دیا جاتا تو تکلیف مالایطاق ہوتا جو مصلحتِ شرع کے خلاف ہے۔

۲۶۲۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَمْرٍو أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ يَعْنِي عَبْدَ الْمَلِكِ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُعَاذَةَ الْعَدَوِيَّةِ عَنْ عَائِشَةَ بِهٰذَا الْحَدِيثِ وَزَادَ فِيهِ فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ وَلَا نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلٰوةِ۔

(ترجمہ) دوسری سند سے یہ حدیث امّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جس میں یہ اضافہ ہے کہ ہمیں روزے کی قضاء کا حکم دیا جاتا تھا مگر نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔

۱۰۷۔ بَابٌ فِي إِتْيَانِ الْحَائِضِ

یہ باب حائضہ سے جماع کے بارے میں ہے

۲۶۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ شُعْبَةَ قَالَ حَدَّثَنِي الْحَكَمُ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الَّذِي يَأْتِي امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ قَالَ يَتَصَدَّقُ بِدِينَارٍ أَوْ نِصْفِ دِينَارٍ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ هٰكَذَا الرِّوَايَةُ الصَّحِيحَةُ قَالَ دِينَارٌ أَوْ نِصْفُ دِينَارٍ وَرُبَّمَا لَمْ يَرْفَعْهُ شُعْبَةُ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں یہ روایت کی جو حالتِ حیض میں اپنی بیوی سے جماع کرے، فرمایا کہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے۔ ابو داؤد نے کہا کہ صحیح روایت اسی طرح ہے کہ فرمایا دینار یا نصف دینار الخ اور کبھی بار شعبہ نے یہ روایت مرفوع بیان نہیں کی۔

(شرح) اس حدیث کا راوی مقسم بن بجیرہ (یا ابن نجدہ) کی کنیت ابو القاسم یا ابوالعباس تھی۔ یہ عبداللہ بن حارث ابن نوفل کا آزاد کردہ غلام تھا مگر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس رہنے کے باعث اسے مولیٰ ابن عباس کہا جاتا تھا۔ ابن سعد نے طبقات میں اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ ساجی نے اسے متکلم فیہ قرار دیا ہے۔ ابن حزم نے غیر قوی کہا ہے۔ دوسرے بعض ائمہ اسے ثقہ قرار دیتے ہیں۔ دینار یا نصف دینار کا صدقہ دو مختلف صورتوں کے لئے ہے۔ اگر اس وقت یہ فعل کیا جبکہ بیوی کو خون کی ابتداء تھی اور خوب آتا تھا تو ایک دینار، اگر انقطاع کے وقت کیا تو نصف دینار۔ یا یوں کہئے

کہ مالدار کے لئے ایک دینار اور مفلس کے لئے نصف دینار۔

ابوداؤد نے اس حدیث کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے کہ شعبہ کو اس کے رفع و عدم رفع میں اختلاف واقع ہوا ہے کبھی تو وہ حضور ﷺ تک حدیث پہنچاتا ہے کبھی نہیں پہنچاتا۔ یحییٰ بن سعید القطان، نضر بن شمیل اور عبد الوہاب بن عطاء اس حدیث کو شعبہ سے مرفوعاً ذکر کرتے ہیں مگر عفان بن مسلم اور سلیمان بن حرب موقوفاً روایت کرتے ہیں۔ اسی طرح مسلم بن ابراہیم، حفص بن عمر صوفی، حجاج بن منہال اور ایک جماعت کا قول ہے کہ شعبہ اس حدیث کو رفع کرنے سے باز آ گیا تھا۔ بیہقی کی روایت میں ہے کہ شعبہ نے یہ حدیث موقوفاً روایت کی تو لوگوں کے پوچھنے پر بتایا کہ: میں مجنوں تھا پھر صحیح ہو گیا ہوں۔ پس شعبہ کے نزدیک یہ حدیث نبوی نہیں بلکہ ابن عباس کا فتویٰ ہے۔

علماء حالتِ حیض میں بیوی سے جماع کرنے والے پر کفارہ واجب ہونے میں مختلف ہیں۔ امام شافعیؒ قولِ جدید میں، امام مالک، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ ایک روایت میں اور جماہیر سلف کا قول یہ ہے کہ وہ توبہ و استغفار کرے، صدقہ دے مگر اس کے ذمہ کفارہ کوئی نہیں۔ ان کے برعکس بعض حضرات کفارے کے قائل ہیں۔ مثلاً عطاء، ابن ابی مُلیکہ، شعبی، نخعی، مکحول، زہری، ابوالزناد، ربیعہ، حماد بن ابی سلیمان، ایوب سختیانی، سفیان ثوری اور لیث بن سعد۔ یہی کفارے کا قول ابن عباسؓ کے علاوہ حسن بصری، سعید بن جبیر، قتادہ، اوزاعی، اسحاق، شافعی کے قولِ قدیم اور احمد بن حنبل کی ایک روایت سے ثابت ہوا ہے۔ پھر ان حضرات کا کفارے کی مقدار میں اختلاف ہے۔ حسن بصری اور سعید بن جبیر نے کہا کہ غلام آزاد کرنا، باقی حضرات نے ایک دینار یا نصف دینار اور انہوں نے اس ضعیف حدیث سے استدلال کیا ہے مگر بقول نوویؒ صحیح تر قول یہی ہے کہ کوئی کفارہ نہیں۔

۲۶۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ مُطَهَّرٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرٌ يَعْنِي ابْنَ سُلَيْمَانَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحَكَمِ الْبُنَانِيِّ عَنْ أَبِي الْحَسَنِ الْجَزَرِيِّ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِذَا أَصَابَهَا فِي أَوَّلِ الدَّمِ فَدِينَارٌ وَإِذَا أَصَابَهَا فِي انْقِطَاعِ الدَّمِ فَنِصْفُ دِينَارٍ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَكَذَلِكَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ عَنْ مِقْسَمٍ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ اگر مرد نے خون کی ابتداء یا پہلے دنوں میں جماع کیا تو ایک دینار اور اگر خون کے اختتام کے دنوں میں کیا تو نصف دینار۔

(شرح) اس روایت کی سند میں جعفر بن سلیمان راوی متکلم فیہ ہے، سلیمان بن حرب نے اس کے رفض و غلو کی وجہ سے اسے ترک کر دیا تھا۔ یحییٰ بن سعید القطان نے اسے ضعیف کہا ہے۔ عبد الرحمٰن بن مہدی اس کی حدیث پر خوش نہیں تھا۔ ابن سعد نے اسے ضعیف کہا۔ یزید بن زریع نے جعفر کے رفض و تشیع کے باعث اور عبد الوارث نے اعتزال کے سبب سے کہا تھا کہ جو شخص ان سے حدیث سنتے وہ میرے ہاں نہ آیا کرے۔ بخاری نے اسے ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ جریر بن یزید بن ہارون نے جعفر سے دریافت کیا کہ کیا تم ابوبکرؓ و عمرؓ کو گالی دیتے ہو؟ اس نے کہا گالی تو نہیں لیکن ان سے بھرپور بغض رکھتا ہوں، جریر نے کہا کہ وہ گدھے کی مانند رافضی ہے۔ دوری نے کہا کہ جعفر جب معاویہؓ کا نام لیتا تو گالیاں دیتا تھا۔

پھر اس روایت کی سند میں ابوالحسن جزری بقول علی بن المدینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی مجہول راوی ہے عبدالکریم بھی ضعیف ہے۔

۲۶۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّازُ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ خُصَيْفٍ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا وَقَعَ الرَّجُلُ بِأَهْلِهِ وَهِيَ حَائِضٌ فَلْيَتَصَدَّقْ بِنِصْفِ دِينَارٍ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَكَذَا قَالَ عَلِيُّ بْنُ بَذِيمَةَ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَى الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ آمُرُهُ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِخُمُسَيْ دِينَارٍ

(ترجمہ) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: آدمی جب حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے خاص ملاقات کرے تو نصف دینار صدقہ کرے۔

(شرح) اس حدیث کے راوی خُصَیف کو احمد بن حنبل نے ضعیف اور غیر قوی بتایا ہے۔ یحییٰ بن سعید القطان نے اسے ضعیف کہا ہے۔ اسی طرح کئی ائمہ جرح و تعدیل نے اس پر تنقید کی ہے۔ علی بن بذیمہ رافض کا سردار تھا۔ جوزجانی نے اسے گمراہ ٹھیرایا ہے۔ ابوداؤد نے اس حدیث کا اضطراب ثابت کیا ہے اور یہ کہا ہے: وَرَوَى الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ يَزِيدَ ابْنِ أَبِي مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ آمُرُهُ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِخُمُسَيْ دِينَارٍ وَهَذَا مُعْضَلٌ۔ اس روایت کو ابوداؤد نے مُعْضَل قرار دیا ہے۔ اصولِ حدیث کی رُو سے مُعضَل حدیث وہ ہے جس کی سند میں سے متصل دو یا زیادہ راوی ساقط ہوں۔ بیہقیؒ نے اس روایت کو بطور منقطع بیان کیا ہے۔ منقطع وہ روایت ہے جس کی سند سے ایک راوی غائب ہو۔

۱۰۸ - بَابٌ فِي الرَّجُلِ يُصِيبُ مِنْهَا مَا دُونَ الْجِمَاعِ

حائضہ عورت سے جماع کے ماسوا مرد کے فائدہ اٹھانے کا باب

۲۶۶ - حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَوْهَبٍ الرَّمْلِيُّ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حَبِيبٍ مَوْلَى عُرْوَةَ عَنْ نُدْبَةَ مَوْلَاةِ مَيْمُونَةَ قَالَتْ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُبَاشِرُ الْمَرْأَةَ مِنْ نِسَائِهِ وَهِيَ حَائِضٌ إِذَا كَانَ عَلَيْهَا إِزَارٌ إِلَى أَنْصَافِ الْفَخِذَيْنِ أَوِ الرُّكْبَتَيْنِ تَحْتَجِزُ بِهِ۔

(ترجمہ) میمونہؓ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج سے حیض کے دنوں میں ہم آغوشی کرتے تھے جبکہ ان پر نصف رانوں تک یا گھٹنوں تک کپڑا ہوتا جو باعث رکاوٹ ہوتا تھا۔

(شرح) مباشرۃ کا لفظ بشرہ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے جسم کے ساتھ جسم ملانا۔ کبھی یہ جماع کا کنایہ بھی ہوتا ہے۔ لیکن یہاں نہیں کیونکہ تفسیر اس کی خود ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرما دی ہے۔ حلت و حرمت کے مسائل نازک ہوتے ہیں، ازواج مطہرات کے بتائے بغیر امت کو معلوم نہ ہو سکتے تھے۔ ارباب الحاد برا مانتے ہوں تو مانیں، مگر یہ دینی مصلحت ہے جس کے بغیر چارہ نہ تھا۔

۲۶۷ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ إِحْدَانَا إِذَا كَانَتْ حَائِضًا أَنْ تَتَّزِرَ ثُمَّ يُضَاجِعُهَا زَوْجُهَا وَقَالَتْ مَرَّةً يُبَاشِرُهَا۔

(ترجمہ) عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مسلم عورتوں (اور ازواج مطہرات) کے لئے یہ تھا کہ حالت حیض میں ازار باندھ لیں پھر خاوندان سے ہم آغوش ہو سکتا ہے۔ کبھی تو یُضَاجِعُهَا کہا اور کبھی یُبَاشِرُهَا۔

(شرح) مضاجعت اور مباشرت کا معنی ایک جیسا ہی ہے یعنی ہم آغوش ہونا۔

۲۶۸ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ جَابِرِ بْنِ صُبْحٍ قَالَ سَمِعْتُ خِلَاسًا الْهَجَرِيَّ قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُولُ كُنْتُ أَنَا وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيتُ فِي الشِّعَارِ الْوَاحِدِ وَأَنَا حَائِضٌ طَامِثٌ فَإِنْ أَصَابَهُ مِنِّي شَيْءٌ غَسَلَ مَكَانَهُ لَمْ يَعْدُهُ ثُمَّ يُصَلِّي فِيهِ وَإِنْ أَصَابَ تَعْنِي ثَوْبَهُ مِنْهُ شَيْءٌ غَسَلَ مَكَانَهُ وَلَمْ يَعْدُهُ ثُمَّ صَلَّى فِيهِ۔

(ترجمہ) عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی کپڑے میں رات گزارتے تھے اور میں مخصوص ایام میں ہوتی تھی۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن کو مجھ سے کوئی داغ وغیرہ لگ جاتا تو آپ اس جگہ کو دھو ڈالتے تھے اور اردگرد کو نہ دھوتے تھے، پھر اسی حالت میں نماز پڑھتے تھے۔ اور اگر آپ کے کپڑے کو مجھ سے کوئی چیز لگ جاتی تو اتنی جگہ کو دھوتے تھے اور اردگرد کو نہ دھوتے تھے، پھر اسی میں نماز پڑھ لیتے تھے۔

(شرح) اس حدیث کے ایک راوی خلاس ہجری پر گفتگو ہوئی ہے مگر اکثر ائمۂ رجال نے اس کی توثیق کی ہے۔ شعار کا معنی ہے وہ کپڑا جو جسم کے ساتھ لگا ہوا ہو، اوپر والے کو دثار کہتے ہیں۔ اس حدیث میں حالت حیض میں بیوی سے ہم آغوشی کے جواز کا ثبوت ہے، مگر چونکہ اکثر احادیث میں آ چکا ہے کہ اس حالت میں حضور ازواج مطہرات کو ازار باندھنے کا حکم دیتے تھے لہٰذا اس حدیث کو انہی پر محمول کیا جائے گا، اگرچہ صاحب عون المعبود نے لکھا ہے کہ یہ مباشرت ازار کے بغیر تھی اور شارح ابن رسلان کا بھی یہی خیال ہے۔

مولانا سہارنپوری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں جو ثُمَّ صَلَّى فِيهِ کا لفظ پہلی بار آیا ہے یہ لفظاً اور معنیً بھی غلط معلوم ہوتا ہے، معنیً اس لئے کہ فیہ کی ضمیر کو شعار کی طرف لوٹانا ناممکن نہیں کیونکہ اس سے تکرار لازم آتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک کی طرف ضمیر کو لوٹانے میں رکاکت پائی جاتی ہے ـــــ لفظاً اس لئے کہ یہی حدیث بیہقی نے روایت کی ہے مگر

اس میں اس مقام پر ثم صلی فیہ کے الفاظ نہیں ہیں۔ بیہقی نے یہ روایت ابن داسہ (ابوداؤد کا شاگرد) کے حوالے سے ابوداؤد سے بعینہٖ اسی سند سے بیان کی ہے جو سنن ابوداؤد میں ہے۔ پس اگر یہ تصحیف ابوداؤد کی طرف سے یا کسی اوپر کے راوی کی طرف سے ہوتی تو ابن داسہ کی روایت اس سے خالی نہ ہوتی۔ نسائی کی روایت میں یہ لفظ تو موجود ہے مگر وہاں ثم یعود کا لفظ بھی موجود ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ مراد کپڑے پر آلائش لگنا ہے نہ کہ بدن پر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۶۹- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ يَعْنِي ابْنَ عُمَرَ بْنِ غَانِمٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يَعْنِي ابْنَ زِيَادٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ غُرَابٍ قَالَ إِنَّ عَمَّةً لَهُ حَدَّثَتْهُ أَنَّهَا سَأَلَتْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ إِحْدَانَا تَحِيضُ وَلَيْسَ لَهَا وَلِزَوْجِهَا إِلَّا فِرَاشٌ وَاحِدٌ قَالَتْ أُخْبِرُكِ بِمَا صَنَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ لَيْلًا وَأَنَا حَائِضٌ فَمَضَى إِلَى مَسْجِدِهِ تَعْنِي مَسْجِدَ بَيْتِهِ فَلَمْ يَنْصَرِفْ حَتَّى غَلَبَتْنِي عَيْنِي وَأَوْجَعَهُ الْبَرْدُ فَقَالَ ادْنِي مِنِّي فَقُلْتُ إِنِّي حَائِضٌ فَقَالَ وَإِنِ اكْشِفِي فَخِذَيْكِ فَكَشَفْتُ فَخِذَيَّ فَوَضَعَ خَدَّهُ وَصَدْرَهُ عَلَى فَخِذَيَّ وَحَنَيْتُ عَلَيْهِ حَتَّى دَفِئَ وَنَامَ۔

(ترجمہ) عمارہ بن غراب کی پھوپھی نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ ہم عورتوں میں سے کسی کو حیض آجائے اور اس کا اور اس کے خاوند کا صرف ایک ہی بستر ہو (تو وہ کیا کرے؟) عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں تمہیں بتاتی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا تھا۔ آپ ایک رات گھر آئے اور گھر میں اپنی مسجد کی طرف چلے گئے اور اس وقت تک نماز میں مصروف رہے جب تک کہ مجھ پر نیند کا غلبہ ہو گیا اور آپؐ کو سردی سے تکلیف محسوس ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرے قریب ہو جاؤ، میں نے کہا کہ میں تو خاص ایام میں ہوں، پھر فرمایا کہ اپنی رانیں کھول دو، پس میں نے رانیں ننگی کیں تو آپؐ نے اپنا رخسار اور سینہ میری ران پر رکھا اور میں آپ پر جھک گئی حتیٰ کہ آپؐ گرم ہو گئے اور سو گئے۔

(شرح) اس حدیث کے راوی ابن عمر بن غانم کو ابوحاتم نے مجہول کہا ہے۔ ابن حبان نے اسے ضعیف کہا ہے اور اس سے روایت کرنا ناجائز ٹھیرایا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور اسی طرح بعض اور محدثین نے بھی بشمول ابی داؤد۔ ایک اور راوی ابن زیاد (ابن انعم) کو بھی امام احمد بن حنبل نے لاشئی، ہشام بن عروہ نے، "اسے جانے دو"، ابن معین نے ضعیف، یعقوب بن شیبہ نے ضعیف، یعقوب بن سفیان نے بھی ضعیف، ابوزرعہ نے بھی ضعیف، امام ترمذیؒ نے بھی "ضعیف عند اهل الحديث" اسی طرح نسائی اور یحییٰ قطان نے بھی ضعیف کہا ہے۔ ابن خزیمہ نے اسے متروک، ابن فراش نے بھی متروک، حاکم نے غیر قوی، ابوالحسن خطابی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ گویہ آدمی نیکوکار تھا۔ ایک اور راوی عمارہ ابن غراب کو احمد نے لیس بشیٔ اور حافظ ابن حجر نے مجہول ٹھیرایا ہے۔ پھر اس حدیث کی سند میں عمارہ کی پھوپھی مجہول عورت ہے جس کا نام اور پتہ کسی کو معلوم نہیں۔ اس روایت میں اتنے

نقائص کے ساتھ اس کی حیثیت واضح ہو جاتی ہے۔

۲۷۰- حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي الْيَمَانِ عَنْ أُمِّ ذَرَّةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ كُنْتُ إِذَا حِضْتُ نَزَلْتُ عَنِ الْمِثَالِ عَلَى الْحَصِيرِ فَلَمْ نَقْرَبْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ نَدْنُ مِنْهُ حَتَّى نَطْهُرَ۔

(ترجمہ) عائشہؓ نے فرمایا کہ میں جب خاص ایام میں ہوتی تو بستر سے چٹائی پر اتر آتی اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہ جاتے جب تک کہ پاک نہ ہو جاتے۔

(شرح) اس حدیث کے راوی ابو الیمان کو حافظ ابن حجر نے مستور قرار دیا ہے۔ یہ حدیث گذشتہ کئی صحیح احادیث کے خلاف ہے لہٰذا یا تو اسے منسوخ قرار دیا جائے گا اور یا پھر قرب و دنو سے مراد خاص ملاقات لی جائے گی۔ یا پھر یہ تاویل کی جائے گی کہ یہ پرہیز ازواجؓ کی طرف سے ہوتا تھا نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے۔ ابن عباسؓ کا یہی مذہب تھا کہ اس حالت میں مرد عورت ایک دوسرے کے قریب نہ جائیں اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

۲۷۱- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ بَعْضِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ مِنَ الْحَائِضِ شَيْئًا أَلْقَى عَلَى فَرْجِهَا ثَوْبًا۔

(ترجمہ) عکرمہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی زوجۂ محترمہ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خاص ایام میں کسی بیوی سے ہم آغوشی کرنا چاہتے تو اس کی شرمگاہ پر کپڑا ڈال دیتے تھے۔

(بقول مولانا سہارنپوریؒ یہ زوجۂ مطہرہ شائد حضرت میمونہؓ تھیں جو ابن عباسؓ کی خالہ تھیں، ابن عباسؓ سے قرب کے باعث عکرمہ کو ان سے روایت کا موقع ملا۔ کیونکہ عکرمہ ابن عباسؓ کے شاگرد خاص تھے۔ یہ بات اصول میں مسلّم ہے کہ صحابی کے نام کی جہالت حدیث کی قبولیت میں حارج نہیں ہوتی)۔

۲۷۲- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا فِي فَوْحِ حَيْضِنَا أَنْ نَتَّزِرَ ثُمَّ يُبَاشِرُنَا وَأَيُّكُمْ يَمْلِكُ إِرْبَهُ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْلِكُ إِرْبَهُ۔

(ترجمہ) عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حیض کی ابتداء اور شدت میں ازار باندھنے

کا حکم دیتے تھے پھر ہم سے ہم آغوش ہوتے تھے۔ اور جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش پر کنٹرول کر سکتے تھے تم میں سے کون اس طرح اپنی خواہش کو روک سکتا ہے ؟

(شرح) مطلب یہ کہ ناف سے گھٹنوں تک جسم کو چھپا کر محفوظ کر دیا جائے تو بیوی سے اس حالت میں ہم آغوشی جائز ہے۔ علامہ عینی نے کہا ہے کہ حائضہ عورت سے مباشرت کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک تو اجماعاً حرام ہے اور اگر کوئی اس کی حلت کا اعتقاد رکھے تو کفر کا مرتکب ہوگا، اور وہ یہ ہے کہ جان بوجھ کر شرمگاہ میں مباشرت کرے، اگر کوئی اسے حرام جانتے ہوئے کرے تو توبہ استغفار کرے اور دوبارہ یہ فعل نہ کرے۔ دوسری یہ کہ ناف سے اوپر اور گھٹنوں سے نیچے مباشرت کرے خواہ ذکر سے ہو خواہ بوسہ سے، خواہ معانقہ اور لمس وغیرہ سے، یہ بالاجماع حلال ہے اور صحیح احادیث سے اس کی حلت ثابت ہے۔ عبیدہ سلمانی وغیرہ سے اس کے خلاف منقول ہے مگر ان کا قول شاذ ہے اور قابل رد ہے۔ تیسری صورت یہ کہ ناف اور گھٹنے کے درمیان مباشرت ہو مگر شرمگاہ میں یا دبر میں نہ ہو۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حرام ہے اور ابویوسفؒ سے بھی یہی مروی ہے، شافعیہ کا صحیح قول بھی یہی ہے اور امام مالکؒ اور اکثر علماء یہی کہتے ہیں، مثلاً سعید بن المسیبؒ، شریحؒ، طاؤسؒ، عطاءؒ، سلیمان بن یسارؒ، قتادہ۔ امام محمد بن الحسن شیبانی کے نزدیک اور ایک روایت میں امام ابویوسف کے نزدیک بھی صرف خون کی جگہ سے احتراز واجب ہے۔ یہی قول عکرمہ، مجاہد، شعبی، نخعی، حکم، ثوری، اوزاعی، احمد، اصبغ، اسحاق بن راہویہ، ابوثور، ابن منذر، داؤد ظاہری کا ہے۔ اور دلیل کے لحاظ سے یہی زیادہ قوی ہے کیونکہ حدیث صحیح میں ہے: اِصْنَعُوْا كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا النِّكَاحَ۔ اور حضورؐ جو مباشرتِ حائض میں ازار کے اوپر پر اقتصار فرماتے تھے یہ استحباب کے لیے ہے۔ یہی قول علیؓ ابن عباسؓ اور ابوطلحہؓ سے منقول ہے۔

۱۰۹ بَابٌ فِي الْمَرْأَةِ تُسْتَحَاضُ وَمَنْ قَالَ تَدَعُ الصَّلٰوةَ فِي عِدَّةِ الْاَيَّامِ الَّتِي كَانَتْ تَحِيضُ

استحاضہ والی عورت کا باب اور یہ کہ وہ اتنے دن نماز چھوڑے جن میں اسے حیض آتا تھا

۲۷۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ إِنَّ امْرَأَةً كَانَتْ تُهَرَاقُ الدِّمَاءَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَفْتَتْ لَهَا أُمُّ سَلَمَةَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِتَنْظُرْ عِدَّةَ اللَّيَالِي وَالْاَيَّامِ الَّتِي كَانَتْ تَحِيضُهُنَّ مِنَ الشَّهْرِ قَبْلَ أَنْ يُّصِيْبَهَا الَّذِي أَصَابَهَا فَلْتَتْرُكِ الصَّلٰوةَ قَدْرَ ذٰلِكَ مِنَ الشَّهْرِ فَإِذَا خَلَّفَتْ ذٰلِكَ فَلْتَغْتَسِلْ ثُمَّ لِتَسْتَثْفِرْ بِثَوْبٍ ثُمَّ لِتُصَلِّ۔

(ترجمہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ام سلمہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت کو بہت خون آتا تھا پس اس کی خاطر ام سلمہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ مہینے

کے جن دنوں اور راتوں میں اسے حیض آیا کرتا تھا، اس بیماری سے قبل جو اسے پہنچی ہے تو مہینے میں سے اتنے دن وہ نماز چھوڑ دے جب وہ ایام گذر جائیں تو غسل کرے اور کپڑے کا لنگوٹ باندھ لے، پھر نماز پڑھے۔

(شرح) آگے آرہا ہے کہ وہ عورت فاطمہ بنت ابی حبیش تھی۔ اس کے لئے ام سلمہؓ، عائشہؓ، اسماءؓ اور خود اس نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا جیسا کہ ابھی آئے گا۔ کیونکہ زیادہ خون کے باعث وہ پریشان تھی۔ ایام حیض کے متعلق عورتوں کی عادت مختلف ہوتی رہتی ہے لہٰذا ایک مرتبہ کے حیض سے ہی ثابت نہیں ہو سکتی۔ حنفیہ کی روایات اس بارے میں مختلف ہیں اور یہ عورتوں کا معاملہ ہے وہی بہتر جانتی ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس حدیث کے لفظ الایام سے رازی حنفی (ابوبکر الجصاصؒ) نے استدلال کیا ہے کہ حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔ کیونکہ ایام جمع قلت کا صیغہ ہے جو کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ دس پر بولا جاتا ہے۔ کم کو یوم یا یومان کہا جاتا ہے اور دس سے اوپر کے لئے احد عشر الخ ہے۔

اس حدیث میں یہ دلیل موجود ہے کہ جس عورت کو استحاضہ کی عادت ہو اسے استحاضہ سے قبل والی حیض کی عادت کے لحاظ سے ایام حیض شمار کرنے ہوں گے۔ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہی ہے۔ شافعیؒ کے نزدیک تمیز خون کے رنگ سے ہوگی اگر وہ سیاہی مائل ہے تو حیض ہے ورنہ استحاضہ ہے، اور یہ بھی آگے ایک روایت میں آرہا ہے۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس عورت کو صرف ایک بار غسل کرنا ہوگا یعنی اختتام ایام حیض پر۔ اور وہ عادت معروفہ کے مطابق ایام حیض میں نماز کو ترک کرے گی۔

۲۷۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَيَزِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَا حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ أَنَّ رَجُلًا أَخْبَرَهُ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رض أَنَّ امْرَأَةً كَانَتْ تُهَرَاقُ الدَّمَ فَذَكَرَ بِمَعْنَاهُ، قَالَ فَإِذَا خَلَّفَتْ ذٰلِكَ وَحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْتَغْتَسِلْ بِمَعْنَاهُ۔

(ترجمہ) بعض الفاظ کے اختلاف کے ساتھ یہ حدیث بھی اوپر کی حدیث ہی کی مانند ہے اور آخر میں یہ لفظ ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا جب وہ عادت حیض کے دن گزر جائیں اور نماز کا وقت آجائے تو اسے غسل کرنا چاہیئے۔

(شرح) زرقانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث مالک اور ایوب نے بلا واسطہ بیان کی ہے یعنی سلیمان بن یسار اور ام سلمہؓ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں مگر صخر، لیث اور عبید اللہ نے ایک آدمی کا واسطہ بڑھایا ہے۔ نیز عبید اللہ سے بھی کبھی بالواسطہ اور کبھی بلا واسطہ آئی ہے۔ ابن العربی نے کہا ہے کہ ام سلمہؓ کی حدیث کو مالکؒ نے روایت کیا ہے مگر بخاری اور مسلم نے ترک کر دیا ہے کیونکہ اس میں ایک علت ہے جو ہمیں معلوم ہے۔ سلیمان بن یسار اور ام سلمہؓ کے درمیان جس شخص کا واسطہ ہے وہ مجہول ہے۔

۲۷۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا أَنَسٌ يَعْنِي ابْنَ عِيَاضٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ أَنَّ امْرَأَةً كَانَتْ تُهَرَاقُ الدَّمَ فَذَكَرَ مَعْنَى حَدِيثِ اللَّيْثِ قَالَ فَإِذَا خَلَّفَتْهُنَّ وَحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْتَغْتَسِلْ وَسَاقَ مَعْنَاهُ۔

(ترجمہ) یہ حدیث بھی باختلاف الفاظ لیث کی روایت کی طرح ہے۔ آخر میں ہے کہ جب وہ عورت حیض

والے دنوں کو گزار لے اور نماز کا وقت آجائے تو غسل کرے ۔
(شرح) ان احادیث کے آخری الفاظ سے شائد ابوداؤد یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ موجب غسل نماز کے وقت کا آنا ہے، تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ استحاضہ والی عورت ہر نماز کے لئے غسل کرے۔ اور یہ مالک کی حدیث میں صرف ایک بار غسل کا ثبوت ملتا ہے، ان روایتوں میں گو وضاحت سے نہیں مگر کہا جا سکتا ہے کہ اشارۃً ہر نماز کے لئے غسل کا ثبوت ملتا ہے ۔

۲۷۶- حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا صَخْرُ بْنُ جُوَيْرِيَةَ عَنْ نَافِعٍ بِإِسْنَادِ اللَّيْثِ وَمَعْنَاهُ، قَالَ فَلْتَتْرُكِ الصَّلٰوةَ قَدْرَ ذٰلِكَ ثُمَّ إِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْتَغْتَسِلْ وَلْتَسْتَذْفِرْ بِثَوْبٍ ثُمَّ تُصَلِّي۔

(ترجمہ) یہ حدیث بھی باختلاف الفاظ لیث کی روایت کی مانند ہے، اس کے آخر میں ہے کہ : وہ عورت حیض کے ایام کی مقدار میں نماز ترک کر دے پھر جب نماز کا وقت آئے تو غسل کرے اور کپڑے سے خوشبو استعمال کرے پھر نماز پڑھے۔
(شرح) بقول ابوداؤد اس حدیث کا راوی صخر بن جویریہ متکلم فیہ ہے جس کا باعث ابن معین نے یہ بتایا کہ اس کی کتاب گم ہو گئی تھی۔ مشہور لفظ اس حدیث میں لِتَسْتَثْفِرْ ہے جس کا معنی لکھا گیا۔ دوسری روایت ذ کے ساتھ لِتَسْتَذْفِرْ ہے۔ اس کا معنی ہے کہ خوشبو کا استعمال کرے تاکہ بدبو سے بچ سکے۔ یہ لفظ ذفر سے ماخوذ ہے جس کا معنی خوشبو اور بدبو دونوں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ خوشبو استعمال کرے اور بدبو کو دور کرے۔

۲۷۷- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ بِهٰذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ فِيهِ تَدَعُ الصَّلٰوةَ وَتَغْتَسِلُ فِيمَا سِوَى ذٰلِكَ وَتَسْتَذْفِرُ بِثَوْبٍ وَتُصَلِّي قَالَ أَبُو دَاوُدَ سَمَّى الْمَرْأَةَ الَّتِي كَانَتِ اسْتُحِيضَتْ حَمَّادُ ابْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ قَالَ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ ۔

(ترجمہ) اس روایت میں جو سلیمان بن یسار براہ راست ام سلمہؓ سے بیان کرتا ہے وہی گزشتہ قصہ مذکور ہے اور آخر میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا : وہ نماز چھوڑ دے یعنی حیض کے دنوں کو شمار کرکے، اور دوسرے دنوں میں غسل کرے اور خوشبو استعمال کرے اور نماز پڑھے۔ ابوداؤد نے حماد کے واسطے سے ایوب سے روایت کرکے اس عورت کا نام بتایا ہے جسے استحاضہ کی تکلیف تھی، اس کا نام فاطمہؓ بنت ابی حُبیش ہے
(شرح) اس روایت میں بھی غسل کا ذکر مبہم ہے جس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ ہر نماز کے لئے غسل کرے۔ بیہقی نے سنن ابوداؤد کی مانند سلیمان بن یسار کی روایات جو ام سلمہؓ سے آئی ہیں انہیں بیان کیا اور ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہؓ والی

حدیث بھی بیان کی۔ پھر کہا کہ فاطمہؓ بنت ابی حبیش کے واقعہ میں عائشہؓ کی حدیث صحیح تر ہے اور اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ جس عورت کے لئے حضرت ام سلمہؓ نے حضورؐ سے مسئلہ پوچھا تھا وہ کوئی اور تھی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اگر اس کا نام حدیث ام سلمہؓ میں صحیح طور پر لیا گیا تو اس کی دو حالتیں ہوں۔ ایک یہ کہ استحاضہ کی مدت میں وہ حیض اور استحاضہ کے خون میں امتیاز کر سکتی ہو تو اس کے لئے تو حضورؐ کا فتویٰ یہ تھا کہ جب حیض آئے تو نماز ترک کر دے اور جب دوسرا خون شروع ہو جائے تو نماز پڑھے۔ دوسری حالت یہ کہ وہ ان دو اقسام کے خون میں امتیاز نہ کر سکتی ہو، سو اس صورت میں فتویٰ یہ تھا کہ حیض کی عادت والے دنوں کی طرف رجوع کرے۔ مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ ابوداؤدؒ نے حضرت ام سلمہؓ کی حدیث کو کئی سندوں سے بیان کیا ہے۔ اس سے ان کی غرض یہ ہے کہ اس حدیث کی روایت میں واقع ہونے والے اختلاف کو ظاہر کیا جائے۔ اسی حدیث کو نافع اور ایوب نے سلیمان بن یسار سے روایت کیا ہے۔ پھر نافع کے شاگردوں میں اختلاف واقع ہو گیا۔ مالکؒ نے یہ روایت یوں بیان کی: عَنْ نَّافِعٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضـ۔ گویا سلیمان اور ام سلمہؓ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔ لیث نے یہ روایت یوں بیان کی کہ اس نے نافع سے روایت کی اور سلیمان بن یسار اور حضرت ام سلمہؓ کے درمیان ایک مجہول شخص کا واسطہ بیان کیا۔ عبیداللہ نے یہ حدیث نافع سے یوں روایت کی کہ: عَنْ سُلَيْمَانَ ابْنِ يَسَارٍ عَنْ رَّجُلٍ اور ام سلمہؓ کا ذکر نہیں کیا۔ ایوب کی روایت چونکہ مالک عن نافع کے موافق تھی، لہٰذا ابوداؤدؒ نے اسے لیث اور عبیداللہ کی روایت پر ترجیح دی ہے۔ یعنی ایوب کی روایت سے مالک کی روایت کو تقویت پہنچائی ہے۔ ان روایات میں چونکہ ام سلمہؓ سے مسئلہ پوچھنے والی عورت کا نام نہیں آیا تھا، گویہ ایک دوسری کو تقویت پہنچاتی ہیں لہٰذا ابوداؤد نے ایک اور سند بیان کر کے حماد بن زید سے اس عورت کا نام فاطمہؓ بنتِ ابی حُبیش روایت کیا ہے۔ دارقطنی نے ابوداؤد کی بیان کردہ سندوں سے یہ حدیث روایت کی ہے اور ان میں یہی نام آتا ہے۔

۲۷۸ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ عِرَاكٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ إِنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّمِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَرَأَيْتُ مِرْكَنَهَا مَلْآنَ دَمًا فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْكُثِي قَدْرَ مَا كَانَتْ تَحْبِسُكِ حَيْضَتُكِ ثُمَّ اغْتَسِلِي قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ قُتَيْبَةُ بَيْنَ أَضْعَافِ حَدِيثِ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ فِي آخِرِهَا وَرَوَاهُ عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ وَّ يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ اللَّيْثِ فَقَالَا جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ۔

(ترجمہ) حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ام حبیبہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خون کے متعلق دریافت کیا، عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اس کا ٹب خون سے پُر دیکھا، تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جتنے دن تیرا حیض تجھے روکتا تھا اتنی دیر تک ٹھیر جا پھر غسل کر۔

(شرح) اس حدیث کا ایک راوی جعفر ہے جو غیر منسوب ہے۔ ابو داؤد نے اس کی وضاحت کی ہے کہ یہ حدیث قتیبہ نے جعفر بن ربیعہ کی احادیث کے آخر میں درج کی ہے جس سے پتہ چلا کہ یہ جعفر بن ربیعہ ہے۔ پھر اس کی تائید مزید اس سے ہوئی کہ علی بن عیاش اور یونس بن محمد نے اس کا نام جعفر بن محمد بیان کیا ہے۔ یہ ام حبیبہؓ جس کا ذکر اس حدیث میں ہے یہ بنت جحش ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سالی تھیں (ام المومنین زینبؓ بنت جحش کی بہن) اور عبدالرحمٰنؓ ابن عوف کے نکاح میں تھیں۔ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق یہ خاتون سات سال تک مرض استحاضہ کا شکار رہیں۔ غالباً اس تکلیف کے ازالے کی خاطر وہ ٹب میں بیٹھتی تھیں اور اپنے اوپر پانی ڈالتی تھیں جس سے سارا پانی سرخ ہو جاتا تھا۔ اس رنگدار پانی کے بعد وہ صاف پانی سے غسل کرتی تھیں جیسا کہ امام نوویؒ نے تصریح کی ہے۔

۲۷۹۔ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ حَمَّادٍ اَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ اَبِي حَبِيبٍ عَنْ بُكَيْرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ الْمُنْذِرِ بْنِ الْمُغِيرَةِ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ اِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ اَبِي حُبَيْشٍ حَدَّثَتْهُ اَنَّهَا سَاَلَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَكَتْ اِلَيْهِ الدَّمَ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ فَانْظُرِي اِذَا اَتٰى قُرْؤُكِ فَلَا تُصَلِّي فَاِذَا مَرَّ قُرْؤُكِ فَتَطَهَّرِي ثُمَّ صَلِّي مَا بَيْنَ الْقُرْءِ اِلَى الْقُرْءِ۔

(ترجمہ) فاطمہؓ بنت ابی حبیش نے عروہ کو بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا اور خون کی شکایت کی تھی تو حضورؐ نے فرمایا تھا کہ (یہ حیض نہیں ہے) یہ کسی عرق (رگ، بیماری) کا خون ہے سو تم خیال رکھو جب تمہارے حیض کے دن آئیں تو نماز مت پڑھو اور جب وہ دن گزر جائیں تو پاک صاف ہو کر (غسل کر کے) حیض سے لیکر حیض کے درمیان نماز پڑھا کرو۔

(شرح) اس حدیث کی سند میں منذر بن مغیرہ نامی راوی کے متعلق ابو حاتم نے کہا ہے کہ وہ مجہول ہے مشہور نہیں لیکن ابن حبان نے اسے ثقات میں شامل کیا ہے۔ اس حدیث میں حنفیہ کے مسلک کی دو دلیلیں اور بھی ہیں ایک یہ کہ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ رگ سے نکلنے والا خون ہے حیض نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ خون نکلنے سے وضوء باطل ہو جاتا ہے۔ دوسری یہ کہ قرء کے لفظ سے مراد حیض ہے جیسا کہ اس حدیث میں صاف مذکور ہے کہ : اِذَا اَتٰى قُرْؤُكِ فَلَا تُصَلِّي۔

۲۸۰۔ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسٰى حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ سُهَيْلٍ يَعْنِي ابْنَ اَبِي صَالِحٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ حَدَّثَتْنِي فَاطِمَةُؓ بِنْتُ اَبِي حُبَيْشٍ اَنَّهَا اَمَرَتْ اَسْمَاءَ اَوْ اَسْمَاءُ حَدَّثَتْنِي اَنَّهَا اَمَرَتْهَا فَاطِمَةُ بِنْتُ اَبِي حُبَيْشٍ اَنْ تَسْاَلَ لَهَا

رسول الله صلى الله عليه وسلم فأمرها أن تقعد الأيام التي كانت تقعد ثم
تغتسل۔ قال أبو داود ورواه قتادة عن عروة بن الزبير عن زينب بنت أم سلمة
أن أم حبيبة بنت جحش استحيضت فأمرها النبي صلى الله عليه وسلم أن تدع
الصلوة أيام أقرائها ثم تغتسل وتصلي۔ قال أبو داود وزاد ابن عيينة في حديث
الزهري عن عمرة عن عائشة قالت إن أم حبيبة كانت تستحاض فسألت النبي
صلى الله عليه وسلم فأمرها أن تدع الصلوة أيام أقرائها قال أبو داود وهذا وهم
من ابن عيينة ليس هذا في حديث الحفاظ عن الزهري إلا ما ذكر سهيل بن أبي صالح
وقد روى الحميدي هذا الحديث عن ابن عيينة لم يذكر فيه تدع الصلوة
أيام أقرائها وروت قمير عن عائشة: المستحاضة تترك الصلوة أيام أقرائها
ثم تغتسل وقال عبد الرحمن بن القاسم عن أبيه أن النبي صلى الله عليه وسلم أمرها
أن تترك الصلوة قدر أقرائها وروى أبو بشر جعفر بن أبي وحشية عن عكرمة
عن النبي صلى الله عليه وسلم قال إن أم حبيبة بنت جحش استحيضت فذكر
مثله وروى شريك عن أبي اليقظان عن عدي بن ثابت عن أبيه عن جده عن النبي
صلى الله عليه وسلم المستحاضة تدع الصلوة أيام أقرائها ثم تغتسل وتصلي
وروى العلاء بن المسيب عن الحكم عن أبي جعفر قال إن سودة استحيضت
فأمرها النبي صلى الله عليه وسلم إذا مضت أيامها اغتسلت وصلت وروى
سعيد بن جبير عن علي وابن عباس المستحاضة تجلس أيام أقرائها وكذلك رواه
عمار مولى بني هاشم وطلق بن حبيب عن ابن عباس وكذلك رواه معقل الخثعمي
عن علي وروى الشعبي عن قمير امرأة مسروق عن عائشة قال أبو داود وهو قول
الحسن وسعيد بن المسيب وعطاء ومكحول وإبراهيم وسالم والقاسم أن

الْمُسْتَحَاضَةَ تَدَعُ الصَّلٰوةَ اَيَّامَ اَقْرَائِهَا قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ لَمْ يَسْمَعْ قَتَادَةُ مِنْ عُرْوَةَ شَيْئًا۔

(ترجمہ) عروہ بن زبیرؓ نے کہا کہ فاطمہ بنت ابی جبیش نے مجھے بتایا کہ اس نے (یعنی فاطمہ نے) اسماءؓ بنت عمیس سے کہا، یا عروہ نے کہا کہ مجھے اسماءؓ نے بتایا کہ فاطمہ بنت ابی جبیش نے اس کو (اسماء کو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے کو کہا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ جن دنوں میں وہ (بباعث حیض نماز سے فارغ) بیٹھا کرتی تھی ان میں اب بھی انہی دنوں میں بیٹھے پھر غسل کرے۔ ابوداؤد نے کہا کہ اس حدیث کو قتادہ نے عروہ بن زبیر کے واسطے سے روایت کیا، اس نے ام سلمہؓ کی بیٹی زینب سے روایت کیا کہ اُمّ حبیبہ بنت جحش کو استحاضہ ہوا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے حیض کے دنوں میں نماز چھوڑنے اور پھر غسل کرکے نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ ابوداؤد نے کہا کہ ابن عیینہ نے زہری کی حدیث میں یہ اضافہ کیا: عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ رض۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ امّ حبیبہؓ کو استحاضہ آتا تھا پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ حیض کے دنوں میں نماز چھوڑ دے۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ ابن عیینہ کا وہم ہے۔ زہری سے روایت کرنے والے حفاظ کی حدیث میں یہ اضافہ نہیں ہے، بلکہ وہی کچھ ہے جو سہل بن صالح نے بیان کیا۔ اور حمیدی نے یہ حدیث ابن عیینہ سے روایت کی ہے مگر اس میں یہ نہیں بیان کیا کہ، وہ حیض کے دنوں میں نماز چھوڑ دے۔ اور قمیر بنت عمرو، مسروق کی بیوی، نے عائشہؓ سے روایت کی کہ مستحاضہ حیض کے دنوں میں نماز چھوڑ دے پھر غسل کرے۔ عبدالرحمٰن بن القاسم نے اپنے باپ سے روایت کرکے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ حیض کے دنوں کی مقدار نماز ترک کر دے۔ اور ابوبشر جعفر بن ابی وحشیہ نے عکرمہ سے، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (مرسلاً) روایت کی، اس نے کہا کہ امّ حبیبہؓ بنت جحش کو استحاضہ ہوا، پھر اسی طرح بیان کیا۔ اور شریک نے اَبُوالْيَقْظَانِ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ روایت کی کہ مستحاضہ حیض کے ایام میں نماز ترک کرے پھر غسل کرکے نماز پڑھے۔ اور علاء ابن مسیب نے عَنِ الْحَكَمِ عَنْ اَبِيْ جَعْفَرٍ روایت کی کہ سودہؓ کو استحاضہ ہوا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ جب اس کے ایام گزر جائیں تو غسل کرکے نماز پڑھے۔ اور سعیدؓ بن جبیر نے علیؓ اور ابن عباسؓ سے روایت کی کہ مستحاضہ اپنے حیض کے دنوں میں نماز سے فارغ بیٹھے۔ اسی طرح عمارؓ اور طلق نے بھی ابن عباسؓ سے روایت کی ہے اور اسی طرح معقل نے علیؓ سے روایت کی اور اسی طرح شعبی نے قمیر —— مسروق کی بیوی —— سے اس نے عائشہؓ سے روایت کی۔ ابوداؤد نے کہا کہ حسن، سعید بن مسیب، عطاء، مکحول، ابراہیم، سالم اور قاسم کا بھی یہی قول ہے کہ مستحاضہ اپنے حیض کے دنوں میں نماز چھوڑ دے۔ ابوداؤد نے کہا کہ قتادہ نے عروہ سے کچھ نہیں سُنا۔

(شرح) امام بیہقی نے کہا ہے کہ عروہ بن زبیر کی روایت میں فاطمہ بنت ابی جبیش کہا گیا ہے، یہ نام سہیل کے وہم کی وجہ سے ہے۔ عروہ کی روایت جو حضرت عائشہؓ سے ہے وہ زیادہ صحیح ہے اور اس میں امّ حبیبہؓ بنت ابی جبیش ہے عام روایات میں یہی نام ہے۔ ان تمام روایات میں جو ابوداؤد نے جمع کی ہیں حیض کے لئے قرء یا اقراء یا ایام اقرائہا کا لفظ وارد ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کے لفظ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ سے مراد تین حیض ہیں نہ کہ تین طہر۔ پھر ان روایات میں سے بعض میں امّ حبیبہؓ بنت جحش کا لفظ بھی آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر چار خواتین

کا ذکر ہے جنہیں یہ قصہ پیش آیا تھا: ام حبیبہؓ بنت جحش، ام حبیبہؓ بنت ابی حبیش، فاطمہؓ بنت ابی حبیش، سودہؓ (بنت زمعہ ام المومنین)۔ مولانا سہارنپوریؒ نے قول ابی داؤد پر بحث کرتے ہوئے فاطمہؓ بنت قیس کا نام لیا ہے جو سہیل کی روایت میں فاطمہؓ بنت ابی حبیش کی نسبت سے مذکور ہے، گویا جحش کی کنیت ابوحبیش ہے اور یہ فاطمہؓ ایک ہی شخصیت ہے جو بنت قیس بھی ہے اور بنت ابی حبیش بھی ہے۔

ابوداؤدؒ نے جن بہت سی روایات کو بیان کیا ہے یہ سب ضعیف ہیں۔ قمیر کی روایت موقوف ہے، عبدالرحمن بن القاسم اور ابوبشر اور علاء بن المسیب کی روایت مرسل ہے۔ شریک کی روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کا راوی ابوالیقظان ضعیف ہے۔ پس سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابوداؤدؒ نے اس بات پر کیسے استدلال کیا ہے کہ مستحاضہ اپنی عادت کے ایام حیض میں نماز نہ پڑھے اور اس کے بعد غسل کر کے نماز پڑھے۔ اس کا جواب مولانا سہارنپوریؒ نے یہ دیا ہے کہ ان روایات کے مجموعے سے صحیح احادیث کے اسی مضمون کو قوت ملتی ہے، گو صحاح ان کی محتاج نہیں ہیں۔

آخر میں ابوداؤدؒ نے بعض صحابہؓ اور تابعین کے فتاویٰ بھی نقل کئے ہیں۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں اس سے زیادہ تعداد کے فتاویٰ منقول ہیں۔ ان کے ذکر سے بھی ابوداؤدؒ کی مراد اصل مسئلہ کا مزید اثبات اور تقویت ہے۔ ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ گزشتہ سب احادیث و آثار میں مستحاضہ کے لئے ایام حیض گزرنے پر ایک ہی بار غسل کرنے کا حکم ہے، ہر روز یا ہر نماز کے لئے غسل کرنے کا حکم ان میں سے کسی میں نہیں آیا۔

۱۱۰۔ بَابُ إِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ تَدَعُ الصَّلٰوةَ

باب۔ جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دے

۲۸۱۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ جَاءَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنِّي امْرَأَةٌ أُسْتَحَاضُ فَلَا أَطْهُرُ أَفَأَدَعُ الصَّلٰوةَ قَالَ إِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلٰوةَ فَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ ثُمَّ صَلِّي۔

(ترجمہ) عائشہؓ نے فرمایا کہ فاطمہؓ بنت ابی حبیش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا کہ میں ایک ایسی عورت ہوں جسے استحاضہ آتا ہے اور پاک نہیں ہوتی۔ کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ آپؐ نے فرمایا کہ یہ تو ایک رگ کا خون ہے اور استحاضہ نہیں ہے۔ پس جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دے اور جب وہ دن گزر جائیں تو اپنے آپ سے خون دھو ڈال پھر نماز پڑھ

(شرح) اوپر گزر چکا ہے کہ فاطمہؓ بنت ابی حبیش اور ام حبیبہؓ بنت ابی حبیش ایک ہی شخصیت تھی۔ گزشتہ

احادیث میں کہیں تو یہ آیا ہے کہ اس نے حضرت ام سلمہؓ کے واسطے سے سوال کیا تھا اور کہیں یہ کہ اسماءؓ بنت عمیس کے ذریعے سے دریافت کرایا تھا۔ اس حدیث میں ہے کہ وہ خود آئی اور خود حضورؐ سے سوال کیا تھا۔ دراصل تینوں باتیں درست ہیں، کبھی تو کسی سے اور کبھی کسی سے سوال کرایا اور کبھی خود پوچھا، معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیچاری خاصی پریشان تھی اس لئے بار بار سوال کی نوبت آئی۔

۲۸۲۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامٍ بِإِسْنَادِ زُهَيْرٍ وَمَعْنَاهُ وَقَالَ فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَاتْرُكِي الصَّلٰوةَ فَإِذَا ذَهَبَ قَدْرُهَا فَاغْسِلِي الدَّمَ عَنْكِ وَصَلِّي۔

(ترجمہ) یہ حدیث دوسری سند سے ہے مگر زہیر سے اوپر سند بھی وہی ہے اور معنی بھی وہی جو گذشتہ حدیث کا ہے اور اس میں حضورؐ کا یہ قول مروی ہے کہ، جب حیض آئے تو نماز ترک کردے اور جب اس کی مقدار (یعنی اس کی گنتی کے مطابق دن) چلی جائے تو خون صاف کردے (غسل کرلے) اور نماز پڑھ۔

۱۱۱۔ بَابُ مَنْ قَالَ إِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ تَدَعُ الصَّلٰوةَ

باب، جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دے

۲۸۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَقِيلٍ عَنْ بُهَيَّةَ قَالَتْ سَمِعْتُ امْرَأَةً تَسْأَلُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنِ امْرَأَةٍ فَسَدَ حَيْضُهَا فَأُهْرِيقَتْ دَمًا فَأَمَرَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ آمُرَهَا فَلْتَنْظُرْ قَدْرَ مَا كَانَتْ تَحِيضُ فِي كُلِّ شَهْرٍ وَحَيْضُهَا مُسْتَقِيمٌ فَلْتَعْتَدَّ بِقَدْرِ ذٰلِكَ مِنَ الْأَيَّامِ ثُمَّ لِتَدَعِ الصَّلٰوةَ فِيهِنَّ أَوْ بِقَدْرِهِنَّ ثُمَّ لِتَغْتَسِلْ ثُمَّ لِتَسْتَثْفِرْ بِثَوْبٍ ثُمَّ تُصَلِّي۔

(ترجمہ) بُہیّہ نے کہا کہ میں نے ایک عورت کو حضرت عائشہؓ سے پوچھتے سُنا کہ جس عورت کا حیض فاسد ہو جائے اور لگاتار خون آئے وہ کیا کرے؟ عائشہؓ نے فرمایا کہ (میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو) مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اسے حکم دوں کہ جب اس کا حیض ٹھیک طریقے سے آتا تھا اسے اس وقت کی حالت پر غور کر کے ہر مہینے کے دنوں کی مقدار دیکھنی چاہیئے اور ان دنوں کی مقدار کو حیض شمار کر کے نماز ترک کرنی چاہیئے، پھر اس کے بعد غسل کرنا چاہیئے اور کسی کپڑے سے خوشبو لگانی چاہیئے پھر وہ نماز پڑھے۔

(شرح) یہ حدیث بدیں سبب ضعیف ہے کہ ابوعقیل ائمہ جرح وتعدیل مثلاً ابن معین، ابن المدینی، ابوحاتم، نسائی کے نزدیک ضعیف اور ناقابل احتجاج ہے اور پھر جس بُہیّہ سے یہ روایت کرتا ہے وہ بھی مجہول راویہ ہے، علاوہ ازیں یہ روایت باب کے عنوان سے مناسبت نہیں رکھتی بلکہ بقول مولانا سہارنپوریؒ اسے اوپر کے باب میں درج ہونا تھا

٢٨٤ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَقِيلٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمِصْرِيَّانِ قَالَا أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ وَعَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ خَتَنَةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَحْتَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ اسْتُحِيضَتْ سَبْعَ سِنِينَ فَاسْتَفْتَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هَذِهِ لَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ وَلَكِنْ هَذَا عِرْقٌ فَاغْتَسِلِي وَصَلِّي قَالَ أَبُو دَاوُدَ زَادَ الْأَوْزَاعِيُّ فِي هَذَا الْحَدِيثِ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ وَعَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اسْتُحِيضَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ بِنْتُ جَحْشٍ وَهِيَ تَحْتَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ سَبْعَ سِنِينَ فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلَاةَ فَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْتَسِلِي وَصَلِّي قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَلَمْ يَذْكُرْ هَذَا الْكَلَامَ أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِ الزُّهْرِيِّ غَيْرُ الْأَوْزَاعِيِّ وَرَوَاهُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ وَاللَّيْثُ وَيُونُسُ وَابْنُ أَبِي ذِئْبٍ وَمَعْمَرٌ وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ وَسُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيرٍ وَابْنُ إِسْحَاقَ وَسُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ وَلَمْ يَذْكُرُوا هَذَا الْكَلَامَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَإِنَّمَا هَذَا لَفْظُ حَدِيثِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَزَادَ ابْنُ عُيَيْنَةَ فِيهِ أَيْضًا أَمَرَهَا أَنْ تَدَعَ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا وَهُوَ وَهْمٌ مِنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ وَحَدِيثُ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ الزُّهْرِيِّ فِيهِ شَيْءٌ يَقْرُبُ مِنَ الَّذِي زَادَ الْأَوْزَاعِيُّ فِي حَدِيثِهِ -

(ترجمہ) عائشہؓ نے فرمایا کہ ام حبیبہؓ بنت جحش جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سالی اور عبدالرحمن بن عوفؓ کی بیوی تھی اسے سات سال تک استحاضہ کی بیماری رہی سو اس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا کہ یہ حیض نہیں بلکہ یہ ایک رگ سے جاری ہونے والا خون ہے، سو تو غسل کر اور نماز پڑھ۔

(شرح) گزشتہ احادیث کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ حدیث مختصر ہو گئی ہے۔ امام ابوداؤد نے اس کی روایات پر کلام کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اوزاعی نے اس حدیث کی جب زہری سے روایت کی تو حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا کہ: جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دے اور جب حیض (یعنی اس کے دن) گزر جائے تو غسل کر اور نماز پڑھ۔ ابوداؤد نے اس حدیث کی زہری سے روایت کرنے والوں کی تعداد اوزاعی کے علاوہ نو بتائی ہے اور نام لئے ہیں اور بتایا ہے کہ ان میں سے کسی نے اوزاعی

والا اضافہ روایت نہیں کیا۔ پھر کہا ہے کہ یہ کلام ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہؓ والی حدیث میں آیا ہے۔ پھر بتایا ہے کہ سفیان بن عیینہ نے اس دوسری یعنی ہشام والی حدیث میں ایک اضافہ نقل کیا ہے جو اس حدیث کا حصہ نہیں لہٰذا ابن عیینہ کا وہم ہے، وہ اضافہ یہ ہے: حضورؐ نے اسے حکم دیا کہ "اپنے حیض کے دنوں میں نماز نہ پڑھے" پھر ابوداؤد نے بتایا ہے کہ اگلی حدیث جسے محمد بن عمرو، زہری سے روایت کرتا ہے اس میں تقریباً وہ اضافہ موجود ہے جو اوزاعی نے روایت کیا ہے۔ ابن عیینہ کے وہم والا اضافہ ابوداؤد اس سے پہلے بھی ایک حدیث میں بیان کر چکے ہیں جو اوپر گزری ہے، یہاں اس کا اعادہ بے سبب نظر آتا ہے۔

۲۸۵- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِیْ عَدِیٍّ عَنْ مُحَمَّدٍ یَعْنِی ابْنَ عَمْرٍو قَالَ حَدَّثَنِی ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَیْرِ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ اَبِیْ حُبَیْشٍ قَالَ اِنَّهَا كَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَقَالَ لَهَا النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ دَمُ الْحَیْضَةِ فَاِنَّهٗ دَمٌ اَسْوَدُ یُعْرَفُ فَاِذَا كَانَ ذٰلِكِ فَاَمْسِكِیْ عَنِ الصَّلٰوةِ فَاِذَا كَانَ الْاٰخَرُ فَتَوَضَّئِیْ وَصَلِّیْ فَاِنَّمَا هُوَ عِرْقٌ قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ قَالَ ابْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا بِهٖ ابْنُ اَبِیْ عَدِیٍّ مِّنْ كِتَابِهٖ هٰكَذَا ثُمَّ حَدَّثَنَا بِهٖ بَعْدُ حِفْظًا قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ فَاطِمَةَ كَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَذَكَرَ مَعْنَاهُ قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ وَرَوٰی اَنَسُ بْنُ سِیْرِیْنَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِی الْمُسْتَحَاضَةِ قَالَ اِذَا رَاَتِ الدَّمَ الْبَحْرَانِیَّ فَلَا تُصَلِّیْ وَاِذَا رَاَتِ الطُّهْرَ وَلَوْ سَاعَةً فَلْتَغْتَسِلْ وَتُصَلِّیْ وَقَالَ مَكْحُوْلٌ اِنَّ النِّسَآءَ لَا تَخْفٰی عَلَیْهِنَّ الْحَیْضَةُ اِنَّ دَمَهَا اَسْوَدُ غَلِیْظٌ فَاِذَا ذَهَبَ ذٰلِكَ وَصَارَتْ صُفْرَةً رَقِیْقَةً فَاِنَّهَا مُسْتَحَاضَةٌ فَلْتَغْتَسِلْ وَلْتُصَلِّ قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ وَرَوٰی حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَكِیْمٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ فِی الْمُسْتَحَاضَةِ اِذَا اَقْبَلَتِ الْحَیْضَةُ تَرَكَتِ الصَّلٰوةَ وَاِذَا اَدْبَرَتْ اغْتَسَلَتْ وَصَلَّتْ وَرَوٰی سُمَیٌّ وَغَیْرُهٗ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ تَجْلِسُ اَیَّامَ اَقْرَائِهَا وَكَذٰلِكَ رَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ وَرَوٰی یُوْنُسُ عَنِ الْحَسَنِ الْحَائِضُ اِذَا مَدَّ بِهَا الدَّمُ تُمْسِكُ بَعْدَ حَیْضَتِهَا یَوْمًا اَوْ یَوْمَیْنِ

فَهِيَ مُسْتَحَاضَةٌ وَقَالَ التَّيْمِيُّ عَنْ قَتَادَةَ إِذَا زَادَ عَلَى أَيَّامِ حَيْضِهَا خَمْسَةُ أَيَّامٍ فَلْتُصَلِّ قَالَ التَّيْمِيُّ فَجَعَلْتُ أَنْقُصُ حَتَّى بَلَغْتُ يَوْمَيْنِ فَقَالَ إِذَا كَانَ يَوْمَيْنِ فَهُوَ مِنْ حَيْضِهَا وَسُئِلَ ابْنُ سِيرِينَ عَنْهُ فَقَالَ النِّسَاءُ أَعْلَمُ بِذَلِكَ۔

(ترجمہ) عروہؓ بن زبیر نے کہا کہ فاطمہ بنت ابی حبیش کو استحاضہ آتا تھا، اور یہ روایت عروہ نے فاطمہؓ سے کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ جب حیض کا خون ہو تو وہ سیاہ رنگ کا ہوتا ہے جو پہچانا جاتا ہے۔ جب وہ آئے تو نماز نہ پڑھا اور جب دوسرا خون (استحاضہ) آئے تو وضو کرا ور نماز پڑھ کیونکہ وہ ایک رگ کا خون ہے۔ ابوداؤد نے کہا ہے کہ بقول ابن المثنیٰ ایک دفعہ تو ابن ابی عدی نے یہ روایت اپنی کتاب سے سنائی اور پھر حفظ سے ان الفاظ سے نہیں بلکہ اسی معنی کی روایت کی۔ پھر ابوداؤد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول روایت کیا کہ مستحاضہ جب نہایت سرخ خون دیکھے تو نماز نہ پڑھے اور جب ایک گھڑی بھر کا بھی طہر دیکھے تو غسل کرے اور نماز پڑھے۔ مکحول نے کہا کہ حیض کا خون عورتوں پر پوشیدہ نہیں رہتا کہ وہ گاڑھا سیاہ خون ہے، جب یہ جاتا رہے اور پتلا زرد ہو جائے تو وہ عورت مستحاضہ ہے سو وہ غسل کرے اور نماز پڑھے۔ اور سعید بن المسیب سے دوسری روایت یہ ہے کہ وہ عورت اپنے حیض کے دنوں میں نماز کے بغیر بیٹھے اور سعید سے تیسری روایت بھی یہی ہے۔ پھر حسن بصریؒ کی روایت نقل کی کہ حیض والی کا خون جب جاری رہے تو ایک دو دن نماز نہ پڑھے پھر وہ مستحاضہ شمار ہو گی۔ سلیمان تیمی نے قتادہ کا قول نقل کیا کہ جب اس کے حیض کے ایام پر پانچ دن زائد ہو جائیں تو وہ نماز پڑھے۔ تیمی نے کہا کہ میں دن گھٹاتا رہا مثلاً چار، تین حتیٰ کہ دو تک جا پہنچا تو قتادہ نے کہا کہ دو دن اوپر ہو جائیں تو وہ حیض کے ہیں۔ ابن سیرین سے اس بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے کہا کہ اس معاملے کو عورتیں زیادہ جانتی ہیں۔

(شرح) شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کاندھلوی نے فرمایا کہ بظاہر اوپر کی حدیث کے آخر میں محمد بن عمرو کی جس حدیث کا حوالہ ابوداؤد نے دیا ہے وہ یہ نہیں ہے جسے یہاں روایت کیا ہے۔ گو ابوداؤد نے یہی حدیث مراد لی ہے۔ اوزاعی کی حدیث میں حیض کے اقبال و ادبار کا ذکر ہے اور اس حدیث میں رنگ کا بیان ہے لیکن یعنی اس حدیث اوزاعی کے قریب اس طرح بنتا ہے کہ حیض کے ابتدائی دنوں میں اس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اور آخر میں یہ رنگ نہیں رہتا اور جب عادت کے دن گزر جائیں تو وہ بالکل پاکی پانی کی مانند ہو جاتا ہے۔ ابن ابی عدی کی روایت جو کتاب سے تھی وہ فاطمہؓ بنت ابی حبیش سے ہے اور جو زبانی سنائی وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ہے۔ مسند احمد میں یہ حدیث مرسل آئی ہے عروہ وہاں فاطمہؓ سے یا جناب عائشہؓ سے روایت نہیں کرتا۔ امام احمد نے کہا کہ ابن ابی عدی کی زبانی روایت میں حضرت عائشہؓ کا ذکر ہے مگر بعد میں اس نے یہ ذکر چھوڑ دیا اور زبانی روایت کو بھی مرسل کر دیا۔

۲۸۶۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَغَيْرُهُ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ طَلْحَةَ عَنْ عَمِّهِ عِمْرَانَ بْنِ طَلْحَةَ عَنْ أُمِّهِ حَمْنَةَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَتْ كُنْتُ أُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيرَةً شَدِيدَةً فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْتَفْتِيهِ وَأُخْبِرُهُ فَوَجَدْتُهُ فِي بَيْتِ أُخْتِي زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَقُلْتُ يَا

رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي امْرَأَةٌ أُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيرَةً شَدِيدَةً فَمَا تَرَى فِيهَا قَدْ مَنَعَتْنِي مِنَ الصَّلٰوةِ وَالصَّوْمِ فَقَالَ أَنْعَتُ لَكِ الْكُرْسُفَ فَإِنَّهُ يُذْهِبُ الدَّمَ. قَالَتْ هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ، قَالَ فَتَلَجَّمِي، قَالَتْ هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ فَاتَّخِذِي ثَوْبًا، فَقَالَتْ هُوَ أَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ إِنَّمَا أَثُجُّ ثَجًّا. قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَآمُرُكِ بِأَمْرَيْنِ بِأَيِّهِمَا فَعَلْتِ أَجْزَأَ عَنْكِ مِنَ الْآخَرِ فَإِنْ قَوِيتِ عَلَيْهِمَا فَأَنْتِ أَعْلَمُ. قَالَ لَهَا إِنَّمَا هٰذِهِ رَكْضَةٌ مِنْ رَكَضَاتِ الشَّيْطٰنِ فَتَحَيَّضِي سِتَّةَ أَيَّامٍ أَوْ سَبْعَةَ أَيَّامٍ فِي عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى ذِكْرُهُ ثُمَّ اغْتَسِلِي حَتّٰى إِذَا رَأَيْتِ أَنَّكِ قَدْ طَهُرْتِ وَاسْتَنْقَأْتِ فَصَلِّي ثَلَاثًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً أَوْ أَرْبَعًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً وَأَيَّامَهَا وَصُومِي فَإِنَّ ذٰلِكِ يُجْزِئُكِ وَكَذٰلِكِ فَافْعَلِي فِي كُلِّ شَهْرٍ كَمَا تَحِيضُ النِّسَاءُ وَكَمَا يَطْهُرْنَ مِيقَاتَ حَيْضِهِنَّ وَطُهْرِهِنَّ، فَإِنْ قَوِيتِ عَلَى أَنْ تُؤَخِّرِي الظُّهْرَ وَتُعَجِّلِي الْعَصْرَ فَتَغْتَسِلِينَ وَتَجْمَعِينَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَتُؤَخِّرِينَ الْمَغْرِبَ وَتُعَجِّلِينَ الْعِشَاءَ ثُمَّ تَغْتَسِلِينَ وَتَجْمَعِينَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فَافْعَلِي وَتَغْتَسِلِينَ مَعَ الْفَجْرِ فَافْعَلِي وَصُومِي إِنْ قَدَرْتِ عَلَى ذٰلِكَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا أَعْجَبُ الْأَمْرَيْنِ إِلَيَّ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ عَمْرُو بْنُ ثَابِتٍ عَنِ ابْنِ عَقِيلٍ فَقَالَ قَالَتْ حَمْنَةُ رضی هٰذَا أَعْجَبُ الْأَمْرَيْنِ إِلَيَّ، لَمْ يَجْعَلْهُ قَوْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعَلَهُ كَلَامَ حَمْنَةَ رضی. قَالَ أَبُو دَاوُدَ كَانَ عَمْرُو بْنُ ثَابِتٍ رَافِضِيًّا وَذَكَرَهُ عَنْ يَحْيَى بْنِ مَعِينٍ

(ترجمہ) حمنہؓ بنتِ جحش نے کہا کہ مجھے بہت سخت قسم کا استحاضہ تھا، پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھنے اور اپنی حالت بتانے حاضر ہوئی۔ پس میں نے آپؐ کو اپنی بہن زینبؓ بنت جحش کے گھر میں پایا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ایک ایسی عورت ہوں کہ جسے شدید قسم کا بہت زیادہ استحاضہ ہے، آپؐ اس میں کیا فرماتے ہیں؟ مجھے تو اس نے نماز اور روزے سے بھی روک دیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں تمہیں روئی بتاتا ہوں کیونکہ وہ خون کو جذب کر لیتی ہے۔ میں نے کہا کہ وہ اس سے زیادہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ پھر تو لنگوٹ باندھ لے۔ حمنہؓ نے کہا کہ وہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ پھر کپڑا استعمال کر۔ حمنہؓ نے کہا کہ وہ تو اس سے بھی زیادہ ہے۔ وہ تو یک لخت کثیر مقدار میں بہتا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تجھے دو کاموں کا حکم دیتا ہوں ان میں سے تو جو بھی کرلیگی دوسرے کی ضرورت نہ رہے گی۔ اور اگر تجھے ان دونوں کی قوت ہے تو پھر تو جان۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ شیطان کی چوٹوں میں سے ایک چوٹ ہے۔ تو اللہ کے علم کے مطابق چھ دن یا سات دن (جو بھی تیری عادت تھی) اپنے

خون کو حیض شمار کرے۔ پھر غسل کر حتیٰ کہ جب تو دیکھے کہ تو پاک صاف ہوگئی ہے تو تو تیئیس دن رات یا چوبیس دن رات نماز پڑھ اور روزہ رکھ، یہ تیرے لئے کافی ہے تو ہر ماہ اسی طرح کر جس طرح کہ عورتیں حیض سے ہوتی ہیں اور پاک ہوتی ہیں، انہیں اپنے حیض اور طہر کا وقت معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر تجھے اس کی طاقت ہے کہ ظہر کو مؤخر کردے اور عصر کو جلدی ادا کرے، تو غسل کر اور ان دو نمازوں کو جمع کرلے اگر ایسا کرسکے تو کرلے اور مغرب کو مؤخر کر اور عشاء کو جلدی ادا کرلے تو غسل کر اور ان دونوں نمازوں کو جمع کرلے، اگر ایسا کرسکے تو کرلے، اور فجر کے لئے غسل کرسکتی ہے تو کر، اور اگر روزہ رکھنے کی قوت ہے تو روزہ رکھ لے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں کاموں میں سے مجھے یہ پسندیدہ تر ہے، ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث کو عمرو بن ثابت نے ابن عقیل سے روایت کیا تو کہا کہ: حمنہ رضؓ نے کہا یہ مجھے دونوں کاموں میں سے پسندیدہ تر ہے۔ اس راوی نے اسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قول قرار نہیں دیا بلکہ حمنہ رضؓ کا قول بتایا ہے۔ ابو داؤد نے کہا کہ عمرو بن ثابت رافضی تھا اور یہ جرح ابو داؤد نے یحییٰ بن معین سے نقل کی۔

(شرح) اس حدیث کی سند میں زہیر بن حرب کے ساتھ دوسرا کون ہے جس کے لئے ابو داؤد نے غیرہٗ کا لفظ بولا ہے؟ اس کا یہاں کچھ پتہ نہیں چلتا، مگر زہیر بن حرب ثقہ راوی ہے اس لئے حدیث پر اثر نہیں پڑتا۔ عبدالملک کے استاد زہیر بن محمد پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ بخاری نے کہا کہ اس سے بصری روایت کریں تو ٹھیک ہے مگر اس سے شامیوں کی روایات منکر ہیں۔ معاویہ بن یحییٰ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ ابو حاتم نے کہا کہ اس کے حافظے میں نقص تھا لہٰذا بہت سی غلط چیزیں اس کی روایات میں شامل ہیں۔ نسائی نے کہا کہ وہ ضعیف اور غیر قوی ہے۔ ابن حبان نے کہا کہ وہ ثقہ ہے مگر خطا کرتا اور ثقات کے خلاف روایت کرتا ہے۔

جس عورت کو ابتداء سے ہی حیض کے ساتھ استحاضہ شروع ہو جائے اسے حدیث و فقہ کی اصطلاح میں مبتدئہ اور جس کی حیض میں کوئی پختہ عادت نہ ہونے کے باعث حیرانی ہو اور استحاضہ کو حیض سے ممیز نہ کرسکے اسے متحیرہ کہا جاتا ہے۔ شارحین میں سے بعض نے اسے متحیرہ اور بعض نے مبتدئہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ حضورؐ نے اسے عورتوں کی عام عادت (چھ یا سات دن) کی طرف لوٹا کر حیرت دور فرمائی تھی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ وہ پہلے معتادہ (یعنی ایک عادت پر پختہ) تھی، حضورؐ نے اتنے دن حیض شمار کرنے کا حکم دیا اور باقی کو استحاضہ ٹھیرایا تھا۔ امام شافعیؒ نے اسکے معتادہ ہونے کو ترجیح دی ہے۔ امام الحرمین اور خطابی وغیرہ نے مبتدئہ ہونے کو ترجیح دی ہے مگر حنفی فقہاء نے اسے متحیرہ ٹھیرایا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون کے استحاضہ کی شدت کو شیطان کا رکضہ (چوٹ) فرمایا کیونکہ اس کے باعث شیطان نے اس کی پاکی پلیدی اور نماز روزے میں گڑبڑ پیدا کردی تھی۔ تھا تو وہ درحقیقت اللہ کی طرف سے مگر نتیجہ کے لحاظ شیطان کی دخل اندازی کا ذریعہ بن گیا تھا لہٰذا اسے شیطان کا رکضہ فرمایا گیا۔ اس قسم کے افعال کو شیطان کی طرف منسوب کرنا ایک شرعی محاورہ ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھ یا سات دن حیض شمار کرنے کا حکم دیا کیونکہ اکثر عورتوں کی یہی عادت ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنی عادت کو بھول چکی تھی تو ان دو اعداد میں سے جس کی طرف ظن غالب ہو اسے اختیار کرلے، یا ممکن ہے اسے اس طرح یاد ہی آگیا ہو کہ اس کی عادت کیا تھی۔ اور اگر پختہ کوئی عادت نہ تھی تو ان میں سے کسی کو اختیار کرلے تاکہ حیرت دور ہو جائے۔

اس حدیث میں جمع بین الصلاتین کی جو صورت واضح طور پر بتائی گئی ہے وہ حنفیہ کے مذہب کے مطابق جمع صوری ہے کہ ایک کو آخری وقت میں اور دوسری کو اول وقت میں پڑھا جائے۔ حنفیہ کے نزدیک سفر میں بھی بعض اوقات جو جمع کی ترکیب آئی ہے وہ اسی طور پر ہے۔ جمع حقیقی صرف حج کے موقع پر ہوتی ہے یا کسی واقعی شرعی مجبوری کے باعث، مثلاً

جنگ بالفعل شروع ہوا و صلاۃ الخوف کا موقع بھی نہ ملا ہو، وغیرہ۔

معلوم رہنا چاہیئے کہ حیض کے بارے میں ہر عورت کی اپنی اپنی عادت ہوتی ہے جو بعض دفعہ کم و بیش بھی ہوتی رہتی ہے۔ فرض کیجئے کہ کسی عورت کی عادت ۸ - ۹ یا دس دن کی تھی اور اسے استحاضہ شروع ہو گیا تو وہ حیض کو اپنی عادت کے مطابق شمار کرے گی۔ گو اکثر و بیشتر ۶ یا ۷ دن کی عادت ہوتی ہے۔

عمرو بن ثابت پر ابو داؤد نے جو جرح نقل کی ہے دوسرے ائمۂ جرح و تعدیل مثلاً نسائی، ابن حبان، بخاری، ابن المبارک ابو زرعہ، عجلی اور بزاز نے اس سے بھی شدید تر جرح کی ہے۔

۱۱۲ - بَابُ مَا رُوِيَ أَنَّ الْمُسْتَحَاضَةَ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ

ان روایات کا باب کہ مستحاضہ ہر نماز کے لئے غسل کرے

۲۸۷ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَقِيلٍ وَّ مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ وَعَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ إِنَّ أُمَّ حَبِيْبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ خَتَنَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَحْتَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أُسْتُحِيْضَتْ سَبْعَ سِنِيْنَ فَاسْتَفْتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذٰلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هٰذِهٖ لَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ وَلٰكِنْ هٰذَا عِرْقٌ فَاغْتَسِلِيْ وَصَلِّيْ قَالَتْ عَائِشَةُ فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ فِيْ مِرْكَنٍ فِيْ حُجْرَةِ أُخْتِهَا زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ حَتّٰى تَعْلُوَ حُمْرَةُ الدَّمِ الْمَاءَ۔

(ترجمہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اُمّ حبیبہ بنت جحش جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی اور عبد الرحمٰن بن عوف کی بیوی تھی، سات سال استحاضہ میں مبتلا رہی پس اس نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ حیض نہیں بلکہ ایک رگ کا خون ہے، سو تو غسل کر اور نماز پڑھ۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ وہ اپنی بہن زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کے حجرے میں ایک ٹب میں غسل کرتی تھی تو خون کی سرخی پانی پر نمایاں ہو جاتی تھی۔

(شرح) علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مستحاضہ پر صرف ایک دفعہ اس کے حیض کے اختتام پر غسل واجب ہے اور یہی جمہور کا قول ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ، عطاء، اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور بقول امام نووی ایک جماعت کے نزدیک اس پر ہر نماز کے لئے غسل واجب ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور کچھ اور لوگوں کے نزدیک روزانہ ایک مرتبہ حسن بصری اور کچھ اور لوگوں کے نزدیک ظہر سے ظہر تک غسل واجب ہے اور احناف اور شافعیہ کے نزدیک متحیرہ کے لئے ہر نماز کے وقت غسل واجب ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ متحیرہ وہ مستحاضہ ہے جس کی حیض کے معاملے میں کوئی پختہ عادت نہ تھی یا اسے اپنی عادت بھول گئی ہو اور پھر حیض کے ساتھ ہمہ

استحاضہ جاری ہو گیا ہو۔

اس حدیث کی سند میں ابو داؤدؒ کا استاد ابن ابی عقیل ہے جسے مولانا سہارنپوریؒ نے مجہول کہا ہے۔ مولانا زکریاؒ کاندھلوی نے فرمایا کہ یہ راوی عبدالغنی بن رفاعہ ہے جو لخمی تھا اور ابو جعفر بھی کہلاتا تھا۔ اس سے امام طحاویؒ نے بہت سی روایات لی ہیں۔ حافظ عسقلانی نے اسے عبدالغنی بن عبدالملک لخمی ابو جعفر بن ابی عقیل مصری لکھا ہے اور اس کے شاگردوں میں ابوداؤد کا نام بھی لکھا ہے۔ بہرحال اس راوی کے نام، کنیت اور نسبت میں مغالطہ اور اختلاف ضرور ہے۔ یہاں یہ اکیلا راوی نہیں بلکہ اس کے ساتھ محمد بن سلمہ مرادی بھی ہے۔ یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے مگر یہاں پر حضرت عائشہؓ کے بیان میں کچھ اضافہ آیا ہے۔ گو اس حدیث میں یہاں یہ ذکر نہیں کہ اُمِّ حبیبہؓ ہر نماز کے لئے غسل کرتی تھی لیکن اس کے بعض طرق میں یہ ذکر موجود ہے، جیسا کہ عنقریب آئے گا، لہٰذا ابو داؤدؒ نے یہاں اس باب کے اندر اس حدیث کو روایت کیا تاکہ یہ بتائیں کہ حضرت عائشہؓ کے قول سے یہ مراد ہے کہ وہ عورت ہر نماز کے لئے غسل کرتی تھی۔

۲۸۸- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَتْنِيْ عَمْرَةُ بِنْتُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ رض بِهٰذَا الْحَدِيْثِ قَالَتْ عَائِشَةُ رض فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ۔

(ترجمہ) یہ اوپر والی حدیث کی دوسری روایت ہے، اس میں حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہے کہ اُمِّ حبیبہؓ ہر نماز کیلئے غسل کرتی تھیں

۲۸۹- حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ قَالَ فِيْهِ فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ۔ قَالَ اَبُوْ دَاؤدَ قَالَ الْقَاسِمُ بْنُ مَبْرُوْرٍ عَنْ يُوْنُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ رض عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ بِنْتِ جَحْشٍ وَكَذٰلِكَ رَوَاهُ مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ رض وَرُبَّمَا قَالَ مَعْمَرٌ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ بِمَعْنَاهُ وَكَذٰلِكَ رَوَاهُ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ وَابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ فِيْ حَدِيْثِهٖ وَلَمْ يَقُلْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَهَا اَنْ تَغْتَسِلَ۔

(شرح) یہاں پر ابو داؤدؒ نے اس حدیث کی سند میں ہونے والے اختلاف کو بیان کیا ہے کہ ایک طریق سے تو اس کو عروہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتا ہے۔ دوسرے طریق سے عمرہؓ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتی ہے اور وہ اُمِّ حبیبہؓ بنت جحش سے روایت کرتی ہیں۔ تیسری سند میں بھی اُمّ المؤمنینؓ کی شاگرد عمرہ ہے اور خود اُمّ المؤمنینؓ اس کو اُمِّ حبیبہؓ سے روایت کر رہی ہیں۔ چوتھی سند میں معمر اسے زہری سے نہیں بلکہ براہِ راست عمرہ سے اور وہ براہِ راست اُمِّ حبیبہؓ سے روایت کرتی ہے۔ اسی طرح پانچویں سند ہے مگر اس میں زہری کا واسطہ موجود ہے اور وہ عمرہ سے

اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں۔ اس آخری سند میں زہری کا شاگرد ابن عیینہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ زہری نے اس حدیث میں یہ نہیں کہا کہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کو ہر نماز کے ساتھ غسل کرنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ مولانا سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ابن عیینہ کی مانند لیث بن سعد نے بھی اس حدیث کی روایت میں یہی بیان کیا ہے کہ میرے استاد زہری نے یہ بیان نہیں کیا تھا کہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کو ہر نماز کے لئے غسل کرنے کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔

۲۹۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ الْمُسَيَّبِيُّ حَدَّثَنِي أَبِي عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ وَعَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ إِنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ اُسْتُحِيضَتْ سَبْعَ سِنِيْنَ فَأَمَرَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَغْتَسِلَ فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ وَكَذٰلِكَ رَوَاهُ الْأَوْزَاعِيُّ أَيْضًا قَالَتْ عَائِشَةُ فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ

(ترجمہ) عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اُم حبیبہ کو سات سال تک استحاضہ کی تکلیف رہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے غسل کرنے کا حکم دیا۔ پس وہ ہر نماز کے لئے غسل کرتی تھی۔ اوزاعی کی روایت میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہی قول آیا ہے۔

(شرح) اس حدیث میں بھی اُم حبیبہ بنت جحش کا ہر نماز کے لئے غسل کرنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی روایت ہوا ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نہ تھا (کم از کم اس حدیث کی رو سے!)

۲۹۱۔ حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ عَنْ عَبْدَةَ عَنِ ابْنِ إِسْحَاقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ إِنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ اُسْتُحِيضَتْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهَا بِالْغُسْلِ لِكُلِّ صَلٰوةٍ وَسَاقَ الْحَدِيثَ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ وَلَمْ أَسْمَعْهُ مِنْهُ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ كَثِيرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ اُسْتُحِيضَتْ زَيْنَبُ بِنْتُ جَحْشٍ فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اغْتَسِلِي لِكُلِّ صَلٰوةٍ وَسَاقَ الْحَدِيثَ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ عَبْدُ الصَّمَدِ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ كَثِيرٍ قَالَ تَوَضَّئِي لِكُلِّ صَلَاةٍ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَهٰذَا وَهْمٌ مِنْ عَبْدِ الصَّمَدِ وَالْقَوْلُ فِيهِ قَوْلُ أَبِي الْوَلِيدِ۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ام حبیبہؓ بنت جحش کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں استحاضہ ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے ہر نماز کے لئے غسل کا حکم دیا۔ پھر راوی نے ساری حدیث بیان کی۔ دوسری روایت ابو الولید طیالسی کی ہے جس کے متعلق ابو داؤد نے کہا کہ میں نے یہ اس سے نہیں سُنی۔ اس میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ زینبؓ بنت جحش کو استحاضہ ہوا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ ہر نماز کے لئے غسل کر، اور پھر راوی نے ساری حدیث بیان کی۔ ابو داؤد نے کہا کہ اس حدیث کو عبد الصمد نے سلیمان بن کثیر کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، ہر نماز کے لئے وضو کر۔ ابو داؤد نے اس کو عبد الصمد کا وہم بتایا ہے اور اس سے اوپر والی روایت کو درست کہا ہے۔

(شرح) ہناد بن السری عبدہ سے اور وہ ابن اسحاق سے روایت کر رہا ہے یہ وہی محمد بن اسحاق بن یسار ہے جو محدثین کے نزدیک متکلم فیہ ہے اور امام مالکؒ نے اس کے متعلق بڑے سخت الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ ابو الولید طیالسی کی روایت ابو داؤد نے بلا واسطہ نہیں سُنی اور درمیانی واسطہ کا بھی کوئی ذکر نہیں کیا۔ اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ آیا ام المؤمنین زینب بنت جحش کو استحاضہ کی تکلیف ہوتی تھی یا نہیں۔ ابن الجوزی نے اس کا مطلقاً انکار کیا ہے۔ اسی طرح عارضۃ الاحوذی میں بھی اس سے انکار کیا گیا ہے۔ شارح ابن رسلان نے بھی اس سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ مستحاضہ زینبؓ کی بہن امِ حبیبہ تھیں۔ لیکن حافظ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ ان دونوں بہنوں کو یہ شکایت تھی۔ اوپر گزر چکا ہے کہ ام حبیبہ بنتِ جحش متحیرہ تھیں اور اس کے لئے یہی حکم ہے کہ ہر نماز کے لئے غسل کیا کرے۔

فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ سنن ابی داؤد میں سلیمان بن کثیر اور ابن اسحاق کی یہ روایتیں حفاظ حدیث کے نزدیک مطعون ہیں کیونکہ زہری کے بہترین حفاظ شاگردوں نے یہ اضافہ بیان نہیں کیا کہ حضورؐ نے ام حبیبہؓ کو ہر نماز کے لئے غسل کا حکم دیا تھا۔ اگر اس حدیث کو مان بھی لیں تو یہ حکم وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہوگا۔ امام طحاویؒ نے اس حدیث کو فاطمہؓ بنت ابی حبیش کی حدیث کے باعث منسوخ قرار دیا ہے، حضورؐ نے فاطمہؓ کو ہر نماز کے لئے وضو کا حکم دیا تھا۔

مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق کی روایت زہری کے حفاظ شاگردوں یعنی عمرو بن الحارث، یونس، لیث، معمر، ابراہیم بن سعد، سفیان بن عیینہ، ابن ابی ذئب اور اوزاعی کی روایت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ان سب نے ہر نماز کے لئے غسل کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم نہیں بلکہ حضرت عائشہؓ کا قول قرار دیا ہے کہ ام حبیبہؓ ایسا کیا کرتی تھیں۔

امام بیہقی نے ابو داؤد کا یہ قول جس میں انہوں نے عبد الصمد پر ابو الولید طیالسی کی روایت کو ترجیح دی ہے، نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ابو الولید کی روایت بھی محفوظ نہیں ہے کیونکہ اسے مسلم بن ابراہیم نے سلیمان بن کثیر سے اسی طرح روایت کیا ہے جس طرح دوسرے سب لوگوں نے زہری سے روایت کیا ہے۔

۲۹۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ اَبِي الْحَجَّاجِ اَبُوْ مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنِ الْحُسَيْنِ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِي كَثِيْرٍ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ قَالَ حَدَّثَتْنِي زَيْنَبُ بِنْتُ اَبِي سَلَمَةَ اَنَّ امْرَاَةً كَانَتْ تُهَرَاقُ الدَّمَ وَكَانَتْ تَحْتَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَمَرَهَا أَنْ تَغْتَسِلَ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ وَّتُصَلِّيَ وَ أَخْبَرَنِي أَنَّ أُمَّ بَكْرٍ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْمَرْأَةِ تَرٰى مَا يُرِيْبُهَا بَعْدَ الطُّهْرِ إِنَّمَا هِيَ أَوْ قَالَ إِنَّمَا هُوَ عِرْقٌ أَوْ قَالَ عُرُوْقٌ ۔ قَالَ أَبُوْ دَاوٗدَ فِي حَدِيْثِ ابْنِ عَقِيْلٍ الْأَمْرَانِ إِنْ قَوِيْتِ فَاغْتَسِلِي لِكُلِّ صَلَاةٍ وَّإِلَّا فَاجْمَعِي كَمَا قَالَ الْقَاسِمُ فِي حَدِيْثِهٖ ۔ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْقَوْلُ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ عَلِيٍّ وَّابْنِ عَبَّاسٍ ۔

(ترجمہ) زینبؓ بنت ابی سلمہ نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کو حدیث سنائی کہ ایک عورت کو بہت خون آتا تھا، اور وہ عبدالرحمٰن بن عوف کے نکاح میں تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ ہر نماز کے وقت غسل کرے اور نماز پڑھے ۔ اور ابوسلمہ نے اپنے شاگرد کو بتایا کہ اسے (یعنی ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کو) اُمّ بکر نے بتایا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے متعلق جو حیض سے پاک ہو جانے کے بعد پھر خون دیکھے جو اسے تشویش میں مبتلا کرے، فرمایا کہ یہ ایک رگ کا یا رگوں کا خون ہے ۔ ابوداؤد نے کہا کہ ابن عقیل کی حدیث میں دونوں باتوں کا ذکر ہے ۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تجھے قوت ہے تو ہر نماز کے لئے غسل کر ورنہ نمازوں کو جمع کر جیسا کہ القاسم نے اپنی حدیث میں کہا ہے ۔ اور یہ قول سعید بن جبیر کے واسطے سے حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے ۔

(شرح) زینبؓ بنت ابی سلمہ والی روایت کے راوی الحسین (ابن ذکوان المعلم) پر کچھ کلام ہوا ہے ۔ ابوجعفر عقیلی نے اسے ضعیف مضطرب الحدیث کہا ہے ۔ اسی طرح یحیٰی بن سعید القطان نے بھی اس میں اضطراب بتایا ہے جس عورت کا ذکر اس روایت میں ہے وہ اُمّ حبیبہؓ بنت جحش تھی ۔ امام خطابی نے کہا ہے کہ یہ حدیث مختصر ہے اور اس میں اس عورت کے حال کا بیان نہیں ہوا ہے ۔ ہر نماز پر غسل کا حکم ہر مستحاضہ کے لئے نہیں ہے ۔ یہ اس عورت کے لئے ہے جو استحاضہ میں مبتلا ہو اور اسے حیض اور استحاضہ میں امتیاز نہ رہا ہو، یا وہ اپنے ایام حیض کو فراموش کر چکی ہو، وہ ان کی جگہ اور عدد کو بھی نہ جانتی ہو اور گزشتہ دنوں میں جب خون منقطع ہوا تھا اس کا وقت بھی نہ جانتی ہو (یعنی متحیرہ ہو) سو وہ نماز نہ چھوڑے اور ہر نماز کے لئے غسل کرے ۔ اس کا خاوند اس سے جماع نہ کرے کیونکہ اس کے حائضہ ہونے کا امکان ہر وقت موجود ہوگا ۔ اسے رمضان کا روزہ لوگوں کے ساتھ رکھنا ہوگا اور اس کے بعد قضا بھی کرے تاکہ اسے یقین ہو جائے کہ اس نے فرض کو اس کے وقت میں ادا کر لیا ہے ۔

صحیح مسلم میں اُمّ حبیبہؓ بنت جحش کے قصے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: جتنی دیر تجھے حیض آیا کرتا تھا اتنی مدت نماز نہ پڑھ، پھر غسل کر اور نماز پڑھ ۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ عورت معتادہ (یعنی مقررہ عادت والی) تھی یا ممیزہ (یعنی حیض اور نفاس کے خون میں امتیاز کر سکنے والی) تھی ۔ پس جب وہ متحیرہ نہ تھی تو پھر ہر نماز کے لئے غسل کا حکم وجوبی طور پر کیسے دیا گیا؟ اب یا تو اس حکم کو استحباب کے لئے مانا جائے گا یا علاج کیلئے یا جسم سے خون دور رکھنے کی خاطر یا نجاست کو کم کرنے کی خاطر ۔ واللہ اعلم ۔ یہ آخری پیرا مولانا سہارنپوریؒ کے افادات سے ہے ۔

ابو سلمہ نے جس اُمِ بکر سے روایت کی ہے ارباب جرح و تعدیل کے نزدیک یہ مجہول ہے۔ ابو داؤد نے یہ روایت شاید اس طرف اشارہ کرنے کے لئے بیان کی ہے کہ مستحاضہ دراصل بیمار ہوتی ہے لہٰذا اسے ہر نماز کے ساتھ غسل کا حکم حیض سے پاکیزگی کی خاطر نہیں بلکہ کسی اور سبب سے دیا گیا (مثلاً علاج کی غرض سے) ابو داؤد نے یہ بھی کہا ہے کہ اوپر کی احادیث میں حضور نے دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ ہر نماز کے لئے غسل کرے اور دوسرا یہ کہ ایک غسل کے ساتھ دو دو نمازیں جمع کرے۔ معلوم ہوا کہ ہر نماز کے ساتھ غسل والا حکم وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے۔ ابو داؤد نے کہا کہ حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ بھی یہی تھا۔ ان دونوں فتوؤں کو امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

۱۱۳۔ بَابُ مَنْ قَالَ تَجْمَعُ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ وَتَغْتَسِلُ لَهُمَا غُسْلًا

جنہوں نے کہا کہ دو نمازیں جمع کرے اور دونوں کے لئے ایک غسل کرے ان کا باب

۲۹۳۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنِي أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ اُسْتُحِيضَتِ امْرَأَةٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُمِرَتْ أَنْ تُعَجِّلَ الْعَصْرَ وَتُؤَخِّرَ الظُّهْرَ وَتَغْتَسِلَ لَهُمَا غُسْلًا وَأَنْ تُؤَخِّرَ الْمَغْرِبَ وَتُعَجِّلَ الْعِشَاءَ وَتَغْتَسِلَ لَهُمَا غُسْلًا وَتَغْتَسِلَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ غُسْلًا فَقُلْتُ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا أُحَدِّثُكَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ

(ترجمہ) حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت کو استحاضہ ہوا تو اُسے حکم دیا گیا کہ عصر کی نماز میں جلدی کرے اور ظہر میں تاخیر کرے اور ان دونوں کے لئے ایک غسل کرے اور مغرب میں تاخیر کرے اور عشاء میں جلدی کرے اور ان دونوں کے لئے ایک غسل کرے اور صبح کی نماز کے لئے ایک غسل کرے شعبہ نے کہا میں نے کہا کہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں تجھے کوئی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہیں سُناتا۔

(شرح) آخری سوال و جواب کا معنیٰ تو ظاہر ہے کہ عبدالرحمن نے کہا کہ میں جو کچھ بیان کرتا ہوں اپنے باپ قاسم سے اور وہ اُمّ المؤمنین عائشہؓ کی طرف سے بیان کرتا ہے، پس براہِ راست تو حدیث حضورؐ کی طرف سے بیان نہیں کرتا بلکہ سند سے بیان کرتا ہوں۔ اور اس حدیث میں اُمّ المؤمنین کا یہ قول کہ اس عورت کو یوں حکم ملا تھا، ظاہر کرتا ہے کہ حکم دینے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے اور کون ہو سکتا تھا؟ پس حدیث دراصل تو مرفوع اور مسند ہے گو لفظاً اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی نہیں آیا۔ جس عورت کا اس حدیث میں ذکر ہے شارح ابن رسلان کا خیال ہے کہ وہ حمنہؓ بنت جحش تھیں، اوپر کی ابن عقیل والی حدیث میں گزرا ہے کہ وہ اُمّ حبیبہ بنت جحش تھیں اور مولانا سہارنپوریؒ کے بقول شاید

سہلہؓ بنت سہیل تھیں۔

۲۹۴ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضؓ قَالَتْ إِنَّ سَهْلَةَ بِنْتَ سُهَيْلٍ اُسْتُحِيضَتْ فَأَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهَا أَنْ تَغْتَسِلَ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ فَلَمَّا جَهَدَهَا ذٰلِكَ أَمَرَهَا أَنْ تَجْمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِغُسْلٍ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِغُسْلٍ وَتَغْتَسِلَ لِلصُّبْحِ قَالَ أَبُو دَاؤُدَ وَرَوَاهُ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ إِنَّ امْرَأَةً اُسْتُحِيضَتْ فَسَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهَا بِمَعْنَاهُ

(ترجمہ) حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ سہلہؓ بنت سہیل کو استحاضہ ہوا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی۔ پس آپؐ نے اسے حکم دیا کہ ہر نماز کے وقت غسل کرے، جب اسے ایسا کرنا دشوار ہو گیا تو حضورؐ نے حکم دیا کہ ایک غسل کے ساتھ ظہر اور عصر کو جمع کرے اور ایک غسل کے ساتھ مغرب اور عشاء کو جمع کرے اور صبح کے لئے غسل کرے ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث ابن عیینہ نے عبدالرحمن بن القاسم سے اور اس نے اپنے باپ سے روایت کی۔ القاسم نے کہا کہ ایک عورت کو استحاضہ ہوا تو اس نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، آپؐ نے اسے حکم دیا الخ اوپر کی حدیث کے معنے کے مطابق۔

(شرح) امام طحاویؒ نے فرمایا کہ یہ احادیث جن میں دو دو نمازوں کا ایک غسل کے ساتھ جمع کرنا اور صبح کے لئے الگ غسل کرنا مذکور ہے ان آثار و احادیث کی ناسخ ہیں جن میں ہر نماز کے لئے غسل کا حکم ہے۔ میری گزارش ہے کہ اگر ذرا غور کیا جائے تو خود اس حدیث میں پہلے حکم کے نسخ کی واضح دلیل موجود ہے کہ حضورؐ نے پہلے ہر نماز کے لئے غسل کا حکم دیا اور پھر مشقت دور کرنے کی غرض سے یہ دوسرا حکم دیا، پس دوسرا حکم پہلے کا ناسخ ہوا۔ نسخ کی دلیل کے طور پر بقول مولانا سہارنپوریؒ امام طحاویؒ نے یہی سہلہ بنت سہیل والی حدیث روایت کی ہے۔ ابوداؤدؒ نے ابن عیینہ کی مرسل حدیث محمد بن اسحاق کی روایت کی توثیق و تائید کے لئے درج کی ہے۔

۲۹۵ - حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ أَخْبَرَنَا خَالِدٌ عَنْ سُهَيْلٍ يَعْنِي ابْنَ أَبِي صَالِحٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ اُسْتُحِيضَتْ مُنْذُ كَذَا وَكَذَا فَلَمْ تُصَلِّ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللّٰهِ هٰذَا مِنَ الشَّيْطَانِ لِتَجْلِسْ فِي مِرْكَنٍ فَإِذَا رَأَتْ صُفْرَةً فَوْقَ الْمَاءِ فَلْتَغْتَسِلْ لِلظُّهْرِ وَالْعَصْرِ غُسْلًا وَاحِدًا وَتَغْتَسِلْ لِلْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ غُسْلًا وَاحِدًا وَتَغْتَسِلْ لِلْفَجْرِ غُسْلًا وَاحِدًا وَتَوَضَّأُ فِيمَا بَيْنَ ذٰلِكَ. قَالَ أَبُو دَاؤُدَ وَرَوَاهُ مُجَاهِدٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَمَّا

اشْتَدَّ عَلَيْهَا الْغُسْلُ أَمَرَهَا أَنْ تَجْمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ إِبْرَاهِيمُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَهُوَ قَوْلُ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادٍ۔

(ترجمہ) اسماءؓ بنت عمیس کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی، یا رسول اللہ فاطمہؓ بنت ابی حبیش کو اتنی اور اتنی مدت سے استحاضہ کی شکایت ہے اور اس نے نماز نہیں پڑھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ! یہ شیطان کا اثر ہے، اُسے ایک ٹب میں بیٹھنا چاہیئے جب وہ پانی کے اُوپر خون کی زردی دیکھے تو پھر اسے ظہر اور عصر کیلئے ایک غسل اور مغرب اور عشاء کے لئے ایک غسل کرنا چاہیئے اور فجر کے لئے ایک غسل کرے، اور ان اوقات کے درمیان وضوء کر لیا کرے۔ ابو داؤدؒ نے کہا کہ مجاہد نے یہ روایت ابن عباسؓ کے حوالے سے بیان کی کہ جب اس پر غسل شاق گزرا تو اسے دو دو نمازیں جمع کرنے کا حکم دیا۔ ابو داؤدؒ نے کہا کہ ابراہیم نے یہ حدیث ابن عباس سے روایت کی اور ابراہیم نخعی اور عبداللہ بن شداد کا یہی قول ہے۔

(شرح) اس حدیث کے لفظ کذا و کذا سے مُراد مولانا سہارنپوریؒ نے سات سال لی ہے۔ مولانا زکریا کاندھلویؒ نے فرمایا یہ مدت تحقیق کی محتاج ہے کیونکہ پیچھے جو سات سال کا ذکر گزرا ہے وہ امّ حبیبہؓ کے سلسلے میں تھا نہ کہ فاطمہؓ کے۔ اور طحاویؒ کی روایت میں اس فاطمہؓ سے منقول ہے کہ: أُحِيضُ الشَّهْرَ وَالشَّهْرَيْنِ۔ "مجھے ایک دو مہینے تک حیض رہتا ہے" حضورؐ سے جو اس موقع پر سبحان اللہ فرمانا آیا ہے یہ بطور تعجب تھا اور یہ بتانا مدِنظر تھا کہ استحاضہ شیطان کے اثر سے ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس خاتون کی نماز ہی ترک ہو گئی۔

مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ حضورؐ نے اس عورت کو جو کہ پانی کے ٹب میں بیٹھنے کا حکم دیا یہ بطور علاج تھا۔ پھر جب پانی پر خون کا اثر ظاہر ہو گیا تو یہ خون ملا ہوا پانی نجس ہو گیا لہٰذا پھر اسے تطہیر کے لئے غسل کا حکم دیا۔ اس حدیث میں ظہر کو مؤخر کرنے اور عصر کو مقدم کر کے دونوں کو جمع کرنے کا صریح حکم نہیں ہے بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کیلئے غسل کرے پھر عصر کے لئے وضوء کرے، کیونکہ فرمایا ہے" وتوضأ فیما بین ذلك" علیٰ ہذا القیاس مغرب اور عشاء کا بھی حال ہے، اور فجر کے لئے الگ غسل کا حکم فرمایا۔ یہ چونکہ معذور عورت تھی لہٰذا جس نماز کے لئے غسل کرتی تھی اس کا وقت نکل جانے سے اس کی طہارت باطل ہو گئی، پس اب عصر کے لئے یا عشاء کے لئے وضوء کرتی۔ یہ حکم استحاضہ کے ایام کا تھا۔ شافعی حضرات نے کہا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس غسل سے دو نمازیں پڑھے اور قضاء نمازوں کے لئے وضوء کرے۔ مجاہد کی روایت میں ابن عباسؓ سے یہاں بھی جمع بین الصلاتین کا ذکر ہے۔ رہی ابراہیم نخعی کی روایت سو وہ منقطع ہے کیونکہ نخعی کی روایت ابن عباسؓ سے ثابت نہیں ہوئی۔

۱۱۴- بَابُ مَنْ قَالَ تَغْتَسِلُ مِنْ طُهْرٍ إِلَى طُهْرٍ

یہ باب مستحاضہ کے طہر سے طہر تک غسل کرنے میں ہے

۲۹۶- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ زِيَادٍ قَالَ أَخْبَرَنَا ح وَحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ أَبِي الْيَقْظَانِ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ

النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ تَدَعُ الصَّلَاةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا ثُمَّ تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّي وَالْوُضُوْءُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ - قَالَ أَبُوْدَاوُدَ زَادَ عُثْمَانُ وَتَصُوْمُ وَتُصَلِّي۔

(ترجمہ) عدی بن ثابت کا دادا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مستحاضہ کے متعلق روایت کرتا ہے کہ وہ اپنے حیض کے دنوں میں تو نماز نہ پڑھے پھر غسل کر لے اور نماز پڑھے اور ہر نماز کے لئے وضو کرے۔ عثمان کی روایت میں ہے کہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے۔

(شرح) اس حدیث کے الفاظ بتاتے ہیں کہ یہ اس عورت کے متعلق ہے جسے معتادہ کہا جاتا ہے۔ یعنی جس کی ایام حیض کی کوئی پختہ عادت تھی جو اسے یاد بھی تھی، سو جب اس کے ایام حیض گزر گئے تو اب غسل کر کے پاک ہو گئی لہٰذا ہر نماز کے لئے وضو کرے جیسے کہ عام غیر مستحاضہ عورت کرتی ہے، امام طحاوی نے کہا ہے کہ ہر نماز کے لئے وضو کرنے کی تفاصیل میں بھی علماء کا اختلاف ہوا ہے۔ بعض نے کہا کہ ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرے، یہ امام ابو حنیفہؒ اور زفرؒ اور ابو یوسفؒ اور محمد بن الحسنؒ کا قول ہے۔ کچھ اور لوگوں نے کہا کہ ہر نماز کے لئے وضو کرے نہ کہ وقت کے لئے۔ ہم دونوں میں سے قول صحیح کو نکالنا چاہتے ہیں۔ سو ہم نے دیکھا کہ وہ سب اس پر متفق ہیں کہ جب یہ عورت کسی نماز کے وقت میں وضو کرے اور وہ نماز نہ پڑھے حتیٰ کہ نماز کا وقت نکل جائے، پھر وہ اسی وضو سے نماز پڑھنا چاہے تو جب تک نیا وضو نہ کرے وہ نماز نہیں پڑھ سکتی۔ اور اگر وہ نماز کے وقت میں نماز پڑھ لے پھر وہ اسی وضو سے نفل ادا کرنا چاہے تو اس نماز کے وقت کے اندر وہ نفل پڑھ سکتی ہے۔ سو اس سے یہ ثابت ہوا کہ اس کی طہارت ٹوٹنے کا باعث وقت کا نکل جانا ہے پس وضوء کا وجوب وقت کے ساتھ ہوا نہ کہ نماز کے ساتھ اور یہ مسئلہ بھی ثابت شدہ ہے کہ اگر اس عورت کی کئی نمازیں فوت ہو چکی ہوں تو وہ انہیں ایک وقت میں ایک ہی وضوء کے ساتھ قضاء کر سکتی ہے۔ پس اگر اس پر ہر نماز کے لئے وضوء فرض ہوتا تو ان فوت شدہ نمازوں میں سے ہر نماز کے لئے ایک نیا وضوء کرنا لازم تھا۔ پس اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وضوء کی فرضیت کا باعث اس عورت کے لئے نماز کا وقت ہے نہ ہر نماز نہیں۔ اور ایک اور دلیل یہ ہے کہ بعض طہارتیں احداث سے ٹوٹتی ہیں مثلاً پاخانہ اور پیشاب وغیرہ اور بعض طہارتیں اوقات کے خروج سے ٹوٹتی ہیں مثلاً موزوں کا مسح کہ وہ مدت مسح کے ختم ہو جانے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اور یہ متفق علیہ طہارتیں ایسی ہیں کہ ان میں سے کسی کو بھی نماز نہیں توڑتی بلکہ حدث یا خروج وقت توڑ تا ہے اور یہ بھی ثابت شدہ امر ہے کہ مستحاضہ کی طہارت ایک ایسی طہارت ہے جس کو حدث بھی توڑ دیتا ہے اور خروج وقت بھی توڑ دیتا ہے، مگر نماز سے فراغت بعض کے نزدیک ناقض طہارت ہے حالانکہ اس جگہ کے علاوہ اور کہیں بھی نماز سے فراغت ناقض طہارت نہیں ہوتی۔ پس اولیٰ یہی ہے کہ اسی چیز کو ناقض طہارت سمجھا جائے جو ہر جگہ ناقض طہارت ہو۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ: المستحاضۃ تتوضأ لکل صلاۃ "مستحاضہ ہر نماز کے لئے وضوء کرے"۔ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ دن رات میں جو پانچ معہود نمازیں ہیں ان کے لئے وضوء کرے، گویا بالفاظ دیگر وہ دن رات میں پانچ مرتبہ وضوء کرے، نہ یہ کہ فرض نماز پڑھ کر اگر سنن و نوافل یا وتر پڑھنا

چاہیے تو ان کے لئے پھر الگ وضوء کرے۔ گویا صلاۃ سے مراد حدیث میں وقتِ صلاۃ ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نماز کا ایک اول ہے اور ایک آخر یعنی اول وقت اور آخر وقت۔ شرح مختصر الطحاوی میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشہؓ کی سند کے ساتھ مستحاضہ والی حدیث کو یوں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہؓ بنت ابی حبیش سے فرمایا: توضئی لوقت کل صلاۃ۔ امام محمد نے اس حدیث کو الجامع الصغیر میں نقل کیا ہے۔ اور ابن قدامہ نے المغنی میں کہا ہے کہ فاطمہؓ بنت ابی حبیش کی حدیث بعض روایات میں اس طرح مروی ہے: وتوضئ لوقت لِکلِّ صلوۃٍ۔ "ہر نماز کے وقت کے لئے وضوء کیا کر"۔

۲۹۷۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ حَبِیْبِ بْنِ اَبِیْ ثَابِتٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَآئِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: جَآءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ اَبِیْ حُبَیْشٍ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَ خَبَرَهَا وَقَالَ: ثُمَّ اغْتَسِلِیْ ثُمَّ تَوَضَّئِیْ لِکُلِّ صَلٰوةٍ وَصَلِّیْ۔

(ترجمہ) عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ فاطمہؓ بنت ابی حبیش نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، پھر راوی نے اس کا قصہ بتایا اور یہ کہا کہ: (حضورؐ نے فرمایا) پھر تو غسل کر، پھر ہر نماز کے لئے وضوء کر اور نماز پڑھ۔ (غسل سے مراد حیض سے پاکیزگی کا غسل ہے)

۲۹۸۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ سِنَانٍ الْقَطَّانُ الْوَاسِطِیُّ حَدَّثَنَا یَزِیْدُ عَنْ اَیُّوْبَ بْنِ اَبِیْ مِسْکِیْنٍ عَنِ الْحَجَّاجِ عَنْ اُمِّ کُلْثُوْمٍ عَنْ عَآئِشَةَ فِی الْمُسْتَحَاضَةِ تَغْتَسِلُ تَعْنِیْ مَرَّةً وَّاحِدَةً ثُمَّ تَوَضَّأُ اِلٰی اَیَّامِ اَقْرَائِهَا۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ مستحاضہ غسل کرے، ان کی مراد یہ ہے کہ ایک ہی مرتبہ غسل کرے پھر جب تک اس کے حیض کے ایام نہ آجائیں وہ وضوء کرتی رہے۔

(شرح) اس حدیث کا راوی ایوب بن ابی مسکین محدثین کے نزدیک متکلم فیہ ہے۔ ابو حاتم نے کہا کہ اس کی حدیث لکھی جاسکتی ہے یعنی تحقیق وتبصرہ کے لئے، مگر اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ ابو داؤد نے اسے سند کے یاد نہ رکھنے میں قابل اعتراض ٹھیرایا ہے، حافظ ابو احمد الحاکم نے اس کی حدیث مضطرب بتائی۔ پھر حجاج بن ارطاۃ مشہور مدلس ہے۔ ابو داؤد نے یہ حدیث موقوف بیان کی ہے مگر بیہقی نے اسے مرفوع بیان کیا ہے۔

۲۹۹۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ سِنَانٍ حَدَّثَنَا یَزِیْدُ عَنْ اَیُّوْبَ اَبِی الْعَلَاءِ عَنِ ابْنِ شُبْرُمَةَ عَنِ امْرَاَةِ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَآئِشَةَ رضی اللہ عنہا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ۔

قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ وَحَدِيْثُ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ هٰذَا وَالْاَعْمَشِ عَنْ حَبِيْبٍ وَّاَيُّوْبَ اَبِي الْعَلَاءِ
كُلُّهَا ضَعِيْفَةٌ لَّا تَصِحُّ وَدَلَّ عَلٰى ضُعْفِ حَدِيْثِ الْاَعْمَشِ عَنْ حَبِيْبٍ هٰذَا الْحَدِيْثُ اَوْقَفَهٗ
حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنِ الْاَعْمَشِ وَاَنْكَرَ حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ اَنْ يَّكُوْنَ حَدِيْثُ حَبِيْبٍ مَّرْفُوْعًا
وَاَوْقَفَهٗ اَيْضًا اَسْبَاطٌ عَنِ الْاَعْمَشِ مَوْقُوْفًا عَلٰى عَائِشَةَ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَاهُ ابْنُ دَاوُدَ
عَنِ الْاَعْمَشِ مَرْفُوْعًا اَوَّلُهٗ وَاَنْكَرَ اَنْ يَّكُوْنَ فِيْهِ الْوُضُوْءُ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ وَّدَلَّ عَلٰى
ضُعْفِ حَدِيْثِ حَبِيْبٍ هٰذَا اَنَّ رِوَايَةَ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ فَكَانَتْ
تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ فِيْ حَدِيْثِ الْمُسْتَحَاضَةِ وَرَوٰى اَبُو الْيَقْظَانِ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ
اَبِيْهِ عَنْ عَلِيٍّ وَّعَمَّارٍ مَّوْلٰى بَنِيْ هَاشِمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض وَرَوٰى عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَيْسَرَةَ وَ
بَيَانٌ وَّمُغِيْرَةُ وَفِرَاسٌ وَّمُجَالِدٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ حَدِيْثِ قَمِيْرٍ عَنْ عَائِشَةَ رض تَغْتَسِلُ
كُلَّ يَوْمٍ مَّرَّةً وَّرَوٰى هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ الْمُسْتَحَاضَةُ تَتَوَضَّاُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ وَّ
هٰذِهِ الْاَحَادِيْثُ كُلُّهَا ضَعِيْفَةٌ اِلَّا حَدِيْثَ قَمِيْرٍ وَّحَدِيْثَ عَمَّارٍ مَّوْلٰى بَنِيْ هَاشِمٍ
وَحَدِيْثَ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ وَالْمَعْرُوْفُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض الْغُسْلُ ۔

(شرح) اس عبارت میں ابوداؤد نے پہلے تو اوپر کی ۲۹۸ حدیث کی سند کے علاوہ دوسری سند سے جناب عائشہ رض سے اسی طرح کی حدیث روایت کی ہے۔ پھر کہا ہے کہ اوپر والی ۲۹۶ عدی بن ابی ثابت کی حدیث اور اعمش کی حبیب سے روایت کی ہوئی حدیث ۲۹۷ اور ایوب ابوالعلاء کی حدیث ۲۹۹ سب ضعیف ہیں، صحیح نہیں ہیں۔ اعمش کی حبیب سے مروی حدیث کے ضعف کی دلیل یہ ہے کہ حفص بن غیاث نے موقوف بیان کیا ہے اور مرفوع ہونے سے انکار کیا ہے اور اسباط نے بھی اعمش سے روایت کیا ہے تو وہ بھی موقوف ہے لیکن ابن داؤد نے اسے اعمش سے مرفوع روایت کیا ہے مگر اس بات سے انکار کیا ہے کہ اس میں ہر نماز کے وقت وضوء کا ذکر ہو۔ اور حبیب کی اس روایت کا ضعف اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ زہری کی عروہ سے اور اس کی حضرت عائشہ رض سے جو روایت ہے اس میں حضرت عائشہ رض کا قول ہے کہ وہ عورت ہر نماز کے لئے غسل کرتی تھی۔ پھر ابوداؤد نے ابوالیقظان کی سند سے ابن عباس رض کی روایت کا ذکر کیا، اور عبدالملک کا بیان، مغیرہ، فراس اور مجالد کی شعبی سے روایت بتائی کہ اس نے قمیر سے اور اس نے حضرت عائشہ رض سے روایت کی کہ مستحاضہ ہر نماز کے لئے وضوء کرے، اور داؤد اور عاصم نے شعبی سے، انہی قمیر سے، اس نے حضرت عائشہ رض سے روایت کی کہ روزانہ ایک مرتبہ غسل کرے، اور ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے موقوف

روایت بیان کی کہ مستحاضہ ہر نماز کے لئے وضو کرے۔ اور یہ سب روایتیں ضعیف ہیں سوائے قمیر کی حدیث کے اور عمار کی حدیث کے اور ہشام بن عروہ کی اپنے باپ سے روایت کے۔ اور ابن عباسؓ سے جو معروف روایت ہے وہ غسل کی ہے۔

مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ حبیب کی روایت کو ضعیف ثابت کرنے کی دلیل جو ابوداؤد نے دی ہے وہ یہ ہے کہ حفص اور اسباط اس کو موقوف بیان کرتے ہیں۔ مگر صرف اتنی بات سے کوئی روایت ضعیف نہیں ہو جاتی کیونکہ حبیب ثقہ راوی ہے اور اصولِ حدیث میں ثقہ کا اضافہ معتبر ہے۔ رہی ابن داؤد کی بات کہ اس نے تتوضأ لکل صلاۃ کے جملے کا انکار کیا ہے یہ بھی اس کے ضعف کی دلیل نہیں۔ ابن داؤد کا انکار اپنے علم کی بنا پر ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔ پھر ابوداؤد نے حبیب کی روایت کے ضعف کی یہ دلیل دی ہے کہ زہری کی روایت اس کے خلاف ہے جس میں نماز کے لئے غسل کا ذکر ہے۔ امام خطابی نے اس دلیل کو بھی رد کیا ہے اور کہا ہے کہ زہری کی روایت حبیب کی روایت کے ضعف کی دلیل نہیں ہے۔ اکثر فقہاء کا اسی پر عمل ہے۔ پھر اس حدیث میں حضورؐ کا حکم مذکور نہیں۔ مستحاضہ کا اپنا فعل مذکور ہے کہ وہ ہر نماز کے لئے غسل کرتی تھی۔ اس کے برعکس حبیب کی روایت میں وضوء کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے۔ واجب وہی ہے جس کا حکم شارع نے دیا ہو۔ مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب غسل الدم میں ابو معاویہ کی سند سے ایک حدیث روایت کی ہے جس میں ہشام اپنے باپ عروہ سے نقل کرتا ہے کہ حضورؐ نے فاطمہؓ بنت ابی حبیش کو حیض کا وقت آنے تک استحاضہ میں ہر نماز کی خاطر وضوء کا حکم دیا تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس جملے کو: تَوَضَّئِیْ لِکُلِّ صَلٰوۃٍ۔ دلائل سے مرفوع ثابت کیا ہے۔

۱۱۵۔ بَابُ مَنْ قَالَ الْمُسْتَحَاضَةُ تَغْتَسِلُ مِنْ ظُهْرٍ إِلَى ظُهْرٍ

ان لوگوں کا باب جنہوں نے کہا کہ مستحاضہ ظہر سے ظہر تک غسل کرے

۳۰۰۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ أَنَّ الْقَعْقَاعَ وَزَيْدَ بْنَ أَسْلَمَ أَرْسَلَاهُ إِلَى سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ يَسْأَلُهُ كَيْفَ تَغْتَسِلُ الْمُسْتَحَاضَةُ فَقَالَ تَغْتَسِلُ مِنْ ظُهْرٍ إِلَى ظُهْرٍ وَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ فَإِنْ غَلَبَهَا الدَّمُ اسْتَثْفَرَتْ بِثَوْبٍ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ تَغْتَسِلُ مِنْ ظُهْرٍ إِلَى ظُهْرٍ وَكَذٰلِكَ رَوَى دَاوُدُ وَعَاصِمٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ امْرَأَةٍ عَنْ قَمِيرٍ عَنْ عَائِشَةَ إِلَّا أَنَّ دَاوُدَ قَالَ كُلَّ يَوْمٍ وَفِي حَدِيثِ عَاصِمٍ عِنْدَ الظُّهْرِ وَهُوَ قَوْلُ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَالْحَسَنِ وَعَطَاءٍ وَقَالَ مَالِكٌ إِنِّي لَأَظُنُّ حَدِيثَ ابْنِ الْمُسَيَّبِ مِنْ ظُهْرٍ إِلَى ظُهْرٍ إِنَّمَا هُوَ مِنْ طُهْرٍ إِلَى طُهْرٍ وَلٰكِنِ الْوَهْمُ دَخَلَ فِيهِ وَرَوَاهُ مِسْوَرُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَرْبُوعٍ قَالَ فِيهِ

مِنْ ظُهْرٍ إِلَى ظُهْرٍ فَقَلَبَهَا النَّاسُ مِنْ طُهْرٍ إِلَى طُهْرٍ۔

(ترجمہ) سُمی کا بیان ہے جو ابوبکر بن عبد الرحمٰن کا غلام تھا کہ اسے قعقاع اور زید بن اسلم نے سعید بن المسیب کے پاس یہ پوچھنے کے لئے بھیجا کہ مستحاضہ کیونکر غسل کرے، سعید نے کہا کہ ظہر سے لیکر ظہر تک غسل کرے اور ہر نماز کے لئے وضو کرے، اگر خون کا غلبہ ہو تو کسی کپڑے کا لنگوٹ باندھے۔ ابوداؤد نے کہا کہ ابن عمرؓ اور انس بن مالک سے مروی ہے ظہر سے ظہر تک غسل کرے، اور اسی طرح داؤد اور عاصم نے شعبی سے اس کی عورت سے اس نے قمیر سے اور اس نے جناب عائشہؓ سے روایت کی ہے مگر داؤد نے کہا کہ ہر روز غسل کرے اور عاصم کی حدیث میں ہے: ظہر کے وقت۔ اور یہی قول سالم بن عبد اللہ، الحسن اور عطاء کا ہے اور مالک نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ ابن المسیب کی روایت میں جو ظہر سے ظہر تک کا لفظ ہے یہ دراصل طُہر سے طُہر تک ہے لیکن اس میں وہم داخل ہو گیا ہے اور اس حدیث کو مسور نے روایت کیا تو کہا کہ طُہر سے طُہر تک مگر لوگوں نے اسے بدل کر ظہر سے ظہر تک کر دیا ہے۔

(شرح) اس حدیث کو امام مالکؒ نے مؤطا میں طُہر سے طُہر تک کے الفاظ سے روایت کیا ہے اور ان کے نزدیک وہی صحیح ہے۔ ابوداؤد نے ابن عمرؓ اور انسؓ کا حوالہ دیکر کہا ہے کہ ان کی روایت سعید بن المسیب جیسی ہے مگر امام بیہقی نے سنن میں ان دونوں سے جو روایت کی ہے اس میں طُہر سے طُہر تک بلا نقطہ ہے۔ اور یہ جو شعبی کی روایت عن امرأتہ درج کی ہے سنن ابی داؤد کے بعض نسخوں میں عن امرأتہ کا لفظ نہیں ہے بلکہ عَنْ امْرَأَةٍ ہے۔ مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ پتہ نہیں چل سکا ابوداؤد کی اس سے کیا مراد ہے؟ وہ کونسی عورت ہے جس سے شعبی نے روایت کی ہے میرے خیال میں لکھنے والوں کی غلطی سے یہ لفظ عبارت میں داخل ہو گیا ہے۔ اس سے تھوڑی سطور اوپر کی روایت نمبر ۲۹۹ میں عبارت یوں ہے: داؤد وعاصم عن الشعبی عن قمیر عن عائشہؓ: تغتسل کل یوم مرۃً۔ ظاہر ہے کہ وہاں نہ تو امرأتہ کا لفظ ہے نہ امرأۃ کا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شعبی نے کبھی تو قمیر سے روایت کی اور کبھی امرأۃ مسروق کہہ کر روایت کی اور وہ وہی مسروق کی بیوی ہے۔ کتابت کرنیوالوں نے مسروق کا لفظ نکال دیا اور امرأۃ رہ گیا۔ پھر یہ لفظ عن امرأتہ ہو کر کیا سے کیا بن گیا۔ شعبی کی کوئی روایت عن امرأتہ عن قمیر نہیں ہے۔ دارمی نے بھی یہ روایت اسی طرح درج کی ہے کہ داؤد عن الشعبی عن قمیر امرأۃ مسروق عن عائشہؓ لیکن بقول مولانا زکریا کاندھلوی مصنف ابن ابی شیبہ میں داؤد نے شعبی سے روایت کی ہے۔ شعبی نے کہا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو مسروق کی بیوی کے پاس بھیجا تاکہ مستحاضہ والی حدیث پوچھ کر آئے۔ سو اب یوں کہنا انسب ہوگا کہ اگر مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت قابل قبول ہے تو پھر ابوداؤد کی اس روایت میں: عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ امْرَأَتِهِ عَنْ قَمِيرٍ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا کوئی شک و شبہ نہیں رہتا۔

۱۱۶۔ بَابُ مَنْ قَالَ تَغْتَسِلُ كُلَّ يَوْمٍ مَرَّةً وَلَمْ يَقُلْ عِنْدَ الظُّهْرِ

ان لوگوں کا باب جنہوں نے کہا کہ روزانہ ایک بار غسل کرے اور یہ نہ کہا کہ ظہر کے وقت کرے

۳۰۱۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي إِسْمَعِيلَ عَنْ مَعْقِلٍ الْخَثْعَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ الْمُسْتَحَاضَةُ إِذَا انْقَضَى حَيْضُهَا اغْتَسَلَتْ كُلَّ يَوْمٍ

وَاتَّخَذَتْ صُوفَةً فِيهَا سَمْنٌ أَوْ زَيْتٌ ـ

(ترجمہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مستحاضہ کے حیض کا وقت جب گزر جائے تو روزانہ غسل کرے اور ایک اون کا ٹکڑا لے جس میں گھی یا روغن زیتون ہو

(شرح) مولانا سہارنپوری نے فرمایا کہ یہ غسل اور گھی یا روغن زیتون کا استعمال علاج کیلئے ہے نہ کہ بطور وجوب۔ شائد کہ اس کا استحاضہ کی تقلیل میں کچھ اثر ہو گا۔

۱۱۷- بَابُ مَنْ قَالَ تَغْتَسِلُ بَيْنَ الْأَيَّامِ

ان لوگوں کا باب جنہوں نے کہا کہ ایّام کے درمیان غسل کرے۔

۳۰۲- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُثْمَانَ أَنَّهُ سَأَلَ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ عَنِ الْمُسْتَحَاضَةِ قَالَ تَدَعُ الصَّلٰوةَ أَيَّامَ أَقْرَائِهَا ثُمَّ تَغْتَسِلُ فَتُصَلِّي ثُمَّ تَغْتَسِلُ فِي الْأَيَّامِ ـ

(ترجمہ) القاسم بن محمد نے کہا کہ مستحاضہ حیض کے دنوں میں نماز چھوڑ دے پھر غسل کرے پھر نماز پڑھے، پھر ایام استحاضہ میں غسل کرے۔

(شرح) پہلا غسل تو حیض سے پاکیزگی کا ہے جو واجب ہے۔ پھر دوسرا غسل جو ایام استحاضہ میں ہے یہ مستحب ہے تاکہ بدن صاف رہے اور بطور علاج بھی ہے۔

۱۱۸- بَابُ مَنْ قَالَ تَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ

اس شخص کا باب جس نے کہا کہ ہر نماز کے لئے غسل کرے۔

۳۰۳- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ مُحَمَّدٍ يَعْنِي ابْنَ عَمْرٍو قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ أَبِي حُبَيْشٍ أَنَّهَا كَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ دَمُ الْحَيْضِ فَإِنَّهُ دَمٌ أَسْوَدُ يُعْرَفُ فَإِذَا كَانَ ذٰلِكَ فَأَمْسِكِي عَنِ الصَّلٰوةِ فَإِذَا كَانَ الْآخَرُ فَتَوَضَّئِي وَصَلِّي ـ قَالَ أَبُو دَاوُدَ قَالَ ابْنُ الْمُثَنّٰى وَحَدَّثَنَا بِهِ ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ حِفْظًا فَقَالَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَرُوِيَ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَشُعْبَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ قَالَ الْعَلَاءُ

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَوْقَفَهُ شُعْبَةُ تَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ۔

(ترجمہ) فاطمہؓ بنت ابی حبیش سے روایت ہے کہ اسے استحاضہ ہوتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ حیض کا خون ہو تو وہ سیاہ خون ہے پہچانا جاتا ہے، پس جب وہ ہو تو نماز سے رُک جا اور جب دوسرا خون (استحاضہ ہو) تو وضوء کر اور نماز پڑھ۔ اس کے بعد ابوداؤد نے اپنے استاد محمد بن مثنیؒ سے نقل کیا ہے کہ حدیث ہمیں ابن ابی عدی نے حفظ سے سُنائی تو کہا: عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ فَاطِمَةَ الخ۔ ابوداؤد نے کہا کہ علاء ابن المسیب اور شعبہ نے حکم سے، اس نے ابوجعفر سے روایت کی ہے علاء کی روایت میں حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے مگر شعبہ نے اسے ابوجعفر پر موقوف کہا ہے کہ مستحاضہ ہر نماز کے لئے وضوء کرے۔

(شرح) یہ حدیث اوپر باب من قال اذا اقبلت الحیضۃ تدع الصلوۃ میں گزری اور وہاں اس کی شرح بھی گزر چکی ہے۔ وہاں بتایا جا چکا ہے کہ مسند احمد کی روایت میں اور سنن ابوداؤد کی روایت میں وقف و ارسال اور اتصال کا فرق ہے۔ ابوجعفر سے مراد محمد بن علی بن الحسینؒ ہیں جو الباقر کے لقب سے مشہور ہیں۔

۱۱۹۔ بَابُ مَنْ لَّمْ يَذْكُرِ الْوُضُوْءَ اِلَّا عِنْدَ الْحَدَثِ

اس شخص کا باب جس نے کہا کہ ہر نماز کے لئے وضوء کرے

۳۰۴۔ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ اَيُّوْبَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا اَبُوْ بِشْرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ اِنَّ اُمَّ حَبِيْبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ اُسْتُحِيْضَتْ فَاَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَنْتَظِرَ اَيَّامَ اَقْرَائِهَا ثُمَّ تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّيْ فَاِنْ رَأَتْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ تَوَضَّأَتْ وَصَلَّتْ۔ (ترجمہ) عکرمہؒ نے کہا کہ امّ حبیبہؓ بنت جحش کو استحاضہ ہوا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ حیض کے دن ختم ہونے کا انتظار کرے پھر غسل کرے اور نماز پڑھے، پھر اگر اس میں سے کوئی چیز دیکھے تو وضوء کرے اور نماز پڑھے۔

(شرح) ابوداؤد نے حدیث کے آخری جملے سے استدلال کر کے باب کا عنوان لگایا ہے کہ جب بے وضوء ہوگی، استحاضہ آئیگا تو وضوء کر کے نماز پڑھے۔ اس روایت میں عکرمہ کے متعلق علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ وہ عکرمہ بن عمار ہے عکرمہ مولی بن عباسؓ نہیں۔ مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ مجھے ابھی تک تحقیق نہیں ہوئی کہ یہ کونسا عکرمہ ہے۔ ویسے عکرمہ کا لفظ بولتے ہی جو شخص ذہن میں آتا ہے وہ وہی عکرمہ مولی بن عباسؓ ہوتا ہے۔ یہ روایت بھی اس سے پہلے معلق اور مرسل طور پر گزر چکی ہے یہاں یہ موصول ہے مگر مرسل۔

۳۰۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبٍ حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ عَنْ رَبِيْعَةَ اَنَّهُ كَانَ لَا يَرٰى عَلَى الْمُسْتَحَاضَةِ وُضُوْءًا عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ اِلَّا اَنْ يُّصِيْبَهَا حَدَثٌ غَيْرُ الدَّمِ فَتَوَضَّأُ قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ وَهٰذَا قَوْلُ مَالِكٍ يَعْنِي ابْنَ اَنَسٍ۔ (ترجمہ) یہ ربیعۃ الرائی کا قول ہے جو ابوداؤد نے نقل کیا ہے کہ مستحاضہ پر ہر نماز کے لئے وضوء واجب نہیں، سوائے اس صورت کے کہ اُسے خون کے علاوہ کوئی اور حدث ہو جائے تو وضوء کرے گی۔ بقول ابوداؤد یہ مالک بن انس کا مذہب ہے۔ مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ یہی قول ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا ہے۔ ان کے نزدیک معذور لوگ جیسے مستحاضہ، سلسل بول والا، ناسور والا اور جو ہوا کے خروج کی بیماری میں مبتلا ہو، ان لوگوں کے اجسام سے نجاست کا خروج ان کی طہارت کو باطل نہیں کرتا۔ سو نماز کے وقت کے اندر فرض، سنت، نفل، درود و وظائف، تلاوت وغیرہ جو چاہیں کریں جب تک وقتِ صلوٰۃ باقی ہے ان کی طہارت باقی ہے۔ ان کے جسم سے خون، نجس مواد پانی، پیشاب وغیرہ کا ہر وقت بہتے رہنا ان کی طہارت کو باطل نہیں کرتا، ہاں! اپنے اس عذر کے علاوہ، جس میں کہ وہ مبتلا ہے، اگر کوئی اور حدث ہو جائے تو طہارت باطل ہو جائے گی اور نیا وضوء واجب ہوگا۔ مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ

یہ روایت عنوانِ باب کے عین مطابق ہے۔ امام خطابی رحمہ نے جو اس پر قیل وقال کیا ہے اُسے درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ہاں! خطابی کا یہ قول البتہ درست ہے کہ عکرمہ نے چونکہ امّ حبیبہ بنت جحش سے سماع نہیں کیا لہٰذا حدیث نمبر ۳۰۸ منقطع ہے۔ ہم نے اوپر اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۱۲۰۔ بَابٌ فِي الْمَرْأَةِ تَرَى الصُّفْرَةَ وَالْكُدْرَةَ بَعْدَ الطُّهْرِ

باب اس عورت کے بیان میں جو طُہر کے بعد زردی اور مٹیالا رنگ دیکھے

۳۰۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أُمِّ الْهُذَيْلِ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ وَكَانَتْ بَايَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ كُنَّا لَا نَعُدُّ الْكُدْرَةَ وَالصُّفْرَةَ بَعْدَ الطُّهْرِ شَيْئًا۔

(ترجمہ) امّ عطیہؓ سے روایت ہے، اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی، امّ عطیہؓ نے کہا کہ ہم لوگ طُہر کے بعد مٹیالے رنگ اور زرد رنگ کے مادّے کو کچھ بھی شمار نہ کرتے تھے۔

(شرح) اس حدیث میں جس پانی یا مادّے کا ذکر ہے یہ ایامِ حیض کے بعد والا ہے جو بعض عورتوں کو کسی کمزوری یا بیماری مثلاً سیلان الرحم کے باعث آجاتا ہے۔ آگے حضرت عائشہؓ کی حدیث میں جس صُفرۃ اور کُدرۃ کا ذکر ہے وہ ایامِ حیض کے اندر ہے لہٰذا ان دونوں احادیث میں تضاد نہیں ہے۔

۳۰۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ بِمِثْلِهِ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ أُمُّ الْهُذَيْلِ هِيَ حَفْصَةُ بِنْتُ سِيرِينَ كَانَ ابْنُهَا اسْمُهُ هُذَيْلٌ وَاسْمُ زَوْجِهَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ۔

(ترجمہ) یہی روایت امّ عطیہؓ سے دوسری سند سے روایت کر کے ابوداؤد نے اُمّ الہذیل کا تعارف کرایا ہے کہ یہ حفصہ بنت سیرین ہے جس کے بیٹے کا نام ہُذیل تھا اور اس کے خاوند کا نام عبدالرحمٰن تھا۔

۱۲۱۔ بَابُ الْمُسْتَحَاضَةِ يَغْشَاهَا زَوْجُهَا

باب اس بیان میں ہے کہ مستحاضہ کے ساتھ اس کا خاوند جماع کرے کیا یہ درست ہے؟

۳۰۸۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا مُعَلًّى يَعْنِي ابْنَ مَنْصُورٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُسْهِرٍ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ كَانَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ رض تُسْتَحَاضُ فَكَانَ زَوْجُهَا يَغْشَاهَا۔ قَالَ

اَبُوْدَاوُدَ قَالَ یَحْیَی بْنُ مَعِیْنٍ مُعَلّٰی ثِقَۃٌ وَّکَانَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ لَایَرْوِیْ عَنْہُ لِاَنَّہٗ کَانَ یَنْظُرُ فِی الرَّأْیِ۔

(ترجمہ) عکرمہ نے کہا کہ ام حبیبہؓ کو استحاضہ ہوتا تھا تو اس کا خاوند اس سے جماع کرلیتا تھا۔ پھر ابوداؤد نے یحیی ابن معین کے حوالے سے مُعلّی راوی کی ثقاہت بیان کی ہے اور کہا ہے کہ احمد بن حنبلؒ اس سے حدیث نہیں لیتے تھے کیونکہ رائے میں نظر رکھتا تھا۔

(شرح) احمد بن حنبل سے ایک روایت میں استحاضہ میں جماع ناجائز ہے مگر تمام ائمہ اور فقہاء اس کے جواز پر متفق ہیں ہاں! اگر خاوند کو کسی بیماری میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہو تو ایسا نہ کرے۔ معلّی بن منصور کو ابن معین کے علاوہ عجلی، یعقوب بن شیبہ، ابن سعد، ابو حاتم رازی، ابن حبان اور حافظ ابن حجر جیسے نُقّادین نے ثقہ کہا ہے۔ احمد سے ہی منقول ہے کہ معلّی امام ابو یوسف اور محمد بن الحسن کے کبار اصحاب میں سے اور ان کے ثقات میں سے تھا۔ ام حبیبہ کا خاوند عبدالرحمٰنؓ بن عوف زہری جیسا عظیم وجلیل صحابی اور عشرہ مبشرہ میں سے ایک تھا، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مولانا سہارنپوری نے فرمایا ہے کہ حیض میں تو جماع کی ممانعت نصِّ قرآنی سے ثابت ہے مگر استحاضہ میں اتنا جلیل القدر صحابی بغیر حضورؐ کی اطلاع اور علم کے جماع کرنے کی جرأت نہ کرسکتا تھا۔ شوکانی نے کہا ہے کہ تحریم کی دلیل نہیں ہے جو اس بارے میں شرع سے ثابت نہیں تھی۔

ابوداؤد نے جو امام احمدؒ کی جرح معلّی کے متعلق نقل کی ہے، صرف اتنی بات سے کوئی ثقہ راوی مجروح نہیں ہوجاتا ورنہ دنیا بھر کے فقہاء و مجتہدین اس زد میں آئیں گے۔ ربیعۃ الرأی ثقہ راوی ہے مگر کثرتِ اجتہاد کے باعث اس کا نام ہی رأی پڑ گیا تھا۔ کیا مالکؒ، شافعیؒ، اوزاعیؒ، لیثؒ، عبدالرحمانؒ بن مہدی اصحابِ رائے نہ تھے؟ پھر خود امام احمدؒ سے بیشمار مسائل ایسے منقول ہیں جو ان کی رائے پر مبنی تھے۔

۳۰۹۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اَبِیْ سُرَیْجٍ الرَّازِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ الْجَہْمِ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ اَبِیْ قَیْسٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ عِکْرِمَۃَ عَنْ حَمْنَۃَ بِنْتِ جَحْشٍ اَنَّہَا کَانَتْ مُسْتَحَاضَۃً وَکَانَ زَوْجُہَا یُجَامِعُہَا۔

(ترجمہ) عکرمہ نے حمنہ بنت جحش سے روایت کی کہ وہ مستحاضہ تھی اور اس کا خاوند اس سے جماع کرتا تھا۔

(شرح) اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن الجہم راوی مختلف فیہ ہے، بعض نے اس پر کڑی تنقید کی ہے۔ حمنہؓ کے خاوند کا نام طلحہ بن عبیداللہ تھا جو ایک عظیم وجلیل صحابی اور عشرۂ مبشرہ میں سے تھے۔ دارمی کی روایت کے مطابق ابن عباسؓ نے بھی اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا کہ مستحاضہ کا خاوند اس سے جماع کرے۔

۱۲۲۔ بَابُ مَاجَاءَ فِیْ وَقْتِ النُّفَسَاءِ

نفاس والی عورتوں کے وقت کا باب

۳۱۰۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى عَنْ أَبِي سَهْلٍ عَنْ مُسَّةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رض قَالَتْ كَانَتِ النُّفَسَاءُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقْعُدُ بَعْدَ نِفَاسِهَا أَرْبَعِينَ يَوْمًا أَوْ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً وَكُنَّا نَطْلِي عَلَى وُجُوهِنَا الْوَرْسَ تَعْنِي مِنَ الْكَلَفِ۔

(ترجمہ) حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ نفاس والی عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نفاس کے بعد چالیس دن یا چالیس رات بیٹھتی تھیں اور ہم اپنے چہروں پر بدرنگی یا دانوں کے باعث ورس کا لیپ کیا کرتے تھے۔

(شرح) امام بخاریؒ نے اس حدیث کی توثیق کی ہے، گو اس کے راوی علی بن عبد الاعلیٰ پر ابو حاتم اور دارقطنی نے جرح کی ہے۔ ابو سہل کثیر بن زیاد برسانی پر اکثر محدثین نے تعریف کے کلمات کہے ہیں مگر ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ خطا کرتا تھا اور پھر مغفل ہو گیا لہٰذا بعد میں ضعیف ہو گیا تھا۔ مُسّہ ازدیہ کو شوکانی نے نیل الاوطار میں اور ابن سید الناس نے مجہول قرار دیا ہے مگر حافظ ابن حجرؒ نے اسے مقبول کہا ہے۔ مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ سنن دارقطنی میں ابو سہل اور حکم بن عتیبہ کی اس سے روایت موجود ہے، لہٰذا یہ مجہول نہ رہی۔

چالیس دن یا چالیس رات کا لفظ یا تو راوی کا شک ہے یا ام سلمہؓ کا قول ہے، بات بہرحال ایک ہی ہے۔ یہ ممکن نہ تھا کہ زمانۂ نبوت میں خواتین از خود ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر یا تشریع یا کم از کم علم و اطلاع کے بغیر ایسا کرتیں، شوکانی نے کہا ہے کہ نفاس یا حیض میں ایک پورے دور کی سب خواتین کا ایک ہی عادت پر ہونا ممکن نہیں ہوتا لہٰذا اس حدیث کو کذب کے طعن سے بچانے کا طریقہ یہی ہے کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امر مانا جائے۔

شوکانی کے بقول نفاس کی زیادہ تر مقدار کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہے۔ پس عمرؓ، عثمانؓ، عائشہؓ، ام سلمہؓ اور علیؓ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ نفاس کی زیادہ مقدار چالیس دن ہے۔ امام شافعیؒ کے ایک قول میں اور امام مالکؒ کے ایک قول میں بھی نفاس کی اکثر مدت ساٹھ دن ہے بلکہ شافعیؒ کے دوسرے قول میں ستر دن بھی آئے ہیں۔ چالیس دن کے دلائل بہت ہیں۔ ترمذیؒ نے اپنی سنن میں کہا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور تابعین اور ان کے اتباع کا چالیس دن پر اجماع ہے، ہاں اگر عورت اس سے قبل پاک ہو جائے تو غسل کر کے نماز شروع کر دے۔ نفاس کی کم از کم مدت میں بھی اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ، محمد بن الحسنؒ اور ائمہ اہل بیت کے نزدیک اس کی کوئی حد نہیں ہے، امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کی حد گیارہ دن ہے جو کہ زیادہ سے زیادہ حیض کی مدت بھی ہے اور دس پر ایک دن جو زائد ہے یہ فرق کے لئے ہے۔ امام مزنیؒ کے نزدیک تین دن ہے۔ شوکانی نے کہا پہلے قول کے سوا اور کسی کی کوئی دلیل نہیں اور وہ وہم و گمان ہیں۔ مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ شوکانی نے امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کا جو مذہب بیان کیا ہے یہ خود بے دلیل اور بے بنیاد ہے۔ حنفیہ کی کتابوں میں اس کا کوئی نام و نشان نہیں۔ بدائع الصنائع میں ہے کہ حنفی ائمہ و فقہاء بلا اختلاف نفاس کی کم از کم مدت کی کوئی حد مقرر نہیں کرتے۔ درمختار میں ہے کہ نفاس کی کم از کم مدت مقرر نہیں اور جب عدت میں اس کی ضرورت ہو تو بھی فقہاء کا اس میں اختلاف ہے۔

ورس ایک بوٹی ہوتی ہے جو صرف یمن میں پائی جاتی ہے۔ یہ تلی کی طرح ہوتی ہے، اسے بویا جائے تو بیس سال تک رہ سکتی ہے۔ کلف کا معنی ہے چہرے کی بدنمائی یا مہاسے اور چھائیاں وغیرہ۔ چہرے پر جو سیاہی مائل مٹیالا سرخ رنگ چھا جاتا ہے وہ بھی کلف کہلاتا ہے۔

۳۱۱- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ يَعْنِي حِبِّي حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يُونُسَ بْنِ نَافِعٍ عَنْ كَثِيرِ بْنِ زِيَادٍ قَالَ حَدَّثَتْنِي الْأَزْدِيَّةُ يَعْنِي مُسَّةَ قَالَتْ حَجَجْتُ فَدَخَلْتُ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ فَقُلْتُ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ سَمُرَةَ بْنَ جُنْدُبٍ يَأْمُرُ النِّسَاءَ يَقْضِينَ صَلَاةَ الْمَحِيضِ فَقَالَتْ لَا يَقْضِينَ كَانَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ نِسَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقْعُدُ فِي النِّفَاسِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً لَا يَأْمُرُهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَضَاءِ صَلَاةِ النِّفَاسِ قَالَ مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابْنَ حَاتِمٍ وَاسْمُهَا مُسَّةُ تُكْنَى أُمَّ بُسَّةَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَكَثِيرُ بْنُ زِيَادٍ كُنْيَتُهُ أَبُو سَهْلٍ۔

(ترجمہ) مسہ ازدیہ نے کہا کہ میں نے حج کیا تو ام سلمہؓ کے پاس حاضر ہوئی اور ان سے کہا اے ام المومنین سمرہ بن جندب رضؓ عورتوں کو حکم دیتا ہے کہ زمانۂ حیض کی نماز قضاء کریں۔ ام سلمہؓ نے فرمایا کہ قضاء نہ کریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے کوئی عورت نفاس میں چالیس رات بھی بیٹھتی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسے زمانۂ نفاس کی نماز کو قضاء کرنے کا حکم نہ دیتے۔ محمد بن حاتم راوی نے کہا کہ یہ مسۃ نامی عورت اُمِّ بُسّہ کہلاتی تھی۔ ابو داؤد نے کہا کہ کثیر بن زیاد کی کنیت ابو سہل ہے۔

(شرح) ابو داؤد نے کثیر بن زیاد کی کنیت ابو سہل بتا کر ظاہر کر دیا کہ یہ وہی پچھلی حدیث کا راوی ہے جو مسہ سے روایت کرتا ہے حِبّی اس راوی محمد بن حاتم کا لقب ہے۔ سمرہ بن جندب بصرہ میں جا بسے تھے اور ان کا یہ فتویٰ اس سبب سے تھا کہ انہیں حضورؐ کی حدیث نہ پہنچی تھی۔ حضرت ام سلمہؓ کے قول میں، من نساء النبی سے مراد حضورؐ کی ازواج نہیں بلکہ آپ کی قرابتدار اور آپ کے اصحاب کی بیویاں ہیں۔ ام سلمہؓ نے حیض کو نفاس پر قیاس کیا کیونکہ دونوں کا معنی تو ایک ہی ہے بعض خوارج کے سوا امت میں کوئی بھی حیض و نفاس کی مدت کی نمازوں کو قضاء کرنے کا قائل نہیں ہے۔

۱۲۳- بَابُ الْاِغْتِسَالِ مِنَ الْمَحِيضِ

حیض کے غسل کا باب

۳۱۲- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ يَعْنِي ابْنَ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابْنَ إِسْحَاقَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ سُحَيْمٍ عَنْ أُمَيَّةَ بِنْتِ أَبِي الصَّلْتِ عَنِ امْرَأَةٍ مِنْ

بَنِیْ غِفَارٍ قَدْ سَمَّاهَا لِیْ قَالَتْ أَرْدَفَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى حَقِيْبَةِ رَحْلِهٖ قَالَتْ فَوَاللّٰهِ لَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الصُّبْحِ فَأَنَاخَ وَنَزَلْتُ مِنْ حَقِيْبَةِ رَحْلِهٖ فَإِذَا بِهَا دَمٌ مِّنِّیْ وَكَانَتْ أَوَّلَ حَيْضَةٍ حِضْتُهَا قَالَتْ فَتَقَبَّضْتُ إِلَى النَّاقَةِ وَاسْتَحْيَيْتُ فَلَمَّا رَأٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ مَا بِیْ وَرَأَى الدَّمَ قَالَ مَالَكِ لَعَلَّكِ نَفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَأَصْلِحِیْ مِنْ نَّفْسِكِ ثُمَّ خُذِیْ إِنَاءً مِّنْ مَّاءٍ فَاطْرَحِیْ فِيْهِ مِلْحًا ثُمَّ اغْسِلِیْ مَا أَصَابَ الْحَقِيْبَةَ مِنَ الدَّمِ ثُمَّ عُوْدِیْ لِمَرْكَبِكِ قَالَتْ فَلَمَّا فَتَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ رَضَخَ لَنَا مِنَ الْفَیْءِ قَالَتْ وَكَانَتْ لَا تَطَّهَّرُ مِنْ حَيْضَةٍ إِلَّا جَعَلَتْ فِیْ طَهُوْرِهَا مِلْحًا وَأَوْصَتْ بِهٖ أَنْ يُّجْعَلَ فِیْ غُسْلِهَا حِيْنَ مَاتَتْ۔

(ترجمہ) امیہ بنت ابی الصلت غفاریہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھکو اپنے کجاوے کے پچھلے حصے پر سوار کرایا سو واللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے قریب سواری سے اترے، آپ نے اونٹنی کو بٹھایا اور میں آپ کے کجاوے کے پیچھے سے اتری تو کیا دیکھتی ہوں کہ اسے میرا خون لگا ہوا ہے، اور یہ پہلا حیض تھا جو مجھے آیا۔ کہتی ہیں کہ میں اونٹنی کی طرف سمٹ گئی اور شرما گئی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا حال دیکھا اور وہ خون دیکھا تو فرمایا: کیا ہے؟ شاید تجھے حیض آگیا ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تو اپنے آپ کو درست کر لے پھر ایک برتن لے اس میں پانی اور نمک ڈال پھر اس سے کجاوے کے پچھلے حصے کو جو خون لگا ہوا ہے اسے دھو ڈال۔ پھر تو اپنی سواری کی طرف واپس چلی جا۔ کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح کیا تو ہمیں بھی مال فیٔ سے کچھ عطا فرمایا۔ اس نے کہا کہ وہ جب کبھی حیض سے پاک ہوتی تو غسل کے پانی میں نمک ضرور ڈالتی اور مرتے وقت اس نے وصیت کی کہ اس کے غسلِ میت کے پانی میں نمک ملایا جائے۔

(شرح) اس حدیث کا راوی سلمہ بن الفضل متکلم فیہ ہے۔ بخاری، علی بن المدینی، ابوزرعہ اور ابوحاتم نے اس پر تنقید کی ہے۔ نسائی نے اسے ضعیف کہا ہے، اسحاق بن راہویہ بھی اس کی تضعیف کرتے ہیں۔ حاکم اسے غیر قوی کہتا ہے۔ کچھ دوسرے ائمہ جرح وتعدیل نے اسے اچھے الفاظ سے بھی یاد کیا ہے۔ محمد بن اسحاق بن یسار کا جو حال محدثین کے نزدیک ہے وہ پوشیدہ نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ امیہ بنت ابی الصلت کا حال نامعلوم ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا نام آمنہ بنت الحکم تھا۔ بعض نے اس کا نام لیلیٰ بتایا ہے اور کہا ہے کہ یہ ابوذر غفاری کی بیوی تھی۔ حقیبہ سے مراد وہ اضافہ ہے جو کجاوے کے آخر میں ہوتا ہے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ حضورؐ نے اسے اپنے پیچھے کجاوے پر کیوں سوار کیا تھا؟ حقیبہ پر سوار ہونے والے کا اصل سوار سے کچھ فاصلہ ہوتا ہے اور ان کے اجسام ایک دوسرے سے مس نہیں کرتے۔ شارح ابن رسلان نے کہا ہے کہ لڑکی اس وقت نابالغ بچی تھی اور لشکر میں عورتوں کے ساتھ تھی۔

۳۱۳۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا سَلَّامُ بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ مُهَاجِرٍ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ دَخَلَتْ أَسْمَاءُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ تَغْتَسِلُ إِحْدَانَا إِذَا طَهُرَتْ مِنَ الْمَحِيضِ قَالَ تَأْخُذُ سِدْرَهَا وَمَاءَهَا فَتَوَضَّأُ ثُمَّ تَغْسِلُ رَأْسَهَا وَتَدْلُكُهُ حَتَّى تَبْلُغَ الْمَاءَ أُصُولَ شَعْرِهَا ثُمَّ تُفِيضُ عَلَى جَسَدِهَا ثُمَّ تَأْخُذُ فِرْصَتَهَا فَتَطَهَّرُ بِهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ أَتَطَهَّرُ بِهَا قَالَتْ عَائِشَةُ فَعَرَفْتُ الَّذِي يَكْنِي عَنْهُ فَقُلْتُ لَهَا تَتَبَّعِينَ آثَارَ الدَّمِ۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اسماءؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا کہ یا رسول اللہ عورت حیض سے پاک ہونے کے بعد غسل کیونکر کرے؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ بیری کے پتوں سے اُبلا ہوا پانی لے پھر پہلے وضوء کرے پھر اپنا سر دھوئے اور اسے ملے یہاں تک کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے۔ پھر اپنے جسم پہ پانی بہائے۔ پھر روئی یا اُون کا ٹکڑا لے اور اس سے صفائی کرے۔ اسماءؓ نے کہا یا رسول اللہ میں اس سے کیونکر صفائی کروں؟ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سمجھ لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشارے کنائے سے کیا بات فرماتے تھے پس میں نے اس سے کہا کہ تو اس کے ساتھ خون کے آثار صاف کرے۔

(شرح) اس حدیث کے راوی ابراہیم بن مہاجر پر ابن معین اور یحییٰ قطان نے ضعف کا حکم لگایا ہے، اسی طرح بعض اور ائمہ حدیث نے بھی اس پر کچھ لقد و تبصرہ کیا ہے لیکن اکثر کے نزدیک وہ ثقہ ہے۔ حاضر ہونے والی خاتون کا نام اسماء بنت یزید بن السکن ہے جسے بقول خطیب بغدادی مسلمؒ نے غلطی سے اسماء بنت شکل لکھا ہے فِرصہ یا فُرصہ روئی اور اون کا خوشبودار ٹکڑا ہے جسے بوقتِ طہارت و غسل استعمال کیا جاتا تھا۔

۳۱۴- حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُهَاجِرٍ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا ذَكَرَتْ نِسَاءَ الْأَنْصَارِ فَأَثْنَتْ عَلَيْهِنَّ وَقَالَتْ لَهُنَّ مَعْرُوفًا قَالَتْ دَخَلَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ مَعْنَاهُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ فِرْصَةً مُمَسَّكَةً قَالَ مُسَدَّدٌ كَانَ أَبُو عَوَانَةَ يَقُولُ فِرْصَةً وَكَانَ أَبُو الْأَحْوَصِ يَقُولُ قَرْصَةً۔

(ترجمہ) جناب عائشہ رضی اللہ عنہا نے انصار کی عورتوں کا ذکر کیا اور ان کی اچھائی بیان کی اور ان کے حق میں اچھی باتیں کہیں اور فرمایا کہ ان میں سے ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی، پھر ابوعوانہ نے اوپر کی حدیث کے مطالب کے مطابق بیان کیا ہاں ایک لفظ کا اختلاف تھا کہ اُسنے مُشک آلود روئی کا ٹکڑا کہا مسدد نے کہا کہ ابوعوانہ فِرصہ اور ابوالاحوص قرصہ کہتا تھا (قرصہ کا معنی ہے معمولی سی چیز)

۳۱۵- حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ

يَعْنِي ابْنَ مُهَاجِرٍ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضـ أَنَّ أَسْمَاءَ سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ قَالَ فِرْصَةً مُمَسَّكَةً فَقَالَتْ كَيْفَ أَتَطَهَّرُ بِهَا قَالَ سُبْحَانَ اللهِ تَطَهَّرِي بِهَا وَاسْتَتَرَ بِثَوْبٍ وَزَادَ وَسَأَلَتْهُ عَنِ الْغُسْلِ مِنَ الْجَنَابَةِ قَالَ تَأْخُذِينَ مَاءَكِ فَتَطَهَّرِينَ أَحْسَنَ الطُّهُورِ وَأَبْلَغَهُ ثُمَّ تَصُبِّينَ عَلَى رَأْسِكِ الْمَاءَ ثُمَّ تَدْلُكِينَهُ حَتَّى يَبْلُغَ شُؤُونَ رَأْسِكِ ثُمَّ تُفِيضِينَ عَلَيْكِ الْمَاءَ وَقَالَتْ عَائِشَةُ نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْأَنْصَارِ لَمْ يَكُنْ يَمْنَعُهُنَّ الْحَيَاءُ أَنْ يَسْأَلْنَ عَنِ الدِّينِ وَأَنْ يَتَفَقَّهْنَ فِيهِ۔

(ترجمہ) یہ حدیث بھی گذشتہ حدیث کے معنی میں ہے۔ شعبہ نے کہا کہ حضور نے اس حدیث میں مشک آلود ٹکڑا فرمایا تھا۔ اسماءؓ نے کہا کہ میں اس کے ساتھ پاکیزگی کیونکر حاصل کروں؟ آپ نے فرمایا سبحان اللہ! پاکیزگی حاصل کرو اور آپ نے ازراہ حیاء کپڑے سے منہ چھپا لیا۔ شعبہ نے اس حدیث میں یہ اضافہ بیان کیا ہے کہ اس عورت نے حضورؐ سے غسل جنابت کے متعلق بھی سوال کیا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تو اپنا پانی لے اور بہت اچھی طرح طہارت کرلے اور پوری پوری پاکیزگی اختیار کرے، پھر تو اپنے سر پر پانی بہائے، پھر تو اسے ملے حتیٰ کہ پانی تیرے سر کی ہڈیوں تک جا پہنچے پھر تو اپنے جسم پر پانی ڈالے۔ شعبہ نے اس حدیث میں ام المؤمنین عائشہؓ کا یہ قول بھی نقل کیا کہ انصار کی عورتیں بہت اچھی عورتیں ہیں، انہیں شرم دین کے بارے میں سوال کرنے اور اس کی گہرائی حاصل کرنے سے نہیں روکتی تھی۔

(شرح) سبحان اللہ کا لفظ ازراہ حیرت و تعجب استعمال فرمایا، کہ یہ بات اسے اشارے سے ہی سمجھ لینی چاہئے تھی مگر وہ نہ سمجھی۔ پھر آپ نے حیاءً منہ چھپا لیا، اس کا مطلب بھی واضح تھا کہ الفاظ میں اس سے زیادہ وضاحت نہیں کی جا سکتی تھی۔

۱۲۴۔ بَابُ التَّيَمُّمِ

تیمم کے بارے میں باب

۳۱۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ ح وَحَدَّثَنَا عُثْمَانُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ الْمَعْنَى وَاحِدٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضـ قَالَتْ بَعَثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُسَيْدَ بْنَ حُضَيْرٍ وَأُنَاسًا مَعَهُ فِي طَلَبِ قِلَادَةٍ أَضَلَّتْهَا عَائِشَةُ رضـ فَحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلَّوْا بِغَيْرِ وُضُوءٍ فَأَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرُوا ذٰلِكَ لَهُ فَأُنْزِلَتْ آيَةُ التَّيَمُّمِ۔ زَادَ ابْنُ نُفَيْلٍ فَقَالَ لَهَا أُسَيْدُ

يَرْحَمُكِ اللّٰهُ مَا نَزَلَ بِكِ أَمْرٌ تَكْرَهِينَهُ إِلَّا جَعَلَهُ اللّٰهُ لِلْمُسْلِمِينَ وَلَكِ فِيهِ فَرَجًا۔

(ترجمہ) عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسیدؓ بن حضیر کو اور اس کے ساتھ کچھ اور لوگوں کو ایک ہار کی تلاش میں بھیجا جسے عائشہؓ نے گم کر دیا تھا۔ پس نماز کا وقت آ گیا تو انہوں نے بلا وضو نماز پڑھی، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپؐ سے اس کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی۔ ابن نفیل نے یہ اضافہ اور کیا کہ اس پر اُسیدؓ بن حضیر نے کہا: اللہ تجھ پر رحم کرے تجھ پر جو کوئی افتاد پڑی اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے اور مسلمانوں کے لئے اس میں کشائش رکھ دی۔

(شرح) تیمم کا مادہ اَمّ ہے اور اس کا معنیٰ ہے قصد کرنا۔ شرع میں پانی نہ ہونے یا عذر کی صورت میں پاک مٹی کا قصد کرنا اس غرض سے کہ نماز پڑھ سکیں، پاکیزگی حاصل کر سکیں اور امر الٰہی کو ادا کر سکیں، تیمم کہلاتا ہے۔ اس کے متعلق اختلاف پیدا ہوا ہے کہ آیا تیمم عزیمت ہے یا رخصت ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ پانی نہ ملنے کے باعث تو تیمم عزیمت ہے، عذر کے باعث رخصت ہے۔ اور یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو امتِ محمدیہ کے ساتھ مخصوص ہے، کسی اور امت میں اس کا حکم یا اجازت نہ تھی۔ تیمم کتاب وسنت اور اجماعِ امت سے ثابت ہے۔

علامہ عینیؒ نے بخاری کی شرح میں نوویؒ کے حوالے سے کہا ہے کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جس شخص کو پانی نہ ملے اور پاک مٹی بھی نہ پائے تو اسی طرح نماز پڑھ لے۔ اور اس مسئلہ میں چار مختلف اقوال ہیں۔ صحیح ترین یہ ہے کہ اس پر اسی حالت میں نماز پڑھنا فرض ہے مگر اعادہ کرے گا۔ (یعنی جب پانی یا مٹی پائے) دوسرا قول یہ ہے کہ اس حالت میں اس پر نماز واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اور چاہے پڑھے یا نہ پڑھے بہرصورت قضاء واجب ہے۔ تیسرا قول یہ کہ بلا طہارت ہونے کے باعث اس پر نماز پڑھنا حرام ہے اور پڑھ لے گا تو اعادہ واجب ہے اور یہ ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ چوتھا یہ کہ اس پر نماز واجب ہے اور پڑھ لے گا تو اس کا اعادہ واجب نہیں اور یہ امام مزنیؒ کا قول ہے اور دلیل کے لحاظ سے قوی تر ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں ہوا کہ آنجنابؐ نے اس موقع پر یا کسی اور اسی قسم کے واقعہ میں اعادہ واجب ٹھیرایا ہو۔ اور ابن بطال نے کہا کہ امام مالکؒ کا صحیح تر مذہب یہ ہے کہ ایسا شخص نماز نہ پڑھے اور اس پر اعادہ واجب نہیں اور اس کا قیاس حائضہ عورت پر ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے ابن خواز منداد سے نقل کیا ہے کہ مالکؒ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ جو شخص پانی اور پاک مٹی پر قادر نہ ہو حتیٰ کہ نماز کا وقت نکل گیا تو وہ نماز نہ پڑھے اور اس پر قضاء وغیرہ نہیں ہے۔ البدائع میں ہے کہ جو شخص کسی نجس جگہ پر محبوس ہو، نہ اسے پانی ملے نہ پاک مٹی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ نماز نہ پڑھے، ابو یوسفؒ نے کہا کہ اشارے سے پڑھے اور پھر قدرت ہونے پر اعادہ کرے اور یہی شافعیؒ کا قول ہے۔ اور اس بارے میں محمدؒ بن الحسن کا قول مضطرب ہے۔ جن لوگوں نے نماز نہ پڑھنے کا فتویٰ دیا ان کی دلیل حدیث "لَا صَلٰوةَ إِلَّا بِطُهُوْرٍ" ہے۔ ابو یوسفؒ کے قول کی دلیل اس عورت کا مسئلہ ہے جو رمضان کے دن میں حیض سے پاک ہوئی تو اس پر روزہ داروں کے تشبہ میں امساک واجب ہے تاکہ احترامِ رمضان میں شامل ہو جائے۔ مگر پھر وہ قضاء کرے گی۔ حنفیہ کا فتویٰ اسی پر ہے اور امام ابو حنیفہؒ کا اس کی طرف رجوع ثابت ہے۔

اس حدیث میں صحابہ کا بلا وضو نماز پڑھنا مگر حضورؐ کا انکار نہ فرمانا ثابت ہے۔ مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ ممکن ہے انکار ہوا ہو مگر مذکور نہیں کیونکہ عدمِ ذکر سے یہ لازم نہیں آتا کہ انکار ہوا ہی نہ ہو۔ اس کی دلیل وہی حدیث لَا صَلٰوةَ

اِلَّا بِطُھُوْرٍ ہے کہ اس میں حضورؐ نے طہارت کے بغیر نماز کی نفی فرمائی ہے۔ اگر اس حدیث کی رُو سے تسلیم کر لیا جائے کہ اس میں نماز کے جواز کی دلیل ہے تو پھر بھی اُس حدیث کی رُو سے جو ابھی بیان ہوئی، عدم جواز کا احتمال تو موجود ہے اسلئے بقول مولانا سہارنپوریؒ حنفیہ نے اسی بنا پر عدم جواز کو اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ ایسا شخص نمازیوں سے مشابہت پیدا کرے مگر حقیقت میں نماز نہ پڑھے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس حدیث میں کونسی آیت مراد لی ہے؟ ابن العربی کا قول ہے کہ یہ ایک مسئلہ ایک مرض لا دوا کی مانند ہے کیونکہ معلوم نہیں حضرت ام المومنین نے کونسی آیت مراد لی ہے۔ ابن بطال نے کہا کہ وہ آیت سورۂ نساء کی یا سورۂ مائدہ کی ہے۔ قرطبی نے کہا کہ وہ سورۂ نساء کی آیت ہے کیونکہ سورۂ مائدہ کی آیت تو آیۃ الوضوء کہلاتی ہے اور سورۂ نساء کی آیت میں وضوء کا ذکر نہیں ہے۔ مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ حمیدی نے عمرو بن الحارث کی حدیث بیان کی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ اس موقع پر جو آیت نازل ہوئی وہ یہ تھی۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ الخ۔ اگر ان بزرگوں کو یہ معلوم ہوتا یا اس پر غور کرتے تو یہ پریشانی نہ ہوتی جس کا اوپر ذکر کیا گیا اور فَتَیَمَّمُوْا کے لفظ سے علامہ عینیؒ نے (دیگر حنفیہ کی مانند) تیمم میں نیت کے وجوب پر استدلال کیا ہے کیونکہ تیمم کا معنیٰ ہی قصد ہے۔

حضرت اسیدؓ بن حضیر کے قول کا اشارہ اس موقع پر نزول تیمم کے علاوہ واقعۂ اِفک کی طرف بھی ہے۔

۲۱۷۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ وَھْبٍ حَدَّثَنِیْ یُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِھَابٍ قَالَ اِنَّ عُبَیْدَ اللّٰہِ بْنَ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُتْبَۃَ حَدَّثَہٗ عَنْ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ اَنَّہٗ کَانَ یُحَدِّثُ اَنَّھُمْ تَمَسَّحُوْا وَھُمْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالصَّعِیْدِ لِصَلٰوۃِ الْفَجْرِ فَضَرَبُوْا بِاَکُفِّھِمُ الصَّعِیْدَ ثُمَّ مَسَحُوْا وُجُوْھَھُمْ مَسْحَۃً وَّاحِدَۃً ثُمَّ عَادُوْا فَضَرَبُوْا بِاَکُفِّھِمُ الصَّعِیْدَ مَرَّۃً اُخْرٰی فَمَسَحُوْا بِاَیْدِیْھِمْ کُلِّھَا اِلَی الْمَنَاکِبِ وَالْاٰبَاطِ مِنْ بُطُوْنِ اَیْدِیْھِمْ۔

(ترجمہ) عمارؓ بن یاسر کا بیان ہے کہ انہوں نے (صحابہؓ نے) جبکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے نماز فجر کے لئے مٹی سے مسح (تیمم) کیا۔ پس انہوں نے اپنی ہتھیلیوں کو مٹی پر مارا اور ایک مرتبہ اپنے چہروں پر ہاتھ پھیرے پھر دوبارہ اپنی ہتھیلیاں مٹی پر ماریں اور سارے ہاتھوں کا ان کے اندر کی طرف سے لیکر کندھوں اور بغلوں تک مسح کیا۔

(شرح) حضرت عمارؓ نے کندھوں اور بغلوں تک کا مسح (تیمم) کرنا اپنا اور ساتھیوں کا فعل نقل کیا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا فعل یا زبانی حکم بیان نہیں کیا۔ جیسا کہ ان سے حدیث میں یہ بھی منقول ہے کہ حالتِ جنابت میں انہوں نے سارے جسم کو زمین پر لوٹ پوٹ کیا پھر جب حضورؐ سے دریافت کیا تو آپؐ نے چہرے اور ہاتھوں کے تیمم کا حکم دیا۔ امام بیضاویؒ نے کہا کہ اَلْیَدُ (ہاتھ) اس عضو کا نام ہے جو کندھے تک ہے اور جس روایت میں ہے کہ

حضورؐ نے تیمم فرمایا اور کہنیوں تک مسح کیا۔ اور قیاس بھی اسی بات کی دلیل ہے کہ آیت میں جو اَیْدِیَکُمْ کا لفظ ہے اس سے مُراد کہنیوں تک ہی ہے۔ محدث علی القاریؒ نے کہا کہ بیضاوی کے قول میں قیاس سے مراد فرع (تیمم) کا قیاس اصل (وضوء) پر ہے، یعنی جتنا عضو وضوء میں دھویا جاتا ہے اسی قدر تیمم میں ممسوح ہوگا۔ امام شافعیؒ اور دوسرے کچھ اور بزرگوں نے کہا ہے کہ کندھوں اور بغلوں تک کا تیمم اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوا تھا تو اس واقعہ کے بعد حضورؐ نے جو تیمم فرمایا تھا اس سے وہ پہلا منسوخ ہوگیا۔ اور اگر وہ تیمم حضورؐ کے حکم کے بغیر ہوا تھا تو حُجت وہ ہے جو آپؐ کے حکم سے ہوا۔

۲۱۸۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْمَهْرِيُّ وَعَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبٍ عَنِ ابْنِ وَهْبٍ نَحْوَ هَذَا الْحَدِيثِ قَالَ قَامَ الْمُسْلِمُونَ فَضَرَبُوا بِأَكُفِّهِمُ التُّرَابَ وَلَمْ يَقْبِضُوا مِنَ التُّرَابِ شَيْئًا فَذَكَرَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرِ الْمَنَاكِبَ وَالْآبَاطَ قَالَ ابْنُ اللَّيْثِ إِلَى مَا فَوْقَ الْمِرْفَقَيْنِ۔

(ترجمہ) اوپر کی حدیث کی یہ دوسری روایت ہے جس میں یہ لفظ ہیں کہ: مسلمان اُٹھے اور انہوں نے اپنی ہتھیلیاں مٹی پر ماریں اور مٹی کو پکڑا نہیں۔ اس روایت میں کندھوں اور بغلوں کا ذکر نہیں ہے بلکہ ابن اللیث (عبد الملک بن شعیب) نے "کہنیوں کے اوپر تک" کا لفظ بولا ہے۔

(شرح) مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے عمارؓ بن یاسر کو نہیں پایا امام طحاویؒ نے اس حدیث کو منقطع اور موصول دونوں طرح سے روایت کیا ہے۔ جس سند میں اتصال ہے اس میں عبید اللہ اور عمارؓ کے درمیان عبد اللہ بن عباس کا واسطہ ہے۔ اور ایک سند میں عبید اللہ اپنے باپ سے اور وہ عمارؓ سے روایت کرتے ہیں۔

۲۱۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ أَبِي خَلَفٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى النَّيْسَابُورِيُّ فِي آخَرِينَ قَالُوا حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَّسَ بِأُولَاتِ الْجَيْشِ وَمَعَهُ عَائِشَةُ فَانْقَطَعَ عِقْدٌ لَهَا مِنْ جَزْعِ ظَفَارٍ فَحُبِسَ النَّاسُ ابْتِغَاءَ عِقْدِهَا ذَلِكَ حَتَّى أَضَاءَ الْفَجْرُ وَلَيْسَ مَعَ النَّاسِ مَاءٌ فَتَغَيَّظَ عَلَيْهَا أَبُو بَكْرٍ وَقَالَ حَبَسْتِ النَّاسَ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى ذِكْرُهُ عَلَى رَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُخْصَةَ التَّطَهُّرِ بِالصَّعِيدِ الطَّيِّبِ فَقَامَ الْمُسْلِمُونَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَرَبُوا بِأَيْدِيهِمُ الْأَرْضَ ثُمَّ رَفَعُوا أَيْدِيَهُمْ وَلَمْ يَقْبِضُوا مِنَ التُّرَابِ شَيْئًا فَمَسَحُوا بِهَا وُجُوهَهُمْ وَأَيْدِيَهُمْ إِلَى

الْمَنَاكِبِ وَمِنْ بُطُوْنِ اَيْدِيْهِمْ اِلَى الْاٰبَاطِ زَادَ ابْنُ يَحْيٰى فِيْ حَدِيْثِهٖ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فِيْ حَدِيْثِهٖ وَلَا يَعْتَبِرُ بِهٰذَا النَّاسُ قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ وَكَذٰلِكَ رَوَاهُ ابْنُ اِسْحٰقَ قَالَ فِيْهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَذَكَرَ ضَرْبَتَيْنِ كَمَا ذَكَرَ يُوْنُسُ وَرَوَاهُ مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ ضَرْبَتَيْنِ وَقَالَ مَالِكٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَمَّارٍ وَّكَذٰلِكَ قَالَ اَبُوْ اُوَيْسٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَشَكَّ فِيْهِ ابْنُ عُيَيْنَةَ قَالَ مَرَّةً عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ اَوْ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِضْطَرَبَ فِيْهِ وَمَرَّةً قَالَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِضْطَرَبَ فِيْهِ وَفِيْ سِمَاعِهٖ عَنِ الزُّهْرِيِّ شَكٌّ وَّلَمْ يَذْكُرْ اَحَدٌ مِّنْهُمُ الضَّرْبَتَيْنِ اِلَّا مَنْ سَمَّيْتُ۔

(ترجمہ) عمار بن یاسر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولات الجیش کے مقام پر رات کے پچھلے پہر آرام فرمایا اور آپ کے ساتھ حضرت عائشہؓ تھیں اور ان کا ایک ہار ٹوٹ گیا جو مقام ظفار کے منکوں کا تھا۔ ان کے ہار کی تلاش نے لوگوں کو روک دیا حتیٰ کہ فجر روشن ہو گئی اور لوگوں کے پاس پانی نہ تھا۔ پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اُن پر (عائشہؓ پر) ناراض ہوئے اور کہا کہ تو نے لوگوں کو روک دیا ہے اور ان کے پاس پانی نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر پاک مٹی سے طہارت کرنے کی رخصت نازل فرمائی۔ پس لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھے اور اپنے ہاتھ زمین پر مارے اور پھر اوپر اٹھائے اور ہاتھوں میں مٹی نہیں پکڑی اور ان کے ساتھ اپنے چہروں کا اور ہاتھوں کا کندھوں تک مسح کیا اور ہاتھوں کے اندر کی طرف سے بغلوں تک مسح کیا۔ زہری نے کہا کہ لوگ تیمم کے اس طریقے کا اعتبار نہیں کرتے۔ ابن عباسؓ سے اور زہری سے دو ضربیں مروی ہیں۔ ابن عیینہ کو عبیداللہ کی روایت میں شک ہے کہ آیا یہ عبیداللہ کے باپ سے ہے یا ابن عباسؓ سے لہٰذا یہ روایت مضطرب ہے اور کبھی عن ابیہ کہا اور کبھی عن ابن عباسؓ، اس میں اضطراب ہے اور اس میں بھی کہ آیا اس نے یہ روایت زہری سے سُنی تھی یا نہیں۔ اور دو ضربوں کا ذکر صرف ان دو روایتوں میں ہے جن کا میں نے نام لیا ہے اور کسی نے دو ضربیں بیان نہیں کیں۔

(شرح) اُولات الجیش کو امام بخاری نے ذات الجیش اور بیداء کے نام سے روایت کیا ہے، یہ مقام مدینہ سے بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ عائشہ صدیقہ رضؓ کے جس ہار کا یہاں ذکر ہے یہ یمن کے شہر ظفار کے منکوں کا بنا ہوا تھا اور اس کی قیمت بارہ درہم بیان کی گئی ہے۔ اِنْقَطَعَ کا مطلب یہ ہے کہ وہ گر کر گم ہو گیا تھا۔ ابوداؤد نے بتایا ہے کہ صالح کی روایت میں تیمم کے لئے صرف ایک ضرب کا ذکر ہے، لیکن صالح کی روایت کو امام طحاویؒ نے بیان کیا ہے تو اس میں دو ضربوں کا ذکر ہے۔ یہ ابواویس جس کی روایت کا ذکر ابوداؤد نے کیا ہے امام مالک کا بہنوئی تھا۔ محدثین کو اس کی روایت میں کلام ہے۔ ابن معین اور علی بن المدینی نے اسے ضعیف بتایا ہے۔ امام نسائی اور ابوحاتم نے اسے غیر قوی کہا ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے اس کی دینداری کی تعریف کی ہے مگر حافظے کی خرابی کا اعتراف کیا ہے۔ ابوداؤد کے قول کے مطابق امام زہری سے تیمم کی دو ضربوں کی روایت کرنے والے تین شخص ہیں :۔ یونس، ابن اسحاق اور معمر مگر امام بیہقی نے ان میں ابن ابی ذئب کا اضافہ کیا ہے

اور امام طحاوی نے صالح بن کیسان کا۔ خلاصہ یہ کہ زہری کے پانچ شاگرد تیمم کی دو ضربوں کی روایت کرتے ہیں۔

۳۲۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَنْبَارِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ الضَّرِيرُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا بَيْنَ عَبْدِ اللَّهِ وَأَبِي مُوسَى فَقَالَ أَبُو مُوسَى يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ رَجُلًا أَجْنَبَ فَلَمْ يَجِدِ الْمَاءَ شَهْرًا أَمَا كَانَ يَتَيَمَّمُ قَالَ لَا وَإِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ شَهْرًا فَقَالَ أَبُو مُوسَى فَكَيْفَ تَصْنَعُونَ بِهَذِهِ الْآيَةِ الَّتِي فِي سُورَةِ الْمَائِدَةِ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ لَوْ رُخِّصَ لَهُمْ فِي هَذَا لَأَوْشَكُوا إِذَا بَرَدَ عَلَيْهِمُ الْمَاءُ أَنْ يَتَيَمَّمُوا بِالصَّعِيدِ فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى وَإِنَّمَا كَرِهْتُمْ هَذَا لِهَذَا قَالَ نَعَمْ فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى أَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ عَمَّارٍ لِعُمَرَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَاجَةٍ فَأَجْنَبْتُ فَلَمْ أَجِدِ الْمَاءَ فَتَمَرَّغْتُ فِي الصَّعِيدِ كَمَا تَتَمَرَّغُ الدَّابَّةُ ثُمَّ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَصْنَعَ هَكَذَا فَضَرَبَ بِيَدِهِ عَلَى الْأَرْضِ فَنَفَضَهَا ثُمَّ ضَرَبَ بِشِمَالِهِ عَلَى يَمِينِهِ وَبِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ عَلَى الْكَفَّيْنِ ثُمَّ مَسَحَ وَجْهَهُ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللَّهِ أَفَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ لِقَوْلِ عَمَّارٍ۔

(ترجمہ) شقیق نے کہا کہ میں عبداللہ بن مسعود اور ابوموسیٰ اشعری کے سامنے بیٹھا تھا تو ابوموسیٰ نے کہا کہ اے ابوعبدالرحمن یہ تو بتائیے کہ اگر کوئی آدمی جنبی ہو جائے اور اسے ایک ماہ تک پانی نہ ملے تو کیا وہ تیمم نہیں کر سکتا؟ عبداللہ نے کہا کہ نہیں۔ اگرچہ وہ ایک ماہ تک بھی پانی نہ پائے۔ پس ابوموسیٰ رضؓ نے کہا کہ آپ لوگ پھر سورۂ مائدہ کی اس آیت کا کیا مطلب لیتے ہیں "اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کر لو" عبداللہ رضؓ نے کہا کہ اگر انہیں اس میں رخصت دے دی جائے تو ہو سکتا ہے کہ جب پانی ٹھنڈا ہو تو بھی تیمم کر لیا کریں"۔ ابوموسیٰ رضؓ نے کہا کہ تم اسے صرف اسی سبب سے ناپسند کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ ہاں! تو ابوموسیٰ رضؓ نے کہا کہ کیا آپ نے وہ بات نہیں سنی جو عمار رضؓ نے حضرت عمر رضؓ سے کہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی کام کو بھیجا، مجھے نہانے کی ضرورت پیش آگئی اور پانی نہ ملا تو میں نے جانور کی مانند زمین پر لوٹنیاں لگائی۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تجھے یہ کافی تھا کہ یوں کرتا اور آپ نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا پھر اسے جھاڑا پھر دائیں ہاتھ کو بائیں پر اور بائیں کو دائیں پر مارا، یعنی ہتھیلیوں پر۔ پھر آپ نے اپنے چہرے کا مسح کیا۔ اس پر عبداللہ رضؓ نے کہا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت عمر رضؓ عمار رضؓ کی بات سے مطمئن نہ ہوئے تھے۔

(شرح) علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بوقت ضرورت نماز کی صحت کی خاطر تیمم مشروع ہے اور اس میں بے وضو آدمی یا جنبی میں بھی کوئی فرق نہیں۔ بیان کیا گیا ہے کہ جنبی کے لئے تیمم کی مشروعیت میں حضرت عمر فاروق رض اور عبداللہ ابن مسعود کو اختلاف تھا اور یہ بھی منقول ہے کہ ان دونوں حضرات نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ کہتے ہیں کہ ابراہیم نخعی کا یہی مسلک تھا کہ جنبی کو تیمم جائز نہیں۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ رض بن مسعود محض مصلحت کی خاطر جنبی کے لئے تیمم کے جواز کو عوام تک پھیلانا نہ چاہتے تھے ورنہ دراصل ان کا مسلک یہ نہ تھا۔ یوں نظر آتا ہے کہ ابوموسیٰ اشعری کو جب پتہ چلا کہ عبداللہ جنبی کیلئے تیمم کے قائل نہیں تو اس وقت انہوں نے عبداللہ سے یہ مناظرہ کیا تھا۔ ابوموسیٰ نے سورۂ مائدہ کی جس آیت کا حوالہ دیا تھا وہ جنبی کے لئے تیمم کو جائز قرار دیتی ہے کیونکہ: اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ کا لفظ جماع کا کنایہ ہے۔

مولانا سہارنپوری نے فرمایا کہ اس حدیث میں تقدیم و تاخیر ہوگئی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ ابوموسیٰ رض نے پہلے عمار رض والا واقعہ بیان کیا مگر عبداللہ رض نے اُسے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضرت عمر رض عمار رض کی بات سے مطمئن نہیں ہوئے تھے؟ پھر ابوموسیٰ رض نے دوسری دلیل پیش کی کہ سورۂ مائدہ کی آیت بتاتی ہے کہ جنبی کیلئے تیمم جائز ہے۔ عبداللہ رض نے یہ دلیل قبول کر لی مگر یہ کہا کہ اگر عوام کو اس کی اجازت دی گئی تو وہ اس سے غلط فائدہ اٹھائیں گے۔ امام بخاری نے اس حدیث کو اسی ترتیب سے بروایت حفص بن غیاث عن الاعمش عن شقیق بیان کیا ہے اور یہی بخاری والی ترتیب صحیح ہے۔ ورنہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب عبداللہ رض نے ابوموسیٰ رض کا استدلال تسلیم کر لیا تو پھر انہیں عمار رض والی حدیث پیش کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟

علمائے امت کا اس امر میں اختلاف ہوا ہے کہ آیا تیمم ایک ضرب ہے یا دو یا تین ضربیں؟ اور تیمم میں ہاتھوں کا مسح کہاں تک ہے؟ آیا صرف ہتھیلیوں تک یا کہنیوں تک یا بغلوں تک۔ بغلوں تک تیمم کا قول زہری کے سوا اور کسی کا نہیں۔ تیمم کے ایک ضرب ہونیکا مسلک عطاء، مکحول، اوزاعی، احمد بن حنبل، اسحاق اور بقول ابن المنذر جمہور کا اور عامۂ محدثین کا ہے۔ دو ضرب ہونے کا مسلک فقہا میں سے سفیان ثوری، مالک، ابوحنیفہ، ابن المبارک اور شافعی کا ہے صحابہ میں سے یہی مسلک ابن عمر رض اور جابر رض کا ہے اور تابعین میں سے ابراہیم نخعی اور حسن بصری کا ہے۔ اور سعید بن المسیب اور ابن سیرین کا یہ مذہب ہے کہ تیمم کے لئے تین ضربیں ہیں۔ ایک ضرب ہتھیلیوں کے لئے دوسری ضرب چہرے کے لئے اور تیسری بازوؤں کے لئے۔

پہلا فریق جو تیمم کی ایک ضرب کا قائل ہے اس کا استدلال زیر نظر حدیث سے اور اسی قسم کی اور صحیح احادیث سے ہے جنکی صحت پر اتفاق ہے۔ دوسرا فریق جو دو ضرب کا قائل ہے اس نے بہت سی ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں دو ضربوں کا ذکر ہے۔ اس استدلال کو جاننے کے لئے چند مقدمات کی ضرورت ہے۔ پہلا مقدمہ یہ کہ کسی چیز کا مذکور نہ ہونا اور اس سے خاموشی اس کی نفی پر دلالت نہیں کرتی۔ اسی طرح جب عدد کا ذکر ہو تو اس سے اوپر والے عدد کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ عدد کا مفہوم غیر معتبر ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ کہ جب زیادتی اور اضافہ ثابت شدہ احادیث کے منافی نہ ہو تو وہ قابل قبول ہوتا ہے۔ تیسرا مقدمہ یہ کہ ضعیف روایات کے طرق اور سندیں زیادہ ہوں تو ان میں قوت آجاتی ہے۔ اور وہ قابل استدلال ہو جاتی ہے حتیٰ کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ راویوں کے ضعف کے باوجود وہ تواتر اور شہرت کے درجے تک بھی پہنچ جاتی ہیں۔ چوتھا مقدمہ یہ کہ حدیث کو جب ایک ثقہ راوی مرفوعاً روایت کرے اور ایک یا کئی ثقہ راوی موقوف روایت کریں تو ان کے موقوف کرنے کے باعث پہلے ثقہ راوی کی مرفوع روایت میں ضعف نہیں آجاتا کیونکہ وہ ثقہ کا اضافہ ہے اور ثقہ کا اضافہ مقبول ہے، مگر یہ کہ کوئی قرینہ اس روایت کے شاذ ہونے پر دلالت کرے، کیونکہ راوی کبھی تو حدیث کو بیان کرنے کی غرض سے اسے مرفوع روایت کرتا ہے اور کبھی فتوٰی دینے

کی خاطر موقوف کر دیتا ہے۔ پس اس روایت کے مرفوع اور موقوف ہونے میں کوئی منافات نہیں ہوتی۔ پس محدثین کا یہ قول کہ "حدیث کا موقوف ہونا ہی درست ہے" حالانکہ وہ ایک صحیح طریقے سے مرفوع روایت ہوئی ہے، سو یہ قول قابلِ تسلیم نہیں ہے۔

مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ ان مقدمات کے بیان کے بعد اب ہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کہتے ہیں کہ صریحاً ایک ضرب تیمم کے ثابت کرنے والی حدیث صحیح بخاری میں نہیں ملی۔ مسلم میں اعمش کی روایت میں ہے: ثُمَّ ضَرَبَ بِيَدَيْهِ اور ایک نسخہ اس کا یہ ہے: بِيَدِهِ إِلَى الْأَرْضِ۔ دوسرے نسخے کی بناء پر جس میں صرف ایک ہاتھ مارنے کا ذکر ہے، یہ روایت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس سے مراد ضرب اور مسح کا طریقہ بیان کرنا ہے نہ کہ وہ سب کچھ جس سے تیمم حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح اس حدیث کا لفظ: ثُمَّ مَسَحَ الشِّمَالَ عَلَى الْيَمِيْنِ بھی یہ بتاتا ہے کہ اس سے مقصود تیمم کی اجمالی صورت کا بیان ہے۔ اسی طرح، وَظَاهِرَ كَفَّيْهِ کا لفظ بھی یہی بتاتا ہے کیونکہ مسلم کی روایت میں دونوں ہتھیلیوں کی پشت کا لفظ ہے اور بخاری میں دونوں ہتھیلیوں میں سے ایک کی پشت کا۔ ورنہ ماننا پڑیگا کہ تیمم میں صرف ایک ہاتھ کی پشت پر یا دونوں کی پشت پر ہی مسح کیا جانا واجب ہے۔ پوری ہتھیلیاں یعنی اندر اور باہر دونوں طرف سے کسی صحیح صریح روایت میں نہیں آئیں، اور یہ کسی کا بھی مذہب نہیں ہے کہ ایک یا دونوں ہتھیلیوں کی صرف پشت پر ہی مسح ہو۔ مسلم کی دوسری روایت میں جسے اعمش نے عبدالواحد سے روایت کیا یہ لفظ ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ہاتھ زمین پر مارے اور ان میں پھونک ماری۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر مارا اور پھر ان میں پھونک ماری، پھر ان کے ساتھ اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کا مسح کیا۔ بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ: تجھے چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں کافی ہیں۔ بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا پھر اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کا مسح کیا۔ بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ: حضورؐ نے فرمایا کہ تمہارے لئے یوں کرنا کافی تھا اور آپ نے اپنا ہاتھ ایک بار زمین پر مارا پھر اسے جھاڑا پھر اس کے ساتھ اپنی ہتھیلی کی پشت بائیں ہاتھ سے چھوئی یا بائیں ہاتھ کی پشت اپنی ہتھیلی سے چھوئی۔ بخاری کی ایک اور روایت باب التیمم میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: تمہیں یوں کرنا کافی تھا، اور آپؐ نے اپنا چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں ایک بار چھوئیں۔ بخاری کی اس روایت میں وحدۃ کا ذکر تو ہے مگر ایک ضرب یا دو ضرب کا ذکر نہیں ہے، لیکن حافظ ابن حجرؒ کی شرح کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کو اکٹھا مسح کیا۔ لیکن شاید امام بخاریؒ نے اس سے ایک ضرب سمجھا۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اس سے مراد ایک ضرب ہے بلکہ احتمال اس بات کا بھی ہے کہ ہاتھوں کو اور چہرے کو اکٹھا مسح کرنا مراد ہو۔ یعنی دو بار یا تین بار مسح نہیں کیا بلکہ صرف ایک بار کیا تھا۔ پس اس سے ضرب کی وحدت پر استدلال نہیں ہو سکتا۔

جن روایات کا ذکر اوپر ہوا ہے ان سے بھی استدلال جائز نہیں کیونکہ جن روایات میں وحدت کی صراحت ہے وہ اس سے زیادہ کی نفی نہیں کرتیں۔ اسی طرح وہ روایات جن میں ضربہ کا ذکر تو ہے مگر وحدت کا نہیں جیسا کہ بخاری میں ہے: وَضَرَبَ بِكَفِّهِ ضَرْبَةً، پس یہ روایات بھی زیادہ کی نفی نہیں کرتیں الا یہ کہ مفہوم سے استدلال کیا جائے، اور ایسا استدلال حنفیہ پر حجت نہیں ہو سکتا۔

اب وہ روایات جن میں دو ضربوں کا ذکر ہے معارضے سے سالم رہ گئیں۔ ان میں سے ایک تو وہ ہے جسے ابوداؤد نے

یونس عن ابن شہاب عن حدیث عمارؓ روایت کیا ہے کہ انہوں نے مٹی پر ہاتھ مارے پھر اپنے چہروں کا ایک بار مسح کیا پھر دوبارہ انہوں نے اپنی ہتھیلیاں مٹی پر ماریں اور ہاتھوں کا مسح کندھوں اور بغلوں تک کیا۔ اسی طرح ابو داؤد نے ابن عباسؓ سے دو ضربیں روایت کی ہیں اور معمر نے زہری سے دو ضربوں کی روایت کی ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اسی طرح ابن ابی ذئب نے بھی زہری سے روایت کی ہے۔ بیہقی کی روایت میں حضرت عبداللہؓ سے دو ضربوں کا بیان ہے۔ یہ روایات بتاتی ہیں کہ صحابہؓ نے قرآن کی آیت کا یہی مطلب سمجھا تھا کہ انہیں چہرے اور ہاتھوں کے مسح کا حکم دیا گیا ہے مگر یہ نہیں جانتے تھے کہ ہاتھوں کی مقدار کہنیوں تک ہے یا کندھوں اور بغلوں تک۔ اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ انہیں دو ضربوں کا حکم دیا گیا ہے ایک ضرب چہرے کے لئے اور دوسری ہاتھوں کے لئے۔ شوکانی نے کہا ہے کہ طبرانی نے معجم اوسط میں اور کبیر میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عمارؓ بن یاسر سے فرمایا تھا "تجھے ایک ضرب چہرے کے لئے اور ایک ضرب ہتھیلیوں کے لئے کافی ہے"۔ اور اس کی سند میں ابراہیم بن محمد ہے جو ضعیف ہے گو وہ امام شافعیؒ کے نزدیک حجت ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں کہا ہے کہ ربیع نے کہا "میں نے شافعیؒ کو یہ کہتے سنا کہ ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ قدری تھا"۔ ربیع سے کہا گیا کہ پھر امام شافعیؒ نے اس سے روایت کیوں لی؟ ربیع نے کہا کہ شافعیؒ کہا کرتے تھے کہ: "ابراہیم کا دور سے یا آسمان سے گرنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ وہ جھوٹ بولے اور وہ حدیث میں ثقہ تھا"۔ امام شافعیؒ کے علاوہ حمدان ابن الاصبہانی اور ابن عقدہ اور ابن عدی نے بھی اس کی تعریف کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ کتاب اختلاف الحدیث میں امام شافعیؒ کا قول ہے کہ ابراہیم محمد بن ابی یحییٰ، دراوردی سے بڑا حافظ تھا۔

دو ضربوں کی روایات میں سے ایک وہ ہے جسے امام طحاویؒ وغیرہ نے اسلعؓ تمیمی سے روایت کیا ہے کہ آپ نے اسلعؓ سے فرمایا "اُٹھ اور پاک مٹی سے دو ضربیں لگا کر تیمم کر، ایک ضرب چہرے کیلئے اور ایک ضرب بازوؤں کے ظاہر و باطن کے لئے"۔ بقول شوکانی اس کی سند میں ربیع بدر راوی ضعیف ہے۔ دارقطنی نے کہا کہ وہ ضعیف ہے مگر اس روایت میں متفرد نہیں ہے اور لوگ بھی اس کے ساتھ ہیں۔

ان روایات میں سے ابن عمرؓ کی روایت بھی ہے جو مرفوع و موقوف دونوں طرح آئی ہے۔ مرفوع دارقطنی میں ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیمم کی دو ضربیں ہیں ایک ضرب چہرے کے لئے اور ایک ضرب ہاتھوں کے لئے کہنیوں سمیت۔ علی بن ظبیان نے اسے مرفوعاً روایت کیا ہے اور یحییٰ بن سعید القطان اور ہشیم وغیرہ نے مرفوعاً اور یہی درست ہے۔ مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ بقول شوکانی اس کی سند میں علی بن ظبیان ہے جسے حافظ ابن حجرؒ نے ضعیف کہا ہے، اسے قطان اور ابن معین اور دیگر کئی لوگوں نے ضعیف کہا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں اس کا حال بیان کرنے کے بعد اور زیادہ تر محدثین سے اس کی تضعیف نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ طلحہ بن محمد بن جعفر نے کہا کہ علی بن ظبیان ایک جلیل القدر آدمی دیندار، متواضع فقہ کے اچھے علم والا، ابو حنیفہؒ کے اصحاب میں سے تھا۔ فیصلے کے باب میں سخت تھا۔ ہارون الرشید نے اسے حاکم بنایا تھا۔ اور حاکم نے مستدرک میں اس کی حدیث تیمم کے بارے میں بیان کی ہے اور کہا ہے کہ یہ شخص راست باز تھا۔ پھر حاکم نے ابن عمرؓ کی روایت بیان کی ہے جس میں ہے کہ تیمم کی دو ضربیں ہیں ایک چہرے کے لئے اور ایک کہنیوں سمیت ہاتھوں کے لئے۔ یہ موقوف روایت مرفوع کے حکم میں ہے کہ اس میں رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں۔ ممکن ہے ابن عمرؓ نے کبھی اسے مرفوع بیان کیا ہو اور

کبھی بطور فتوای اس کا ذکر کیا ہو۔

ابن عمرؓ کی تیمم کے باب میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے جسے دارقطنی نے اپنی سند سے سلیمان بن ارقم عن الزھری عن سالم عن ابیہ بیان کیا ہے۔ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو ضربوں سے تیمم کیا۔ ایک ضرب چہرے کے لئے اور دوسری ضرب کہنیوں سمیت ہاتھوں کے لئے۔ دارقطنی نے کہا کہ سلیمان بن ارقم اور سلیمان بن ابی داؤد ضعیف ہیں۔

تیمم کی روایات میں جابرؓ کی مرفوع وموقوف حدیث بھی ہے۔ مرفوع حدیث دارقطنی میں ہے جس میں حضورؐ کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ: تیمم ایک ضرب چہرے کے لئے اور ایک ضرب بازوؤں کے لئے کہنیوں تک ہے۔ دارقطنی نے کہا کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں اور صحیح یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے شیخ شمس الحق نے دارقطنی کے حاشیئے پر لکھا ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ حاکم نے بھی اسے صحیح الاسناد کہا ہے۔ ابن الجوزی نے تحقیق میں کہا ہے کہ ایک راوی عثمان بن محمد متکلم فیہ ہے۔ صاحب تنقیح نے شیخ تقی الدین کی متابعت میں کہا ہے کہ ابن الجوزی کا کلام غیر مقبول ہے کیونکہ اس نے یہ نہیں بتایا کہ عثمان میں کلام کرنے والا کون ہے حالانکہ ابوداؤد اور ابوبکر بن ابی عاصم نے اس سے روایت کی ہے اور ابن ابی حاتم نے اس کا ذکر اپنی کتاب میں کسی جرح وتعدیل کے بغیر کیا ہے۔ ذہبی نے کہا ہے کہ اس میں ذرا نرمی پائی جاتی ہے۔ علامہ عینی نے کہا کہ اس حدیث کو بیہقی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ ذہبی نے بھی کہا کہ اس کی سند صحیح ہے اور جو کہے کہ صحیح نہیں ہے اس کی بات کی طرف التفات نہ کیا جائے۔

ان احادیث میں سے بیہقی میں ابن عمرؓ کی مرفوع روایت ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تیمم کا طریقہ یوں بتایا، آپ نے اپنے دونوں ہاتھ مارے اور ان سے ایک مرتبہ اپنے چہرے کا مسح کیا پھر دوبارہ ہاتھ مارے اور ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کیا۔ بیہقی نے کہا کہ بعض حفاظ نے اس حدیث کے مرفوع ہونے سے انکار کیا ہے اور کئی لوگوں نے اسے ابن عمرؓ کا فعل ہونیکی حیثیت سے روایت کیا ہے۔ پھر بیہقی نے یزید بن الہاد سے ابن عمرؓ کی حدیث روایت کی ہے جس میں ہے کہ حضورؐ رفع حاجت سے تشریف لائے اور الخ بیہقی نے کہا کہ یہ روایت اوپر والی روایت کی شاہد ہے لیکن اس میں صرف بازوؤں کا ذکر ہے کہنیوں کا لفظ نہیں آیا۔

ان احادیث میں سے ابوہریرہؓ کی روایت بھی ہے جسے امام احمد نے بیان کیا ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ ہم لوگ صحراؤں میں رہتے ہیں اور ایک ایک دو دو ماہ تک پانی نہیں ملتے اور ہم میں جنبی مرد اور حائضہ اور نفاس والی عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ زمین سے کام لو۔ پھر آپؐ نے زمین پر ایک ضرب لگائی، اور پھر دوسری ضرب لگائی اور اس سے کہنیوں سمیت بازوؤں کا مسح کیا۔ ابن الہمام نے فتح القدیر میں کہا کہ اس حدیث کا راوی محمد بن المثنی ہے جسے احمد اور ابن معین وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ اور ابویعلی نے اسے ابن لہیعہ کی روایت سے بیان کیا ہے اور وہ بھی ضعیف ہے اور معجم طبرانی اوسط میں اس کا ایک اور طریق بھی ہے جس میں ابراہیم بن یزید ہے جو ضعیف ہے

ان احادیث میں سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مرفوع روایت بھی ہے کہ: تیمم کی دو ضربیں ہیں ایک چہرے کے لئے اور ایک کہنیوں سمیت بازوؤں کے لئے۔ اسے بزار نے نقل کیا ہے۔ اس میں بقول علامہ عینی حریش بن خریت ایک ضعیف راوی ہے جسے ابوحاتم اور ابوزرعہ نے ضعیف کہا ہے۔ مولانا سہارنپوری نے کہا کہ حافظ ابن حجر کے بیان کے مطابق دارقطنی، یحیی بن معین

بخاری نے اسے لائق اعتبار قرار دیا ہے۔ ابن ماجہ نے اس کی ایک روایت بیان کی ہے۔

ان میں سے ابوامامہؓ کی مرفوع حدیث بھی ہے جسے طبرانی نے روایت کیا ہے کہ: تیمم کی دو ضربیں ہیں، ایک چہرے کے لئے اور ایک کہنیوں سمیت بازوؤں کے لئے۔ اس میں جعفر بن زبیر راوی بقول شعبہ واضع حدیث تھا۔ ابن حجر نے تقریب میں کہا کہ وہ متروک الحدیث ہے مگر فی نفسہ نیک تھا۔ ابوداؤد نے اسے بھلے لوگوں میں شمار کیا ہے مگر اس کی حدیث نہیں لکھی۔ ابن ماجہ نے اس کی ایک حدیث روایت کی ہے۔

تیمم کی دو ضربوں کے قائل قرآن سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ۔ گویا چہرے اور ہاتھوں کا مسح مامور بہ ہوا اور پانی سے وضوء کی صورت میں ان دو اعضاء کے لئے ایک ہی پانی کا استعمال جائز نہیں۔ تیمم وضوء کا قائم مقام ہے۔ پس جب اصل میں ایسا نہیں تو اس کے نائب میں بھی ایک ہی مٹی کا استعمال دونوں اعضاء کیلئے جائز نہیں ہے۔ نص میں گو عبارۃ النص کے طور پر تکرار ثابت نہیں مگر دلالۃ النص سے تکرار کا ثبوت نکلتا ہے۔ یہ نص کے مقابلے میں قیاس بھی نہیں کہلا سکتا کیونکہ نص میں تو مسح کے ساتھ دونوں اعضاء کا احاطہ بھی ثابت نہیں، یہ بھی وضوء کا قائم مقام ہونے کی حیثیت سے تیمم میں ثابت کیا جاتا ہے۔

تیمم کی دو ضربوں کے باب میں صحابہؓ اور تابعین سے بہت سے آثار منقول ہیں۔ انہیں بیان کرنا باعث تطویل ہے۔

جہاں تک دوسرے اختلاف کا تعلق ہے یعنی محل مسح کا اختلاف۔ سو اکثر علماء کے نزدیک تیمم دو ضربوں میں ہے ایک چہرے کے لئے اور دوسری کہنیوں سمیت ہاتھوں کے لئے۔ ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب، مالکؒ اور ان کے اصحاب، شافعیؒ اور ان کے اصحاب اور لیثؒ بن سعد کا یہی قول ہے۔ مگر مالکؒ کے نزدیک گٹوں تک فرض اور کہنیوں تک مختار و مستحب ہے۔ حسنؒ بن حی اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ دونوں ضربوں میں سے ہر ایک کے ساتھ چہرے اور کہنیوں سمیت بازوؤں کا مسح کیا جائے۔ خطابی نے کہا کہ اہل علم میں سے یہ کسی اور کا قول نہیں۔ ابن سیرینؒ نے کہا کہ تیمم کی تین ضربیں ہیں۔ ایک چہرے کے لئے دوسری بازوؤں کے لئے اور تیسری پھر ان دونوں کے لئے اکٹھی یہ قول بدائع میں منقول ہے۔ زہری نے کہا کہ بغلوں کا بھی تیمم کیا جائے۔ اور علماء کے ایک گروہ نے چار ضربوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ دو ضربیں چہرے کے لئے اور دو بازوؤں کے لئے مگر سنت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ بعض علماء نے جنبی کے لئے کندھوں تک اور غیر جنبی کے لئے گٹوں تک کا مسح بتایا ہے مگر یہ ایک ضعیف قول ہے۔ ابن سیرین سے ایک روایت میں ایک ضرب چہرے کے لئے، دوسری ضرب ہتھیلیوں کے لئے اور تیسری بازوؤں کے لئے منقول ہے۔

جن لوگوں کے نزدیک مسح کا محل چہرہ اور صرف ہتھیلیاں ہیں، ان کا استدلال عمارؓ کی حدیث سے ہے جس میں یہ لفظ ہیں کہ: "پھر دونوں ہاتھوں سے ہتھیلیوں اور چہرے کا مسح کیا" اور عمار کے قصہ میں حضورؐ کا ارشاد "تیرے لئے چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں کافی ہیں" حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ تیمم کے طریقے میں وارد ہونے والی احادیث میں سے ابوجہیمؓ اور عمارؓ کی حدیث کے سوا کوئی صحیح نہیں۔ ان کے علاوہ یا تو ضعیف ہیں یا ان کے مرفوع و موقوف ہونے میں اختلاف ہے مگر راجح یہی ہے کہ وہ مرفوع نہیں۔ ابوجہیمؓ کی حدیث میں ہاتھوں کے بارے میں اجمال ہے۔ عمارؓ کی حدیث بخاری اور مسلم میں ہتھیلیوں کے ذکر سے وارد ہے اور سنن میں بازوؤں کے ذکر کے ساتھ۔ ایک روایت میں نصف بازو کا لفظ بھی ہے۔ ایک روایت میں بغلوں تک کا لفظ بھی ہے۔ امام شافعیؒ وغیرہ نے کہا ہے کہ اگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوا تھا تو اس کے بعد ہر تیمم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہوا وہ اس کا ناسخ ہے، اور اگر آپؐ کے حکم کے بغیر ہوا تھا تو دلیل وہی ہے

جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہو۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے کہا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ ابو جہیم رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث کے سوا کوئی حدیث صحیح نہیں، غیر مسلّم ہے کیونکہ جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت میں ہے کہ تیمم کی دو ضربیں ہیں ایک چہرے کے لئے اور دوسری ہاتھوں کے لئے کہنیوں سمیت، حاکم نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے خلاف کہنے والے کا قول التفات کے قابل نہیں۔ اگر کہو کہ ایک جماعت نے اسے موقوف روایت کیا ہے تو میں کہوں گا کہ رفع زیادہ قوی اور زیادہ ثابت ہے کیونکہ وہ دو طریقوں سے مستند ہوا ہے۔ حافظ کا یہ قول بھی صحیح نہیں کہ ابو جہیم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں "یدین" کا لفظ مجمل آیا ہے۔ یہ مجمل نہیں کیونکہ اس پر اجمال کی تعریف صادق نہیں آتی۔ بلکہ یہ مطلق ہے جو "کفین" اور "مرفقین" اور اس کے اوپر تک کے لئے بھی بولا جاتا ہے لیکن دارقطنی کی روایت نے اس کی تخصیص و تفسیر کر دی ہے کیونکہ اس میں یہ لفظ ہیں: "پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے اور بازوؤں کا مسح کیا۔" اگر کوئی کہے کہ حافظ نے مجمل سے مراد لغوی اجمال لیا ہے نہ کہ اصطلاحی، تو میں کہتا ہوں کہ اگر ایسا ہے تو دارقطنی کی حدیث نے اس کی وضاحت کر دی ہے اور اسے کھول دیا ہے۔

مولانا سہارنپوری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں کہ عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ مختلف ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ: "پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے چہرے اور ہتھیلیوں کا مسح کیا۔" دوسری روایت میں ہے کہ: "تیرے لئے چہرہ اور ہتھیلیاں کافی ہیں۔" ان دونوں حدیثوں میں تو ہاتھوں کی ہتھیلیوں اور چہرے کا ذکر ہے مگر ایک اور حدیث میں ہے کہ: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلی زمین پر ماری پھر ہاتھوں کو جھاڑا پھر بائیں ہاتھ سے دائیں ہتھیلی کی پشت پر یا بائیں کی ہتھیلی کی پشت پر اپنی ہتھیلی سے مسح کیا پھر ان دونوں سے چہرے کا مسح کیا۔" اور بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا پھر اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کا مسح کیا۔" پس بخاری کی روایات میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسح کا آلہ ایک تھا یا دو۔ جس روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہتھیلیاں زمین پر ماریں اس سے معلوم ہوا کہ آلۂ مسح دونوں ہتھیلیاں تھیں جس روایت میں ایک ہتھیلی یا ایک ہاتھ مارنے کا ذکر ہے اُن سے معلوم ہوا کہ آلۂ مسح ایک تھا۔ اسی قسم کا اختلاف محلِ مسح میں ہوا ہے۔ کسی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کا مسح کیا۔ کسی میں ہے کہ ہتھیلی کی پشت پر بائیں ہاتھ سے یا بائیں کی پشت پر ہتھیلی سے مسح فرمایا۔ پس ان روایات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تیمم کرنے والا کم از کم ایک ہاتھ سے دونوں ہتھیلیوں کی پشت پر اس طرح مسح کرے کہ دائیں سے بائیں ہتھیلی کی پشت پر اور بائیں ہاتھ سے دائیں ہتھیلی کی پشت پر۔ بلکہ ایک روایت کا لفظ آذ یہ بتاتا ہے کہ وہ کم از کم ایک ہاتھ سے دوسرے کی ہتھیلی کی پشت پر مسح کرے۔ لیکن جن روایات میں دونوں ہتھیلیوں کا مسح آیا ہے تو ان کی یہ تاویل ممکن ہے کہ: "دونوں ہتھیلیوں کی پشت پر مسح کرے۔" یا یوں کہا جائے کہ تیمم میں جو کم از کم مسح کافی ہے وہ ایک ہاتھ سے دونوں ہتھیلیوں کی پشت پر ہے یا ایک ہتھیلی کی پشت پر، جہاں تک دونوں ہتھیلیوں کے ظاہر و باطن کے مسح کا تعلق ہے اس میں اسے اختیار رہے۔ پس یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ "صحیح حدیث صحیح حدیث" پکارنے والوں نے ان صریح اور صحیح احادیث کو چھوڑ کر ہتھیلیوں کا اندر اور باہر سے مسح کرنا کیسے واجب قرار دیا ہے؟ اگر وہ یہ عذر کریں کہ اس فعل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مُراد یہ تھی کہ ضرب کا طریقہ بتائیں، سارا تیمم مُراد نہ تھا۔ سو یہی بات تو ہماری مراد کو پورا کرتی ہے بلکہ اس سے کہنیوں تک کے مسح کا لازم ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس کے بغیر ہتھیلیوں کے ظاہر و باطن کا مسح لازم ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

جن لوگوں نے تیمم میں چہرے اور دونوں بازوؤں کا کہنیوں سمیت مسح واجب کہا ہے، ان کا استدلال بہت سی

احادیث سے ہے ۔ ایک تو ابوالجہیمؓ بن صمہ انصاری کی حدیث ہے جو مسلم اور ابوداؤد میں ہے کہ حضورؐ نے چہرے اور دونوں ہاتھوں کا مسح کرکے سلام کا جواب دیا ۔ دارقطنی اور بیہقی نے یہی حدیث یوں روایت کی ہے کہ : چہرے اور بازوؤں کا مسح فرمایا ۔ پھر بیہقی نے ایک منقطع حدیث بیان کی اور اسے اوپر کی حدیث کا شاہد قرار دیا ، اس میں بھی چہرے اور بازوؤں کا ذکر ہے ۔ دارقطنی کی حدیث جس میں یہی ابوالجہیمؓ والا واقعہ آیا ہے ، اس میں چہرے اور دونوں بازوؤں کا کہنیوں سمیت ذکر ہے اور واضح طور پہ دو ضربوں کا بیان ہے ۔ دارقطنی کی ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مسلم اور ابوداؤد کی روایتوں میں جو یَدَیْہِ کا لفظ ہے اس سے مراد "کہنیوں تک بازو" ہیں ۔ اسی طرح ابن عمرؓ کی حدیث جو ابوداؤد وغیرہ نے روایت کی ہے اس میں بھی دو ضربوں کے ساتھ چہرے اور بازوؤں کا ذکر ہے ۔ محمد بن ثابت اس حدیث کے راوی کو ابوداؤد نے منکر اور ابن معین ، ابو حاتم ، بخاری اور احمد نے ضعیف قرار دیا ہے ۔ مولانا نے فرمایا کہ حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں اس راوی کو بقول محمد بن سلیمان اور احمد بن عبداللہ عجلی ثقہ قرار دیا ہے ۔ عثمان دارمی نے ابن معین سے نقل کیا کہ اس راوی میں کوئی حرج نہیں ۔ بیہقی نے کہا ہے کہ جس روایت کو موقوف کہا گیا ہے وہ فقط ابن عمرؓ کا فعل ہے ، جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے جس میں ایک شخص کے سلام کا اور حضورؐ کے بعد از تیمم جواب کا ذکر ہے یہ مشہور قصہ ہے جو ابوالجہیمؓ نے حضورؐ سے منسوب کرکے بیان کیا ہے ۔ اور اس کی روایت دیگر صحابہ سے بھی ثابت ہے ۔ جابرؓ کی حدیث جس میں دو ضربوں کا اور چہرے اور کہنیوں سمیت بازوؤں کا ذکر ہے بقولِ دارقطنی صحیح ہے ، اس کے سب راوی ثقہ ہیں ۔ اس کی تصحیح حاکم اور ذہبی نے بھی کی ہے ۔ یہ حدیث صحیح اور صریح ہے جس سے تیمم میں چہرے اور بازوؤں کا مسح کہنیوں سمیت دو ضربوں کے ساتھ ثابت ہوتا ہے ۔ اس کے علاوہ وہ احادیث جنہیں ضعیف کہا گیا ہے وہ اس کی مؤید ہیں ۔ اگر یہ صریح صحیح حدیث نہ ہوتی تب بھی بہت سی ضعیف روایات جو اس مضمون کی ہیں ان میں کثرت کے باعث قوت پیدا ہو جاتی ہے ۔

آیتِ قرآنی میں اَیْدِیْکُمْ کا لفظ ہے ، یعنی اللہ تعالیٰ نے ید کے مسح کا حکم فرمایا ہے ۔ اس میں تقیید صرف کسی دلیل سے ہی ہو سکتی ہے جن احادیث میں "ایک ہتھیلی کی پشت یا "دو ہتھیلیاں" وارد ہے ، ان میں یہ احتمال ہے کہ صورتِ ضرب کا بیان کیا گیا ہے یا مقامِ مسح کا ۔ مگر جب احتمال پیدا ہو گیا تو استدلال نہ رہا ۔ جن احادیث میں کہنیوں تک کا ذکر ہے ان میں یہ احتمال نہیں لہٰذا اسی کو لینا بہتر ہے اور یہ قیاس کے مطابق بھی ہے کیونکہ تیمم وضوء کا قائم مقام ہے ۔ وضوء میں ہاتھوں کی حد "مرافق" تک ہے ۔ لہٰذا اسی پر قیاس کرکے تیمم میں بھی یہی حد ہو گی ۔ جہاں تک کہنیوں کے اوپر کا تعلق ہے وہ اجماع کے باعث خارج ہو گیا ہے ۔ امام خطابیؒ کا قول ہے کہ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وضوء کے تو چار اعضا ہیں مگر تیمم کے صرف دو ، لہٰذا قیاس غلط ہوا ، ہم کہتے ہیں کہ جن دو کو اللہ تعالیٰ نے خود ساقط کر دیا ہے اُن پر قیاس نہیں کرتے بلکہ جن کو باقی رکھا ہے ان پر قیاس کرتے ہیں پس قیاس صحیح ہے ۔

۳۲۱ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ الْعَبْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ أَبِي مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى قَالَ كُنْتُ عِنْدَ عُمَرَ فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ إِنَّا نَكُونُ بِالْمَكَانِ الشَّهْرَ وَالشَّهْرَيْنِ قَالَ عُمَرُ أَمَّا أَنَا فَلَمْ أَكُنْ أُصَلِّي حَتَّى أَجِدَ الْمَاءَ قَالَ فَقَالَ عَمَّارٌ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَمَا تَذْكُرُ إِذْ كُنْتُ أَنَا وَأَنْتَ فِي الْإِبِلِ فَأَصَابَتْنَا جَنَابَةٌ فَأَمَّا أَنَا فَتَمَعَّكْتُ فَأَتَيْنَا

النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَقُولَ هٰكَذَا وَضَرَبَ بِيَدَيْهِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ نَفَخَهُمَا ثُمَّ مَسَّ بِهِمَا وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ إِلَى نِصْفِ الذِّرَاعِ فَقَالَ عُمَرُ يَا عَمَّارُ اتَّقِ اللهَ فَقَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنْ شِئْتَ وَاللهِ لَمْ أَذْكُرْهُ أَبَدًا فَقَالَ عُمَرُ كَلَّا وَاللهِ لَنُوَلِّيَنَّكَ مِنْ ذٰلِكَ مَا تَوَلَّيْتَ۔

(ترجمہ) حضرت عمرؓ کے پاس آکر ایک شخص نے کہا کہ ہم ایک دو ماہ تک کسی جگہ رہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں تو جب تک پانی نہ پاتا نماز نہ پڑھتا۔ اس پر عمار نے کہا اے امیر المؤمنین کیا آپ کو یاد نہیں کہ جب میں اور آپ اونٹوں کو چرانے پر مامور تھے، پس ہمیں جنابت نے آلیا اور میں زمین پر لوٹ پوٹ ہوا۔ پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور میں نے وہ واقعہ حضورؐ کو سنایا تو آپؐ نے فرمایا تمہیں یوں کرنا کافی تھا اور آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر ان میں پھونک ماری پھر ان سے اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح نصف بازوؤں تک کیا۔ اس پر عمرؓ نے فرمایا: اے عمار خدا سے ڈر۔ اس نے کہا اے امیر المؤمنین واللہ اگر آپ چاہیں تو کبھی اس کا ذکر نہ کروں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہرگز نہیں واللہ ہم اس معاملے میں تمہاری ذمہ داری کا بوجھ تم پر ہی ڈالتے ہیں۔

(شرح) آنے والے کی بات مختصر بیان ہوئی ہے۔ اس نے دراصل یہ کہا تھا کہ ہمیں غسل کی حاجت ہوتی ہے کہ پانی صرف اتنا ہوتا ہے کہ پی کر گزارہ کر سکیں۔ حضرت عمرؓ نے عمارؓ کو جو خوف خدا کی تلقین کی تھی اس کے اسباب کئی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ مجھے تو واقعہ یاد نہیں تم کہتے ہو کہ یوں ہوا تھا، سو خدا سے ڈرو اور غلط بات مت کہنا۔ دوسرا یہ کہ جناب عمرؓ احادیث کے بیان و روایت کے بارے میں بہت شدید تھے مبادا کسی سے غلطی ہو جائے اور حضورؐ کی وعید کی زد میں آجائے۔ تیسرے یہ کہ حضرت عمرؓ کا اجتہاد یہی تھا کہ تیمم صرف بے وضو شخص کے لئے ہے جنبی کے لئے نہیں، اس لئے جب اس کے خلاف حدیث سنی تو تعجب ہوا اور یہ الفاظ فرمائے پیچھے گزر چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس مسلک سے رجوع کر لیا تھا۔ مسائل تیمم پر مفصل کلام اوپر کی حدیث کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

۳۲۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا حَفْصٌ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنِ ابْنِ أَبْزَى عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ يَا عَمَّارُ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هٰكَذَا ثُمَّ ضَرَبَ بِيَدَيْهِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ ضَرَبَ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى ثُمَّ مَسَحَ وَجْهَهُ وَالذِّرَاعَيْنِ إِلَى نِصْفِ السَّاعِدِ وَلَمْ يَبْلُغِ الْمِرْفَقَيْنِ ضَرْبَةً وَاحِدَةً۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى قَالَ وَرَوَاهُ جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى عَنْ أَبِيهِ۔

(ترجمہ) عمارؓ کی گزشتہ حدیث کی دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: اے عمار تمہیں اتنا ہی کافی تھا کہ

یوں کرتے، پھر آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر ایک ہاتھ دوسرے پر مارا، پھر اپنے چہرے اور بازوؤں کا مسح نصف بازو تک کیا اور کہنیوں تک نہیں پہنچے، ضرب ایک ہی لگائی تھی۔ پھر ابوداؤد نے اسی حدیث کی دو روایتوں کا مختصرًا ذکر کیا جن میں اعمش کے شاگردوں کا سند میں کچھ اختلاف ہے۔

۳۲۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابْنَ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ عَنْ ذَرٍّ عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَمَّارٍ بِهَذِهِ الْقِصَّةِ فَقَالَ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ وَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ نَفَخَ فِيهَا وَمَسَحَ بِهَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ شَكَّ سَلَمَةُ قَالَ لَا أَدْرِي فِيهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ يَعْنِي أَوْ إِلَى الْكَفَّيْنِ۔

(ترجمہ) اس روایت میں ایک اور سند سے حضرت عمارؓ کا قصہ آیا ہے۔ اس میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: تجھے صرف یہ کافی تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ (دوسرے نسخے کے مطابق دونوں ہاتھ) زمین پر مارا پھر اس میں پھونک ماری اور اس کے ساتھ اپنے چہرے اور ہتھیلیوں پر مسح فرمایا۔ شعبہ نے کہا سلمہ راوی کو شک ہے کہ اس کے استاد نے آگے "کہنیوں تک" کہا یا "ہتھیلیوں تک" کہا۔ (مسائل و الفاظ پر بحث اوپر گزری)

۳۲۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ سَهْلٍ الرَّمْلِيُّ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ يَعْنِي الْأَعْوَرَ حَدَّثَنِي شُعْبَةُ بِإِسْنَادِهِ بِهَذَا الْحَدِيثِ قَالَ ثُمَّ نَفَخَ فِيهَا وَمَسَحَ بِهَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ أَوِ الذِّرَاعَيْنِ قَالَ شُعْبَةُ كَانَ سَلَمَةُ يَقُولُ الْكَفَّيْنِ وَالْوَجْهَ وَالذِّرَاعَيْنِ فَقَالَ لَهُ مَنْصُورٌ ذَاتَ يَوْمٍ انْظُرْ مَا تَقُولُ فَإِنَّهُ لَا يَذْكُرُ الذِّرَاعَيْنِ غَيْرُكَ۔

(ترجمہ) اس حدیث عمارؓ کی ایک اور سند سے روایت، اس میں عمار کا قول ہے کہ: پھر آپؐ نے ہاتھ (یا دونوں ہاتھوں) میں پھونک ماری اور اس کے (یا دوسرے نسخے کے مطابق ان دونوں کے) ساتھ اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کا کہنیوں تک یا بازوؤں تک مسح کیا۔ شعبہ نے کہا کہ سلمہ یہاں پر دونوں ہتھیلیوں اور چہرے اور بازوؤں کا لفظ بولتا تھا تو منصور نے ایک دن اس سے کہا: دیکھو تم کیا کہتے ہو کیونکہ بازوؤں کا ذکر تمہارے سوا کوئی نہیں کرتا۔

(شرح) پہلی حدیث میں جو شک تھا وہ لفظ اور معنیٰ دونوں میں تھا کیونکہ مرفقین اور کفین الگ الگ چیزیں ہیں اس حدیث کا شک صرف لفظی ہے کیونکہ مرفقین اور ذراعین سے مراد ایک ہی چیز ہے۔ منصور سے مراد ابن المعتمر ہے، اس نے سلمہ پر جو اعتراض کیا وہ یہ تھا کہ اس حدیث کی روایت میں ذراعین کا لفظ دوسرے راوی (ذر کے دوسرے شاگرد) نہیں بولتے صرف تم بولتے ہو۔ اگر اعتراض صرف یہی تھا تو گزارش ہے کہ اصول کی رو سے ثقہ کا اضافہ مقبول ہوتا ہے۔ ایک ہی استاد کے شاگردوں کے حافظے مختلف ہوتے ہیں کسی کو زیادہ یاد رہا کسی کو کم۔ آگے ابوداؤد وہ روایت لا رہے ہیں جس میں ذراعین کا ذکر نہیں ہے۔

۳۲۵- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ شُعْبَةَ حَدَّثَنِي الْحَكَمُ عَنْ ذَرٍّ عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰى عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَمَّارٍ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ قَالَ فَقَالَ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكَ اَنْ تَضْرِبَ بِيَدَيْكَ اِلَى الْاَرْضِ وَتَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَكَ وَكَفَّيْكَ وَسَاقَ الْحَدِيْثَ- قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ وَرَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ اَبِيْ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ عَمَّارًا يَخْطُبُ بِمِثْلِهِ اِلَّا اَنَّهُ قَالَ لَمْ يَنْفُخْ- وَذَكَرَ حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْحَكَمِ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ قَالَ فَضَرَبَ بِكَفَّيْهِ اِلَى الْاَرْضِ وَنَفَخَ-

(ترجمہ) ایک اور سند سے اس حدیث میں ہے کہ عمارؓ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے لئے یہ کافی تھا کہ اپنے ہاتھ زمین پر مارتا اور ان کے ساتھ اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کا مسح کرتا۔ ایک سند سے ابومالک کا بیان ہے کہ میں نے عمار کو خطبہ دیتے سنا مگر انہوں نے کہا کہ پھونک نہیں ماری تھی۔ اسی حدیث میں ایک اور سند سے عمار کا قول یوں ہے کہ آپؐ نے دونوں ہتھیلیوں زمین پر ماریں اور پھونک ماری۔

(شرح) مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ سلمہ کی حدیث ذرّ سے اور حکم کی حدیث ذرّ سے دونوں صحیح ہیں۔ فرق یہ ہے کہ سلمہ نے تو مسح کی انتہاء کا ذکر کیا اور کہا کہ: چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کا کہنیوں تک مسح کیا یا بازوؤں تک مسح کیا۔ مگر حکم نے مسح کی انتہاء کا ذکر نہیں کیا اور صرف ہتھیلیوں کے مسح کے ذکر پر اکتفاء کیا۔ ثقہ کا اضافہ مقبول ہوتا ہے کیونکہ ان دونوں میں کوئی منافات نہیں کہنیوں تک مسح ہو تو ہتھیلیاں بھی اس میں شامل ہوتی ہیں۔ سلمہ کو جو شک ہوا وہ مرفقین اور ذراعین میں ہوا تھا۔ اس سے پہلی حدیث میں جو شک مذکور ہے اس میں کفین کے لفظ کا کوئی معنیٰ نہیں بنتا کیونکہ مسح تو خود ہاتھ یا دونوں ہاتھوں (یعنی ہتھیلیوں) کے ساتھ کیا گیا تھا اور مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ کا لفظ تو پہلے ہی گزر چکا تھا، اس کے دوبارہ ذکر کا معنیٰ کوئی نہیں بنتا۔ پھر اس روایت میں یعنی کے لفظ کا اضافہ بتاتا ہے کہ سلمہ نے الی الکفین کا لفظ نہیں بولا بلکہ شعبہ نے خود بولا تھا۔

۳۲۶- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمِنْهَالِ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ سَعِيْدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عَزْرَةَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰى عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّيَمُّمِ فَاَمَرَنِيْ ضَرْبَةً وَّاحِدَةً لِّلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ-

(ترجمہ) عمارؓ بن یاسر نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تیمم کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے مجھے چہرے اور ہتھیلیوں کے لئے ایک ضرب کا حکم دیا۔

(شرح) تیمم کے لئے دو ضرب کے قائلین اس حدیث میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ چونکہ دو ضرب دوسری احادیث سے ثابت ہو گئی ہیں لہٰذا اس کا مطلب یہ ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کے لئے ایک ایک ضرب۔ دلیل اس کی یہ بھی ہے کہ خود عمارؓ کی

روایت اوپر گزر چکی ہے جس میں دو ضربوں کا صراحۃً ذکر موجود ہے۔ رہا الکفین کا لفظ تو اس سے مراد خود عمارؓ کی اوپر والی حدیث سے "کہنیوں تک یا بازوؤں تک" ہے مفصل بحث اس پر اوپر گزر چکی ہے۔ اگلی حدیث جو متابعات میں سے ہے اس میں بھی مرفقین کا لفظ موجود ہے۔

۳۲۷- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبَانُ قَالَ سُئِلَ قَتَادَةُ عَنِ التَّيَمُّمِ فِي السَّفَرِ فَقَالَ حَدَّثَنِي مُحَدِّثٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ۔

(شرح) اس حدیث میں الی المرفقین کا لفظ عمارؓ بن یاسر سے خود حضورؐ کا فرمانا مذکور ہے۔ قتادہ نے محدّث کا لفظ بول کر اس شخص کی توثیق کی ہے جس نے یہ حدیث اُسے بتائی تھی پس اس محدّث کی جہالت مُضر نہیں۔ متابعات میں بخاری نے بھی حج میں عن رجل عن انسؓ کی روایت بیان کی ہے یعنی وہاں انسؓ کا شاگرد مجہول ہے۔

۱۲۵- بَابُ التَّيَمُّمِ فِي الْحَضَرِ

حضر میں تیمم کا باب

۳۲۸- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ هُرْمُزَ عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍؓ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ أَقْبَلْتُ أَنَا وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَسَارٍ مَوْلَى مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى أَبِي الْجُهَيْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ الْأَنْصَارِيِّ فَقَالَ أَبُو الْجُهَيْمِؓ أَقْبَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ فَلَقِيَهُ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ السَّلَامَ حَتَّى أَتَى عَلَى جِدَارٍ فَمَسَحَ بِوَجْهِهِ وَيَدَيْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔

(ترجمہ) ابوالجہیمؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیر جمل کی طرف سے تشریف لائے، پس ایک آدمی آپؐ سے ملا اور سلام کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سلام کا جواب نہیں دیا حتیٰ کہ ایک دیوار کے پاس تشریف لے گئے، اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا پھر اس کے سلام کا جواب دیا۔

(شرح) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے والا آدمی خود ابوالجہیمؓ تھے جیسا کہ شافعیؒ نے اپنی روایت میں صراحت

کی ہے۔ اسی طرح شافعیؒ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے ایک ڈنڈے سے اس دیوار کو چھیلا۔ دیوار کوئی بیکار ہوگی یا کسی ایسے انسان کی ملک ہوگی جس کی رضا حضورؐ کو معلوم تھی۔ دارقطنی اور شافعی دونوں کی روایت میں "پس آپؐ نے اپنے چہرے اور بازوؤں کا مسح کیا" کے الفاظ ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے لیکن اس روایت کا موقوف ہونا درست ہے اور رفع کسی راوی کی غلطی۔ نیز اس کے دو راوی ضعیف ہیں۔ اس حدیث سے امام طحاوی نے استدلال کیا ہے کہ اگر نماز جنازہ کے فوت ہونے کا خوف ہو تو تیمم سے پڑھنا جائز ہے اور کوفہ کے فقہاء اور لیث اور اوزاعی کا یہی مذہب ہے۔

۳۲۹۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الْمَوْصِلِيُّ اَبُوْ عَلِيٍّ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ ثَابِتٍ الْعَبْدِيُّ حَدَّثَنَا نَافِعٌ قَالَ انْطَلَقْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِيْ حَاجَةٍ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقَضَى ابْنُ عُمَرَ حَاجَتَهُ وَكَانَ مِنْ حَدِيْثِهِ يَوْمَئِذٍ اَنْ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سِكَّةٍ مِنَ السِّكَكِ وَقَدْ خَرَجَ مِنْ غَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتّٰى اِذَا كَادَ الرَّجُلُ اَنْ يَّتَوَارٰى فِي السِّكَّةِ فَضَرَبَ بِيَدَيْهِ عَلَى الْحَائِطِ وَمَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ ثُمَّ ضَرَبَ ضَرْبَةً اُخْرٰى فَمَسَحَ ذِرَاعَيْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَى الرَّجُلِ السَّلَامَ وَقَالَ اِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِيْ اَنْ اَرُدَّ عَلَيْكَ السَّلَامَ اِلَّا اَنِّيْ لَمْ اَكُنْ عَلٰى طُهْرٍ قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ سَمِعْتُ اَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ يَقُوْلُ رَوٰى مُحَمَّدُ بْنُ ثَابِتٍ حَدِيْثًا مُنْكَرًا فِي التَّيَمُّمِ قَالَ ابْنُ دَاسَةَ قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ وَلَمْ يُتَابَعْ مُحَمَّدُ بْنُ ثَابِتٍ فِيْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ عَلٰى ضَرْبَتَيْنِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَوْهُ فِعْلَ ابْنِ عُمَرَ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ مدینہ کے ایک راستے میں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا، حضورؐ اس وقت رفع حاجت کر کے نکلے تھے، اس آدمی نے آپ کو سلام کہا مگر حضورؐ نے جواب نہ دیا حتیٰ کہ جب وہ آدمی راستے میں غائب ہونے والا ہی تھا (غالباً کوئی موڑ مڑ کر) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ دیوار پر ملے اور ان سے چہرے کا مسح کیا پھر دوسری بار ہاتھ مارا اور دونوں بازوؤں کا مسح کیا پھر اس آدمی کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ تیرے سلام کا جواب دینے سے مجھے اس چیز نے روکا کہ میں طہارت سے نہیں تھا۔

(شرح) اس حدیث کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ ابوداؤد نے باب الرجل یرد السلام وھو یبول میں اس حدیث کا حوالہ دیا ہے اور لکھا ہے کہ ابن عمرؓ اور دوسروں سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کر کے سلام کا جواب دیا۔ دوسروں سے مراد ابوالجہیمؓ اور ابن عباسؓ ہیں۔ گویا ابوداؤد ابن عمرؓ کی روایت سے استدلال کرتے اور اسے مرفوع

تسلیم کرتے ہیں۔ مگر یہاں باب التیمم فی الحضر میں اسے ابن عمرؓ کا فعل قرار دیتے ہیں اور محمد بن ثابت عبدی پر تنقید فرماتے ہیں۔ ابوداؤد نے احمدؒ بن حنبل کے حوالہ سے اس حدیث کو منکر ٹھیرایا ہے۔ حدیث منکر کی تعریف از روئے اصول حدیث یہ ہے کہ ضعیف راوی اپنے حافظہ کی خرابی یا جہالت وغیرہ کے باعث ثقہ راوی کے خلاف روایت کرے۔ ثقہ کی روایت معروف اور ضعیف کی منکر کہلائے گی۔ اور منکر کا ثبوت دو باتوں پر موقوف ہے ایک مخالفت دوسرے راوی کا ضعف جہاں تک مخالفت کا تعلق ہے وہ اس حدیث میں نہیں پائی گئی کیونکہ محمد بن ثابت عبدی نے کوئی مخالفت نہیں کی بلکہ تیمم کی ایک ضرب کا اضافہ بتایا ہے۔ جس روایت میں ایک ضرب کا ذکر ہے وہ دوسری سے ساکت ہے اور اصول میں ثقہ راوی کا اضافہ مقبول ہے۔ جہاں تک دوسرے امر یعنی ضعف کا تعلق ہے یہاں یہ بھی ثابت نہیں کیونکہ محمد بن ثابت عبدی کو محمد بن سلیمان لوین نے اور احمد بن عبداللہ عجلی نے ثقہ قرار دیا ہے۔ عثمان دارمی نے یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے کہ "لَيْسَ بِهِ بَأْسٌ"، اور اسی طرح نسائی نے بھی ایک مرتبہ کہا ہے کہ: "اس میں کوئی حرج نہیں"۔ اور جن لوگوں نے محمد بن ثابت پر جرح کی ہے وہ صرف اس حدیث کی وجہ سے کی ہے۔ معاویہ بن صالح نے ابن معین سے نقل کیا ہے کہ عبدی پر اس کے سوا کوئی اعتراض نہیں ہے کہ تیمم کے باب میں اس نے ابن عمرؓ کی یہ حدیث روایت کی ہے۔ بخاری نے بھی اس پر اسی بناء پر تنقید کی ہے کہ اس نے ابن عمرؓ کی حدیث کو مرفوع بیان کیا ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث منکر نہیں ہے اور اس کا منکر ہونا دلیل سے ثابت نہیں ہو سکا۔

ابن داسہ ابوداؤد کی سنن کا راوی ہے۔ امام ابوداؤد نے فرمایا ہے کہ محمد بن ثابت کا دو ضربوں کے بیان میں کوئی متابع نہیں ہے۔ مگر مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ دارقطنی نے امام شافعیؒ کی سند سے ابوجہیمؓ کی حدیث مرفوع روایت کی ہے جس میں چہرے اور دونوں بازوؤں کا ذکر ہے۔ بیہقی نے امام شافعیؒ کی روایت کا شاہد بیان کیا ہے جس میں دو متکلم فیہ راوی ہیں مگر ان کی روایت کا شاہد اس حدیث ابن عمرؓ کو بتایا ہے جسے بیہقی نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ پھر بیہقی نے عبدی کی روایت پر اعتراض کا جواب دیا ہے کہ ابن عمرؓ کا فعل فقط تیمم میں ہے اور وہ اور روایت ہے، یہ روایت جس قصے کو بتا رہی ہے یہ مشہور ہے اور ابوالجہیمؓ وغیرہ کی روایت سے ثابت ہے۔ پھر بیہقی نے ایک اور سند سے یہی ابن عمر والی حدیث بیان کی ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت محمد بن ثابت عبدی کی روایت کی شاہد ہے۔ عبدی یہ چاہتے کا قصور یہی ہے کہ اس نے "بازوؤں" کا لفظ یاد رکھا اور دوسرے راویوں نے نہ بیان کیا۔ پھر بیہقی نے اپنی سند سے عثمان بن سعید دارمی سے نقل کیا کہ اس نے یحییٰ بن معین سے عبدی کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۳۳۰۔ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُسَافِرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَحْيَى الْبُرُلُّسِيُّ أَخْبَرَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ عَنِ ابْنِ الْهَادِ قَالَ إِنَّ نَافِعًا حَدَّثَهُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ أَقْبَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْغَائِطِ فَلَقِيَهُ رَجُلٌ عِنْدَ بِئْرِ جَمَلٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَقْبَلَ عَلَى الْحَائِطِ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى الْحَائِطِ ثُمَّ مَسَحَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ ثُمَّ رَدَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الرَّجُلِ السَّلَامَ۔

(ترجمہ) ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع حاجت کر کے آئے تو ایک آدمی آپ کو بیئر جمل کے پاس ملا جس نے آپؐ کو سلام کہا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جواب نہ دیا حتیٰ کہ دیوار کی طرف منہ کیا اور اس پر اپنا ہاتھ رکھا پھر آپ نے اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کا مسح کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کے سلام کا جواب دیا۔

(شرح) یہ عبدی کی روایت نہیں بلکہ ابن الہاد کی ہے اور اس میں ذِراعیہ کے بجائے یدیہ کا لفظ ہے مآل دونوں کا ایک ہے کیونکہ ید کا لفظ بازو پر بھی بولا جاتا ہے۔

۱۲۶۔ بَابُ الْجُنُبِ يَتَيَمَّمُ

یہ باب جنبی کے تیمم کے بارے میں ہے

۳۳۱۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْوَاسِطِيُّ ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ اللهِ الْوَاسِطِيَّ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ بُجْدَانَ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ اجْتَمَعَتْ غُنَيْمَةٌ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ ابْدُ فِيهَا فَبَدَوْتُ إِلَى الرَّبَذَةِ فَكَانَتْ تُصِيبُنِي الْجَنَابَةُ فَأَمْكُثُ الْخَمْسَ وَالسِّتَّ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُو ذَرٍّ فَسَكَتُّ فَقَالَ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ أَبَا ذَرٍّ لِأُمِّكَ الْوَيْلُ فَدَعَا لِي بِجَارِيَةٍ سَوْدَاءَ فَجَاءَتْ بِعُسٍّ فِيهِ مَاءٌ فَسَتَرَتْنِي بِثَوْبٍ وَاسْتَتَرْتُ بِالرَّاحِلَةِ وَاغْتَسَلْتُ فَكَأَنِّي أَلْقَيْتُ عَنِّي جَبَلًا فَقَالَ الصَّعِيدُ الطَّيِّبُ وَضُوءُ الْمُسْلِمِ وَلَوْ إِلَى عَشْرِ سِنِينَ فَإِذَا وَجَدْتَ الْمَاءَ فَأَمِسَّهُ جِلْدَكَ فَإِنَّ ذَلِكَ خَيْرٌ وَقَالَ مُسَدَّدٌ غُنَيْمَةٌ مِنَ الصَّدَقَةِ وَحَدِيثُ عَمْرٍو أَتَمُّ۔

(ترجمہ) ابوذرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ بھیڑ بکریاں جمع ہو گئیں تو آپؐ نے فرمایا اے ابوذر! انہیں لے کر جنگل میں چلے جاؤ پس میں انہیں لیکر ربذہ کی طرف نکل گیا۔ جنگل میں مجھے جنابت ہو جاتی تو پانچ چھ دن تک اسی طرح بلا غسل رہتا۔ پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا: ابوذر؟ مگر میں خاموش رہا۔ حضورؐ نے فرمایا: اے ابوذر تیری ماں تجھے روئے، تیری ماں کے لئے افسوس! پھر آپ نے میرے لئے ایک سیاہ فام لونڈی کو بلایا، وہ ایک ٹب میں پانی لائی۔ ایک طرف سے اُس نے کپڑے کے ساتھ میرے لئے پردہ کیا اور دوسری طرف میں سواری ـــــ یا کجاوے ـ کی اوٹ میں ہو گیا اور غسل کیا، پھر یوں محسوس ہوا گویا میں نے اپنے

اوپر سے ایک پہاڑ گرادیا ہے۔ پس حضورؐ نے فرمایا: پاک مٹی مسلم کے لئے پاکیزگی کا ذریعہ ہے گو دس سال تک ہی کیوں نہ ہو۔ پھر جب تو پانی پائے تو اسے اپنے اوپر بہا کیونکہ وہ بہتر ہے۔ مسدد نے کہا کہ: صدقہ کی کچھ بھیڑ بکریاں۔ اور عمرو کی حدیث زیادہ کامل ہے۔

(شرح) ابوداؤد نے جنبی کے تیمم کے بارے میں یہ الگ باب قائم کیا ہے کیونکہ صحابہؓ کے دور میں اس میں اختلاف تھا۔ حضرت عمرؓ فاروق اور عبداللہ بن مسعودؓ پہلے اس کے قائل نہ تھے کہ جنبی بھی تیمم کرسکتا ہے۔ پھر بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے اس سے رجوع کرلیا تھا۔ صحابہؓ کے دور کے بعد اس پر اجماع ہوگیا اور کوئی اختلاف باقی نہ رہا۔ اس حدیث کی سند میں عمرو بن بجدان ایک متکلم فیہ راوی ہے۔ علی بن المدینی نے کہا کہ عمرو بن بجدان سے روایت کرنے والا ابوقلابہ کے سوا کوئی بھی نہیں ہے۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں کہا ہے کہ وہ مجہول الحال ہے۔ امام احمد سے منقول ہے کہ عمرو بن بجدان غیر معروف ہے۔ یحیی بن سعید القطان نے کہا کہ وہ غیر معروف ہے۔ بعض محدثین نے اس کی توثیق بھی کی ہے۔ مسند احمد میں اس قصے میں یہ اضافہ ہے کہ ابوذرؓ نے کہا کہ مجھے جنابت ہوگئی اور میں نے پاک مٹی سے تیمم کیا مگر دل میں کھٹک پیدا ہوئی۔ پس میں نے ایک اونٹنی پر کجاوہ رکھوایا اور مدینہ میں حاضر ہوا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحاب کی ایک جماعت میں مسجد کے سائے میں پایا۔ آپ کو سلام کیا تو آپ نے سر اٹھا کر فرمایا: سبحان اللہ یہ ابوذر ہے؟ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ۔ مجھے جنابت ہوگئی تھی اور میں نے کئی دن تک تیمم کیا ہے۔ پھر میرے دل میں کھٹک پیدا ہوئی اور سوچا کہ میں تو ہلاک ہونے والا ہوں۔ پھر آگے وہی قصہ ہے جو یہاں مذکور ہے۔

یہاں ابوذرؓ کی خاموشی کا ذکر ہے جو شاید حیاء کے باعث چپ ہو رہے، پھر مسئلہ دریافت کیا ہوگا جس پر حضورؐ نے پیار کی خفگی ظاہر فرمائی، کیونکہ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ اور لِأُمِّكَ الْوَيْلُ کے الفاظ اہل عرب میں عام بول چال کے وقت بطور بددعاء استعمال نہیں ہوتے تھے بلکہ ان سے مخاطب کی کسی کوتاہی کا اظہار یا کسی اہم امر کی طرف اس کی توجہ مبذول کرانا مدنظر ہوتا تھا۔

۳۳۲- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي عَامِرٍ قَالَ دَخَلْتُ فِي الْإِسْلَامِ فَأَهَمَّنِي دِينِي فَأَتَيْتُ أَبَا ذَرٍّ فَقَالَ أَبُو ذَرٍّ إِنِّي اجْتَوَيْتُ الْمَدِينَةَ فَأَمَرَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَوْدٍ وَبِغَنَمٍ فَقَالَ لِي اشْرَبْ مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَشُكُّ فِي أَبْوَالِهَا فَقَالَ أَبُو ذَرٍّ فَكُنْتُ أَعْزُبُ عَنِ الْمَاءِ وَمَعِي أَهْلِي فَتُصِيبُنِي الْجَنَابَةُ فَأُصَلِّي بِغَيْرِ طُهُورٍ فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنِصْفِ النَّهَارِ وَهُوَ فِي رَهْطٍ مِنْ أَصْحَابِهِ وَهُوَ فِي ظِلِّ الْمَسْجِدِ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبُو ذَرٍّ فَقُلْتُ نَعَمْ هَلَكْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَمَا أَهْلَكَكَ قُلْتُ إِنِّي كُنْتُ

اَعْزُبُ مِنَ الْمَآءِ وَمَعِیَ اَھْلِیْ فَتُصِیْبُنِی الْجَنَابَۃُ فَاُصَلِّیْ بِغَیْرِ طُھُوْرٍ فَاَمَرَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمَآءٍ فَجَآءَتْ جَارِیَۃٌ سَوْدَاءُ بِعُسٍّ یَتَخَضْخَضُ مَا ھُوَ بِمَلْاٰنَ مِنَ الْمَاءِ فَتَسَتَّرْتُ اِلٰی بَعِیْرٍ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا ذَرٍّ اِنَّ الصَّعِیْدَ الطَّیِّبَ طَھُوْرٌ وَّاِنْ لَّمْ تَجِدِ الْمَاءَ اِلٰی عَشْرِ سِنِیْنَ فَاِذَا وَجَدْتَ الْمَاءَ فَاَمِسَّہٗ جِلْدَکَ قَالَ اَبُوْدَاؤدَ رَوَاہُ حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ عَنْ اَیُّوْبَ لَمْ یَذْکُرْ اَبْوَالَھَا ھٰذَا لَیْسَ بِصَحِیْحٍ وَّلَیْسَ فِیْ اَبْوَالِھَا اِلَّا حَدِیْثُ اَنَسٍ تَفَرَّدَ بِہٖ اَھْلُ الْبَصْرَۃِ۔

(ترجمہ) ابو ذرؓ نے کہا کہ مجھے مدینہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کا حکم دیا اور مجھ سے فرمایا کہ ان کا دودھ پیو۔ حماد نے کہا کہ مجھے شک ہے کہ آیا میرے استاد نے پیشاب کا لفظ بھی بولا تھا یا نہیں؟ ابو ذرؓ نے کہا کہ میں پانی سے دور رہتا تھا اور میرے ساتھ میرے گھر والے بھی تھے، پس مجھے جنابت ہوتی تو طہارت کے بغیر ہی نماز پڑھتا تھا۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دن دوپہر کو حاضر ہوا آپ اس وقت اپنے صحابہ کی ایک جماعت میں مسجد کے سائے میں تشریف فرما تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو ذر؟ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ، میں تو ہلاک ہو گیا۔ فرمایا تجھے کس چیز نے ہلاک کیا؟ میں نے کہا کہ میں پانی سے دور رہتا تھا اور میرے اہل خانہ ساتھ تھے، پس مجھے جنابت ہوتی تھی تو طہارت کے بغیر ہی نماز پڑھتا رہا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے پانی کا حکم دیا جسے ایک سیاہ رنگ کی لونڈی ایک ٹب میں لائی، وہ بھرا ہوا نہ تھا اور پانی اس میں ہل رہا تھا۔ پس میں نے ایک اونٹ کی اوٹ میں غسل کیا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ذر! پاک مٹی پاک کرنے والی ہے اگرچہ تجھے دس سال تک پانی نہ ملے، پھر جب پانی ملے تو اسے اپنے جسم پر بہاؤ۔ ابو داؤد نے کہا کہ حماد بن زید نے ایوب سے یہ روایت کی ہے اور اس میں اَبْوَالِھَا کا ذکر نہیں کیا۔ ابوالہا کا ذکر صحیح نہیں ہے اور اونٹوں کے پیشاب کے جواز کے بارے میں انسؓ کی حدیث کے سوا اور کوئی حدیث نہیں۔ وہ حدیث صرف بصرہ والے بیان کرتے ہیں۔

(شرح) مسند کی روایت کے مطابق ابو ذرؓ سے اس حدیث کی روایت کرنے والا بیان کرتا ہے کہ میں کافر تھا، اللہ نے مجھے اسلام کی ہدایت دی۔ میں گھر والوں سمیت پانی سے دور رہتا تھا اور جنابت ہو جاتی تھی۔ یہ چیز میرے دل میں کھٹکی تو میں ابو ذرؓ کے پاس گیا۔ یہ حج کا موقع تھا۔ میں مسجد منیٰ میں داخل ہوا تو میں نے ابو ذرؓ کو خاص علامتوں سے پہچان لیا۔ وہ ایک گندم گوں بوڑھا تھا، قطری جوڑا زیب تن کئے نماز میں کھڑا تھا۔ میں جا کر اس کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ میں نے سلام کہا تو اس نے جواب نہ دیا اور بہت اچھی پوری اور لمبی نماز پڑھی۔ جب فارغ ہوا تو سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا تو ابو ذر ہے؟ وہ بولا میرے گھر والے مجھے ایسا ہی کہتے ہیں۔ پھر میں نے وہ قصہ بیان کیا جو اوپر بحوالہ مسند گزرا ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پانی کے فقدان کے باعث جس نے تیمم کیا ہو پانی ملنے پر اس کا تیمم

ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر غسل کی حاجت ہو تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ خطابی رحمہ نے کہا کہ اصحاب ابو حنیفہ رحمہ کہتے ہیں کہ تیمم کرنے والا اپنے تیمم سے کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے، اس حدیث میں ان کی دلیل ہے۔ دس سال کے لفظ کا مطلب یہ نہیں کہ ایک ہی تیمم اتنا عرصہ چلے گا۔ بلکہ یہ کہ جب طہارت کرنا چاہے تو پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کرلے۔ پانی اگر ناکافی ہو تو جنبی پر تیمم واجب ہے۔ شافعی حضرات کا کہنا ہے کہ جتنے اعضاء دھل سکیں دھولے اور باقی کا تیمم کرے۔ حنفیہ کے نزدیک غسلِ ناکافی اور تیمم کو جمع نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اس کی ایک صورت ہے کہ پانی موجود ہو مگر اس کے پاک ہونے میں شک ہو تو۔ عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کا فتوٰی ہے کہ جب نمازِ جنازہ کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم جائز ہے۔ یہی حنفیہ کا مسلک ہے کیونکہ تیمم دراصل ادا کے فوت ہو جانے کے خوف کے وقت مشروع ہے۔ میت کے ولی کے لئے نمازِ جنازہ کی خاطر تیمم جائز نہیں کیونکہ وہ نماز کا اعادہ کر سکتا ہے، گویا اُسے فوت کا خوف نہیں ہوتا۔

یہ حدیث حماد بن زید کی روایت سے ہے اور اس میں آبوالها کے لفظ میں اُسے شک ہے۔ حماد بن سلمہ کی روایت میں یہ شک نہیں بلکہ اس میں آبوالها کا لفظ ہی نہیں۔ اونٹوں کے ابوال کے متعلق انسؓ کی حدیث ہے جسے بخاری، مسلم اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔

۱۲۷۔ بَابٌ إِذَا خَافَ الْجُنُبُ الْبَرْدَ أَيَتَيَمَّمُ

باب۔ جب جنبی سردی سے ڈرے تو کیا تیمم کر سکتا ہے؟

۳۳۳۔ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى ابْنَ أَيُّوبَ يُحَدِّثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ أَبِي أَنَسٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ جُبَيْرٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ احْتَلَمْتُ فِي لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ فِي غَزْوَةِ ذَاتِ السَّلَاسِلِ فَأَشْفَقْتُ أَنْ أَغْتَسِلَ فَأَهْلِكَ فَتَيَمَّمْتُ ثُمَّ صَلَّيْتُ بِأَصْحَابِي الصُّبْحَ فَذَكَرُوا ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا عَمْرُو صَلَّيْتَ بِأَصْحَابِكَ وَأَنْتَ جُنُبٌ فَأَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي مَنَعَنِي مِنَ الْاِغْتِسَالِ وَقُلْتُ إِنِّي سَمِعْتُ اللّٰهَ يَقُولُ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا فَضَحِكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا قَالَ أَبُو دَاوُدَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ جُبَيْرٍ مِصْرِيٌّ مَوْلَى خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ وَلَيْسَ هُوَ ابْنَ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ۔

(ترجمہ) عمرو بن العاصؓ نے فرمایا کہ غزوہ ذات السلاسل میں ایک ٹھنڈی رات میں مجھے احتلام ہو گیا تو میں

ڈرا کہ اگر غسل کیا تو ہلاک ہو جاؤں گا۔ پس میں نے تیمم کیا پھر اپنے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھادی۔ انہوں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی تو آپؐ نے فرمایا: اے عمرو! تو نے جنابت کی حالت میں اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھادی؟ سو میں نے آپؐ کو وہ خوف بتایا جس نے مجھے غسل سے باز رکھا تھا اور میں نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سُنا: اپنے آپ کو قتل مت کرو، بلاشبہ اللہ تم پر بہت رحیم ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور کچھ نہ کہا۔

(شرح) غزوۂ ذات السلاسل ۸ھ یا ۷ھ میں ہوا۔ وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ یہ وادی القریٰ سے پرے مدینہ سے دس دن کے فاصلے پر سرزمین جذام میں ایک چشمے کا نام تھا۔ یہ غزوہ یہیں پیش آیا اور اسی نام سے موسوم ہو گیا۔ بعض نے کہا کہ مشرکوں نے میدانِ جنگ میں زنجیروں سے اپنے آپ کو دوسروں سے باندھ لیا تھا تاکہ جم کر لڑیں اور بھاگ نہ سکیں، اس بناء پر اس کا یہ نام پڑا۔ عمروؓ بن العاص کی والدہ قبیلۂ قضاعہ سے تھیں جس نے مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لئے تیاری کی تھی، ان کا مقابلہ کرنے کے لئے متاسب ترین یہی شخص ہو سکتا تھا۔ عمروؓ بن العاص تین سو سرکردہ مہاجرین والصار کے سردار بنا کر بھیجے گئے اور ان کی درخواست پر ابو عبیدہ ابن جراح کی سالاری میں دو سو اور سرکردہ مہاجرا ور انصار بھیجے گئے جن میں ابو بکرؓ و عمرؓ بھی شامل تھے دشمن پہلے ہی حملے کی تاب نہ لا کر بھاگ اٹھے اور ادھر ادھر بکھر گئے تھے۔

امام خطابیؒ نے کہا ہے کہ اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے۔ عطاءؒ نے شدت کا راستہ اختیار کیا اور کہا کہ چاہے ایسا شخص مر کیوں نہ جائے اسے غسل ہی کرنا ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور اگر تم جنبی ہو تو خوب طہارت اختیار کرو"۔ حسن بصریؒ کا قول بھی یہی ہے۔ سفیانؒ ثوری اور مالکؒ نے کہا کہ وہ تیمم کرے اور وہ مریض کی مانند ہے۔ ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں کا قول بھی یہی ہے مگر ابو یوسفؒ اور محمدؒ نے کہا کہ حضر میں اس کے لئے تیمم جائز نہیں ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ جب تلف ہو جانے کا خوف ہو تو تیمم سے نماز پڑھ لے مگر بعد میں ایسی پڑھی جانیوالی ہر نماز کو لوٹائے کیونکہ یہ عذر شافعیؒ کے نزدیک شاذ و نادر ہے عام نہیں ہے جن میں رخصت دی گئی ہے۔

۳۳۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنِ ابْنِ لَهِيعَةَ وَعَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ أَبِي أَنَسٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ أَبِي قَيْسٍ مَوْلَى عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ كَانَ عَلَى سَرِيَّةٍ وَذَكَرَ الْحَدِيثَ نَحْوَهُ قَالَ فَغَسَلَ مَغَابِنَهُ وَتَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ صَلّٰى بِهِمْ فَذَكَرَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرِ التَّيَمُّمَ قَالَ أَبُو دَاؤدَ وَرُوِيَ هٰذِهِ الْقِصَّةُ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنْ حَسَّانَ بْنِ عَطِيَّةَ قَالَ فِيهِ فَتَيَمَّمَ۔

(ترجمہ) عمروؓ بن العاص کا غلام ابو قیس کہتا ہے کہ عمروؓ بن العاص ایک چھوٹے لشکر کے سپہ سالار تھے، اور

اسی طرح حدیث بیان کی اور کہا کہ عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے جسم کے پوشیدہ مقامات دھوئے اور نماز کی طرح وضو کیا پھر ساتھیوں کو نماز پڑھائی۔ پھر باقی حدیث اسی طرح ہے اور تیمم کا ذکر نہیں۔ ابوداؤد نے کہا کہ اوزاعی نے یہ قصہ حسان بن عطیہ سے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ اس نے تیمم کیا۔

(شرح) مولانا سہارنپوری نے فرمایا کہ احمد بن حنبل نے ابن لہیعہ کی یہ روایت مسند میں درج کی ہے جس میں ابوقیس کا کوئی ذکر نہیں ہے نہ جسم کے پوشیدہ مقامات کے دھونے اور وضو کا ذکر ہے، ہاں تیمم کا ذکر موجود ہے۔ بیہقی نے روایت بیان کی ہے اس میں ابوقیس کا ذکر بھی ہے اور یہ بھی کہ عمرو بن العاص نماز فجر کیلئے آئے اور کہا واللہ مجھے رات کو احتلام ہوگیا تھا مگر واللہ میں نے ایسی سردی کبھی نہیں دیکھی، کیا تم نے کبھی ایسی سردی کا تجربہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ پس عمرو رضی اللہ عنہ نے پوشیدہ مقامات کو دھویا اور نماز جیسا وضو کیا پھر نماز پڑھائی الخ بقول امام ابوداؤد، اوزاعی کی روایت میں غسل مغابن اور وضو کے ساتھ ساتھ تیمم کرنے کا ذکر بھی موجود ہے۔

۱۲۸- بَابٌ فِي الْمَجْرُوحِ يَتَيَمَّمُ

زخمی (یا معذور یا بیمار) کے تیمم کرنے کا باب

۳۳۵- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَنْطَاكِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ خُرَيْقٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا فِي سَفَرٍ فَأَصَابَ رَجُلًا مِنَّا حَجَرٌ فَشَجَّهُ فِي رَأْسِهِ ثُمَّ احْتَلَمَ فَسَأَلَ أَصْحَابَهُ فَقَالَ هَلْ تَجِدُونَ لِي رُخْصَةً فِي التَّيَمُّمِ قَالُوا مَا نَجِدُ لَكَ رُخْصَةً وَأَنْتَ تَقْدِرُ عَلَى الْمَاءِ فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُخْبِرَ بِذٰلِكَ فَقَالَ قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ أَلَا سَأَلُوا إِذْ لَمْ يَعْلَمُوا فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيهِ أَنْ يَتَيَمَّمَ وَيُعَصِّرَ أَوْ يُعَصِّبَ شَكَّ مُوسٰى عَلَى جُرْحِهِ خِرْقَةً ثُمَّ يَمْسَحُ عَلَيْهَا وَيَغْسِلُ سَائِرَ جَسَدِهِ۔

(ترجمہ) جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم ایک سفر میں نکلے، ہم میں سے ایک شخص کے سر پر پتھر لگا اور اسے سخت زخمی کر دیا، پھر اسے احتلام ہوا تو اس نے ساتھیوں سے پوچھا: کیا تم میرے لئے تیمم کی رخصت پاتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اس حالت میں کہ تو پانی پر قادر ہے ہم تیرے لئے رخصت نہیں پاتے۔ سو اس نے غسل کیا پھر مر گیا۔ جب ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی۔ آپ نے فرمایا: انہوں نے اسے مار ڈالا اللہ انہیں قتل کرے، جب جانتے نہ تھے تو پوچھ کیوں نہ لیا؟ کیونکہ عاجز و معذور کی شفاء سوال میں ہے۔ اس کے لئے صرف یہ کافی تھا کہ وہ تیمم کر لیتا، اور اپنے زخم پر پٹی باندھتا پھر اس پر مسح کر لیتا اور باقی جسم کو دھو لیتا۔

(شرح) زُبیر بن خُریق راوی کو دارقطنی نے غیر قوی کہا ہے مگر مولانا فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ نے یہ جرح سنن ابی داؤد کے حوالے سے ابو داؤد کی طرف بھی منسوب کی ہے مگر سنن کے موجودہ نسخوں میں سے کسی میں یہ جرح نہیں پائی جاتی۔
اس مرحوم ساتھی کو لوگوں نے جو فتویٰ دیا تھا وہ اس بناء پر تھا کہ قرآن میں ہے" وَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً" پس انہوں نے صرف اس کا حقیقی پہلو مدِ نظر رکھا کہ تیمم صرف اس صورت میں جائز ہے جبکہ پانی موجود نہ ہو۔ حالانکہ آیت سے مراد یہ ہے کہ پانی اگر صورت میں تو موجود ہے مگر آدمی کسی سبب سے اس پر یا اس کے استعمال پر قادر نہیں، یا استعمال سے موت کا یا شدید بیماری کا خدشہ ہے تب بھی تیمم جائز ہے۔ حضورؐ نے یہ جو فرمایا کہ انہوں نے اسے قتل کیا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ یہ فتویٰ دیکر قتل کا سبب بنے۔ اور "قَتَلَهُمُ اللّٰهُ" کا لفظ بطورِ بد دعا نہیں بلکہ زجر و توبیخ کی غرض سے ہے۔
اس حدیث سے بظاہر تیمم اور غسل کو جمع کرنا ثابت ہوتا ہے، امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔ مگر یہ حدیث ضعیف ہے زُبیر بن خُریق ضعیف راوی ہے اور اس روایت میں منفرد ہے۔ اوزاعی نے یہ روایت عن عطاء عن ابن عباسؓ بیان کی ہے یعنی ابن عباسؓ پر موقوف ہے۔ اس کی ایک اور سند ہے جس میں ولید بن عبید نے عطاء سے مرفوعاً روایت کی ہے مگر ولید بن عبید ضعیف ہے۔ ضعف کے علاوہ یہ خلاف قیاس بھی ہے، یعنی اصل اور نائب کو جمع کرنا۔ تیمم تو نائب ہے اگر غسل کیا جاتا ہے تو وہی واجب ہوگا، اگر اس سے معذوری ہے تو صرف تیمم واجب ہوگا۔ نیز وہ غسل جس سے طہارت حاصل ہو سکے اس سے نماز جائز ہوگی ورنہ اس کا وجود و عدم برابر ہے۔ نیز جب ایسا غسل کیا جائے جس سے نماز جائز نہیں تو اس میں مصروف ہونا ایک فضول کام ہے اور اس میں پانی کا ضیاع بھی ہے جو ایک ناجائز فعل ہے۔ حدیث کے لفظ "يَتَيَمَّمُ" کا معنی اگر "عَصَّبَ" کیا جائے تو کچھ بات بن سکتی ہے۔ یعنی حضورؐ نے اس زخمی شخص کے لئے پٹی باندھ کر اوپر مسح کرنے کا طریقہ بتایا اور اسے لفظِ تیمم سے ادا فرمایا اور پھر اس کی تفصیل بتادی کہ زخم پر پٹی باندھ لیتا۔ باقی جسم کو دھولیتا اور پٹی پر مسح کرلیتا۔ زخمی کے لئے حنفیہ کا مسلک یہی ہے۔ مگر لفظِ "يَتَيَمَّمُ" کی جو تاویل یعنی "يَمْسَحُ" میں نے کی ہے اس میں مجھے خلجان ہے، اصل بات وہی ہے جو مولاناؒ نے فرمائی کہ حدیث ضعیف ہے۔ عنوانِ باب میں مجروح کے علاوہ مجدور اور معذور یہ دو نسخے اور ہیں۔ مجدور وہ شخص ہے جسے چیچک کی بیماری ہو اور معذور تو ظاہر ہے۔

۳۳۶۔ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَاصِمٍ الْاَنْطَاكِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ شُعَيْبٍ أَخْبَرَنِي الْاَوْزَاعِيُّ اَنَّهُ بَلَغَهُ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِي رَبَاحٍ اَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍؓ قَالَ اَصَابَ رَجُلًا جُرْحٌ فِي عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ احْتَلَمَ فَاُمِرَ بِالْاِغْتِسَالِ فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ قَتَلُوْهُ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ اَلَمْ يَكُنْ شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ ایک آدمی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زخم پہنچا پھر اسے احتلام ہوگیا تو اسے غسل کا حکم دیا گیا۔ اس نے غسل کیا تو موت واقع ہوگئی۔ یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپؐ نے

فرمایا: انہوں نے اسے قتل کر دیا، اللہ تعالیٰ انہیں قتل کرے، کیا عاجز بیچارے کی شفاء سوال سے نہیں ہے؟

(شرح) نصر بن عاصم انطاکی کو عقیلی نے ضعیف کہا ہے۔ اوزاعی اور عطاء کے درمیانی واسطے کا علم نہیں ہے لہٰذا یہ منقطع روایت ہے۔ حضورؐ کا یہ ارشاد کہ "شفاء العی السؤال" اپنے اندر بڑی گہرائی اور گیرائی رکھتا ہے مطلب یہ ہے کہ جب انہیں خود مسئلہ معلوم نہ تھا تو کسی عالم سے کیوں نہ پوچھ لیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیوں نہ پوچھا جبکہ معاملہ اتنا اہم اور نازک تھا۔ ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے اس شخص کو مسئلہ بتایا تھا وہ بھی اصحاب تھے مگر مسئلہ معلوم نہ ہوتے ہوئے فتویٰ دینے پر لائق عتاب ٹھیرے۔ معلوم ہوا کہ شرعی مسائل میں گفتگو کرنا اور مسند افتاء پر بیٹھنا ہر کسی کا کام نہیں اور جاہل مامور ہے کہ عالم سے پوچھے۔ عالم کے بتانے پر جب وہ عمل کرے گا تو یہی تقلید ہے۔ ہر شخص مقلد ہے کوئی کسی بڑے ماہر فن کا اور کوئی اپنے زمانے کے کسی شخص کا جسے وہ عالم سمجھے۔ اس ارشاد کا ایک اور معنی بھی نکلتا ہے کہ وہ بیچارہ تو عاجز و معذور تھا اور اس کی شفاء اسی میں تھی کہ لوگوں سے پوچھے۔ اب لوگوں کا فرض تھا کہ اگر خود نہیں آتا تو عالم سے دریافت کرتے۔ انہوں نے خود ہی بتا دیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ اس شخص کی جان گئی۔ حدیث سے یہ مسئلہ بھی نکلا کہ مفتی پر قصاص یا دیت واجب نہیں ہوتی ورنہ انہیں سزا دی جاتی۔

اس میں اختلاف ہے کہ یہ حدیث اوزاعی نے خود عطاء سے سنی تھی یا نہیں؟ یہاں تو اوزاعی کا بیان بلاغ کے لفظ سے ہے کہ اس کو خبر پہنچی کہ عطاء نے یہ کہا۔ سنن ابن ماجہ میں یہ لفظ نہیں بلکہ الاوزاعی عن عطاء کا لفظ ہے۔ ابوزرعہ اور ابو حاتم کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ اس حدیث میں انقطاع کے قائل تھے اور ان کے درمیان اسماعیل ابن مسلم کا واسطہ بتاتے تھے۔ چنانچہ ابن ابی العشرین نے اوزاعی سے جو روایت کی ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے لیکن بقول شیخ ابوالطیب اسے حاکم نے روایت کیا اور اس میں اوزاعی کا بیان ہے کہ مجھے عطاء نے یہ حدیث سنائی۔ حاکم نے حسب معمول اس روایت کی سند کو بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے۔ دارقطنی کا بیان ہے کہ ابن ابی حاتم نے کہا: میں نے اس روایت کے متعلق اپنے باپ سے اور ابوزرعہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ابن ابی العشرین نے اسے اوزاعی سے روایت کیا ہے اور اوزاعی اور عطاء کے درمیان اسماعیل بن مسلم کا واسطہ بتایا ہے۔ مولانا نے فرمایا ممکن ہے اوزاعی کو بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں طرح یہ حدیث ملی ہو واللہ اعلم۔

۱۲۹۔ بَابٌ فِي الْمُتَيَمِّمِ يَجِدُ الْمَاءَ بَعْدَ مَا يُصَلِّي فِي الْوَقْتِ

باب اس بیان میں کہ تیمم کرنے والا نماز پڑھنے کے بعد پانی پائے تو کیا کرے؟

۳۳۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ الْمُسَيَّبِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نَافِعٍ عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ بَكْرِ بْنِ سَوَادَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ رَجُلَانِ فِي سَفَرٍ فَحَضَرَتِ الصَّلَوٰةُ وَلَيْسَ مَعَهُمَا مَاءٌ فَتَيَمَّمَا صَعِيدًا طَيِّبًا فَصَلَّيَا ثُمَّ وُجِدَ الْمَاءُ فِي الْوَقْتِ فَأَعَادَ أَحَدُهُمَا الصَّلَوٰةَ وَالْوُضُوءَ وَلَمْ يُعِدِ الْآخَرُ ثُمَّ

أَتَيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَا ذٰلِكَ فَقَالَ لِلَّذِىْ لَمْ يُعِدْ أَصَبْتَ السُّنَّةَ وَاَجْزَأَتْكَ صَلٰوتُكَ وَقَالَ لِلَّذِىْ تَوَضَّأَ وَاَعَادَ لَكَ الْاَجْرُ مَرَّتَيْنِ۔ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ غَيْرُ ابْنِ نَافِعٍ يَرْوِيْهِ عَنِ اللَّيْثِ عَنْ عُمَيْرَةَ بْنِ اَبِىْ نَاجِيَةَ عَنْ بَكْرِ بْنِ سَوَادَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ ذِكْرُ اَبِىْ سَعِيْدٍ فِىْ هٰذَا الْحَدِيْثِ لَيْسَ بِمَحْفُوْظٍ هُوَ مُرْسَلٌ۔

(ترجمہ) ابوسعید الخدریؓ نے فرمایا کہ دو شخص سفر پر نکلے ۔ نماز کا وقت آیا تو ان کے پاس پانی نہ تھا۔ دونوں نے پاک مٹی سے تیمم کیا اور پھر نماز پڑھی ۔ پھر وقت کے اندر ہی پانی مل گیا تو ایک نے وضوء کیا اور نماز لوٹائی اور دوسرے نے نہیں لوٹائی ۔ پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے نہ لوٹانے والے سے فرمایا کہ تو نے سنت کو پالیا اور تیری نماز ہوگئی ۔ جس نے وضوء کر کے نماز لوٹائی تھی اس سے فرمایا تجھے دوہرا اجر ہے۔

(شرح) ابوداؤد اس حدیث کو مرسل بتاتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ عبداللہ بن نافع کے علاوہ دوسرے راوی لیث اور بکر بن سوادہ کے درمیان عمیرہ بن ابی ناجیہ کا واسطہ بھی بتاتے ہیں ۔ ابوسعیدؓ کا ذکر اس حدیث میں ان کے نزدیک محفوظ نہیں ہے ۔ شوکانی نے کہا ہے کہ ابن السکن نے اس حدیث کو ابوالولید طیالسی کے طریق سے موصول اور مرفوع روایت کیا ہے ۔ پس کسی روایت میں اس کا مرسل ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ دارقطنی نے عبداللہ بن المبارک کے طریق سے بحوالہ عبدالرزاق یہ حدیث روایت کی ہے ۔ اس میں لیث اور بکر بن سوادہ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ۔

مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ تیمم کرنے والا اگر نماز سے فراغت کے بعد پانی پائے تو اس کی نماز ادا ہوگئی اب اس کے ذمہ اعادہ نہیں گو وقت باقی ہو۔ اختلاف اس میں ہے کہ نماز کے اندر داخل ہونے کے بعد اگر پانی پالے تو کیا کرے ؟ جمہور نے کہا کہ نماز نہ توڑے ، اس کی نماز صحیح ہے ۔ امام ابوحنیفہؒ اور ایک روایت میں امام احمدؒ نے کہا کہ اس کا تیمم باطل ہوگیا۔ لیکن جب تیمم کیا اور نماز میں داخل ہونے سے پہلے پانی مل گیا تو اس کے تیمم کے باطل ہوجانے پر اجماع ہے ۔ یہ حدیث حنفیہ اور جمہور علماء کی حجت ہے کہ جب تیمم سے نماز پڑھ لی اور اس کے بعد پانی ملا تو اعادہ واجب نہیں چاہے وقت موجود ہو۔

۳۳۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيْعَةَ عَنْ بَكْرِ بْنِ سَوَادَةَ عَنْ اَبِىْ عَبْدِ اللّٰهِ مَوْلٰى اِسْمٰعِيْلَ بْنِ عُبَيْدٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ اِنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ۔

(شرح) یہ مرسل روایت ہے معنیٰ اس کا وہی اوپر والی حدیث کا ہے ۔ اس کا ایک راوی ابن لہیعہ ہے جو ضعیف ہے

دوسرا ابوعبداللہ مولیٰ اسمٰعیل بن عبید ہے جو مجہول ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ان راویوں کی روایت سے اوپر کی روایت کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

۱۳۰۔ بَابٌ فِی الْغُسْلِ لِلْجُمُعَةِ

جمعہ کے غسل کا باب

۳۳۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو تَوْبَةَ الرَّبِيعُ بْنُ نَافِعٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ عَنْ يَحْيَى أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بَيْنَا هُوَ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَقَالَ عُمَرُ أَتَحْتَبِسُونَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ الرَّجُلُ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ سَمِعْتُ النِّدَاءَ فَتَوَضَّأْتُ قَالَ عُمَرُ الْوُضُوءُ أَيْضًا أَوَلَمْ تَسْمَعُوا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ۔

(ترجمہ) ابوہریرہ رض نے خبر دی کہ عمر بن الخطاب رض جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا۔ حضرت عمر رض نے فرمایا کہ کیا تم لوگ نماز سے رُکے رہتے ہو؟ اس آدمی نے کہا کہ اذان سُننے کے بعد بس میں نے وضوء کیا اور آحاضر ہوا۔ حضرت عمر رض نے فرمایا، اچھا یہ بھی کہ صرف وضوء کیا؟ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہیں سُنا کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لئے آئے تو غسل کر کے آئے؟

(شرح) بخاری میں ہے کہ مسجد میں آنے والا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے مہاجرین میں سے تھا، مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رض داخل ہوئے تھے۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ کا غسل بہت افضل ہے مگر واجب نہیں، ورنہ عثمان رض بغیر غسل کے نہ آتے اور نہ حضرت عمر رض صرف تنبیہ پر اکتفا کرتے، بلکہ واپس جا کر غسل کر کے آنے کا حکم دیتے۔ اور جتنے لوگ مسجد میں موجود تھے سب نے خاموشی اختیار کی ورنہ ان میں سے ہی کوئی بول پڑتا کہ جمعہ کا غسل تو فرض و واجب ہے، پس حضور ص کی حدیث میں جو حکم ہے وہ استحباب و افضلیت پر محمول ہے۔ شوکانی نے کہا ہے کہ حضرت عمر رض کا انکار اور حاضرین کی خاموشی غسل کے وجوب کی دلیل ہے، کیونکہ شریعت میں یہ حکم تو ہے نہیں کہ حضرت عمر رض منبر سے اتر آتے اور اس شخص کو غسل خانے میں لے جا کر غسل کرواتے اور پھر آ کر نماز پڑھاتے۔ پس انکار منکر کا فریضہ جو حضرت عمر رض کے ذمہ تھا وہ ادا ہو گیا اور بس۔ مولانا نے فرمایا کہ شوکانی کا کلام حضرت عمر رض کی دینی شدت، جبلی سختی اور شرعی امور میں ان کے اہتمام سے غفلت یا بے خبری کا نتیجہ ہے۔ وہ تو واجبات شرع میں لوگوں کی تادیب کی خاطر سب کچھ کر گزرنے والے شخص تھے۔ انہوں نے تو حکیم بن حزام جیسے عظیم قریشی صحابی کو جب ایک انوکھی قرأت میں سورۃ الفرقان پڑھتے سُنا تو اُن کے گلے میں کپڑا ڈال کر حضور ص کی خدمت میں کشاں کشاں لے گئے تھے اور حضور ص نے حکیم بن حزام کو چھڑایا تھا۔ انہوں نے تو ابوبکر صدیق رض جیسے عظیم ترین انسان کی بہن کو اس کا نوحہ سُن کر گھر سے نکلوا دیا تھا۔ جب ابوہریرہ رض حضور ص کے حکم سے آپ ص کے نعلین شریفین لیکر

باغ سے باہر نکلے اور کہا کہ میں حضورؐ کے حکم سے ہر کلمہ گو کو جو صدقِ دل سے کلمہ پڑھے جنت کی خوشخبری دینے جا رہا ہوں تو حضرت عمرؓ نے ان کی چھاتی پر ضرب لگائی تھی حتیٰ کہ وہ سرین کے بل گر گئے اور بے ساختہ رونے لگے تھے اور حضرت عمرؓ کے کہنے پر واپس ہوئے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرؓ کا مشورہ جو انتظامی مصلحت پر مبنی اور عوامی نفسیات کے مطابق تھا، مان لیا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبی منافق کی نماز جنازہ پڑھانے کا ارادہ کیا تو عمرؓ آڑے آئے اور کہا کہ: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقین پر نماز پڑھنے سے نہیں روکا؟ غرض عمرؓ بن الخطاب کی اس قسم کی تشدیدات بے شمار ہیں۔ پس جس شخص کو یہ علم ہو، وہ حضرت عمرؓ جیسے آدمی سے یہ بات کیسے محال اور بعید جان سکتا ہے کہ اگر وہ جمعہ کے غسل کو واجب جانتے ہوتے تو آنیوالے شخص کو اٹھا دیتے اور اسے غسل کر کے آنے کا حکم دیتے۔ انہوں نے اس شخص کو مسجد میں بیٹھنے دیا اور نماز جمعہ میں شریک ہونے دیا۔
علامہ شوکانی جیسے ماہر حدیث اور عالم و فاضل شخص پر تعجب ہے کہ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی انہوں نے وہ بات کیسے لکھ ڈالی (امام شافعیؒ پر یہ بات بالکل واضح تھی لہٰذا انہوں نے کہا کہ: پس جب حضرت عمرؓ نے عثمانؓ کو باہر نکل کر غسل کرنے کا حکم نہ دیا۔ نہ حضرت عثمانؓ خود گئے کہ غسل کر آئیں تو پتہ چل گیا کہ انہیں یہ معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم استحبابی و اختیاری تھا۔ اسی طرح امام خطابیؒ اور طحاویؒ وغیرہما نے بھی یہی کہا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ غسل نماز کی خاطر ہے جمعہ کے دن کے لئے نہیں نیز یہ کہ جمعہ کا غسل صبح سے پہلے صحیح نہیں ہو گا۔

۳۴۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ عَنْ مَالِكٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ۔

(ترجمہ) ابو سعیدؓ خدری سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے۔

(شرح) واجب کا لفظ بمعنی ثابت ہے، یعنی اس کا ترک اچھا نہیں۔ اس قسم کا کلام تاکیدِ استحباب کے لئے آتا ہے مثلاً: فلاں شخص کا احترام ہر ایک پر واجب ہے، اس کی رعایت واجب ہے۔ خطابیؒ نے کہا کہ واجب کا معنی ہے اختیار و استحباب کا وجوب نہ کہ فرضیت والا وجوب، اور اس کی دلیل اوپر والی حدیث ہے۔ باعث اس ارشاد کا یہ ہے کہ وہ لوگ خوب محنت کرتے تھے، اونی کپڑے پہنتے تھے، موسم گرم تھا، علاقہ گرم تھا، مسجد تنگ تھی اور اس کی چھت پست تھی۔ جب پسینہ آتا تو اس کی ہوا سے ایک دوسرا اذیت پاتا، پس اس وجہ سے حضورؐ نے انہیں تاکیدی الفاظ میں غسل کی طرف متوجہ فرمایا۔ نہ صرف یہ بلکہ اچھا لباس پہننے اور خوشبو لگا کر آنے کی ترغیب دی۔ امام نوویؒ نے فرمایا کہ علماء کا غسل جمعہ میں اختلاف ہے، بعض صحابہؓ سے اس کا وجوب نقل ہوا ہے اور یہی ظاہری حضرات کا قول ہے۔ ابن المنذر نے امام مالکؓ سے بھی یہی نقل کیا ہے اور خطابیؒ نے حسنؒ بصری سے یہی نقل کیا ہے۔ سلف و خلف کے جمہور علماء اور فقہائے امصار کا مذہب یہ ہے کہ یہ ایک پسندیدہ سنت ہے واجب (بمعنیٰ فرض) نہیں ہے۔ قاضی عیاضؒ

نے امام مالک سے بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ واجب کہنے والوں نے ظواہر حدیث سے استدلال کیا ہے اور جمہور کی دلیل صحیح احادیث ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ حضرت عمرؓ خطبہ دے رہے تھے اور ایک شخص داخل ہوا جس نے غسل ترک کیا تھا۔ اور ایک حدیث یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: جس نے جمعہ کے دن وضوء کیا تو ٹھیک کیا اور اچھا کیا اور جس نے غسل کیا تو غسل افضل ہے، یہ سنن کی مشہور حدیث ہے۔ اور ایک حدیث وہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اگر تم جمعہ کے دن غسل کر لیتے تو بہتر ہوتا اور اس لفظ سے عدم وجوب کا پتہ چلتا ہے۔ کیونکہ پوری بات یہ ہے کہ: غسل افضل واکمل ہے۔ امام خطابیؒ نے کہا ہے کہ اس بات میں اُمت کا کوئی اختلاف نہیں کہ اگر کوئی غسل نہ کرے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے۔ پس جب غسل اس نماز کی صحت کی شرط نہیں ہے تو یہ بھی اسی طرح مستحب رہا جس طرح عید کا غسل اور احرام کا غسل ہے اور یہ غسل اپنے سبب پر مقدم ہے اگر واجب ہوتا تو جنابت اور حیض و نفاس کے غسل کی مانند متاخر ہوتا۔

۳۴۱- حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدٍ الرَّمْلِيُّ حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ يَعْنِي ابْنَ فَضَالَةَ عَنْ عَيَّاشِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ بُكَيْرٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ حَفْصَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ رَوَاحُ الْجُمُعَةِ وَعَلَى كُلِّ مَنْ رَاحَ الْجُمُعَةَ الْغُسْلُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ إِذَا اغْتَسَلَ الرَّجُلُ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ أَجْزَأَهُ مِنْ غُسْلِ الْجُمُعَةِ وَإِنْ أَجْنَبَ۔

(ترجمہ) ابن عمرؓ ام المؤمنین حفصہؓ سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا ہر بالغ پر لازم ہے کہ جمعہ کے لئے نکلے اور جو جمعہ کے لئے نکلے اس پر غسل ضروری ہے۔ ابو داؤدؒ نے کہا کہ اگر کوئی آدمی طلوع فجر کے بعد غسل کرلے تو وہ جمعہ کے غسل کے لئے بھی کافی ہو گیا گو اس نے غسل جنابت ہی کیا ہو۔ (گویا ہر دو غسل متداخل ہو کر ادا ہو گئے)

۳۴۲- حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَوْهَبٍ الرَّمْلِيُّ الْهَمْدَانِيُّ وَعَبْدُ الْعَزِيزِ ابْنُ يَحْيَى الْحَرَّانِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ ح وَحَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ وَهَذَا حَدِيثُ مُحَمَّدِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ يَزِيدُ وَعَبْدُ الْعَزِيزِ فِي حَدِيثِهِمَا عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَأَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَبِسَ مِنْ أَحْسَنِ ثِيَابِهِ وَمَسَّ مِنَ الطِّيبِ إِنْ كَانَ عِنْدَهُ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَلَمْ يَتَخَطَّ أَعْنَاقَ النَّاسِ ثُمَّ صَلَّى مَا كَتَبَ اللَّهُ لَهُ

ثُمَّ أَنْصَتَ إِذَا خَرَجَ إِمَامُهُ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْ صَلَاتِهِ كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ جُمُعَتِهِ الَّتِي قَبْلَهَا قَالَ وَيَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَيَقُولُ إِنَّ الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَحَدِيثُ مُحَمَّدِ بْنِ سَلَمَةَ أَتَمُّ وَلَمْ يَذْكُرْ حَمَّادٌ كَلَامَ أَبِي هُرَيْرَةَ ۔

(ترجمہ) ابوسعید خدریؓ اور ابوہریرہؓ دونوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور اپنے بہترین کپڑے پہنے اور اگر خوشبو پاس ہو تو وہ بھی لگائی پھر جمعہ کے لئے آیا تو لوگوں کی گردنیں نہ پھاندیں، پھر جو اللہ نے اس کی قسمت میں لکھی تھی وہ نماز پڑھی پھر جب اس کا امام نکلا تو خاموش رہا حتیٰ کہ اپنی نماز سے فارغ ہوا تو یہ نماز اس کے لئے اس کے اور پہلے جمعہ کے درمیان کے لئے کفارہ ہو جائے گی۔ راوی نے کہا کہ ابوہریرہؓ کہتا ہے کہ تین دن زائد کا بھی کفارہ ہوگی اور وہ کہتا ہے کہ نیکی کا بدلہ دس گنا ہے۔

(شرح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسلِ جمعہ، اچھا لباس پہننے اور خوشبو کا استعمال کرنیکو اکٹھا بیان فرما کر ان سب کی ترغیب دی ہے۔ خطابیؒ نے کہا کہ یہ دلالت اس بات کی ہے کہ غسلِ جمعہ بھی اسی طرح مستحب ہے جس طرح دوسری دونوں چیزیں ہیں۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ خطابی کی یہ دلیل مضبوط نہیں کیونکہ الفاظ میں کئی چیزوں کو اکٹھا کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان سب کا حکم بھی ایک ہی ہے۔ غسلِ جمعہ کے عدم وجوب کے دوسرے قوی اور صریح دلائل موجود ہیں۔ اس حدیث کے راوی محمد بن اسحاق پر تو گفتگو ہو چکی ہے۔ محمد بن ابراہیم پر بھی امام احمدؒ نے تنقید کی ہے کہ وہ منکر احادیث روایت کرتا ہے۔

۳۴۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ أَبِي هِلَالٍ وَبُكَيْرَ بْنَ الْأَشَجِّ حَدَّثَاهُ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ وَالسِّوَاكُ وَيَمَسُّ مِنَ الطِّيبِ مَا قُدِّرَ لَهُ إِلَّا أَنَّ بُكَيْرًا لَمْ يَذْكُرْ عَبْدَ الرَّحْمَنِ وَقَالَ فِي الطِّيبِ وَلَوْ مِنْ طِيبِ الْمَرْأَةِ ۔

(ترجمہ) ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غسل جمعہ کے دن ہر بالغ پر ہے اور مسواک بھی، اور وہ خوشبو بھی لگائے جو اس کے مقدر میں ہو۔ بکیر کی روایت میں ہے: اگرچہ عورت کی خوشبوؤں سے لگائے۔

۳۴۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ الْجُرْجَرَائِيُّ حِبِّي حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ حَدَّثَنِي حَسَّانُ بْنُ عَطِيَّةَ حَدَّثَنِي أَبُو الْأَشْعَثِ الصَّنْعَانِيُّ حَدَّثَنِي أَوْسُ بْنُ أَوْسٍ الثَّقَفِيُّ

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ غَسَّلَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَ اغْتَسَلَ ثُمَّ بَکَّرَ وَ ابْتَکَرَ وَمَشٰی وَلَمْ یَرْکَبْ وَ دَنَا مِنَ الْاِمَامِ فَاسْتَمَعَ وَلَمْ یَلْغُ کَانَ لَہٗ بِکُلِّ خُطْوَۃٍ عَمَلُ سَنَۃٍ اَجْرُ صِیَامِہَا وَ قِیَامِہَا۔

(ترجمہ) اوس رضی اللہ عنہ بن اوس ثقفی نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جس نے جمعہ کے دن خوب خوب غسل کیا پھر اول وقت میں نماز کے لئے آیا اور ابتدائے خطبہ سے سُنتا رہا اور پیدل چلا اور سوار نہ ہوا اور امام کے قریب ہوا اور کان لگا کر سُنا اور لغو کام نہ کیا اسے ہر قدم کے بدلے ایک سال کا عمل یعنی اس کے روزے اور نفلوں کا اجر ملے گا۔

(شرح) غسّل و اغتسل کے الفاظ یا تو تاکید کے لئے ہیں، یا یہ مطلب کہ سر کے بالوں کو خوب دھویا اور پھر غُسل کیا، یا خود غُسل کیا اور گھروالی کو بھی غسل کرایا۔ اور یہ معنیٰ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسروں کو غسل کرنے میں مدد دی، مثلاً پانی وغیرہ مہیا کر دیا اور خود بھی غسل کیا۔

۳۴۵۔ حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ عَنْ خَالِدِ بْنِ یَزِیْدَ عَنْ سَعِیْدِ ابْنِ اَبِیْ ہِلَالٍ عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ نُسَیٍّ عَنْ اَوْسٍ الثَّقَفِیِّ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ مَنْ غَسَّلَ رَاْسَہٗ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَاغْتَسَلَ وَسَاقَ الْحَدِیْثَ۔

(ترجمہ) اوس رضی اللہ عنہ ثقفی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا، جس نے جمعہ کے دن سر کو خوب دھویا اور غسل کیا۔ پھر عبادہؓ نے پوری گذشتہ حدیث بیان کی (اس حدیث کی بناء پر گذشتہ حدیث میں بھی یہی معنیٰ بہتر ہے کہ: جس نے سر کو خوب دھویا اور غسل کیا الخ)

۳۴۶۔ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عَقِیْلٍ وَ مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَۃَ الْمِصْرِیَّانِ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ وَہْبٍ قَالَ ابْنُ اَبِیْ عَقِیْلٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اُسَامَۃُ یَعْنِی ابْنَ زَیْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ مَنِ اغْتَسَلَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَمَسَّ مِنْ طِیْبِ امْرَاَتِہٖ اِنْ کَانَ لَہَا وَلَبِسَ مِنْ اَحْسَنِ ثِیَابِہٖ ثُمَّ لَمْ یَتَخَطَّ رِقَابَ النَّاسِ وَلَمْ یَلْغُ عِنْدَ الْمَوْعِظَۃِ کَانَتْ کَفَّارَۃً لِّمَا بَیْنَہُمَا وَمَنْ لَغَا وَ تَخَطّٰی رِقَابَ النَّاسِ کَانَتْ لَہٗ ظُہْرًا۔

(ترجمہ) عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے جمعہ کے

دن غسل کیا اور اپنی بیوی کی خوشبو مس کی، اگر اس کے پاس ہو، اور اپنے بہترین کپڑے پہنے اور لوگوں کی گردنیں نہ پھاندیں اور وعظ کے وقت لغو کام نہ کیا تو وہ دو جمعوں کے درمیان کے لئے کفارہ ہوگا۔ اور جس نے لغو کام کیا اور لوگوں کی گردنیں پھاند کر آیا تو وہ اس کی ظہر کی نماز ہوگی۔

۳۴۷ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا حَدَّثَنَا مُصْعَبُ بْنُ شَيْبَةَ عَنْ طَلْقِ بْنِ حَبِيبٍ الْعَنَزِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا حَدَّثَتْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنْ أَرْبَعٍ: مِنَ الْجَنَابَةِ وَيَوْمَ الْجُمُعَةِ وَمِنَ الْحِجَامَةِ وَمِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ۔

(ترجمہ) عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین نے عبداللہ بن زبیر کو بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چار چیزوں سے غسل فرماتے تھے، جنابت سے، جمعہ کے دن، سینگی لگوانے سے اور میت کے غسل سے۔

(شرح) علامہ سندھی نے فرمایا کہ مطلب ام المومنین کا یہ ہے کہ حضور ان چار چیزوں سے غسل کا حکم دیتے تھے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بالکل ثابت نہیں ہوا کہ آنجناب نے کبھی میت کو غسل دیا ہو۔ امام خطابی نے کہا ہے کہ بعض دفعہ ایک ہی ربط میں مختلف اشیاء کو جن کے الفاظ و معانی تک مختلف ہوں جمع کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ ان کے احکام الگ الگ ہوتے ہیں۔ مثلاً یہاں پر جمعہ کے دن غسل کا حکم ہے جس پر دلیل قائم ہو چکی ہے کہ آپ خود بھی نہاتے تھے اور اس کی ترغیب بھی دیتے تھے اور یہ حکم استحبابی تھا، اور یہ بات بالکل عقل و فکر میں آنے کی ہے کہ حجامت (سینگی اور پچھنے لگوانا) سے جو غسل ہے وہ تکلیف دہ آلائش دور کرنے کے لئے ہے اور اس لئے بھی کہ ممکن ہے خون کے چھینٹے ادھر ادھر جسم پر لگ گئے ہوں، پس اس سے بھی غسل کرنا طہارت و نظافت کی خاطر ہے۔ رہا غسل میت کے بعد غسل کرنا، سو اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ واجب نہیں ہے، اور امام احمد نے فرمایا ہے کہ غسل میت سے غسل کرنے کے حکم میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہوئی اور جو لوگ اس غسل کا قول رکھتے ہیں ممکن ہے اس لئے رکھتے ہوں کہ میت کے اعضاء کا غسالہ نہلانے والے کو لگنے کا احتمال ہوتا ہے اور یہ بھی امکان رہتا ہے کہ میت کے جسم پر نجاست لگی ہو لہذا اس کے بعد غسل کرنا مستحب ہوا لیکن جب معلوم ہو کہ ایسی کوئی بات نہیں تو غسل واجب نہیں ہے۔ ابو داؤد نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ یہ قول سنن میں تو نہیں ہے کہیں اور آیا ہوگا، اور اس حدیث کے ضعف کا باعث مصعب بن شیبہ ہے جسے دیگر محدثین نے ضعیف کہا ہے مگر ابن معین اور عجلی نے ثقہ شمار کیا ہے۔

یہ بھی معلوم رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل انہی چار میں منحصر نہیں تھے بلکہ آپ احرام کے لئے اور دخول مکہ وغیرہ کے لئے بھی غسل فرماتے رہے۔

۳۴۸ - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حَوْشَبٍ قَالَ سَأَلْتُ مَكْحُولًا عَنْ هَذَا الْقَوْلِ غَسَّلَ وَاغْتَسَلَ، قَالَ غَسَّلَ رَأْسَهُ وَجَسَدَهُ۔

(ترجمہ) اوپر ایک حدیث میں غَسَّلَ وَاغْتَسَلَ کا لفظ گزر چکا ہے، اس روایت میں مکحول سے اس کی شرح منقول

ہے کہ: اپنا سر دھویا اور جسم کا غسل کیا (یہ شرح اوپر حدیث مرفوع میں بھی آ چکی ہے)

۳۴۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو مُسْهِرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ فِي غَسَّلَ وَاغْتَسَلَ قَالَ قَالَ سَعِيدٌ غَسَّلَ رَأْسَهُ وَغَسَّلَ جَسَدَهُ۔

(ترجمہ) اس روایت میں بھی سعید بن عبد العزیز سے ان الفاظ کی وہی شرح آئی ہے۔

۳۵۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ۔

(ترجمہ) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے جمعہ کے دن جنابت کا غسل کیا پھر وہ جمعہ کے لئے چلا گیا تو گویا اس نے اونٹ قربان کیا۔ اور جو دوسری گھڑی میں گیا اس نے گویا بیل قربان کیا اور جو تیسری گھڑی میں گیا اس نے گویا سینگ دار مینڈھا قربان کیا اور جو چوتھی گھڑی میں گیا اس نے گویا مرغی قربان کی اور جو پانچویں گھڑی میں گیا اس نے گویا انڈا قربان کیا۔ پھر جب امام نکل آیا تو فرشتے ذکر سننے کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔

(شرح) اوپر کی حدیث کا راوی سعید بن عبد العزیز راوی ثقہ ہے مگر بقول ابوداؤد، صخر الکتانی، ابن معین اپنی موت سے پہلے اختلاط میں مبتلا ہو گیا تھا۔ زیر نظر حدیث میں مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ: غُسْلًا كَغُسْلِ الْجَنَابَةِ مراد ہے جیسے ارشادِ الٰہی ہے: تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ. مطلب یہ ہے کہ خوب غسل کیا جیسا کہ جنابت سے طہارت کی خاطر خوب صفائی کی جاتی ہے۔ راح کا مصدر رَوَاحٌ ہے جس کا معنی ذہاب ہے پہلے پہر ہو یا پچھلے پہر، دن کو ہو یا رات کو، یا رات کے کسی بھی وقت میں، ہاں! غُدُوَہ کے مقابلے میں رَوْحَۃ کا لفظ آئے گا تو اس سے مراد پچھلے پہر کا جانا ہوگا۔ قَرَّبَ کا معنی اس حدیث میں ہے تَصَدَّقَ یعنی صدقہ کیا، کیونکہ اس میں مرغی اور انڈے کے لئے بھی یہی لفظ وارد ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں قربانی کی چیزیں نہیں ہیں۔

۱۳۱ بَابُ الرُّخْصَةِ فِي تَرْكِ الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

جمعہ کے دن ترکِ غسل کی رخصت کا باب

۳۵۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَمْرَةَ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّاسُ مُهَّانَ أَنْفُسِهِمْ فَيَرُوحُونَ إِلَى الْجُمُعَةِ بِهَيْئَتِهِمْ فَقِيلَ لَهُمْ لَوِ اغْتَسَلْتُمْ۔

(ترجمہ) اُمّ المؤمنین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ لوگ اپنے کام خود کرتے تھے پھر جمعہ کے لئے اسی حالت میں چلے جاتے تھے پس ان سے فرمایا گیا کہ اگر تم غسل کر لو تو کیا خوب ہو۔

(شرح) بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اگر تم اپنے اس دن کے لئے طہارت کر لو تو بہتر ہو۔ حافظ ابن حجرؒ نے قرطبیؒ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں اہل کوفہ کے اس قول کا رد ہے کہ نماز جمعہ دیہات والوں پر فرض نہیں۔ حافظ نے کہا کہ قرطبیؒ کا یہ قول درست نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو دیہات والے حضورؐ کے زمانے میں باری باری نہ آیا کرتے بلکہ سب کے سب جمعہ میں حاضر ہوتے۔

۳۵۲ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو عَنْ عِكْرِمَةَ أَنَّ نَاسًا مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ جَاءُوا فَقَالُوا يَا ابْنَ عَبَّاسٍ أَتَرَى الْغُسْلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاجِبًا قَالَ لَا وَلَكِنَّهُ أَطْهَرُ وَخَيْرٌ لِمَنِ اغْتَسَلَ وَمَنْ لَمْ يَغْتَسِلْ فَلَيْسَ عَلَيْهِ بِوَاجِبٍ وَسَأُخْبِرُكُمْ كَيْفَ بَدْءُ الْغُسْلِ كَانَ النَّاسُ مَجْهُودِينَ يَلْبَسُونَ الصُّوفَ وَيَعْمَلُونَ عَلَى ظُهُورِهِمْ وَكَانَ مَسْجِدُهُمْ ضَيِّقًا مُقَارِبَ السَّقْفِ إِنَّمَا هُوَ عَرِيشٌ فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَوْمٍ حَارٍّ وَعَرِقَ النَّاسُ فِي ذَلِكَ الصُّوفِ حَتَّى ثَارَتْ مِنْهُمْ رِيَاحٌ آذَى بِذَلِكَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَلَمَّا وَجَدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ الرِّيحَ قَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِذَا كَانَ هَذَا الْيَوْمُ فَاغْتَسِلُوا وَلْيَمَسَّ أَحَدُكُمْ أَفْضَلَ مَا يَجِدُ مِنْ دُهْنِهِ وَطِيبِهِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ثُمَّ جَاءَ اللَّهُ تَعَالَى ذِكْرُهُ بِالْخَيْرِ وَلَبِسُوا غَيْرَ الصُّوفِ وَكُفُوا الْعَمَلَ وَوُسِّعَ مَسْجِدُهُمْ وَذَهَبَ بَعْضُ الَّذِي كَانَ يُؤْذِي بَعْضُهُمْ بَعْضًا مِنَ الْعَرَقِ۔

(ترجمہ) عکرمہؒ کا بیان ہے کہ عراق والوں میں سے کچھ لوگ آئے اور انہوں نے کہا کہ: اے ابن عباسؓ! کیا آپکی رائے میں جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے؟ ابن عباسؓ نے کہا نہیں بلکہ وہ مزید پاکیزگی کا باعث اور غسل کرنے والے کے لئے بہتر ہے، اور جو غسل نہ کرے اس پر واجب نہیں ہے، اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ غسل جمعہ کیونکر شروع

ہوا تھا۔ لوگ بہت تنگدست تھے، موٹی اُون پہنتے تھے اور اپنی پشت پر بوجھ اٹھاتے تھے اور ان کی مسجد تنگ تھی اور اس کی چھت پست تھی، بس وہ ایک چھپر کی مانند تھی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گرم دن میں نکلے اور لوگوں کو اُس اونی لباس میں پسینہ آیا حتیٰ کہ ان سے بدبودار ہوائیں اٹھیں جو ایک دوسرے کو تکلیف دیتی تھیں، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہوا محسوس فرمائی تو ارشاد ہوا: اے لوگو! جب یہ دن آئے تو غسل کرو اور بہترین تیل اور خوشبو جو موجود ہو وہ لگاؤ۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے مال بخشا اور لوگ اُون کے سوا دوسرا لباس پہننے لگے اور کام کا بوجھ نوکروں چاکروں نے اٹھالیا اور ان کی مسجد وسیع ہوگئی اور وہ بعض چیزیں جو ایک دوسرے کو پسینے کی صورت میں اذیت دیتی تھیں جاتی رہیں۔

۳۵۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ مَنْ تَوَضَّأَ فِيهَا وَنِعْمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَهُوَ أَفْضَلُ۔

(ترجمہ) حضرت سمرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس نے وضو کیا وہ اس سے فضیلت پائے گا اور یہ اچھی خصلت ہے اور جس نے غسل کیا تو وہ افضل ہے۔

۱۳۲۔ بَابٌ فِي الرَّجُلِ يُسْلِمُ فَيُؤْمَرُ بِالْغُسْلِ

نومسلم کو غسل کا حکم دینے کا باب

۳۵۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ الْعَبْدِيُّ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الْأَغَرُّ عَنْ خَلِيفَةَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنْ جَدِّهِ قَيْسِ بْنِ عَاصِمٍ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيدُ الْإِسْلَامَ فَأَمَرَنِي أَنْ أَغْتَسِلَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ۔

(ترجمہ) قیسؓ بن عاصم کا بیان ہے کہ میں اسلام لانے کی خاطر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپؐ نے مجھے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل کرنے کا حکم دیا۔

(شرح) اس حدیث کی شرح میں یہ گفتگو ہوتی ہے کہ آیا نومسلم کلمۂ اسلام پڑھ کر غسل کرے؟ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو ابن ماجہ کے سوا سب صحاح میں اور مسند امام احمد میں بھی ہے کہ: قیسؓ مسلمان ہوا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل کا حکم دیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کلمۂ اسلام کا تلفظ کرنے سے پہلے غسل کرے۔ اسکی تائید بخاری کی وہ روایت ہے جس میں ثمامہؓ بن اثال کا قصہ مذکور ہے جسے قید کرکے لایا گیا اور مسجد کے ستون سے باندھا گیا تھا۔ پھر اسے حضورؐ کے حکم سے آزاد کردیا گیا، وہ مسجد کے قریب ایک کھجوروں کے جھنڈ میں گیا، غسل کیا اور مسجد میں آکر کلمۂ شہادت پڑھا۔ امام خطابیؒ نے کہا ہے کہ اکثر اہل علم کے نزدیک یہ غسل بھی استحبابی ہے وجوبی نہیں امام شافعیؒ نے فرمایا کہ میں پسند کرتا ہوں کہ نومسلم غسل کرے، اگر وہ نہ کرے بشرطیکہ وہ جنابت سے نہ ہو تب بھی کوئی حرج

نہیں، وضو کرے اور نماز پڑھے۔ امام احمدؒ بن حنبل اور ابو ثورؒ کے نزدیک اس زیر نظر حدیث کے ظاہر پر نظر کر کے نو مسلم پر غسل واجب ہے۔ اس کا سبب یہ بتاتے تھے کہ کافر ایام کفر میں جماع یا احتلام سے غسل نہیں کیا کرتا تھا، اگر کرتا بھی تو وہ غسل شرعی نہ تھا کیونکہ غسلِ جنابت شرعی احکام و فرائض میں سے ہے اور یہ احکام اسلام کے بعد ہی عائد ہوتے ہیں جیسے کہ نماز و روزہ اور زکوٰۃ کے احکام۔ امام مالکؒ کا خیال تھا کہ کافر اسلام لا کر غسل ضرور کرے۔ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ مشرک اگر حالت شرک میں وضو کرے پھر اسلام لائے تو کیا یہ وضو شرعی احکام مثلاً نماز و قرأت وغیرہ کے لئے کافی ہوگا کہ نہیں؟ اصحاب رائے نے کہا ہے کہ وہ اس وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے، لیکن اگر اس نے اسلام سے پہلے تیمم کیا تھا اور پھر مسلمان ہوا تو اس تیمم سے نماز نہیں پڑھ سکتا، اب اسلام لا کر نئے سرے سے تیمم کرے (یعنی اگر پانی نہیں ملتا تو) ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ تیمم تو نیت کا محتاج ہے اور مشرک کی نیتِ عبادت صحیح نہیں اور پانی سے طہارت کرنا نیت کا محتاج نہیں، پس جب وضوء کی نیت مشرک سے پائی گئی وہ صحیح ہو گئی۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ اسلام سے قبل اگر اس نے وضوء یا تیمم کیا تھا تو اس سے عبادت ادا نہیں کر سکتا بلکہ اب از سرِ نو طہارت کرے لیکن جنبی اگر غسل کر لے اور پھر اسلام لائے تو اس میں امام شافعیؒ کے اصحاب کا اختلاف ہوا ہے۔ بعض نے کہا کہ دوبارہ غسل فرض ہے، اور بعضوں نے کہا کہ وضوء تو بہر حال کرے مگر غسلِ جنابت ہو چکا اب دوبارہ نہ کرے لیکن اگر اسلام لائے اور وہ یقیناً جانتا ہو کہ حالتِ کفر میں اسے جنابت نہیں ہوئی تھی تو سب فقہاء کے نزدیک اس پر غسل نہیں ہے۔ خطابی نے کہا کہ ظاہر حدیث کے مطابق وضوء اور غسل میں امام احمدؒ کا قول زیادہ وزنی معلوم ہوتا ہے۔

جن لوگوں نے اسلام لانے والے کے لئے غسل کے حکم کو استحبابی قرار دیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اسلام لانے والے کو غسل کا حکم نہیں دیا تھا۔ اگر یہ غسل واجب ہوتا تو سب کے لئے ہوتا نہ کہ بعض کے لئے۔ ہاں! اگر کافر جنبی ہو اور اسلام لائے تو اس پر غسل کا وجوب جنابت کے باعث ہے جس میں کافر و مسلمان کا فرق نہیں۔ یہی حال حیض و نفاس والی عورت کا بھی ہے۔

۳۵۵۔ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أُخْبِرْتُ عَنْ عُثَيْمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّهُ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ قَدْ أَسْلَمْتُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْقِ عَنْكَ شَعْرَ الْكُفْرِ يَقُولُ احْلِقْ قَالَ وَأَخْبَرَنِي آخَرُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِآخَرَ مَعَهُ أَلْقِ عَنْكَ شَعْرَ الْكُفْرِ وَاخْتَتِنْ۔

(ترجمہ) عُثیم بن کُلیب نے اپنے باپ کثیر سے اور اس نے عُثیم کے دادا کُلیبؓ سے روایت کی کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تو اپنے کفر کے بال اتار پھینک یعنی مُنڈوا دے۔ کثیر نے کہا کہ مجھے ایک اور آدمی نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کُلیبؓ کے ایک ساتھی سے فرمایا، تو اپنے آپ سے کفر کے بال اتار پھینک اور ختنہ کر۔

(شرح) ابن جریج اور عُثیم کے درمیان ایک مجہول راوی ہے عُثیم کو بھی تقریب میں مجہول قرار دیا گیا ہے۔ مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ اسماء الرجال کی کتابوں میں مجھے اس شخص کے حالات نہیں ملے۔ بقول حافظ ابن حجرؒ ابن ابی حاتم نے

کثیر بن کلیب کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے باپ کا نام غنیم تھا۔ کلیبؓ کا ذکر صحابہؓ میں ضرور آیا ہے اور اس کی تین احادیث ہیں جن میں سے ایک یہ ہے جو سنن ابی داؤد میں آئی ہے۔ اس حدیث میں جو بالوں کے بارے میں احلق کا لفظ ہے یہ تو کسی راوی کی تفسیر ہے۔ حضورؐ کے ارشاد کا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ جو بال علاماتِ کفر سے ہیں مثلاً طویل مونچھیں انہیں اترواد و۔ ختنے کا حکم اس لئے ہے کہ یہ اسلام کا شعار ہے۔ لیکن یہ بھی ہر نئے اسلام میں داخل ہونے والے کو نہیں دیا گیا اور اس کا ذکر اس حدیث میں ہی ملتا ہے۔ حدیث کی سند کا حال تو ظاہر ہے مگر مولاناؒ نے اس پر بحث نہیں کی کہ بال منڈوانے اور ختنے کا حکم آیا صرف اس شخص کو ملا تھا یا کسی اور کو بھی؟ نہ یہ معلوم ہو سکا کہ کلیبؓ کا ساتھی کونسا تھا جسے یہ حکم ملا؟ اور ختنے کا حکم کلیب کو کیوں نہ دیا گیا؟ ویسے اس حدیث کا باب کے عنوان سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔

۱۳۲۔ بَابُ الْمَرْأَةِ تَغْسِلُ ثَوْبَهَا الَّذِي تَلْبَسُهُ فِي حَيْضِهَا

حالتِ حیض میں پہنے ہوئے کپڑے کے نہ دھونے کا باب

۳۵۶۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ حَدَّثَنِي أَبِي حَدَّثَتْنِي أُمُّ الْحَسَنِ يَعْنِي جَدَّةَ أَبِي بَكْرٍ الْعَدَوِيِّ عَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ سُئِلَتْ عَائِشَةُ عَنِ الْحَائِضِ يُصِيبُ ثَوْبَهَا الدَّمُ قَالَتْ تَغْسِلُهُ فَإِنْ لَمْ يَذْهَبْ أَثَرُهُ فَلْتُغَيِّرْهُ بِشَيْءٍ مِنْ صُفْرَةٍ قَالَتْ وَلَقَدْ كُنْتُ أَحِيضُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَ حِيَضٍ جَمِيعًا لَا أَغْسِلُ لِي ثَوْبًا۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حیض والی عورت کے متعلق پوچھا گیا کہ اس کے کپڑے کو خون لگ جائے تو کیا کرے۔ فرمایا کہ وہ اسے دھو ڈالے اور پھر بھی اگر اس کا اثر نہ جائے تو کسی زرد چیز سے اس کا رنگ بدل دے۔ اور فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس مجھے کئی دفعہ تین ماہواری ایام تک آجاتے مگر میں کوئی کپڑا نہ دھوتی تھی (کیونکہ کپڑوں پر کوئی نشان وغیرہ نہ ہوتا تھا۔ اس روایت میں ام الحسن کا کوئی حال معلوم نہیں)۔

۳۵۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ الْعَبْدِيُّ أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَافِعٍ قَالَ سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَعْنِي ابْنَ مُسْلِمٍ يَذْكُرُ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ رض مَا كَانَ لِإِحْدَانَا إِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ تَحِيضُ فِيهِ فَإِذَا أَصَابَهُ شَيْءٌ مِنْ دَمٍ بَلَّتْهُ بِرِيقِهَا ثُمَّ قَصَعَتْهُ بِرِيقِهَا۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ ہم ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی کا ایک سے زیادہ کپڑا نہ ہوتا تھا جسے ماہواری ایام میں پہنے۔ جب اس کپڑے کو خون کا داغ لگ جاتا تو وہ اسے اپنے لعابِ دہن سے تر کر کے مل دیتی تھی۔

(ایک نسخے میں ہے کہ تھوک سے تر کر کے ناخن سے رگڑ ڈالتی تھی۔ یہ وہ صورت ہے کہ داغ معمولی ہوتا)۔

۳۵۸ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ يَعْنِي ابْنَ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا بَكَّارُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَتْنِي جَدَّتِي قَالَتْ دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ فَسَأَلَتْهَا امْرَأَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ عَنِ الصَّلٰوةِ فِي ثَوْبِ الْحَائِضِ فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ قَدْ كَانَ يُصِيبُنَا الْحَيْضُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَلْبَثُ إِحْدَانَا أَيَّامَ حَيْضِهَا ثُمَّ تَطَّهَّرُ فَتَنْظُرُ الثَّوْبَ الَّذِي كَانَتْ تَقْلِبُ فِيهِ فَإِنْ أَصَابَهُ دَمٌ غَسَلْنَاهُ وَصَلَّيْنَا فِيهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ أَصَابَهُ شَيْءٌ تَرَكْنَاهُ وَلَمْ يَمْنَعْنَا ذٰلِكَ مِنْ أَنْ نُصَلِّيَ فِيهِ۔ أَمَّا الْمُمْتَشِطَةُ فَكَانَتْ إِحْدَانَا تَكُونُ مُمْتَشِطَةً فَإِذَا اغْتَسَلَتْ لَمْ تَنْقُضْ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّهَا تَحْفِنُ عَلَى رَأْسِهَا ثَلَاثَ حَفَنَاتٍ فَإِذَا رَأَتِ الْبَلَلَ فِي أُصُولِ الشَّعْرِ دَلَكَتْهُ ثُمَّ أَفَاضَتْ عَلَى سَائِرِ جَسَدِهَا۔

(ترجمہ) حضرت ام سلمہؓ سے ایک قریشی عورت نے اس کپڑے میں نماز کے متعلق سوال کیا جو ماہواری ایام میں جسم پر تھا۔ تو ام سلمہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جب ہم میں سے کسی کو ماہواری ہوتی تو اتنی دیر بیٹھتی، پھر پاک صاف ہوتی اور وہ کپڑا دیکھتی جسے وہ استعمال کرتی، پس اگر اسے خون لگا ہوتا تو ہم اسے دھو ڈالتے اور اس میں نماز پڑھ لیتے اور اگر اس پر کوئی داغ دھبہ وغیرہ نہ ہوتا تو اسے چھوڑ دیتے، اور یہ چیزیں ہمیں اس میں نماز پڑھنے سے نہ روکتی۔ لیکن جو کنگھی سے اپنے بال جما چکی ہوتی اور مینڈھیاں رکھتی تو اگر ایسا ہوتا تو غسل کرتے وقت بالوں کی ترتیب کو نہ توڑتی بلکہ اپنے سر پر تین بار پانی ڈالتی اور جب بالوں کی جڑوں میں پانی کی تری محسوس کرتی تو اسے مل دیتی، پھر اپنے باقی سارے جسم پر پانی بہا دیتی تھی۔

(شرح) اس روایت میں بکار بن یحییٰ راوی مجہول ہے اور نہ اس کی دادی کا نام پتہ معلوم ہے جس سے وہ روایت کر رہا ہے۔

۳۵۹ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ سَمِعْتُ امْرَأَةً تَسْأَلُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ تَصْنَعُ إِحْدَانَا بِثَوْبِهَا إِذَا رَأَتِ الطُّهْرَ أَتُصَلِّي فِيهِ؟ قَالَ تَنْظُرُ فَإِنْ رَأَتْ فِيهِ دَمًا فَلْتَقْرُصْهُ بِشَيْءٍ مِنْ مَاءٍ وَلْتَنْضَحْ مَا لَمْ تَرَ وَلْتُصَلِّ فِيهِ۔

(ترجمہ) اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک عورت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھتے سنا کہ پاک ہونے کے بعد ہم میں سے کوئی اپنے کپڑے کو کیا کرے؟ کیا اس میں نماز پڑھ لے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ دیکھے اگر کپڑے میں خون

پائے تو اسے کچھ پانی میں مل کر دھو ڈالے اور جس کپڑے میں کوئی خون کا اثر نہ ہو اسے معمولی دھوئے اور اس میں نماز پڑھ لے۔

(شرح) قرص کا معنی ہے ناخنوں اور انگلیوں کے اطراف سے ملنا اور رگڑنا، مطلب یہ کہ جہاں پر داغ ہو اسے خوب مل کر دھویا جائے اوپر سے پانی ڈالا جائے۔ جس کپڑے میں کوئی داغ نہیں اسے دھونے کا حکم بدبو کو دور کرنے کی خاطر ہے۔ دارمی کی روایت بھی اس مضمون کی تائید کرتی ہے۔ اس روایت کی سند میں محمد بن اسحاق متکلم فیہ ہے۔

۳۶۰- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّهَا قَالَتْ سَأَلَتِ امْرَأَةٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ إِحْدَانَا إِذَا أَصَابَهَا الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ كَيْفَ تَصْنَعُ قَالَ إِذَا أَصَابَ إِحْدَاكُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضِ فَلْتَقْرُصْهُ ثُمَّ لِتَنْضَحْهُ بِالْمَاءِ ثُمَّ لِتُصَلِّ۔

(ترجمہ) اسماء بنت ابی بکر نے فرمایا کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا یا رسول اللہ فرمائیے کہ جب ہم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو کیا کرے؟ آپؐ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو حیض کا خون لگ جائے تو اس کپڑے کو ملے اور پانی سے دھوئے پھر اس میں نماز پڑھے۔

۳۶۱- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ ح وَحَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ عَنْ هِشَامٍ بِهَذَا الْمَعْنَى قَالَ حُتِّيهِ ثُمَّ اقْرُصِيهِ بِالْمَاءِ ثُمَّ انْضَحِيهِ۔

(ترجمہ) وہی حدیث دوسری سند سے، اس میں حضورؐ کا فرمان ہے: کہ اُسے رگڑ پھر پانی سے مل کر صاف کر اور پھر پانی سے دھو ڈال۔

۳۶۲- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى يَعْنِي ابْنَ سَعِيدٍ الْقَطَّانَ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ثَابِتٌ الْحَدَّادُ حَدَّثَنِي عَدِيُّ بْنُ دِينَارٍ قَالَ سَمِعْتُ أُمَّ قَيْسٍ بِنْتَ مِحْصَنٍ تَقُولُ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ دَمِ الْحَيْضِ يَكُونُ فِي الثَّوْبِ قَالَ حُكِّيهِ بِضِلَعٍ وَاغْسِلِيهِ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ۔

(ترجمہ) امّ قیسؓ بنت محصن کا بیان ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کپڑے پر لگے ہوئے حیض کے خون کے متعلق پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا اسے کسی لکڑی کے ساتھ کھرچ دے اور پانی اور بیری کے پتوں سے دھو ڈال۔

۳۶۳- حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَدْ كَانَ يَكُونُ لِإِحْدَانَا الدِّرْعُ فِيهِ تَحِيضُ وَفِيهِ تُصِيبُهَا الْجَنَابَةُ ثُمَّ تَرَى

فِيهِ قَطْرَةٌ مِّنْ دَمٍ فَتَقْصَعُهُ بِرِيقِهَا ۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم میں سے کسی کی قمیص ہوتی جس میں ماہواری ایام گزارتی اور اسی میں اسے جنابت ہوتی پھر اس میں خون کا قطرہ دیکھتی تو اسے اپنے لعاب دہن سے رگڑ دیتی (کیونکہ وہ بہت تھوڑا ہوتا جو معاف ہے)۔

۳۶۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ يَعْنِي ابْنَ نَافِعٍ قَالَ سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَذْكُرُ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَتْ عَائِشَةُ رض مَا كَانَ لِإِحْدَانَا إِلَّا ثَوْبٌ فِيهِ تَحِيضُ فَإِنْ أَصَابَهُ شَيْءٌ مِّنْ دَمٍ بَلَّتْهُ بِرِيقِهَا ثُمَّ قَصَعَتْهُ بِرِيقِهَا ۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی نے فرمایا کہ ہم میں سے کسی کا صرف ایک کپڑا ہوتا جس میں ماہواری ایام گزارتی پس اگر اسے کچھ خون لگ جاتا تو اسے لعاب دہن سے تر کر تی پھر اسے مل کر صاف کر دیتی ۔ (یہ حدیث دوبارہ درج ہو گئی ہے سُنن کے بعض نسخوں میں اسے درج پایا گیا ہے ورنہ اوپر بھی بعینہٖ گزر چکی ہے یعنی اس باب کی دوسری حدیث)

۳۶۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ خَوْلَةَ بِنْتَ يَسَارٍ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّهُ لَيْسَ لِي إِلَّا ثَوْبٌ وَّاحِدٌ وَّأَنَا أَحِيضُ فِيهِ فَكَيْفَ أَصْنَعُ قَالَ إِذَا طَهُرْتِ فَاغْسِلِيهِ ثُمَّ صَلِّي فِيهِ فَقَالَتْ فَإِنْ لَّمْ يَخْرُجِ الدَّمُ قَالَ يَكْفِيكِ غَسْلُ الدَّمِ وَلَا يَضُرُّكِ أَثَرُهُ ۔

(ترجمہ) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ خولہ بنت یسار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا کہ یا رسول اللہ میرے پاس صرف ایک کپڑا ہے اور میں اسی میں حیض سے ہوتی ہوں تو کیا کروں ؟ فرمایا جب تو پاک ہو جائے تو اسے دھو ڈال پھر اسی میں نماز پڑھ لے ۔ اس نے کہا : اگر اس میں سے خون نہ نکلے تو ؟ فرمایا کہ تجھے کافی ہے کہ خون کو دھو ڈالے اور اس کا نشان مضر نہیں ہے ۔

(شرح) یہ حدیث حمصی نسخے میں موجود ہے اور حاشیے پر لکھا ہے کہ ہندی نسخوں میں موجود نہیں ۔

۱۳۴۔ بَابُ الصَّلٰوةِ فِي الثَّوْبِ الَّذِي يُصِيبُ أَهْلَهُ فِيهِ

جس کپڑے میں گھر والوں سے ملے اس میں نماز کا باب

۳۶۶۔ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ حَمَّادٍ الْمِصْرِيُّ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ

عَنْ سُوَيْدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ حُدَيْجٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ أَنَّهُ سَأَلَ أُخْتَهُ أُمَّ حَبِيبَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي الثَّوْبِ الَّذِي يُجَامِعُهَا فِيهِ فَقَالَتْ نَعَمْ إِذَا لَمْ يَرَ فِيهِ أَذًى ۔

(ترجمہ) معاویہؓ بن ابی سفیان نے اپنی بہن ام حبیبہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہؓ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کپڑے میں نماز پڑھ لیتے تھے جس میں کہ ان سے خاص ملاقات کرتے تھے؟ امّ حبیبہؓ نے کہا: ہاں! جب اس میں کوئی نجاست نہ دیکھتے۔

(مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث منی کی نجاست پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے)

۱۳۵۔ بَابُ الصَّلٰوةِ فِي شُعُرِ النِّسَاءِ

عورتوں کے اندرونی لباس میں نماز کا باب

۳۶۷۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا أَشْعَثُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي فِي شُعُرِنَا أَوْ فِي لُحُفِنَا ۔ قَالَ عُبَيْدُ اللهِ شَكَّ أَبِي ۔

(ترجمہ) عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے جسم کے ساتھ لگنے والے لباس میں نماز نہیں پڑھتے تھے یا ہمارے لحافوں کا لفظ بولا تھا۔ عبید اللہ نے کہا کہ میرے باپ کو شک ہے ۔(یہ احتیاط پر مبنی تھا)

۳۶۸۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ هِشَامٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ عَائِشَةَ رض أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يُصَلِّي فِي مَلَاحِفِنَا ۔ قَالَ حَمَّادٌ وَسَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ أَبِي صَدَقَةَ قَالَ سَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْهُ فَلَمْ يُحَدِّثْنِي وَقَالَ سَمِعْتُهُ مُنْذُ زَمَانٍ وَلَا أَدْرِي مِمَّنْ سَمِعْتُهُ وَلَا أَدْرِي أَسَمِعْتُهُ مِنْ ثَبْتٍ أَوْ لَا فَسَلُوا عَنْهُ ۔

(ترجمہ) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم ہمارے ملاحف (لحافوں) میں نماز نہ پڑھتے تھے۔

(شرح) حدیث منقطع ہے کیونکہ محمد بن سیرین کی ملاقات عائشہ صدیقہؓ سے ثابت نہیں جیسا کہ ابوحاتم نے کہا

کہا ہے۔ پھر جیسا کہ حدیث کے بعد کی عبارت میں ہے محمد بن سیرین کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ حدیث کس سے سُنی تھی۔ جس سے سُنی تھی وہ ثقہ تھا یا نہیں۔ پس یہ حدیث اس سند سے ثابت نہیں ہے۔

۱۳۶۔ بَابٌ فِي الرُّخْصَةِ فِي ذٰلِكَ

اس میں رخصت کا باب

۳۶۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ بْنِ سُفْيَانَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ الشَّيْبَانِيِّ سَمِعَهُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ يُحَدِّثُهُ عَنْ مَيْمُونَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى وَعَلَيْهِ مِرْطٌ وَّعَلٰى بَعْضِ أَزْوَاجِهٖ مِنْهُ وَهِيَ حَائِضٌ، يُصَلِّي وَهُوَ عَلَيْهِ۔

(ترجمہ) میمونہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں نماز پڑھی کہ آپؐ پر ایک چادر تھی اور اس کا کچھ حصہ آپؐ کی ایک بیوی پر تھا اور وہ ماہواری سے تھیں، آپ اس چادر کو اوپر لے کر نماز پڑھ رہے تھے۔

(شرح) مولانا سہارنپوری رحؒ نے فرمایا کہ اس حدیث کی باب کے عنوان سے مناسبت یوں ہے کہ وہ چادر اس زوجہ مکرمہ کی تھی۔ جب آپؐ نے اس کا کچھ حصہ اوپر اوڑھ کر نماز پڑھی تو عورتوں کے کپڑوں میں نماز کی رخصت ثابت ہوئی۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ آنے والی حدیث کا قصہ اس موجودہ قصے سے الگ ہو۔ اگر دونوں واقعات ایک ہی تھے تو مناسبت بالکل ظاہر ہے۔

۳۷۰۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعُ بْنُ الْجَرَّاحِ حَدَّثَنَا طَلْحَةُ بْنُ يَحْيٰى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضؓ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ وَأَنَا إِلٰى جَنْبِهٖ وَأَنَا حَائِضٌ وَّعَلَيَّ مِرْطٌ لِّي وَعَلَيْهِ بَعْضُهٗ۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد پڑھ رہے تھے اور میں آپ کے ایک طرف تھی اور ماہواری سے تھی اور مجھ پر میری ایک چادر تھی جس کا کچھ حصہ آپؐ پر تھا۔

(شرح) اس حدیث کا راوی طلحہ بن یحیٰی متکلم فیہ ہے۔ اکثر ائمہ نے اسے ثقہ اور لائق اعتماد کہا ہے مگر یحیٰی بن سعید القطان اور بخاری نے اس پر تنقید کی ہے۔

۱۳۷۔ بَابُ الْمَنِيِّ يُصِيبُ الثَّوْبَ

منی کے کپڑے کو لگ جانے کا باب

۳۷۱ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ هَمَّامِ ابْنِ الْحَارِثِ أَنَّهُ كَانَ عِنْدَ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا فَاحْتَلَمَ فَأَبْصَرَتْهُ جَارِيَةٌ لِعَائِشَةَ رضی اللہ عنہا وَهُوَ يَغْسِلُ أَثَرَ الْجَنَابَةِ مِنْ ثَوْبِهِ أَوْ يَغْسِلُ ثَوْبَهُ فَأَخْبَرَتْ عَائِشَةَ فَقَالَتْ لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَأَنَا أَفْرُكُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(ترجمہ) ہمام بن الحارث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مہمان تھا، اسے احتلام ہوگیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک لونڈی نے اسے اپنے کپڑے سے جنابت کا نشان دھوتے، یا اپنا کپڑا دھوتے دیکھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے کھرچتے دیکھا تھا۔

(شرح) ہمام بن الحارث نخعی کوفہ کا ایک عابد شخص تھا۔ ترمذی کی روایت میں ہے کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بطور مہمان ٹھہرا تھا۔ یہ کپڑا اس کے استعمال کے باعث اس کی طرف منسوب ہوا ہے ورنہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے رات گزارنے کو دیا تھا۔ ترمذی میں ہے کہ یہ ایک زرد رنگ کی موٹی چادر تھی جو اوڑھنے کے کام کی تھی۔ مسلم کی روایت میں عبداللہ بن شہاب خولانی کا جو قصہ مذکور ہے وہ ایک دوسرا واقعہ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ منی کی طہارت و نجاست میں اختلاف ہوا ہے۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ نجس ہے۔ مگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر خشک ہو تو کپڑے سے اس کا کھرچ دینا کافی ہے اور امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ مالک رحمہ اللہ کے نزدیک خشک یا تر کسی صورت میں ہو اس کا دھونا ضروری ہے۔ امام لیث رحمہ اللہ نے کہا کہ وہ ہے تو نجس لیکن اگر وہ کپڑے پر لگی ہو تو نماز کا اعادہ واجب نہیں۔ حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا کہ جسم پر ہو تو نماز کا اعادہ واجب ہے، کپڑے پر ہو تو اعادہ واجب نہیں۔ بہت سے آئمہ کا مذہب یہ ہے کہ منی طاہر ہے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، امام داؤد ظاہری اور صحیح تر روایت میں امام احمد سے مروی ہے اور بقول نووی یہی شافعی اور محدثین کا قول ہے۔

۳۷۲ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ أَنَّ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كُنْتُ أَفْرُكُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُصَلِّي فِيهِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَافَقَهُ مُغِيرَةُ وَأَبُو مَعْشَرٍ وَوَاصِلٌ۔ وَرَوَاهُ الْأَعْمَشُ كَمَا رَوَاهُ الْحَكَمُ۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے پر سے منی کھرچ دیتی تھی پھر آپ اس میں نماز پڑھ لیتے تھے۔

۳۷۳ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ ابْنِ حِسَابٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا سُلَيْمٌ يَعْنِي ابْنَ أَخْضَرَ الْمَعْنَى۔ وَالْإِخْبَارُ فِي حَدِيثِ سُلَيْمٍ

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ قَالَ سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ يَقُولُ سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا تَقُولُ إِنَّهَا كَانَتْ تَغْسِلُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ ثُمَّ أَرَاهُ فِيهِ بُقْعَةً أَوْ بُقَعًا۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو دھوڈالتی تھی۔ پھر اس میں گیلی جگہ کو چمکدار ٹکڑے یا ٹکڑوں کی صورت میں دیکھتی تھی۔

(شرح) ابوداؤد نے کہا ہے کہ أَخْبَرَنَا کا لفظ تو سلیم کی روایت میں ہے مگر معنیٰ دونوں روایتوں کا ایک ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان دو قسم کی احادیث کو، جن میں کہیں کھرچنے کا لفظ ہے اور کہیں دھونے کا، دیکھ کر کہا ہے کہ منی کی طہارت کے قائلین نے کھرچنے کی احادیث سے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ دھونے کی احادیث استحباب اور تنظیف پر محمول ہیں۔ لیکن جنہوں نے منی کو نجس کہا انہوں نے غسل کی احادیث سے استدلال کیا اور کہا کہ (خشک ہونے کی صورت میں) کھرچ ڈالنے سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے۔ اگر وہ پاک ہوتی تو ام المؤمنین عائشہؓ کو اسے دھونے یا کھرچنے کی ضرورت نہ پڑتی، اور ظاہر ہے کہ ان کا فعل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے امر سے ہی تھا یا کم از کم آپ کی اطلاع سے ہوتا تھا اور آپؐ خاموش رہتے تھے۔ اس تقریر و توثیق سے ثابت ہوا کہ حضورؐ کے نزدیک بھی اس کی یہی حیثیت تھی۔ نیز اگر منی طاہر ہوتی تو کبھی نہ کبھی آپؐ بیان جواز کے لئے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتے، جب حضورؐ نے ایسا نہیں کیا اور اسے کبھی اپنے کپڑے پر نہیں رہنے دیا۔ اور اسی طرح آپؐ کے بعد صحابہؓ کا بھی یہی عمل رہا، تو اس سے واضح ہو گیا کہ منی نجس ہے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کسی کام پر ہمیشگی بغیر ترک کے فی الجملہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ واجب ہے اور اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ ایسا فعل وجوب چاہتا ہے۔

امام طحاویؒ نے کہا ہے کہ کھرچنے کا ذکر اُن کپڑوں کے بارے میں آیا ہے جو نیند کے کپڑے تھے، ان کپڑوں کے متعلق نہیں آیا جن میں آپ نماز پڑھتے تھے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ جو کپڑے بول و براز اور خون سے نجس ہو گئے ہوں ان میں سو جانے میں کوئی حرج نہیں ہوتا، مگر نماز ان میں جائز نہیں ہوتی۔ اور ہو سکتا ہے کہ منی کا بھی یہی حال ہو۔ پس کپڑے کا دھونا اس صورت پر محمول ہے کہ اس کپڑے میں نماز کا ارادہ تھا جیسے کہ اس پر عائشہؓ کی روایت دلالت کرتی ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو دھوتی تھی اور آپ اس میں نماز کے لئے تشریف لے جاتے تو پانی کے نشانات اس میں ہویدا ہوتے تھے، سو عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز کے کپڑوں کے متعلق یہی کرتی تھیں کہ اسے تو دھوتی تھیں اور غیر صلوٰۃ کے کپڑے سے کھرچ ڈالتی تھیں۔

اور ام حبیبہ کی حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ جن کپڑوں میں حضورؐ ان کے ہاں سوتے تھے کیا ان میں نماز پڑھتے تھے؟ تو فرمایا کہ ہاں! بشرطیکہ ان کو کوئی نجاست نہ لگی ہو۔ اور اس کی تائید سنن ابی داؤد کی وہ حدیث کرتی ہے جو گزر چکی کہ جنابت کے غسل میں حضورؐ جسم کے پوشیدہ مقامات کو دھوتے تھے اور ان پر پانی بہاتے تھے۔ جب انہیں دھو چکتے تو ہاتھ دیوار پر ملتے اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کے نشان دیوار پر دکھا دوں جہاں آپؐ غسلِ جنابت کرتے تھے۔ پس ہاتھ دھونے میں یہ مبالغہ جو حضورؐ فرماتے

تھے یہ تطہیر و تنظیف ہی کے لئے ہوتا تھا اور اس وقت ہاتھوں میں اثر جنابت کے علاوہ اور کوئی نجاست نہ ہوتی تھی۔ شوکانی نے کہا کہ منی کو جو زائل کرنے کا شرعی حکم اور طریقہ دھونے، رگڑنے، کھرچنے، ملنے اور اس کا نشان مٹانے کے لئے آیا ہے، وہ ایک ثابت شدہ چیز ہے اور جس چیز کے ازالے کا یہ اہتمام کیا جائے اس کی نجاست میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے۔ پس درست یہی ہے کہ منی نجس ہے اور اس کا ازالہ حسب ضرورت مذکورہ طریقوں میں سے کسی سے کیا جائے گا۔

۱۳۸- بَابُ بَوْلِ الصَّبِيِّ

بچے کے پیشاب کا باب

۳۷۴- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ أَنَّهَا أَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيرٍ لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَجْلَسَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حِجْرِهِ فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ۔

(ترجمہ) ام قیسؓ بنت محصن سے روایت ہے کہ وہ اپنا چھوٹا بچہ جس نے ابھی کھانا نہیں کھایا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی گود میں بٹھایا۔ اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا تو حضورؐ نے پانی منگوایا اور اس پر بہا کر اسے جھاڑ دیا اور دھویا نہیں۔

(شرح) بچے کی پیدائش سے لیکر دودھ چھڑانے تک اسے صبی کہا جاتا ہے۔ نَضَحَ کا معنیٰ اَسَالَ بھی ہے اور صبّ بھی یعنی بہایا اور انڈیلا۔ جس روایت میں رَشَّ کا لفظ ہے اس کا معنیٰ بھی یہی ہے کہ پانی کے چھینٹے مارے اور پانی اس پر ڈال دیا۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ اُصیلی کا دعویٰ ہے کہ لَمْ یَغْسِلْہُ کا لفظ مرفوع نہیں ہے بلکہ ابن شہاب زہری کا ہے۔ مرفوع حدیث فَنَضَحَہُ پر ختم ہو گئی ہے۔ امام نوویؒ نے کہا ہے کہ بچے کے بول سے طہارت کی کیفیت میں اختلاف ہوا ہے۔ اس مسئلے میں علماء کے تین مذاہب ہیں۔ پہلا یہ کہ بچے کے بول کے لئے نضح (غسل خفیف) کافی ہے اور لڑکی کے بول کے لئے غسل (خوب دھونا) ضروری ہے۔ شافعیہ کا صحیح تر مذہب یہی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور مالکؒ کے نزدیک دونوں کے بول کو دھونا واجب ہے۔ مگر یہ اختلاف صرف اسی چیز کے متعلق ہے جس پر بچے نے پیشاب کیا ہو ورنہ اس کی نجاست میں کسی کا اختلاف نہیں۔ ہاں داؤد ظاہری سے اس کے خلاف مروی ہے۔ خطابی نے کہا کہ نضح کا حکم اس لئے نہیں کہ وہ بول پاک ہے بلکہ تخفیف کے لئے ہے۔ امام شافعیؒ سے جو اس بول کی طہارت منقول ہے یہ قطعاً باطل ہے۔ امام طحاویؒ نے فرمایا ہے کہ اہل عرب کے محاورے میں غسل پر بھی نضح کا لفظ بولا جاتا ہے۔

۳۷۵- حَدَّثَنَا مُسَدَّدُ بْنُ مُسَرْهَدٍ وَالرَّبِيعُ بْنُ نَافِعٍ أَبُو تَوْبَةَ الْمَعْنَى قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ قَابُوسَ عَنْ لُبَابَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ كَانَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ

فِی حِجْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَبَالَ عَلَیْہِ فَقُلْتُ اِلْبَسْ ثَوْبًا وَّاَعْطِنِیْ اِزَارَکَ حَتّٰی اَغْسِلَہٗ قَالَ اِنَّمَا یُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْاُنْثٰی وَیُنْضَحُ مِنْ بَوْلِ الذَّکَرِ۔

(ترجمہ) لُبابہ بنت الحارث کہتی ہیں کہ حسین بن علیؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی گود میں تھے تو آپؐ پر پیشاب کر دیا میں نے کہا کہ اپنا تہ بند مجھے دیجئے تاکہ میں اسے دھو ڈالوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ مؤنث کے پیشاب سے کپڑا خوب دھویا جاتا ہے اور مذکر کے بول سے معمولی دھویا جاتا ہے۔

(شرح) یہ لُبابہ بنت الحارث ہلالیہ وہی امّ الفضل ہیں جو ابن عباسؓ کی والدہ اور ام المؤمنین میمونہؓ کی بہن ہیں۔ طحاویؒ نے فرمایا کہ بچے کا بول ایک ہی جگہ پڑتا ہے مگر بچی کا متفرق جگہوں پر اس لئے یہ فرق کیا گیا۔

۳۷۶۔ حَدَّثَنَا مُجَاهِدُ بْنُ مُوْسٰی وَعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِیْمِ الْمَعْنٰی قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ مَهْدِیٍّ حَدَّثَنِیْ یَحْیَی بْنُ الْوَلِیْدِ حَدَّثَنِیْ مُحِلُّ بْنُ خَلِیْفَةَ حَدَّثَنِیْ اَبُو السَّمْحِ قَالَ کُنْتُ اَخْدِمُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَکَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّغْتَسِلَ قَالَ وَلِّنِیْ قَفَاکَ قَالَ فَاُوَلِّیْهِ قَفَایَ فَاَسْتُرُہٗ بِهٖ فَاُتِیَ بِحَسَنٍؓ اَوْ حُسَیْنٍؓ فَبَالَ عَلٰی صَدْرِهٖ فَجِئْتُ اَغْسِلُہٗ فَقَالَ یُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِیَةِ وَیُرَشُّ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ۔ قَالَ عَبَّاسٌ حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ الْوَلِیْدِ قَالَ اَبُوْدَاؤدَ وَهُوَ اَبُو الزَّعْرَاءِ وَقَالَ هَارُوْنُ بْنُ تَمِیْمٍ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ الْاَبْوَالُ کُلُّهَا سَوَآءٌ۔

(ترجمہ) ابوالسمحؓ نے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔ آپؐ جب غُسل کا ارادہ فرماتے تو مجھ سے ارشاد ہوتا پشت پھیر لو۔ میں پُشت پھیر کر آپؐ کے لئے پردہ کرتا تھا۔ ایک دفعہ حسنؓ یا حسینؓ کو لایا گیا اور بچے نے آپؐ کے سینے پر پیشاب کر دیا۔ میں آکر دھونے لگا تو فرمایا کہ لڑکی کے بول سے دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے بول سے معمولی صفائی کی جاتی ہے۔ ہارون بن تمیم نے حسنؓ کا قول نقل کیا ہے کہ بول سب برابر ہیں۔

(شرح) ابوالسمح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ بقول ابو زرعہ ان کا نام معلوم نہیں اور ان کی صرف یہی ایک حدیث ہے جو سنن ابی داؤد کے علاوہ ابن ماجہ اور ابن خزیمہ میں بھی ہے۔ دارقطنی نے اس روایت کو یوں نقل کیا ہے کہ ابوالسمحؓ نے کہا: حضورؐ کے غُسل کے وقت میں پشت پھیر کر کپڑا تان دیتا تھا۔ مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ ہارون بن تمیم جس کی تعلیق ابوداؤد نے نقل کی ہے ہمیں اس کے حالات اور یہ تعلیق بھی کسی کتاب سے نہیں مل سکے۔

۳۷۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا یَحْیٰی عَنِ ابْنِ اَبِیْ عَرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ ابْنِ حَرْبِ بْنِ اَبِی الْاَسْوَدِ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَلِیٍّؓ قَالَ یُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِیَةِ وَیُنْضَحُ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ مَا لَمْ یَطْعَمْ

(ترجمہ) علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لڑکی کے بول سے کپڑا وغیرہ خوب دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے بول سے معمولی دھویا

جاتا ہے جب تک کہ اس نے کھانا نہ کھایا ہو۔

۳۷۸- حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي حَرْبِ بْنِ أَبِي الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَذَكَرَ مَعْنَاهُ وَلَمْ يَذْكُرْ: مَا لَمْ يَطْعَمْ. زَادَ قَالَ قَتَادَةُ هَذَا مَا لَمْ يَطْعَمَا فَإِذَا طَعِمَا غُسِلَا جَمِيعًا۔

(ترجمہ) علی بن ابی طالب نے فرمایا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ راوی کہتا ہے کہ پھر انہوں نے اوپر کی حدیث جیسے الفاظ بولے اور "جب تک نہ کھائے" کے لفظ بیان نہیں کئے۔ قتادہ نے کہا کہ یہ حکم اس وقت تک ہے کہ بچوں نے دودھ کے علاوہ کچھ نہ کھایا ہو، جب وہ کھانا کھانے لگیں تو دونوں کے بول کو خوب دھویا جائیگا (یہ حدیث اوپر موقوف تھی لہٰذا مصنف نے اسے موصول کر کے مرفوع بیان کر دیا)

۳۷۹- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ أَبِي الْحَجَّاجِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ يُونُسَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أُمِّهِ قَالَتْ إِنَّهَا أَبْصَرَتْ أُمَّ سَلَمَةَ تَصُبُّ الْمَاءَ عَلَى بَوْلِ الْغُلَامِ مَا لَمْ يَطْعَمْ فَإِذَا طَعِمَ غَسَلَتْهُ وَكَانَتْ تَغْسِلُ بَوْلَ الْجَارِيَةِ۔

(ترجمہ) حسن بصری کی والدہ خیرہؓ نے کہا کہ اس نے اُمّ سلمہؓ کو لڑکے کے بول پر پانی بہاتے دیکھا جب تک کہ اس نے کھانا نہ کھایا ہوتا، جب وہ (دودھ چھوڑ دیتا اور) روٹی کھانے لگتا تو اسے خوب دھوتیں۔ اور وہ لڑکی کے بول کو دھوتی تھیں۔

۱۳۹- بَابُ الْأَرْضِ يُصِيبُهَا الْبَوْلُ

زمین پر پیشاب پڑنے کا باب

۳۸۰- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ وَابْنُ عَبْدَةَ فِي آخَرِينَ قَالَ هَذَا لَفْظُ ابْنِ عَبْدَةَ قَالَ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ أَعْرَابِيًّا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فَصَلَّى قَالَ ابْنُ عَبْدَةَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي وَمُحَمَّدًا وَلَا تَرْحَمْ مَعَنَا أَحَدًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا. ثُمَّ لَمْ يَلْبَثْ أَنْ بَالَ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَأَسْرَعَ

النَّاسُ إِلَيْهِ فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ إِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ، صُبُّوْا عَلَيْهِ سَجْلًا مِّنْ مَّاءٍ أَوْ قَالَ ذَنُوْبًا مِّنْ مَّاءٍ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک بدو مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، پس اس نے بقولِ ابن عبدہ دو رکعت نماز پڑھی پھر کہا: اے اللہ مجھ پر اور محمدؐ پر رحم کر اور ہمارے سوا کسی اور پر رحم نہ کر۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے خدا کی وسیع رحمت کو تنگ کر دیا ہے۔ پھر وہ جلدی ہی اٹھا اور مسجد کے ایک طرف پیشاب کر دیا۔ لوگ تیزی سے اس کی طرف بڑھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روکا اور فرمایا، تمہیں آسانی پیدا کرنے والا بنایا گیا ہے نہ کہ تنگی پیدا کرنے والا۔ اس پر پانی کا ایک بڑا ڈول بہادو (راوی کو شک ہے کہ سجل کا لفظ بولا تھا یا ذنوب کا، معنیٰ ایک ہی ہے)

(شرح) حضورؐ کے روکنے کا منشا یہ تھا کہ یہ ایک دیہاتی شخص تھا جو ابھی احکام و آداب کو نہیں جانتا تھا۔ ان کے ہاں یہ کوئی مذموم فعل نہ تھا۔ حضورؐ نے لوگوں سے: بُعِثْتُمْ فرمایا، یہ نسبت مجازی ہے کیونکہ دراصل تو مبعوث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے تھے، لوگ حضورؐ کی طرف سے مبعوث ہیں، یعنی آپ نے انہیں اسلام پھیلانے اور اس کی تعلیم دینے کا حکم دیا ہے۔

علامہ علیؒ القاری نے فرمایا کہ بقولِ مظہر اس حدیث یہ دلیل ہے کہ پانی جب نجاست پر چھا جائے تو اپنی کثرت اور غلبے کے باعث اسے پاک کر دے گا۔ اور یہ دلیل بھی ہے کہ نجاست کا دھوون نجس نہیں ہے جب تک اس میں تغیر نہ آئے، گو وہ اب کسی اور کو پاک نہ کر سکے گا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نجاست کے اوپر بہایا جانے والا پانی مسجد کو بول سے بھی زیادہ مقدار میں نجس کر دیتا۔

ابن الملک نے کہا ہے کہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ جگہ پاک نہیں ہوتی جب تک کہ وہ مٹی کو کھود نہ دیا جائے پھر اگر اس پر دھوپ پڑے اور زمین خشک ہو جائے تو پاک ہے۔ یا اگر اس کا نشان (نجاست کا) جاتا رہے تو کھودنے اور سوکھنے کے بغیر ہی پاک ہے اور اس پر پانی ڈالنے کی بھی حاجت نہیں۔ علامہ ابنؒ الہمام نے کہا ہے کہ دھوپ سے سوکھنا ضروری نہیں کیونکہ اگر ہوا سے بھی خشک ہو جائے اور اس کا اثر نہ رہے تو پاک ہے۔ اثر سے مراد رنگ یا بُو ہے۔ اس حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے کہ زمین سوکھے بغیر پاک نہیں ہو سکتی کیونکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: میں ابھی غیر شادی شدہ تھا اور مسجد میں ہی رات کو پڑا رہتا تھا، کتے آتے جاتے تھے اور پیشاب بھی کرتے تھے مگر کوئی بھی اوپر پانی نہ بہاتا تھا، پس اگر سوکھ جانے سے پاک نہ ہوتی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ صحابہ نجس جگہ پر نماز پڑھتے تھے، کیونکہ مسجد اتنی وسیع نہ تھی اور سب لوگ وہیں نماز پڑھتے تھے، اور کتوں کا بول کسی جگہ ہوتا ہوگا کیونکہ وہ مسجد میں بے روک ٹوک آتے جاتے تھے، اور چونکہ مسجدوں کو پاک صاف رکھنے کا حکم دیا گیا ہے پس واجب ٹھہرا کہ وہ جگہ سوکھنے سے پاک ہو جاتی تھی۔ اور اس موقع پر چونکہ دن کا وقت تھا اور نماز سے قبل مسجد کے سوکھنے کا احتمال نہ تھا لہٰذا حضورؐ نے پانی کا بڑا ڈول اوپر بہانے کا حکم دیا۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ اس مقام پر کوئی نالی تھی جس سے پانی کے باہر نکل جانے کا قوی ظن تھا گویا پانی جاری تھا۔

ابن الملک نے کہا ہے کہ اس حدیث سے شافعیؒ نے یہ استدلال کیا ہے کہ زمین پر جب بہت سا پانی بہا دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے کہ پانی بہانے کا حکم تطہیر کیلئے نہ ہو بلکہ بدبُو کے ازالے کے لئے ہو، کیونکہ تطہیر تو سوکھنے سے ہی حاصل ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: زمین کی پاکیزگی اس کا خشک ہو جانا ہے۔ لیکن علامہ زرکشیؒ نے کہا کہ اس

حدیث کی کوئی اصل نہیں بلکہ یہ محمد بن الحنفیہ کا قول ہے جسے ابن جریر طبری نے تہذیب الآثار میں روایت کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے بھی اسے محمد بن الحنفیہ کے قول کے طور پر اسی طرح ابو جعفر الباقر اور ابو قلابہ کے قول کے طور پر روایت کیا ہے۔ یہ قول ام المومنین حضرت عائشہ رض کی طرف بھی منسوب ہے۔

۳۸۱- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ يَعْنِي ابْنَ حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الْمَلِكِ يَعْنِي ابْنَ عُمَيْرٍ يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَعْقِلِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ صَلَّى أَعْرَابِيٌّ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذِهِ الْقِصَّةِ، قَالَ فِيهِ وَقَالَ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوا مَا بَالَ عَلَيْهِ مِنَ التُّرَابِ فَأَلْقُوهُ وَأَهْرِيقُوا عَلَى مَكَانِهِ مَاءً۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ هُوَ مُرْسَلٌ۔ ابْنُ مَعْقِلٍ لَمْ يُدْرِكِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(ترجمہ) ابن معقل بن مقرن نے کہا کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، پھر یہ قصہ بیان کیا اور کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مٹی پر اس نے بول کیا ہے اسے نکال کر پھینک دو اور اس کی جگہ پر پانی بہا دو۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ ابن معقل نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں پایا۔

(شرح) اس اعرابی کے نام میں اختلاف ہے۔ اقرع ابن حابس تمیمی، یا ذوالخویصرہ یمنی یا ذوالخویصرہ تمیمی یا عیینہ بن حصن فزاری کا نام لیا گیا ہے مگر اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی کہ وہ ان میں سے کون تھا؟ اس حدیث کو ابوداؤد نے تو مرسلاً روایت کیا ہے مگر اس کی دو متصل سندیں بھی ہیں۔ ایک کو تو دارمی اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور وہ ابن مسعود رض سے آئی ہے۔ اس میں ایک راوی سمعان بن مالک امام ابو زرعہ کے نزدیک ضعیف ہے یہی حکم اس پر ابو حاتم اور احمد نے لگایا ہے۔ دوسری حدیث واثلہ بن اسقع کی ہے جسے احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے جس کے راوی عبید اللہ ہذلی کو بخاری اور ابو حاتم نے منکر کہا ہے۔ علامہ شوکانی نے ایک تیسری حدیث انس رض کی بیان کی ہے جسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور عبد الجبار کے تفرد کے باعث معلول ٹھہرایا ہے۔ علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ بقول حافظ ابن حجر عسقلانی رح مرسل روایت کی سند اگر صحیح ہو تو دوسری روایات کے باعث اس میں قوت آجاتی ہے۔

۱۴۰- بَابٌ فِي طُهُورِ الْأَرْضِ إِذَا يَبِسَتْ

زمین جب سوکھ جائے اس کی پاکیزگی کا باب

۳۸۲- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رض قَالَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ رض كُنْتُ أَبِيتُ فِي الْمَسْجِدِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكُنْتُ فَتًى شَابًّا عَزَبًا وَكَانَتِ الْكِلَابُ تَبُولُ وَتُقْبِلُ وَتُدْبِرُ فِي الْمَسْجِدِ فَلَمْ يَكُونُوا يَرُشُّونَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مسجد میں رات گزارتا تھا اور میں نوجوان غیر شادی شدہ تھا اور کتے مسجد میں پیشاب کرتے اور آتے جاتے تھے اور اس پر صحابہ پانی نہیں بہاتے تھے (کیونکہ وہ سوکھ جاتا تھا)

۱۴۱ - بَابٌ فِي الْأَذَى يُصِيبُ الذَّيْلَ

دامن کو نجاست لگ جانے کا باب

۳۸۳ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُمَارَةَ بْنِ عَمْرِو ابْنِ حَزْمٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أُمِّ وَلَدٍ لِإِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّهَا سَأَلَتْ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنِّي امْرَأَةٌ أُطِيلُ ذَيْلِي وَأَمْشِي فِي الْمَكَانِ الْقَذِرِ فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطَهِّرُهُ مَا بَعْدَهُ.

(ترجمہ) ابراہیم بن عبدالرحمٰن کی اُمِّ ولد نے اُمِّ سلمہؓ سے پوچھا کہ میں ایک ایسی عورت ہوں کہ جو چادر کا پلّو (یا دامن) لمبا رکھتی ہوں اور ناپاک جگہ میں پیدل چلتی ہوں۔ اُمِّ سلمہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بعد آنے والی پاک جگہ اسے پاک کر دیتی ہے۔

(شرح) اس روایت میں محمد بن ابراہیم، حمیدہ (ابراہیم بن عبدالرحمان کی ام ولد) سے متفرد ہے۔ اس حدیث میں جو صورت مذکور ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ سوکھی نجاست دامن یا چادر سے مس کرے یا اس سے اٹک جائے تو بعد کی پاک جگہ پر جب پھرے گی تو پاک ہو جائے گی اور وہ اٹکی ہوئی چیز زائل ہو جائے گی۔ یہ اس وقت ہے جبکہ حدیث کو صحیح مانا جائے۔ ورنہ دلائل شرع سے یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ جب کپڑا نجس ہو جائے تو دھونے سے ہی پاک ہوگا۔ تطہیر کا اطلاق یہاں مجازاً ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک نجاست کا یقین نہ ہو جائے خواہ مخواہ وہم سے پرہیز کرنا چاہیے۔

۳۸۴ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ وَأَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَا حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عِيسَى عَنْ مُوسَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ عَنِ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي عَبْدِ الْأَشْهَلِ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ لَنَا طَرِيقًا إِلَى الْمَسْجِدِ مُنْتِنَةً فَكَيْفَ نَفْعَلُ إِذَا مُطِرْنَا؟ قَالَ أَلَيْسَ بَعْدَهَا طَرِيقٌ هِيَ أَطْيَبُ مِنْهَا؟ قَالَتْ قُلْتُ بَلَى قَالَ فَهٰذِهِ بِهٰذِهِ۔

(ترجمہ) قبیلۂ عبدالاشہل کی ایک عورت نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، ہمارا مسجد کی طرف ایک گندا راستہ ہے تو بارش میں ہم کیا کریں؟ آپؐ نے فرمایا: کیا اس کے بعد کوئی اس سے پاک و صاف تر راستہ نہیں ہے؟ وہ کہتی ہیں میں نے کہا: ضرور ہے! فرمایا پس یہ اس کے بدلے ہو گیا۔

(شرح) اس عورت کا نام نہیں لیا گیا کہ کون تھی ۔ خطابی نے کہا ہے کہ ان دونوں حدیثوں کی سند میں کلام ہے، کیونکہ پہلی میں ابراہیم کی اُمّ ولد نامعلوم ہے اور عدالت اور ثقاہت میں اس کا حال معلوم نہیں ہے ۔ دوسری حدیث بنی عبد الاشہل کی ایک عورت کی روایت ہے جس کا نام و پتہ معلوم نہیں ۔ حدیث میں مجہول سے حجت قائم نہیں ہوتی ۔ مولانا نے فرمایا کہ اُمّت کا صحابہؓ کی عدالت پر اجماع ہے پس اگر ان کے اشخاص و اعیان سے لاعلمی ہو تو مضر نہیں، پس دوسری حدیث میں تو کوئی کلام نہیں ہو سکتا ۔ البتہ پہلی حدیث میں ابراہیم کی امّ ولد مجہول ہے اور یہ روایت میں قادح ہے مطلب اس حدیث کا بھی یہی ہے کہ گندے راستے پر جو نجاست لگ جاتی ہے بارش میں جب اس کے بعد پاک راستے پر چلیں تو اس نجاست کا اثر زائل ہو جاتا ہے ۔ کیچڑ اور پانی سے پاؤں دُھل جاتے ہیں ۔ خشک نجاست پر چلیں اور اس کے بعد پاک خشک راستہ ہو تو پھر بھی صفائی ہو جاتی ہے ۔

۱۴۲ ۔ بَابُ الْاَذٰی یُصِیْبُ النَّعْلَ

جوتے کو نجاست لگنے کا باب

۳۸۵ ۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ حَدَّثَنَا اَبُو الْمُغِیْرَةِ ح وَحَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ الْوَلِیْدِ ابْنِ مَزْیَدٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبِیْ ح وَحَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ یَعْنِیْ ابْنَ عَبْدِ الْوَاحِدِ عَنِ الْاَوْزَاعِیِّ الْمَعْنٰی قَالَ اُنْبِئْتُ اَنَّ سَعِیْدَ بْنَ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْمَقْبُرِیَّ حَدَّثَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وَطِئَ اَحَدُكُمْ بِنَعْلِهِ الْاَذٰی فَاِنَّ التُّرَابَ لَهٗ طَهُوْرٌ ۔

(ترجمہ) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جب تم میں سے کوئی نجاست کو اپنے جوتے کے ساتھ لتاڑے تو مٹی اس کے لئے پاکیزگی کا ذریعہ ہے ۔

(شرح) اس حدیث کی سند میں ایک مجہول راوی ہے جس سے اوزاعی اُنْبِئْتُ کہہ کر روایت کر رہے ہیں ۔ کہا جاتا ہے کہ وہ راوی ابن عجلان ہے کیونکہ اگلی روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے ۔ سعید المقبری کا باپ جس سے سعید روایت کرتا ہے مجہول نہیں بلکہ اس کا نام کیسان ہے ۔ علامہ علی القاریؒ نے شرح السنّۃ سے نقل کیا ہے کہ اکثر اہل علم کا عمل اس حدیث کے ظاہر پر ہے ۔ انہوں نے کہا کہ جب موزے یا جوتے کو نجاست لگ جائے اور اسے مٹی سے رگڑ دیں تو وہ پاک ہو جاتے ہیں بشرطیکہ نجاست کا اثر زائل ہو جائے ۔ امام شافعیؒ کا قول قدیم یہی ہے ۔ قول جدید میں پانی سے دھوئے بغیر چارہ نہیں ۔ اس صورت میں حدیث کی تاویل یہ ہے کہ اس سے مراد خشک نجاست ہے کیونکہ اگر وہ جوتے کو لگے تو ملنے اور رگڑنے سے صاف ہو جاتا ہے ۔ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ جب نجاست جسم دار ہو اور اسے خوب رگڑ دیں کہ اس کا نشان جاتا رہے ۔ جیسے پاخانہ، گوبر، منی وغیرہ تو اس کی جگہ پاک ہو جاتی ہے ۔ لیکن اگر نجاست جسم دار نہیں ہے مثلاً شراب اور بول وغیرہ تو اسے دھوئے بغیر چارہ نہیں ہے ۔

۳۸۶ ۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ كَثِیْرٍ یَعْنِی الصَّنْعَانِیَّ عَنِ الْاَوْزَاعِیِّ

عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ إِذَا وَطِئَ الْأَذَى بِخُفَّيْهِ فَطَهُورُهُمَا التُّرَابُ ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب آدمی موزوں کے ساتھ نجاست پر سے گزرے تو ان کی پاکیزگی مٹی سے ہوگی ۔

(شرح) اس حدیث کا راوی محمد بن کثیر صنعانی بقول امام احمد نہایت ضعیف ہے، بخاری نے اسے بہت کم لائق اعتماد کہا ہے بعض ائمہ فن اسے ثقہ کہتے ہیں ۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ آخری عمر میں اس کے حافظے میں گڑبڑ واقع ہوگئی تھی ۔ حدیث کا مطلب صاف ہے ۔

۳۸۷ ۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابْنَ عَائِذٍ حَدَّثَنِي يَحْيَى يَعْنِي ابْنَ حَمْزَةَ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْوَلِيدِ قَالَ أَخْبَرَنِي أَيْضًا سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ ۔

(ترجمہ) عائشہؓ صدیقہ کی روایت بھی اوپر کی حدیث کی ہم معنی ہے ۔

۱۴۳ ۔ بَابُ الْإِعَادَةِ مِنَ النَّجَاسَةِ تَكُونُ فِي الثَّوْبِ

کپڑے میں نجاست ہو تو اس کے باعث نماز لوٹانا یا اسے گھر لوٹانا

۳۸۸ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَتْنَا أُمُّ يُونُسَ بِنْتُ شَدَّادٍ قَالَتْ حَدَّثَتْنِي حَمَاتِي أُمُّ جَحْدَرٍ الْعَامِرِيَّةُ أَنَّهَا سَأَلَتْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا عَنْ دَمِ الْحَيْضِ يُصِيبُ الثَّوْبَ فَقَالَتْ كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْنَا شِعَارُنَا قَدْ أَلْقَيْنَا فَوْقَهُ كِسَاءً فَلَمَّا أَصْبَحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ الْكِسَاءَ فَلَبِسَهُ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الْغَدَاةَ ثُمَّ جَلَسَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذِهِ لُمْعَةٌ مِنْ دَمٍ فَقَبَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَا يَلِيهَا فَبَعَثَ بِهَا إِلَيَّ مَصْرُورَةً فِي يَدِ الْغُلَامِ فَقَالَ اغْسِلِي هَذَا وَأَجِفِّيهَا وَأَرْسِلِي بِهَا إِلَيَّ ۔ فَدَعَوْتُ بِقَصْعَتِي فَغَسَلْتُهَا ثُمَّ أَجْفَفْتُهَا فَأَحَرْتُهَا عَلَيْهِ فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بِنِصْفِ النَّهَارِ وَهِيَ عَلَيْهِ ۔

(ترجمہ) امّ جحدر عامریہ نے عائشہ صدیقہؓ سے حیض کے خون کے متعلق پوچھا جو کپڑے کو لگ جائے (تو کیا کیا جائے؟) تو انہوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی اور ہم پر اندرونی لباس تھا اور اس پر ہم نے ایک چادر ڈال رکھی تھی۔ صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اوپر کی چادر لی، اسے اوڑھا اور باہر تشریف لے گئے نماز فجر پڑھا کر بیٹھے تو کسی شخص نے کہا یا رسول اللہ! یہ خون کا نشان ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نشان کے ماحول کو پکڑا اور اسی طرح اکٹھا کیا ہوا غلام کے ہاتھ میرے پاس بھیجا اور فرمایا: اسے دھو ڈال اور خشک کر اور میرے پاس بھیج دے۔ پس میں نے اپنا بڑا برتن منگایا، اس چادر کی جگہ کو دھویا، پھر اسے نچوڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس بھیج دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کو تشریف لائے تو وہ چادر آپ کے اوپر تھی۔

(شرح) اس حدیث کی سند میں امّ یونس بنت شداد مجہول راویہ ہے۔ حافظ ابن حجر نے تقریب میں کہا ہے کہ اس کا حال معلوم نہیں۔ حدیث کی مناسبت باب کے عنوان سے یہ ہے کہ حضورؐ کا اس نماز کو لوٹانا مذکور نہیں اگر لوٹاتے تو ضرور نقل ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ نجاست کی قلیل مقدار کے باعث نماز نہیں لوٹائی جاتی۔ کپڑے کو گھر لوٹانے کا مطلب واضح ہے کہ اسے دھلوایا جائے گا۔

۱۴۴۔ بَابُ الْبُزَاقِ يُصِيبُ الثَّوْبَ

کپڑے کو تھوک لگ جانے کا باب

۳۸۹۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ أَخْبَرَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ قَالَ بَزَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثَوْبِهِ وَحَكَّ بَعْضَهُ بِبَعْضٍ ۔

(ترجمہ) ابو نضرہؒ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کپڑے میں تھوکا اور کپڑے کے بعض حصے کو بعض سے مل دیا۔

(شرح) یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ ابو نضرہ تابعی ہے اور صحابیؓ کا نام چھوٹ گیا۔

۳۹۰۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ ۔

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے مرفوعًا اسی قسم کی روایت منقول ہے جو اوپر گزری

آخر کتاب الطہارۃ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَوَّلُ کِتَابِ الصَّلٰوۃِ

کتاب الصلوٰۃ کی ابتداء

۱۔ بَابُ فَرۡضِ الصَّلٰوۃِ

نماز کی فرضیت کا باب

۳۹۱۔ حَدَّثَنَا عَبۡدُ اللّٰہِ بۡنُ مَسۡلَمَۃَ عَنۡ مَالِکٍ عَنۡ عَمِّہٖ اَبِیۡ سُھَیۡلِ بۡنِ مَالِکٍ عَنۡ اَبِیۡہِ قَالَ اِنَّہٗ سَمِعَ طَلۡحَۃَ بۡنَ عُبَیۡدِ اللّٰہِ یَقُوۡلُ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوۡلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ مِنۡ اَھۡلِ نَجۡدٍ ثَائِرَ الرَّاۡسِ یُسۡمَعُ دَوِیُّ صَوۡتِہٖ وَلَا یُفۡقَہُ مَا یَقُوۡلُ حَتّٰی اِذَا دَنَا فَاِذَا ھُوَ یَسۡاَلُ عَنِ الۡاِسۡلَامِ فَقَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ خَمۡسُ صَلَوَاتٍ فِی الۡیَوۡمِ وَاللَّیۡلَۃِ قَالَ ھَلۡ عَلَیَّ غَیۡرُھُنَّ قَالَ لَا اِلَّا اَنۡ تَطَوَّعَ قَالَ وَذَکَرَ لَہٗ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ صِیَامَ شَھۡرِ رَمَضَانَ۔ قَالَ ھَلۡ عَلَیَّ غَیۡرُہٗ قَالَ لَا اِلَّا اَنۡ تَطَوَّعَ۔ قَالَ وَذَکَرَ لَہٗ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ الصَّدَقَۃَ قَالَ فَھَلۡ عَلَیَّ غَیۡرُھَا قَالَ لَا اِلَّا اَنۡ تَطَوَّعَ۔ قَالَ فَاَدۡبَرَ الرَّجُلُ وَھُوَ یَقُوۡلُ وَاللّٰہِ لَا اَزِیۡدُ عَلٰی ھٰذَا وَلَا اَنۡقُصُ۔ فَقَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اَفۡلَحَ اِنۡ صَدَقَ۔

(ترجمہ) طلحہ بن عبید اللہ فرماتے تھے کہ نجد والوں میں سے ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے، اس کی آواز کی گونج سنائی دیتی تھی مگر بات سمجھ میں نہ آتی تھی، حتیٰ کہ جب وہ قریب آیا تو پتہ چلا کہ وہ اسلام کے متعلق سوال کر رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں۔ اس نے کہا کہ کیا کوئی اور نماز بھی مجھ پر فرض ہے؟ فرمایا نہیں، مگر یہ کہ تو نفل پڑھے۔ طلحہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے ماہِ رمضان کے روزوں کا ذکر کیا، اس نے کہا کیا مجھ پر اور بھی روزہ فرض ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں مگر یہ کہ تو نفلی روزہ رکھے۔ طلحہؓ نے کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے صدقہ (زکوٰۃ) کا ذکر فرمایا۔

اس نے کہا کہ کیا میرے ذمہ کچھ اور صدقہ بھی فرض ہے آپؐ نے فرمایا نہیں ۔ طلحہؓ نے کہا کہ پھر وہ آدمی واپس گیا اور کہتا جاتا تھا کہ واللہ میں اس میں کمی بیشی نہ کروں گا ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس نے سچ کہا تو فلاح پا گیا ۔

(شرح) طہارت نماز کی شرط ہے جس کا ذکر گزر چکا ۔ اب مشروط کا ذکر شروع ہوتا ہے صلوٰۃ کا معنیٰ لغت میں دعاء ہے ۔ ارشادِ الٰہی ہے : وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اور حدیث میں قبولیت دعوت کے ذکر میں فرمایا کہ اگر بلایا جانیوالا روزے سے ہو تو : فَلْيُصَلِّ ۔ گھر والوں کے لئے دعا کرے ۔ اس کا اشتقاق : صَلَّيْتُ الْعُوْدَ عَلَى النَّارِ سے ہے یعنی "میں نے آگ پر لکڑی کو سیدھا کیا" یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ صَلَوَيْنِ (صَلَا کا تثنیہ) سے نکلا ہے جس کا معنیٰ سُرین ہے) ۔ نمازی چونکہ رکوع و سجود میں سُرین ہلاتا ہے اس لئے صلاۃ کو صلاۃ کہا گیا ۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ لفظ مُصَلِّي (گھوڑ دوڑ میں دوسرے نمبر پر آنے والا گھوڑا) سے نکلا ہے کیونکہ اس کا سر اول والے کے سُرین کے پاس ہوتا ہے ۔ یہ تو لغوی بحث تھی صلوٰۃ کا شرعی معنیٰ یہ ہے کہ وہ خاص اوقات میں خاص قسم کے مامور بہا افعال کا بجالانا ہے ۔ نماز کی فرضیت ہجرت سے قبل مکہ میں واقعۂ معراج میں ہوئی تھی ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے والا شخص ضمامؓ بن ثعلبہ تھا ۔ نجد کا معنیٰ ہے بلند زمین ۔ اس کے مقابلہ میں تہامہ کا لفظ ہے جس کا معنیٰ ہے پست زمین ۔ نجد اس علاقے کا نام ہے جو مکہ اور عراق کے درمیان واقع ہے ۔ اس حدیث میں اسلام کی تعریف میں شہادتین کا ذکر نہیں آیا کیونکہ یہ شخص اسلام لا چکا تھا اور فرائض اسلام سیکھنے کو آیا تھا پھر حدیث میں صرف نماز پنجگانہ کا ذکر ہے وتر کا ذکر نہیں آیا حالانکہ احادیث میں اس کی تاکید وارد ہے ۔ سبب یہ ہے کہ یا تو یہ واقعہ وجوبِ وتر سے پہلے کا ہے یا وہ نماز پنجگانہ میں سے عشاء کے ماتحت ہے ۔ نماز عید کا بھی ذکر نہیں کیونکہ وہ دن رات کی نمازوں کے علاوہ ہے اور سالانہ واجبات میں سے ہے ۔ صدقہ سے مراد صدقہ مفروضہ یعنی زکوٰۃ ہے ۔ یہی سبب ہے کہ صرف اس کا ذکر ہوا ورنہ مالی حقوق تو اور بھی بہت سے ہیں اور حقوق میں سے صدقۂ فطر ، قربانی ، اور والدین اور اہل و عیال کے حقوق بھی ہیں جن کی بہت تاکید ہے ۔ ضمامؓ بن ثعلبہ واپسی پر یہ جو کہا تھا کہ واللہ میں اس میں کوئی کمی بیشی نہ کروں گا ، اس کا مطلب یہ تھا کہ ان چیزوں کی تبلیغ میں اور فرائض کی فرضیت میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کروں گا ۔ جہاں تک نوافل کا سوال تھا تو وہ حضورؐ نے ساتھ ہی ساتھ فرما دیا تھا کہ : إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ ۔ یعنی فرض تو یہی ہیں مگر نوافل تم ادا کر سکتے ہو ۔ پس نوافل خود حضورؐ کی تلقین و تعلیم میں ہی آ چکے تھے ۔

۳۹۲ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ الْمَدَنِيُّ عَنْ أَبِي سُهَيْلٍ نَافِعِ بْنِ مَالِكِ بْنِ أَبِي عَامِرٍ بِإِسْنَادِهِ بِهَذَا الْحَدِيثِ قَالَ : أَفْلَحَ وَأَبِيهِ إِنْ صَدَقَ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَأَبِيهِ إِنْ صَدَقَ ۔

(ترجمہ) وہی حدیث دوسری سند سے ، اس میں حضورؐ کا یہ ارشاد ہے کہ : اگر یہ سچا ہے تو واللہ فلاح پا گیا ، اگر یہ سچا ہے تو واللہ جنت میں داخل ہو گیا ۔

(شرح) احادیث سے ثابت ہے کہ غیر اللہ کی قسم مت کھاؤ، آباؤ واجداد کی قسم مت کھاؤ۔ مگر اس حدیث میں وَ اَبِیْہِ کا لفظ ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے اس شخص کے باپ کی قسم کھائی۔ سو یا تو یہ ممانعت سے پہلے کی بات ہے، یا اہل عرب کے قاعدے کے مطابق ربّ کا لفظ محذوف ہے یعنی: وَ رَبِّ اَبِیْہِ۔ اہل عرب اکثر بلا قصد اس قسم کے الفاظ بولتے تھے مگر قسم مراد نہ ہوتی تھی صرف تاکید مدِّ نظر ہوتی تھی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اصل لفظ وَ اللّٰہِ تھا مگر کاتب نے وَ اَبِیْہِ بنا دیا ہے۔

۲۔ بَابُ فِی الْمَوَاقِیْتِ

اوقاتِ نماز کا باب

۳۹۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا یَحْیٰی عَنْ سُفْیَانَ حَدَّثَنِیْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ فُلَانِ ابْنِ اَبِیْ رَبِیْعَۃَ۔ قَالَ اَبُوْدَاؤدَ وَھُوَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ الْعَیَّاشِ بْنِ اَبِیْ رَبِیْعَۃَ عَنْ حَکِیْمِ بْنِ حَکِیْمٍ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَّنِیْ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ عِنْدَ الْبَیْتِ مَرَّتَیْنِ فَصَلّٰی بِیَ الظُّھْرَ حِیْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَکَانَتْ قَدْرَ الشِّرَاکِ وَصَلّٰی بِیَ الْعَصْرَ حِیْنَ کَانَ ظِلُّہٗ مِثْلَہٗ وَصَلّٰی بِیْ یَعْنِی الْمَغْرِبَ حِیْنَ اَفْطَرَ الصَّائِمُ وَصَلّٰی بِیَ الْعِشَاءَ حِیْنَ غَابَ الشَّفَقُ وَصَلّٰی بِیَ الْفَجْرَ حِیْنَ حَرُمَ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ عَلَی الصَّائِمِ۔ فَلَمَّا کَانَ الْغَدُ صَلّٰی بِیَ الظُّھْرَ حِیْنَ کَانَ ظِلُّہٗ مِثْلَہٗ وَصَلّٰی بِیَ الْعَصْرَ حِیْنَ کَانَ ظِلُّہٗ مِثْلَیْہِ وَصَلّٰی بِیَ الْمَغْرِبَ حِیْنَ اَفْطَرَ الصَّائِمُ وَصَلّٰی بِیَ الْعِشَاءَ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ وَصَلّٰی بِیَ الْفَجْرَ فَاَسْفَرَ ثُمَّ الْتَفَتَ اِلَیَّ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ ھٰذَا وَقْتُ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِکَ وَالْوَقْتُ بَیْنَ ھٰذَیْنِ الْوَقْتَیْنِ۔

(ترجمہ) ابن عباسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبریل علیہ السلام نے بیت اللہ کے پاس دو بار مجھے نماز پڑھائی۔ پس ظہر کی نماز اس نے مجھے اس وقت پڑھائی جبکہ سورج ڈھل گیا اور سایہ تسمے کی مقدار پر ہو گیا۔ اور نماز عصر اس وقت پڑھائی جبکہ اس کا سایہ اس کی مانند ہو گیا اور مجھے مغرب اس وقت پڑھائی جبکہ روزے دار روزہ کھولتا ہے اور عشاء اس وقت پڑھائی جبکہ شفق غائب ہو گئی اور فجر کی نماز اس وقت

پڑھائی جبکہ روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔ پھر جب دوسرا دن ہُوا تو مجھے ظہر اس وقت پڑھائی جبکہ اس کا سایہ اس کے برابر ہو گیا اور عصر اس وقت پڑھائی جبکہ اس کا سایہ اس سے دُگنا ہو گیا اور مغرب اس وقت پڑھائی جبکہ روزہ افطار ہوتا ہے اور عشاء اس وقت پڑھائی جبکہ رات کا تیسرا حصہ ہو گیا اور فجر کی نماز پڑھائی اور خوب سفید کیا۔ پھر میری طرف متوجہ ہو کر کہا اے محمد! یہ آپ سے پہلے نبیوں کا وقت ہے اور وقت ان دو وقتوں کے درمیان ہے۔

(شرح) اس حدیث کے راوی عبدالرحمٰن بن الحارث بن عیاش کو امام احمدؒ نے متروک اور ابن المدینیؒ نے ضعیف کہا ہے۔ دوسرے ائمۂ حدیث اسے ثقہ جانتے ہیں۔ حکیم بن حکیم کو ابن القطان نے مجہول ٹھہرایا ہے، ابن سعدؒ نے کہا کہ اس کی حدیث پر لوگ اعتماد نہیں کرتے۔ دوسرے ائمہ اسے بھی ثقہ کہتے ہیں۔ علامہ شوکانی نے کہا کہ جبریلؑ کی امامت کا واقعہ معراج کے دوسرے دن ہُوا تھا اور پہلی نماز ظہر کی پڑھائی گئی تھی۔ اسی طرح مصنف عبدالرزاق میں بھی ہے۔ اور اسی لئے اس نماز کا نام پیشین (پہلی) رکھا گیا۔ قدر الشراک کے لفظ کا معنیٰ ہے تسمہ کے برابر، اور مراد اس سے تقلیل ہے۔ یعنی زوالِ شمس کے بعد سایہ تھوڑا سا بڑھ گیا تھا۔ كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ، ایک نسخے کے مطابق معنیٰ یہ ہے کہ ہر چیز کا سایہ اس کی مانند ہو گیا یعنی زوال کے بعد۔ حِيْنَ أَفْطَرَ الصَّائِمُ۔ یعنی سورج غروب ہو گیا اور رات شروع ہو گئی۔ اس لفظ کا مفاد یہ بھی ہے کہ افطارِ صوم نمازِ مغرب سے پہلے ہونا مسنون ہے۔ شفق سے مراد سُرخی یا سفیدی (ہر دو اقوال ہیں) ہے۔ اس حدیث میں دوسرے دن ظہر کا وقت پہلے دن کی عصر کی مانند فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے دن جس وقت نمازِ عصر شروع ہوئی تھی دوسرے دن اس وقت نمازِ ظہر سے فراغت ہو گئی، اور اس کی دلیل صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ: وَقْتُ الظُّهْرِ مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ۔ "جب تک عصر نہ آ جائے تب تک ظہر کا وقت ہے۔" اس معنیٰ کے مطابق یہ دونوں حدیثیں جمع ہو جاتی ہیں ورنہ مسلم کی حدیث کو ترجیح ہو گی کیونکہ زیادہ صحیح ہے اور زیر بحث حدیث کے بعد کی ہے۔

یہ جو فرمایا کہ: آپؐ سے پہلے انبیاء کا یہ وقت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نمازیں ان پر پھیلی ہوئی تھیں یعنی کسی کو دو کا، کسی کو تین کا اور کسی کو چار کا ان اوقات میں حکم ملا تھا، مگر نمازِ عشاء کا حکم معاذ بن جبلؓ کی حدیث کے مطابق جسے ابو داؤد، ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے صرف اس امت کے لئے ہے: لَمْ تُصَلِّهَا أُمَّةٌ قَبْلَكُمْ۔ امام طحاوی نے ام المؤمنین عائشہؓ سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ آدمؑ نے توبہ قبول ہونے کے بعد فجر کے وقت دو رکعت نماز پڑھی۔ اسحاقؑ نے ظہر کے وقت قربانی دی اور چار رکعت نماز پڑھی۔ عزیرؑ نے سو سال نیند سے بیدار ہونے کے بعد عصر کے وقت چار رکعت نماز پڑھی۔ داؤد علیہ السلام کی جب توبہ قبول ہوئی تو وہ مغرب کے وقت چار رکعت پڑھنا چاہتے تھے مگر شدّتِ گریہ کے باعث صرف تین پڑھ سکے۔ عشاء کی نماز سب سے پہلے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائی۔ امام بیضاویؒ نے کہا ہے کہ ممکن ہے پہلے انبیاء پر عشاء کی نماز واجب نہ ہو صرف نفل کے درجے میں ہو اور صرف آخری امت پر فرض کی گئی ہو۔ محدث علی القاریؒ نے بیضاویؒ کے قول کو ترجیح دی ہے۔

جبریلؑ کی امامت تعلیم کی خاطر تھی ورنہ دلائل شرع سے یہ بات تو ثابت نہیں ہے کہ جبریلؑ اور دیگر ملائکہ پر انہی اوقات میں انہی کیفیات و ارکان کے ساتھ پنجگانہ فرض ہے۔ اور یہ تعلیم چونکہ بامر اللہ تھی لہٰذا جبرئیلؑ پر فرض تھی۔ یہ سمجھ

لینے سے بہت سے ان مسائل کا راز کھل جاتا ہے جن پر اس امامت کے سلسلے میں گفتگو ہوئی ہے۔

از روئے کتاب وسنت اس بات پر سب علماء متفق ہیں کہ نماز کے کچھ مخصوص اوقات ہیں جن کی پابندی ضروری ہے اور ان سے پہلے نماز ادا نہیں ہو سکتی : إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا ۔ "نماز مؤمنوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے"۔ اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ ظہر کی نماز کے وقت کی ابتداء زوال سے ہوتی ہے۔ ظہر کے آخری وقت میں البتہ اختلاف ہوا ہے کہ جب چیزوں کا سایہ ایک مثل ہو جائے تو اس کا وقت ختم ہو جاتا ہے یا نہیں ؟ امام مالکؒ اور کچھ اور علماء کے نزدیک ایک مثل پر عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے مگر ظہر کا وقت بھی خارج نہیں ہوتا۔ یعنی چار رکعت کی مقدار ان دو نمازوں میں مشترک وقت کی ہے جو دونوں نمازوں کے لئے درست ہے ان کی دلیل یہی حدیث ہے۔ کیونکہ اس میں دوسرے دن کی ظہر کا وقت وہی بتایا گیا ہے جو پہلے دن کی عصر کا تھا یعنی ہر چیز کے سائے کا اس کی مثل ہو جانا۔ اس حدیث کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ چار رکعات کی مقدار کا وقت ان دونوں میں مشترک ہے۔ اکثر علماء کہتے ہیں کہ ظہر اور عصر کے وقت میں کوئی اشتراک نہیں بلکہ ہر چیز کا سایہ اصلی سایہ کے علاوہ جو دوپہر کو ہوتا ہے، ایک مثل ہو جائے تو ظہر کا وقت نکل جاتا ہے اور عصر کا وقت داخل ہو جاتا ہے۔ اور جب عصر کا وقت داخل ہو جائے تو ظہر کا وقت بالکل نہیں رہتا۔ ان کی دلیل مسلم کی مرفوع حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ : جب سورج ڈھل گیا اور آدمی کا سایہ اس کی لمبائی جیسا ہو گیا تو یہ ظہر کا وقت ہے جب تک کہ عصر کا وقت داخل نہ ہو جائے۔ پس اس حدیث کی بنا پر اکثر علماء نے جن میں ابو یوسف اور محمد بن الحسن بھی شامل ہیں کہا کہ ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو جانے پر ظہر کا آخری وقت ہوتا ہے۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ اور فقہ حنفی کی ظاہر روایت میں امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ ظہر کا آخری وقت وہ ہے جبکہ ہر چیز کا سایہ دُگنا ہو جائے۔ حنفی فقہاء نے امام کے اس قول کی دلیل اس حدیث کو ٹھہرایا ہے جس میں ظہر کی نماز کو ٹھنڈا کرنے کا حکم ہے حتیٰ کہ سایہ ٹیلوں کے مساوی ہو جائے اور حدیث کا یہ مامور بہ ابراد (ٹھنڈا کرنا) اسی وقت ہوتا ہے جبکہ سایہ دُگنا ہو جائے۔

یہ اختلاف جو ظہر کی نماز کے آخری وقت میں ہوا ہے اسی کی بناء پر عصر کے اوّل وقت کا اختلاف ہے۔ رہا اس کا آخری وقت تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک اس کا آخری وقت غروبِ آفتاب ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ غروبِ آفتاب سے قبل جس شخص نے عصر کی ایک رکعت پالی تو اس نے عصر کو پالیا۔ امام شافعیؒ کے اس مسئلے میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ جب ہر چیز کا سایہ دُگنا ہو جائے تو عصر کا وقت ختم ہو جاتا ہے مگر مغرب کا وقت تب داخل ہو گا جبکہ آفتاب غروب ہو جائے۔ پس ان دونوں کے درمیان ایک مہمل وقت ہے (جو کسی نماز کا وقت نہیں) اور دوسرا قول یہ ہے کہ دو مثل پر عصر کا مستحب وقت ختم ہو جاتا ہے اور اصل وقت غروبِ آفتاب تک رہتا ہے۔ کتاب الأم میں امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ : جس شخص نے عصر کو اتنا مؤخر کر دیا کہ موسم گرما میں یا موسم سرما میں بھی، ہر چیز کا سایہ دو مثل سے تجاوز کر گیا تو اس کے لئے وقتِ مختار (مستحب) فوت ہو گیا۔ مگر یہ جائز نہیں کہ کہا جائے کہ عصر کا مطلق وقت فوت ہو گیا ہے۔ اس شخص کو اس وقت میں نماز عصر پڑھنا جائز ہے۔

نمازِ مغرب کے اول وقت میں کوئی اختلاف نہیں، وہ غروبِ آفتاب کا وقت ہے۔ ہاں اس کے آخری وقت میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اس کا آخری وقت شفق غائب ہونے تک ہے۔ امام شافعی نے فرمایا کہ

نمازِ مغرب کا صرف ایک وقت ہے اور وہ اس قدر کہ آدمی اس میں طہارت کرے، اذان دے، اقامت کہے اور تین رکعات ادا کرے۔ اگر وہ اس کے بعد پڑھے گا تو ادا نہ ہوگی بلکہ قضاء ہوگی۔ یہی قول امام مالکؒ اور اوزاعیؒ کا ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جبریلؑ نے دونوں دنوں میں جو نماز پڑھائی تھی وہ ایک ہی وقت میں تھی۔ حنفیہؒ کی دلیل ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ: مغرب کا اول وقت غروبِ آفتاب ہے اور آخری وقت غروبِ شفق۔ اسی طرح عبداللہ ابن عمرؓ کی مرفوع روایت ہے کہ: جب تک شفق غائب نہ ہو مغرب کا وقت باقی ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم اور دوسری کتابوں میں عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ: جب تک شفق کا پھیلاؤ گر نہ جائے مغرب کا وقت باقی ہے۔ اسی طرح کی روایت ابوموسیٰؓ اور بریدہ اسلمیؓ سے آئی ہے کہ: پھر آپؐ نے مغرب کو مؤخر کیا کہ شفق کا پھیلاؤ ختم ہونے کو تھا اور ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ: آپؐ نے شفق غائب ہونے سے قبل نماز مغرب پڑھی۔ امام شافعیؒ کے بعض اصحاب نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔ امام نوویؒ نے کہا کہ ہمارے شافعیؒ حضرات میں سے اہلِ تحقیق اس طرف گئے ہیں کہ مغرب کو شفق کے غائب ہونے سے قبل تک مؤخر کرنا جائز ہے اور اس کے سارے وقت میں اس کی ابتداء جائز ہے اور اول وقت سے مؤخر کرنے والا گناہگار نہیں ہوتا، یہی صحیح ہے اور اس کے سوا اور قول جائز نہیں۔

رہا امام شافعیؒ کا حدیث جبریلؑ سے یہ استدلال کہ ان دونوں ایام میں نمازِ مغرب ایک ہی وقت میں پڑھی گئی، اس کا جواب تین طرح سے دیا گیا ہے۔ پہلا یہ کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیاری (مستحب) وقت کے بیان پر اختصار کیا ہے اور وقتِ جواز کو بیان نہیں فرمایا اور وقت ظہر کے علاوہ دوسری نمازوں میں ایسا آیا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیثِ جبریلؑ کا تعلق مکہ کی زندگی سے قبل از ہجرت نمازیں فرض ہونے کے بعد کے ساتھ ہے۔ بعد میں جن احادیث میں نمازِ مغرب کے وقت کو غروبِ شفق تک فرمایا گیا ہے ان کا تعلق مدنی زندگی سے ہے اور یہ احادیث متاخر ہیں لہٰذا عمل انہی پر ہوگا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ امامتِ جبریلؑ کی حدیث گو صحیح ہے مگر یہ دوسری احادیث جن کا ابھی ذکر ہوا اس کی نسبت سند میں زیادہ صحیح اور بہتر ہیں لہٰذا اختلاف وتعارض کے وقت ان کو ترجیح دی جائیگی جیسا کہ اصول میں یہ امر مسلّم ہے، یا پھر یہ بتانا پڑے گا کہ اس کے علاوہ وہ کون سی وجہ ترجیح ہے جس کی بناء پر حدیثِ امامتِ جبریلؑ کو ترجیح دی جائے۔

شفق کے متعلق علماء کا اختلاف ہوا ہے کہ وہ کیا چیز ہے؟ ایک گروہ نے کہا کہ وہ سرخی ہے۔ یہ ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے اور یہی قول ہے مکحولؒ، طاؤسؒ، مالکؒ، سفیان ثوریؒ، ابن ابی لیلیٰ، ابویوسفؒ، محمد بن الحسنؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کا۔ اور ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ شفق سفیدی کا نام ہے اور یہی عمر بن عبدالعزیزؒ سے مروی ہے، اور امام ابوحنیفہؒ اور اوزاعی اسی طرف گئے ہیں۔ مصنف عبدالرزاق میں دیگر کئی جلیل القدر تابعین وائمہ سے یہی منقول ہے۔

وقتِ عشاء کی ابتداء کا اختلاف نمازِ مغرب کے آخری وقت کے اختلاف پر مبنی ہے۔ رہا اس کا آخری وقت، سو عمر فاروقؓ اور ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ وہ رات کا پہلا ثلث یعنی ⅓ ہے۔ یہی قول عمر بن عبدالعزیزؒ اور ایک روایت میں شافعیؒ سے منقول ہوا ہے، ان کا استدلال ابن عباسؓ کی حدیث کے ظاہری الفاظ سے ہے۔ امام ثوریؒ، بعض حنفیہؒ، ابن المبارکؒ اور اسحاق بن راہویہ نے کہا کہ اس کا آخری وقت نصف رات تک ہے۔ اور ان کی دلیل عبداللہ بن عمروؓ کی

حدیث ہے جس میں ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: عشاء کا آخری وقت نصف رات تک ہے۔ امام شافعیؒ جب تک عراق میں رہے ان کا یہی قول تھا۔ ابن عباسؓ سے منقول ہوا ہے کہ نمازِ عشاء کا وقت فجر تک فوت نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ مصنف عبدالرزاق میں ان سے مروی ہے۔ اور یہی مذہب عطاءؒ ابن ابی رباح، طاؤسؒ، عکرمہؒ اور اکثر حنفیہ کا ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے: عشاء کا اول وقت شفق کے غائب ہونے سے ہوتا ہے اور اس کا آخری وقت طلوعِ فجر تک ہے۔ حنفیہ میں سے صاحب بدائع نے اس سے استدلال کیا ہے مگر مولاناؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث مجھے کتبِ حدیث میں نہیں ملی۔ اور ان کا استدلال اس سے بھی ہے کہ نمازِ وتر عشاء کے تابع ہے اسی لئے اس کے وقت میں ادا ہوتی ہے اور اس کا افضل وقت بروئے صحیح احادیث سحر کا وقت ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ نمازِ عشاء کا آخری وقت سحر ہے۔ علامہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ حق بات یہ ہے کہ نمازِ عشاء کا مختار و مستحب وقت نصف رات تک ہے اور وقتِ جواز و اضطرار سحر تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کی دلیل ابوقتادہؓ کی حدیث ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ نیند میں تفریط نہیں، تفریط اس میں ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نماز نہ پڑھے کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔ یہ حدیث اس مضمون کی ظاہری دلیل ہے کہ نمازِ فجر کے علاوہ باقی سب نمازوں کے اوقات کے کنارے باہم ملتے ہیں۔ یعنی ہر ایک کا آخری وقت دوسری کے اول وقت تک پھیلا ہوا ہے۔ نمازِ فجر اس سے بالاجماع خارج ہے کہ اس کا وقت صرف طلوعِ آفتاب تک ہی ہے۔

نمازِ فجر کا اول وقت فجرِ ثانی کے طلوع سے شروع ہوتا ہے۔ فجرِ ثانی وہ ہے جو افق میں پھیلتی ہے ورنہ وہ فجر جو سیدھی آسمانی کو چڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور تھوڑی ہی دیر کے بعد غائب ہوجاتی ہے اُسے فجرِ کاذب کہا جاتا ہے۔ نماز، اذان اور روزے کے احکام کا تعلق اس پہلی فجر کے ساتھ نہیں بلکہ اس دوسری پھیلنے والی فجر کے ساتھ ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک نمازِ فجر کا آخری وقت اسفار ہے (یعنی جب روشنی پھیل جائے) مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ جس شخص نے طلوعِ آفتاب سے قبل نمازِ فجر کی ایک رکعت پڑھ لی ہو اسے فجر کی نماز وقت کے اندر ہی مل گئی۔ امام مالکؒ، احمدؒ بن حنبل اور اسحاقؒ بن راہویہ نے کہا کہ جسے طلوعِ آفتاب سے پہلے ایک رکعت مل جائے وہ دوسری رکعت بھی ساتھ ملالے تو اس کی نماز وقت بھی ہوگئی۔ ان کی دلیل ابوہریرہؓ کی حدیث ہے جس کا ظاہری مضمون یہی نظر آتا ہے حنفیہ نے کہا کہ طلوعِ آفتاب کا وقت نمازِ فجر کا آخری وقت ہے۔ اس کی دلیل حضورؐ کی وہ حدیث ہے جسے سنن ابی داؤد میں روایت کیا گیا ہے کہ: نمازِ فجر کا وقت طلوعِ آفتاب تک ہے۔ طلوع و غروبِ آفتاب سے قبل ایک رکعت پڑھ لینے والے کی نماز ان کے نزدیک فاسد ہوجائے گی۔ مفصل بحث عنقریب آئے گی۔

۳۹۴- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ اللَّيْثِيِّ أَنَّ ابْنَ شِهَابٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ كَانَ قَاعِدًا عَلَى الْمِنْبَرِ فَأَخَّرَ الْعَصْرَ شَيْئًا، فَقَالَ لَهُ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَمَا إِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَدْ أَخْبَرَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَقْتِ الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ عُمَرُ اعْلَمْ مَا تَقُولُ. فَقَالَ لَهُ عُرْوَةُ سَمِعْتُ

بَشِيرَ بْنَ أَبِي مَسْعُودٍ يَقُولُ سَمِعْتُ أَبَا مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ نَزَلَ جِبْرِيلُ فَأَخْبَرَنِي بِوَقْتِ الصَّلَوٰةِ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ يَحْسُبُ بِأَصَابِعِهِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ وَرُبَّمَا أَخَّرَهَا حِينَ يَشْتَدُّ الْحَرُّ وَرَأَيْتُهُ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ قَبْلَ أَنْ تَدْخُلَهَا الصُّفْرَةُ فَيَنْصَرِفُ الرَّجُلُ مِنَ الصَّلَوٰةِ فَيَأْتِي ذَا الْحُلَيْفَةِ قَبْلَ غُرُوبِ الشَّمْسِ وَيُصَلِّي الْمَغْرِبَ حِينَ تَسْقُطُ الشَّمْسُ وَيُصَلِّي الْعِشَاءَ حِينَ يَسْوَدُّ الْأُفُقُ وَرُبَّمَا أَخَّرَهَا حَتَّى يَجْتَمِعَ النَّاسُ ۔ وَصَلَّى الْفَجْرَ مَرَّةً بِغَلَسٍ ثُمَّ صَلَّى مَرَّةً أُخْرَى فَأَسْفَرَ بِهَا ثُمَّ كَانَتْ صَلَوٰتُهُ بَعْدَ ذَٰلِكَ التَّغْلِيسَ حَتَّى مَاتَ وَلَمْ يَعُدْ إِلَى أَنْ يُسْفِرَ ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَى هَٰذَا الْحَدِيثَ عَنِ الزُّهْرِيِّ مَعْمَرٌ وَمَالِكٌ وَابْنُ عُيَيْنَةَ وَشُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ وَاللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ وَغَيْرُهُمْ وَلَمْ يَذْكُرُوا الْوَقْتَ الَّذِي صَلَّى فِيهِ وَلَمْ يُفَسِّرُوهُ ۔ وَكَذَٰلِكَ أَيْضًا رَوَى هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ وَحَبِيبُ بْنُ أَبِي مَرْزُوقٍ عَنْ عُرْوَةَ نَحْوَ رِوَايَةِ مَعْمَرٍ وَأَصْحَابِهِ إِلَّا أَنَّ حَبِيبًا لَمْ يَذْكُرْ بَشِيرًا ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَى وَهْبُ بْنُ كَيْسَانَ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقْتَ الْمَغْرِبِ قَالَ ثُمَّ جَاءَهُ لِلْمَغْرِبِ حِينَ غَابَتِ الشَّمْسُ يَعْنِي مِنَ الْغَدِ وَقْتًا وَاحِدًا ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَكَذَٰلِكَ رُوِيَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثُمَّ صَلَّى لِيَ الْمَغْرِبَ يَعْنِي مِنَ الْغَدِ وَقْتًا وَاحِدًا وَكَذَٰلِكَ رُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ مِنْ حَدِيثِ حَسَّانَ بْنِ عَطِيَّةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔

(ترجمہ) ابن شہاب زہری کا بیان ہے کہ عمر بن عبد العزیز منبر پر بیٹھے تھے تو انہوں نے نمازِ عصر کو کچھ مؤخر کر دیا۔ عروہ بن زبیر نے ان سے کہا کہ جبریل علیہ السلام نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کا وقت نہیں بتایا تھا؟ عمرؒ نے عروہ سے کہا کہ جو کہہ رہے ہو سوچ سمجھ کر کہو۔ عروہؒ نے کہا کہ میں نے بشیر بن ابی مسعود کو یہ کہتے سنا کہ میں نے ابو مسعودؓ انصاری کو کہتے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جبریلؑ نازل ہوئے اور مجھے نماز کا وقت بتایا۔ پس میں نے اس کے ساتھ نماز پڑھی، پھر میں نے اس کے ساتھ نماز پڑھی، پھر میں نے اس کے ساتھ نماز پڑھی، پھر میں نے اس کے ساتھ نماز پڑھی، پھر میں نے اس کے ساتھ نماز پڑھی، حضورؐ اپنی انگلیوں پر پانچ نمازیں گن رہے تھے، پھر میں نے رسول اللہ علیہ وسلم کو ظہر کی نماز اس وقت پڑھتے دیکھا جبکہ سورج ڈھلتا ہے اور بسا اوقات جب گرمی شدید ہوتی تو اسے دیر سے پڑھتے۔ اور میں نے آپؐ کو عصر کی نماز اس وقت پڑھتے دیکھا جبکہ سورج بلند تھا چمکدار تھا قبل اس کے کہ اس میں زردی داخل ہو۔ پس لوگ نماز سے واپس ہوتے اور سورج ڈوبنے سے پہلے ذوالحلیفہ جا پہنچتے۔ اور آپ نمازِ مغرب اس وقت پڑھتے تھے جبکہ سورج ڈوب جاتا اور عشار کی نماز اس وقت پڑھتے جب افق سیاہ ہو جاتا اور بعض دفعہ لوگوں کے جمع ہونے کی خاطر اسے مؤخر کر دیتے تھے۔ اور صبح کی نماز آپؐ نے کبھی اندھیرے میں پڑھی پھر دوسری مرتبہ اسے روشن کر کے پڑھا۔ پھر اس کے بعد آپؐ کی نماز اندھیرے میں ہوتی تھی حتیٰ کہ آپؐ کی وفات ہو گئی اور آپؐ اسفار کی طرف نہ لوٹے۔ ابو داؤد نے کہا اس حدیث کو زہری سے معمر، مالک، ابن عیینہ، شعیب بن ابی حمزہ اور لیث بن سعد وغیرہم نے روایت کیا اور وہ وقت بیان نہ کیا جس میں آپؐ نے نماز پڑھی اور اس کی وضاحت نہیں کی۔ اور اسی طرح ہشام بن عروہ اور حبیب بن ابی مرزوق نے عروہ سے اسی طرح روایت کی جیسی معمر اور اس کے ساتھیوں نے کی ہے۔ ہاں مگر حبیب نے سند میں بشیر کا نام نہیں لیا۔ ابو داؤد نے کہا وہب بن کیسان نے جابرؓ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مغرب کے وقت کی روایت یوں کی: جابرؓ نے کہا کہ پھر جبریلؑ سورج ڈوبنے پر دوسرے دن آئے اور اسی پہلے وقت میں نماز پڑھی۔ ابو داؤد نے کہا کہ اسی طرح ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی، آپ نے فرمایا کہ پھر جبریلؑ نے مجھے مغرب کی نماز یعنی دوسرے دن پڑھائی، دونوں کا ایک ہی وقت تھا۔ اور اسی طرح عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے اور اس کی سند یوں ہے کہ حسان بن عطیۃ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہٖ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(شرح) اس روایت میں اوقاتِ صلوٰۃ کو مبہم رکھا گیا ہے مگر جابرؓ اور ابن عباسؓ سے جب یہ قصہ روایت ہوا تو اس میں اوقات کی تعیین ہو گئی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ عمرؒ بن عبد العزیز کو تعجب اس بات پر ہوا تھا کہ کیا واقعی جبریلؑ نے رسول اللہ علیہ وسلم کی امامت کی تھی؟ ملا علیؒ نے فرمایا کہ تعجب کا باعث یہ نہیں تھا بلکہ یہ تھا کہ عروہؓ نے ان جیسے جلیل القدر انسان کے سامنے یہ حدیث سند کے بغیر بیان کر دی تھی، گویا یہ تقاضائے احتیاط تھا۔ اس حدیث میں نماز عصر کا جو وقت ابو مسعودؓ انصاری نے بیان کیا ہے وہی سب فقہاء کے نزدیک اس نماز کا اول وقت ہے یعنی مثلِ اول یہ صاحبینؒ سے اور خود امام ابو حنیفہؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ پھر اس حدیث میں عشار کا وقت جو بیان ہوا ہے اس سے ان لوگوں کے قول کی تائید ہوتی ہے جو شفق سے مراد سفیدی لیتے ہیں، کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ عشار اس وقت پڑھتے تھے جبکہ اُفق سیاہ ہو جاتا تھا۔ اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ نمازِ فجر میں تغلیس افضل ہے اور مالکؒ، شافعیؒ،

احمدؒ، اسحاقؒ، ابو ثورؒ اور اوزاعیؒ کا یہی مذہب ہے اور یہی قول حضرت عمرؓ، عثمانؓ، ابن زبیرؓ، انسؓ، ابو موسیٰؓ اور ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ اور فقہائے کوفہ اور ثوریؒ اور حسنؒ بن حیؒ اور اکثر اہل عراق کا مذہب ہے کہ اسفار افضل ہے اور یہ عبداللہ بن مسعودؓ اور علیؓ سے مروی ہے۔ ان کی دلیل وہ قولی حکم ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا: نماز فجر کے ساتھ اسفار کرو کیونکہ یہ اس کا اجر عظیم تر ہے۔ ائمہ خمسہ نے یہ حدیث روایت کی ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ پس یوں کہنا ممکن ہے کہ حضورؐ کا فعل تو تغلیس تھا مگر امت کے لئے امر اسفار کا تھا، اور شاید حضورؐ تغلیس اس لئے فرماتے تھے کہ وہ زمانہ خیر کا تھا اور صحابہ اول وقت پر حاضر ہو جاتے تھے بلکہ اس سے بھی پہلے۔ پس حضورؐ اگر انہیں اسفار کرلتے تو یہ بات اکتاہٹ اور تھکن کا باعث بنتی اس لئے آپؐ نے تغلیس کو اختیار فرمایا۔ بعض لوگوں نے جو اسفار کا معنیٰ یہ بیان کیا ہے کہ طلوع فجر کا یقین ہو جائے اور کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے، تو اس سے حدیث کے الفاظ انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر کوئی ایسے وقت میں نماز پڑھے کہ ابھی طلوع فجر ہی میں شک ہو تو اس کی نماز تو سرے سے جائز ہی نہیں، پس اجر کا عظیم ہونا اسی وقت پایا جا سکتا ہے جبکہ طلوع فجر ہو چکا ہو اور اس کے بعد اسفار واقع ہو۔

ابو داؤدؒ کی وضاحت کا یہ مطلب ہے کہ زہری سے روایت کرنے والوں میں سے اسامہ بن زید لیثی کے سوا کسی نے بھی ایسا نہیں کہا کہ پہلے تو اوقات نماز کو مجمل بیان کر دیا اور پھر ان کی تفسیر و تعیین کر دی۔ زہری کے شاگردوں کی روایات صحاح اور دیگر کتب میں موجود ہیں۔ مثلاً معمر کی روایت مصنف عبدالرزاق میں، مالک کی روایت صحیح مسلم میں اور مسند احمد میں، سفیان بن عیینہ کی روایت سنن بیہقی میں، شعیب بن ابی حمزہ کی روایت بیہقی میں، لیث کی روایت صحیح مسلم میں موجود ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ اوزاعی کی روایت اور محمد بن اسحاق کی روایت مجھے نہیں مل سکی۔ پھر ابو داؤدؒ نے کہا ہے کہ حبیب بن ابی مرزوق نے اس حدیث کی روایت کی ہے مگر بشیر کا ذکر نہیں کیا اور روایت منقطع بیان کی۔ وہب ابن کیسان کی روایت دارقطنی اور نسائی میں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۳۹۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ حَدَّثَنَا بَدْرُ بْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي مُوسَى عَنْ أَبِي مُوسَىٰؓ أَنَّ سَائِلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ شَيْئًا حَتَّى أَمَرَ بِلَالًا فَأَقَامَ الْفَجْرَ حِينَ انْشَقَّ الْفَجْرُ فَصَلَّى حِينَ كَانَ الرَّجُلُ لَا يَعْرِفُ وَجْهَ صَاحِبِهِ أَوْ أَنَّ الرَّجُلَ لَا يَعْرِفُ مَنْ إِلَى جَنْبِهِ ثُمَّ أَمَرَ بِلَالًا فَأَقَامَ الظُّهْرَ حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ حَتَّى قَالَ الْقَائِلُ انْتَصَفَ النَّهَارُ وَهُوَ أَعْلَمُ. ثُمَّ أَمَرَ بِلَالًا فَأَقَامَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ بَيْضَاءُ مُرْتَفِعَةٌ. وَأَمَرَ بِلَالًا فَأَقَامَ الْمَغْرِبَ حِينَ غَابَتِ الشَّمْسُ وَأَمَرَ بِلَالًا فَأَقَامَ الْعِشَاءَ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ. فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ صَلَّى الْفَجْرَ وَانْصَرَفَ فَقُلْنَا أَطَلَعَتِ الشَّمْسُ، فَأَقَامَ الظُّهْرَ فِي وَقْتِ الْعَصْرِ الَّذِي

كَانَ قَبْلَهُ وَصَلَّى الْعَصْرَ وَقَدِ اصْفَرَّتِ الشَّمْسُ أَوْ قَالَ أَمْسَى وَصَلَّى الْمَغْرِبَ قَبْلَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ وَصَلَّى الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ ثُمَّ قَالَ أَيْنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ، الْوَقْتُ فِيمَا بَيْنَ هٰذَيْنِ - قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَى سُلَيْمَانُ بْنُ مُوسَى عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَغْرِبِ نَحْوَ هٰذَا - قَالَ ثُمَّ صَلَّى الْعِشَاءَ قَالَ بَعْضُهُمْ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِلَى شَطْرِهِ وَكَذٰلِكَ رَوَى ابْنُ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

(ترجمہ) ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ ایک سائل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اوقاتِ نماز کے بارے میں پوچھا تو حضورؐ نے زبانی کوئی جواب نہ دیا حتیٰ کہ بلالؓ کو حکم دیا تو اس نے فجر کی اذان و اقامت کہی اس وقت جبکہ فجر طلوع ہو گئی۔ پس آپؐ نے اس وقت نماز پڑھائی جبکہ آدمی اپنے ساتھی کا چہرہ نہ پہچانتا تھا، یا آدمی اپنے پہلو والے کو نہ پہچانتا تھا۔ پھر بلالؓ کو حکم دیا تو اس نے ظہر کی اذان و اقامت کہی جبکہ سورج ڈھل گیا، حتیٰ کہ کہنے والا کہتا کہ کیا دوپہر ہو گئی ہے؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب معلوم تھا (کہ سورج زائل ہو چکا ہے) پھر آپؐ نے بلالؓ کو حکم دیا تو عصر کی اذان اور اقامت کہی اور سورج چمکدار اور بلند تھا۔ اور حضورؐ نے بلالؓ کو حکم دیا تو اس نے مغرب کی اذان و اقامت کہی جبکہ سورج غائب ہو گیا تھا۔ اور بلالؓ کو حکم دیا تو اس نے عشاء کی اذان و اقامت کہی جبکہ شفق غائب ہو چکی تھی پھر جب اگلا دن ہوا تو آپؐ نے نمازِ فجر پڑھائی اور اس وقت ختم کی کہ ہم نے کہا کہ کیا سورج طلوع ہو چکا ہے؟ پھر بلالؓ نے ظہر کی نماز کھڑی کی پہلے دن کی عصر کے وقت میں اور عصر کی نماز آپؐ نے اس وقت پڑھائی جبکہ سورج زرد ہو گیا تھا یا راوی نے کہا کہ زرد ہونے کو تھا۔ اور مغرب کی نماز آپؐ نے اس وقت پڑھی جبکہ ابھی شفق غائب نہ ہوئی تھی اور عشاء کی نماز رات کے تیسرے حصے تک پڑھائی۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ وقت پوچھنے والا کہاں ہے؟ نمازوں کے اوقات ان دو دنوں کے وقتوں کے درمیان ہیں۔ ابوداؤد نے کہا کہ سلیمان بن موسیٰ نے عطاء سے، اس نے جابرؓ سے، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مغرب کے متعلق روایت کی ہے جو اسی طرح ہے اور اس میں ہے کہ بعض راویوں نے عشاء کے متعلق رات کے تیسرے حصے کا اور بعض نے نصف کا ذکر کیا اور اسی طرح ابن بریدہؓ نے اپنے باپ سے اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

(شرح) اس حدیث کے مطابق سائل کے سوال پر حضورؐ نے پہلے دن کی نمازیں اوّل وقت پر پڑھیں اور دوسرے دن کی آخر وقت میں، اور پھر فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان اوقات نماز ہیں۔ اس حدیث کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے دن کی ظہر پہلے دن کی عصر کے وقت میں پڑھی گئی، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ راوی کا طرز ادا ہے ورنہ دوسری بہت سی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں کے اوقات مختلف ہیں۔ تقاضائے عقل و فکر بھی یہی ہے کہ جب یہ دو الگ الگ نمازیں ہیں تو ان کے وقت بھی الگ الگ ہونے چاہئیں۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ پہلے دن کی نمازِ عصر کی ابتداء اور دوسرے دن کی نمازِ ظہر کی انتہاء میں بہت کم فاصلہ تھا جسے راوی نے یوں تعبیر کیا کہ دونوں کا وقت ایک تھا۔ پھر اس حدیث سے نمازِ مغرب

کے بھی دو وقت نکلے ایک اول اور ایک آخر۔ چونکہ اس نماز کا وقت دوسری نمازوں کی نسبت مختصر ہے لہٰذا پہلے اور دوسرے دن کی نماز میں زیادہ فاصلہ نہ تھا، اس سے پچھلی روایت کے لفظ وَقْتًا وَّاحِدًا کی حقیقت معلوم ہوگئی پھر اس حدیث میں وقتِ عشاء کے آخری وقت میں اختلاف ہوا۔ بعض اصحاب نے ⅓ اور بعض نے ½ کہا۔ اوپر ابوموسیٰؓ اور بریدہؓ کی حدیثوں میں ⅓ کا ذکر تھا۔ اسی طرح عبداللہؓ بن عمرو کی حدیث جو آگے آتی ہے اس میں صاف طور پر نصف اللیل کا لفظ ہے یہی حدیث مسلم میں بھی ہے۔ اوپر گذر چکا ہے کہ عشاء کا وقت مختار اور مستحب جو مسنون ہے وہ ایک ثلث (تہائی) رات تک ہے۔ نصف رات تک جواز ہے اور بعض اور احادیث کی بناء پر وقتِ مکروہ طلوعِ فجر تک ہے جیساکہ علامہ شوکانی کا قول اوپر لکھا جاچکا ہے۔

۳۹۶ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا أَيُّوبَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ وَقْتُ الظُّهْرِ مَا لَمْ تَحْضُرِ الْعَصْرُ وَوَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ وَوَقْتُ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَسْقُطْ فَوْرُ (ثَوْرُ) الشَّفَقِ وَوَقْتُ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ۔

(ترجمہ) عبداللہؓ بن عمرو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ظہر کا وقت اس گھڑی تک ہے کہ عصر کا وقت نہ آجائے اور عصر کا وقت اس گھڑی تک ہے جبتک کہ آفتاب زرد نہ ہوجائے، اور مغرب کا وقت شفق کا رنگ گرجانے (بدل جانے) تک ہے اور عشاء کا وقت آدھی رات تک ہے اور فجر کا وقت سورج چڑھنے تک ہے۔

(شرح) اس حدیث نے اول و آخر کی قید کے بغیر تمام نمازوں کے الگ الگ وقت بتا دیئے ہیں اور خاصکر ظہر اور عصر کے وقت کو واضح طور پر الگ الگ کرکے بیان فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ امامت جبریلؑ کی حدیث میں اور ابوموسیٰؓ کی حدیث میں الفاظ سے جو شبہ ہوتا ہے کہ شاید ان میں کوئی وقت مشترک ہوگا وہ محض ایک لفظی اشتباہ ہے حقیقت یہی ہے کہ عصر کا وقت شروع ہی تب ہوتا ہے جبکہ ظہر کا وقت نکل چکا ہو، حدیث کا لفظ، وَقْتُ الظُّهْرِ مَا لَمْ تَحْضُرِ الْعَصْرُ واضح طور پر اس مضمون کو صراحت سے بیان کررہا ہے مسلم کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ: ظہر کا وقت سورج ڈھلے ہوتا ہے اور جب تک عصر کا وقت نہ آجائے کہ آدمی کا سایہ ایک مثل ہوجائے وہی ظہر کا وقت رہتا ہے لیکن مسلم کی روایت کے الفاظ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے جو امام ابوحنیفہؒ نے کہی کہ ظہر کا آخری وقت دو مثل سے پہلے تک ہے (گو فتویٰ احناف کا یہی ہے کہ ایک مثل پر ختم ہوجاتا ہے)، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُولِهِ مَا لَمْ تَحْضُرِ الْعَصْرُ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مثل پر ظہر کا وقت ہے اور عصر کا وقت اس کے بعد شروع ہوگا۔ پس بقول حضرت انورشاہ رحمہ اللہ احتیاط اسی میں ہے کہ ظہر کو ایک مثل سے پہلے ادا کرلیا جائے اور عصر کو دو مثل پر پڑھا جائے، ہاں! یہ درمیانی وقت جمع بین الصلوٰتین کا ہے کہ سفر میں اس وقت کے اندر یکے بعد دیگرے انہیں پڑھا جاسکتا ہے۔

اس حدیث سے بھی مغرب کا آخری وقت غروب شفق تک ہے۔ امام نوویؒ نے کہا ہے کہ محققین شافعیہ تسلیم کرتے

ہیں کہ مغرب کا بھی پہلا اور آخری وقت ہے۔ پہلا غروبِ آفتاب کے ساتھ ہی اور پچھلا غروبِ شفق سے ذرا پہلے تک۔
فور الشفق کا معنی امام خطابی کے بقول شفق کا پھیلنا ہے اور یہی معنی دوسرے نسخہ کے مطابق ثور الشفق کا بھی ہے۔ امام نووی نے شرح مسلم میں حدیثِ امامتِ جبریلؑ اور بعض اور روایات کا جن سے نمازِ مغرب کا ایک ہی وقت معلوم ہے یتین طرح سے جواب دیا ہے جو اوپر گزر چکا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محققینِ شافعیہ نے امام شافعیؒ کا وہ قول اختیار نہیں کیا جو نمازِ مغرب کے متعلق کتاب الام میں مذکور موجود ہے۔

۳۔ بَابُ وَقْتِ صَلٰوةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَيْفَ كَانَ يُصَلِّيْهَا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا باب اور آپؐ اُسے کیسے ادا فرماتے تھے؟

۳۹۷۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو وَّهُوَ ابْنُ الْحَسَنِ قَالَ سَأَلْنَا جَابِرًاؓ عَنْ وَّقْتِ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَّالْمَغْرِبَ إِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَالْعِشَاءَ إِذَا كَثُرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَإِذَا قَلُّوْا أَخَّرَ وَالصُّبْحَ بِغَلَسٍ۔

(ترجمہ) محمد بن عمرو نے کہا کہ ہم نے حضرت جابرؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا وقت دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ حضورؐ ظہر کی نماز دوپہر کو زوالِ آفتاب پر ادا فرماتے تھے اور عصر اس وقت جبکہ سورج ابھی روشن ہوتا تھا اور مغرب غروبِ آفتاب پر اور عشاء کی نماز لوگ کثرت سے آجاتے تو جلدی اور کم ہوں تو دیر سے ادا فرماتے تھے اور صبح کو منہ اندھیرے ادا فرماتے تھے۔

(شرح) اس باب کے عنوان کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کی نمازوں کے مسنون و مختار اوقات کیا تھے۔ اس روایت کی سند میں حسن سے مراد حسن بن علی بن ابی طالب ہیں۔ امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں لکھا ہے کہ کچھ لوگوں کے نزدیک ہر موسم میں نمازِ ظہر کو جلد پڑھنا مستحب ہے ان کی دلیل ایک یہ حدیث ہے۔ دوسری حدیث حضرت خبابؓ کی ہے کہ حضورؐ سے دوپہر کی گرمی کی شکایت کی گئی مگر آپؐ نے اس پر کان نہ دھرے۔ تیسری حدیث جناب عائشہ صدیقہؓ کی ہے کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ جلد ظہر پڑھنے والا اور کوئی نہیں دیکھا۔ اور اسی طرح کچھ اور احادیث بھی ہیں۔ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ موسم سرما میں ظہر کو جلدی اور موسم گرما میں دیر سے پڑھنا مسنون ہے۔ اس مطلب میں اَبْرِدُوْا بِالظُّهْرِ کی احادیث ابوذرؓ، ابوسعیدؓ، ابوہریرہؓ اور ابوموسیٰؓ سے مروی ہیں۔ امام طحاویؒ نے کہا ہے کہ ظہر کی نماز تعجیل سے ہوا کرتی تھی، مگر بعد میں منسوخ ہوگئی تھی، اس پر مغیرہؓ بن شعبہ کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نمازِ ظہر اول وقت میں پڑھائی (فی الہجیرۃ) پھر فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کی پھونک (لپٹ) سے ہوتی ہے لہٰذا ظہر کو ٹھنڈا کرکے پڑھا

کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے ظہر کی نماز جلد ہوتی تھی پھر دیر سے پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ اس بناء پر موسم گرما میں گرمی کی شدت میں تاخیر ظہر واجب ہوئی۔ مغیرہؓ بن شعبہ کی یہ حدیث مسند احمد، ابن ماجہ، ابن حبان میں ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ امام احمد نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اس ضمن میں پچھلا حکم یہی تھا۔ بعض نے ابراد کو افضل اور اول وقت میں پڑھنے کو رخصت کہا ہے مگر بعض علماء نے اس کے برعکس بھی کہا ہے اور خبابؓ کی حدیث جواز پر دلالت کرتی ہے وجوب پر نہیں۔ غلس پر اوپر گفتگو ہو چکی ہے۔

۳۹۸۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِی الْمِنْهَالِ عَنْ اَبِیْ بَرْزَةَؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَيُصَلِّي الْعَصْرَ وَاِنَّ اَحَدَنَا لَيَذْهَبُ اِلَى اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ وَيَرْجِعُ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَنَسِيْتُ الْمَغْرِبَ وَكَانَ لَا يُبَالِي تَاخِيْرَ الْعِشَاءِ اِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ، قَالَ ثُمَّ قَالَ اِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ، قَالَ وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا وَكَانَ يُصَلِّي الصُّبْحَ وَمَا يَعْرِفُ اَحَدُنَا جَلِيْسَهُ الَّذِيْ كَانَ يَعْرِفُهُ وَكَانَ يَقْرَأُ مِنَ السِّتِّيْنَ اِلَى الْمِائَةِ۔

(ترجمہ) ابو برزہؓ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز زوال آفتاب پر پڑھتے تھے، اور عصر کی نماز پڑھتے تھے اور ہم میں سے کوئی شخص مدینہ کی بیرونی آبادی میں جاتا اور واپس آتا اور سورج ابھی روشن ہوتا تھا۔ اور راوی ابو المنہال کہتا ہے کہ نماز مغرب میں جو کچھ ابو برزہؓ نے کہا وہ میں بھول گیا ہوں۔ اور آپؐ نماز عشاء کو رات کے تیسرے حصے تک پڑھنے میں حرج نہ جانتے تھے، راوی نے کہا کہ ابو برزہؓ نے ایک بار نصف رات تک کہا۔ ابو برزہؓ نے کہا کہ حضورؐ نماز عشاء سے پہلے سونا اور اس کے بعد باتیں کرنا ناپسند کرتے تھے۔ اور آپؐ صبح کی نماز پڑھتے تو ہم میں سے کوئی آدمی اپنے پاس والے ساتھی کو جسے وہ پہلے پہچانتا ہوتا، نہیں پہچانتا تھا۔ اور اس نماز میں آپؐ ساٹھ سے لیکر سو تک آیات پڑھتے تھے۔

(شرح) اس حدیث میں نماز عصر کے بعد اقصائے شہر میں آنے جانے کا ذکر ہے۔ بخاری کی روایت میں یہ لفظ ہیں، کہ ہم میں سے کوئی نماز عصر پڑھ کر مدینہ کی بیرونی آبادی میں اپنے ڈیرے میں چلا جاتا تو آفتاب اس وقت چمکدار ہوتا۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ، عصر کی نماز پڑھ کر کوئی آدمی مدینہ کی بیرونی آبادی تک واپس جاتا تو سورج ابھی روشن ہوتا تھا۔ نسائی کی روایت کا بھی یہی مطلب ہے۔ اور مسلم کی روایت بھی یہی ہے۔ ابو داؤد کی روایت کا ایک نسخہ وَيَرْجِعُ کے برخلاف وَرَجَعَ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھ کر جانے والا گھر واپس چلا جاتا تھا۔ نماز عشاء سے قبل بلا ضرورت شرعی سونا مکروہ ہے اور اس کے بعد دین کی بات اور مباح گفتگو کے علاوہ عام باتیں کرنا بھی مکروہ ہے۔ مختلف احادیث کو ملا کر یہی مطلب اخذ ہوتا ہے کہ ضرورت شرعی سے ایسا کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔ اس حدیث میں نماز فجر کے ذکر میں "مَا يَعْرِفُ اَحَدُنَا جَلِيْسَهُ" کا لفظ ہے مگر بخاری کی ایک روایت میں ہے: وَاَحَدُنَا يَعْرِفُ جَلِيْسَهُ۔ اور ہم

اپنے پہلو والے ساتھی کو پہچان لیتے تھے۔ بخاری کی دوسری روایت میں ہے: كَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ حِيْنَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيْسَهٗ۔ حضورؐ نماز فجر اس وقت ختم کرتے جب ہم ایک دوسرے کو پہچان لیتے تھے۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے: فَيَنْظُرُ اِلٰى وَجْهِ جَلِيْسِهِ الَّذِىْ يَعْرِفُهٗ فَيَعْرِفُهٗ۔ نماز کے بعد اپنی جان پہچان والے ساتھی کے چہرے کو پہچان لیتے تھے۔ مسلم کی ایک اور روایت میں ہے: حِيْنَ يَعْرِفُ بَعْضُنَا وَجْهَ بَعْضٍ۔ جبکہ ہم ایک دوسرے کا چہرہ پہچان لیتے تھے۔ اب ان متعدد احادیث سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ ابوداؤد کی اس روایت کے خلاف ہے۔ یا پھر مختلف اوقات پر محمول کیا جائیگا کہ کبھی ایسا ہوتا تھا اور کبھی دوسری طرح۔ اس حدیث سے غلس پر استدلال غلط ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کی چھت پست تھی۔ روشنی کا انتظام بہت سادہ ہوتا تھا، ایسی حالت میں دوسرے آدمی کے چہرے کی پہچان اسی وقت ممکن ہے جبکہ بہت اسفار ہو چکا ہو۔ ساٹھ سے لیکر سو آیتوں تک کی مقدار دونوں رکعات میں ہوتی تھی جیسے طبرانی کی روایت میں سورۃ الحاقہ کی مقدار ظاہر کیا گیا ہے۔ اس قدر ترتیل کے ساتھ اگر غلس میں شروع کی جائے تو نماز کے اختتام پر اسفار کا ہونا اغلب ہوتا ہے۔

۴۔ بَابٌ فِىْ وَقْتِ صَلٰوةِ الظُّهْرِ

یہ باب نمازِ ظہر کے وقت میں ہے

۳۹۹۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَّمُسَدَّدٌ قَالَا حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ عَبَّادٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْحَارِثِ الْاَنْصَارِىِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كُنْتُ اُصَلِّى الظُّهْرَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاٰخُذُ قُبْضَةً مِّنَ الْحَصَا لِتَبْرُدَ فِىْ كَفِّىْ اَضَعُهَا لِجَبْهَتِىْ اَسْجُدُ عَلَيْهَا لِشِدَّةِ الْحَرِّ۔

(ترجمہ) جابر بن عبداللہؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ظہر پڑھتا تھا پس میں کنکریوں کی ایک مٹھی لیتا تاکہ وہ میری ہتھیلی میں ٹھنڈی ہو جائیں اور میں انہیں گرمی کی شدت سے بچاؤ کیلئے اپنی پیشانی کی جگہ پہ سجدہ کرنے کے لئے رکھوں۔

(شرح) ابرادِ ظہر کے بعد بھی اتنی گرمی بالخصوص حجاز میں ـــــ باقی رہتی ہے کہ گرم ریت یا کنکریوں پر سجدے سے تکلیف محسوس ہو لہٰذا اس حدیث سے تعجیلِ ظہر پہ استدلال تام نہیں ہے۔ اسی طرح اگر گرم کنکریوں پر فاضل کپڑا بھی بچھا لیں تب بھی گرمی کا اثر ضرور محسوس ہوگا۔ امام خطابی نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نمازی کے جسم پر جو کپڑا ہے اس کو سجدہ کے لئے بچھا لیں تو جائز نہیں۔ اور اسی طرح یہ بھی نکلتا ہے کہ سجدہ صرف پیشانی پہ یا پیشانی اور ناک دونوں پہ ہو سکتا ہے، ناک پر اکتفاء جائز نہیں۔ مگر اس حدیث سے یہ مسائل اگر نکالے جائیں تو تکلف ہی سے نکالے جائیں گے نہ کہ صراحت اور وضاحت سے۔ حدیث کا کوئی لفظ صراحۃً تو ان پر دلالت نہیں کرتا۔

۴۰۰۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عُبَيْدَةُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنْ اَبِىْ مَالِكٍ الْاَشْجَعِىِّ

سَعْدِ بْنِ طَارِقٍ عَنْ كَثِيْرِ بْنِ مُدْرِكٍ عَنِ الْاَسْوَدِ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ رضی قَالَ كَانَتْ قَدْرُ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّيْفِ ثَلَاثَةَ اَقْدَامٍ اِلٰى خَمْسَةِ اَقْدَامٍ وَفِي الشِّتَاءِ خَمْسَةُ اَقْدَامٍ اِلٰى سَبْعَةِ اَقْدَامٍ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی مقدار موسم گرما میں تین قدم سے پانچ قدم تک اور موسم سرما میں پانچ قدم سے سات قدم تک ہوتی تھی۔

(شرح) اس نماز سے مراد ظہر ہے جیسا کہ نسائی کی روایت میں صراحت آگئی ہے۔ اقدام سے مراد یہاں پر ہر آدمی کے اپنے سائے کی مقدار ہے جو موسموں کے تغیر سے اور علاقوں کے اختلاف سے بدلتی رہتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ سائے کی لمبائی یا چھوٹائی کا انحصار اس بات پر ہے کہ آسمان پر سورج کی بلندی یا پستی کتنی ہے۔ خط استواء پر سائے چھوٹے ہوں گے اور جب سورج سردیوں میں خطِ استواء سے منحرف ہوگا تو سائے طویل ہو جائیں گے۔ جیسا کہ خطابی نے تصریح کی ہے کہ حضورؐ کی نماز علاقۂ حجاز میں تھی جو علمِ ہیئت و جغرافیہ کے مطابق دوسری اقلیم کا علاقہ ہے۔ اس علاقہ میں آذار کے مہینے کی ابتداء میں سایہ تین قدم سے کچھ اوپر ہوتا ہے، اور جب گرمی شدید ہو جاتی ہے تو ابراد کے باعث سایہ پانچ قدم ہو جاتا ہوگا۔ موسم سرما وہاں پر تشرین الاول کے مہینے میں شروع ہوتا ہے، پس سایہ پانچ قدم یا اس سے کچھ زائد ہوتا ہوگا اور کانون کے مہینے میں چھ سات قدم اور کچھ اوپر ہو جاتا ہوگا۔ پس عبداللہ بن مسعود کے قول کا تعلق اس علاقے سے ہے نہ کہ دوسرے علاقوں اور شہروں سے۔ کچھ اسی قسم کا کلام علامہ سندھیؒ کا بھی ہے جو سنن نسائی کے حاشیے پر کیا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۴۰۱۔ حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيْدِ الطَّيَالِسِيُّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ اَخْبَرَنِي اَبُو الْحَسَنِ، قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ: اَبُو الْحَسَنِ هُوَ مُهَاجِرٌ، قَالَ سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا ذَرٍّ رضی يَقُوْلُ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَرَادَ الْمُؤَذِّنُ اَنْ يُّؤَذِّنَ الظُّهْرَ فَقَالَ اَبْرِدْ ثُمَّ اَرَادَ اَنْ يُّؤَذِّنَ فَقَالَ اَبْرِدْ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا حَتّٰى رَاَيْنَا فَيْءَ التُّلُوْلِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ۔

(ترجمہ) ابوذرؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے پس مؤذن نے ظہر کی اذان دینا چاہی تو آپؐ نے فرمایا: ابراد کر۔ پھر اس نے اذان دینا چاہی تو حضورؐ نے فرمایا: ابراد کر۔ دو یا تین دفعہ یہی ہوا حتیٰ کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کی لپٹ سے ہے، پس جب گرمی سخت ہو تو نماز کو ٹھنڈا کرو۔

(شرح) حافظ ابن حجرؒ نے یہاں پر ایک سوال پیدا کیا ہے کہ ابراد تو نماز کی خاطر تھا پھر حضورؐ نے مؤذن کو اذان مؤخر کرنے کا حکم کیوں دیا؟ یعنی اذان وقت پر ہو جاتی تو بھی نماز ابراد کی خاطر مؤخر ہو سکتی تھی۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ یہیں سے ایک مشہور اختلافی مسئلہ پیدا ہوا کہ اذان آیا وقتِ نماز کی خاطر ہے یا خود فعلِ نماز کے لئے؟ شارح کرمانیؒ نے اس کا جواب

یوں دیا کہ عادت یوں ہی چلی آتی ہے کہ لوگ اذان سُن کر چلے آتے ہیں یا آنا شروع ہو جاتے ہیں ۔ بالخصوص صحابہؓ تو اس امر کا بہت ہی التزام رکھتے تھے ۔ اسی لئے حضورؐ نے جو اذان کو ٹھنڈا کرنے کا حکم دیا دراصل یہ عبادت کو کچھ مؤخر کرنے کا حکم تھا۔ مولانا نے فرمایا کہ اس امر میں اختلاف ہوا کہ اِبراد کی آخری حد کیا ہے ؟ کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ۔ باب الاذان میں ابوداؤد کی روایت آتی ہے جس میں اس حدیث کے یہ الفاظ مذکور ہیں کہ : حضورؐ مؤذن کو تاخیر کا حکم دیتے رہے حتیٰ کہ ٹیلوں کے سائے ان کے برابر ہو گئے ۔ پس اس سے پتہ چلا کہ ابراد کی آخری حد یہ ہے کہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے (اور یہاں پر اصلی سایہ ـــــ یعنی نصف النہار والا سایہ جو دراصل تو کالعدم ہونا چاہیئے تھا ، بھی شامل ہے) پس اس وقت میں جب نمازِ ظہر ادا ہوئی تو گویا آخری وقت میں ادا ہوئی کیونکہ اصلی سایہ نکال کر جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو چکے تو ظہر کا وقت بروئے احادیثِ کثیرہ ختم ہو جاتا ہے ۔ اور مساوات سے مراد اگر سائے کا واضح ظہور لے لیں اور لفظی بحث میں نہ پڑیں تو معاملہ آسان ہو جاتا ہے ۔

" گرمی جہنم کی لپٹ سے ہے" ۔ فیح کا معنیٰ بقول سید انور شاہ مرحوم دوسری صحیح حدیث کی رُو سے جہنم کی پھونک ہے۔ اسی کو ہم اس کی لپٹ بھی کہہ سکتے ہیں ۔ مولانا ؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد جہنم کی حرارت کا انتشار و وسعت ہے ۔ اور یہ فقرہ یا تو بطورِ کنایہ استعمال ہوا ہے جیسا کہ شدید گرمی کو دوزخ کی گرمی بطور محاورہ کہتے ہیں ۔ مطلب یہ کہ گرمی کی شدت یوں ہے جیسی کہ جہنم کی گرمی کا پھیلاؤ ہو گیا ہے ۔ اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس جملے کو حقیقت پر ہی محمول کریں ۔ یعنی واقعی اس دنیا کی گرمی کی شدت کو جہنم کی گرمی سے کوئی باطنی اور خفیہ تعلق ہے ۔ اور وہ حدیث جس میں جہنم کی شکایت اور اللہ تعالیٰ کا اُسے دو سانس نکالنے کی اجازت دینا مذکور ہے وہ اس کی تائید کرتی ہے کہ یہ جملہ حقیقت پر مبنی ہے ، محض محاورہ اور کنایہ نہیں ۔ ابراد کے حکم میں حکمت یہ ہے کہ گرمی کی شدت نمازی کا خشوع و خضوع چھین لیتی ہے لہٰذا دفعِ مشقت کی خاطر حکم دیا گیا کہ نماز کو مؤخر کر دو ۔ ایک حکمت اس میں یہ ہو سکتی ہے کہ گرمی کی شدت ایک ایسی حالت کا نام ہے جس میں اللہ کا عذاب پھیلتا ہے ۔ مسلم کی حدیث اس کی تائید کرتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ : استوائے آفتاب کے وقت نماز سے باز رہو کیونکہ یہ ایک ایسی گھڑی ہے جس میں جہنم بھڑکائی جاتی ہے ۔ لیکن اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ نماز تو باعث فضل و رحمت ہے لہٰذا عذاب کو دور کرنے کے لئے اس کا حکم ملنا چاہیئے تھا چہ جائیکہ اُلٹا اس سے روک دیا گیا ۔ ابوالفتح نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ کسی چیز کی علت جب شارع بیان کرے تو اس کا قبول کرنا واجب ہے چاہے اس کا معنیٰ سمجھ میں آئے یا نہ آئے ۔ زین ابن المنیرؒ نے کہا کہ جب غضب الٰہی کے ظہور کا وقت ہو تو اس کے اذن کے بغیر دعا ، کام نہیں دیتی اور نماز میں چونکہ دعا بھی ہوتی ہے لہٰذا اس وقت میں اس سے روک دیا گیا ۔ میدانِ حشر میں تمام انبیاء و رسل کے انکار اور معذرت کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شفاعت کے لئے حامی بھر لینا اسی وجہ سے ہو گا کہ آپؐ کو اس کا علم اور اذن حاصل ہو چکا ہو گا ۔ اس حدیث میں امام ابو حنیفہؒ کے اس قول کی دلیل و توثیق موجود ہے کہ ایک مثل کے بعد بھی نمازِ ظہر کا وقت باقی رہتا ہے ۔ اور بعض شوافع کا یہ کہنا کہ اس موقع پر حضورؐ نے جو تاخیر فرمائی وہ ظہر و عصر کو جمع کرنے کے لئے تھی ، اس کی کوئی دلیل نہیں ہے ۔ جمع بین الصلاتین سفر کے ساتھ مخصوص ہے مگر ابراد و تاخیر حضر میں بھی ہوتی ہے ۔

۴۰۲ - حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ مَوْهَبٍ الْهَمْدَانِيُّ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ الثَّقَفِيُّ أَنَّ اللَّيْثَ حَدَّثَهُمْ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رض

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا عَنِ الصَّلٰوةِ قَالَ ابْنُ مَوْهَبٍ بِالصَّلٰوةِ، فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ۔

(ترجمہ) ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب گرمی سخت ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈا کرکے پڑھو (قتیبہ نے عن الصلوٰۃ اور ابن موہب نے بالصلوٰۃ کہا) کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی لپٹ سے ہے۔

۳۰۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ ابْنِ سَمُرَةَ أَنَّ بِلَالًا كَانَ يُؤَذِّنُ الظُّهْرَ إِذَا دَحَضَتِ الشَّمْسُ۔

(ترجمہ) جابر بن سمرہ رضؓ سے روایت ہے کہ بلال ظہر کی اذان تب دیتا تھا جب کہ سورج ڈھل جاتا۔

۵۔ بَابٌ فِي وَقْتِ صَلٰوةِ الْعَصْرِ

نمازِ عصر کا باب

۴۰۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسٍ رضؓ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ بَيْضَاءُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ وَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ إِلَى الْعَوَالِي وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ۔

(ترجمہ) انس بن مالک رضؓ نے ابن شہاب زہری کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز جب پڑھتے تو سورج چمکدار، بلند اور روشن ہوتا تھا اور کوئی جانے والا بیرونی آبادیوں میں جاتا تو سورج تب بھی بلند ہوتا تھا۔

(شرح) اس مضمون پر گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ عوالی عالیہ کی جمع ہے۔ یہ مدینہ منورہ کی وہ بیرونی آبادیاں تھیں جو نجد کی جانب تھیں۔ اور جو آبادیاں تہامہ کی جانب تھیں وہ سافلہ کہلاتی تھیں۔

۵۰۴۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ وَالْعَوَالِي عَلَى مِيلَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ، قَالَ وَأَحْسِبُهُ قَالَ أَوْ أَرْبَعَةٍ۔

(ترجمہ) یہ حدیث موقوف ہے جو زہری کا قول ہے۔ زہری نے کہا کہ عوالی اصل آبادی سے دو یا تین میل پر ہیں اور معمر کہتا ہے کہ میرے خیال میں زہری نے "یا چار میل" کا لفظ بھی بولا تھا۔

(شرح) مولانا فرماتے ہیں کہ میل فرسخ کا (فرسنگ کا) کا تیسرا حصہ ہے، اور اس کی مقدار محمد بن فرج شاشی کے گز کے حساب سے چار ہزار گز ہے۔ گز کا طول لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے حرفوں کی تعداد کے برابر چوبیس انگلیاں ہیں۔

انگلی کی چوڑائی جو کے چھ دانوں کے برابر ہے جن کو نیچے اوپر ملایا جائے۔ اور جو کے دانے کا وزن رائی کے ستر دانوں کے برابر ہے ابوشجاع نے میل کی تفسیر ساڑھے تین ہزار گز سے لیکر چار ہزار گز تک کا طول بتایا ہے۔ ینابیع نامی کتاب میں ہے کہ میل فرسنگ کا ⅓ ہے۔ مقدار اس کی چار ہزار قدم ہے جن میں سے ہر قدم ڈیڑھ گز (ہاتھ کا) ہو، یعنی عام لوگوں کے بازو کی مقدار کے برابر اور وہ ۲۴ انگلیوں کا طول ہے (عینی) مدینہ سے عوالی کا فاصلہ مختلف روایات میں مختلف آیا ہے یعنی دو میل سے لیکر آٹھ میل تک۔ پس بیرونی آبادیوں میں سے قریب ترین ۲ میل پر اور بعید ترین آٹھ میل پر ہے۔

۴۰۶۔ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ خَيْثَمَةَ قَالَ حَيَاتُهَا أَنْ تَجِدَ حَرَّهَا۔

(ترجمہ) خیثمہ (جن کا باپ عبدالرحمٰنؓ اور دادا ابوسبرہؓ صحابی تھے) کا قول ہے کہ سورج کی حیات سے مراد اس کی حرارت ہے۔ یعنی اگر تم اس کی گرمی محسوس کرو تو وہ گویا زندہ ہے ورنہ مردہ۔ (یہ والشمس حیۃ کی شرح ہے)

۴۰۷۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ عُرْوَةُ وَلَقَدْ حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ۔

(ترجمہ) عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر پڑھتے تھے جبکہ دھوپ ابھی اوپر چڑھنے سے قبل ان کے حجرے میں ہوتی تھی (امام طحاویؒ کا قول ہے کہ اس سے نماز عصر کی تعجیل پر استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ ازواج مطہرات کے حجرے پست تھے، دیواریں چھوٹی تھیں اور سورج کے ڈوبنے سے کچھ دیر قبل تک دھوپ ان میں رہتی تھی)

۴۰۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي الْوَزِيرِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ الْيَمَامِيُّ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ قَالَ قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ فَكَانَ يُؤَخِّرُ الْعَصْرَ مَا دَامَتِ الشَّمْسُ بَيْضَاءَ نَقِيَّةً۔

(ترجمہ) علی بن شیبان نے فرمایا کہ ہم مدینہ میں رسول اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ عصر کو مؤخر کرتے تھے جب تک کہ سورج چمکدار اور صاف رہتا۔

(شرح) اس حدیث کی سند میں محمد بن یزید یمانی بقول ذہبی غیر معروف مجہول ہے۔ اسی طرح یزید بن عبدالرحمٰن ابن علی بن شیبان یمانی بھی مجہول ہے۔ علامہ عینی نے قرطبی کا قول نقل کیا ہے کہ سب لوگوں نے حتیٰ کہ امام

ابو حنیفہؒ کے ساتھیوں نے بھی تاخیرِ عصر کے بارے میں ان کی مخالفت کی ہے۔ عینی نے کہا کہ جب ابو حنیفہؒ کا استدلال حدیث سے ہے تو لوگوں کی مخالفت سے کیا نقصان؟ ابو حنیفہؒ کی تائید علی بن شیبان کی اس حدیث سے ہوتی ہے اور یہ دلالت کرتی ہے کہ حضورؐ نمازِ عصر دو مثل پر پڑھتے تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں جابرؓ کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ہمیں دو مثل پر نمازِ عصر پڑھائی تھی۔ اس روایت کی سند پر کوئی اعتراض نہیں۔ بیہقی کی روایت جو رافع بن خدیج سے ہے اس میں بھی یہ مضمون موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں عصر کی تاخیر کا حکم دیتے تھے۔ اس روایت کے راوی عبدالواحد ابن نافع پر اعتراض ہوا ہے مگر وہ بقولِ ابن حبان ثقہ ہے اور تبع تابعین میں سے ہے اس کا استاد عبداللہ بن رافع ثقہ تابعی ہے (ابن حبان)۔ ابو عبداللہ حاکم نے ایک روایت بیان کی جسے اس نے صحیح علی شرط البخاری کہا ہے کہ مؤذن دو بار حضرت علیؓ کے پاس جامع کوفہ میں نماز کی اطلاع کے لئے آیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا: "یہ کتا ہمیں سنت سکھانے کی کوشش کرتا ہے"۔ پھر آپ نے نمازِ عصر ایسے وقت میں پڑھائی کہ اس کے بعد لوگ گھٹنوں کے بل گر کر سورج کو غروب ہوتا دیکھنے لگے۔ امام ترمذیؒ نے ام سلمہؓ ام المؤمنین سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کی نسبت ظہر کو بہت جلدی پڑھتے تھے اور تمہاری نسبت عصر کو بہت دیر سے پڑھتے تھے۔ اس حدیث کے راوی صحیح کے راوی ہیں اور ترمذیؒ اس کو بیان کر کے خاموش رہے ہیں، یعنی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اسی طرح مصنف عبدالرزاق میں ابراہیم نخعیؒ کا قول ہے کہ: تم سے پہلے لوگ یعنی صحابہ اور تابعین ظہر کو جلدی اور عصر کو دیر سے پڑھتے تھے۔ اسی طرح کا قول ثوریؒ نے اعمش سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے اصحاب ظہر کو جلدی اور عصر کو دیر سے پڑھتے تھے اور یہی روایت ابن مسعودؓ، حسن بصریؒ، ابن سیرینؒ اور ابو قلابہؒ کے بارے میں بھی ہوئی ہے کہ یہ سب لوگ عصر کو تاخیر سے ادا کرتے تھے۔

۴۰۹۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنُ أَبِي زَائِدَةَ وَيَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانٍ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ عُبَيْدَةَ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَبَسُونَا عَنْ صَلٰوةِ الْوُسْطٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ مَلَأَ اللهُ بُيُوتَهُمْ وَقُبُورَهُمْ نَارًا۔

(ترجمہ) علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق میں فرمایا کہ انہوں نے ہمیں درمیانی نماز یعنی عصر کی نماز پڑھنے سے روکا ہے اللہ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھرے۔

(شرح) جنگ خندق ہجرت کے پانچویں سال ہوئی تھی۔ قریش مکہ اپنے حلفاء اور احابیش اور بہت سے عرب قبائل کو لیکر مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ حضورؐ نے خندق کھود کر دفاع کیا۔ ۲۴ دن تک حالت بہت شدید رہی اور مشرک خندق پار کر کے اندر نہ آسکے مگر شدید تیر اندازی کی اور ناکے توڑنے کی کوشش کی۔ بنو قریظہ کی عہد شکنی نے احوال کو نہایت سنگین بنا دیا تھا۔ یہی سبب ہے کہ خندق کا محاصرہ اٹھنے کے بعد حضورؐ نے اس ناسور کی طرف توجہ فرمائی اور خود یہود کے مقرر کردہ ثالث سعد بن معاذؓ کے فیصلے پر چھ سو اور نوسو کے اندر یہودی تلوار کے گھاٹ اتارے گئے۔ اس موقع پر حضورؐ کی چار نمازیں فوت ہوئیں کیونکہ جنگ بالفعل شروع تھی، شدید تیر اندازی ہو رہی تھی۔ بعد میں ان نمازوں کو اذان و اقامت

سمیت باجماعت قضاء کیا گیا۔ اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہو گیا کہ عصر ہی کی نماز الوسطیٰ ہے جمہور علماء کا بھی مذہب ہے۔ حافظ دمیاطی نے کشف المغطا میں صلوٰۃ وسطیٰ کے متعلق انیس قول نقل کئے ہیں۔ ۱۔ وہ فجر ہے۔ ۲۔ وہ ظہر ہے۔ ۳۔ وہ عصر ہے۔ ۴۔ وہ مغرب ہے جس کے ایک طرف دو سری نمازیں اور دوسری طرف دو جہری نمازیں ہیں۔ ۵۔ سب نمازیں وسطیٰ ہیں۔ ۶۔ وہ نماز جمعہ ہے۔ ۷۔ اور دنوں میں ظہر اور جمعہ کے دن نماز جمعہ ہے۔ ۸۔ وہ عشاء ہے کیونکہ اس کے ارد گرد کی دونوں نمازوں میں قصر نہیں ہوتی۔ ۹۔ وہ صبح اور عشاء ہیں۔ ۱۰۔ صبح اور عصر ہیں۔ ۱۱۔ باجماعت نماز۔ ۱۲۔ نماز وتر۔ ۱۳۔ صلوٰۃ الخوف۔ ۱۴۔ نماز عید الاضحیٰ۔ ۱۵۔ نماز عید الفطر۔ ۱۶۔ نماز چاشت۔ ۱۷۔ پانچوں میں کوئی ایک غیر معین نماز ہے ۱۸۔ صبح اور عصر باری باری ہیں۔ ۱۹۔ اس مسئلہ میں توقف کیا جائے۔ اور بعض کے نزدیک ایک بیسواں قول بھی ہے کہ وہ نماز تہجد کی نماز ہے۔

اس موقع پر صلوٰۃ الخوف اس لئے نہ پڑھی گئی کہ وہ ابھی مشروع نہ ہوئی تھی۔ بقول صاحب السراج الوہاج چونکہ جنگ بالفعل جاری تھی لہٰذا صلوٰۃ الخوف کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ علامہ علیؒ القاری نے فرمایا ہے کہ نمازیں فوت ہونے کا واقعہ دو دن پیش آیا تھا۔ ایک دن تو صرف نماز عصر فوت ہوئی تھی اور ایک بار مسلسل چار نمازیں یعنی ظہر سے عشاء تک۔ آپؐ کی بد دعا اس لئے تھی کہ مشرکوں نے عبادت الٰہی میں رکاوٹ پیدا کی تھی ورنہ حضورؐ کسی ذاتی تکلیف کی بناء پر کسی کے لئے بد دعا نہیں فرماتے تھے، بلکہ بد دعا کے موقع پر بھی نیک دعا ہی فرماتے۔

۴۱۰۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِي يُونُسَ مَوْلَى عَائِشَةَ رض أَنَّهُ قَالَ أَمَرَتْنِي عَائِشَةُ رض أَنْ أَكْتُبَ لَهَا مُصْحَفًا وَقَالَتْ إِذَا بَلَغْتَ هَذِهِ الْآيَةَ فَآذِنِّي: حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَوٰةِ الْوُسْطَى فَلَمَّا بَلَغْتُهَا آذَنْتُهَا فَأَمْلَتْ عَلَيَّ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَوٰةِ الْوُسْطَى وَصَلَوٰةِ الْعَصْرِ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ. ثُمَّ قَالَتْ عَائِشَةُ رض سَمِعْتُهَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(ترجمہ) حضرت عائشہؓ کے آزاد کردہ غلام ابو یونس نے کہا کہ مجھ کو عائشہؓ نے حکم دیا کہ میں ان کے لئے ایک مصحف لکھوں اور فرمایا کہ جب تو اس آیت پر پہنچے تو مجھے بتانا "سب نمازوں کی حفاظت کرو اور درمیانی نماز کی بھی"۔ پس جب میں اس آیت پر پہنچا تو انہیں اطلاع دی، پس انہوں نے مجھے یہ آیت املا کرائی "سب نمازوں کی حفاظت کرو" اور درمیانی نماز کی نماز عصر کی اور اللہ کے حضور عاجزی سے کھڑے رہو"۔ پھر عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا تھا۔

(شرح) اس روایت کے ظاہر الفاظ تو یہ بتلاتے ہیں کہ اگر: وَصَلَوٰةِ الْعَصْرِ کا لفظ وَ الصَّلَوٰةِ الْوُسْطَى کی تفسیر نہیں ہے تو پھر صلوٰۃ عصر اور الصلوٰۃ الوسطیٰ دو الگ الگ نمازیں ہیں۔ لیکن احادیث کو متفق کرنے کے لئے وَصَلَوٰةِ الْعَصْرِ کے لفظ کو تفسیر ہی بنانا اولیٰ ہے۔ یہ قرأت شاذ ہے کیونکہ قرآن مجید کا متواتر روایت سے ثابت ہوتا

ضروری ہے۔ اور یہ لفظ تواتر سے ثابت نہیں ہوا۔ پھر اگر یہ تفسیر نہیں ہے تو ماننا پڑے گا کہ پہلے یہ لفظ قرآن کا حصہ تھا مگر پھر اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی۔

۴۱۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ أَبِي حَكِيمٍ قَالَ سَمِعْتُ الزِّبْرِقَانَ يُحَدِّثُ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَلَمْ يَكُنْ يُصَلِّي صَلَاةً أَشَدَّ عَلَى أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا فَنَزَلَتْ: حٰفِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقَالَ إِنَّ قَبْلَهَا صَلَاتَيْنِ وَبَعْدَهَا صَلَاتَيْنِ۔

(ترجمہ) زید بن ثابت رضؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز بعد از زوال گرمی کے وقت میں پڑھتے تھے اور کوئی ایسی نماز نہ پڑھتے جو اس سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر شاق ہوتی، پس یہ آیت اتری: سب نمازوں کی نگرانی کرو اور بالخصوص درمیانی نماز کی، اور زید رضؓ نے کہا کہ اس سے پہلے دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد بھی دو نمازیں ہیں۔

(شرح) صحابہ پر اس نماز کی شدت کا عالم یہ تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید گرمی کی شکایت کی اور اس نماز میں وہ اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے۔ درمیانی سے مراد افضل و اشرف بھی ہے اور بالفعل دو دو کے درمیان بھی۔ یہی حدیث میں جو ظہر کے متعلق وسطیٰ کہا گیا ہے یہ زید بن ثابت کا قول ہے گو بعض کے نزدیک یہ زید رضؓ نے حضورؐ کے قول کی حکایت کی ہے۔ مگر ظاہر یہی ہے کہ یہ زید رضؓ بن ثابت کا اجتہاد ہے، پس اس کا معارضہ صریح مرفوع احادیث سے نہیں ہو سکتا۔

۴۱۲۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ حَدَّثَنِي ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضؓ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ وَمَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْفَجْرِ رَكْعَةً قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ۔

(ترجمہ) ابوہریرہ رضؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی تو اس نے نماز پالی اور جس نے طلوعِ آفتاب سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالی تو اس نے وہ نماز پالی۔

(شرح) مولانا سہارنپوری نے فرمایا کہ اس حدیث کا ظاہری سیاق یہ تقاضا کرتا ہے کہ جس نے غروبِ آفتاب سے قبل عصر کی ایک رکعت پڑھ لی اور طلوعِ آفتاب سے قبل فجر کی ایک رکعت پڑھ لی تو اس نے ان نمازوں کو پالیا، پس اب اس پر ان نمازوں کو پورا کرنا واجب نہیں ہے، اس کی نماز ہو گئی۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے بخاری نے ابوہریرہ رضؓ کی روایت سے درج کیا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے سورج چڑھنے سے پہلے صبح کی ایک رکعت پالی تو اس نے صبح کو پالیا اور جس نے غروبِ آفتاب سے قبل عصر کی ایک رکعت پالی تو اس نے عصر کو پالیا۔ پس حدیث کے ظاہر سے یہ معنی نکلتا ہے

اہل علم میں سے کسی نے بھی مُراد نہیں لیا کیونکہ یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ بخاری نے ابوسلمہ ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے طریق سے جو روایت بیان کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی نے سورج کے غروب ہونے سے پہلے نمازِ عصر میں سے ایک سجدہ پالیا تو وہ اپنی نماز پوری کرے اور جب کسی نے سورج کے طلوع ہونے سے قبل نمازِ صبح میں سے ایک سجدہ پالیا تو وہ اپنی نماز پوری کرے"۔ اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ نماز کے ایک جزو کا پانے والا پوری نماز کا پانے والا نہیں ہے کہ اب اس پر نماز کا اتمام ہی واجب نہ رہے، اسی بناء پر اس حدیث میں ایک لفظ مقدر ماننا لازم ہوگا، یعنی فقد ادرک کے بعد اس کا معمول ومفعول، یعنی "جس نے نماز کی ایک رکعت پالی (یعنی وقت کے اندر) تو اس نے وقت کو پالیا" یا وجوب کا لفظ مقدر ماننا ہوگا، یعنی "پس اس نے نماز کے وجوب کو پالیا۔ پس اس بناء پر حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ: جس نے ایک رکعت کی مقدار کا وقت پالیا کہ وہ نابالغ تھا اور ان نمازوں کے بالکل آخری وقت میں بالغ ہوگیا یا کافر تھا اور اسلام لے آیا، یا حائضہ عورت پاک ہوگئی، تو ان لوگوں نے نماز کا وجوب پالیا کہ وہ نماز کا اتنا وقت باقی رہتے ہوئے بالغ یا مسلم یا پاک ہوگئے اور ان پر اسلام کا یہ فریضہ عائد ہوگیا۔ اور یہ بات تو از خود واضح ہوگئی ہے کہ اب وہ اس نماز کو بطورِ قضاء پڑھیں گے۔

یا اس حدیث کا یہ معنیٰ لیا جائیگا کہ "جس شخص نے امام کے ساتھ ایک رکعت پائی تو اسے جماعت کی فضیلت حاصل ہوگئی اور وہ امام کا مقتدی مسلّم ہوگیا۔ علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ علماء کا اس میں اختلاف ہوا ہے کہ حدیث میں جو فقد ادرک فرمایا ہے اس سے کس چیز کا ادراک سمجھا جائیگا؟ آیا حکم کا ادراک یا فضیلت کا یا وقت کا؟ جبکہ بحث ایک رکعت سے کم میں ہو پس امام مالکؒ اور جمہور ائمہ نے اور ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ نے کہا کہ ایک رکعت سے کم میں ان تینوں میں سے کسی چیز کا بھی ادراک نہیں ہوگا کیونکہ ان حضرات کا استدلال رکعۃ کے لفظ سے ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ، ابویوسفؒ اور ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ نے کہا کہ وہ شخص حکم صلوٰۃ کو پالے گا، یعنی اسے یہ نماز پڑھنا ہوگی (بطورِ قضاء) اگر کوئی کہے کہ حدیث میں چونکہ رکعۃً کا لفظ ہے اس لئے ایک رکعت سے کم پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ رکعت کا لفظ اس لئے ہے کہ بالعموم ایک رکعت کا پالینے والا ہی ادراک کی معرفت پاتا ہے اور یہ معرفت غالب طور پر ایک رکعت سے ہی ہوتی ہے۔ اسی لئے تو بعض شوافع نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکعت کے ذکر سے نماز کا بعض حصہ مراد لیا ہے کیونکہ روایات میں: "عصر کی ایک رکعت پانیوالا، نماز کی دو رکعتیں پانے والا اور نماز کا ایک سجدہ پانے والا" بھی وارد ہے۔ اور تکبیر بھی رکعت کے حکم میں ہے کیونکہ وہ بھی نماز کا بعض حصہ ہے۔ سو جس نے تکبیر کو پالیا اس نے رکعت کو پالیا۔

امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ عصر کے وقت کا آخر غروبِ آفتاب ہے کیونکہ جس نے اس وقت میں ایک یا دو رکعتیں پالیں تو اس نے عصر کو پالیا، پس یہ وقت نمازِ عصر کے وقت میں سے ہے، کیونکہ فقد ادرک کا معنیٰ یہ ہے کہ اس شخص نے اس کا وجوب پالیا یعنی وہ نماز اس پر واجب ہوگئی، پس اگر کوئی شخص غروبِ آفتاب سے قبل بالغ ہوا یا اس وقت میں کافر اسلام لے آیا یا مجنون تندرست ہوگیا یا حائضہ عورت پاک ہوگئی تو اس پر یہ نماز واجب ہوگئی، اگرچہ انہوں نے وقت کا اتنا ہی حصہ پایا ہے کہ جس میں نماز کی ادائیگی نہیں ہوسکتی اور طلوعِ آفتاب سے قبل کا بھی یہی حکم ہے۔ اور امام زفرؒ نے کہا کہ جب تک یہ لوگ اتنا وقت نہ پائیں کہ جس میں ادائے صلوٰۃ ممکن ہو ان پر نماز واجب نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کے اس میں دو قول ہیں، یعنی جس صورت میں کہ ایک رکعت سے کم کا ادراک ہو مثلاً ایک تکبیر کا وقت،

تو ان کے ایک قول میں یہ نماز اس کے لئے واجب ہے اور دوسرے میں واجب نہیں ہے۔
اس حدیث میں اس مسئلے کی تو صریح دلیل موجود ہے کہ جس شخص نے غروب آفتاب سے پہلے ایک رکعت عصر کی پڑھ لی اور پھر سلام سے قبل ہی وقت جاتا رہا تو اس کی نماز باطل نہیں ہوئی بلکہ وہ اسے پورا کرے۔ یہ مسئلہ تو اجماعی ہے۔ اور نمازِ صبح میں بھی امام شافعیؒ، مالکؒ اور احمدؒ کے نزدیک یہی حکم ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک طلوعِ آفتاب سے نمازِ فجر باطل ہو جاتی ہے۔ لوگوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث ابوحنیفہؒ کے خلاف دلیل ہے۔ علامہ عینی نے کہا کہ جس شخص کو ابوحنیفہؒ کے قول کی بنیاد معلوم ہو وہ کبھی یہ نہ کہے گا کہ یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔ اور اسے یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ اس حدیث کے سوا اور کئی حدیثیں اعتراض کرنیوالوں کے خلاف ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے قول کی تقریر یہ ہے کہ نماز کا سبب اور اس کا ظرف وقت ہوتا ہے، مگر یہ ممکن نہیں کہ سارا وقت ہی سبب ہو۔ کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وقت سے نماز کی ادائیگی کی تاخیر ہو جائے۔ پس یہ بات متعین ہے کہ وقت کا بعض حصہ ہی سبب وجوب ہے اور وہ وقت کا جزوِ اوّل ہے کیونکہ اس کے خلاف ثابت نہیں۔ پس جب کوئی اس وقت میں ادا نہ کرے تو سببیت اس کے بعد والے اجزاء کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ اجزائے وقت میں سے آخری جزء تک جا پہنچتی ہے۔ پھر یہ جزو اگر اس لحاظ سے صحیح ہو کہ اسے مثلاً شیطان کی طرف منسوب نہیں کیا گیا (مثلاً فجر کا آخری وقت جزء کامل ہے) تو اس شخص پر نماز کامل فرض ہوئی تھی لہٰذا ادا بھی کامل ہونی چاہیئے، پس اگر نماز کی ادائیگی کے دوران میں ہی سورج طلوع ہو گیا تو نماز فاسد ہو گئی کیونکہ جو فریضہ کامل واجب ہوا ہو وہ ناقص طور پر ادا نہیں ہو سکتا۔ اس کی مثال مطلق نذر کا روزہ اور قضاء کا روزہ ہے جیسے ایام نحر اور ایام تشریق میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر وہ جزء جس میں نماز واجب ہوئی تھی وہ ناقص تھا (اس طرح کہ وہ شیطان سے منسوب تھا) مثلاً سورج کے سرخ ہو جانے کے وقت میں نمازِ عصر کی ادائیگی، یہ وقت ناقص تھا لہٰذا اس میں وجوب بھی ناقص تھا کیونکہ سبب کا ناقص ہونا مسبب کے ناقص ہونے میں مؤثر ہے، پس اس کی ادائیگی نقصان کی صفت کے ساتھ ہو سکتی ہے کیونکہ جب وہ اس طرح ادا ہوگا تو جیسے واجب ہوا ویسا ہی ادا ہوا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی یوم نحر کے روزے کی نذر مانے اور اس دن روزہ رکھ لے۔ پس جب اثنائے نماز میں سورج غروب ہوگا تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ غروب کے بعد کا وقت کامل ہے، تو جو فریضہ ناقص واجب ہوا اور جب اسے کامل ادا کیا جائے تو بطریقِ ادا ہو جائے گا۔
اگر کوئی یہ کہے کہ نمازِ عصر کا اس صورت میں فاسد ہونا لازم آتا ہے کیونکہ قبل از غروبِ آفتاب وقت کامل میں شروع ہوگا اور اسے غروبِ آفتاب تک کھینچا جائیگا تو ناقص کی بناء کامل پر ہو گئی۔ میرا جواب یہ ہے کہ وقت جب طویل ہو تو آدمی کو سارا وقت فریضہ کی ادائیگی میں مشغول رکھنا جائز ہے اور کامل پر ناقص کی بناء کی وجہ سے جو فساد لازم آتا تھا اسے معاف کر دیا جائے گا کیونکہ نماز میں مصروفیت کی بناء پر اس حالت میں اس فساد سے بچنا دشوار ہوگا۔ پس بقول امام طحاویؒ حدیثِ مذکور کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ادراک سے مراد نابالغ کا بالغ ہونا، کافر کا اسلام لانا، غیر طاہر عورت کا طاہر ہونا ہے، کہ جب اتنا سا قلیل وقت بھی ان لوگوں کو حالتِ بلوغ و اسلام و طہارت میں مل گیا تو ان پر نمازِ عصر و فجر فرض ہو گئی، اب یہ اسے بعد میں قضاء کرینگے۔ اگرچہ انہیں صرف قلیل سا وقت ہی ملا ہے جس میں یہ نماز کو ادا نہیں کر سکتے۔
اب رہی بخاری کی حدیث جو ابوسلمہ عن ابی ہریرۃؓ مروی ہے کہ: حضورؐ نے فرمایا جس نے نمازِ صبح کا ایک سجدہ طلوعِ آفتاب سے قبل پا لیا تو وہ نماز پوری کرے۔ اگر کہا جائے کہ یہ حدیث طلوعِ آفتاب کے بعد پہلی نماز پر بناء کرنے میں صریح ہے تو میں کہوں گا کہ

طلوع آفتاب کے وقت میں نماز کی ممانعت میں احادیث و آثار کثرت سے آئے ہیں اور اس کے خلاف جو کچھ ثابت ہوا ہے اس کی یہ حیثیت نہیں ہے پس یہ اس بات کی علامت ہے کہ پہلے کبھی اجازت ہوگی جو بعد میں منسوخ ہوگئی تھی اگر کوئی شخص کہے کہ یہاں پر تو تمہارے نزدیک نسخ کا صرف احتمال ہے اور احتمال سے نسخ ثابت نہیں ہوسکتا۔ میرا جواب یہ ہے کہ یہاں پر دو چیزوں میں تعارض پایا جاتا ہے ایک تو حرام کنندہ ہے اور دوسری مباح کنندہ۔ قاعدہ شرع یہ ہے کہ ان دونوں کے تعارض کے وقت محرم کو ترجیح ہوگی اور مبیح کو منسوخ سمجھا جائیگا۔ اشیاء میں چونکہ اباحت اصل ہے اور حرمت بعد میں کسی سبب سے آتی ہے لہٰذا تحریم کو مؤخر سمجھا جائیگا اور اسے ناسخ جانیں گے۔ اگر کوئی اس کیخلاف ماننا چاہے تو جائز نہیں کیونکہ اس سے تو دو مرتبہ نسخ لازم آتا ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ طلوع و غروب کے وقت صرف نوافل منع ہیں نہ کہ فرائض، تو اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری نے عمرانؓ بن حصین کی جو حدیث بیان کی ہے کہ لیلۃ التعریس کی صبح کو نماز فوت ہوگئی تو حضورؐ نے اسے سورج کے بلند ہونے تک مؤخر کیا اور اس سے پہلے نہیں پڑھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ فوت شدہ نماز بھی نہی کی زد میں آتی ہے اور یہ ممانعت فرائض و نوافل سب کو شامل ہے۔ اب یہ نماز جسے فقد ادرک فرمایا گیا ہے اگر اس کا مطلب وہ لیا جائے جو شوافع وغیرہم لیتے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ اداء ہے یا قضاء، صحیح یہ ہے کہ یہ ساری اداء ہے۔ بعض شوافع نے کہا کہ ساری قضاء ہے بعض نے کہا کہ پہلی رکعت اداء ہے اور باقی قضاء ہے اختلاف کا نتیجہ اس مسئلہ میں ظاہر ہوتا ہے کہ مثلاً ایک مسافر نے نماز عصر کی نیت کی اور ایک رکعت وقت میں ادا کرلی، اگر ساری نماز کو اداء کیا جائے تو اس پر قصر واجب ہے اور اگر ساری یا بعض کو قضاء کہیں تو قصر واجب نہیں بلکہ چار رکعت پڑھنی ہوں گی۔ یہ اس وقت ہے جبکہ یہ تسلیم کیا جائے کہ سفر کی قضاء ہونے والی نماز کو جب سفر میں ہی میں قضاء کریں تو اتمام واجب ہے۔ اور یہ سارے مسائل اس وقت پیدا ہوتے ہیں جبکہ ایک رکعت پاچکا ہو ورنہ جمہور کے نزدیک ساری نماز قضاء شمار ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۴۱۳۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ قَالَ دَخَلْنَا عَلٰی اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ بَعْدَ الظُّهْرِ فَقَامَ يُصَلِّي الْعَصْرَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ ذَكَرْنَا تَعْجِيلَ الصَّلٰوةِ، اَوْ ذَكَرَهَا، فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِيْنَ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِيْنَ، تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِيْنَ، يَجْلِسُ اَحَدُهُمْ حَتّٰى اِذَا اصْفَرَّتِ الشَّمْسُ فَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ اَوْ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اِلَّا قَلِيْلًا

(ترجمہ) علاء بن عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ ہم لوگ ظہر کی نماز کے بعد انسؓ بن مالک کے پاس گئے تو وہ اٹھ کر عصر کی نماز پڑھنے لگے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے نماز کی جلدی ادائیگی کا ذکر کیا، یا انسؓ نے خود ذکر کیا، فرمایا کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا ہے کہ یہ منافقوں کی نماز ہے، یہ منافقوں کی نماز ہے یہ منافقوں کی نماز ہے کہ ان میں سے کوئی بیٹھا رہتا ہے حتیٰ کہ جب سورج زرد ہوجاتا ہے اور ایک شیطان کے دو سینگوں کے درمیان، یا یوں کہا کہ شیطان

سینگوں پر آجاتا ہے تو اُٹھ کر چار ٹھونگے لگاتا ہے، اس نماز میں وہ اللہ صاحب عزت وجلال کو کم ہی یاد کرتا ہے۔

(شرح) انس بن مالکؓ بصرہ میں رہتے تھے۔ مسلم میں ہے کہ ان کا گھر مسجد کے پہلو میں تھا۔ اس زمانے میں امراء نماز کو مؤخر کر دیتے تھے اور صحاح کی حدیث میں حضورؐ کا واضح حکم ایسے وقت کے لئے موجود ہے کہ اپنی نماز گھر پر اکیلے پڑھو اور اگر امراء کے ساتھ پڑھنی پڑے تو اس دوسری کو نفل بنا لو۔ یہی باعث ہے کہ حضرت انسؓ نے غالباً ظہر کی باجماعت نماز دیر سے پڑھی تھی اور اب عصر کی نماز وقت پر ادا کرنا چاہتے تھے۔ سورج کے شیطان کے سینگوں میں آنے کا مطلب یا تو یہ ہے کہ واقعی اس کے سینگ ہیں اور طلوع و غروب کے وقت وہ سورج کی محاذات میں جا کھڑا ہوتا ہے تاکہ مشرکوں کی سورج پرستوں کی عبادت اس کے آگے واقع ہو، بعض نے کہا ہے کہ یہ مجازی محاوراتی کلام ہے اور اس کے سینگوں سے مراد اس کا تسلط و غلو ہے کہ اس کے چیلے چانٹے غیر اللہ کی پوجا میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ امام خطابیؒ نے اس لفظ کا ایک اور ہی مطلب بیان کیا ہے کہ جس طرح سینگوں والا جانور اپنے سینگوں سے حملہ آور ہوتا اور دفاع کرتا ہے اسی طرح شیطان ان پر حملہ آور ہوتا اور وقت پر نماز پڑھنے سے باز رکھتا ہے۔

۴۱۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الَّذِیْ تَفُوْتُهٗ صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلَهٗ وَمَالَهٗ۔ قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ وَقَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ اُتِرَ۔ وَاخْتُلِفَ عَلٰى اَيُّوْبَ فِيْهِ وَقَالَ الزُّهْرِیُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وُتِرَ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی نماز عصر فوت ہو گئی تو گویا اس کے گھر والے اور مال چھن گیا۔ وُتِرَ کے لفظ کو اُتِرَ بھی روایت کیا گیا ہے۔ (مولانا نے فرمایا کہ ایوب کی روایت اور اس کے شاگردوں کا واؤ اور ہمزہ میں اختلاف (وُتِرَ، اُتِرَ) ہمیں کتب حدیث میں نہیں مل سکا)

۴۱۵۔ حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ قَالَ قَالَ اَبُوْعَمْرٍو يَعْنِی الْاَوْزَاعِیَّ، وَذٰلِكَ اَنْ تَرٰى مَا عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الشَّمْسِ صُفْرَاءَ۔

(ترجمہ) امام اوزاعی نے اوپر کی حدیث کا یہ مطلب بتایا کہ نماز عصر کے فوت ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ زمین کی سب چیزیں زرد دھوپ سے زرد رنگ کی نظر آئیں۔ (گویا ان کے نزدیک فوت سے مراد وقتِ مختار و مسنون کا فوت ہونا ہے۔ اور شاید یہ مطلب ہو کہ امام اوزاعیؒ کے نزدیک اُس وقت نماز عصر کا وقت ہی نہیں رہتا)

۶۔ بَابٌ فِیْ وَقْتِ الْمَغْرِبِ

یہ باب مغرب کے وقت میں ہے

۴۱۶۔ حَدَّثَنَا دَاؤُدُ بْنُ شَبِيْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِیِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ

قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ نَرْمِي فَيَرَى أَحَدُنَا مَوْضِعَ نَبْلِهِ۔

(ترجمہ) انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھتے اور پھر تیر چلاتے والا اپنے تیر کے گرنے کی جگہ کو دیکھ لیتا تھا۔ یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ ہر موسم میں نمازِ مغرب کو اول وقت میں پڑھنا ہی مسنون ہے، اِلّا یہ کہ کوئی شرعی عذر ہو)

۴۱۷۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عِيسَى عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ ابْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْمَغْرِبَ سَاعَةَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ إِذَا غَابَ حَاجِبُهَا۔

(ترجمہ) سلمہؓ ابن الکوع نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورج کے غروب ہوتے ہی نمازِ مغرب پڑھ لیتے تھے، یعنی جب سورج کا کنارہ غائب ہو جاتا۔

۴۱۸۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ لَمَّا قَدِمَ عَلَيْنَا أَبُو أَيُّوبَ غَازِيًا وَعُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ يَوْمَئِذٍ عَلَى مِصْرَ فَأَخَّرَ الْمَغْرِبَ فَقَامَ إِلَيْهِ أَبُو أَيُّوبَؓ فَقَالَ لَهُ مَا هٰذِهِ الصَّلٰوةُ يَا عُقْبَةُ؟ قَالَ شُغِلْنَا قَالَ أَمَا سَمِعْتَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ أَوْ قَالَ عَلَى الْفِطْرَةِ مَا لَمْ يُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ إِلَى أَنْ تَشْتَبِكَ النُّجُومُ۔

(ترجمہ) عقبہ بن عامر مصر کا حاکم تھا اور ابوایوبؓ انصاری جہاد کے سلسلے میں تشریف لائے تو عقبہؓ نے ایک دن نمازِ مغرب میں تاخیر کردی۔ ابوایوبؓ نے اٹھ کر فرمایا: اے عقبہ! یہ کیسی نماز ہے؟ عقبہؓ نے کہا کہ مصروفیت کے باعث دیر ہو گئی ہے۔ ابوایوبؓ نے فرمایا کہ تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہیں سنا تھا کہ: میری امت بھلائی پر رہے گی، یا راوی نے کہا کہ فرمایا فطرت پر رہے گی جب تک نمازِ مغرب کو ستاروں کے جھنڈ ظاہر ہونے تک مؤخر نہ کریں گے۔

۷۔ بَابُ فِي وَقْتِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ

عشاء کے وقت کا باب

۴۱۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ بَشِيرِ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ

حَبِيبِ بْنِ سَالِمٍ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ أَنَا أَعْلَمُ النَّاسِ بِوَقْتِ هٰذِهِ الصَّلٰوةِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ، كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيهَا لِسُقُوطِ الْقَمَرِ لِثَالِثَةٍ۔

(ترجمہ) نعمان بن بشیر نے فرمایا کہ میں اس نماز، یعنی نمازِ عشاء کے وقت کو سب لوگوں سے زیادہ جاننے والا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نماز اس وقت پڑھتے تھے جبکہ تیسری رات کا چاند غروب ہو جاتا تھا اور تیسری رات کا چاند شفق غائب ہونے کے کچھ دیر بعد غروب ہوتا ہے۔ ہاں دوسری کا غروب شفق کے ساتھ ہی غروب ہو جاتا ہے)۔

۴۲۰۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَكَثْنَا ذَاتَ لَيْلَةٍ نَنْتَظِرُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَلٰوةِ الْعِشَاءِ فَخَرَجَ إِلَيْنَا حِينَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ أَوْ بَعْدَهُ فَلَا نَدْرِي أَشَيْءٌ شَغَلَهُ أَمْ غَيْرُ ذٰلِكَ فَقَالَ حِينَ خَرَجَ، أَتَنْتَظِرُونَ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ، لَوْلَا أَنْ تَثْقُلَ عَلَى أُمَّتِي لَصَلَّيْتُ بِهِمْ هٰذِهِ السَّاعَةَ ثُمَّ أَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَأَقَامَ الصَّلٰوةَ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ ایک رات کو ہم رسول اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں نمازِ عشاء کی خاطر ٹھہرے رہے۔ جب رات کا تیسرا حصہ چلا گیا یا اس کے کچھ بعد برآمد ہوئے، اور ہمیں معلوم نہ تھا کہ آپ کسی کام میں مصروف تھے یا کوئی اور بات تھی، آپؐ نے باہر آکر فرمایا کیا تم اس نماز کے انتظار میں ہو؟ اگر یہ میری امت پر بوجھل نہ ہو جاتی تو میں اسے اسی وقت میں پڑھایا کرتا۔ پھر مؤذن کو حکم دیا اور اس نے اقامت کہی۔

(شرح) حضورؐ کا مطلب یہ تھا کہ تم اس وقت جس نماز کا انتظار کر رہے ہو یہ تمہاری خصوصیت ہے اور اس کی تاخیر افضل ہے۔ صرف مشقت کے خوف سے ایسا نہیں کیا گیا ورنہ میں روزانہ اسی وقت پر پڑھایا کرتا۔ اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ عادۃً ہمیشہ جو اس نماز میں تاخیر نہیں فرمائی گئی اس کا باعث یہ عذر تھا کہ لوگوں کو مشقت ہوگی ورنہ افضل یہی تاخیر تھی۔ اب بھی جو لوگ تاخیر سے پڑھیں گے وہ افضلیت کو پائیں گے۔

۴۲۱۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ الْحِمْصِيُّ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ رَاشِدِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ حُمَيْدٍ السَّكُونِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ يَقُولُ أَبْقَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلٰوةِ الْعَتَمَةِ فَتَأَخَّرَ حَتّٰى ظَنَّ الظَّانُّ أَنَّهُ لَيْسَ بِخَارِجٍ وَالْقَائِلُ صَلّٰى، فَإِنَّا لَكَذٰلِكَ حَتّٰى خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا لَهُ كَمَا قَالُوا فَقَالَ أَعْتِمُوا بِهٰذِهِ الصَّلٰوةِ فَإِنَّكُمْ قَدْ فُضِّلْتُمْ بِهَا عَلَى سَائِرِ الْأُمَمِ وَلَمْ تُصَلِّهَا أُمَّةٌ قَبْلَكُمْ

(ترجمہ) عاصم بن حمید نے معاذ بن جبل کو یہ فرماتے سُنا کہ ہم نے عشاء کی نماز کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کیا لیکن آپؐ نے آنے میں دیر لگائی حتی کہ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ آپ آج تشریف نہ لائیں گے اور ہم میں سے بعض یہ کہتے تھے کہ آپؐ نماز پڑھ چکے ہیں۔ ہم ابھی ادھیڑ بُن میں تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ لوگوں نے پہلے ہو چکنے والی باتیں بتائیں تو فرمایا کہ اس نماز میں تاخیر کرو کیونکہ باقی سب امتوں پر تمہیں اس کے باعث فضیلت ملی ہے اور تم سے پہلے کسی امت نے یہ نماز نہیں پڑھی۔

(شرح) اس حدیث میں حضورؐ کا قولی حکم تاخیر عشاء کے لئے موجود ہے مگر یہ حکم دلائل سنت سے استحباب کے لئے ہے اور خود وہ علت جو ارشاد فرمائی گئی ہے اس کے استحباب کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ پس عشاء کا افضل وقت یہی ہے کہ اس میں تاخیر کی جائے۔ اور یہ حدیث امامتِ جبریلؑ میں بھی اس پر کچھ کلام گزر چکا ہے۔

۴۲۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ أَبِي هِنْدٍ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ صَلَّيْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعَتَمَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ حَتَّى مَضَى نَحْوٌ مِنْ شَطْرِ اللَّيْلِ فَقَالَ خُذُوا مَقَاعِدَكُمْ فَأَخَذْنَا مَقَاعِدَنَا فَقَالَ إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا وَأَخَذُوا مَضَاجِعَهُمْ وَإِنَّكُمْ لَنْ تَزَالُوا فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرْتُمُ الصَّلَاةَ وَلَوْلَا ضَعْفُ الضَّعِيفِ وَسُقْمُ السَّقِيمِ لَأَخَّرْتُ هَذِهِ الصَّلَاةَ إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ۔

(ترجمہ) ابو سعید خدری نے فرمایا کہ ہم نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عشاء اس طرح پڑھی کہ آپؐ اس کے لئے باہر تشریف نہ لائے حتی کہ تقریباً آدھی رات گزر گئی۔ پھر تشریف لا کر فرمایا کہ اپنی جگہوں پر بیٹھ جاؤ۔ پس ہم اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے تو فرمایا کہ لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے اور بستروں پر چلے گئے ہیں۔ اور تم جب تک نماز کا انتظار کرو تو نماز کے اندر ہی ہوتے ہو۔ اور اگر کمزور آدمی کی کمزوری اور مریض کی بیماری نہ ہوتی تو میں اس نماز کو آدھی رات تک مؤخر کر دیتا۔

(شرح) پس حضورؐ کے نزدیک اس نماز کو آدھی رات تک مؤخر کر دینا گو افضل تھا مگر ضعفاء یعنی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کا ضعف اور مریضوں کی بیماری کا خیال حائل ہو گیا، کہ اگر اس نماز کو ہمیشہ اتنی دیر سے پڑھا گیا تو یہ لوگ جماعت میں شامل ہونے سے محروم رہیں گے، گویا بالفاظِ دیگر تکثیر جماعت کی فضیلت کے خیال سے اس پہلی مصلحت کو نظر انداز کیا گیا ورنہ افضل تو یہی تھا کہ اس نماز میں اس قدر تاخیر کی جاتی۔

۸۔ بَابٌ فِي وَقْتِ الصُّبْحِ

یہ باب صبح کے وقت میں ہے

۴۲۳ - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ إِنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصُّبْحَ فَيَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّفَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھاتے تو عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی واپس جاتیں، اندھیرے کے باعث پہچانی نہ جاتی تھیں۔

(شرح) عورتوں کے پہچانے نہ جانے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ دیکھنے والا یہ امتیاز نہیں کر سکتا تھا کہ یہ متحرک سائے آیا مردوں کے ہیں یا عورتوں کے۔ دوسرا یہ کہ عورتوں کے اشخاص و اعیان کی پہچان نہیں ہو سکتی تھی۔ مولانا سہارنپوری نے فرمایا کہ یہ دوسرا مطلب زیادہ بہتر ہے اور واضح ہے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ ام المومنین نے فرمایا ہے کہ عورتیں اپنی بڑی چادروں میں لپٹی ہوتی تھیں اور اندھیرے کے سبب پہچانی نہ جاتی تھیں۔ جہاں تک عورت اور مرد میں امتیاز کا تعلق ہے وہ تو صبح کے اندھیرے میں ممکن ہوتا ہے مگر اشخاص کی پہچان کا اس وقت امکان نہیں رہتا جبکہ کچھ اندھیرے کے ساتھ ساتھ وہ اوپر چادروں میں جسم پر لپیٹ کر اوڑھے ہوئے ہوں۔

علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا فجر کی نماز میں اسفار افضل ہے یا تغلیس؟ امام شافعیؒ اور جمہور نے اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے کہ اسفار اور تغلیس دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور بحث صرف افضلیت میں ہے، یہ کہا ہے کہ تغلیس افضل ہے۔ ان کا استدلال اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہے: سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ اور کہا ہے کہ نماز کو جلدی پڑھنا مسارعت میں داخل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے سستی اور کاہلی پر کچھ لوگوں کی مذمت فرمائی ہے: وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى۔ اور تاخیر صلوٰۃ کسل میں داخل ہے۔ اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ تو جواب یہ تھا کہ: اول وقت پر نماز پڑھنا، اور ایک روایت میں اول وقت کو "رضوان اللہ" فرمایا گیا ہے۔ نیز ان حضرات کا استدلال ابو داؤد کی زیر شرح حدیث سے بھی ہے۔

حنفیہ نے کہا ہے کہ نماز فجر میں اسفار افضل ہے۔ اس میں سفر و حضر اور کسی موسم کا بھی فرق نہیں۔ سب لوگوں کے لئے یہی حکم ہے سوائے حاجیوں کے کہ مزدلفہ میں ان کے لئے نماز فجر میں تغلیس افضل ہے۔ حنفیہ کا استدلال اس حدیث سے ہے جو سنن ابی داؤد میں آ رہی ہے کہ: نماز فجر کو اسفار میں ادا کرو اس کا اجر بہت بڑا ہے۔ اور عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت مقررہ سے قبل کوئی نماز نہیں پڑھی سوائے عرفہ کی عصر کے اور مزدلفہ کی فجر کے، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تغلیس کی تھی۔ سو عبداللہؓ نے اس حدیث میں تغلیس کو "قبل از میقات" فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کی عام عادت اسفار کی تھی۔ اور ابراہیم نخعی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے جیسا اتفاق عصر کی تاخیر اور فجر کی تنویر (اسفار) پر کیا ہے ایسا کسی اور معاملے پر نہیں کیا۔ علاوہ ازیں تغلیس میں جماعت کی تقلیل اور اسفار میں تکثیر ہوتی ہے لہٰذا اسفار افضل ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ موسم گرما میں ظہر کی نماز میں ابراد مستحب ہے۔ اور اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ تغلیس میں ضعفاء کے حق میں حرج ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم

ہے کہ لوگوں کو ایسی نماز پڑھاؤ جوان کے ضعیف ترین آدمی کی رعایت پر مبنی ہو۔ اور یہی باعث تھا کہ باوجود نصف رات پر نمازِ عشاء کی ادائیگی کے افضل ہونے کے حضورؐ نے فرمایا کہ: اگر ضعیف کا ضعف، اور بیمار کی بیماری نہ ہوتی تو میں اس نماز کو آدھی رات تک مؤخر کر دیتا۔

جہاں تک جمہور کے اوپر بیان کردہ دلائل کا تعلق ہے تو بعض نمازوں میں ہمارا بھی یہی قول ہے جیسا کہ آگے آئے گا مگر بعض نمازوں کے بارے میں دلائل قائم ہو چکے ہیں کہ ان میں مصلحت شرعی کی بنا پر تاخیر افضل ہے۔ اسی حقیقت کے پیشِ نظر امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ نمازِ عشاء کو لیٹ رات کو مؤخر کرنا افضل ہے تاکہ اس کے بعد سمر (قصے کہانیاں/بات چیت) نہ ہوسکے جو شرعًا ممنوع ہے۔ جہاں تک مسارعت کے حکم کا تعلق ہے تو اس سے مراد وہ مسارعت ہے جو شرعًا محمود و مامور ہو، مثلاً اگر کوئی شخص وقت سے پہلے ہی نماز ادا کرے تو جائز نہ ہوگا گو یہ مسارعت ضرور ہے۔ اور جہاں اول وقت کا ذکر آیا ہے اس سے مراد مطلقًا اوّل وقت نہیں بلکہ اول مسنون و مستحب وقت ہے۔ حضورؐ سے جو تغلیس کی روایات ثابت ہوئی ہیں وہ کسی شرعی مقصد مثلاً سفر کا ارادہ اور جہاد وغیرہ کی خاطر ہوئی ہے، ورنہ عبداللہ بن مسعودؓ کی گذشتہ حدیث کے مطابق عادت اسفار کی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۴۲۴۔ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْبِحُوا بِالصُّبْحِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِأُجُورِكُمْ أَوْ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ۔

(ترجمہ) رافع بن خدیج نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبح کو روشن کرو کیونکہ وہ تمہارے اجروں کے لئے بہت عظیم ہے، یا یہ فرمایا کہ اجر کے لئے بہت عظیم ہے۔

(شرح) اس حدیث کو صحاحِ خمسہ نے (یعنی بخاری کے علاوہ سب نے) روایت کیا ہے۔ ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ کئی محدثین نے اسے صحیح کہا ہے۔ اور یہ حدیث ان احادیث سے تعارض رکھتی ہے جن میں وارد ہے (یہ یاد رہے کہ یہ حدیث قولی ہے اور اس کے خلاف کوئی قولی حدیث نہیں جس میں اس کی مانند صراحۃً تغلیس کا حکم موجود ہو پس اُمت کے لئے جو ضابطہ مقرر کیا گیا ہے وہ یہی ہے) تغلیس کے قائلین نے اسفار کے متعلق وارد شدہ احادیث کے متعلق یہ کہا ہے کہ اسفار سے مراد فجر کی وضاحت اور تحقق ہے۔ بقولِ ترمذیؒ، امام شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کے نزدیک اسفار کا مطلب یہ ہے کہ فجر واضح ہو جائے اور اس میں کوئی شک نہ رہے۔ لیکن مصنف ابن ابی شیبہ کی حدیث اس معنی کا رد کرتی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ: اے بلالؓ نمازِ صبح کی اقامت اس وقت کہو جبکہ روشنی کے باعث لوگ اپنے تیر کے گرنے کی جگہوں کو دیکھ لیں۔ امام خطابیؒ نے یہاں پر ایک رکیک تاویل بیان کی ہے کہ جب نماز کی تعجیل کا حکم ملا تو لوگوں نے اسے فجر ثانی (طلوعِ سحر) سے پہلے ہی پڑھنا شروع کر دیا اس لئے اسفار کا حکم ملا کہ طلوعِ فجر ثانی کے بعد پڑھا کریں۔ لیکن کیا لوگ یہ نماز حضورؐ سے علیحدہ پڑھنے لگے تھے؟ یا کیا معاذ اللہ حضورؐ کو بھی طلوعِ سحر میں غلطی لگی تھی؟

امام طحاوی نے لکھا ہے کہ احادیث کے معانی اس طور سے متفق ہو جاتے ہیں کہ نمازِ فجر کو اندھیرے میں شروع کیا

جائے اور لمبی قرأت سے اسے اسفار میں ختم کیا جائے۔ بہکی نے نسائی کی شرح میں لکھا ہے کہ احادیث کو مختلف اوقات پر محمول کریں کہ کبھی تغلیس ہوئی اور کبھی اسفار تو احاد کا تعارض جاتا رہتا ہے لیکن قواعد اصول کے مطابق یہ حکم امت کے لئے ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اس کے منافی نہیں ہے۔ یعنی اسفار کا حکم امت کے ساتھ خاص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد نہیں ہوتا۔ بہرصورت احادیث کو جمع کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی صورت نکالنی پڑے گی۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس معاملے میں اوقات کے اختلاف کا لحاظ بھی ضروری ہے جیسا کہ معاذ بن جبل کی حدیث میں کہ انہیں حضور نے یمن کو روانہ فرماتے وقت ارشاد فرمایا تھا کہ موسم سرما میں منہ اندھیرے اور موسم گرما میں روشنی میں فجر پڑھا کریں۔ یہ روایت امام بغوی نے شرح السنۃ میں، بقی بن مخلد نے اپنی مسند اور مصنف میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں درج کی ہے۔

۹۔ بَابُ الْمُحَافَظَةِ عَلَى الصَّلَوَاتِ

نمازوں کی محافظت کا باب

۴۲۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ يَعْنِي ابْنَ هَارُونَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُطَرِّفٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الصُّنَابِحِيِّ قَالَ زَعَمَ أَبُو مُحَمَّدٍ أَنَّ الْوِتْرَ وَاجِبٌ فَقَالَ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ كَذَبَ أَبُو مُحَمَّدٍ أَشْهَدُ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مَنْ أَحْسَنَ وُضُوءَهُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَأَتَمَّ رُكُوعَهُنَّ وَخُشُوعَهُنَّ كَانَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن الصنابحی نے کہا کہ ابو محمد نے کہا کہ وتر واجب ہے، تو عبادہؓ بن الصامت نے کہا کہ ابو محمد نے غلط کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ پانچ نمازیں ہیں جن کو اللہ نے جو عزت و جلال والا ہے فرض کیا ہے۔ جو شخص ان کا وضوء اچھی طرح کرے اور انہیں وقت پر ادا کرے اور ان کا رکوع اور خشوع پورا کرے تو اللہ کے ذمہ عہد ہے کہ وہ انہیں بخش دے گا اور جس نے ایسا نہ کیا تو اللہ کے ذمہ اس کا کوئی عہد نہیں، اگر چاہے تو اسے بخش دے اور چاہے تو اسے سزا دے۔

(شرح) سند میں جس راوی کا نام عبداللہ بن الصنابحی آیا ہے اور دوسرے نسخہ میں عبداللہ الصنابحی آیا ہے وہ مولانا سہارنپوری کی تحقیق کے مطابق عبداللہ الصنابحی ہے۔ ابن حجر نے لکھا ہے کہ عبداللہ الصنابحیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور عبادہؓ بن صامت سے روایت کی ہے مگر اس کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔

بقول امام ترمذی، محمد بن اسمٰعیل بخاری نے اسے عبداللہ الصنابحی کہا ہے اور امام مالکؒ نے مؤطا میں جو: زید بن اسلم عن عطاء بن یسار عن عبد اللہ الصنابحی عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم وضوء میں روایت کی ہے بخاری نے اسے مالک کا وہم ٹھہرایا ہے۔ بخاری نے جس ابوعبداللہ الصنابحی کا ذکر کیا ہے کہ اس کا نام عبدالرحمٰن بن عسیلہ تھا اور وہ صحابی نہ تھا وہ دوسرا شخص ہے، عبداللہ الصنابحی نہیں۔ پس دراصل یہ مالک کا وہم نہیں بلکہ بخاری کا وہم ہے۔ دراصل اس بزرگ کے نام اور کنیت میں لوگوں کو تشابہ پیش آیا ہے اور اسی طرح صحابیت اور عدم صحابیت میں بھی۔

الصنابحی نے جس ابومحمد کا قول نقل کیا ہے یہ ابومحمدؓ انصاری ہے جو ہے تو مدنی مگر شمار اس کا شامیوں میں ہوتا ہے۔ قتادہؓ نے جو فرمایا کہ، كَذَبَ أَبُو مُحَمَّدٍ، اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کا فتویٰ صحیح نہیں ہے۔ کذب کا تعلق اخبار سے ہوتا ہے اور ابومحمد جو کہہ رہا تھا وہ خبر نہیں تھی بلکہ فتویٰ تھا لہٰذا الکذب کا معنٰی یہاں غلط اور لم یصب۔ کذب کا لفظ لغت عرب میں ذَلَّ کے معنٰی میں بھی آتا ہے مثلاً کذب سمعی، کذب بصری وغیرہ یعنی میرے کان نے خطا کی میری آنکھ نے خطا کی۔ کذب کی نسبت ایک انصاری صحابی کے متعلق بڑی سنگین بات ہے لہٰذا یہاں محض کذب لغوی مراد ہے۔

كَانَ لَهُ عَلَى اللهِ عَهْدٌ کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر بھی کوئی چیز واجب ہے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے اوپر یہ لازم کر رکھا ہے۔ اور یہ اس کا فضل و کرم ہے کہ اس نے یہ وعدہ کیا۔ وجوب عقلی مراد ہونا محال ہے، یہی اہل حق کا مذہب ہے۔ وتر کے وجوب و عدم وجوب کی بحث آگے اس کے مناسب مقام پر آئے گی۔ ایک بات کی مختصر وضاحت یہاں بھی ضروری ہے کہ حنفیہ کے ہاں وجوب کا درجہ فرض اور سنت کے درمیان ہے اور وہ وجوب سے مراد فرضیت ہرگز نہیں لیتے۔ علاوہ ازیں حنفیہ دلائل سنت کے مطابق وتر کی اہمیت کے قائل ہونے کے باوجود اسے عشاء کے ماتحت مانتے ہیں۔ مفصل بات انشاء اللہ آگے ہوگی۔

۴۲۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْخُزَاعِيُّ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ غَنَّامٍ عَنْ بَعْضِ أُمَّهَاتِهِ عَنْ أُمِّ فَرْوَةَ قَالَتْ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ قَالَ الصَّلٰوةُ فِي أَوَّلِ وَقْتِهَا۔ قَالَ الْخُزَاعِيُّ فِي حَدِيثِهِ عَنْ عَمَّةٍ لَهُ يُقَالُ لَهَا أُمُّ فَرْوَةَ قَدْ بَايَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ۔

(ترجمہ) اُمِ فروہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: کون سا عمل سب سے بڑھیا ہے؟ فرمایا نماز کو اس کے اول وقت میں ادا کرنا۔

(شرح) اول وقت سے مراد بقول علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ "اول مسنون وقت ہے"۔ یہ اس لئے کہ اگر یہ مراد نہ لیا جائے تو دوسری بعض صحیح حدیثوں سے تعارض ہوگا جن میں فجر کے لئے اسفار کا، ظہر کے لئے موسم گرما میں ابراد کا اور عشاء کے لئے ثلث رات یا نصف رات تک تاخیر کے استحباب کا بیان یا حکم آچکا ہے۔ قاسم بن غنام راوی حدیث

کی اس حدیث میں اضطراب ہے جو حدیث آخر میں بھی واضح ہے۔ ترمذی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ عقیلی نے قاسم بن غنام کو ضعیف قرار دیا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ دارقطنی نے یہ حدیث بیان کی ہے جس میں کبھی تو وہ اپنی دادی یا نانی ام فروہ سے روایت کرتا ہے، کبھی کہتا ہے اس کی روایت اپنی دادی سے اور اس کی ام فروہؓ سے ہے۔ بعض دفعہ کہتا ہے کہ روایت اس کی کسی ماں سے ہے، کبھی کہتا ہے کہ اپنی دادی سے جو اس کے باپ کی ماں ہے جس نے اس کی دادی ام فروہؓ سے روایت کی ہے، کبھی کہتا ہے کہ اپنے بعض گھر والوں سے اور وہ اُمّ فروہؓ سے راوی ہیں۔ اور یہاں پر کبھی اپنی ماں سے عن ام فروہؓ ہے اور کبھی اپنی کسی پھوپھی سے جس کا نام اُمّ فروہؓ ہے۔

۴۲۷۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ أَخْبَرَنَا خَالِدٌ عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي هِنْدٍ عَنْ أَبِي حَرْبِ ابْنِ أَبِي الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ فُضَالَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ فِيمَا عَلَّمَنِي: وَحَافِظْ عَلَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ قَالَ قُلْتُ إِنَّ هٰذِهِ سَاعَاتٌ لِي فِيهَا أَشْغَالٌ فَمُرْنِي بِأَمْرٍ جَامِعٍ إِذَا أَنَا فَعَلْتُهُ أَجْزَأَ عَنِّي فَقَالَ حَافِظْ عَلَى الْعَصْرَيْنِ وَمَا كَانَتْ مِنْ لُغَتِنَا فَقُلْتُ وَمَا الْعَصْرَانِ فَقَالَ صَلٰوةٌ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَصَلٰوةٌ قَبْلَ غُرُوبِهَا۔

(ترجمہ) فضالہؓ لیثی نے کہا کہ مجھ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسلامی احکام و اعمال کی تعلیم دی۔ اس تعلیم میں یہ بھی تھا کہ: پانچ نمازوں کی پابندی کر، فضالہؓ نے کہا کہ میں نے کہا کہ نمازوں کے اوقات میں تو مجھے بہت سے کام ہوتے ہیں، سو مجھے کوئی جامع حکم دیجئے کہ جب میں اسے کروں تو کافی ہو جائے۔ پس فرمایا کہ دو عصروں کی پابندی کر اور یہ لفظ ہماری زبان کا نہ تھا لہٰذا میں نے کہا کہ دو عصریں کون سی ہیں؟ فرمایا ایک نماز طلوع آفتاب سے پہلے اور ایک اس کے غروب سے پہلے۔

(شرح) عصران کا لفظ اسی طرح ہے جیسے شیخین کو عمرین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کہا جاتا ہے اور پانی اور کھجور کو اسودان کہا گیا ہے۔ اور اہل عرب دراصل رات اور دن کو عصران کہتے تھے۔ ممکن ہے حضورؐ نے ان دو نمازوں کو رات اور دن کے اطراف میں واقع ہونے کی وجہ سے عصران فرمایا ہو۔ علامہ ولی الدینؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس لحاظ سے بڑی مشکل نظر آتی ہے کہ فضالہ کے اس قول پر کہ: نمازوں کے اوقات میں مجھے دوسرے دنیوی کام ہوتے ہیں لہٰذا کوئی مختصر چیز فرمائیے جو مجھے کافی ہو، آپؐ نے اسے فجر اور عصر کی پابندی کا حکم دیا۔ پانچ نمازیں تو اللہ کی طرف سے ہر مؤمن پر فرض ہیں۔ ان میں تو کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی مگر ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صرف دو نمازوں کی حفاظت کا حکم دیا کیا پیغمبرؐ ایسا تصرف کر سکتے تھے کہ کسی کو نمازیں ہی معاف کر دیں؟ امام بیہقیؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضورؐ نے دراصل فضالہؓ کو ہر نماز کو اوّل وقت پر پڑھنے کی پابندی کا حکم دیا تھا اور اس کے عذر پر یہ فرمایا تھا کہ اور نمازوں میں تاخیر ہو جائے تو خیر ہے مگر ان دو نمازوں کو ضرور اول وقت پر پڑھا کرو۔ (اول وقت سے مراد یہاں بھی اوّل مسنون وقت ہے)

ابن حبان نے اس کی یہ تاویل کی کہ تمام نمازوں کی پابندی کا حکم تو برقرار تھا مگر حضورؐ نے دو نمازوں کے زیادہ اہتمام کرنے کا حکم دیا۔ مسند احمد کی روایت کے مطابق حضورؐ نے واقعی اس شخص سے تین نمازیں بامر الٰہی ساقط کردی تھیں اور یہ آپؐ کے خصائص میں داخل ہے مگر یہ ایک منفرد قسم کا واقعہ ہے۔ یا پھر یوں کہنا چاہیئے کہ آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ شخص دو کی پابندی کے حکم سے پانچوں کی پابندی کرنے لگے گا۔

۴۲۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ ابْنِ عُمَارَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَأَلَهُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ فَقَالَ أَخْبِرْنِي مَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ صَلَّى قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ، قَالَ أَأَنْتَ سَمِعْتَهُ مِنْهُ؟ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَ نَعَمْ، كُلَّ ذَلِكَ يَقُولُ سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي فَقَالَ الرَّجُلُ وَأَنَا سَمِعْتُهُ يَقُولُ ذَلِكَ۔

(ترجمہ) عمارہؓ بن رُوَیبہ ثقفی سے کسی بصرہ کے رہنے والے نے پوچھا کہ مجھے کوئی بات بتاؤ جو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہو۔ اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ وہ آدمی آگ میں داخل نہ ہوگا جو طلوع آفتاب سے پہلے اور اس کے غروب سے پہلے نماز پڑھے۔ اس شخص نے تین مرتبہ یہی سوال عمارہؓ سے کیا کہ کیا تم نے یہ حضورؐ سے سُنا تھا اور انھوں نے تینوں بار کہا کہ ہاں! میرے کانوں نے اس کو سُنا اور میرے دل نے یاد رکھا۔ پھر اس آدمی نے کہا کہ میں نے بھی آپ کو یہ فرماتے سُنا تھا۔

(شرح) آگ میں داخل نہ ہوگا کا مطلب یہ ہے کہ اس عمل کی جزا یہ ہے کہ یوں ہو۔ اگر کوئی رکاوٹ کھڑی ہو جائے، خدانخواستہ اس سے کچھ ایسے بداعمال سرزد ہو جائیں جو باعث جہنم ہوں تو پھر جمع تفریق کا قاعدہ چلے گا کہ نیکی کی جزا کس قدر ہے اور بدی کی سزا کتنی ہے۔ یا یوں کہیئے کہ بطور ہمیشگی آگ میں نہیں جائیگا۔ یا یہ کہ بطور تعذیب نہیں جائے گا بلکہ اگر گیا تو تطہیر و تزکیہ کی خاطر بھیجا جائیگا۔ اس حدیث میں بھی فجر اور عصر کی پابندی کا ذکر ہے۔ پہلا وقت تو غفلت اور نیند کا ہے اور دوسرا دنیوی اشغال کی مصروفیات کا۔ جو شخص ان اوقات میں نماز کی پابندی کریگا تو دوسرے اوقات کی نمازوں کا تو وہ بدرجۂ اولیٰ پابند ہوگا۔ اس حدیث کی سند میں بصری صحابی کا ذکر تو ہے مگر نام مذکور نہیں لیکن اس کا مذکور نہ ہونا از روئے اصول کسی طور سے حدیث پر اثر انداز نہیں کیونکہ سند متصل اور مرفوع ہے۔

۱۰۔ بَابُ إِذَا أَخَّرَ الْإِمَامُ الصَّلٰوةَ عَنِ الْوَقْتِ

اس بیان کا باب کہ جب امام نماز کو وقت سے مؤخر کردے

۴۲۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ يَعْنِي الْجَوْنِيَّ عَنْ

عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا ذَرٍّ كَیْفَ اَنْتَ اِذَا كَانَتْ عَلَیْكَ اُمَرَاءُ یُمِیْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اَوْ قَالَ یُؤَخِّرُوْنَ الصَّلٰوةَ؟ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَا تَاْمُرُنِیْ؟ قَالَ صَلِّ الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا فَاِنْ اَدْرَكْتَهَا مَعَهُمْ فَصَلِّهٖ فَاِنَّهَا لَكَ نَافِلَةٌ۔

(ترجمہ) ابوذرؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے ابوذرؓ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب تم پر کچھ ایسے امراء ہوں گے جو نماز کو مار ڈالیں گے، یا فرمایا کہ نماز کو مؤخر کریں گے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ اس میں مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: نماز کو اس کے وقت پر پڑھ لے پھر اگر تو اسے ان کے ساتھ پائے تو پھر پڑھ لے کیونکہ وہ تیرے لئے نفل ہوگی۔

(شرح) راوی عبداللہ بن الصامت حضرت ابوذرؓ کا بھتیجا تھا اور بعض محدثین کے نزدیک متکلم فیہ تھا۔ اکثر نے اسے ثقہ کہا ہے مسلم نے اس کی روایت لی ہے مگر بخاری نے نہیں لی۔ اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوگیا کہ فرض نماز وہی ہوئی جو وقت پر ادا کی گئی ہو اور اس کے بعد دوسری مرتبہ جو پڑھی گئی وہ نفل ہوئی۔ محدث علی القاریؒ نے کہا ہے کہ اس سے مراد ظہر اور عشاء کی نمازیں ہیں (بعض شوافع کا بھی یہی مسلک ہے) کیونکہ صبح اور عصر کے بعد نفل کی ممانعت حدیث میں آچکی ہے اور مغرب کی تین رکعتیں ہیں، اگر لوٹائی جائے تو تین نفل بنے حالانکہ نفل دو یا چار یا زیادہ (جفت حیثیت میں) ہوتے ہیں تین نہیں ہوتے۔ حدیث کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ ہر نماز اس حالت میں علی الاطلاق لوٹائی جا سکتی ہے اور ضرورت شرعی اس کی کراہت کو اٹھا دیگی کیونکہ ضرورتیں حرمتوں کو بھی مباح کر دیتی ہیں۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب حضورؐ نے اس دوسری کو نفل فرمایا تو نفل کی نیت سے پڑھنی ہوگی نہ کہ اعادے یا قضا کی نیت سے۔

۴۳۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ الدِّمَشْقِیُّ حَدَّثَنَا الْوَلِیْدُ حَدَّثَنَا الْاَوْزَاعِیُّ حَدَّثَنِیْ حَسَّانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَابِطٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَیْمُوْنٍ الْاَوْدِیِّ قَالَ قَدِمَ عَلَیْنَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ الْیَمَنَ رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَیْنَا۔ قَالَ فَسَمِعْتُ تَكْبِیْرَهٗ مَعَ الْفَجْرِ رَجُلٌ اَجَشُّ الصَّوْتِ فَاُلْقِیَتْ مَحَبَّتِیْ عَلَیْهِ فَمَا فَارَقْتُهٗ حَتّٰی دَفَنْتُهٗ بِالشَّامِ مَیِّتًا۔ ثُمَّ نَظَرْتُ اِلٰی اَفْقَهِ النَّاسِ بَعْدَهٗ فَاَتَیْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍؓ فَلَزِمْتُهٗ حَتّٰی مَاتَ فَقَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَیْفَ بِكُمْ اِذَا اَتَتْ عَلَیْكُمْ اُمَرَاءُ یُصَلُّوْنَ الصَّلٰوةَ بِغَیْرِ مِیْقَاتِهَا؟ قُلْتُ فَمَا تَاْمُرُنِیْ اِذَا

اَدْرَکَنِیْ ذٰلِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ؟ قَالَ صَلِّ الصَّلٰوۃَ لِمِیْقَاتِھَا وَاجْعَلْ صَلٰوتَکَ مَعَھُمْ سُبْحَۃً

(ترجمہ) عمرو بن میمون راوی نے کہا کہ یمن میں ہمارے پاس معاذ بن جبلؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام بر ہوکر آئے۔ کہا کہ میں نے نماز فجر کے قریب ان کی تکبیر سنی، وہ ایک سخت آواز والے (کچھ گنگناہٹ کے ساتھ) آدمی تھے۔ عمرو نے کہا کہ میرے دل میں ان کی محبت گھر کر گئی اور میں ان سے اس وقت تک الگ نہ ہوا جب تک کہ میں نے انہیں موت کے بعد شام میں دفن کر دیا۔ پھر ان کے بعد میں نے غور کیا کہ سب لوگوں سے بڑا فقیہ کون ہے تو میں عبداللہ بن مسعود کے پاس آیا اور ان کی موت تک ان سے جدا نہ ہوا۔ عبداللہؓ نے فرمایا کہ مجھ کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جبکہ تم پر ایسے امراء ہوں گے جو بے وقت نماز پڑھیں گے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ جب میں وہ وقت پاؤں تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں کہ کیا کروں؟ فرمایا نماز کو اس کے صحیح وقت پر پڑھنا اور ان کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز کو نفل ٹھیرالینا۔

(شرح) نماز فجر کے ساتھ تکبیر سنی کا مطلب یہ ہے کہ (جیسا حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں ایک حدیث ذکر کی ہے) حضرت معاذؓ بوقتِ سحر باواز بلند تکبیر کہتے ہوئے ہمارے پاس آئے۔ بے وقت نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ نماز کے مختار و مسنون و مستحب وقت میں اسے ادا نہیں کریں گے بلکہ تاخیر کر دیں گے۔ چنانچہ یہی پیش آیا اور یہ حضورؐ کے معجزات میں سے ہے۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ پہلی نماز فرض ہوئی اور دوسری نفل۔ پچھلی حدیث میں اسے نافلہ فرمایا گیا ہے اور یہاں سبحہ۔ علامہ شوکانی نے کہا کہ جب ایک ہی نماز دو مرتبہ پڑھی گئی تو اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ فرض کونسی ہوئی۔ اوزاعیؒ اور بعض شوافع نے کہا کہ پہلی نفل اور دوسری فریضہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور اصحاب ابی حنیفہؒ کا یہ مذہب ہے کہ فریضہ پہلی تھی۔ بعض شوافع نے کہا کہ فرض وہ ہوئی جو کامل تر تھی اور بعض شوافع کا قول ہے کہ ان میں سے مبہم طور پر ایک فرض ہے جسے اللہ تعالیٰ فرض قرار دیگا اور دوسری نفل۔ بعض شوافع نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ دونوں فریضہ ہیں۔ اوزاعیؒ وغیرہ نے یہ دلیل دی ہے کہ سنن ابی داؤد میں ایک مرفوع حدیث موجود ہے کہ: جب تو آئے اور لوگ نماز میں ہوں تو تو ان کے ساتھ شامل ہو جا اگرچہ تو پہلے پڑھ چکا ہو۔ وہ تمہارے لئے نفل اور یہ فرض ہوگی۔ دارقطنی کی روایت میں ہے کہ: گھر کی پڑھی ہوئی نماز کو نفل قرار دے لے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت شاذ ہے جیسا کہ بیہقی نے کہا کہ حفاظ و ثقات کی روایت اس کے برعکس ہے۔ دارقطنی نے بھی اس روایت کو شاذ او ضعیف قرار دیا ہے۔ پہلی کو فریضہ قرار دینے والوں کی دلیل یزید ابن اسود کی روایت ہے جو مسند احمد، ترمذی اور سنن ابی داؤد میں ہے۔ یہ حدیث بقول ابن السکن صحیح ہے جس کے لفظ یہ ہیں: جب تم اپنے ڈیرے پر نماز پڑھ چکو پھر جامع مسجد میں آؤ تو لوگوں کے ساتھ بھی پڑھ لو کیونکہ وہ تمہارے لئے نفل ہوگی۔ اور ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے جو اس وقت زیر نظر ہے۔ دو مرتبہ پڑھی جانے والی نماز کو اگر دونوں مرتبہ فرض کہیں تو ایک فرض کو دو مرتبہ ادا کرنا لازم آتا ہے جو اصول و مقاصد شرع کے خلاف ہے۔ حضورؐ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ: کسی نماز کو ایک دن میں دوبارہ مت پڑھو۔ اس کی روایت ابوداؤد، نسائی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے کی ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ: ایک دن میں دو ظہریں نہیں ہوتیں اور ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں: کوئی نماز دن میں دو مرتبہ نہیں پڑھی

جاتی۔ عبادہ بن صامت کی آئندہ حدیث بھی یہی کہتی ہے۔ یہ ابوداؤد کے علاوہ ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

۴۳۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَلِيٍّ الْحَنَفِيُّ عُبَيْدُ اللّٰهِ ابْنُ عَبْدِ الْمَجِيْدِ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ الْقَطَّانُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ وَاَبَانُ كِلَاهُمَا عَنْ خُلَيْدٍ الْعَصَرِيِّ (عَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ) عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسٌ مَّنْ جَاءَ بِهِنَّ مَعَ اِيْمَانٍ دَخَلَ الْجَنَّةَ مَنْ حَافَظَ عَلَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ عَلٰى وُضُوْءِهِنَّ وَرُكُوْعِهِنَّ وَسُجُوْدِهِنَّ وَمَوَاقِيْتِهِنَّ وَصَامَ رَمَضَانَ وَحَجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَّاٰتَى الزَّكٰوةَ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهٗ وَاَدَّى الْاَمَانَةَ قَالُوْا يَا اَبَا الدَّرْدَاءِ وَمَا اَدَاءُ الْاَمَانَةِ قَالَ الْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ۔

(ترجمہ) ابوالدرداء نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ کام جو کرے ایمان سمیت وہ جنت میں جائے گا۔ جو پانچ نمازوں کی نگرانی کرے، ان کے وضوء، رکوع وسجود اور اوقات کی حفاظت کرے، اور رمضان کے روزے رکھے اور کعبہ کا حج کرے اگر اسے وہاں جانے کی طاقت ہو اور دل کی خوشی سے زکوٰۃ دے اور امانت کو ادا کرے۔ لوگوں نے کہا اے ابوالدرداء ادائے امانت کیا ہے؟ اس نے کہا: غسل جنابت

۴۳۲۔ حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ الْمِصْرِيُّ حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ عَنْ ضُبَارَةَ بْنِ اَبِي السُّلَيْكِ الْقَائِلِيِّ اَخْبَرَنِي ابْنُ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ الزُّهْرِيِّ قَالَ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ اِنَّ اَبَا قَتَادَةَ بْنَ الرِّبْعِيِّ اَخْبَرَهٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنِّيْ فَرَضْتُ عَلٰى اُمَّتِكَ خَمْسَ صَلَوَاتٍ وَّعَهِدْتُّ عِنْدِيْ عَهْدًا اَنَّهٗ مَنْ جَاءَ يُحَافِظُ عَلَيْهِنَّ لِوَقْتِهِنَّ اَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ وَمَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهِنَّ فَلَا عَهْدَ لَهٗ عِنْدِيْ۔

(ترجمہ) ابوقتادۃ بن الربعی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تیری امت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور اپنے پاس ایک عہد کیا ہے کہ جو ان کی نگرانی کرے گا ان کے وقت پر، میں اس کو جنت میں داخل کروں گا اور جو ان کی نگرانی نہ کرے گا تو میرے پاس اس کے لئے کوئی عہد نہیں ہے۔

۴۳۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قُدَامَةَ بْنِ اَعْيَنَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ هِلَالٍ

ابْنِ يَسَافٍ عَنْ أَبِي الْمُثَنَّى عَنِ ابْنِ أُخْتِ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَنْبَارِيُّ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ الْمَعْنَى عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ عَنْ أَبِي الْمُثَنَّى الْحِمْصِيِّ عَنْ أَبِي أُبَيِّ بْنِ امْرَأَةِ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهَا سَتَكُونُ عَلَيْكُمْ بَعْدِي أُمَرَاءُ تَشْغَلُهُمْ أَشْيَاءُ عَنِ الصَّلَاةِ لِوَقْتِهَا حَتَّى يَذْهَبَ فَصَلُّوا الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أُصَلِّي مَعَهُمْ قَالَ نَعَمْ إِنْ شِئْتَ وَقَالَ سُفْيَانُ إِنْ أَدْرَكْتُهَا مَعَهُمْ أُصَلِّي مَعَهُمْ قَالَ نَعَمْ إِنْ شِئْتَ۔

(ترجمہ) عبادہؓ بن صامت نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد کچھ امراء ہوں گے جنہیں کچھ دنیوی چیزیں بروقت نماز سے مصروف رکھیں گی حتی کہ وقت جاتا رہے گا۔ پس تم نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا۔ ایک آدمی بولا یا رسول اللہ کیا میں ان کے ساتھ نماز پڑھوں؟ آپ نے فرمایا ہاں! اگر تو چاہے۔ سفیان کی روایت میں ہے کہ: اگر مجھے وہ نماز ان کے ساتھ ملے تو کیا ان کے ساتھ نماز پڑھ لوں؟ فرمایا ہاں! اگر تم چاہو۔

(شرح) اس حدیث کی پہلی سند میں جو عبادہ بن صامت کے بھانجے کا ذکر ہے اس کا نام (ابو اُبی انصاری) تھا جسے دوسری سند میں عبادہؓ کی بیوی کا کسی پہلے خاوند سے بیٹا بتایا گیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت عبادہؓ کا بھتیجا تھا، مگر پہلی بات درست ہے کہ وہ ام حرام بنت ملحان (عبادہ کی بیوی) کا بیٹا تھا۔ اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوا کہ پہلی نماز فریضہ واقع ہوئی ورنہ حضور یہ نہ فرماتے کہ اگر تو چاہے تو امراء کے ساتھ پڑھ لے۔ اس قسم کی بات تو نفل کے لئے ہی کہی جا سکتی ہے۔

۴۳۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو هَاشِمٍ يَعْنِي الزَّعْفَرَانِيَّ حَدَّثَنِي صَالِحُ ابْنُ عُبَيْدٍ عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكُونُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ مِنْ بَعْدِي يُؤَخِّرُونَ الصَّلَاةَ فَهِيَ لَكُمْ وَهِيَ عَلَيْهِمْ فَصَلُّوا مَعَهُمْ مَا صَلَّوْا الْقِبْلَةَ۔

(ترجمہ) قبیصہؓ بن وقاص نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد تم پر کچھ امراء ہوں گے جو نماز کو مؤخر کریں گے پس اس نماز کا ثواب تو تمہیں ہوگا اور تاخیر کا گناہ انہیں ہوگا۔ نماز ان کے ساتھ پڑھنا جب تک کہ وہ قبلہ رُخ ہو کر نماز پڑھیں۔

(شرح) اس حدیث کی سند میں صالح بن عُبید ایک راوی ہے جسے مجہول کہا گیا ہے مگر بعض کے نزدیک وہ مقبول راوی ہے۔ حدیث میں یہ جو حکم ہے کہ جب تک وہ قبلہ رخ نماز پڑھیں تم ان کے ساتھ پڑھو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کہ وہ دائرہ اسلام کے اندر رہیں نظم جماعت نہ توڑا جائے۔ رہی اصلاح و تبلیغ اور تبدیلیٔ احوال کی جائز کوشش سو وہ

ایک دوسری چیز ہے۔ اس حدیث میں مطلقاً ان امراء کے ساتھ نماز کا حکم آیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ احوال وظروف اور اشخاص واماکن وغیرہ کے اختلاف سے احکام مختلف ہوتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ ہر آدمی کو گھر پر اپنی الگ نماز پڑھکر پھر جماعت میں شامل نہیں ہو سکتا، لہٰذا جو ایسا نہ کرسکیں ان کا حکم اس حدیث میں آگیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

١١- بَابٌ فِي مَنْ نَامَ عَنِ الصَّلٰوةِ أَوْ نَسِيَهَا

باب اس شخص کا جو نماز سے سو جائے یا بھول جائے

٤٣٥- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَفَلَ مِنْ غَزْوَةِ خَيْبَرَ فَسَارَ لَيْلَةً حَتَّى إِذَا أَدْرَكَنَا الْكَرٰى عَرَّسَ وَقَالَ لِبِلَالٍ اكْلَأْ لَنَا اللَّيْلَ قَالَ فَغَلَبَتْ بِلَالًا عَيْنَاهُ وَهُوَ مُسْتَنِدٌ إِلَى رَاحِلَتِهِ فَلَمْ يَسْتَيْقِظِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا بِلَالٌ وَلَا أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِهِ حَتَّى إِذَا ضَرَبَتْهُمُ الشَّمْسُ فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلَهُمُ اسْتِيقَاظًا فَفَزِعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا بِلَالُ فَقَالَ أَخَذَ بِنَفْسِي مَا أَخَذَ بِنَفْسِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي فَاقْتَادُوا رَوَاحِلَهُمْ شَيْئًا ثُمَّ تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَ بِلَالًا فَأَقَامَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ وَصَلَّى لَهُمُ الصُّبْحَ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ قَالَ مَنْ نَسِيَ صَلٰوةً فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا فَإِنَّ اللَّهَ قَالَ أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِلذِّكْرٰى - قَالَ يُونُسُ وَكَانَ ابْنُ شِهَابٍ يَقْرَؤُهَا كَذٰلِكَ - قَالَ أَحْمَدُ قَالَ عَنْبَسَةُ يَعْنِي عَنْ يُونُسَ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ لِلذِّكْرٰى قَالَ أَحْمَدُ الْكَرٰى النُّعَاسُ

(ترجمہ) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ خیبر سے لوٹے تو ایک رات کو سفر میں رہے حتیٰ کہ جب اونگھ آگئی تو آرام کے لئے منزل فرمائی اور بلالؓ سے فرمایا کہ تم آج رات ہماری چوکیداری کرو۔ ابوہریرہؓ نے کہا کہ بلال پر بھی نیند کا غلبہ ہو گیا جبکہ وہ اپنی سواری کے ساتھ سہارا لگائے ہوئے تھا بس جب تک دھوپ نہ چڑھ آئی نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاگے، نہ بلالؓ اور نہ کوئی اور صحابی۔ سب سے پہلے جاگنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے اور فرمایا اے بلال! (یہ تو نے کیا کیا؟) بلال بولا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں جس نے آپ کی جان پر قبضہ کیا تھا اس نے میری جان پر قبضہ کر لیا۔

(یعنی اللہ تعالیٰ نے کیونکہ نیند موت کی بہن ہے) پس لوگ اپنی سواریاں کچھ دور پکڑ کر آگے لے گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور بلالؓ کو حکم فرمایا تو اس نے نماز کی اذان اور اقامت کہی اور حضورؐ نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔ جب نماز پوری کر لی تو فرمایا جو کوئی نماز کو بھول جائے (یعنی کسی سبب سے اس سے غافل ہو جائے) تو جب یاد آئے اسے ادا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نماز کو میری یاد کے لئے قائم کر (یا جب یاد آئے تو قائم کر)۔ اس حدیث کی روایت میں للذکریٰ آیا ہے (اور ایک نسخے میں لذکری بھی ہے جیسا کہ قرآن کی معروف قراءت ہے)۔

(شرح) جس مقام پر نماز فوت ہو گئی تھی وہاں سے سواریاں پکڑ کر کچھ دور آگے لیجائی گئیں اور قضا نماز وہاں پڑھی گئی، اس کا باعث حنفیہ کے نزدیک یہ تھا کہ سورج ذرا بلند ہو جائے اور مکروہ وقت نکل جائے کیونکہ ممنوع اوقات میں، یعنی طلوع و غروبِ آفتاب اور نصف النہار میں قضا نماز بھی نہیں ہو سکتی۔ امام مالکؒ، اوزاعیؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحٰقؒ کے نزدیک قضاء نماز کو ہر وقت میں پڑھا جا سکتا ہے، اس کے لئے کوئی وقت مکروہ نہیں، صرف نفل ان اوقات میں جائز نہیں۔ یہی روایت جناب علیؓ، ابن عباسؓ سے بھی ہے اور یہی قول نخعیؒ، شعبیؒ اور حمادؒ کا ہے۔ پس سواریاں آگے لے جانے سے بعض کے نزدیک یہ غرض تھی کہ جس جگہ غفلت و نسیان طاری ہوا تھا اس سے ذرا دوری ہو جائے اور ابان العطار کی روایت سے اس حدیث میں یہی سبب مذکور بھی ہے۔ اب رہ گیا حضورؐ کا سو جانا، حالانکہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ آپؐ کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل بیدار رہتا تھا، سو اس کی صحیح تر تاویل یہ ہے کہ دل صرف ان چیزوں کو محسوس کر سکتا ہے جو اس سے متعلق ہوں مثلاً بے وضو ہو جانا یا رنج و الم وغیرہ اور طلوعِ فجر اور طلوعِ شمس وغیرہ کو وہ محسوس نہیں کر سکتا کیونکہ یہ چیزیں صرف آنکھوں سے نظر آتی ہیں۔

اس حدیث سے نماز فوت ہونے کی صرف دو صورتیں ثابت ہوتی ہیں جن کو عذر قرار دیا جائے اور بعد میں نماز قضاء کی جائے۔ ایک نیند اور دوسری نسیان۔ امام نوویؒ نے فرمایا کہ ظاہریہ نے کہا ہے کہ جس شخص نے بلا عذر شرعی نماز کو فوت کیا ہو اس پر اس کی قضاء واجب نہیں کیونکہ اس فعل کا گناہ اتنا بڑا ہے جو قضاء سے بھی معاف نہ ہو گا، نوویؒ نے کہا کہ یہ قول خطاء وجہالت کا مرکب ہے۔ علامہ شوکانیؒ نے داؤد ظاہری، علامہ ابن حزمؒ ظاہری اور حافظ ابن تیمیہؒ کا یہی قول ہے۔ اور وہ کہتے ہیں عمداً فوت کرنے کی صورت میں قضاء کا حکم کہیں ثابت نہیں ہوا۔ حالانکہ یہ نص: اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ، اداء اور قضاء دونوں پر مشتمل ہے۔ یعنی اقامتِ صلوٰۃ کی دو صورتیں ہیں ادا، اور قضاء، اور دونوں اسی حکم سے ثابت ہیں۔ جہاں تک گناہ کا تعلق ہے وہ توبہ سے معاف ہوتا ہے اور اس پر بے شمار شرعی دلائل قائم ہیں۔ قضاء سے وہ وجوب جو ذمہ میں تھا وہ اُتر جاتا ہے۔ پس یہ کہنا کہ قضاء ایک بے فائدہ فعل ہے، غلطیات ہے۔ حدیث میں یہ بھی ہے کہ: فَدَیْنُ اللّٰہِ اَحَقُّ۔ یعنی مرنے والے کا قرض اتارنا اگر اچھا کام ہے تو اللہ کا قرض (مثلاً اُس حدیث میں حج) زیادہ ادائیگی کا مستحق ہے۔ اس سے بھی قضاء کی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔

۴۳۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبَانُ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي هَذَا الْخَبَرِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَوَّلُوا عَنْ مَكَانِكُمُ الَّذِي أَصَابَتْكُمُ الْغَفْلَةُ. قَالَ فَأَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ وَأَقَامَ وَ

صَلَّى - قَالَ اَبُوْ دَاؤُدَ رَوَاهُ مَالِكٌ وَّسُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ وَالْاَوْزَاعِيُّ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَّعْمَرٍ وَّابْنُ اِسْحَاقَ وَلَمْ يَذْكُرْ اَحَدٌ مِّنْهُمُ الْاَذَانَ فِي حَدِيْثِ الزُّهْرِيِّ هٰذَا وَلَمْ يُسْنِدْهُ مِنْهُمْ اَحَدٌ اِلَّا الْاَوْزَاعِيُّ وَاَبَانُ الْعَطَّارُ عَنْ مَّعْمَرٍ -

(ترجمہ) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسری سند سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی اس جگہ سے ہٹ جاؤ جہاں تم پر غفلت طاری ہوئی۔ ابوہریرہؓ نے کہا کہ پھر حضورؐ نے بلال کو حکم دیا تو اس نے اذان و اقامت کہی اور حضورؐ نے نماز پڑھائی۔ ابوداؤدؒ نے کہا کہ یہ حدیث کئی لوگوں سے مروی ہے مگر معمرؒ نے تو اذان کا ذکر کیا ہے اور مالک وغیرہ جو زہری کے اور شاگرد ہیں انہوں نے نہیں کیا اور اوزاعی عن ابن شہاب اور ابان العطار عن معمر عن ابن شہاب کے سوا باقی لوگوں کی حدیث مُسند (جڑی ہوئی متصل) نہیں ہے۔

(شرح) مولاناؒ نے فرمایا سنن بیہقی میں باب الاذان والاقامۃ للفائتۃ میں یہ حدیث عن ابان العطار عن معمر مذکور ہے اور موصول و مفصل ہے۔ پھر آخر میں بیہقی نے کہا کہ مالک نے مؤطا میں الزہری عن ابن المسیب یہ حدیث مرسل بیان کی اور اس میں اذان مذکور ہے اور اس واقعہ میں اذان صحیح اور ثابت شدہ ہے جیسے ابوہریرہؓ کے علاوہ دیگر صحابہ نے بھی بیان کیا ہے۔ چنانچہ بخاری میں ابوقتادہؓ کی حدیث موجود ہے جس میں اذان کا ذکر صراحۃً موجود ہے۔ ابوقتادہؓ جیسی روایت مسلم میں بھی ہے مگر اس میں راوی صحابی عمرانؓ بن حصین ہے۔ اسی طرح ابومسعودؓ انصاری اور عمرو بن امیہ ضمری کی احادیث میں بھی اذان کا ذکر موجود ہے۔ پھر ان روایات کے بعد بیہقی نے کہا کہ اس مضمون کی احادیث ابن عباسؓ، ذی مخبر حبشیؓ اور عبداللہؓ بن عمرو سے بھی مرفوعاً آئی ہیں۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ بیہقی کا یہ قول کہ مالک عن الزہری عن ابن المسیب کی حدیث میں اذان کا ذکر موجود ہے ابوداؤد کے قول کے خلاف ہے اور اس میں ابوداؤد کا قول درست ہے۔ زرقانی نے مؤطا کی شرح میں لکھا ہے کہ مؤطا کے اکثر راوی اقام کا لفظ بولتے ہیں اور بعض نے اذن کہا ہے۔ بہرصورت اذان اور اقامت اس واقعہ میں ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔

۴۳۷ - حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَبَاحٍ الْاَنْصَارِيِّ حَدَّثَنَا اَبُوْ قَتَادَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي سَفَرٍ لَّهٗ فَمَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِلْتُ مَعَهٗ فَقَالَ انْظُرْ فَقُلْتُ هٰذَا رَاكِبٌ هٰذَانِ رَاكِبَانِ هٰؤُلَاءِ ثَلَاثَةٌ حَتّٰى صِرْنَا سَبْعَةً فَقَالَ احْفَظُوْا عَلَيْنَا صَلَاتَنَا يَعْنِي صَلَاةَ الْفَجْرِ فَضُرِبَ عَلٰى اٰذَانِهِمْ فَمَا اَيْقَظَهُمْ اِلَّا حَرُّ الشَّمْسِ فَقَامُوْا فَسَارُوْا هُنَيَّةً ثُمَّ نَزَلُوْا فَتَوَضَّئُوْا وَاَذَّنَ بِلَالٌؓ فَصَلَّوْا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ ثُمَّ صَلَّوا الْفَجْرَ وَرَكِبُوْا فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ قَدْ فَرَّطْنَا فِي صَلَاتِنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ لَا تَفْرِيْطَ فِي النَّوْمِ اِنَّمَا التَّفْرِيْطُ

فِی الْیَقْظَۃِ فَاِذَا سَھٰی اَحَدُکُمْ عَنْ صَلٰوۃٍ فَلْیُصَلِّھَا حِیْنَ یَذْکُرُھَا وَمِنَ الْغَدِ لِلْوَقْتِ

(ترجمہ) ابو قتادہؓ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی سفر میں تھے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم راستے سے ایک طرف ہٹ گئے اور میں بھی آپؐ کے ساتھ ہٹ گیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا دیکھو (کیا کوئی اور سوار بھی ہے؟) میں نے کہا یہ ایک سوار ہے یہ دو ہیں یہ تین ہیں حتیٰ کہ ہم سات ہوگئے۔ تو آپؐ نے فرمایا ہم پر ہماری نماز یعنی فجر کی نگرانی کرو۔ پھر انہیں گہری نیند آگئی اور دھوپ کی گرمی کے سوا کسی چیز نے انہیں نہیں جگایا۔ پس لوگ اٹھے اور کچھ دور گئے، پھر اُترے اور وضوء کیا اور بلالؓ نے اذان دی تو لوگوں نے فجر کی دو سنت پڑھیں پھر نماز فجر پڑھی اور سوار ہوگئے۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ہم نے اپنی نماز میں کوتاہی کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیند میں کوتاہی نہیں، کوتاہی تو بیداری میں ہوتی ہے۔ پس تم میں سے کوئی شخص جب کسی نماز سے غافل ہوجائے تو جب یاد آئے اسے پڑھ لے اور کل کو پھر وقت پر نماز پڑھے

(شرح) عام بول چال میں اور اصطلاح میں تو ایسی نماز کو جو نیند یا بھول چوک سے فوت ہوگئی ہو بعد میں ادا کرنا قضاء ہی کہلاتا ہے مگر شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ اس عذر سے چھوٹی ہوئی نماز گو اصول کے مطابق قضاء کہلائے گی مگر دلائل شرع کے مطابق وہ قضاء نہیں بلکہ ادا ہوگی۔ مولانا نے فرمایا کہ ایسی نماز کو بعد میں پڑھنا شرعی دلائل سے بھی قضاء ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمرہ جب بمقام حدیبیہ فوت ہوا کیونکہ کفار نے روک دیا تھا، آئندہ سال معاہدہ کے مطابق یہ عمرہ کیا گیا اور اس کا نام عمرۃ القضاء اور عمرۃ القصاص رکھا گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ شرعی عذر سے بھی اگر کوئی فریضہ وقت مقررہ پر ادا نہ ہو تو بعد میں ادا ہونے والا قضاء ہوگا نہ کہ ادا۔ پھر شوکانی نے کہا کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ فوت ہونے والے فریضے کی قضاء فی الفور واجب ہے اور امام ابوحنیفہؒ، ابویوسفؒ، مزنیؒ، شافعیؒ، کرخی حنفیؒ کا یہی مذہب ہے۔ اور قاسم مالکی، امام مالکؒ اور شافعیؒ نے کہا کہ قضاء دیر سے واجب ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ کی نماز نیند کے باعث فوت ہوئی تو آپ نے اس کی قضاء مؤخر فرمائی۔ وہاں سے سواریاں آگے لے جائی گئیں حتیٰ کہ آپؐ اس وادی سے باہر نکل گئے۔ مگر اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تاخیر کا باعث کچھ اور تھا جو خود اس حدیث میں موجود ہے کہ اس وادی میں شیطان تھا۔

علامہ شوکانی رحمہ نے یہ بھی کہا ہے کہ قضاء نماز کو اوقاتِ نہی میں پڑھا جا سکتا ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں کیونکہ حضورؐ جب نیند سے بیدار ہوئے تو سورج کے بلند ہوجانے تک انتظار فرمایا اور اس کے بعد نماز پڑھی۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے۔ جب اپنا سر اٹھایا تو سورج طلوع ہو رہا ہے اور چمک رہا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہمیں یہاں سے لے چلو، حتیٰ کہ سورج جب خوب سفید ہو گیا تو اتر کر نماز پڑھی۔ بیہقی اور بخاری میں بھی عمران بن حصینؓ کی روایت موجود ہے۔ یہ سب روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضورؐ نے کراہت کے وقت کو نکالنے کی خاطر تاخیر فرمائی تھی ورنہ آپؐ فوراً اسے قضاء فرماتے۔

شوکانی نے کہا کہ حدیث کے یہ الفاظ کہ: اس کے سوا (یعنی قضاء کے سوا) اس کا کوئی کفارہ نہیں، اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مر جائے جس کے ذمہ کوئی نماز تھی تو اس کی طرف سے نہ نماز پڑھی جا سکتی ہے نہ کفارہ دیا جا سکتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اس حدیث میں ایسی کوئی دلیل نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ مذکورہ بالا الفاظ اس شخص کے لئے آئے ہیں جو سو کر یا سہو و نسیان سے نماز فوت کر بیٹھے اور ابھی زندہ ہو۔ پس اس موجودہ حالت میں اس کا کفارہ اور بدل یہی ہے کہ اسے قضاء کرے۔ رہی یہ بات کہ اگر وہ زندگی میں قضاء نہ کرے اور مر جائے اس حدیث کی وعید کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس حدیث کا جملہ : وَمِنَ الْغَدِ لِلْوَقْتِ بتاتا ہے کہ حضورؐ کے ارشاد کا یہ مطلب ہے کہ آج تو کوتاہی ہو گئی اور قضا کر لی گئی مگر کل نماز کو وقت پر پڑھنا۔ بخاری نے اس پر جو باب باندھا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک معنی یہ ہے : جب اس نماز کو یاد کرے تو پڑھ لے اور کل بھی اس وقت اس کا اعادہ کرے۔ خطابی نے کہا ہے کہ یہ حکم استحبابی ہے اور کسی کے نزدیک بھی وجوبی نہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ فقہاء میں کسی نے اس کے استحباب کا بھی کسی کا قول نہیں کہا۔ ابوداؤد کی یہ روایت تو ایک ہی نماز کے دو مرتبہ قضاء کرنے میں واضح نہیں ہے۔ اگلی روایت کا وہ جملہ جس سے یہ مسئلہ نکلا ہے اسے راوی کا وہم قرار دیا گیا ہے۔ ترمذی نے بخاری سے یہی نقل کیا ہے اور نسائی کی روایت میں ہے کہ لوگوں نے کہا : یا رسول اللہ! کیا ہم کل پھر سے اسی وقت قضاء کریں؟ تو حضورؐ نے فرمایا نہیں، کیا اللہ تمہیں تو سود سے روکتا ہے اور خود سود تم سے لے گا؟۔

۴۳۸۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ حَدَّثَنَا الْأَسْوَدُ بْنُ شَيْبَانَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ سُمَيْرٍ قَالَ قَدِمَ عَلَيْنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَبَاحٍ الْأَنْصَارِيُّ مِنَ الْمَدِينَةِ وَكَانَتِ الْأَنْصَارُ تُفَقِّهُهُ فَحَدَّثَنَا، قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيُّ فَارِسُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَيْشَ الْأُمَرَاءِ بِهٰذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ فَلَمْ يُوقِظْنَا إِلَّا الشَّمْسُ طَالِعَةً فَقُمْنَا وَهِلِينَ لِصَلَاتِنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُوَيْدًا رُوَيْدًا حَتّٰى إِذَا تَعَالَتِ الشَّمْسُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَرْكَعُ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيَرْكَعْهُمَا فَقَامَ مَنْ كَانَ يَرْكَعُهُمَا وَمَنْ لَمْ يَرْكَعْهُمَا فَرَكَعَهُمَا ثُمَّ أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُنَادٰى بِالصَّلٰوةِ فَنُودِيَ بِهَا فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِنَا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ أَلَا إِنَّا نَحْمَدُ اللّٰهَ إِنَّا لَمْ نَكُنْ فِي شَيْءٍ مِنْ أُمُورِ الدُّنْيَا يَشْغَلُنَا عَنْ صَلَاتِنَا وَلٰكِنْ أَرْوَاحَنَا كَانَتْ بِيَدِ اللّٰهِ فَأَرْسَلَهَا أَنّٰى شَاءَ فَمَنْ أَدْرَكَ مِنْكُمْ صَلٰوةَ الْغَدَاةِ مِنْ غَدٍ صَالِحًا فَلْيَقْضِ مَعَهَا مِثْلَهَا۔

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہسوار ابوقتادہؓ انصاری نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر میں امراء روانہ فرمائے، پھر ابوقتادہؓ نے یہ قصہ بیان کیا اور کہا کہ ہمیں چڑھتے ہوئے سورج نے جگایا تو ہم نماز کی وجہ سے گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آہستہ، آہستہ، حتیٰ کہ جب سورج بلند ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو فجر کی دو رکعتیں پڑھتے ہوں وہ پڑھ لیں پس

پڑھنے اور نہ پڑھنے والے سب اٹھے اور یہ رکعتیں پڑھیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ نماز کے لئے ندا کی جائے، پس ندا کی گئی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور ہمیں نماز پڑھائی۔ جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا کہ سنو! ہم لوگ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہم کسی دنیوی کام میں مشغول نہ تھے کہ جس کی وجہ سے نماز قضاء ہوگئی ہے! بلکہ ہماری ارواح اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں تھیں، جب اس نے چاہا انہیں واپس کر دیا۔ پس جس آدمی کو کل صبح کی نماز ملے وہ اس کے ساتھ ویسی ہی اور قضاء کرے۔

(شرح) خالد بن سُمیر نے کہا ہے کہ انصار حضرت ابو قتادہؓ کو فقیہ مانتے تھے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہسوار اس واقعہ میں فرمایا گیا جسے مسلم نے سلمہ بن اکوعؓ کی طویل حدیث میں بیان کیا ہے۔ وہ قصہ مقام ذی قرد میں پیش آیا تھا اور ابو قتادہؓ کی شجاعت اور شہسواری کے باعث حضورؐ نے انہیں "بہترین سوار" فرمایا تھا جس طرح کہ سلمہؓ کو بہترین تیرانداز قرار دیا تھا۔ جیش الامراء سے مراد بعض شارحین نے غزوۂ موتہ لیا ہے مگر حضورؐ خود اس میں موجود نہ تھے لہٰذا مولاناؒ نے دلائل سے ثابت فرمایا ہے کہ اس سے مراد یہاں پر غزوۂ خیبر ہے جس سے واپسی پر یہ نماز فوت ہونے کا قصہ پیش آیا تھا۔ خیبر کے بہت سے قلعے تھے جو کئی سپہ سالاروں کی زیر کمان فتح ہوئے تھے اور حضورؐ بنفس نفیس اس غزوہ میں موجود تھے۔

حضورؐ کا یہ ارشاد کہ جو شخص فجر کی رکعتیں پڑھا کرتا ہے، وہ پڑھے، اس لئے ہے کہ واقعہ سفر کا تھا، پس مراد یہ نہیں کہ فجر کی سُنّت کو پڑھنے نہ پڑھنے کا اختیار دیا گیا بلکہ یہ کہ: جو سفر میں پڑھا کرتے ہیں پڑھ لیں۔ لیکن انداز خطاب سے لوگ سمجھ گئے کہ حضورؐ ان کی ترغیب دے رہے ہیں لہٰذا سب نے پڑھ لیں۔ اوپر کی حدیث کی شرح میں ہم بتا چکے ہیں کہ اس روایت (ابو قتادہؓ کی روایت) میں کسی راوی کو وہم ہوا ہے کہ اس نے حدیث کے آخر کے کلمات روایت کئے ہیں جو سب صحاح کے خلاف ہیں اور کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ ایک نماز کو دو مرتبہ قضاء کیا جانا چاہئیے۔ ہاں! اگر قضاء کرنے کا یہ طریقہ اختیار کرے کہ وقتی فریضہ کے ساتھ اسے قضاء کر لے تو یہ دوسری بات ہے۔

۴۳۹۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ اَخْبَرَنَا خَالِدٌ عَنْ حُصَيْنٍ عَنِ ابْنِ اَبِي قَتَادَةَ عَنْ اَبِي قَتَادَةَؓ فِي هٰذَا الْخَبَرِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ اَرْوَاحَكُمْ حَيْثُ شَآءَ وَرَدَّهَا حَيْثُ شَآءَ ثُمَّ قَالَ اَذِّنْ بِالصَّلٰوةِ فَقَامُوْا فَتَطَهَّرُوْا حَتّٰى اِذَا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ۔

(ترجمہ) دوسری روایت میں ابو قتادہؓ سے اس حدیث میں حضورؐ کا یہ قول مروی ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے جب چاہا تمہاری ارواح کو قبض کر لیا اور جب چاہا انہیں واپس کر دیا۔ فرمایا: اُٹھ اور نماز کی اذان دے۔ پھر لوگ اُٹھے اور انہوں نے طہارت اختیار کی حتی کہ جب آفتاب بلند ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔

۴۴۰۔ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْثَرٌ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي قَتَادَةَؓ

عَنْ اَبِیْهِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ - قَالَ فَتَوَضَّأَ حِیْنَ ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰى بِهِمْ -

(ترجمہ) یہ بھی اس حدیث کی ہی ایک روایت ہے جس میں ابوقتادہؓ نے کہا کہ جب سورج بلند ہوگیا تو حضورؐ نے وضوء کیا اور نماز پڑھائی۔

۴۴۱ - حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ الْعَنْبَرِیُّ حَدَّثَنَا سُلَیْمَانُ بْنُ دَاؤُدَ وَهُوَ الطَّیَالِسِیُّ حَدَّثَنَا سُلَیْمَانُ یَعْنِی ابْنَ الْمُغِیْرَةِ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَبَاحٍ عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ فِی النَّوْمِ تَفْرِیْطٌ اِنَّ التَّفْرِیْطَ فِی الْیَقْظَةِ اَنْ تُؤَخَّرَ صَلٰوةٌ حَتّٰى یَدْخُلَ وَقْتُ اُخْرٰى -

(ترجمہ) ابوقتادہؓ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، نیند میں کوئی کوتاہی (تقصیر) نہیں، کوتاہی تو بیداری میں ہے کہ کسی نماز کو اتنا مؤخر کیا جائے حتیٰ کہ دوسری کا وقت داخل ہو جائے۔

(شرح) فجر اور ظہر کا درمیانی وقفہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے کام کاج اور دنیوی مصروفیتوں کے لئے رکھا ہے۔ باقی سب نمازوں کے اوقات کا یہ حال ہے کہ ایک کا وقت نکلا تو دوسری کا داخل ہوگیا۔ اسی سے علامہ شوکانی نے استدلال کیا ہے کہ نماز عشاء کا وقت طلوع فجر تک باقی رہتا ہے۔ ثلث اور نصف شب تک کو احادیث ہی میں آچکا ہے۔ نصف کے بعد بھی طلوع فجر تک وتر کا وقت ہوتا ہے جو نماز عشاء کے تابع ہے۔ پس اس حدیث نے اس مسئلے کی وضاحت کردی۔

۴۴۲ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِیْرٍ اَخْبَرَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَسِیَ صَلٰوةً فَلْیُصَلِّهَا اِذَا ذَكَرَهَا لَا كَفَّارَةَ لَهَا اِلَّا ذٰلِكَ -

(ترجمہ) انس بن مالک سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی نماز کو بھول جائے تو جب یاد آئے اُسے پڑھے۔ اس کے سوا اس کا کوئی کفارہ نہیں۔

(شرح) اس حدیث کی شرح میں امام خطابیؒ نے فرمایا کہ حضورؐ کی مراد اس سے یہ ہے کہ نماز کو ترک کرنے سے کوئی تاوان یا کفارہ مثلاً صدقہ وغیرہ لازم نہیں آتا (صرف اس کی قضاء اور ادائیگی لازم ہے) برخلاف روزہ ترک کرنے کے، کہ اگر بلا عذر رمضان میں روزہ نہ رکھا تو کفارہ لازم ہے۔ اسی طرح اگر احرام والا کسی عبادت کو ترک کردے تو جانور وغیرہ کی قربانی سے نقصان کی تلافی کرنا پڑے گی۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حج بدل تو دوسروں کی طرف سے ہوسکتا ہے مگر دوسروں کی طرف سے نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔ اسی طرح دوسروں کی طرف سے قرض ادا کئے جاتے ہیں۔ اور یہ دلیل بھی ہے کہ روزے کی تلافی مال سے ہوسکتی ہے مگر نماز کی نہیں۔ جہاں تک میت کی طرف سے نماز کے کفارے کا مسئلہ ہے وہ ایک دوسری بحث ہے جس کا تعلق ایصالِ ثواب سے بھی ہے اور اس کا ذکر اوپر گذر چکا۔

۴۴۳ - حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ عَنْ خَالِدٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي مَسِيرٍ لَهُ فَنَامُوا عَنْ صَلَوٰةِ الْفَجْرِ فَاسْتَيْقَظُوا بِحَرِّ الشَّمْسِ فَارْتَفَعُوا قَلِيلًا حَتَّى اسْتَقَلَّتِ الشَّمْسُ ثُمَّ أَمَرَ مُؤَذِّنًا فَأَذَّنَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَقَامَ ثُمَّ صَلَّى الْفَجْرَ۔

(ترجمہ) عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی سفر میں تھے پس لوگ سو گئے اور نماز فجر جاتی رہی اور وہ سورج کی دھوپ کی گرمی سے بیدار ہوئے۔ پھر کچھ دیر آگے کو چلے حتی کہ سورج بلند ہو گیا پھر آپ نے ایک مؤذن کو اذان کا حکم دیا اور اس نے اذان دی تو آپؐ نے فجر کی دو سنتیں ادا کیں پھر مؤذن نے اقامت کہی پھر آپؐ نے نماز فجر پڑھائی۔

(شرح) حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ اس سفر کی تعیین میں اختلاف ہوا ہے۔ مسلم نے اسی جیسا واقعہ ابوہریرہؓ سے مروی ہے جس کا تعلق غزوۂ خیبر سے واپسی کے ساتھ ہے۔ سنن ابی داؤد میں عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے جس میں حدیبیہ سے واپسی کی رات کا ذکر ہے۔ مؤطا کی زید بن اسلم کی مرسل روایت میں ہے کہ حضورؐ نے مکہ کے راستے میں رات کو راحت فرمائی اور یہ قصہ پیش آیا۔ مصنف عبدالرزاق میں عطاء بن یسار کی مرسل حدیث میں ہے کہ یہ واقعہ تبوک کے راستے میں پیش آیا تھا۔ اس کا کچھ ذکر آگے آرہا ہے۔

۴۴۴ - حَدَّثَنَا عَبَّاسٌ الْعَنْبَرِيُّ ح وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ وَهَذَا لَفْظُ عَبَّاسٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ يَزِيدَ حَدَّثَهُمْ عَنْ حَيْوَةَ بْنِ شُرَيْحٍ عَنْ عَيَّاشِ بْنِ عَبَّاسٍ يَعْنِي الْقِتْبَانِيَّ أَنَّ كُلَيْبَ بْنَ صُبْحٍ حَدَّثَهُمْ أَنَّ الزِّبْرِقَانَ حَدَّثَهُ عَنْ عَمِّهِ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ فَنَامَ عَنِ الصُّبْحِ حَتَّى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَاسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تَنَحَّوْا عَنْ هَذَا الْمَكَانِ قَالَ ثُمَّ أَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ ثُمَّ تَوَضَّئُوا وَصَلَّوْا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ ثُمَّ أَمَرَ بِلَالًا فَأَقَامَ الصَّلَوٰةَ فَصَلَّى بِهِمْ صَلَوٰةَ الصُّبْحِ۔

(ترجمہ) عمرو بن امیہ ضمریؓ نے کہا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپؐ کے کسی سفر میں تھے، پس نیند میں صبح کی نماز جاتی رہی حتی کہ سورج طلوع ہو گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاگے تو فرمایا کہ اس جگہ سے ہٹ جاؤ۔ عمروؓ نے کہا پھر آپؐ نے بلالؓ کو حکم دیا تو اس نے اذان کہی۔ پھر لوگوں نے وضو

کر کے فجر کی دو رکعت پڑھیں۔ پھر حضور ؐ نے بلال ؓ کو حکم دیا تو انہوں نے نماز کی اقامت کہی تو آپ ؐ نے انہیں صبح کی نماز پڑھائی (اس حدیث میں بھی سفر کی تعیین نہیں ہے کہ کونسا موقع تھا)

۴۴۵ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْحَسَنِ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا حَرِيزٌ ح وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ أَبِي الْوَزِيرِ حَدَّثَنَا مُبَشِّرٌ يَعْنِي الْحَلَبِيَّ حَدَّثَنَا حَرِيزٌ يَعْنِي ابْنَ عُثْمَانَ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ ذِي مِخْبَرٍ الْحَبَشِيِّ وَكَانَ يَخْدُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الْخَبَرِ قَالَ فَتَوَضَّأَ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُضُوءًا لَمْ يَلُثْ فِيهِ التُّرَابُ ثُمَّ أَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ غَيْرَ عَجِلٍ ثُمَّ قَالَ لِبِلَالٍ أَقِمِ الصَّلَاةَ ثُمَّ صَلَّى الْفَرْضَ وَهُوَ غَيْرُ عَجِلٍ - قَالَ عَنْ حَجَّاجٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ صُلَيْحٍ قَالَ حَدَّثَنِي ذُو مِخْبَرٍ رَجُلٌ مِنَ الْحَبَشَةِ وَقَالَ عُبَيْدٌ يَزِيدُ بْنُ صُلَيْحٍ۔

(ترجمہ) ذو مخبر ؓ حبشی نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم تھا یہی قصہ بیان کیا تو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا وضوء کیا جس سے مٹی تر نہ ہوئی (یعنی ہلکا سا وضوء فرمایا) پھر بلال ؓ کو حکم دیا تو اس نے اذان دی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھ کر آہستہ سے دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر بلال ؓ سے فرمایا کہ نماز کی اقامت کہو، پھر فرض پڑھے اور آپ وقار و سکون سے پڑھ رہے تھے۔

(شرح) اس حدیث کا ایک راوی عبید بن ابی الوزیر الحلبی جو ابو داؤد کا استاد ہے مجہول ہے اور اس سے ابو داؤد کے سوا اور کسی نے روایت نہیں کی۔ مگر اس روایت میں وہ منفرد نہیں ہے۔ اسی طرح اس حدیث کا ایک راوی حریز بن عثمان ہے جسے عام محدثین ثقہ تو کہتے ہیں مگر بعض نے اس کی روایت اس بناء پر نہیں لی کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شدید بغض رکھتا تھا۔ ازدی نے ضعفاء میں بیان کیا ہے کہ حریز بن عثمان نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنی خچر پر سوار ہونے کا ارادہ فرمایا تو علی ؓ بن ابی طالب نے آکر خچر کا تنگ کھول دیا کہ معاذ اللہ حضور ؐ گر جائیں۔ پس اس کی روایت پر عدم اعتماد کا باعث اس کا ناصبی ہونا ہے ابو داؤد نے حریز کی کئی روایات درج کی ہیں۔ اس حدیث کے راوی ذی مخبر حبشی ؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خادم اور شاہ نجاشی کے بھتیجے تھے۔ حضور ؐ کے پاس حبشہ سے شاہ نجاشی ؒ کی طرف سے آئے تھے اور مدینہ ہی میں رہ گئے تھے۔ حضور ؐ کے بعد شام میں آبسے تھے۔ امام اوزاعی ؒ ان کا نام ذو مخمر (میم کے ساتھ) بتاتے تھے۔ ابن سعد نے بھی ذو مخمر لکھا ہے مگر ترمذی نے ذو مخبر کہا ہے۔

۴۴۶ - حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ الْفَضْلِ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ عَنْ حَرِيزٍ يَعْنِي ابْنَ

عُثْمَانَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ صُلَيْحٍ عَنْ ذِي مِخْبَرِ بْنِ أَخِي النَّجَاشِيِّ فِي هَذَا الْخَبَرِ قَالَ فَأَذَّنَ وَهُوَ غَيْرُ عَجِلٍ۔

(ترجمہ) شاہِ نجاشی کے بھتیجے ذو مخبر سے اس روایت کے مطابق اذان کے متعلق بھی یہ لفظ آیا ہے کہ بلال نے ٹھہر ٹھہر کر اذان کہی۔

۴۴۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي عَلْقَمَةَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُودٍ رض قَالَ أَقْبَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَكْلَؤُنَا فَقَالَ بِلَالٌ رض أَنَا فَنَامُوا حَتَّى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ افْعَلُوا كَمَا كُنْتُمْ تَفْعَلُونَ قَالَ فَفَعَلْنَا، قَالَ فَكَذٰلِكَ فَافْعَلُوا لِمَنْ نَامَ أَوْ نَسِيَ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے دنوں میں آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہماری چوکیداری کون کرے گا؟ بلالؓ نے کہا کہ میں کروں گا۔ پس سب لوگ سو گئے حتیٰ کہ آفتاب طلوع ہو گیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو فرمایا اسی طرح کرو جس طرح تم پہلے کیا کرتے ہو۔ عبداللہؓ نے کہا کہ ہم نے وہی کچھ کیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص سو جائے یا بھول جائے تو اس کے لئے یہی کرنے کا حکم ہے۔ (حضورؐ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ جس طرح تم اس نماز کو وقت پر ادا کرنے کے لئے طہارت، ادائے سنن، صف بندی، اذان، اقامت، جماعت کا اہتمام کرتے ہو اب بھی وہی کچھ کرو لیلۃ التعریس کا تعلق غزوہ خیبر سے واپسی کے واقعے سے ہے۔ طبرانی کی روایت میں اسے غزوۂ تبوک میں بتایا گیا ہے۔ جمع کرنا اس طرح ممکن ہے کہ شاید یہ واقعہ ایک سے زیادہ بار ہوا ہو)۔

۲۱۔ بَابٌ فِي بِنَاءِ الْمَسَاجِدِ

مسجدیں بنانے کا باب

۴۴۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ بْنِ سُفْيَانَ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ سُفْيَانَ يَعْنِي الثَّوْرِيَّ عَنْ أَبِي فَزَارَةَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْأَصَمِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض قَالَ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اُمِرْتُ بِتَشْیِیْدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّہَا کَمَا زَخْرَفَتِ الْیَہُوْدُ وَالنَّصَارٰی۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ مسجدوں کو بہت اونچا بناؤں۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ تم مسجدوں کو اسی طرح مزین و منقش کروگے جس طرح یہود و نصاریٰ نے (اپنی عبادت گاہوں کو) کیا تھا۔

(شرح) ابن عباسؓ کا قول گو موقوف حدیث کہلائے گا مگر وہ مرفوع کے حکم میں اس لئے ہے کہ اس میں جو خبر دی گئی ہے وہ صاحبِ وحی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہی ممکن تھی، اور پھر یہ پیشگوئی حرف بحرف پوری بھی ہو چکی جو اس کے قول رسول ہونے کی واضح دلیل ہے۔ ابن عباسؓ کے قول سے مسجدوں کی تزیین و آرائش اوران میں نقش و نگار بنانے اوران کی ظاہری حالت کو ہی اصل مقصد سمجھ لینے کی ممانعت پائی جاتی ہے اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ تشبیہ سے جو غرض ہے وہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے ان لوگوں نے اپنی عبادت گاہیں جس انداز سے بنائی ہیں، ان میں عوام کو مرعوب و متحیر کرنے کی جو سعی کی ہے وہ کسی گرجے یا صومعے میں جاکر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ یہی روش بہت سے مسلمانوں نے بھی اپنالی ہے اور سادگی کو چھوڑ کر مسجدوں کی ظاہری ٹیپ ٹاپ اور اظہارِ شان و شوکت میں کھو گئے۔ علامہ شوکانی نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا واضح معجزہ موجود ہے۔ جو کچھ آپؐ نے فرمایا وہی وقوع میں آئی مسجدوں کی تزیین و آرائش اور انہیں منقش بناکر دلہن سی قرار دینا اس زمانے میں بادشاہوں اور امراء کی شان بن گئی ہے۔ لوگ اپنی اپنی مسجدوں کو فخر و مباہات کا ذریعہ بنا چکے ہیں۔ قاہرہ، شام اور بیت المقدس میں لوگوں سے ظلماً مال و دولت کو ہتھیا کر اپنی مساجد کو عجیب و غریب شکلوں میں بنایا گیا۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ مساجد کی تعمیر میں دنیوی عمارات کا سا مبالغہ کرنا ان کے طول و عرض اور بلندی میں، نقش و نگار اور آرائش میں غیر مسلموں کا اتباع کرنا، مسجدوں پر سونے کا پانی پھیرنا وغیرہ سب بدعت ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت میں مسجدوں کی تشیید و تجصیص کی رخصت ملتی ہے۔ بدر بن المنیر نے کہا ہے کہ جب لوگوں نے اپنے گھروں کی تزیین و آرائش کرلی، عظیم و رفیع عمارتیں بنالیں اور تعمیر کے نئے نئے اسلوب اختیار کرلئے تو مناسب ٹھیرا کہ مسجدوں کو بھی ایک حد تک بلندی، طول و عرض، خوبصورتی اور صفائی وغیرہ میں ان کی سطح پر لایا جائے تاکہ انہیں بنظرِ حقارت و استہانت نہ دیکھا جائے لیکن اس چیز سے منع کرنا اگر اتباعِ سنت کے نقطۂ نظر سے ہو تو بدر کا قول درست ہے اور اگر تزیین و تشیید سے مخالفت کا باعث یہ تھا کہ نمازیوں کے دل میں تشویش پیدا نہ ہو تو اس کا قول غلط ہے۔ جن لوگوں نے مسجدوں کی آرائش و زیبائش کو جائز ٹھیرایا ہے۔ ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ سلف سے اس پر انکار ثابت نہیں ہوا۔ ایک دلیل یہ ہے کہ یہ ہے تو نئی چیز مگر مستحسن ہے۔ ایک اور دلیل یہ ہے کہ اس سے مسجدوں کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہ دلائل غلط ہیں کیونکہ اول تو تزیین و آرائش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر سے نہیں ہے۔ احادیث کی اس پر دلالت موجود ہے اور اس میں ایک قسم کی مباہات پائی جاتی ہے اور قیامت کی علامات میں سے ہے۔ اور پھر یہ یہود و نصاریٰ کا تصنع ہے جو مسلمانوں میں آگھسا ہے۔ عدم انکار سلف کا جہاں تک سوال ہے یہ بھی غلط

ہے کیونکہ یہ بدعت ظالم بادشاہوں اور عیاش حکمرانوں کی ایجاد ہے، اگر لوگ ان کے اس فعل پر خاموش رہے تو یہ خوف کے باعث تھا نہ کہ رضامندی کے سبب سے۔ اور علمائے آخرت کو جب بھی موقع ملا وہ اس کا انکار کرتے رہے اسی طرح دوسرے دعاوی بھی غلط ہے۔ اس چیز میں نہ کوئی حسن ہے اور نہ یہ رغبت کا باعث ہے ہاں! لوگ اسے تماشا گاہ ضرور بنا لیتے ہیں اور بعض مساجد کو دیکھنے کے لئے سیاح اور عوام جوق در جوق آتے ہیں جس طرح قلعوں اور دوسری اسی قسم کی عمارتوں اور شاہی محلات کو دیکھنے آتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ در مختار میں ہے کہ: محراب کے علاوہ مسجد کو سادہ طور پر منقش کرنے میں حرج نہیں کیونکہ محراب میں نقش و نگار ہوں تو نمازی کے دل میں تشویش پیدا ہوگی۔ (محراب سے مراد یہاں صرف امام کا مقام نہیں بلکہ ساری قبلہ کی دیوار ہے ورنہ یہ قول صادق نہیں آسکتا کہ اس سے نمازی کو تشویش ہوگی) اور تکلف کے ساتھ دقیق نقش و نگار خاص کر دیوار قبلہ میں ناجائز ہے اور نقش و نگار سے مراد سونے کے پانی سے اور گچ سے نقش و نگار کرنا ہے چاہے کوئی اپنے حلال مال سے ہی کرے، ہاں سادہ نقش درست ہے بشرطیکہ مالِ وقف (چندے کے مال) سے نہ ہو کیونکہ وہ حرام ہے۔ اگر متولی ایسا کریگا تو ضامن ہوگا۔ اگر اندھیرے کو دور کرنے اور روشنی کی خاطر کیا جائے تو جائز ہے۔ وہ لیپا پوتی اور چونا پھیرنا جو عمارت کے استحکام کی خاطر ہو جائز ہے۔ حرج نہ ہونے کا لفظ جو در مختار میں ہے اس سے مراد یہ ہے کہ نہ ہو تو بہتر ہے، اور اس کا اجر کوئی نہ ہوگا۔ بلکہ فقراء اور محتاجوں کی خدمت کرنا اس سے افضل ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے مسجد کی تزیین کی جو رخصت دی ہے یہ اس وقت ہے جبکہ تعظیم کے لئے ہو اور بیت المال سے (یا وقف مال سے مثلاً عوامی چندہ اور عطیات وغیرہ) نہ ہو۔

اس مسئلے میں چند امور کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ ۱۔ پہلا یہ کہ جب مسجد کی تزیین و آرائش اس قسم کی ہو جو نمازیوں کے دل کو غافل اور مشوش کرے تو اس کی کراہت (حرمت) بالاجماع ہے۔ ۲۔ دوسرا یہ کہ جب یہ فعل فخر و مباہات کیلئے ہو تب بھی مکروہ ہے بلکہ یہ شہرت طلبی، ریاکاری اور فاسد اغراض کے ماتحت ہے، تزیین و تحسین تو رہی ایک طرف اس نیت سے تو اصل مسجد کی تعمیر ہی مکروہ ہے (وحی کا دروازہ بند ہے اور معلوم نہیں ہو سکتا کہ کون کس نیت سے تعمیر کرتا ہے!) ۳۔ تیسرا امر یہ کہ گچ، چونے، لوہے اور سیمنٹ وغیرہ کا استعمال چونکہ عمارت کی پختگی کے لئے ہوتا ہے لہٰذا حنفیہ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے اور اس کی دلیل بخاری کی حدیث ہے کہ جناب عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص اللہ کے لئے مسجد بنائے گا اللہ اس کے لئے اسی کی مانند جنت میں مکان بنائے گا۔ اسی حدیث سے استدلال کرکے انہوں نے اپنے دورِ خلافت میں مسجد نبویؐ کو از سر نو تعمیر کرایا تھا اور جو کچھ کیا تھا پختگی اور مضبوطی کی خاطر کیا تھا نہ کہ محض تزیین و آرائش کے لئے۔ منقش پتھر جو استعمال کئے تھے وہ سلطنت کے کسی علاقے سے اسی طرح منقش ملے تھے خود انہوں نے ان پر نقش و نگار نہیں بنوائے تھے۔ یہ پتھر انہوں نے مسجد میں لگا دیا اور حضورؐ کا ارشاد ہے۔ میرے طریقے اور میرے ہدایت یافتہ راست خلفاء کے طریقے کو لازم پکڑو۔ جن صحابہؓ نے اس پر انکار کیا تھا ان کے پاس اس کے سوا کوئی دلیل نہ تھی کہ ترکِ رفاہیت میں سلف کا اتباع کرنا چاہیے لیکن یہ دلیل تحریم اور کراہت کو ثابت نہیں کر سکتی جیسا کہ ظاہر ہے۔ سنن ابی داؤد کی یہ حدیث بھی مخالفت پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ اس سے صرف یہ ثابت ہوا کہ تشیید کا حکم اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا۔ اس سے کراہت و حرمت نہیں نکلتی کیونکہ وجوب کی نفی فعل کے جواز پر بھی صادق آتی ہے۔ جہاں تک ابن عباسؓ کے قول کا تعلق ہے، سو اول تو وہ ابن عباسؓ پر موقوف ہے۔ اگر اسے مرفوع مان لیا جائے تو اس سے مراد وہ تزیین و آرائش ہے جو نمازیوں کے دلوں کو

مشوش کرے یا فخر و مباہات اور ریاکاری و شہرت طلبی کے لئے ہو جیسا کہ یہود و نصاریٰ کرتے ہیں۔ یہ تشبیہ ہی اس قول کی وضاحت کے لئے کافی ہے کہ اس میں ایک خاص قسم کی تزیین و آرائش مراد ہے۔ خود انہی عبداللہ بن عباسؓ سے سورہ نور کی آیت: فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ کی تفسیر میں منقول ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے مسجدوں کی تعمیر کا اور ان کی عمارتوں کے بلند کرنے اور ممتاز کرنے کا حکم دیا ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ مسجد کے ماحول کے مکانات کو اس کی عمارت سے بلند کرنا جائز نہیں۔ شاید اسی لئے مسلم طرز تعمیر میں منارے، برجیاں اور گنبد مساجد کے لئے اہمیت اختیار کر گئے ہیں۔ ۴۔ چوتھا امر یہ ہے کہ مسجد کی تعمیر میں غصب اور لوگوں سے ظلماً مال ہتھیانا حرام ہے۔ ۵۔ پانچواں یہ کہ اگر اس قسم کی تعمیر جس میں تزیین و آرائش ہو مال وقف سے کی جائے تو حرام ہے۔ کسی فقیہ نے اس کی رخصت نہیں دی۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے دور حکومت میں کعبۃ اللہ کو بنائے ابراہیمی پر بہت اونچا کر کے بنایا تھا اور جن لوگوں نے اس میں ان کی مخالفت کی ان کے پاس مصلحت کے سوا کوئی دلیل نہ تھی جیسا کہ ابن عباسؓ نے اس طرف اشارہ کیا تھا کہ صرف عمارت کی مرمت و اصلاح پر اکتفاء کریں اور اس میں کمی بیشی نہ کریں ورنہ بعد کے حکام اسے پھر توڑ کر از سر نو بنائیں گے۔ پھر ابوجعفر منصور، مہدی اور ہارون رشید نے کعبہ کو از سر نو تعمیر کرنے کا قصد کیا تو امام مالکؒ نے انہیں منع کیا مبادا یہ بادشاہوں کی خواہشات کا کھلونا بن جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ علامہ شوکانی وغیرہ کا تشیید مساجد سے مطلقاً انکار بے دلیل اور بے محل بات ہے۔

۴۴۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْخُزَاعِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ عَنْ اَنَسٍؓ وَقَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ۔

(ترجمہ) انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک لوگ مسجدوں کے بارے میں فخر و مباہات نہ کریں۔

(شرح) حضورؐ کی پیشگوئی حرف بحرف پوری ہو چکی ہے۔ آج کل مسجدیں برادریوں، اشخاص، خاندانوں، محلوں اور فرقوں وغیرہ سے منسوب ہوتی ہیں اور ہر کوئی اپنی مسجد کی تعریف کرتا ہے۔ بعض جگہ تو بدقسمتی سے مسجد کو دنیادار سیاسی اور با اقتدار لوگ اپنے ترفع اور دنیا پرستی کی خاطر استعمال کرنے سے نہیں چوکتے۔ ہمارے ہاں ایک اور وبا پھوٹ پڑی ہے کہ اپنے مذموم فرقہ وارانہ مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کرنے کی خاطر دوسرے خیال کے لوگوں کی مساجد پر دھونس دھاندلی، دھوکے اور فساد سے قبضہ کرتے ہیں اور اسے بہت بڑا جہاد تصور کرتے ہیں۔ بعض سرکاری حکام اور ملازم بھی اس میں ملوث بتائے جاتے ہیں۔ ایسے لوگ یہ فعل قبیح انجام دے کر فخر و مباہات سے اعلان کرتے ہیں کہ ہم نے بہت بڑی دینی کامیابی حاصل کی ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ مسجدوں پر فخر و مباہات کرنے والے ان کی حقیقی آبادی سے محروم رہتے ہیں۔ مسند ابی لیلیٰ اور صحیح ابن خزیمہ سے حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے کہ انسؓ نے حضورؐ کو فرماتے سنا کہ میری امت پر

ایک وقت آئے گا جبکہ لوگ مسجدوں پر فخر کرینگے مگر انہیں آباد نہیں کرینگے۔ حافظ ابو نعیم نے کتاب المساجد میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ: لوگ مساجد کی کثرت پر فخر کرینگے۔

۴۵۰۔ حَدَّثَنَا رَجَاءُ بْنُ الْمُرَجَّى حَدَّثَنَا أَبُو هَمَّامٍ الدَّلَّالُ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ السَّائِبِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عِيَاضٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَجْعَلَ مَسْجِدَ الطَّائِفِ حَيْثُ كَانَ طَوَاغِيتُهُمْ۔

(ترجمہ) عثمانؓ بن ابی العاص سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ طائف کی مسجد وہاں بنائیں جہاں مشرکوں کا بت خانہ تھا۔

(شرح) عثمان بن ابی العاص طائفی مشہور صحابی تھے جنہوں نے ارتداد کے فتنے میں طائف کے لوگوں کو یہ کہہ کر مرتد ہونے سے باز رکھا کہ اے اہل طائف تم لوگ سب کے بعد مسلمان ہوئے تھے اب سب سے پہلے مرتد نہ ہو جانا۔ چونکہ طائف والے مسلمان ہو چکے تھے اور انہوں نے بتکدے توڑ ڈالے تھے لہٰذا اب ان جگہوں کا بہترین مصرف یہی تھا کہ جہاں غیر اللہ کی عبادت ہوتی رہی وہاں خالصۃً خدائے واحد کی عبادت ہو اور بتکدوں کو مسجدوں میں تبدیل کر دیا جائے جو یکسر تبدیلِ احوال کی ظاہری و فتح علامت تھی۔

۴۵۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ وَمُجَاهِدُ بْنُ مُوسَى وَهُوَ أَتَمُّ قَالَا حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنَا نَافِعٌ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ أَخْبَرَهُ أَنَّ الْمَسْجِدَ كَانَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَبْنِيًّا بِاللَّبِنِ وَالْجَرِيدِ وَعُمُدُهُ، قَالَ مُجَاهِدٌ وَعُمُدُهُ، مِنْ خُشُبِ النَّخْلِ فَلَمْ يَزِدْ فِيهِ أَبُو بَكْرٍ شَيْئًا وَزَادَ فِيهِ عُمَرُ وَبَنَاهُ عَلَى بِنَائِهِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّبِنِ وَالْجَرِيدِ وَأَعَادَ عُمُدَهُ وَقَالَ مُجَاهِدٌ عُمُدَهُ خُشُبًا وَغَيَّرَهُ عُثْمَانُ فَزَادَ فِيهِ زِيَادَةً كَثِيرَةً وَبَنَى جِدَارَهُ بِالْحِجَارَةِ الْمَنْقُوشَةِ وَالْقَصَّةِ وَجَعَلَ عُمُدَهُ مِنْ حِجَارَةٍ مَنْقُوشَةٍ وَسَقْفَهُ بِالسَّاجِ، قَالَ مُجَاهِدٌ وَسَقْفُهُ السَّاجُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ الْقَصَّةُ الْجِصُّ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عمرؓ نے بتایا کہ مسجد نبوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کچی اینٹوں اور کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی تھی اور اس کے ستون کھجور کے تنے کے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس میں کوئی اضافہ نہ کیا اور حضرت عمرؓ نے اس میں اضافہ تو کیا مگر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے والی بناوٹ کی مانند کچی اینٹوں اور کھجور کی ٹہنیوں سے بنایا اور اس کے

ستون وہی لکڑی کے رکھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس میں تبدیلی کی اور بہت سا اضافہ کیا، اس کی دیوار کو منقش پتھروں سے بنایا اور گچ کا استعمال کیا اور اس کے ستون منقش پتھروں کے بنائے اور اس کی چھت ساگوان کی لکڑی کی بنائی۔

(شرح) یہ امر صحاح سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مسجد کی توسیع و تعمیر اپنی گرہ سے فرمائی تھی، اس میں بیت المال کا عوام کے عطیوں کا کوئی حصہ نہ تھا۔ ضرورت اس کی یہ تھی کہ آبادی کی کثرت، لوگوں کے بکثرت اسلام لے آنے اور فتوحات کی کثرت سے اس کی ضرورت محسوس کی گئی تھی۔ اس امر کا اشارہ بخاری و مسلم کی حدیث میں ملتا ہے جسے ہم اوپر کی بحث میں درج کر چکے ہیں۔

۴۵۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسٰى عَنْ شَيْبَانَ عَنْ فِرَاسٍ عَنْ عَطِيَّةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ اِنَّ مَسْجِدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ سَوَارِيْهِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جُذُوْعِ النَّخْلِ اَعْلَاهُ مُظَلَّلٌ بِجَرِيْدِ النَّخْلِ ثُمَّ اِنَّهَا نَخِرَتْ فِيْ خِلَافَةِ اَبِيْ بَكْرٍؓ فَبَنَاهَا بِجُذُوْعِ النَّخْلِ وَبِجَرِيْدِ النَّخْلِ ثُمَّ اِنَّهَا نَخِرَتْ فِيْ خِلَافَةِ عُثْمَانَؓ فَبَنَاهَا بِالْاٰجُرِّ فَلَمْ تَزَلْ ثَابِتَةً حَتَّى الْاٰنَ۔

(ترجمہ) ابن عمرؓ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے ستون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کھجور کے تنوں کے تھے اور اس کی چھت کھجور کی شاخوں سے پٹی ہوئی تھی۔ پھر وہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں بوسیدہ ہو گئے تو انہوں نے پھر ستون کھجور کے تنوں کے اور چھت کھجور کی ٹہنیوں کی بنا دی پھر وہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں بوسیدہ ہو گئے تو انہوں نے پکی اینٹوں کے بنائے جو اب تک صحیح سلامت ہیں (یعنی اس حدیث کے بیان تک)

(شرح) اس حدیث کے راوی عطیہ کو امام احمدؒ، ابو حاتمؒ اور نسائی نے ضعیف، بخاری نے متکلم فیہ، ابو زرعہ نے نرم، جوزجانی نے مائل، اور ابو داؤد نے غیر معتمد قرار دیا ہے۔ ساجی نے کہا کہ وہ حجت نہیں ہے۔ مشہور کوفی تھا اور انہی کے مشہور مذہب پر تھا۔ اوپر کی حدیث میں حضرت ابوبکرؓ کے از سر نو مسجد بنانے کا ذکر نہ تھا صرف اتنا تھا کہ انہوں نے مسجد میں اضافہ نہیں کیا۔ یہاں ہے کہ انہوں نے از سر نو مسجد بنائی۔ چونکہ توسیع نہ کی تھی اس لئے پہلی حدیث میں وہ لفظ اور یہاں پر محض چھت و ستون بدلنے کا ذکر آیا۔ اوپر کی حدیث میں حضرت عمرؓ کے اضافے کا ذکر آچکا ہے لہٰذا چونکہ باقی تعمیر ابوبکر صدیقؓ جیسی تھی لہٰذا اس حدیث میں اس کا ذکر نہیں آیا۔ حضرت عثمانؓ کے ذکر میں یہاں پکی اینٹوں کا اور اوپر کی حدیث میں منقوش پتھروں کا ذکر آیا ہے۔ شاید دونوں کا استعمال ہوا ہوگا۔ ویسے حدیث ضعیف ہے۔

۴۵۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ اَبِي التَّيَّاحِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ فَنَزَلَ فِيْ عُلُوِّ الْمَدِيْنَةِ

فِي حَيٍّ يُقَالُ لَهُمْ بَنُو عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ فَأَقَامَ فِيهِمْ أَرْبَعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَى بَنِي النَّجَّارِ فَجَاءُوا مُتَقَلِّدِينَ سُيُوفَهُمْ فَقَالَ أَنَسٌ فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَاحِلَتِهِ وَأَبُو بَكْرٍ رِدْفَهُ وَمَلَأُ بَنِي النَّجَّارِ حَوْلَهُ حَتَّى أَلْقَى بِفِنَاءِ أَبِي أَيُّوبَ، وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي حَيْثُ أَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ وَيُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ وَإِنَّهُ أَمَرَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ فَأَرْسَلَ إِلَى بَنِي النَّجَّارِ قَالَ يَا بَنِي النَّجَّارِ ثَامِنُونِي بِحَائِطِكُمْ هٰذَا فَقَالُوا وَاللَّهِ لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهُ إِلَّا إِلَى اللَّهِ قَالَ أَنَسٌ وَكَانَ فِيهِ مَا أَقُولُ لَكُمْ، كَانَتْ فِيهِ قُبُورُ الْمُشْرِكِينَ وَكَانَتْ فِيهِ خَرِبٌ وَكَانَتْ فِيهِ نَخْلٌ فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُبُورِ الْمُشْرِكِينَ فَنُبِشَتْ وَبِالْخَرِبِ فَسُوِّيَتْ وَبِالنَّخْلِ فَقُطِعَ فَصُفَّ النَّخْلُ قِبْلَةَ الْمَسْجِدِ وَجَعَلُوا عِضَادَتَيْهِ حِجَارَةً وَجَعَلُوا يَنْقُلُونَ الصَّخْرَةَ وَهُمْ يَرْتَجِزُونَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهُمْ وَهُوَ يَقُولُ: اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَةِ ﴿﴾ فَانْصُرِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَهْ

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ہجرت کر کے) مدینہ میں آئے تو مدینہ کی بیرونی جانب نجد آبادی (قبا) میں ایک قبیلے کے ہاں فروکش ہوئے جو بنو عمرو بن عوف کہلاتا تھا۔ پس آپ وہاں چودہ دن مقیم رہے پھر آپ نے بنی نجار (اپنے دادا کے ننھیال) کو پیغام بھیجا تو وہ تلواریں سجا کر حاضر ہوئے۔ راوی نے کہا کہ انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا گویا میں اس وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سواری پر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کے پیچھے دیکھ رہا ہوں۔ اور بنو نجار آپ کے ارد گرد تھے حتی کہ آپ نے ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے ڈیرہ ڈال دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں کہیں نماز کا وقت آتا نماز پڑھ لیتے تھے حتی کہ بھیڑ بکریوں کے باڑہ میں بھی پڑھ لیتے تھے۔ آپ نے مسجد بنانے کا حکم دیا اور بنی نجار کو پیغام بھیج کر بلوایا اور فرمایا اے بنو نجار! تم میرے ساتھ اپنے اس باغ کا سودا چکا لو۔ انہوں نے کہا واللہ ہم تو اس کی قیمت فقط اللہ سے لیں گے۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اس جگہ میں کیا کچھ تھا — کچھ تو مشرکوں کی قبریں تھیں اور کچھ گڑھے تھے اور کچھ کھجوریں تھیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مشرکوں کی قبریں اکھاڑ دی گئیں، گڑھے پُر کر دیئے گئے اور کھجوریں کاٹ دی گئیں۔ پھر کھجوروں کو جانب قبلہ میں مسجد کے اندر بطور شہتیر ڈالا گیا اور ان کے ارد گرد پتھر چنے گئے اور لوگ پتھر ڈھونے لگے اور وہ رجز پڑھ رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ ساتھ تھے اور فرماتے تھے: اے اللہ بھلائی تو آخرت کی ہی بھلائی ہے۔ سو تو انصار اور مہاجرین کی مدد فرما۔

(شرح) حضورؐ کے قبا میں قیام، وہاں ایک مسجد بنانے، اہل مدینہ کے جوق درجوق حاضر ہو کر بیعت کرنے اور پھر آپؐ کے چودہ دن کے قیام کے بعد مدینہ میں داخلے کے بڑے مؤثر اور رقت انگیز واقعات حدیث اور سیرت کی کتابوں میں درج ہیں۔ یہاں ان کے بیان میں بہت اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ رجز پر اس سے پہلے بھی بعض مقامات پر گفتگو ہو چکی ہے یہ رجز یہ کلام دراصل کسی صحابی کا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعمیر مسجد کے وقت لوگوں کے ساتھ ملکر پڑھ رہے تھے۔ قاعدہ یہ ہے کہ مزدوروں کو گیت وغیرہ کام میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ حضورؐ بنفس نفیس مزدوروں کی صف میں شامل تھے اور کسی معمولی سے معمولی اور شدید سے شدید کام سے بھی عار نہ تھی صلی اللہ علیہ وسلم۔

۴۵۴- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ مَوْضِعُ الْمَسْجِدِ حَائِطًا لِبَنِي النَّجَّارِ فِيهِ حَرْثٌ وَنَخْلٌ وَقُبُورُ الْمُشْرِكِينَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَامِنُونِي بِهِ فَقَالُوا لَا نَبْغِي فَقُطِعَ النَّخْلُ وَسُوِّيَ الْحَرْثُ وَنُبِشَ قُبُورُ الْمُشْرِكِينَ وَسَاقَ الْحَدِيثَ - وَقَالَ فَاغْفِرْ مَكَانَ فَانْصُرْ - قَالَ مُوسَى وَحَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بِنَحْوِهِ وَكَانَ عَبْدُ الْوَارِثِ يَقُولُ خَرِبٌ وَزَعَمَ عَبْدُ الْوَارِثِ أَنَّهُ أَفَادَ حَمَّادًا هٰذَا الْحَدِيثَ -

(ترجمہ) انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ مسجد نبویؐ کی جگہ پر بنی نجار کا باغ تھا جس میں کچھ کھیتی باڑی ہوئی تھی۔ (حرث کا لفظ خرب کی جگہ پر اس روایت میں آیا ہے۔ خرب کا معنیٰ گڑھے ہے جیسا کہ گزرا) اور کھجوریں تھیں اور مشرکوں کی قبریں تھیں۔ پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا مجھ سے سودا طے کر لو۔ انہوں نے کہا ہم قیمت نہیں چاہتے۔ پس کھجوریں کاٹ دی گئیں اور کھیتی برابر کر دی گئی اور مشرکوں کی قبریں اکھاڑ دی گئیں اور پھر راوی نے پوری حدیث بیان کی۔ اور اس حدیث میں فانصر کی جگہ فاغفر کہا (جس کا معنیٰ ہے پس بخش دے)

(شرح) اس افتادہ زمین میں کھجوریں سکھانے کا کھلیان بھی تھا۔ کچھ حصہ گڑھوں کی شکل میں بھی ہوگا اور بعض جگہ میں شاید کچھ بویا بھی جاتا ہو۔ یہ زمین دو یتیموں کی تھی جن کے نام سہل اور سہیل تھے اور وہ اسعد بن زرارہ کے گھر میں پرورش پاتے تھے۔ ابن سعد نے بتایا ہے کہ حضورؐ نے یہ زمین مفت نہیں لی بلکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس کی قیمت دس دینار ادا کرائی۔ ان احادیث سے زمانۂ جاہلیت کی قبروں وغیرہ کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ انہیں اکھاڑ کر برابر کر دینا جائز ہے۔

۱۲- بَابُ اتِّخَاذِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّوْرِ

گھروں میں مسجدیں بنانے کا باب

۴۵۵- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّورِ وَأَنْ تُنَظَّفَ وَتُطَيَّبَ

(ترجمہ) ام المؤمنین عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں مسجدیں بنانے، ان کی صفائی رکھنے اور خوشبودار کرنے کا حکم دیا تھا۔

(شرح) ان مسجدوں سے مراد دور کی آبادیوں کی مسجدیں اور محلوں اور گھروں کے اندر کی نماز گاہیں ہیں۔ اس حدیث سے مسجد کی صفائی، پاکیزگی اور اسے خوشبودار رکھنے کا حکم معلوم ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور نمازیوں کے لئے پاک اور صاف ستھرا رکھو"۔ حضورؐ نے خود مسجد کو خوشبو لگائی ہے جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے اور عبداللہ بن عمرؓ اس وقت مسجد میں خوشبو مہکاتے تھے جب جمعہ کے دن جناب عمرؓ منبر پر رونق افروز ہوتے تھے۔ علامہ شعبی نے کہا ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے جب کعبہ کی تعمیر کی تو اس کی دیواروں کو مشک ملا تھا۔

۴۵۶- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ دَاوُدَ بْنِ سُفْيَانَ حَدَّثَنَا يَحْيَى يَعْنِي ابْنَ حَسَّانَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ سَمُرَةَ حَدَّثَنِي خُبَيْبُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِيهِ سُلَيْمَانَ بْنِ سَمُرَةَ عَنْ أَبِيهِ سَمُرَةَ أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى بَنِيهِ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُنَا بِالْمَسَاجِدِ أَنْ نَصْنَعَهَا فِي دُورِنَا وَنُصْلِحَ صَنْعَتَهَا وَنُطَهِّرَهَا۔

(ترجمہ) سمرہؓ بن جندب نے اپنے بیٹوں کو لکھا: حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں مسجدوں کے بارے میں حکم دیتے تھے کہ اپنے محلوں اور گھروں میں بنائیں اور ان کی بناوٹ اور تعمیر کو درست اور صاف ستھرا رکھیں اور انہیں غلاظتوں اور کوڑے کرکٹ سے پاک رکھیں۔

(شرح) اس حدیث کے ایک راوی جعفر بن سعد کو ابن حزم نے مجہول، عبدالحق اور حافظ ابن عبدالبر نے غیر معتمد علیہ اور ابن القطان نے غیر معروف الحال بتایا ہے۔ وہ خود، اس کا استاد اور استاذ الاستاذ سب مجہول ہیں اس سند سے مسند بزار نے تقریباً ایک سو احادیث کا مروی ہونا بتایا ہے اور سنن ابی داؤد میں چھ روایات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے

۱۴- بَابٌ فِي السُّرُجِ فِي الْمَسَاجِدِ

مسجدوں میں چراغوں کا باب

۴۵۷ - حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ حَدَّثَنَا مِسْكِينٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ زِيَادِ بْنِ أَبِي سَوْدَةَ عَنْ مَيْمُونَةَ مَوْلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفْتِنَا فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ائْتُوهُ فَصَلُّوا فِيهِ وَكَانَتِ الْبِلَادُ إِذْ ذَاكَ حَرْبًا فَإِنْ لَمْ تَأْتُوهُ وَتُصَلُّوا فِيهِ فَابْعَثُوا بِزَيْتٍ يُسْرَجُ فِي قَنَادِيلِهِ ۔

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ میمونہ بنت سعدؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ ہمیں بیت المقدس کے بارے میں فتویٰ دیجئے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہاں جاؤ اور اس میں نماز پڑھو، اور وہ علاقے اس وقت دار الحرب تھے، پس اگر تم وہاں نہ جا سکو اور نماز نہ پڑھ سکو تو روغن زیتون بھیجو جو اس کی قندیلوں میں جلایا جائے۔

(شرح) اس حدیث کے ایک راوی مسکین بن بکیر عراقی پر ائمہ حدیث نے کثیر الوہم والخطاء ہونے کا الزام لگایا ہے۔ ذہبی کی میزان میں ہے کہ اس کی بہت سی احادیث منکر ہیں۔ اس حدیث کی ایک روایت میں ہے کہ بیت المقدس میدانِ محشر ہوگا۔ حکم جو فرمایا گیا وہ استحبابی یا اباحت کے لئے ہے۔

۱۵- بَابٌ فِي حَصَا الْمَسْجِدِ
مسجد کے سنگریزوں کا باب

۴۵۸ - حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ تَمَّامِ بْنِ بَزِيعٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ سُلَيْمٍ الْبَاهِلِيُّ عَنْ أَبِي الْوَلِيدِ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ عَنِ الْحَصَى الَّذِي فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ مُطِرْنَا ذَاتَ لَيْلَةٍ فَأَصْبَحَتِ الْأَرْضُ مُبْتَلَّةً فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَأْتِي بِالْحَصَى فِي ثَوْبِهِ فَيَبْسُطُهُ تَحْتَهُ فَلَمَّا قَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ قَالَ مَا أَحْسَنَ هَذَا ۔

(ترجمہ) ابو الولید نے عبداللہ بن عمرؓ سے مسجد نبویؐ کی کنکریوں کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ایک رات کو بارش ہوگئی اور زمین تر ہوگئی تو لوگ اپنے کپڑے میں کنکریاں لاتے اور انہیں اپنے نیچے بچھا دیتے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم کی تو فرمایا: یہ کتنا اچھا کام ہے!۔

(شرح) اس حدیث کا راوی سہل بن تمام محدثین کے نزدیک بعض دفعہ وہم و خطاء کر جاتا تھا۔ دیگر راوی عمر بن سلیم باہلی بقول عقیلی منکر حدیثیں روایت کرتا۔ مسجد نبوی میں پتھر یا اینٹ کے فرش سے مفروش نہ تھی۔ بارش ہوتی تو اس میں کیچڑ ہو جاتا تھا کیونکہ چھت ٹپکتی تھی۔ لہٰذا حضور نے اس فعل کی تحسین فرمائی مسجد میں اگر فرش وغیرہ ہو تو یہ حکم نہیں بلکہ اُلٹا اس سے کنکریاں وغیرہ نکال دی جائیں گی۔

۴۵۹۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ وَوَكِيعٌ قَالَا حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ قَالَ كَانَ يُقَالُ إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا أَخْرَجَ الْحَصَى مِنَ الْمَسْجِدِ يُنَاشِدُهُ۔

(ترجمہ) ابو صالح نے کہا کہ کہا جاتا تھا جب آدمی مسجد سے کنکریاں نکالے تو وہ اسے خدا کا واسطہ دیکر منع کرتی ہیں۔

(شرح) یہ حدیث مرفوع نہیں ہے۔ ابو صالح تابعی ہے اور جن کا قول نقل کرتا ہے وہ صحابہ تھے لہٰذا شائد ابوداؤد نے اسی بناء پر اسے روایت کیا ہے کہ حکماً اسے مرفوع کہا جا سکتا ہے، کیونکہ مسئلہ عقلی یا مادی نہیں۔ اور پھر کسی دلیل شرعی کے خلاف بھی نہیں۔

۴۶۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ أَبُو بَكْرٍ حَدَّثَنَا أَبُو بَدْرٍ شُجَاعُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ حَدَّثَنَا أَبُو حُصَيْنٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو بَدْرٍ أُرَاهُ قَدْ رَفَعَهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْحَصَاةَ لَتُنَاشِدُ الَّذِي يُخْرِجُهَا مِنَ الْمَسْجِدِ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ نے کہا اور بخیال راوی ابوہریرہؓ یہ روایت حضورؐ تک مرفوع ہے، کہ کنکری اس شخص کو خدا کا واسطہ دیتی ہے جو اسے مسجد سے نکالے۔

(شرح) اس حدیث کے راوی ابوبدر شجاع بن الولید پر ائمہ حدیث نے کچھ کلام کیا ہے۔ ابو حاتم نے کہا کہ وہ متین (مضبوط) نہیں ہے۔ پھر اس سند میں شریک راوی غیر منسوب آیا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ کتب اسماء الرجال میں شریک نامی کوئی راوی غیر منسوب نہیں ہے جس کا استاد ابو حصین ہو اور جس کا شاگرد ابو بدر شجاع بن الولید ہو۔ بظاہر یہ شریک بن عبداللہ نمری ہے جسے نسائی نے غیر قوی کہا ہے اور یحییٰ بن سعید القطان اس سے روایت نہیں لیتا تھا۔ ساجی نے کہا کہ یہ قدریہ میں سے تھا۔

۱۶ بَابٌ فِي كَنْسِ الْمَسْجِدِ

مسجد میں جھاڑو دینے کا باب

۴۶۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَبْدِ الْحَكَمِ الْخَزَّازُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَجِيدِ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي رَوَّادٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَنْطَبٍ عَنْ

اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عُرِضَتْ عَلَيَّ اُجُوْرُ اُمَّتِيْ حَتَّى الْقَذَاةَ يُخْرِجُهَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ وَعُرِضَتْ عَلَيَّ ذُنُوْبُ اُمَّتِيْ فَلَمْ اَرَ ذَنْبًا اَعْظَمَ مِنْ سُوْرَةٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ اَوْ اٰيَةٍ اُوْتِيَهَا رَجُلٌ ثُمَّ نَسِيَهَا۔

(ترجمہ) انس بن مالک نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے میری اُمت کے ثواب پیش کیے گئے حتیٰ کہ تنکا بھی جسے آدمی مسجد سے نکال دے۔ اور میرے سامنے میری امت کے گناہ پیش کئے گئے تو میں نے اس سے بڑا گناہ اور کوئی نہیں دیکھا کہ قرآن کی کوئی سورت یا آیت یاد کرکے آدمی بھول جائے۔

(شرح) عبدالوہاب راوی کو ابوداؤد نے خزاز کہا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ وہ مشہور ثقہ راوی تھا مگر اس کی نسبت وراق (کتب فروش) تھی نہ کہ خزاز۔ عبدالعزیز بن ابی رَوّاد یوں تو ثقہ راوی تھا مگر علی الاعلان مرجیہ فرقے کا داعی تھا، غالباً اسی بناء پر وہ متکلم فیہ ہوا اور ابوحاتم نے اسے غیر قوی، دارقطنی نے غیر قابلِ احتجاج، محمد بن یحییٰ نے ضعیف، ابواحمد حاکم نے غیر متین، ابن سعد نے مرجیٔ ضعیف ٹھہرایا ہے۔ مطلب بن عبداللہ بن حنطب کو ابن حبان نے غیر لائق احتجاج قرار دیا ہے۔ اس حدیث میں اعظم گناہ قرآن کی سورت یا آیت بھول جانے کو فرمایا ہے، حالانکہ بالکبائر میں اور گناہوں کو اکبر شمار کیا گیا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اگر یہ مان لیں کہ اعظم اور اکبر دونوں کا معنیٰ ایک ہی ہے تو نسیان پر وعید اس لئے ہے کہ اسلامی شرع کا مدار اصل میں قرآن پر ہے لہٰذا اس کو بھول جانا شرع میں خلل اندازی کی مانند ہے۔ اگر کوئی کہے کہ نسیان پر تو شرعاً کوئی مؤاخذہ نہیں ہوتا تو جواب یہ ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ آدمی اسے عمداً ترک کر دے۔ یہاں تک کہ آدمی اسے بھول جائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اعظم سے مراد صغیرہ گناہوں میں سے اعظم ہے بشرطیکہ قلتِ تعظیم اور لاپرواہی کی بناء پر نہ ہو۔ شارح طیبی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی شرح اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ماخوذ ہے: اور اسی طرح تیرے پاس ہماری آیات آئیں تو تُو انہیں بھول گیا، سو تُو آج اسی کی مانند بھلا دیا جائے گا۔ مگر اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیت مشرک کے متعلق ہے اور نسیان سے مراد اس میں ترکِ ایمان ہے۔ حضور ؐ نے جو یہ فرمایا کہ وہ سورت یا آیت جو اُسے دی گئی تھی وہ بھول گیا۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس نے اسے حفظ کیا تھا، یہ اس چیز کا اظہار کرنے کی خاطر ہے کہ یہ اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت تھی جس کا شکریہ واجب تھا۔ اس نے جب اسے بھلا دیا اور شکریہ ادا نہ کیا تو کفرانِ نعمت کیا۔ پس اس کا جرم اس حیثیت سے اعظم ہوگیا اگرچہ اسے کبائر میں شمار نہ کیا گیا۔ ابن حجرؒ نے طیبیؒ کے اس قول پر اعتراض کیا اور کہا کہ ہمارے ائمہ کے نزدیک یہ کبائر میں شمار ہوتا ہے۔ شرح شرعۃ الاسلام میں ہے کہ اس حدیث والے نسیان سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص ناظرہ بھی نہ پڑھ سکے۔

۱۷- بَابٌ فِيْ اِعْتِزَالِ النِّسَآءِ فِي الْمَسَاجِدِ عَنِ الرِّجَالِ۔

مسجدوں میں عورتوں کو مردوں سے الگ رکھنے کا باب

۴۶۲- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو وَّاَبُوْ مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا اَيُّوْبُ

عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ تَرَكْنَا هٰذَا الْبَابَ لِلنِّسَآءِ، قَالَ نَافِعٌ فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ ابْنُ عُمَرَ حَتّٰى مَاتَ وَقَالَ غَيْرُ عَبْدِ الْوَارِثِ قَالَ عُمَرُ وَهُوَ اَصَحُّ۔

(ترجمہ) ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ہم یہ دروازہ عورتوں کے لیے چھوڑ دیں (تو بہت اچھا ہو)۔ نافع نے کہا کہ ابن عمرؓ اس دروازے سے عمر بھر داخل نہیں ہوئے۔ عبد الوارث راوی کے علاوہ دوسروں نے کہا کہ یہ روایت ابن عمرؓ سے مرفوع نہیں بلکہ حضرت عمرؓ کا قول ہے (اور ظاہر ہے کہ ان کے اس قول کی پابندی کی گئی اور وہ دروازہ عورتوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ یہ دروازہ باب النساء کہلاتا ہے) اور اس کا قولِ عمرؓ ہونا زیادہ صحیح ہے۔

۴۶۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قُدَامَةَ بْنِ اَعْيَنَ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَذَكَرَ بِمَعْنَاهُ وَهُوَ اَصَحُّ۔

(ترجمہ) دوسری سند سے ابوداؤد نے اسے حضرت عمرؓ کا قول روایت کر کے اسے صحیح تر کہا ہے۔

(شرح) مولاناؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ابوداؤد کا اسے اصح کہنا درست نہیں کیونکہ مرفوع حدیث میں عبداللہ بن عمرو اور عبدالوارث دونوں ثقہ راوی ہیں۔ اور ایوب اور نافع کا تو کیا ہی کہنا ہے۔ پس خواہ مخواہ ایک موقوف روایت کو اس پر بلا دلیل ترجیح دینا صحیح نہیں ہے۔ ثقہ کا اضافہ ویسے بھی اصول میں مقبول ہے۔ اور ترجیح کی ضرورت اس وقت پیش آئے گی جبکہ دو روایتوں میں کوئی تعارض ہو۔ یہ عین ممکن ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہو اور حضرت عمرؓ نے بھی یہی کہا ہو۔ اور آخر میں جب لوگوں کو پھر بھی داخل ہوتے دیکھا تو اپنی فطری شدت فی الشرع کے مطابق منع کرتے ہوں۔ علاوہ ازیں بقولِ احمد بن حنبل نافع کی روایت حضرت عمرؓ سے منقطع ہے، متصل نہیں۔

۴۶۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ يَعْنِي ابْنَ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا بَكْرٌ يَعْنِي ابْنَ مُضَرَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنْ بُكَيْرٍ عَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رض كَانَ يَنْهٰى اَنْ يُّدْخَلَ مِنْ بَابِ النِّسَآءِ۔

(ترجمہ) نافع نے کہا کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب باب النساء میں داخل ہونے سے لوگوں کو (مردوں کو) روکتے تھے

۱۸۔ بَابٌ فِيْ مَا يَقُوْلُ الرَّجُلُ عِنْدَ دُخُوْلِهِ الْمَسْجِدَ

باب اس میں کہ آدمی مسجد میں داخل ہوتے وقت کیا کہے؟

۴۶۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي الدَّرَاوَرْدِيَّ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ سُوَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا حُمَيْدٍ أَوْ أَبَا أُسَيْدٍ الْأَنْصَارِيَّ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيُسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لِيَقُلِ اللّٰهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ فَإِذَا خَرَجَ فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔

(ترجمہ) ابوحُمید ساعدیؓ یا ابواُسید انصاریؓ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجے اور پھر کہے: اے اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ پھر جب باہر نکلے تو کہے: اے اللہ میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں (مسجد میں آخرت کے دینی کام ہوتے ہیں لہٰذا داخل ہوتے وقت رحمت طلب کرنا مناسب ہوا اور باہر چونکہ روزی کی تلاش اور دنیوی کاروبار ہوتے ہیں لہٰذا باہر آتے وقت فضل کی دعا مناسب ہوئی)

۴۶۶۔ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ بِشْرِ بْنِ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ حَيْوَةَ بْنِ شُرَيْحٍ قَالَ لَقِيتُ عُقْبَةَ بْنَ مُسْلِمٍ فَقُلْتُ لَهُ بَلَغَنِي أَنَّكَ حُدِّثْتَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ قَالَ أَعُوذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ قَالَ أَقَطُّ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَإِذَا قَالَ ذٰلِكَ قَالَ الشَّيْطَانُ حُفِظَ مِنِّي سَائِرَ الْيَوْمِ۔

(ترجمہ) حیوۃ بن شریح نے کہا کہ میں عقبہ بن مسلم سے ملا اور اس سے کہا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ تو نے عبداللہ بن عمرو ابن العاص سے روایت کی ہے کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ حضورؐ جب مسجد میں داخل ہوتے تو فرماتے: میں عظیم اللہ کی پناہ لیتا ہوں، اس کی بزرگ ذات کی پناہ لیتا ہوں اور اس کی قدیم سلطنت واقتدار کی پناہ لیتا ہوں، مردود شیطان سے۔ عقبہ نے کہا کہ بس اتنی ہی؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا جب کوئی یہ کہہ لے تو شیطان کہتا ہے: یہ مجھ سے دن بھر کے لئے محفوظ ہو گیا۔

(شرح) مولانا نے کہا: بَلَغَنِي أَنَّكَ حَدَّثْتَ بصیغۂ معروف ہے۔ اس صورت میں عقبہ کی روایت عبداللہ بن عمروؓ سے الخ ہوئی اور حدیث متصل ہو گئی۔ مگر بذل المجہود کے میرٹھی نسخے میں قَدْ حُدِّثْتَ ہے

جس کا معنٰی یہ ہے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ تجھ کو عبد اللہ بن عمرو کی طرف سے حدیث سنائی گئی ہے، سو اس صورت میں سند منقطع ہو جاتی ہے۔ صحیح وہی ہے جو مولانا نے فرمایا۔ رجیم کا معنٰی ہے راندۂ درگاہ۔ یہ تعوّذ جملۂ خبریہ ہے جو بمعنٰی دعا ہے۔ اس مردود کے وسوسے اور اضلال سے پناہ مانگنا اس لئے مشروع ہے کہ وہ ضلالت اور اغوا کا سبب اور ذریعہ ہے ورنہ فی الحقیقت تو ہدایت اور ضلالت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اسی لئے کسی عارف نے کہا ہے کہ اگر اللہ کا حکم نہ ہوتا تو میں شیطان سے پناہ نہ مانگتا کیونکہ وہ اس سے زیادہ حقیر و صغیر ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ تعوّذ اس کی صفات و اخلاق سے ہو مثلاً حسد، کبر، عجب، غرور، اباء اور اغواء وغیرہا۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس حدیث میں جو حفظ کا لفظ ہے اگر اس سے مراد شیطان کی جنس لی جائے تو حفظ سے مراد مخصوص چیزیں ہوں گی مثلاً اکبر الکبائر۔ اگر شیطان سے مراد فقط ابلیس لعین ہو تو اس سے تو حفاظت ہو گئی مگر اس کے چیلے چانٹے باقی رہ گئے۔ مولانا نے فرمایا الشیطان سے مراد وہ خاص شیطان ہے جو یہ کلمات کہنے والے کے اغواء پر اپنے گرو گھنٹال کی طرف سے مقرر ہے۔ یہ قول کہنے والا اس وقت بعض معاصی سے محفوظ تو ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۹- بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلٰوةِ عِنْدَ دُخُولِ الْمَسْجِدِ

مسجد میں داخل ہوتے وقت نماز کے بارے میں باب

۴۶۷- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيُصَلِّ سَجْدَتَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَجْلِسَ۔

(ترجمہ) ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے۔

(شرح) حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ تمام ائمۂ فتویٰ اس بات پر متفق ہیں کہ اس حدیث کا امر استحباب کے لئے ہے۔ ابن بطال نے اہل ظاہر سے نقل کیا ہے کہ یہ امر وجوب کے لئے ہے مگر ابن حزمؒ نے اس کے خلاف صراحت کی ہے۔ اور عدم وجوب کی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے ایک شخص کو لوگوں کی گردنیں پھاندتے دیکھا تو فرمایا بیٹھ جا تو نے لوگوں کو اذیت دی ہے اور حضورؐ نے اسے صلوٰۃ کا حکم نہ دیا۔ طحاویؒ وغیرہ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے مگر اس میں کچھ کلام ہے۔ امام طحاویؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ جن اوقات میں نماز سے نہی آئی ہے وہ بھی اس امر میں داخل نہیں ہیں۔ یہاں پر دو حکموں میں تعارض ہے۔ پہلا وہ جس میں بلا استثناء ہر آنے والے کیلئے نماز کا حکم ہے اور دوسرا وہ جس میں مخصوص اوقات میں نماز پڑھنے سے ممانعت آئی ہے پس ان میں سے ایک میں تخصیص لازم آئی۔ کچھ لوگ نہی کی تخصیص کے قائل ہوئے اور کہا کہ حکم عام ہے اور شافعیہ کا یہی صحیح تر قول ہے اور کچھ لوگ اس کے عکس کے قائل ہوئے اور یہ قول حنفیہ اور مالکیہ کا ہے۔ شوکانی نے کہا کہ اس امر کے وجوب کے لئے نہ ہونے کے دلائل میں سے جمہور کے نزدیک ابن ابی شیبہ

کی روایت ہے کہ: زید بن اسلم نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مسجد میں داخل ہوتے اور پھر باہر آتے مگر نماز نہ پڑھتے تھے۔ اور جمہور کی دلیل بخاری کی حدیث بھی ہے جو بخاری و مسلم وغیرہما نے روایت کی ہے کہ ضمام بن ثعلبہؓ نے فرض نمازوں کے علاوہ دریافت کیا کہ کیا کوئی اور نماز بھی واجب ہے تو حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں، ہاں اگر تو نفل پڑھے تو تیری مرضی۔ علامہ عینی رحمہ نے کہا کہ اگر تحیۃ المسجد کو واجب کہیں تو بے وضوء آدمی کے لئے مسجد میں داخل ہونا حرام ماننا پڑے گا۔ اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں، لہٰذا یہ نماز واجب نہیں۔

۴۶۸ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ حَدَّثَنَا أَبُو عُمَيْسٍ عُتْبَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ بَنِي زُرَيْقٍ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَزَادَ ثُمَّ لِيَقْعُدْ بَعْدُ إِنْ شَاءَ أَوْ لِيَذْهَبْ لِحَاجَتِهِ ۔

(ترجمہ) یہ اس حدیث کی دوسری روایت ہے جس میں یہ لفظ زائد ہیں کہ: پھر اس کے بعد وہ چاہے مسجد میں بیٹھے چاہے اپنے کام میں چلا جائے (اس روایت میں عامر بن عبداللہ حب مبہم آدمی سے روایت کرتا ہے اور اوپر کی روایت والا عمرو بن سلیم ہے جو بنی زریق کا ایک شخص تھا)

۲۰ - بَابٌ فِي فَضْلِ الْقُعُودِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں بیٹھنے کی فضیلت کا باب

۴۶۹ - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ الَّذِي يُصَلِّي فِيهِ مَا لَمْ يُحْدِثْ أَوْ يَقُومُ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی اپنی جائے نماز پر نماز پڑھ کر بیٹھا رہے فرشتے اس کے لئے دعاء کرتے ہیں کہ اے اللہ اسے بخش دے ہاں اے اللہ اس پر رحم فرما، جب تک وہ بے وضوء نہ ہو یا اٹھ نہ جائے۔

(شرح) بخاری نے اس حدیث پر جو باب رکھا ہے اس کا عنوان ہے: "بَابُ مَنْ جَلَسَ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ" گویا بخاری کے نزدیک فرشتوں کی یہ دعاء اس شخص کے لئے ہے جو فرض نماز کی انتظار میں بیٹھے۔ ابوداؤد نے باب کا جو عنوان مقرر کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ بیٹھنا عام ہے چاہے نماز کے انتظار میں ہو یا فراغت کے بعد ذکر و تلاوت وغیرہ کے لئے ہو۔

۴۷۰ - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَزَالُ اَحَدُکُمْ فِیْ صَلٰوۃٍ مَا کَانَتِ الصَّلٰوۃُ تَحْبِسُہٗ لَا یَمْنَعُہٗ اَنْ یَّنْقَلِبَ اِلٰی اَھْلِہٖٓ اِلَّا الصَّلٰوۃُ۔

(ترجمہ) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی آدمی کو جب تک نماز روکے رکھے وہ برابر نماز ہی میں ہوتا ہے۔ اسے گھر جانے سے نماز کے سوا کوئی چیز نہیں روکتی (اس حدیث سے مراد نماز کا انتظار ہے جیسا کہ الفاظ سے واضح ہے)

۱۷۴۔ حَدَّثَنَا مُوْسَی بْنُ اِسْمَاعِیْلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَزَالُ الْعَبْدُ فِیْ صَلٰوۃٍ مَا کَانَ فِیْ مُصَلَّاہُ یَنْتَظِرُ الصَّلٰوۃَ، تَقُوْلُ الْمَلَائِکَۃُ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْہُ حَتّٰی یَنْصَرِفَ اَوْ یُحْدِثَ فَقِیْلَ وَمَا یُحْدِثُ قَالَ یَفْسُوْ اَوْ یَضْرِطُ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک بندہ جائے نماز پر نماز کے انتظار میں رہے وہ نماز ہی میں ہوتا ہے۔ فرشتے کہتے ہیں اے اللہ اسے بخش دے اے اللہ اس پر رحم فرما، حتیٰ کہ وہ چلا جائے یا بے وضوء ہو جائے۔ ابو ہریرہ رض سے پوچھا گیا کہ بے وضوء ہونے کا کیا مطلب ہے تو انہوں نے کہا کہ دُبر سے بے آواز یا آواز سے ہوا خارج ہو جائے۔ (یہ حدیث بھی انتظار صلاۃ کے بارے میں ہے)

۱۷۵۔ حَدَّثَنَا ھِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا صَدَقَۃُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِی الْعَاتِکَۃِ الْاَزْدِیُّ عَنْ عُمَیْرِ بْنِ ھَانِیءٍ الْعَنْسِیِّ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتَی الْمَسْجِدَ لِشَیْءٍ فَھُوَ حَظُّہٗ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسجد میں جس غرض کے لئے آئے وہی اس کا نصیب ہے۔

(شرح) اس حدیث کا راوی ہشام بن عمار بڑا ثقہ اور عالم فاضل تھا مگر آخر میں اسے اختلاط ہو گیا تھا آجری نے ابوداؤد کے حوالے سے کہا ہے کہ ہشام نے چار سو بے اصل حدیثیں مسند کر کے روایت کی ہیں بعض محدثین نے کہا ہے کہ وہ روایت حدیث پر قیمت وصول کرتا تھا۔ احمد بن حنبل نے اُسے طیاش خفیف کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ دوسرا راوی عثمان بن ابی العاتکہ ازدی، ابن معینؒ کے نزدیک غیر قوی اور لاشئی ہے۔ یعقوب بن سفیان نے اسے ضعیف کہا ہے نسائی نے کہا کہ وہ قوی نہیں بلکہ ضعیف ہے۔ بعض نے اسے ثقہ کہا ہے۔ عمیر بن ہانی عنسی کو ابوداؤد نے قدری کہا ہے گو وہ بڑا عابد و زاہد بھی تھا۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں کسی صالح غرض سے آؤ۔

فاسد غرض سے آنے والا وہی پائے گا جو اس کی نیت ہو گی۔

۲۱ - بَابُ كَرَاهِيَةِ إِنْشَادِ الضَّالَّةِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں گم شدہ چیز کو آواز ڈھونڈنے کی کراہیت کا باب

۴۷۳ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ الْجُشَمِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنَا حَيْوَةُ يَعْنِي ابْنَ شُرَيْحٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الْأَسْوَدِ يَقُولُ أَخْبَرَنِي أَبُو عَبْدِ اللهِ مَوْلَى شَدَّادٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ سَمِعَ رَجُلًا يَنْشُدُ ضَالَّةً فِي الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ لَا أَدَّاهَا اللهُ إِلَيْكَ فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جو شخص مسجد میں کسی کو گم شدہ چیز کی تلاش کا اعلان کرتے سنے تو وہ کہے: اللہ تجھے وہ واپس نہ دے کیونکہ مسجدیں اس کام کے لئے نہیں بنیں۔

(شرح) بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ: اللہ تجھے واپس نہ دے سے لیکر آخر تک ساری عبارت کہنے کا حکم ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آخری فقرہ: کہ مسجدیں اس لئے نہیں بنائی گئیں، حضورؐ کی طرف سے بطورِ علت بیان ہوا ہو۔ مسلم کی روایت میں ہے: لَا رَدَّهَا اللهُ عَلَيْكَ۔ چونکہ اس شخص نے مسجد کا احترام ملحوظ نہ رکھا اور اس میں آنے والے مجمع کو اپنی ذاتی غرض کے لئے استعمال کیا لہٰذا اُسے یہ بددعا دی گئی۔ یہ اس دقت ہے کہ کلمۂ لَا نفی کے لئے ہو اور ممکن ہے لا نہی کے لئے ہو: ایسا نہ کر۔ اللہ تیری چیز واپس کرادے۔ گویا بطورِ نصیحت اسے پہلے مسجد کے غلط استعمال سے روکا گیا اور پھر کہا گیا کہ خدا کرے کہ تیری چیز مل جائے۔ مساجد خالص دینی کاموں اور شرعی مقاصد کے لئے ہیں۔ امام مالکؒ نے مسجد میں علمی بحث کو بھی مکروہ کہا ہے گو امام ابوحنیفہؒ نے اسے دینی مقصد جان کر جائز ٹھیرایا ہے۔ عقدِ نکاح اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس میں ایک شرعی مصلحت ہے۔

۲۲ - بَابٌ فِي كَرَاهِيَةِ الْبُزَاقِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں تھوکنے کی کراہیت کا باب

۴۷۴ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ وَشُعْبَةُ وَأَبَانُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ التَّفْلُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيئَةٌ وَكَفَّارَتُهُ أَنْ تُوَارِيَهُ۔

(ترجمہ) انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ اسے دفن کرنا ہے۔

۴۷۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا اَبُوْعَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْبُزَاقَ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيْئَةٌ وَّكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا

(ترجمہ) انسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس گناہ کا کفارہ اُسے دفن کرنا ہے۔

(شرح) بُزاق، لُساق اور بُصاق ایک ہی چیز ہے۔ تھوک کو بُزاق کہتے ہیں اور یہاں مُراد اس کا مسجد میں پھینکنا ہے۔ اوپر کی حدیث کے لفظ تفل کا معنی ہے تھوک پھینکنا۔ یہ فعل کرنا تفل کہلاتا ہے اور خود وہ مادّہ بزاق یا بُصاق۔ اس پر خطیئہ کا لفظ اس لئے بولا کہ ایسا کرنا مسلمان کی شان سے بعید ہے۔ جان لوجھ کر وہ ایسا نہیں کر سکتا، خطاء ہو جائے تو دوسری بات ہے۔ ابن العماد نے کہا کہ توہین کی غرض سے یہ فعل کرنے والا کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔ امام نوویؒ نے کہا کہ مسجد میں تھوکنا مطلقاً گناہ ہے چاہے کوئی ضرورت سے کرے یا بے ضرورت۔ قاضی عیاض کا یہ قول باطل ہے کہ اگر کوئی تھوک کر دفن کرنے کی نیت سے مسجد میں پھینکے تو گناہ نہیں۔ دفن سے مراد یہ ہے کہ مسجد کچی ہو تو مٹی یا ریت یا سنگریزوں سے اسے چھپا دے ورنہ اسے صاف کرے۔ اگر بامر مجبوری تھوکنا پڑے تو کپڑا استعمال کرے۔

۴۷۶۔ حَدَّثَنَا اَبُوْكَامِلٍ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ يَعْنِي ابْنَ زُرَيْعٍ عَنْ سَعِيْدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلنُّخَاعَةُ فِي الْمَسْجِدِ فَذَكَرَ مِثْلَهٗ۔

(ترجمہ) یہ بھی انسؓ کی روایت ہے کہ اس میں تفل یا بُزاق کے بجائے النخاعہ کا لفظ ہے جس کا معنی کھنکار ہے۔ باقی حدیث اوپر کی مانند ہے۔

۴۷۷۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ حَدَّثَنَا اَبُوْ مَوْدُوْدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ حَدْرَدٍ الْاَسْلَمِيِّ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَؓ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دَخَلَ هٰذَا الْمَسْجِدَ فَبَزَقَ فِيْهِ اَوْ تَنَخَّمَ فَلْيَحْفِرْ وَلْيَدْفِنْهُ فَاِنْ لَّمْ يَفْعَلْ فَلْيَبْزُقْ فِيْ ثَوْبِهٖ ثُمَّ لِيَخْرُجْ بِهٖ۔

(ترجمہ) ابو ہریرہؓ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس مسجد میں داخل ہوا اور اس نے تھوکا یا کھنکار پھینکا تو وہ گڑھا کھودے اور اسے دفن کر دے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اپنے کپڑے میں تھوکے اور اسے باہر لے جائے۔ (ہذا المسجد کا اشارہ مسجد نبوی ؐ کی طرف ہے مگر ہر مسجد کا یہی حکم ہے جیسا کہ دوسری اکثر احادیث میں گزرا)

۴۷۸ - حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ رِبْعِيٍّ عَنْ طَارِقِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُحَارِبِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ الرَّجُلُ إِلَى الصَّلٰوةِ أَوْ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلَا يَبْزُقَنَّ أَمَامَهُ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ وَلٰكِنْ عَنْ تِلْقَاءِ يَسَارِهِ إِنْ كَانَ فَارِغًا أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى ثُمَّ لِيَقُلْ بِهِ -

(ترجمہ) طارق بن عبد اللہ المحاربی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی نماز میں کھڑا ہو، یا یہ فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے آگے ہرگز نہ تھوکے اور نہ اپنی دائیں طرف، بلکہ اپنی بائیں طرف بشرطیکہ وہ خالی ہو، یا اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوکے اور اسے زمین میں ملا دے

(شرح) سامنے تھوکنا تو بڑا ہی خلافِ ادب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہے اور آگے تھوکتا ہے۔ دائیں طرف کو ویسے ہی فضیلت ہے اور نیکیاں لکھنے والا فرشتہ اس طرف ہے جو رحمت کی علامت ہے لہٰذا دوسرے سے افضل ہے ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ مسجد نبوی اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ حضورؐ کی قبر شریف بائیں جانب کو ہے۔ قول کا لفظ عربی میں ہاتھ کے اشارے اور پکڑنے پر، پاؤں کے چلنے پر، آنکھوں کے اشارے پر اور دیگر کئی چیزوں پر بھی بولا جاتا ہے۔ قَالَ بِثَوْبِہٖ کا معنیٰ ہے کہ اس نے اپنا کپڑا اٹھایا۔ یہ سب مجازی معنیٰ ہیں۔ اس حدیث ثُمَّ لِيَقُلْ بِہٖ کا مطلب یہ ہے کہ پاؤں سے اسے مسل دے، مٹی میں ملا دے۔

۴۷۹ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ بَيْنَمَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ يَوْمًا إِذْ رَأَى نُخَامَةً فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ فَتَغَيَّظَ عَلَى النَّاسِ ثُمَّ حَكَّهَا قَالَ وَأَحْسِبُهُ قَالَ فَدَعَا بِزَعْفَرَانٍ فَلَطَخَهُ بِهِ، قَالَ وَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قِبَلَ وَجْهِ أَحَدِكُمْ إِذَا صَلَّى فَلَا يَبْزُقْ بَيْنَ يَدَيْهِ -

(ترجمہ) ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اس اثناء میں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک آپ نے مسجد کے قبلہ کی دیوار میں کھنکار دیکھا، پس آپ لوگوں پر غضبناک ہوئے پھر اسے کھرچ دیا، نافع نے کہا کہ میرے خیال میں ابن عمرؓ نے یہ بھی کہا کہ پھر حضورؐ نے زعفران منگوایا اور دیوار پر مل دیا۔ ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہوتا ہے پس وہ سامنے نہ تھوکے۔

۴۸۰ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبِ بْنِ عَرَبِيٍّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ

سَلَّمَ كَانَ يُحِبُّ الْعَرَاجِيْنَ وَلَا يَزَالُ فِي يَدِهِ مِنْهَا فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَرَاٰى نُخَامَةً فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ فَحَكَّهَا ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ مُغْضَبًا فَقَالَ اَيَسُرُّ اَحَدَكُمْ اَنْ يُّبْصَقَ فِي وَجْهِهٖ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَاِنَّمَا يَسْتَقْبِلُ رَبَّهٗ عَزَّ وَجَلَّ وَالْمَلَكُ عَنْ يَمِيْنِهٖ فَلَا يَتْفُلْ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَلَا فِي قِبْلَتِهٖ وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَّسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهٖ فَاِنْ عَجِلَ بِهٖ اَمْرٌ فَلْيَقُلْ هٰكَذَا وَوَصَفَ لَنَا ابْنُ عَجْلَانَ ذٰلِكَ اَنْ يَّتْفُلَ فِي ثَوْبِهٖ ثُمَّ يَرُدَّ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ -

(ترجمہ) ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کی شاخوں کو پسند کرتے تھے اور وہ برابر آپ کے ہاتھ میں (کوئی نہ کوئی) رہتی تھیں ۔ پس آپ مسجد میں داخل ہوئے تو قبلہ کی دیوار میں ایک کھنکار دیکھا تو اسے کھرچ دیا پھر ناراضگی کے عالم میں لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تم میں سے کسی کو یہ پسند ہے کہ اس کے منہ پر تھوک دیا جائے؟ تم میں سے جب کوئی (نماز میں) قبلہ رُخ ہوتا ہے تو وہ اپنے عزت و جلال والے مالک کے سامنے ہوتا ہے اور فرشتہ (رحمت کا اور نیکی والا) اس کی دائیں طرف ہوتا ہے ۔ پس وہ نہ تو اپنے دائیں طرف تھوکے اور نہ سامنے ، بلکہ بائیں طرف تھوکے یا اپنے قدم کے نیچے ، اگر بہت جلدی تھوکنا ہو تو یوں کرے ۔ خالد نے کہا کہ ابن عجلان نے ہمیں دکھایا کہ وہ اپنے کپڑے میں تھوکے پھر اس کی تہوں کو ایک دوسری پر مل دے ۔

۴۸۱ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ الْفَضْلِ السِّجِسْتَانِيُّ وَهِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ وَّسُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالُوْا حَدَّثَنَا حَاتِمٌ يَعْنِي ابْنَ اِسْمَاعِيْلَ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ مُجَاهِدٍ اَبُوْ حَزْرَةَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الْوَلِيْدِ بْنِ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ اَتَيْنَا جَابِرًا يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ اللّٰهِ وَهُوَ فِي مَسْجِدِهٖ فَقَالَ اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسْجِدِنَا هٰذَا وَفِي يَدِهٖ عُرْجُوْنُ ابْنِ طَابٍ فَنَظَرَ فَرَاٰى فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ نُخَامَةً فَاَقْبَلَ عَلَيْهَا فَحَتَّهَا بِالْعُرْجُوْنِ ثُمَّ قَالَ اَيُّكُمْ يُحِبُّ اَنْ يُّعْرِضَ اللّٰهُ عَنْهُ بِوَجْهِهٖ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا قَامَ يُصَلِّيْ فَاِنَّ اللّٰهَ قِبَلَ وَجْهِهٖ فَلَا يَبْصُقَنَّ قِبَلَ وَجْهِهٖ وَلَا عَنْ يَّمِيْنِهٖ فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَّسَارِهٖ تَحْتَ رِجْلِهِ الْيُسْرٰى - فَاِنْ عَجِلَتْ بِهٖ بَادِرَةٌ فَلْيَقُلْ بِثَوْبِهٖ هٰكَذَا وَوَضَعَهٗ عَلٰى فِيْهِ ثُمَّ دَلَكَهٗ ثُمَّ قَالَ اَرُوْنِيْ عَبِيْرًا فَقَامَ فَتًى مِّنَ الْحَيِّ يَشْتَدُّ اِلٰى اَهْلِهٖ

فَجَاءَ بِخَلُوْقٍ فِیْ رَاحَتِهٖ فَاَخَذَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَهٗ عَلٰی رَأْسِ الْعُرْجُوْنِ ثُمَّ لَطَخَ بِهٖ عَلٰی اَثَرِ النُّخَامَةِ - قَالَ جَابِرٌ فَمِنْ هُنَاكَ جَعَلْتُمُ الْخَلُوْقَ فِیْ مَسَاجِدِكُمْ -

(ترجمہ) عبادہ بن الولید نے کہا کہ ہم لوگ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور وہ اپنی مسجد میں تھے۔ پس انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ہماری اس مسجد میں تشریف لائے اور آپ کے ہاتھ میں ابن طاب (مدینہ کی مشہور کھجوں) کی چھڑی تھی۔ پس آپ نے دیکھا تو مسجد کے قبلہ میں ایک کھنکار دکھائی دیا، آپ وہاں تشریف لے گئے اور اسے چھڑی سے کھرچ دیا، پھر فرمایا: تم میں سے کون چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا منہ اس سے پھیر لے؟ پھر پھر فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی نماز میں کھڑا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہوتا ہے سو وہ اپنے سامنے نہ تھوکے اور نہ دائیں طرف تھوکے، بلکہ اپنے بائیں طرف بائیں پاؤں کے نیچے تھوکے۔ پس اگر تھوک کا جلدی غلبہ ہو جائے تو اپنے کپڑے کو یوں کرے اور آپ نے اپنا کپڑا منہ پر رکھا پھر اسے مل دیا۔ پھر فرمایا مجھے زعفران وغیرہ کی خوشبو لا دو۔ اس پر قبیلے کا ایک جوان اٹھا اور بھاگا بھاگا اپنے گھر گیا اور اپنی ہتھیلی پر ایک مرکب خوشبو لے آیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھڑی کے سرے پر لگایا پھر اسے کھنکار کے نشان پر مل دیا۔ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا پس اسی وجہ سے تم نے اپنی مسجدوں میں خوشبو لگانا شروع کیا ہے۔

۴۸۲ - حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِیْ عَمْرٌو عَنْ بَكْرِ ابْنِ سَوَادَةَ الْجُذَامِیِّ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَيْوَانَ عَنْ اَبِیْ سَهْلَةَ السَّائِبِ بْنِ خَلَّادٍ قَالَ اَحْمَدُ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَجُلًا اَمَّ قَوْمًا فَبَصَقَ فِی الْقِبْلَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ فَرَغَ لَا يُصَلِّیْ لَكُمْ فَاَرَادَ بَعْدَ ذٰلِكَ اَنْ يُصَلِّیَ لَهُمْ فَمَنَعُوْهُ وَاَخْبَرُوْهُ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَعَمْ - وَحَسِبْتُ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّكَ اٰذَيْتَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

(ترجمہ) ابوسہلہ سائب رضی اللہ عنہ بن خلاد (احمد نے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھا) نے کہا کہ ایک آدمی نے کسی قوم کی امامت کی اور قبلہ رخ تھوک دیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے تھے، جب وہ فارغ ہوا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے فرمایا کہ یہ آئندہ تمہارا امام نہ بنے۔ اس کے بعد اس نے انہیں نماز پڑھانا چاہی تو انہوں نے اسے روک دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی خبر دی۔ اس نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے بیان کی تو آپؐ نے فرمایا ہاں! اور ابوسہلہؓ نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ تو نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی تھی۔

(شرح) یہ لوگ شاید وفد کی صورت میں حضورؐ کی خدمت میں آئے تھے اور اتفاق سے الگ باجماعت نماز پڑھنی پڑی تھی حضورؐ نے یہ جو فرمایا کہ تو نے اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ دیا ہے۔ یہ ارشاد بطور تہدید و زجر تھا لیکن یہ جو کچھ اس سے سرزد ہوا تھا وہ از راہِ خطا و لاعلمی ہوا تھا لہٰذا اسے کفر شمار نہ کیا گیا، ورنہ از روئے قرآن یہ فعل اگر عمداً ہو تو اللہ تعالیٰ کی لعنتِ دارین اور رسواکن عذاب کا باعث ہے، یا شائد حضورؐ کو بذریعۂ وحی اس کے نفاق کا علم ہو گیا ہو۔

۴۸۳- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ أَخْبَرَنَا سَعِيدٌ الْجُرَيْرِيُّ عَنْ أَبِي الْعَلَاءِ عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّي فَبَزَقَ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى۔

(ترجمہ) عبداللہ بن الشخیر نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ نماز پڑھ رہے تھے، پس آپؐ نے اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوکا (یہ صحابی بنی عامر کے وفد کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوا تھا)۔

۴۸۴- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ سَعِيدٍ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ أَبِي الْعَلَاءِ عَنْ أَبِيهِ بِمَعْنَاهُ- زَادَ ثُمَّ دَلَكَهُ بِنَعْلِهِ۔

(ترجمہ) وہی اوپر والی حدیث دوسری سند سے ہے۔ اس میں اتنا اضافہ ہے کہ: پھر آپؐ نے اُسے اپنے جوتے سے مل دیا۔ (یعنی زمین پر)

۴۸۵- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا الْفَرَجُ بْنُ فُضَالَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ رَأَيْتُ وَاثِلَةَ بْنَ الْأَسْقَعِ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقَ بَصَقَ عَلَى الْبُورِيِّ ثُمَّ مَسَحَهُ بِرِجْلِهِ، فَقِيلَ لَهُ لِمَ فَعَلْتَ هَذَا قَالَ لِأَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ۔

(ترجمہ) ابوسعید (صحیح ابوسعد ہے) نے کہا کہ میں نے واثلہؓ بن اسقع کو دمشق کی مسجد میں سرکنڈے کی چٹائی پر تھوکتے دیکھا، پھر انہوں نے اسے پاؤں سے مل دیا۔ ان سے کہا گیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو کہا: کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا۔

(شرح) اس حدیث کا راوی الفرج بن فضالہ بخاری، مسلم، نسائی، ابن معین، دارقطنی کے نزدیک ضعیف ہے اور دوسرے ائمۂ حدیث نے بھی اس پر تنقید کی ہے۔ ابوسعید دراصل بقول حافظ ابن حجر ابوسعد ہے۔

۲۲- بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُشْرِكِ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ

مشرک کے مسجد میں داخل ہونے کا باب

۴۸۶- حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ حَمَّادٍ أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ دَخَلَ رَجُلٌ عَلَى جَمَلٍ فَأَنَاخَهُ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ عَقَلَهُ ثُمَّ قَالَ أَيُّكُمْ مُحَمَّدٌ؟ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئٌ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ، فَقُلْنَا لَهُ هَذَا الْأَبْيَضُ الْمُتَّكِئُ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ يَا ابْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَجَبْتُكَ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي سَائِلُكَ ـ وَسَاقَ الْحَدِيثَ۔

(ترجمہ) انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی اونٹ پر سوار آیا اور مسجد کے احاطے میں اسے بٹھا دیا پھر اس کا گھٹنا باندھ دیا، پھر بولا: تم میں سے محمد کون ہیں؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان تکیہ لگائے تشریف فرما تھے، تو ہم نے اس سے کہا کہ: یہ سفید رنگ والے جو تکیہ لگائے ہوئے ہیں (یہ محمدؐ ہیں!) اس آدمی نے حضورؐ سے کہا: اے عبد المطلب کے بیٹے! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ میں تجھے جواب دے رہا ہوں (کہو کیا کہتا ہے؟) اس آدمی نے کہا کہ اے محمدؐ! میں آپ سے کچھ پوچھنے والا ہوں - اور راوی نے پوری حدیث بیان کی۔

(شرح) اس باب کے عنوان سے ابوداؤد یہ اشارہ کر رہے ہیں کہ مشرک کا مسجد میں آنا جائز ہے اور سورۂ توبہ میں جو فرمایا گیا ہے کہ، یقیناً مشرک پلید ہیں وہ اس سال کے بعد باحرمت مسجد (کعبہ کی مسجد) میں نہ آنے پائیں ــ اس نجاست سے مراد ان کی اعتقادی نجاست ہے اور داخلے سے مراد حسب سابق با اقتدار داخلہ ہے کہ وہ حج وعمرہ اور اعمالِ مناسک کے منتظم ہوتے تھے۔ ان کے اجسام کی نجاست مراد نہیں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مشرک کا مسجد میں داخلہ مطلقاً جائز ہے۔ مالکیہ اور مزنی شافعی کے نزدیک مطلقاً ممنوع ہے۔ دیگر شوافع کے نزدیک دیگر مساجد میں جائز اور اس آیت کی وجہ سے مسجد حرام میں ناجائز ہے۔ یہ آنے والا شخص ضمامؓ بن ثعلبہ سعدی تھا جو بنی سعد بن بکر کا نمائندہ بن کر آیا تھا۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی کو ضمامؓ بن ثعلبہ سے بہتر اور مختصر سوال کرنے والا نہیں دیکھا۔ اگلی روایت میں آرہا ہے کہ اس نے اونٹ کو مسجد کے دروازے پر بٹھایا تھا، یہاں فی المسجد کا لفظ مجازاً آیا ہے کیونکہ مسجد کا ماحول عموماً اسی کے مقاصد میں استعمال ہوتا ہے۔ اس حدیث کو بخاریؒ نے مفصل روایت کیا ہے۔ ضمامؓ بن ثعلبہ اگر مسلمان ہو چکا تھا (گو ابوداؤد کے نزدیک وہ ابھی اسلام نہیں لایا تھا بلکہ حضورؐ سے مل کر اسلام کا اعلان کیا تھا!) تو بھی اسے اسلام کے سارے احکام معلوم نہ تھے لہٰذا اس نے آپؐ کو نام لے کر پکارا، حالانکہ قرآن کی آیت: لَا تَجْعَلُوا

دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا کے مطابق آپؐ کو نام لیکر بلانا حرام ہے۔

۴۸۷ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا سَلَمَةُ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ بْنِ نُوَيْفِعٍ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَتْ بَنُو سَعْدِ بْنِ بَكْرٍ ضِمَامَ بْنَ ثَعْلَبَةَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَدِمَ عَلَيْهِ فَأَنَاخَ بَعِيرَهُ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ عَقَلَهُ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ. قَالَ فَقَالَ أَيُّكُمُ ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ. قَالَ يَا ابْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ. وَسَاقَ الْحَدِيثَ.

(ترجمہ) ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بنو سعد بن بکر نے ضمام بن ثعلبہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ پس وہ حضورؐ کے پاس آیا اور اپنا اونٹ مسجد کے دروازے پر بٹھادیا پھر اس کا گھٹنا باندھا پھر مسجد میں داخل ہوا۔ پھر راوی نے اسی طرح حدیث بیان کی۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ ضمام نے کہا: تم میں سے عبد المطلب کا بیٹا کون ہے؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں عبد المطلب کا بیٹا (یعنی پوتا) ہوں۔ ضمام نے کہا اے عبد المطلب کے بیٹے! اور پھر راوی نے پوری حدیث بیان کی۔

۴۸۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنَا رَجُلٌ مِنْ بَنِي مُزَيْنَةَ وَنَحْنُ عِنْدَ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ الْيَهُودُ أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ فِي أَصْحَابِهِ فَقَالُوا يَا أَبَا الْقَاسِمِ فِي رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ زَنَيَا مِنْهُمْ.

(ترجمہ) ابو ہریرہؓ نے کہا کہ یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ اپنے اصحاب سمیت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ یہود نے کہا اے ابو القاسم! اور پھر اپنے میں سے ایک مرد عورت کے زنا کا قصہ بیان کیا۔ (اس حدیث کو ابوداؤد نے باب الحدود میں متصل بیان کیا ہے)

۲۴ - بَابٌ فِي الْمَوَاضِعِ الَّتِي لَا تَجُوزُ فِيهَا الصَّلٰوةُ

ان جگہوں کا باب جہاں نماز جائز نہیں

۴۸۹ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُجَاهِدٍ

عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا۔

(ترجمہ) ابوذرؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین کو میرے لئے پاک کنندہ اور سجدہ گاہ بنا دیا گیا۔

(شرح) طہورا کا اشارہ تو قرآن کی اس آیت کی طرف ہے، فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا۔ اور مسجد سے مراد یہ ہے کہ ہر پاک جگہ پر نماز جائز ہے۔ خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے ظاہر سے اہل عراق نے استدلال کیا ہے کہ تیمم سب اجزائے زمین سے جائز ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک صرف مٹی سے ہو سکتا ہے۔ خطابی نے کہا کہ ابوذرؓ کی حدیث میں ابہام اور اجمال پایا جاتا ہے اور اس کی تفصیل حذیفہؓ کی حدیث میں ہے۔ جُعِلَتْ لَنَا الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُورًا، اس کی سند جید ہے اور مفصل حدیث کو مجمل پر ترجیح ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ حذیفہؓ کی حدیث سے یہ استدلال درست نہیں ہے کہ مٹی کے سوا کسی چیز سے تیمم جائز نہیں۔ یہ حدیث حصر پر دلالت نہیں کرتی نہ یہ حدیث ابی ذرؓ کی تفسیر بیان کرتی ہے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ حدیث ابی ذرؓ میں سرے سے کوئی اجمال و ابہام نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حدیث ابی ذرؓ مطلق ہے اور حدیث حذیفہؓ مقید ہے۔ اور ضروری نہیں ہوتا کہ ہر موقع پر مقید کو مطلق پر ترجیح ہو۔ اس ترجیح کے لئے بھی واضح اور صریح دلیل چاہیئے۔ اس مسئلے میں اصل مدار آیت قرآنی پر ہے جس میں صعیدًا کا لفظ ہے اور اس سے مراد مطلق زمین ہے۔ اب اس کی تقیید مٹی سے کرنا خبر واحد سے کتاب اللہ کی تخصیص کرنا ہے جو جائز نہیں ہے " زمین مع سب اجزاء کے صعیدًا طیبًا ہے۔ یہ حدیث اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرنے کی ترغیب دیتی ہے کہ اس ذات واحد و برحق نے اس امت پر کتنی آسانی رکھی کہ پچھلی امتوں کی تمام پابندیاں ہم سے اٹھائی گئیں اور دین کو آسان سے آسان تر بنا دیا گیا۔ پچھلوں کیلئے نہ تو تیمم جائز تھا اور نہ عبادت گاہوں کے باہر نماز جائز تھی۔

۴۹۰۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ لَهِيعَةَ وَيَحْيَى ابْنُ أَزْهَرَ عَنْ عَمَّارِ بْنِ سَعْدٍ الْمُرَادِيِّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ الْغِفَارِيِّ أَنَّ عَلِيًّا مَرَّ بِبَابِلَ وَهُوَ يَسِيرُ فَجَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ يُؤَذِّنُهُ بِصَلَوةِ الْعَصْرِ فَلَمَّا بَرَزَ مِنْهَا أَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَأَقَامَ الصَّلوةَ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ إِنَّ حِبِّي عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهَانِي أَنْ أُصَلِّيَ فِي الْمَقْبَرَةِ وَنَهَانِي أَنْ أُصَلِّيَ فِي أَرْضِ بَابِلَ فَإِنَّهَا مَلْعُونَةٌ۔

(ترجمہ) علیؓ بابل سے گزرے، وہ سفر میں تھے، اور مؤذن آپ کو نماز عصر کی اطلاع دینے کو آیا۔ جب سرزمین بابل سے آگے نکل گئے تو مؤذن کو نماز قائم کرنے کا حکم دیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قبرستان میں نماز پڑھنے اور سرزمین بابل میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا تھا کیونکہ یہ سرزمین ملعون ہے۔

(شرح) ابن لہیعہ چونکہ ضعیف راوی تھا لہٰذا ابوداؤد نے تنہا اس کی روایت نہیں لی بلکہ اس کے ساتھ یحییٰ ابن ازہر کو سند میں رکھا۔ اب یہ روایت درست ہوگئی ہے۔ بابل ملک عراق کا ایک موضع ہے جہاں کا جادو اور شراب مشہور رہے۔ امام خطابیؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں کلام ہے اور میں نہیں جانتا کہ علماء میں سے کسی نے بھی ارض بابل میں نماز کو حرام ٹھیرایا ہو۔ اور اس حدیث سے صحیح تر حدیث یعنی اوپر والی ابوذرؓ کی حدیث اس کے خلاف ہے۔ اگر اسے ثابت مانا جائے تو ممکن ہے اس کا یہ معنی ہو کہ سرزمین بابل کو وطن اور دار اقامت نہ بنایا جائے تو اس صورت میں متوطن اور مقیم کی نماز اسی میں واقع ہوگی اور اس صورت میں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہ نہی علیؓ بن ابی طالب کے ساتھ مخصوص ہے اسی لئے نَہَانِیْ (مجھ کو منع کیا) فرمایا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضورؐ کی طرف سے آنے والے وقت میں علیؓ کے لئے ایک انداز تنبیہ ہو کہ سرزمین کوفہ (اور وہ ارض بابل ہے) میں تمہیں بہت سی مشقتیں اور مصائب پیش آئیں گے اور یہ واقع ہو کر رہیں اور ان کے سوا خلفائے راشدین میں سے کسی نے مدینہ کی رہائش ترک نہ کی تھی اور اسے ملعون ٹھیرانے کا باعث شاید کوئی خسف کا واقعہ ہوگا۔

۴۹۱۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِیْ یَحْیَی بْنُ اَزْهَرَ وَابْنُ لَهِیْعَةَ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ اَبِیْ صَالِحِ الْغِفَارِیِّ عَنْ عَلِیٍّ بِمَعْنٰی سُلَیْمَانَ بْنِ دَاوُدَ. قَالَ فَلَمَّا خَرَجَ مَکَانَ بَرَزَ۔

(ترجمہ) اسی حدیث کے معنی میں بعض الفاظ کے اختلاف کے ساتھ یہ روایت بھی ہے۔

۴۹۲۔ حَدَّثَنَا مُوْسَی بْنُ اِسْمَاعِیْلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ عَنْ عَمْرِو بْنِ یَحْیٰی عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ مُوْسٰی فِیْ حَدِیْثِهٖ فِیْمَا یَحْسَبُ عَمْرٌو اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاَرْضُ کُلُّهَا مَسْجِدٌ اِلَّا الْحَمَّامَ وَالْمَقْبَرَةَ۔

(ترجمہ) ابوسعید خدریؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حمام اور مقبرہ کے سوا ساری زمین سجدہ گاہ ہے۔

(شرح) ساری زمین سجدہ گاہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس امت کی نماز صرف مسجدوں ہی میں جائز نہیں بلکہ ان سے باہر بھی جائز ہے بشرطیکہ کوئی اور شرعی رکاوٹ (مثلاً نجاست اور شرک وغیرہ کا خوف) نہ ہو۔ ان شرعی رکاوٹوں کا ذکر بھی حضورؐ نے خود ہی اپنے ارشادات میں فرمایا ہے۔ محدث علی القاریؒ نے کہا ہے کہ علماء کا اس میں اختلاف ہوا کہ مقبرہ میں نماز کی ممانعت آیا تنزیہ کے لئے ہے یا حرمت کے لئے۔ حافظ ابن حجرؒ کے بقول شافعیہ کا مذہب تنزیہ اور حنابلہ کا تحریم ہے یعنی وہاں سرے سے نماز کا انعقاد ہی نہیں ہوتا کیونکہ احمدؒ بن حنبل کے نزدیک مکنہ کی نہی بھی تحریم و بطلان چاہتی ہے جیسا کہ ازمنہ کی نہی سے بھی یہی نکلتا ہے۔ حنفیہ کا مذہب اس میں ذرا متوسط

مفصل ہے۔ شارح منیہ نے کہا ہے کہ قبرستان میں اگر کوئی جگہ نماز کے لئے بنا دی گئی ہو اور اس جگہ میں قبریں نہ ہوں تو وہاں نماز جائز ہے۔ امام ترمذی نے کہا ہے کہ ابو سعیدؓ کی حدیث مضطرب ہے مگر جس بناء پر انہوں نے اس پر اضطراب کا حکم لگایا ہے وہ قوی نہیں ہے۔ اور ابو داؤد کی روایت میں کوئی اضطراب نہیں۔

۲۵۔ بَابُ النَّهْيِ عَنِ الصَّلٰوةِ فِي مَبَارِكِ الْإِبِلِ

اونٹوں کے باندھنے کی جگہ پر نماز کی ممانعت کا باب

۴۹۳۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الرَّازِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلٰى عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوةِ فِي مَبَارِكِ الْإِبِلِ فَقَالَ لَا تُصَلُّوا فِي مَبَارِكِ الْإِبِلِ فَإِنَّهَا مِنَ الشَّيَاطِينِ وَسُئِلَ عَنِ الصَّلٰوةِ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ قَالَ صَلُّوا فِيهَا فَإِنَّهَا بَرَكَةٌ۔

(ترجمہ) براءؓ بن عازب نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کے متعلق پوچھا گیا تو ارشاد ہوا کہ اونٹوں کے باڑے میں نماز نہ پڑھو کیونکہ وہ شیطانوں میں سے ہیں اور بھیڑ بکریوں کے باڑے میں نماز کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ اس میں نماز پڑھ لو کیونکہ وہ باعث برکت ہے۔

(شرح) اونٹوں کے باڑے میں نماز کی ممانعت کی علت یہ بیان فرمائی کہ وہ شیطان ہیں۔ ابن ماجہ کی سنن میں ہے کہ وہ شیطانوں میں سے پیدا ہوئے ہیں۔ مسند احمد کی حدیث جو عبداللہؓ بن مغفل سے آئی ہے اس میں یہ لفظ ہیں کہ اونٹوں کے باڑے میں نماز مت پڑھو کیونکہ وہ جن میں سے پیدا ہوئے ہیں جس وقت وہ بھڑک اٹھیں تو ان کی آنکھوں کو اور ان کی ہیئت کو نہیں دیکھتے ہو؟ علامہ شوکانی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث بھیڑ بکریوں کے باڑے میں نماز کے جواز پر اور اونٹوں کے باڑے میں اس کی حرمت پر دلالت کرتی ہے اور امام احمدؒ بن حنبل کا یہی مذہب ہے کہ وہاں پر نماز کسی حال میں بھی کبھی جائز نہیں، اگر کوئی پڑھ لے تو اعادہ واجب ہے۔ یہی مذہب ابن حزم ظاہری کا ہے۔ اور جمہور کے نزدیک اس نہی کا مفاد کراہت ہے بشرطیکہ نماز کی جگہ پاک و صاف ہو اور حرمت ہے جبکہ نماز کی جگہ پر نجاست ہو۔ یہ بات تو صاف ظاہر اور واضح ہے کہ کوئی ذی ہوش آدمی اونٹوں یا بھیڑ بکریوں کی غلاظت کے اندر نماز نہیں پڑھے گا۔ حدیث میں جو پڑھنے نہ پڑھنے کا ذکر ہے یہ ان جگہوں پر ہے جو پاک صاف ہوں۔ اور اصطبلوں یا باڑوں میں ایسی جگہیں ضرور ہوتی ہیں جہاں لوگ بیٹھتے اٹھتے یا سوتے جاگتے یا حفاظت کی خاطر ٹھہرتے ہیں!) شوکانی نے کہا کہ یہ قول اسی وقت معتبر ہے جبکہ نہی کی علت نجاست ہو اور یہ چیز اونٹوں کے پیشاب پاخانے کی نجاست پر موقوف ہے۔ اگر ہم اس میں نجاست تسلیم کر لیں تو یہ علت نہیں بن سکتی کیونکہ اس صورت میں اونٹوں کے باڑے اور بھیڑ بکریوں کے باڑے میں کوئی فرق نہیں، کوئی بھی اس کا

قائل نہیں ہے کہ ان دونوں جنسوں کی غلاظت میں حرمت و حلّت کے لحاظ سے فرق ہے جیسا کہ عراقی نے کہا ہے۔ اور پھر یہ بھی قابل غور ہے اس حدیث میں علت جو ٹھیرائی گئی ہے وہ ان کا بھڑک اٹھنا ہے (یعنی مسند احمد اور سنن ابن ماجہ کی روایت میں جو عبد اللہ بن مغفل سے آئی ہے) پس ہو سکتا ہے کہ وہ نمازی کی نماز کی حالت میں بھڑک اٹھیں اور نماز کو قطع کر دیں یا اذیت پہنچائیں یا کم از کم تشویش خاطر ہو جائے جس سے نمازی کا خشوع و خضوع جاتا ہے جو کہ نماز کی روح ہے۔ امام شافعی اور مالک کے اصحاب نے نہی کی علت اسی کو قرار دیا ہے اور اونٹوں کے باڑے میں ہونے کی حالت میں نماز کی حرمت کا اور نہ ہونے کی حالت میں جواز کا فتوٰی دیا ہے اور جب تم علت کے اس اختلاف کو سمجھ جاؤ گے تو تم پر واضح ہو جائیگا کہ حق بات یہی ہے کہ نہی کی علت کو مدِ نظر رکھا جائے اور اس کا تقاضا تحریم ہے جیسا کہ احمد بن حنبل کا مذہب ہے اور ظاہریوں کا قول بھی یہی ہے جہانتک بھیڑ بکریوں کے باڑے میں نماز کے امر کا تعلق ہے وہ اباحت و جواز کے لئے ہے، سب کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ وجوب کے لئے نہیں ہے۔

مولانا سہارنپوری نے فرمایا کہ حق میرے نزدیک یہ ہے کہ حدیث میں نہی تنزیہ پر محمول ہے بشرطیکہ زمین پاک ہو جس پر نماز پڑھی جا رہی ہو۔ کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے: جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طَهُوْرًا۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ: جہاں نماز کا وقت آئے پڑھ لو۔ حضرت ابن عمرؓ اور دیگر اصحاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ اپنے اونٹ کو سامنے بٹھا کر اس کی طرف نماز پڑھ لیتے تھے۔ اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ آپ اپنی سواری پر (اونٹ پر) نماز پڑھتے تھے۔ امام طحاویؒ نے ایک خط کا ذکر کیا ہے جو عبد اللہ بن نافع نے لیث بن سعد کو لکھا تھا۔ اس خط میں ہے کہ: ابن عمرؓ اور ہماری سرزمین کے نیک لوگ اپنی اونٹنی کو بٹھا کر اس کی طرف نماز پڑھتے تھے حالانکہ وہ بول بھی کرتی اور مینگنیاں بھی ڈالتی تھی۔ امام شافعیؒ نے کتاب الأم میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اونٹوں کے باڑے میں نماز نہ پڑھو کیونکہ وہ جن ہیں اور جنوں سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اونٹ کے قریب نماز نہ پڑھنے کی علت یہ ہے کہ وہ شیاطین میں سے ہیں (یعنی ان میں شیطانی خصلت ہے ورنہ اگر واقعی شیطان ہوں تو حرام ہوں حالانکہ ان کا دودھ اور گوشت اور بعض کے نزدیک پیشاب تک حلال ہے!) اسی طرح حضورؐ نے لیلۃ التعریس کو صبح کو اس جگہ نماز کی ممانعت اسی بناء پر فرمائی کہ اس وادی میں ایک شیطان ہے (یعنی غفلت و سہو کو مجازاً شیطان کی طرف منسوب فرمایا) پس حضورؐ نے شیطان کے قرب میں نماز کو ناپسند فرمایا۔ میں یہ گزارش کرتا ہوں کہ حضرت امام شافعیؒ کے اس استدلال پر مجالِ گفتگو موجود ہے کیونکہ کتاب و سنت سے (صحیحین کی احادیث سے بھی) ثابت ہے کہ شیطان اذان کے وقت بھاگ جاتا ہے اور پھر نماز کے وقت آ کر نمازی کے دل میں وسوسہ اور تشویش پیدا کرتا ہے۔ اب اس صحیح حدیث سے ہر نمازی کے پاس شیطان کا قرب ثابت ہوا مگر اس کے باوجود نماز کے جواز اور صحت میں کسی کو کلام نہیں۔ پس ماننا پڑے گا کہ اونٹوں کے باڑے میں تشویش و اضطراب سے بچاؤ کے لئے ہی نماز سے روکا گیا ہے اور نہی تنزیہ و استحباب کے لئے ہے نہ کہ تحریم کے لئے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

۲۶- بَابُ مَتَى يُؤْمَرُ الْغُلَامُ بِالصَّلٰوةِ

باب اس بیان میں کہ بچے کو نماز کا حکم کب دیا جائے

۴۹۴- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيْسٰى يَعْنِي ابْنَ الطَّبَّاعِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ رَبِيْعِ بْنِ سَبْرَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرُوا الصَّبِيَّ بِالصَّلٰوةِ إِذَا بَلَغَ سَبْعَ سِنِيْنَ وَإِذَا بَلَغَ عَشْرَ سِنِيْنَ فَاضْرِبُوْهُ عَلَيْهَا۔

(ترجمہ) سبرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بچے کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کا ہو جائے اور جب دس سال کا ہو جائے تو اسے نماز نہ پڑھنے پر سزا دو۔

(شرح) عبدالملک بن ربیع کو یحیی بن معین اور بعض دیگر ائمہ نے ضعیف کہا ہے۔ امام ذہبی نے کہا کہ وہ راست گو ہے۔ مسلم نے بھی اس کی روایت لی ہے۔ اس حدیث کا حکم اولیاء کے لئے ہے کیونکہ بچہ تو احکام کا مخاطب نہیں۔ مراد بچے سے یہاں وہ ہے جو ذرا سیانا ہو چکا ہو۔ سات سال کا بچہ سمجھدار ہو جاتا ہے۔ خطابی نے کہا کہ دس سال کی عمر میں ترکِ صلوٰۃ پر جب سزا کا حکم ہے تو بلوغ کے بعد شدید سزا جائز ہوگی۔ تارکِ صلوٰۃ کے حکم میں علماء کا اختلاف ہوا ہے مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک اس کی سزا قتل ہے کیونکہ ضرب کے بعد شدید ترین سزا تو یہی ہو سکتی ہے۔ مکحولؒ نے کہا کہ اگر توبہ نہ کرے تو قتل کیا جائے۔ حماد بن زید اور وکیع بن جراح کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ قتل نہ کیا جائے گا بلکہ مارپیٹ کریں گے اور اسے قید کر دیں گے۔ زہریؒ نے کہا کہ وہ صرف فاسق ہے نہ کہ مرتد لہٰذا اسے خوب پیٹیں گے اور قید میں ڈال دیں گے۔ قتل کا فتویٰ حضورؐ کے صریح ارشاد کے خلاف ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان کا خون صرف تین صورتوں میں حلال ہے، قصاص میں، ارتداد کے بعد اور شادی شدہ زانی (جبکہ ثبوت شرعی ہو)

۴۹۵- حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ هِشَامٍ يَعْنِي الْيَشْكُرِيَّ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيْلُ عَنْ سَوَّارِ بْنِ أَبِيْ حَمْزَةَ، قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ أَبُوْ حَمْزَةَ الْمُزَنِيُّ الصَّيْرَفِيُّ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ۔

(ترجمہ) عبداللہؓ بن عمرو بن العاص نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اپنی اولاد کو جب وہ سات سال کے ہو جائیں نماز کا حکم دو اور جب وہ دس سال کے ہوں تو اس پر سزا دو اور ان کے بستر الگ الگ کر دو (تاکہ برے خیالات میں نہ پڑ سکیں)

۴۹۶- حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ دَاوُدُ بْنُ سَوَّارٍ الْمُزَنِيُّ بِإِسْنَادِهٖ

وَمَعْنَاهُ وَزَادَ فِيهِ وَإِذَا زَوَّجَ أَحَدُكُمْ خَادِمَهُ عَبْدَهُ أَوْ أَجِيرَهُ فَلَا يَنْظُرْ إِلَى مَا دُونَ السُّرَّةِ وَفَوْقَ الرُّكْبَةِ - قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَهِمَ وَكِيعٌ فِي اسْمِهِ وَرَوَى عَنْهُ أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ هَذَا الْحَدِيثَ فَقَالَ حَدَّثَنَا أَبُو حَمْزَةَ سَوَّارٌ الصَّيْرَفِيُّ -

(ترجمہ) اوپر کی حدیث اسی معنیٰ میں ایک اور سند سے، اس میں یہ اضافہ ہے کہ: جب تم میں سے کوئی اپنی لونڈی کا نکاح اپنے غلام یا مزدور سے کردے تو پھر لونڈی پر گھٹنوں اور ناف کے درمیان نظر نہ ڈالے (یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ خادم یعنی لونڈی اپنے مالک کا ستر پھر نہ دیکھے)

۴۹۷ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْمَهْرِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنِي مُعَاذُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ خُبَيْبٍ الْجُهَنِيُّ قَالَ دَخَلْنَا عَلَيْهِ فَقَالَ لِامْرَأَتِهِ مَتَى يُصَلِّي الصَّبِيُّ فَقَالَتْ كَانَ رَجُلٌ مِنَّا يَذْكُرُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ إِذَا عَرَفَ يَمِينَهُ مِنْ شِمَالِهِ فَمُرُوهُ بِالصَّلٰوةِ -

(ترجمہ) ہشام بن سعد نے کہا کہ ہم لوگ معاذ بن عبد اللہ کے ہاں گئے۔ پس اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ بچہ کس عمر میں نماز پڑھے؟ تو اس نے کہا ہم میں سے ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بیان کرتا تھا کہ جب وہ دائیں بائیں ہاتھ میں تمیز کرنے لگے تو اسے نماز کا حکم دو۔

(شرح) اس حدیث کی سند بیان کرنے والی عورت اور جس سے وہ روایت کرتی ہے دونوں مجہول ہیں۔ ویسے مضمون اس حدیث کا ضعف کے باوجود درست ہے کیونکہ بالعموم بچوں کی اکثریت سات سال میں یہ معرفت پا لیتی ہے بعض اس سے پہلے پا لیتے ہیں اور بعض اس کے بعد بھی نہیں مگر ان کا اعتبار نہیں۔ دارقطنی اور ابن حزم نے معاذ بن عبد اللہ راوی کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ ابن حزم کی شدت تو مشہور ہی ہے مگر دارقطنی نے شدید الفاظ نہیں بولے صرف کہا ہے: لیس بذاک

۲۷ - بَابُ بَدْءِ الْأَذَانِ

اذان کی ابتداء کا باب

۴۹۸ - حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ مُوسَى الْخُتَّلِيُّ وَزِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ وَحَدِيثُ عَبَّادٍ أَتَمُّ قَالَا حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ أَبِي بِشْرٍ قَالَ زِيَادٌ أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ أَبِي عُمَيْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ عُمُومَةٍ لَهُ مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ اهْتَمَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّلٰوةِ كَيْفَ

يَجْمَعُ النَّاسَ لَهَا فَقِيلَ لَهُ انْصِبْ رَايَةً عِنْدَ حُضُورِ الصَّلٰوةِ فَإِذَا رَأَوْهَا أَذَنَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ فَلَمْ يُعْجِبْهُ ذٰلِكَ، قَالَ وَذُكِرَ لَهُ الْقُنْعُ يَعْنِي الشَّبُّورَ، وَقَالَ زِيَادٌ شَبُّورُ الْيَهُودِ فَلَمْ يُعْجِبْهُ ذٰلِكَ وَقَالَ هُوَ مِنْ أَمْرِ الْيَهُودِ۔ قَالَ فَذُكِرَ لَهُ النَّاقُوسُ فَقَالَ هُوَ مِنْ أَمْرِ النَّصَارٰى فَانْصَرَفَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ وَّهُوَ مُهْتَمٌّ لِهَمِّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُرِيَ الْأَذَانَ فِي مَنَامِهِ۔ قَالَ فَغَدَا عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي لَبَيْنَ نَائِمٍ وَّيَقْظَانَ إِذْ أَتَانِي آتٍ فَأَرَانِي الْأَذَانَ قَالَ وَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَدْ رَآهُ قَبْلَ ذٰلِكَ فَكَتَمَهُ عِشْرِينَ يَوْمًا۔ قَالَ ثُمَّ أَخْبَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تُخْبِرَنِي قَالَ سَبَقَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ فَاسْتَحْيَيْتُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بِلَالُ قُمْ فَانْظُرْ مَا يَأْمُرُكَ بِهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ فَافْعَلْهُ۔ قَالَ فَأَذَّنَ بِلَالٌ۔ فَقَالَ أَبُو بِشْرٍ فَأَخْبَرَنِي أَبُو عُمَيْرٍ إِنَّ الْأَنْصَارَ تَزْعُمُ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ زَيْدٍ لَّوْلَا أَنَّهُ كَانَ يَوْمَئِذٍ مَّرِيضًا لَجَعَلَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُؤَذِّنًا

(ترجمہ) ابو عُمیر بن انس رضؓ نے اپنے بعض انصاری چچاؤں سے روایت کرکے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے متعلق یہ پریشانی تھی کہ اس لئے لوگ کس طرح جمع ہوں۔ آپؐ سے کہا گیا کہ نماز کے وقت ایک جھنڈا بلند کر دیجئے لوگ اسے دیکھ کر ایک دوسرے کو اطلاع دے دیا کریں گے، مگر آپؐ کو یہ تجویز پسند نہ آئی۔ راوی نے کہا کہ آپ کے سامنے بگل کا ذکر کیا گیا یعنی بقول زیاد راوی یہود کے بگل کا تو یہ بھی پسند نہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ یہود کا طریقہ ہے۔ راوی نے کہا پھر آپؐ کے سامنے ناقوس کا ذکر کیا گیا تو فرمایا کہ یہ نصاریٰ کا طریقہ ہے۔ پس عبداللہ بن زید گھر واپس آئے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشویش کے باعث اس امر پر تشویش تھی۔ پس انہیں خواب میں اذان دکھائی گئی۔ راوی نے کہا کہ پس وہ صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور اس کی خبر دی، عبداللہ رضؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں نیند اور بیداری کے درمیان تھا جب میرے پاس کوئی آنے والا آیا اور مجھے اذان سکھائی۔ راوی نے کہا کہ عمر بن الخطاب اس سے پہلے یہ خواب دیکھ چکے تھے لیکن انہوں نے اسے (عبداللہ رضؓ بن زید کے بتا دینے کے بعد) بیس دن چھپائے رکھا۔ راوی نے کہا پھر بعد میں عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا تو آپؐ نے فرمایا کہ پہلے بتانے سے تمہیں کس چیز نے روکا تھا؟ تو انہوں نے کہا کہ عبداللہ رضؓ بن زید مجھ پر سبقت لے گیا تو میں شرما گیا (بہرحال عبداللہ رضؓ کے بتانے پر) پھر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے بلالؓ! اٹھو اور عبداللہ بن زید جو تجھے حکم دے وہ کر۔ راوی نے کہا کہ پھر بلالؓ نے اُن عبداللہؓ سے سیکھ کر اذان دی۔ ابو بشر نے کہا کہ ابو عمیر نے مجھے بتایا کہ انصار کہتے ہیں : اگر اس دن عبداللہ بن زیدؓ بیمار نہ ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں مؤذن بناتے۔

(شرح) مولانا نے فرمایا کہ اذان کی ابتداء کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ بعض میں آتا ہے کہ اذان مکہ میں ہجرت سے پہلے مشروع ہوئی تھی۔ پھر ان میں سے بھی بعض یہ کہتے ہیں کہ جب نماز فرض ہوئی تو جبریلؑ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اذان کا حکم دیا، اور بعض میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اذان شبِ معراج میں سکھائی گئی تھی۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ حق بات یہ ہے کہ ان روایات میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے۔ اور ابن المنذرؒ نے یقین سے کہا ہے کہ مکہ میں حضورؐ اذان کے بغیر ہی نماز پڑھتے تھے۔ ہجرت کے بعد اذان کا مشورہ ہوا جیسا کہ ابن عمرؓ اور عبداللہ بن زید کی حدیث میں ہے۔ لغت میں اذان کا معنیٰ اعلام ہے اور شرع میں نماز کے وقت کا مخصوص الفاظ کے ساتھ اعلان ہے۔ اذان الفاظ کی قلت کے باوجود عقائد کے مسائل پر مشتمل ہے مثلاً اللہ کی کبریائی، توحید کا اعلان، رسالت کا اعلان پھر نماز کی دعوت جو عبادات میں اعظم ترہے اور اس کے فلاح ہونے کا اظہار و اعلان۔ اذان اسلام کا شعار ہے اور دین میں اس کی بہت اہمیت ہے۔

حدیث کا مطلب واضح ہے اس میں وَکَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ سے لیکر آگے جہاں تک حضرت عمرؓ کے متعلق بیان ہے وہ بطور جملہ معترضہ ہے۔ مولاناؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے اپنے خواب کو جو بیس دن تک بیان کرنیکا ذکر ہے اس کا تعلق عبداللہ بن زیدؓ کے خواب سے پہلے کے ساتھ ہے۔ یعنی حضرت عمرؓ نے یہ خواب دیکھا مگر حضورؐ کو بیس دن تک نہ بتایا حتی کہ عبداللہ بن زیدؓ نے جب بتایا تو اس کے بعد اس کا ذکر کیا۔ لیکن میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں کہ حضرت عمرؓ کا چھپانا عبداللہ بن زیدؓ کے بیانِ واقعہ کے بعد تسلیم کیا جائے یعنی خواب تو وہ بھی دیکھ چکے تھے مگر عبداللہ بن زید کے سبقت لے جانے کے باعث از راہِ حیاء اس کا ذکر نہ کیا۔ مصنف عبدالرزاق وغیرہ کی بعض روایات میں تو یہ بھی ہے کہ بلالؓ کی اذان سُن کر حضرت عمرؓ چادر گھسیٹتے ہوئے بھاگے چلے آئے اور کہا کہ مجھے بھی خواب میں یہی کلمات سکھائے گئے ہیں۔ بیس دن کا ذکر یا تو یوں ہوا کہ بیس دن کے بعد حضورؐ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ دریافت کرنے پر کہ تم نے بروقت کیوں نہ بتایا انہوں نے عبداللہ بن زیدؓ کے سبقت لے جانے کا عذر ظاہر کیا۔ یا پھر یہ عرصہ کسی نچلے راوی کے وہم کی وجہ سے مذکور ہوا ہے واللہ اعلم۔

انصار کا یہ خیال کہ عبداللہ بن زید اس دن اگر مریض نہ ہوتے تو حضورؐ انہیں مؤذن مقرر کرتے محض ایک خیال ہی تھا ورنہ بعد میں تا حینِ حیات بلالؓ ہی مؤذن رہے۔ علت اس کی یہ تھی کہ بلالؓ کی آواز بہت بلند اور سُریلی تھی اور اذان میں ان چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۲۸۔ بَابُ كَيْفَ الْأَذَانُ

اذان کی کیفیت کا باب

۴۹۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ الطُّوْسِيُّ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ إِسْحَاقَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ

ابنِ زَیدِ بنِ عَبدِ رَبِّہٖ حَدَّثَنِی اَبِی عَبدُاللہِ بنِ زَیدٍ قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ بِالنَّاقُوسِ یُعمَلُ لِیُضرَبَ بِہٖ لِلنَّاسِ لِجَمعِ الصَّلٰوۃِ طَافَ بِی وَاَنَا نَائِمٌ رَجُلٌ یَحمِلُ نَاقُوسًا فِی یَدِہٖ فَقُلتُ یَا عَبدَاللہِ اَتَبِیعُ النَّاقُوسَ فَقَالَ وَمَا تَصنَعُ بِہٖ فَقُلتُ نَدعُوا بِہٖ اِلَی الصَّلٰوۃِ قَالَ اَفَلَا اَدُلُّکَ عَلٰی مَا ھُوَ خَیرٌ مِّن ذٰلِکَ فَقُلتُ لَہٗ بَلٰی قَالَ فَقَالَ تَقُولُ اَللہُ اَکبَرُ اَللہُ اَکبَرُ اَللہُ اَکبَرُ اَللہُ اَکبَرُ اَشھَدُ اَن لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ اَشھَدُ اَن لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ۔ اَشھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللہِ اَشھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللہِ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ۔ حَیَّ عَلَی الفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الفَلَاحِ۔ اَللہُ اَکبَرُ اَللہُ اَکبَرُ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ۔ قَالَ ثُمَّ استَاْخَرَ عَنِّی غَیرَ بَعِیدٍ ثُمَّ قَالَ تَقُولُ اِذَا اُقِیمَتِ الصَّلٰوۃُ: اَللہُ اَکبَرُ اَللہُ اَکبَرُ۔ اَشھَدُ اَن لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ۔ اَشھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللہِ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الفَلَاحِ۔ قَد قَامَتِ الصَّلٰوۃُ قَد قَامَتِ الصَّلٰوۃُ۔ اَللہُ اَکبَرُ اَللہُ اَکبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ۔ فَلَمَّا اَصبَحتُ اَتَیتُ رَسُولَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ فَاَخبَرتُہٗ بِمَا رَاَیتُ فَقَالَ اِنَّھَا لَرُؤیَا حَقٌّ اِن شَاءَ اللہُ فَقُم مَعَ بِلَالٍ فَاَلقِ عَلَیہِ مَا رَاَیتَ فَلیُؤَذِّن بِہٖ فَاِنَّہٗ اَندٰی صَوتًا مِّنکَ فَقُمتُ مَعَ بِلَالٍ فَجَعَلتُ اُلقِیہِ عَلَیہِ وَیُؤَذِّنُ بِہٖ قَالَ فَسَمِعَ عُمَرُ بنُ الخَطَّابِ رَضِیَ اللہُ عَنہُ وَھُوَ فِی بَیتِہٖ فَخَرَجَ یَجُرُّ رِدَاءَہٗ وَیَقُولُ وَالَّذِی بَعَثَکَ بِالحَقِّ یَا رَسُولَ اللہِ لَقَد رَاَیتُ مِثلَ مَا اُرِیَ فَقَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ فَلِلّٰہِ الحَمدُ۔ قَالَ اَبُو دَاؤدَ وَھٰکَذَا رِوَایَۃُ الزُّھرِیِّ عَن سَعِیدِ بنِ المُسَیَّبِ عَن عَبدِاللہِ بنِ زَیدٍ وَقَالَ فِیہِ ابنُ اِسحٰقَ عَنِ الزُّھرِیِّ۔ اَللہُ اَکبَرُ اَللہُ اَکبَرُ اَللہُ اَکبَرُ اَللہُ اَکبَرُ۔ وَقَالَ مَعمَرٌ وَّیُونُسُ عَنِ الزُّھرِیِّ فِیہِ اَللہُ اَکبَرُ اَللہُ اَکبَرُ وَلَم یُثَنِّیَا۔

(ترجمہ) عبداللہ بن زیدؓ نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس بنوانے کا حکم دیا تاکہ نماز کی

جماعت کے لئے اسے بجایا جائے ۔ مجھے خواب میں ایک آدمی نظر آیا جو اپنے ہاتھ میں ناقوس اُٹھائے ہوئے تھا۔ میں نے کہا اے اللہ کے بندے کیا تو ناقوس بیچے گا ؟ اس نے کہا تو اسے کیا کرے گا ؟ میں نے کہا کہ ہم اس کے ساتھ نماز کی طرف بلائیں گے ۔ اس نے کہا کیا میں تجھے اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں ؟ میں نے اس سے کہا کیوں نہیں ؟ عبداللہؓ کہتے ہیں کہ پھر اس نے کہا تم یوں کہو : اللہ اکبر . . (چار مرتبہ) ۔ اشہدان لا الٰہ الا اللہ . . . (دو مرتبہ) اشہدان محمداً رسول اللہ . . . . (دو مرتبہ) حیّ علی الصلوٰۃ . . . (دو مرتبہ) حیّ علی الفلاح . . . (دو مرتبہ) اللہ اکبر . . (دو مرتبہ) لا الٰہ الا اللہ . . . . (ایک مرتبہ) ۔ پھر وہ مجھ سے تھوڑی دُور پرے چلا گیا اور کہا کہ جب تو نماز کی اقامت کہے تو ، اللہ اکبر (دو مرتبہ) اشہدان لا الٰہ الا اللہ (ایک بار) اشہدان محمداً رسول اللہ (ایک بار) حی علی الصلوٰۃ (ایک بار) حی علی الفلاح (ایک بار) قدقامت الصلوٰۃ (دو مرتبہ) لا الٰہ الا اللہ ۔ پس جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کو بتایا جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا ۔ آپؐ نے فرمایا کہ خدا چاہے تو یہ سچا خواب ہے ، پس تو بلالؓ کے ساتھ اُٹھ اور اسے بتاتا جا جو کچھ تو نے دیکھا تھا تاکہ وہ اسے بآوازِ بلند کہے کیونکہ اس کی آواز تجھ سے زیادہ بلند اور سُریلی ہے ۔ پس میں بلالؓ کو ساتھ لیکر اٹھا اور یہ کلمات اسے سکھاتا گیا اور وہ ان کو پکارتا رہا ۔ عبداللہؓ نے کہا کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما نے اپنے گھر میں اذان سُن لی تو اپنی چادر جلدی سے گھسیٹتے ہوئے نکلے اور وہ کہہ رہے تھے کہ : جس اللہ نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا اس کی قسم یا رسول اللہ میں نے خواب میں ایسا ہی دیکھا ہے جیسا کہ عبداللہؓ نے دیکھا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : پس اللہ ہی کے لئے تعریف ہے ۔ ابوداؤد نے کہا کہ زہری کے شاگردوں میں سے ابن اسحٰق نے تو اللہ اکبر (چار مرتبہ) روایت کیا اور معمر اور یونس نے یہ کلمات دو بار ہی بتائے نہ کہ چار بار ۔

(شرح) اس حدیث کا مضمون گزشتہ حدیث سے کئی لحاظ سے مختلف ہے ۔ اوپر کی روایت میں یہ نہیں تھا کہ حضورؐ نے ناقوس بنوانے کا حکم دیا تھا اِس میں یہ ذکر موجود ہے ۔ پھر اس حدیث میں یہ ہے کہ اذان کی آواز سُن کر حضرت عمرؓ جلدی سے دوڑتے چلے آئے اور حضورؐ کو بتایا کہ میں نے بھی یہی خواب دیکھا ہے جس پر حضورؐ نے اللہ کا شکر ادا کیا جبکہ اوپر کی حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیس دن کے بعد یہ بتایا کہ میں شرم کے باعث خاموش رہا تھا اور عبداللہ ابن زید کے سبقت لے جانے کے باعث نہیں بتایا تھا ۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ یہ تاویل تو درست معلوم نہیں ہوتی کہ حضورؐ نے یہود کی نسبت نصاریٰ کے قریب تر ہونے کے باعث ناقوس کو اختیار کرنے کا حکم دیدیا تھا ، بلکہ یہ تاویل بھی غلط ہے کہ حکم تو نہیں دیا تھا ، صرف ارادہ کیا تھا ، کیونکہ اس میں کفّار سے تشبّہ لازم آتا ہے اور اسے ناپسند فرما چکے تھے ، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اَمَرَ بصیغہ معروف نہیں بلکہ بصیغۂ مجہول پڑھا جائے ۔ پس عبارت یوں ہوگی : لَمَّا اُمِرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالنَّاقُوْسِ یُعْمَلُ الخ ۔ یعنی حضور کو بعض صحابہ نے ناقوس کا مشورہ دیا تھا ۔ مشورے کو بلفظِ اُمِرَ ظاہر کیا گیا ۔ مگر دارمی کی روایت میں ہے کہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی طرح بگل بنانے کا خیال کیا مگر پھر اُسے ناپسند فرمایا ۔ پھر ناقوس بنوانے کا حکم دیا تو اسے تیار کرنا شروع کیا گیا ۔ اسی طرح ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ حضورؐ نے یہود کے بگل جیسا بگل بنوانے کا خیال کیا تھا مگر پھر ناقوس بنانے کا حکم دے دیا ۔

اس اذان میں جو ابوداؤد نے روایت کی ہے کلمات دہرے ہیں اور اقامت میں قدقامت الصلوٰۃ کے علاوہ اکہرے ۔ اسی قسم کی حدیث ترمذی اور دارمی نے بھی روایت کی ہے ۔ اسی طرح ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ کے وقت

میں اذان دہری اور اقامت اکہری ہوتی تھی سوائے قد قامت الصلوٰۃ کے ۔ اور انسؓ کی روایت میں ہے کہ اذان کو دہرا
اور اقامت کو اکہرا کہنے کا حکم بلالؓ کو ملا تھا ۔ شوکانی نے کہا کہ اس مسئلے میں لوگوں کا اختلاف ہے ۔ شافعیؒ، احمدؒ اور جمہور
علماء کا مذہب یہ ہے کہ اقامت کے کلمات اللہ اکبر اور قد قامت الصلوٰۃ دوہرے ہیں اور باقی سب اکہرے اور یہ
گیارہ کلمات ہیں ۔ خطابی نے کہا کہ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے اور اسی پر حرمین، حجاز، شام، یمن، مصر اور مغرب میں
اسلامی ممالک کی انتہاء تک میں عمل ہے کہ اقامت اکہری ہے ۔ اور امام مالکؒ کے سوا تمام ہی علماء کا یہ مذہب ہے کہ قد
قامت الصلوٰۃ کو دو بار کہا جائے ۔ مالکؒ کے نزدیک یہ کلمہ بھی اکہرا کہا جائے گا اور امام شافعیؒ کا قولِ قدیم بھی یہی تھا ۔
اور حنفیہ، سفیان ثوری، ابن المبارک اور فقہائے کوفہ کہتے ہیں کہ اقامت کے الفاظ بھی اذان جیسے ہیں اور ان میں دو بار
قد قامت الصلوٰۃ زیادہ ہے ۔ اور ان کا استدلال عبد اللہ بن زیدؓ کی حدیث سے ہے جو ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کی
ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اذان دوہری، دوہری تھی اذان میں بھی اور اقامت میں بھی
اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت بقولِ ترمذی منقطع ہے اور حاکم اور بیہقی نے کہا کہ اس باب میں عبد اللہ بن زیدؓ کی تمام
احادیث منقطع ہیں ۔ مگر حنفیہؒ کی طرف سے اس انقطاع کا جواب یہ ہے کہ ترمذی نے عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ کی روایت
اصحابِ محمد ﷺ سے اور ان کی عبد اللہ بن زیدؓ سے صحیح قرار دی ہے ۔ اور ابن ابی لیلیٰ نے تقریباً ۱۲۰ صحابہ سے ملاقات کی ہے
اور بہت سوں سے روایت کی ہے جن میں یہ نام بھی ہیں ۔ عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، سعدؓ بن ابی وقاص، ابیؓ بن کعب، مقدادؓ، بلالؓ
کعبؓ بن عجرہ، زیدؓ بن ارقم، حذیفہؓ بن یمان، صہیبؓ ۔ پس اس حدیث میں کوئی علت نہیں کیونکہ جب عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ
نے دیگر صحابہ کے توسط کے بغیر روایت کی تو یہ مرسلات صحابہ میں سے ہوئی جو مسند کے حکم میں ہے اور محمد بن عبد الرحمن اگرچہ
بعض محدثین کے نزدیک ضعیف ہے مگر اعمش نے جب عمرو بن مرہ سے روایت کر کے اور شعبہ نے بھی جب اس کی متابعت کی
تو اس کی حدیث صحیح ہو گئی ۔

اہل عراق کا استدلال حاکم، بیہقی، اور طحاوی کی روایات سے بھی ہے جو سوید بن غفلہ سے آئی ہے کہ بلالؓ اذان اور
اقامت ہر دو کو دوہرا کہتا تھا ۔ حاکم نے اسے منقطع کہا مگر حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ طحاوی کی روایت میں سمعت بلالاً
کا لفظ ہے اور ابن ابی شیبہ کی روایت بھی اسی جیسی ہے جو سعد القرظ سے ہے کہ : بلالؓ نے حضور ﷺ کی زندگی بھر پھر
ابو بکر صدیقؓ کی زندگی بھر اذان دی مگر حضرت عمرؓ کے عہد میں نہیں دی ۔ اور سوید بن غفلہ حضرت ابو بکرؓ کی زندگی
میں مدینہ چلا گیا تھا ۔ ابو داؤد کی روایت مرسل ہے جس میں بلالؓ کا حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں شام چلا جانا مذکور
ہے اور اس کی سند میں عطاء خراسانی ہے جو مدلس ہے ۔ طبرانی کی روایت میں گو ضعف ہے مگر وہ بھی اسی مضمون کی
ہے کہ بلالؓ اذان اور اقامت ہر دو کو دوہرا ادا کرتا تھا ۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ ابو محذورہؓ کی صحیح حدیث جو
نسائی وغیرہ نے بیان کی ہے اور جس کا ذکر حازمی نے الناسخ والمنسوخ میں کیا ہے اس میں اقامت دوہری ہے اور کہا
ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور ابو داؤد، ترمذی اور نسائی کی شرط پر ہے اور عنقریب بخاری کے علاوہ سب صحاح کی حدیث
جو ابو محذورہؓ سے ہے آئے گی ۔ اس میں ہے کہ حضور ﷺ نے اسے اذان ۱۹ کلمات اور اقامت ۱۷ کلمات کی سکھائی تھی اور
اس حدیث کو ترمذی نے صحیح کہا ہے ۔ یہ بلالؓ کی حدیث سے متأخر جس میں اکہرے کلمات کا حکم تھا، کیونکہ ابو محذورہؓ کی
حدیث فتح مکہ کے بعد کی ہے ۔ ابو محذورہؓ فتح مکہ میں اسلام لائے تھے، پس یہ حدیث اس کی ناسخ ہے ۔ ابو الشیخ نے روایت

کی ہے کہ بلالؓ نے منیٰ میں حضورؐ کے سامنے اذان اور اقامت ہر دو کے دوہرے کلمات کہے تھے۔
ان دلائل سے معلوم ہوگیا کہ اقامت دوہری کہنے کی احادیث استدلال کے لائق ہیں۔ اکہرے کلمات کی احادیث بیشک زیادہ ہیں اور واضح ہیں کیونکہ صحیحین میں بھی آئی ہیں مگر اقامت دوہرا کہنے کی احادیث میں اضافہ ہے لہٰذا انہیں قبول کرنا لازم ہے اور ان میں سے بعض کا متأخر ہونا بھی ثابت ہو چکا ہے۔ اگر کہا جائے کہ ناسخ کے لئے سند میں زیادہ صحیح ہونا ضروری ہے تو یہ درست نہیں کیونکہ نسخ کے معاملے میں صرف صحت کا اعتبار ہے اصحیت کا نہیں۔ جن لوگوں نے اس لفظ (تثنیۂ اقامت) کو غیر محفوظ کہا ہے مگر جن ائمۂ حدیث نے اسے بیان کیا وہ بھی حفاظ تھے، ثقہ کا اضافہ مقبول ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اقامت کا تثنیہ منسوخ ہے کیونکہ مدینہ میں واپسی پر پھر بلالؓ نے اسی پہلی صورت پر عمل کیا تھا، یہ احمد بن حنبلؒ کا قول ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ بلالؓ نے واپسی کے بعد اکہری اقامت کہی یا اسے ایسا حکم ملا تھا تو یہ دلیل وزنی ہے مگر اس کا ثبوت چاہیئے۔

۵۰۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا الْحَارِثُ بْنُ عُبَيْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ اَبِي مَحْذُورَةَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِّمْنِي سُنَّةَ الْاَذَانِ فَمَسَحَ مُقَدَّمَ رَأْسِي قَالَ تَقُولُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ تَرْفَعُ بِهَا صَوْتَكَ ثُمَّ تَقُولُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ تَخْفِضُ بِهَا صَوْتَكَ ثُمَّ تَرْفَعُ صَوْتَكَ بِالشَّهَادَةِ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ۔ فَاِنْ كَانَ صَلٰوةُ الصُّبْحِ قُلْتَ الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

(ترجمہ) ابو محذورہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی: یا رسول اللہ مجھے اذان کا طریقہ سکھلائیے، پس آپؐ نے میرے سر کا اگلا حصہ چھوا اور فرمایا، اذان یہ ہے کہ تو کہے: اللہ اکبر (چار بار) اور یہ بلند آواز سے کہے۔ پھر تو کہے اشہد ان لا الہ الا اللہ، اشہد ان لا الہ الا اللہ۔ اشہد ان محمداً رسول اللہ اشہد ان محمداً رسول اللہ، ان دونوں شہادتوں کو پست آواز سے، پھر تو شہادتین کو آواز بلند کہے: اشہد ان لا الہ الا اللہ (دو بار) اشہد ان محمداً رسول اللہ (دو بار) حیّ علی الصلوٰۃ (دو بار) حیّ علی الفلاح (دو بار)، اگر صبح کی نماز ہو تو: الصلوٰۃ خیر من النوم (دو بار) اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ۔

(شرح) اس حدیث کی سند میں حارث بن عبید امام احمد کے نزدیک مضطرب الحدیث ہے یحییٰ بن معین کے نزدیک ضعیف، ابو حاتم اور نسائی کے نزدیک غیر قوی، ابن حبان کے نزدیک وہم کی کثرت والا ہے۔ پھر ابو محذورہ کا پوتا محمد بن عبد الملک، عبد الحق کے نزدیک غیر قابل احتجاج، ابن القطان کے نزدیک مجہول الحال ذہبی کے نزدیک نا قابلِ استناد ہے۔ ابو محذورہ کا نام اوس یا سمرہ یا سلمہ یا سلمان تھا۔ دارقطنی کے مطابق یہ نو دس اور ساتھیوں سمیت حضورؐ کی غزوۂ حنین سے واپسی پر راستے میں تھا۔ مؤذن نے اذان کہی تو انہوں نے مذاق سے اس کی نقل شروع کر دی۔ حضورؐ نے ان لوگوں کو پکڑ لانے کا حکم دیا۔ جب ہم لائے گئے تو حضورؐ نے پوچھا کہ تم میں سے وہ بلند آواز نوجوان کون ہے جس کی آواز میں نے ابھی سنی تھی؟ سب لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ حضورؐ نے باقی سب کو چھوڑ دیا اور مجھے روک لیا۔ پھر فرمایا اٹھ اور اذان دے۔ میں بکراہت بادلِ ناخواستہ اٹھا، حضورؐ نے مجھے خود اذان سکھائی اور فرمایا کہو اللہ اکبر الخ حتیٰ کہ اذان ختم کی۔ پھر مجھے بلایا اور مجھے ایک تھیلی دی جس میں کچھ چاندی تھی۔ پھر آپؐ نے میری پیشانی پر ہاتھ رکھا پھر چہرے پر پھیرا پھر سینے پہ پھیرا پھر جگر پر حتیٰ کہ آپ کا ہاتھ میری ناف تک جا پہنچا۔ پھر حضورؐ نے فرمایا: اللہ تجھ میں برکت کرے، اللہ تجھ پہ برکت کرے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ مجھے مکہ میں اذان کا حکم دیجئے تو آپؐ نے حکم دیا الخ

اس حدیث سے اذان کی ترجیع پر استدلال کیا جاتا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ شہادتین کو پہلے دوبار پست آواز اور پھر دوبار با آوازِ بلند کہا جائے۔ امام مالکؒ اور شافعیؒ کا یہی قول ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے اور صحیح مسلم میں موجود ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث عبد اللہ بن زید کی حدیث سے متاخر ہے اور اہل مکہ اور مدینہ کا عمل بھی اس کی ترجیع کو ثابت کرتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور کوفہ کے سب فقہاء نے اسے عبد اللہؓ بن زید کی حدیث کی دلیل سے غیر مستحب کہا ہے کیونکہ آسمانی فرشتے کی اذان میں ترجیع نہیں ہے۔ ابو محذورہؓ کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس میں دوہرے کلمات تعلیم کے لئے تھے کیونکہ وہ ابھی اس وقت تک کافر تھا لہٰذا توحید و رسالت کے عقیدے کو دلنشیں کرنے کے لئے انہیں دو دوبار کہلوایا گیا۔ ابو محذورہؓ نے یہ سمجھا کہ کلماتِ اذان اسی طرح ہیں معجم طبرانی اوسط کی روایت میں ابو محذورہؓ کی حدیث موجود ہے مگر اس میں ترجیع نہیں ہے۔ سفر و حضر میں بلالؓ کی اذان جو ہمیشہ آپؐ کے سامنے ہوتی تھی اس میں ترجیع کا ثبوت نہیں ملتا۔ ابن عمرؓ کی حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اذان کے کلماتِ شہادت صرف دو دو بار تھے۔ اقامت کا مسئلہ اس سے الگ ہے جس پر گفتگو اوپر گزر چکی ہے۔

۵۰۱۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ وَّعَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُثْمَانُ بْنُ السَّائِبِ أَخْبَرَنِي أَبِي وَأُمُّ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي مَحْذُورَةَ عَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هٰذَا الْخَبَرِ وَفِيْهِ الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ فِي الْأُوْلٰى مِنَ الصُّبْحِ۔ قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ وَحَدِيْثُ مُسَدَّدٍ أَبْيَنُ قَالَ فِيْهِ وَعَلَّمَنِي الْإِقَامَةَ مَرَّتَيْنِ۔ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ أَشْهَدُ

اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ـ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَقَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ: وَاِذَا اَقَمْتَ الصَّلٰوةَ فَقُلْهَا مَرَّتَيْنِ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ، اَسَمِعْتَ ـ قَالَ فَكَانَ اَبُوْ مَحْذُوْرَةَ لَا يَجُزُّ نَاصِيَتَهٗ وَلَا يُفَرِّقُهَا لِاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ عَلَيْهَا۔

(ترجمہ) ابو محذورہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گزشتہ حدیث کی مانند روایت کی اور اس میں: الصلوٰۃ خیر من النوم صبح کی نماز کی اذان میں بھی ہے۔ ابوداؤدؒ نے کہا کہ مسدد کی حدیث واضح تر ہے جس میں ابو محذورہؓ کا یہ قول ہے کہ حضورؐ نے مجھے اقامت کے دوہرے کلمات سکھائے: اللہ اکبر.. (چار بار) شہادتین (دو دو مرتبہ) حی علی الصلوٰۃ (دو مرتبہ) حی علی الفلاح (دو مرتبہ) اللہ اکبر (دو مرتبہ) لا الٰہ الا اللہ۔ ابوداؤدؒ نے کہا کہ عبدالرزاق نے کہا: (اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ) جب تو نماز کی اقامت کہے تو قد قامت الصلوٰۃ (دوبار) کہے۔ کیا تو نے سُن لیا؟ اس نے کہا کہ ابو محذورہؓ اپنی پیشانی کے بال نہیں کٹواتا تھا اور نہ ان میں کنگھی کرتا تھا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ہاتھ پھیرا تھا۔

(شرح) اس سند کے راوی عثمان اور اس کے والد سائب پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ ائمہ کے اختلاف کا خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ نے ابو محذورہؓ کی اذان اور بلالؓ کی اقامت کو اختیار کیا ہے، امام ابوحنیفہؒ نے بلالؓ کی اذان اور ابو محذورہؓ کی اقامت کو اختیار کیا ہے۔ امام مالکؒ نے عملِ اہلِ مدینہ کو لیا ہے کہ کلماتِ اقامت کے ساتھ ساتھ قد قامت الصلوٰۃ بھی ایک ہی مرتبہ کہا جائے۔ ابوداؤدؒ نے مسدد کی حدیث کے حوالے سے بتایا کہ اس میں ابو محذورہؓ کا قول ہے: حضورؐ نے قد قامت الصلوٰۃ بھی دو مرتبہ سکھایا۔ اس قسم کی روایت طحاوی، نسائی، دارقطنی اور بیہقی نے کی ہے۔ اس روایت میں ابوداؤدؒ نے دوہری اقامت کے پورے کلمات کو روایت کر دیا ہے۔ اَسَمِعْتَ کا لفظ یہ معنی رکھتا ہے کہ جب تو یوں کہہ چکے گا تو گویا سب لوگوں کو حکمِ الٰہی سنا دیگا۔ یا یہ لفظ اَسَمِعْتَ ہے: کیا تو نے سُنا؟ یا تو حضورؐ کا ارشاد ہے ابو محذورہؓ کو توجہ دلانے اور اہمیت جتانے کی خاطر۔ یا عبدالرزاق اپنے شاگرد سے یہ کہہ رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۰۲ ـ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَفَّانُ وَسَعِيْدُ بْنُ عَامِرٍ وَّحَجَّاجٌ وَّالْمَعْنٰى وَاحِدٌ، قَالُوْا حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا عَامِرٌ الْاَحْوَلُ حَدَّثَنِيْ مَكْحُوْلٌ اَنَّ ابْنَ مُحَيْرِيْزٍ حَدَّثَهٗ اَنَّ اَبَا مَحْذُوْرَةَ حَدَّثَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ الْاَذَانَ تِسْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً وَّالْاِقَامَةَ سَبْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً ـ اَلْاَذَانُ: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ـ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ـ اَشْهَدُ اَنَّ

مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ۔ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ وَالْاِقَامَةُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ كَذَا فِيْ كِتَابِهٖ فِيْ حَدِيْثِ اَبِيْ مَحْذُوْرَةَ۔

(ترجمہ) ابو محذورہؓ نے ابن محیریز کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اذان کے ۱۹ کلمات اور اقامت کے ۱۷ کلمات یوں سکھائے تھے۔ اذان یہ تھی: اللہ اکبر (چار بار) اشہد ان لا الٰہ الا اللہ (دو بار) اشہد ان محمداً رسول اللہ (دو بار) اشہد ان لا الٰہ الا اللہ (دو بار) اشہد ان محمداً رسول اللہ (دو بار) حی علی الصلوٰۃ (دو بار) حی علی الفلاح (دو بار) اللہ اکبر (دو بار) لا الٰہ الا اللہ۔ اور اقامت یہ تھی: اللہ اکبر (چار مرتبہ) اشہد ان لا الٰہ الا اللہ (دو بار) اشہد ان محمداً رسول اللہ (دو بار) حی علی الصلوٰۃ (دو بار) حی علی الفلاح (دو بار) قد قامت الصلوٰۃ (دو بار) اللہ اکبر (دو بار) لا الٰہ الا اللہ (ایک بار) ابو محذورہؓ کی احادیث جو ہمام نے اپنی کتاب میں لکھی ہیں ان میں ایسا ہی ہے۔

(شرح) اذان کے ۱۹ کلمات ترجیع کے چار کلمات ملا کر بنتے ہیں یعنی شہادتین کو جب دو دو مرتبہ دہرائیں تو یہ تعداد ہے۔ اقامت میں ترجیع نہیں بلکہ قد قامت الصلوٰۃ کا حکم دو بار ہے لہٰذا اس کے کلمات کی تعداد ۱۷ ہوئی۔ ابوداؤد کے بعض نسخوں میں یہاں پر ترجیع نہیں ہے مگر یہی حدیث مسلم اور دارقطنی نے روایت کی ہے اور وہاں پر ترجیع ہے۔ مولانا رح فرماتے ہیں کہ ابوداؤد کے نسخوں میں کاتب کی غلطی سے رہ گئی ہوگی۔ ابو حاتم کا قول ہے کہ ہمام جب کتاب سے روایت کرے تو اس کی روایت ٹھیک ہے اسی لئے ابوداؤد نے ہمام کی کتاب کا حوالہ دیا کہ یہ حدیث اس میں اس طرح لکھی ہے۔ پس یہ صحیح ہے۔ یہ عبارت ابوداؤد نے اس حدیث کی تقویت کے لئے لکھی ہے کیونکہ ہمام کو بعض نے ضعیف کہا ہے اور بعض نے ثقہ کہا ہے۔ درحقیقت اس کا حافظہ اتنا اچھا نہیں تھا مگر خود ثقہ تھا جب کتاب سے روایت کرتا تو درست ہوتی اور حفظ سے بعض دفعہ غلطی کر جاتا تھا۔

۵۰۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ اَخْبَرَنِي ابْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ اَبِيْ مَحْذُوْرَةَ يَعْنِيْ عَبْدَ الْعَزِيْزِ عَنِ ابْنِ مُحَيْرِيْزٍ عَنْ اَبِيْ مَحْذُوْرَةَ قَالَ اَلْقٰى عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّاْذِيْنَ هُوَ بِنَفْسِهٖ فَقَالَ قُلْ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ قَالَ ثُمَّ ارْجِعْ فَمُدَّ مِنْ صَوْتِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ۔

(ترجمہ) ابو محذورہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مجھے اذان سکھائی اور فرمایا کہو: اللہ اکبر (چار مرتبہ) اشہدان لاالٰہ الا اللہ (دو مرتبہ) اشہدان محمدًا رسول اللہ (دو مرتبہ) پھر لوٹ اور اپنی آواز کو بلند کر اور کہ اشہدان لا الٰہ الا اللہ (دوبار) اشہدان محمدًا رسول اللہ (دوبار) حی علی الصلوٰۃ (دوبار) حی علی الفلاح (دوبار) اللہ اکبر (دوبار) لا الٰہ الا اللہ۔

(شرح) اس روایت میں ترجیع کا ذکر ہے مگر اقامت کا نہیں ہے۔ اس کا راوی عبدالعزیز بن عبدالملک ابن ابی محذورہؓ بقول علی بن المدینی ضعیف ہے۔ علی بن المدینی نے تو کہا ہے کہ ابو محذورہؓ کے بیٹے پوتے جو روایت کرتے ہیں سب ضعیف اور لاشی ہیں۔ امام طحاوی نے کہا کہ حضورؐ کا ارشاد کہ: ثُمَّ ارْجِعْ فَمُدَّ مِنْ صَوْتِكَ جو ابو محذورہؓ نے بیان کیا ہے اس میں احتمال ہے کہ چونکہ ابو محذورہؓ نے انہیں باآواز بلند نہیں کہا تھا لہٰذا اسے حکم ملا کہ دوبارہ باآواز بلند کہو۔

۵۰۴- حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي مَحْذُورَةَ قَالَ سَمِعْتُ جَدِّي عَبْدَ الْمَلِكِ بْنَ أَبِي مَحْذُورَةَ يَذْكُرُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا مَحْذُورَةَ يَقُولُ أَلْقَى عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَذَانَ حَرْفًا حَرْفًا: اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ۔ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ۔ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ۔ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ۔ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ۔ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ۔ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ۔ قَالَ وَكَانَ يَقُولُ فِي الْفَجْرِ الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ۔

(ترجمہ) اس حدیث کا ترجمہ حسب سابق ہے صرف فجر کے متعلق ہے کہ اس میں اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ (دوبار) بھی ابو محذورہؓ کہا کرتا تھا۔ (ابراہیم بن اسماعیل بن عبدالملک کو ازدی نے ضعیف اور صاحب تقریب نے مجہول کہا ہے)

۵۰۵- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ دَاوُدَ الْاِسْكَنْدَرَانِيُّ حَدَّثَنَا زِيَادٌ يَعْنِي ابْنَ يُونُسَ عَنْ نَافِعِ بْنِ عُمَرَ يَعْنِي الْجُمَحِيَّ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ اَبِي مَحْذُورَةَ اَخْبَرَهُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَيْرِيزٍ الْجُمَحِيِّ عَنْ اَبِي مَحْذُورَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ الْاَذَانَ يَقُولُ: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ ذَكَرَ مِثْلَ حَدِيثِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ وَمَعْنَاهُ - وَفِي حَدِيثِ مَالِكِ بْنِ دِينَارٍ قَالَ سَاَلْتُ ابْنَ اَبِي مَحْذُورَةَ قُلْتُ حَدِّثْنِي عَنْ اَذَانِ اَبِيكَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ فَقَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ قَطُّ وَكَذٰلِكَ حَدِيثُ جَعْفَرِ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنِ ابْنِ اَبِي مَحْذُورَةَ عَنْ عَمِّهِ عَنْ جَدِّهِ اِلَّا اَنَّهُ قَالَ ثُمَّ تَرْجِعُ فَتَرْفَعُ صَوْتَكَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ

(ترجمہ) ابومحذورہؓ نے کہا کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان سکھائی کہ مؤذن کہے اللہ اکبر (صرف دوبار) اشہدان لاالٰہ الا اللہ (دوبار) پھر اس نے اسی طرح بیان کیا جس طرح ابن جریج عن عبدالعزیز بن عبدالملک والی حدیث کی اذان ہے۔ اور مالک بن دینار کی حدیث میں بھی اللہ اکبر صرف دوبار ہے اور اسی طرح جعفر بن سلیمان کی حدیث میں ہے۔ ہاں اس میں اضافہ ہے کہ پھر تو دوبارہ بلند آواز سے کہ اللہ اکبر اللہ اکبر۔

(شرح) اس روایت میں پہلی دفعہ اللہ اکبر اللہ اکبر (دوبار اللہ اکبر) ہے اور اکثر روایات میں چار بار آیا ہے دارقطنی نے مالک بن دینار کی روائت کی ہے مگر اس میں اللہ اکبر کا لفظ دو مرتبہ نہیں ہے بلکہ یوں ہے کہ: ابومحذورہؓ اذان کی ابتداء تکبیر سے کرتا تھا پھر اشہدان لا الٰہ الا اللہ اشہدان محمداً رسول اللہ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کہتا تھا پھر لوٹ کر کہتا تھا اشہدان لا الٰہ الا اللہ اشہدان لا الٰہ الا اللہ اشہدان محمداً رسول اللہ آخر اذان تک۔ جعفر بن سلیمان کی روایت میں ابن ابی محذورہ اپنے چچا کی روایت کرتا ہے حالانکہ وہ جنگ بدر میں حالت کفر میں قتل ہو گیا تھا اور اس کا اور کوئی بھائی نہ تھا۔ پھر عمہ عن جدہ کا لفظ بھی مشکل ہے کیونکہ عبدالملک بن ابی محذورہ کے دادا کا اسلام ثابت نہیں ہے۔ مولانا نے فرمایا یہاں تصحیف ہوئی ہے لفظ اصل میں عن ابیہ عن جدہ یعنی عبدالعزیز اپنے باپ سے روایت کرتا ہے اور وہ عبدالعزیز کے دادا یعنی ابی محذورہؓ سے۔ بہر حال یہ سند بہت گڑبڑ ہے۔

۵۰۶- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَرْزُوقٍ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ اَبِي لَيْلٰى ح وَحَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ اَبِي لَيْلٰى قَالَ اُحِيلَتِ الصَّلٰوةُ ثَلَاثَةَ اَحْوَالٍ قَالَ وَحَدَّثَنَا اَصْحَابُنَا اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَقَدْ اَعْجَبَنِي اَنْ تَكُونَ صَلٰوةُ الْمُسْلِمِينَ

اَوِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاحِدَۃً حَتّٰی لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَبُثَّ رِجَالًا فِی الدُّوْرِ یُنَادُوْنَ النَّاسَ بِحِیْنِ
الصَّلٰوۃِ وَحَتّٰی هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ رِجَالًا یَقُوْمُوْنَ عَلَی الْاٰطَامِ یُنَادُوْنَ الْمُسْلِمِیْنَ بِحِیْنِ
الصَّلٰوۃِ حَتّٰی نَقَسُوْا اَوْ کَادُوْا اَنْ یَّنْقُسُوْا قَالَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ یَارَسُوْلَ
اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَمَّا رَجَعْتُ لِمَا رَاَیْتُ مِنْ اِهْتِمَامِكَ رَاَیْتُ رَجُلًا
کَاَنَّ عَلَیْہِ ثَوْبَیْنِ اَخْضَرَیْنِ فَقَامَ عَلَی الْمَسْجِدِ فَاَذَّنَ ثُمَّ قَعَدَ قَعْدَۃً ثُمَّ قَامَ فَقَالَ
مِثْلَهَا اِلَّا اَنَّہٗ یَقُوْلُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ وَلَوْلَا اَنْ یَقُوْلَ النَّاسُ قَالَ ابْنُ الْمُثَنّٰی
اَنْ یَّقُوْلُوْا، لَقُلْتُ اِنِّیْ کُنْتُ یَقْظَانًا غَیْرَ نَائِمٍ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ
سَلَّمَ اَرَاكَ اللّٰہُ وَقَالَ ابْنُ الْمُثَنّٰی لَقَدْ اَرَاكَ اللّٰہُ خَیْرًا، وَلَمْ یَقُلْ عَمْرٌو لَقَدْ، فَمُرْ بِلَالًا
فَلْیُؤَذِّنْ۔ قَالَ فَقَالَ عُمَرُ اِنِّیْ قَدْ رَاَیْتُ مِثْلَ الَّذِیْ رَاٰی وَلٰکِنْ لَمَّا سُبِقْتُ
اسْتَحْیَیْتُ۔ قَالَ وَحَدَّثَنَا اَصْحَابُنَا قَالَ وَکَانَ الرَّجُلُ اِذَا جَاءَ یَسْاَلُ فَیُخْبَرُ بِمَا
سُبِقَ مِنْ صَلَاتِہٖ وَاَنَّهُمْ قَامُوْا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ بَیْنِ
قَائِمٍ وَّرَاکِعٍ وَّقَاعِدٍ وَّمُصَلٍّ مَّعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ابْنُ الْمُثَنّٰی
قَالَ عَمْرٌو وَّحَدَّثَنِیْ بِهَا حُصَیْنٌ عَنِ ابْنِ اَبِیْ لَیْلٰی، حَتّٰی جَاءَ مُعَاذٌ، قَالَ شُعْبَۃُ
وَقَدْ سَمِعْتُهَا مِنْ حُصَیْنٍ، فَقَالَ لَا اَرَاہُ عَلٰی حَالٍ اِلٰی قَوْلِہٖ کَذٰلِكَ فَافْعَلُوْا ثُمَّ
رَجَعْتُ اِلٰی حَدِیْثِ عَمْرِو بْنِ مَرْزُوْقٍ قَالَ فَجَاءَ مُعَاذٌ فَاَشَارُوْا اِلَیْہِ، قَالَ شُعْبَۃُ
وَهٰذِہٖ سَمِعْتُہٗ مِنْ حُصَیْنٍ، قَالَ فَقَالَ مُعَاذٌ لَا اَرَاہُ عَلٰی حَالٍ اِلَّا کُنْتُ عَلَیْهَا
قَالَ فَقَالَ اِنَّ مُعَاذًا قَدْ سَنَّ لَکُمْ سُنَّۃً کَذٰلِكَ فَافْعَلُوْا۔ قَالَ وَحَدَّثَنَا اَصْحَابُنَا
اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ الْمَدِیْنَۃَ اَمَرَهُمْ بِصِیَامِ ثَلَاثَۃِ اَیَّامٍ
ثُمَّ اُنْزِلَ رَمَضَانُ وَکَانُوْا قَوْمًا لَمْ یَتَعَوَّدُوا الصِّیَامَ وَکَانَ الصِّیَامُ عَلَیْهِمْ شَدِیْدًا
فَکَانَ مَنْ لَمْ یَصُمْ اَطْعَمَ مِسْکِیْنًا فَنَزَلَتْ هٰذِہِ الْاٰیَۃُ، فَمَنْ شَهِدَ مِنْکُمُ الشَّهْرَ

فَلْيَصُمْهُ، فَكَانَتِ الرُّخْصَةُ لِلْمَرِيضِ وَالْمُسَافِرِ فَأُمِرُوا بِالصِّيَامِ - قَالَ وَحَدَّثَنَا أَصْحَابُنَا قَالَ وَكَانَ الرَّجُلُ إِذَا أَفْطَرَ فَنَامَ قَبْلَ أَنْ يَأْكُلَ لَمْ يَأْكُلْ حَتَّى يُصْبِحَ، قَالَ فَجَاءَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ فَأَرَادَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ امْرَأَتَهُ، فَقَالَتْ إِنِّي قَدْ نِمْتُ فَظَنَّ أَنَّهَا تَعْتَلُّ فَأَتَاهَا فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَأَرَادَ الطَّعَامَ فَقَالُوا حَتَّى نُسَخِّنَ لَكَ شَيْئًا فَنَامَ فَلَمَّا أَصْبَحُوا نَزَلَتْ عَلَيْهِ هَذِهِ الْآيَةُ فِيهَا: أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ -

(ترجمہ) عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے کہا کہ نماز میں تین تبدیلیاں آئی ہیں۔ اس نے کہا کہ ہمارے اصحاب (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے ہمیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ بات پسند ہے کہ مسلمانوں، یا مومنوں فرمایا، کی نماز ایک ہی ہو، حتیٰ کہ میں نے سوچا کہ گلی محلوں میں آدمیوں کو بھیجوں جو لوگوں کو نماز کا وقت بتائیں، اور حتیٰ کہ میں نے سوچا ہے کہ کچھ مردوں کو حکم دوں کہ وہ ٹیلوں پر کھڑے ہو جائیں اور مسلمانوں کو پکار کر نماز کا وقت بتائیں۔ حتیٰ کہ انہوں نے ناقوس بجایا یا قریب تھا کہ بجائیں، عبدالرحمٰن نے کہا کہ پھر انصار میں سے ایک مرد آیا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جب گھر لوٹا اور آپ کے فکرمند ہونے کے باعث میں بھی پریشان تھا۔ میں نے ایک مرد دیکھا جس پر دو سبز کپڑے تھے پس وہ مسجد پر کھڑا ہو گیا اور اذان دی۔ پھر کچھ دیر بیٹھا رہا پھر اٹھا اور اسی طرح کہا مگر اب وہ یہ بھی کہتا تھا: قد قامت الصلوٰۃ۔ اور اگر لوگ باتیں نہ بنانے لگیں تو میں کہتا کہ میں بیدار تھا سویا ہوا نہ تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اچھا خواب دکھایا ہے۔ پس تو بلال کو حکم دے۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے بھی اسی جیسا خواب دکھائی دیا ہے لیکن میں پیچھے رہ گیا اور شرما گیا۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ ہمارے اصحاب نے ہمیں بتایا کہ آدمی جب آتا تو پوچھ لیتا اور اسے بتا دیا جاتا کہ کتنی نماز پہلے ہو چکی ہے۔ اور لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں داخل ہوتے تو کوئی کھڑا ہوتا کوئی رکوع میں اور کوئی بیٹھا ہوتا اور کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ معاذ رضی اللہ عنہ آئے اور لوگوں نے انہیں اشارہ کیا تو اس نے کہا کہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس حال میں پاؤں گا وہی کچھ کروں گا۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یعنی نماز کے بعد) کہ معاذ رضی اللہ عنہ نے تمہارے لئے بہت اچھی سنت قائم کی ہے پس تم بھی ایسا ہی کرو۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ ہمارے اصحاب نے ہمیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو انہیں تین دن کے روزے کا حکم دیا، پھر رمضان کے روزے نازل ہوئے اور ان لوگوں کو روزے کی عادت نہ تھی اور روزہ ان پر شاق تھا۔ پس جو روزہ نہ رکھتا وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا تھا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ سو جو شخص تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو وہ اس کا روزہ رکھے اور اب مریض اور مسافر کے لئے رخصت دی گئی اور انہیں بعد از صحت و اقامت روزے کا حکم دیا گیا۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ ہمارے اصحاب نے ہمیں بتایا کہ آدمی جب افطار کرتا مگر کھانا کھانے سے پہلے سو جاتا تو پھر صبح سے پہلے نہ کھاتا۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر آئے اور اپنی بیوی سے ملنا چاہا تو اس نے کہا کہ میں تو سو چکی ہوں۔ انہوں نے خیال کیا کہ یہ بہانہ سازی کرتی ہے سو انہوں نے اس سے خاص ملاقات کر لی۔ پھر انصار میں سے ایک آدمی آیا اور اس نے کھانا چاہا

تو گھر والوں نے کہا کہ ٹھیرو تاکہ ہم اُسے تمہارے لئے گرم کردیں پس وہ سو گیا۔ جب صبح ہوئی تو یہ آیت اتاری گئی: روزے کی رات میں تمہارے لئے اپنی بیویوں سے خاص ملاقات حلال کردی گئی ہے۔

(شرح) اس لمبی حدیث میں ابوداؤد نے دونوں سندوں کے راویوں کے بعض لفظی اختلافات بھی ساتھ ساتھ بیان کئے ہیں جن سے بعض جگہ عبارت میں کچھ گڑبڑ نظر آتی ہے مگر مطلب واضح ہے۔ ابوداؤد کے ایک استاد عمرو بن مرزوق پر کچھ گفتگو ہوئی ہے لہٰذا انہوں نے دوسری سند بھی ساتھ لگا دی ہے۔ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ ایک عالم و فاضل تابعی تھا۔ اس نے اس حدیث میں صحابہ میں سے کسی کا نام نہیں لیا مگر وہ ثقہ ہے اور اس کی ملاقات کم وبیش ۲۰ صحابہ سے ہوئی ہے لہٰذا حدیث متصل ہے۔ طحاوی اور بیہقی جنہوں نے یہ روایت بیان کی تو یہ لفظ بولا کہ ابن ابی لیلیٰ نے کہا: ہم سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے بیان کیا۔ اس حدیث میں نماز کے جو تین تغیرات کا ذکر ہے ان میں سے پہلا یہ ہے کہ اول اول جماعت واجب نہ تھی اور نہ اذان مشروع تھی۔ پس عبداللہ بن زید کی خواب کے بعد اذان کا حکم دیا گیا۔ یہاں پر یاد رکھنے کی خاص بات یہ ہے کہ اس حدیث میں بھی اقامت کو اذان کے مانند قرار دیا گیا ہے۔ عبداللہ بن زید جنہوں نے کہا کہ آنے والے (فرشتے) نے پہلے اذان دی پھر ذرا ٹھہر کر بالکل اسی طرح اقامت کہی مگر اس میں قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کا اضافہ کیا۔

نماز میں دوسری تبدیلی یہ تھی کہ پہلے پہل مسبوق (بعد میں آکر شامل ہونے والا) اپنی نماز وہاں تک پوری کرکے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے تھے گو وہ شامل جماعت میں ہی ہوتے تھے۔ معاذ بن جبل نے کہا کہ پہلے حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھوں گا (اور بعد میں اپنی بقیہ نماز پوری کروں گا) حضورؐ نے اسے پسند فرما کر لوگوں کو یہی حکم دیدیا۔ اس روایت میں نماز کی تیسری تبدیلی مذکور نہیں وہ ابوداؤد کی اگلی حدیث میں آرہی ہے، اور وہ تھی تحویل قبلہ کی تبدیلی اور اذان کی مشروعیت۔

نماز کی طرح روزے میں بھی تین تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں جنہیں عبدالرحمن نے یہاں بیان کیا ہے۔ پہلی یہ کہ ہجرت کے بعد پہلے پہل صرف تین دن کا روزہ فرض ہوا تھا۔ مولانا سہارنپوری نے فرمایا کہ ہر ماہ میں تین دن اور حضرت سید انورشاہ نے فیض الباری میں فرمایا کہ یہ تین دن ایام بیض تھے۔ اس پر ایک مبسوط تقریر انہوں نے فرمائی جس کا ترجمہ اور خلاصہ ہم نے مشکوٰۃ کی شرح کتاب الصوم میں درج کیا ہے۔ پھر رمضان کا روزہ فرض ہوا مگر اس میں مریض اور مسافر کے علاوہ روزے کی طاقت رکھنے والوں کے لئے بھی فدیہ دینے اور روزہ نہ رکھنے کی اجازت تھی۔ یہ روزے کی پہلی تبدیلی تھی۔ مگر جب یہ آیت اتری، جو کوئی اس مہینے میں موجود ہو وہ ضرور روزہ رکھے، ہاں اس میں سے مریض اور مسافر کو عذر دور ہونے تک مستثنیٰ کردیا گیا اور طاقت ہوتے ہوئے فدیے کا حکم واپس لے لیا گیا۔ پس روزے میں یہ دوسری تبدیلی تھی۔

روزے میں تیسری تبدیلی یہ تھی کہ روزے کی رات کو بیوی سے جماع جائز نہ تھا، نیز اگر کوئی افطار کے بعد کچھ کھائے پیئے بغیر سو جاتا تو سحر سے پہلے کچھ نہ کھاتا۔ آخری حکم اس سلسلے میں یہ نازل ہوا کہ اب اس کی اجازت ہے کہ روزے کی رات میں بیوی سے ملو اور سحر ختم ہونے تک کھاؤ پیئو۔

۵۰۷ - حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنّٰى عَنْ اَبِیْ دَاوٗدَ ح وَحَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ الْمُهَاجِرِ حَدَّثَنَا

يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنِ الْمَسْعُودِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ أُحِيلَتِ الصَّلٰوةُ ثَلَاثَةَ أَحْوَالٍ وَأُحِيلَ الصِّيَامُ ثَلَاثَةَ أَحْوَالٍ وَسَاقَ نَصْرٌ الْحَدِيثَ بِطُولِهِ وَاقْتَصَّ ابْنُ الْمُثَنّٰى مِنْهُ قِصَّةَ صَلٰوتِهِمْ نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ قَطْ قَالَ الْحَالُ الثَّالِثُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى يَعْنِي نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ ثَلَاثَةَ عَشَرَ شَهْرًا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ هٰذِهِ الْآيَةَ: قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ فَوَجَّهَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى الْكَعْبَةِ وَتَمَّ حَدِيثُهُ۔ وَسَمّٰى نَصْرٌ صَاحِبَ الرُّؤْيَا قَالَ فَجَاءَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ وَقَالَ فِيهِ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ قَالَ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ مَرَّتَيْنِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ مَرَّتَيْنِ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ أَمْهَلَ هُنَيَّةً ثُمَّ قَامَ فَقَالَ مِثْلَهَا إِلَّا أَنَّهُ زَادَ بَعْدَ مَا قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ، قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِّنْهَا بِلَالًا فَأَذَّنَ بِهَا بِلَالٌ۔ وَقَالَ فِي الصَّوْمِ قَالَ فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَصُومُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَيَصُومُ يَوْمَ عَاشُورَاءَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَكَانَ مَنْ شَاءَ أَنْ يَصُومَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ أَنْ يُفْطِرَ أَفْطَرَ وَيُطْعِمُ كُلَّ يَوْمٍ مِسْكِينًا أَجْزَأَهُ ذٰلِكَ فَهٰذَا حَوْلٌ۔ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ

شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ فَثَبَتَ الصِّيَامُ عَلٰى مَنْ شَهِدَ الشَّهْرَ وَعَلَى الْمُسَافِرِ اَنْ يَّقْضِيَ وَثَبَتَ الطَّعَامُ لِلشَّيْخِ الْكَبِيْرِ وَالْعَجُوْزِ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَطِيْعَانِ الصَّوْمَ وَجَآءَ صِرْمَةُ وَقَدْ عَمِلَ يَوْمَهُ وَسَاقَ الْحَدِيْثَ۔

(ترجمہ) معاذؓ بن جبل نے فرمایا کہ نماز میں تین تبدیلیاں ہوئی ہیں اور روزے میں بھی تین تبدیلیاں ہوئی ہیں اور نصر راوی نے یہ لمبی حدیث بیان کی اور ابن المثنیٰؒ نے ان میں سے فقط بیت المقدس کی طرف ان کا نماز پڑھنا بیان کیا۔ اس نے کہا کہ تیسری تبدیلی یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو بیت المقدس کی طرف ۱۳ ماہ تک نماز پڑھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: ہم تمہارے چہرے کا آسمان کی طرف بار بار پھرنا دیکھ رہے ہیں پس ہم تمہیں ضرور اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جسے تم پسند کرتے ہو پس تو اپنا چہرہ مسجدِ حرام کی طرف پھیر لے اور تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی طرف پھیرو۔ پس اللہ عزوجل نے آپؐ کو کعبہ کی طرف پھیر دیا۔ اور نصر کی حدیث تمام ہوئی۔ اور نصر نے خواب والے کا نام لیا، کہا کہ عبداللہؓ بن زید انصاری آیا، اور نصر نے کہا کہ (خواب میں نظر آنے والے شخص نے) اس نے اپنا منہ قبلہ کی طرف کیا اور کہا: اللہ اکبر (دوبار) اشہد ان لا الٰہ الا اللہ (دوبار) اشہد ان محمداً رسول اللہ (دوبار) حی علی الصلوٰۃ (دوبار) حی علی الفلاح (دوبار) اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ۔ پھر وہ کچھ دیر ٹھیرا رہا پھر کھڑا ہوا تو اسی طرح کہا (یعنی اقامت بھی اسی طرح تھی) صرف یہ فرق تھا کہ حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلوٰۃ (دوبار) کا اضافہ کیا۔ معاذؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اذان بلالؓ کو سکھاؤ۔ پس بلالؓ نے ان کلمات کے ساتھ اذان دی۔ اور نصر نے صوم کے متعلق کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ میں تین دن کا روزہ اور دس محرم کا روزہ رکھتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم اتارا: تم پر پہلے لوگوں کی مانند روزہ فرض کیا گیا تاکہ تم چند دن حالت تقویٰ میں بسر کرو۔ پھر جو تم میں سے بیمار ہو یا مسافر ہو تو وہ دوسرے دنوں سے یہ گنتی پوری کرلے۔ اور جن لوگوں کو اس کی طاقت ہے ان پر ایک مسکین کا فدیہ لازم ہے۔ پس جو روزہ رکھنا چاہتا رکھتا اور جو نہ رکھنا چاہتا نہ رکھتا اور ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلاتا، یہ اس کے لئے کافی تھا۔ پس ایک تبدیلی تو روزے میں یہ ہوئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم اتارا: ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کے لئے ہدایت اور فرقان کی واضح دلیلیں رکھتا ہے۔ پس جو تم میں سے اس ماہ میں موجود ہو وہ روزہ رکھے اور جو بیمار ہو یا مسافر ہو وہ دوسرے دنوں سے یہ گنتی پوری کرے۔ پس جو بھی اس ماہ میں حاضر ہوتا اس کے لئے روزہ ثابت ہوگیا اور مسافر پر قضا فرض ہوئی اور بہت بوڑھے مرد عورت جو روزہ نہ رکھ سکیں ان پر طعام کھلانا واجب ہوگیا۔ اور صرمہؓ آیا جس نے دن بھر کام کیا تھا۔ اور نصر بن مہاجر نے آگے حدیث پوری بیان کی۔

(شرح) مدینہ میں بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کی مدت یہاں پر تیرہ ماہ آئی ہے۔ بخاری کی روایت میں ۱۶ یا ۱۷ ماہ کا لفظ ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ابن عباسؓ سے ۱۷ ماہ کا لفظ روایت کیا ہے۔ مسند احمد میں ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے قبل مکہ میں بھی بیت المقدس کی طرف منہ کرتے مگر کعبہ سامنے ہوتا اور وہاں

دونوں کو جمع کرنا ممکن تھا۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ حضورؐ نے مکہ میں پہلے پہل کعبہ رُخ نماز پڑھی پھر تین سال بامر خداوندی بیت المقدس کی طرف پڑھی اور ہجرت کے بعد مدینہ میں ۱۶ ماہ بیت المقدس کی طرف پڑھی اور پھر قبلہ بدل گیا۔ مسند ابی عوانہ میں بھی ۱۶ ماہ کی مدت درج ہے اور اسی طرح مسلم، نسائی اور مسند احمد میں بھی یہی مدت ہے اور بزار اور طبرانی میں ۱۷ ماہ کی مدت ہے۔ پس جن روایات میں ۱۶ ماہ کا ذکر ہے ان میں کسروں کا شمار نہیں کیا گیا، اور جن میں ۱۷ ماہ کا ذکر ہے ان میں کسروں کو ایک ماہ شمار کیا گیا ہے (یعنی ہجرت والے مہینے اور تحویل قبلہ والے مہینے کے ایام کو) اور جن لوگوں نے شک اور تردد کیا ہے وہ اسی باعث ہے کہ کسر شمار کی جائے یا نہ کی جائے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حضورؐ کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری بلا اختلاف ربیع الاول میں ہوئی اور تحویلِ قبلہ صحیح روایت کے مطابق اگلے سال نصف رجب میں ہوئی۔ جمہور کا اسی پر یقین ہے اور اسے حاکم نے سندِ صحیح کے ساتھ ابنِ عباسؓ سے روایت کیا ہے اور ابن حبان کا قول ہے کہ ۱۷ ماہ ۱۰ دن کی مدت تھی اور ایک روایت میں دو ماہ اور ایک میں دو سال بھی ہے مگر یہ ضعیف روایات ہیں۔

اس حدیث میں بھی عبداللہؓ بن زید کی اذان کے شروع میں اللہ اکبر صرف دو مرتبہ ہے اور اقامت اور اذان کو ایک جیسا کہا گیا ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث مسند امام احمد میں بھی ہے مگر وہ ابوداؤد کی روایت سے کچھ مختلف ہے۔

۲۹۔ بَابٌ فِي الْإِقَامَةِ

باب اقامت کے بیان میں

۵۰۸۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْمُبَارَكِ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ سِمَاكِ بْنِ عَطِيَّةَ ح وَحَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ جَمِيعًا عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍؓ قَالَ أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَيُوتِرَ الْإِقَامَةَ زَادَ حَمَّادٌ فِي حَدِيثِهِ إِلَّا الْإِقَامَةَ۔

(ترجمہ) انسؓ نے کہا کہ بلالؓ کو حکم دیا گیا کہ اذان دوہری کہے اور اقامت اکہری۔ دوسری روایت میں ہے کہ: قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کے علاوہ۔

(شرح) اُمِرَ سے مُراد یہ ہے کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا۔ بلالؓ نے حضورؐ کے بعد صرف حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اذان دی ہے، بلکہ بعض کے نزدیک حضورؐ کے بعد صرف ایک مرتبہ شام میں اذان دی تھی۔ اَنْ يَّشْفَعَ الْاَذَانَ سے حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ آخری کلمۂ توحید بالاتفاق خارج ہے کہ وہ اکہرا ہے۔ اس حدیث سے دیگر کلماتِ اقامت کے (جہاں وہ دوہرے ہیں) اکہرا ہونے اور قد قامت الصلوٰۃ کے دہرانے پر استدلال کیا گیا ہے، مگر بعض کے نزدیک اِلَّا الْاِقَامَۃَ کا لفظ حماد کا اپنا ہے لہٰذا یہ کلمہ بھی اکہرا ہی کہا جائیگا۔ ابن مندہ اور اصیلی نے کہا کہ الا الاقامۃ کا لفظ ایوب کا ہے۔ جن لوگوں نے اسے دُہرا کہنے کا مسلک اختیار کیا ہے ان کے نزدیک یہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کا قول ہے۔ پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ اقامت ساری دُہری کہی جائے اور آخر میں قد قامت الصلوٰۃ بھی دُہری کہی جائے۔ امام شافعیؒ، احمدؒ اور جمہور کا قول یہ ہے کہ اقامت کے سارے کلمات گیارہ ہیں جو اول و آخر میں تکبیر کے سوا مفرد ہیں اور قد قامت الصلوٰۃ کا لفظ بھی دوہرا کہا جائیگا۔ مگر مشکل یہ پیش آئی کہ یُوتِرُ الْاِقَامَۃَ کے الفاظ سے اول و آخر کی تکبیر کو کیونکر مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اذان کی تکبیر کے لحاظ سے یہ وتر ہے کیونکہ اذان کی ابتداء میں اللہ اکبر چار مرتبہ ہے لیکن پھر سوال پیدا ہوا کہ آخر اقامت میں بھی تو اللہ اکبر اللہ اکبر اذان کی مانند دو دفعہ کہا جاتا ہے، یہ کیوں؟ امام نوویؒ نے کہا کہ شافعیہ کا ایک شاذ قول یہ ہے کہ تکبیر میں اول و آخر صرف ایک مرتبہ کہے اور پس اور قد قامت الصلوٰۃ بھی ایک مرتبہ کہا جائے۔ حنفیہؒ، سفیان ثوریؒ، ابن المبارک اور تمام فقہائے کوفہ کا مذہب یہ ہے کہ اقامت کے الفاظ بالکل اذان جیسے ہیں اور آخر میں قد قامت الصلوٰۃ بھی دو مرتبہ ہے۔ اس کی دلیل عبداللہؓ بن زید کی روایات ہیں۔ دونوں ابھی ابھی سنن ابی داؤد میں گزریں کہ آسمانی فرشتے نے اذان کے بعد ذرا سا وقفہ کیا اور پھر اذان ہی کی مانند کلمات کہے اور قد قامت الصلوٰۃ دو مرتبہ کہا۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ اہل عراق کا استدلال عبداللہ بن زید کی حدیث ہے جسے ترمذیؒ نے روایت کیا اور ابو داؤد نے بھی۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ روایت منقطع ہے کیونکہ ابن ابی لیلیٰ نے عبداللہؓ بن زید سے سماع نہیں کیا۔ اس انقطاع کا جواب یہ ہے کہ ترمذی نے اس حدیث کو بیان کرکے کہا کہ ابن ابی لیلیٰ نے جب کہا کہ ہم سے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا تو روایت مسند و متصل ہو گئی۔ صحابہؓ کی مرسل حدیث بالاتفاق قابل قبول ہے اور مسند کے حکم میں ہے۔ بالفرض اگر ابن ابی لیلیٰ کہتا کہ عبداللہؓ بن زید نے یوں کہا، تب بھی یہ روایت مقبول تھی کیونکہ وہ دوسرے صحابہ سے سن کر کہتا۔ محمد بن عبدالرحمٰن بعض محدثین کے نزدیک ضعیف ہے لیکن جب اعمش اور شعبہ اس کی متابعت کرتے ہیں تو روایت صحیح ہو گئی۔

اقامت کے اذان کی مانند دوہرا ہونے کی دلیل حاکم، بیہقی اور طحاوی کی روایت سوید بن غفلہ سے ہے کہ بلالؓ اذان اور اقامت ہر دو کو دوہرا کہتا تھا۔ حاکم نے کہا کہ یہ منقطع ہے مگر طحاوی کی روایت میں ہے: میں نے بلالؓ سے سُنا۔ اس کی تائید ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے جو سعد القرظ سے ہے کہ بلالؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اور ابوبکر صدیقؓ کی حیات میں اذان دی ہے اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں سوید بن غفلہ ہجرت کرکے مدینہ گیا تھا۔ بلالؓ کے حضرت ابوبکرؓ کے دور میں شام چلے جانے اور وفات تک وہیں رہنے کی روایت ابو داؤد نے بیان کی ہے مگر وہ مرسل ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ اقامت کے دوہرا ہونے میں ابو محذورہؓ کی حدیث نسائی وغیرہ میں موجود ہے (اور سنن ابی داؤد میں کچھ پہلے گزری ہے) اور یہ حدیث صحیح ہے۔ حازمی نے اسے ناسخ و منسوخ میں بیان کیا ہے اور اس میں اقامت کے دوہرا ہونے کا ذکر ہے۔ اس نے کہا کہ یہ حدیث ابوداؤد، ترمذی اور نسائی کی شرط پر حسن ہے۔ ابو محذورہؓ کی حدیث سنن ابی داؤد میں پیچھے گزری اور ابھی پھر آئے گی۔ اور بخاری کے سوا وہ سب صحاح میں موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کے انیس[19] کلمے اور اقامت کے سترہ کلمے سکھائے تھے اور ترمذی وغیرہ نے اسے صحیح کہا ہے اور یہ بلالؓ کی حدیث سے متأخر بھی ہے کیونکہ ابو محذورہؓ فتح مکہ میں اسلام لائے تھے۔ ابو الشیخ نے روایت بیان کی ہے کہ بلالؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

سامنے منیٰ میں اذان دی اور اقامت کے بھی وہی کلمات کہے جو اذان کے تھے۔

اقامت کے اکہرا ہونے کی احادیث اگر زیادہ صحیح ہیں اور بخاری اور مسلم میں ہیں تو اس کے دُہرا ہونیکی روایات بھی صحیح اور حسن ہیں اور وہ ایک اضافہ بیان کرتی ہیں اور پہلی قسم کی احادیث سے متاخر بھی ہیں لہٰذا انہیں تسلیم کرنا لازم ہے، یہ علامہ شوکانی کا قول ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ طحاوی نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ بلالؓ اذان اور اقامت دونوں کو دُہرا کہتے تھے۔ طحاوی کی روایت میں ہے کہ سلمہؓ بن اکوع بھی دوہری اقامت کہتے تھے۔ طحاویؒ نے ثوبانؓ کی حدیث بیان کی ہے کہ وہ اذان و اقامت دوہری کہتے تھے۔ طحاویؒ نے ابو محذورہؓ کی حدیث بیان کی ہے کہ انہیں اذان اور اقامت دوہری کہتے ہوئے سُنا گیا۔ طحاویؒ نے اپنی سند سے مجاہدؒ سے روایت کی ہے کہ اکہری اقامت امراء نے نکالی ہے اور اصل دوہری ہی ہے۔ امراء سے مراد امرائے بنی امیہ ہیں جیسا کہ ابراہیم نخعیؒ اور ابوالفرج سے زیلعی نے روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۰۹۔ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ مِثْلَ حَدِيثِ وُهَيْبٍ قَالَ إِسْمٰعِيلُ فَحَدَّثْتُ بِهِ أَيُّوبَ فَقَالَ إِلَّا الْإِقَامَةَ۔

(ترجمہ) یہ اوپر کی حدیث کی دوسری روایت ہے۔ اس کے آخر میں اِلَّا الْاِقَامَۃَ کا لفظ ہے (جو بظاہر ایوب کا اپنا ہے حدیث کا حصہ نظر نہیں آتا جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے لیکن مرفوع روایات میں یہ لفظ آچکا ہے لہٰذا یہ حدیث کا حصہ ہی ہے)

۵۱۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا جَعْفَرٍ يُحَدِّثُ عَنْ مُسْلِمٍ أَبِي الْمُثَنّٰى عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ إِنَّمَا كَانَ الْأَذَانُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَالْإِقَامَةُ مَرَّةً مَرَّةً غَيْرَ أَنَّهُ يَقُولُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ۔ فَإِذَا سَمِعْنَا الْإِقَامَةَ تَوَضَّأْنَا ثُمَّ خَرَجْنَا إِلَى الصَّلٰوةِ۔ قَالَ شُعْبَةُ لَمْ أَسْمَعْ عَنْ جَعْفَرٍ غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيثِ۔

(ترجمہ) ابن عمرؓ نے کہا کہ اذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دو دو بار (یعنی دوہرے کلمات سے) ہوتی تھی اور اقامت ایک ایک بار ہوتی تھی مگر اقامت کہنے والا قد قامت الصلوٰۃ کو دو مرتبہ کہتا تھا۔ پس جب اقامت سُنتے تو وضوء کرتے پھر نماز کے لئے چلے جاتے تھے۔

۵۱۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ يَعْنِي الْعَقَدِيَّ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ مُؤَذِّنِ مَسْجِدِ الْعُرْيَانِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الْمُثَنّٰى مُؤَذِّنَ مَسْجِدِ الْأَكْبَرِ يَقُولُ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ وَسَاقَ الْحَدِيثَ۔

(ترجمہ) یہ حدیث دوسری سند سے بالکل وہی اوپر والی ہے۔

۳۰ - بَابُ الرَّجُلِ يُؤَذِّنُ وَيُقِيمُ آخَرُ

یہ باب ہے کہ اذان ایک کہے اور اقامت دوسرا کہے

۵۱۲ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ عَمِّهِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ أَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْأَذَانِ أَشْيَاءَ لَمْ يَصْنَعْ مِنْهُ شَيْئًا قَالَ فَأُرِيَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدٍ الْأَذَانَ فِي الْمَنَامِ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ أَلْقِهِ عَلَى بِلَالٍ قَالَ فَأَلْقَاهُ عَلَيْهِ قَالَ فَأَذَّنَ بِلَالٌ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ أَنَا رَأَيْتُهُ وَأَنَا كُنْتُ أُرِيدُهُ قَالَ فَأَقِمْ أَنْتَ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن زید نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان (نماز کی اطلاع و اعلان) میں کئی چیزیں چاہیں مگر ابھی ان میں سے کوئی کی نہ تھی۔ راوی نے کہا پس عبداللہ بن زید کو خواب میں اذان دکھائی گئی تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کو بتایا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بلال کو سکھا دو، پس عبداللہ نے بلال کو سکھا دی۔ راوی کہتا ہے کہ پھر بلال نے اذان دی تو عبداللہ نے کہا کہ یہ میں نے دیکھی اور میں چاہتا تھا تو حضور نے فرمایا کہ تم اقامت کہہ لو۔

(شرح) اس حدیث کا راوی محمد بن عمرو مختلف فیہ ہے۔ اس نام کے دو شخص ہیں۔ یہ فیصلہ نہیں ہو سکا کہ یہ کونسا ہے۔ ایک تو محدثین کے نزدیک ضعیف ہے مگر جب تک فیصلہ نہ ہو جائے یہ بات مشکوک ہے کہ اس سند میں جو محمد بن عمرو ہے آیا یہی وہ ضعیف راوی ہے یا نہیں۔ پھر محمد بن عبداللہ عن عمہ عبداللہ بن زید کی عبارت میں بھی اس حدیث کی روایات میں شدید اختلاف ہے۔ پتہ نہیں چل سکتا کہ محمد بن عبداللہ کون ہے جس کا چچا عبداللہ بن زید ہے کیونکہ اس صورت میں اس کے باپ اور چچا کا ایک ہی نام ہوتا ہے یعنی عبداللہ۔ عبدالرحمن بن مہدی نے کہا ہے کہ دراصل یہ سند یوں ہے کہ: مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ، حافظ ابن حجر نے کہا کہ یہی صحیح تر بات ہے۔ اور پہلے ایک روایت میں گزر چکا ہے کہ انصار کا خیال تھا اگر عبداللہ بن زید اس دن بیمار نہ ہوتا تو حضور اسی کو مؤذن بناتے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خود عبداللہ بن زید کی یہ خواہش تھی اس لئے حضور نے اس سے اقامت پڑھوائی۔

۵۱۳ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ الْقَوَارِيرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مُحَمَّدٍ قَالَ كَانَ جَدِّي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدٍ يُحَدِّثُ بِهَذَا الْخَبَرِ قَالَ فَأَقَامَ جَدِّي۔

(ترجمہ) حدیث کا معنی وہی ہے صرف سند میں اختلاف ہے جو ظاہر ہے۔

(شرح) علامہ شوکانی نے اس حدیث کے راوی محمد بن عمرو کو اس بناء پر ضعیف کہا ہے کہ یہ الواقفی الانصاری البصری ہے مولانا فرماتے ہیں کہ اس سند والا محمد بن عمرو وہ نہیں جو ضعیف ہے بلکہ یہ ایک ثقہ راوی ہے جو الانصاری المدنی کہلاتا ہے شوکانی نے کہا کہ اذان کوئی اور کہے اور اقامت دوسرا، یہ سب کے نزدیک جائز ہے۔ اختلاف صرف اولی ہونے کا ہے۔ اکثر کے نزدیک اس معاملے میں گنجائش ہے اور کوئی فرق نہیں۔ اور یہ مسلک امام مالکؒ، اہل حجاز، ابوحنیفہؒ، اکثر اہل کوفہ اور ابوثور کا ہے۔ اور بعض علماء کے نزدیک مؤذن ہی اقامت کہے گا۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کا مسلک اس معاملے میں وہ ہے جو امام علاؤ الدین کاسانی نے بدائع الصنائع میں لکھا ہے کہ اذان کی سنتوں میں سے یہ بھی ہے کہ مؤذن ہی اقامت کہے۔ اگر اور کوئی کہے اور مؤذن اسے پسند نہ کرے تو اس اور کا فعل مکروہ ہے، اگر ناپسند نہ کرے تو جائز ہے۔ احادیث دونوں طرف موجود ہیں۔ ایک تو ابھی گزری جس میں اذان بلال رضؓ نے کہی اور اقامت کا حکم عبداللہ رضؓ بن زید کو ملا۔ ایک آگے دیکھئے۔

۵۱۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ غَانِمٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زِيَادٍ يَعْنِي الْاَفْرِيقِيَّ اَنَّهُ سَمِعَ زِيَادَ بْنَ نُعَيْمٍ الْحَضْرَمِيَّ اَنَّهُ سَمِعَ زِيَادَ بْنَ الْحَارِثِ الصُّدَائِيَّ قَالَ لَمَّا كَانَ اَوَّلُ اَذَانِ الصُّبْحِ اَمَرَنِي يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَذَّنْتُ فَجَعَلْتُ اَقُولُ اُقِيمُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَنْظُرُ اِلَى نَاحِيَةِ الْمَشْرِقِ اِلَى الْفَجْرِ فَيَقُولُ لَا حَتّٰى اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ نَزَلَ فَبَرَزَ ثُمَّ انْصَرَفَ اِلَيَّ وَقَدْ تَلَاحَقَ اَصْحَابُهُ يَعْنِي فَتَوَضَّاَ فَاَرَادَ بِلَالٌ رضؓ اَنْ يُقِيمَ فَقَالَ لَهُ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَخَا صُدَاءٍ هُوَ اَذَّنَ وَمَنْ اَذَّنَ فَهُوَ يُقِيمُ، قَالَ فَاَقَمْتُ۔

(ترجمہ) زیاد بنؓ حارث صدائی نے کہا کہ جب صبح کی اذان کا وقت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تو میں نے اذان کہی۔ پھر میں کہتا رہا یا رسول اللہ میں اقامت کہوں۔ پس آپؐ مشرق کی طرف دیکھنے لگے یعنی فجر کے اچھی طرح پھیل جانے کا انتظار کرنے لگے۔ آپؐ فرماتے تھے: ابھی نہیں۔ حتیٰ کہ جب فجر واضح ہوگئی تو آپؐ سواری سے اترے اور باہر قضائے حاجت کو تشریف لے گئے، پھر میری طرف واپس ہوئے اور اب آپؐ کے دیگر اصحاب بھی آملے تھے۔ پس آپؐ نے وضو فرمایا تو بلالؓ نے اقامت کا ارادہ کیا تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ قبیلۂ صداء کے اس شخص نے اذان کہی تھی اور جس نے اذان کہی وہی اقامت کہے، پس میں نے اقامت کہی (یہ روایت بیہقی میں ہے مگر وہاں ہے کہ اذان منزل پر اترنے کے بعد ہوئی تھی، لوگوں نے بلالؓ کو ڈھونڈا تھا مگر وہ نہ ملا کسی نے کہا وہ سویا ہوا ہے اس لئے کسی اور شخص نے اذان دی الخ) یہاں حضور کو معلوم تھا کہ صدائیؓ اقامت کا خواہاں ہے لہٰذا اسی کو حکم ملا۔

۳۱۔ بَابُ رَفْعِ الصَّوْتِ فِي الْاَذَانِ

اذان کو بآواز بلند کہنے کا باب

۵۱۵ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ النَّمَرِيُّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ عَنْ أَبِي يَحْيَى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤَذِّنُ يُغْفَرُ لَهُ مُدَى صَوْتِهِ وَيَشْهَدُ لَهُ كُلُّ رَطْبٍ وَيَابِسٍ وَشَاهِدُ الصَّلٰوةِ يُكْتَبُ لَهُ خَمْسٌ وَعِشْرُونَ صَلٰوةً وَيُكَفَّرُ عَنْهُ مَا بَيْنَهُمَا -

(ترجمہ) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ اذان دینے والے کو اس کی آواز کی حد تک بخش دیا جاتا ہے اور ہر خشک و تر اس کی گواہی دیتے ہیں اور نماز میں حاضر ہونے والے کی پچیس نمازیں لکھی جاتی ہیں اور دو نمازوں کے درمیان کے گناہ دُور کئے جاتے ہیں -

(شرح) مولانا فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے جس راوی کا نام موسیٰ بن ابی عائشہ لکھا ہے دراصل وہ موسیٰ بن ابی عثمان ہے (کسی راوی کو اس کے نام میں وہم ہوا ہے) چنانچہ نسائی، ابن ماجہ اور بیہقی نے یہی موسیٰ بن ابی عثمان کہا ہے۔ ابو یحییٰ راوی کو ابن القطان نے غیر معروف کہا ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے ؛ واللہ اعلم کہ مؤذن کی آواز جہاں تک جاتی ہے اگر فرض کریں کہ اس کے گناہ وہاں تک پھیلے ہوئے ہیں تو بھی بخش دیئے جاتے ہیں۔ یا یہ کہیئے کہ اگر ان تمام اطراف میں جہاں اس کی آواز پہنچتی ہے، اس نے کچھ گناہ کئے ہوں تو بخشے جاتے ہیں۔ یا یہ کہ اتنے طول و عرض میں اس کی شفاعت سے لوگوں کی بخشش ہوگی اور یا پھر یغفر بمعنی یستغفر ہے، یعنی اتنی دور تک کی اشیاء اس کے لئے خدا کی مغفرت طلب کرتی ہیں۔ رطب سے مراد حیوانات و نباتات ہیں اور یابس سے مراد جمادات ہیں۔

۵۱۶ - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا نُودِيَ بِالصَّلٰوةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ وَلَهُ ضُرَاطٌ حَتَّى لَا يَسْمَعَ التَّأْذِينَ وَإِذَا قُضِيَ النِّدَاءُ أَقْبَلَ حَتَّى إِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلٰوةِ أَدْبَرَ حَتَّى إِذَا قُضِيَ التَّثْوِيبُ أَقْبَلَ حَتَّى يَخْطُرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ وَيَقُولُ اذْكُرْ كَذَا اذْكُرْ كَذَا لِمَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ حَتَّى يَظَلَّ الرَّجُلُ أَنْ لَا يَدْرِيَ كَمْ صَلَّى -

(ترجمہ) ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کی اذان ہوتی ہے تو شیطان پشت پھیر کر بھاگ جاتا ہے اور اس کے گوز نکلتے ہیں حتیٰ کہ اذان نہ سُنے۔ جب اذان ختم ہوتی ہے تو واپس آتا ہے حتیٰ کہ جب نماز کی اقامت کہی جاتی ہے تو پھر واپس چلا جاتا ہے یہاں تک کہ جب اقامت ختم کردی جاتی ہے تو پھر آجاتا ہے حتیٰ کہ آدمی اور اس کے نفس کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز یاد کر فلاں چیز یاد کر، یعنی جن چیزوں کو وہ بھول چکا ہو، حتیٰ کہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کو یہ نہیں پتہ چلتا کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے۔

(شرح) اس حدیث میں لفظ حتیٰ کو پانچ مرتبہ دوہرایا گیا ہے۔ پہلا اور دو آخری تعلیل کے لئے ہیں یعنی تاکہ کے معنی میں اور دوسرا اور تیسرا جملہ شرطیہ پر داخل ہیں اور تعلیل کے لئے نہیں ہیں۔ یہ شارح طیبی کا قول ہے۔ اذان میں توحید و رسالت کو بآواز بلند پکارا جاتا ہے اس لئے وہ شیطان پر بوجھل ہے۔ بھاگتے وقت اس کے گوز کا نکلنا یا تو حقیقت پر مبنی ہے جیسے کہ گدھے پر زیادہ بوجھ لادیں تو وہ بھی کچھ کرتا ہے، یا وہ لعین خدا و رسول کے ذکر پر بطور استخفاف جو حرکت کرتا ہے اسے بطور مجاز یوں ظاہر کیا گیا۔ ممکن ہے توہین و استخفاف سے نہیں بلکہ از راہِ خوف اس کے بھاگ جانے کو یوں فرمایا گیا ہو۔

۲۲۔ بَابُ مَا يَجِبُ عَلَى الْمُؤَذِّنِ مِنْ تَعَاهُدِ الْوَقْتِ

مؤذن کو وقت کی پابندی کرنے کے باب میں

۵۱۷۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ رَجُلٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْإِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ اللّٰهُمَّ أَرْشِدِ الْأَئِمَّةَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِينَ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ امام ذمہ دار ہے اور مؤذن امین ہے، اے اللہ اماموں کو ہدایت دے اور مؤذنوں کی بخشش فرما۔

(شرح) احمد بن حنبلؒ کا شیخ محمد بن فضیل جو اس سند میں ہے ویسے ثقہ ہے مگر غالی شیعہ تھا، اس کا باپ بھی ثقہ تھا اور وہ عثمانی تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابن فضیل غالی رافضی نہ تھا صرف حضرت عثمانؓ سے ذرا منحرف تھا، واللہ اعلم۔ اعمش اور ابو صالح کے درمیان ایک مجہول شخص ہے۔ ترمذی میں اس کا ذکر نہیں اور وہاں اعمش کی روایت براہِ راست ابو صالح سے ہے۔ یہی حدیث حضرت عائشہؓ سے مروی ہے اور اس کی سند میں ابو صالح عن عائشہؓ کا لفظ ہے ابوزرعہ نے ابوہریرہؓ کی روایت کو اور بخاری نے عائشہ صدیقہؓ کی روایت کو صحیح تر قرار دیا ہے۔ علی ابن المدینی ان دونوں روایتوں کو غیر ثابت کہتے ہیں اور ابن حبان نے دونوں کو صحیح ٹھیرایا ہے اور کہا ہے کہ ابو صالح نے یہ حدیث حضرت عائشہؓ اور ابوہریرہؓ دونوں سے سُنی ہے۔ بات یہ ہے کہ اعمش نے یہ حدیث خود ابو صالح سے بھی سُنی اور کسی اور سے بھی جس نے ابو صالح سے سُنی تھی۔ سب روایات صحیح ہیں اور بقول شوکانی حدیث کی سند متصل ہے۔

امام کا ضامن ہونا اس معنیٰ میں ہے کہ وہ جماعت کی نماز کے امور کا ذمہ دار ہے، قرأت کرتا ہے، ارکان و سنن اور تعداد رکعات کا کفیل ہے اور مقتدیوں اور پروردگار کے درمیان بطور سفیر پیش ہوتا ہے۔ نماز کی صحت و فساد اور نقصان و کمال کا دارو مدار اسی پر ہے۔ یہی سبب ہے کہ امام کو چھان بین اور دیکھ بھال کے بعد مقرر کرنے کا حکم ہے۔ اسی ذمہ داری کے باعث اگر وہ اس کا حق ادا کریں تو ائمہ کا ثواب زیادہ ہے اور ادا نہ کریں تو عذاب کے مستحق ہیں۔ مؤذن کے امانت دار ہونے کا یہ معنیٰ ہے کہ وہ اوقاتِ صلوٰۃ کی نگرانی کرتا ہے۔ روزے کا رکھنا اور کھولنا عموماً اس پر موقوف ہوتا ہے۔ طلوعِ فجر اور غروبِ آفتاب سے خبردار کرتا ہے۔ یہ مطلب بھی ہے کہ وہ منارے یا مسجد پر چڑھ کر اذان دیتا ہے لہٰذا نگاہیں

نیچی رکھے اور تاک جھانک نہ کرے۔ ائمہ کے لئے ہدایت اور رہنمائی کی دعاء فرمائی کیونکہ وہ ذمہ داری کو بفضلِ خداوندی ہی نبھا سکتے ہیں۔ مؤذن سے کوتاہی کا احتمال ہوتا ہے لہٰذا اس کے لئے مغفرت کی دعاء فرمائی ہے۔

۵۱۸۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ نُبِّئْتُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ قَالَ وَلَا أُرَانِي إِلَّا قَدْ سَمِعْتُهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ۔

(ترجمہ) دوسری سند سے وہی اوپر والی حدیث ہے۔

۳۳۔ بَابُ الْأَذَانِ فَوْقَ الْمَنَارَةِ

یہ باب منارے کے اوپر اذان کا ہے

۵۱۹۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنِ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ قَالَتْ كَانَ بَيْتِي مِنْ أَطْوَلِ بَيْتٍ كَانَ حَوْلَ الْمَسْجِدِ فَكَانَ بِلَالٌ رضی اللہ عنہ يُؤَذِّنُ عَلَيْهِ الْفَجْرَ فَيَأْتِي بِسَحَرٍ فَيَجْلِسُ عَلَى الْبَيْتِ فَيَنْظُرُ إِلَى الْفَجْرِ فَإِذَا رَآهُ تَمَطَّى ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَحْمَدُكَ وَأَسْتَعِينُكَ عَلَى قُرَيْشٍ أَنْ يُقِيمُوا دِينَكَ قَالَتْ ثُمَّ يُؤَذِّنُ قَالَتْ وَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُهُ كَانَ تَرَكَهَا لَيْلَةً وَاحِدَةً يَعْنِي هٰذِهِ الْكَلِمَاتِ۔

(ترجمہ) بنی نجار کی ایک عورت نے کہا کہ مسجد نبوی کے ماحول میں میرا گھر سب سے اونچا تھا پس بلال رضی اللہ عنہ اس کے اوپر فجر کی اذان دیتا تھا۔ وہ بوقتِ سحر آتا تھا اور مکان پر فجر کے انتظار میں بیٹھتا تھا۔ جب طلوعِ فجر کو دیکھ لیتا تو انگڑائی لیتا پھر کہتا: اے اللہ میں تیری تعریف کرتا ہوں اور قریش پر تجھ سے مدد مانگتا ہوں تاکہ وہ تیرے دین کو قائم کریں۔ صحابیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ پھر وہ اذان دیتا۔ صحابیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ واللہ میں نہیں جانتی کہ اس نے اسے ایک رات بھی چھوڑا ہو یعنی ان کلمات کو۔

(شرح) منارہ دراصل اس بلند مقام کو کہتے ہیں جس پر رات کو مسافروں کے لئے یا بحری جہازوں کو راستہ دکھانے کیلئے روشنی کرتے تھے۔ پھر ہر بلند مقام جو مسجد میں اذان کے لئے بنایا جاتا ہے اسے منارہ یا میذنہ کہنے لگے۔ ابوداؤد نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اذان بلند جگہ پر ہونی چاہئیے۔ ابوداؤد کا استاد احمد بن محمد بن ایوب متکلم فیہ ہے۔ یحییٰ بن سعید القطان نے اسے کذاب تک کہا ہے۔ ابواحمد حاکم نے اسے غیر قوی کہا ہے اور ابوحاتم نے منکر الحدیث ٹھیرایا ہے۔ پھر آگے محمد بن اسحاق بن یسار بھی ہے جسے محدثین اتنا قابلِ اعتماد نہیں ٹھیرتے اور امام مالکؒ بالخصوص اسے اچھی رائے سے یاد نہیں

کرتے۔ حدیث اگر ثابت ہو تو صحابیؓ کے نام کا نا معلوم ہونا از روئے اصول مضر نہیں ہے۔

۳۴۔ بَابُ الْمُؤَذِّنِ يَسْتَدِيرُ فِي أَذَانِهِ

باب اس مضمون میں کہ مؤذن اپنی اذان میں دائیں بائیں گھومے

۵۲۰۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ حَدَّثَنَا قَيْسٌ يَعْنِي ابْنَ الرَّبِيعِ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَنْبَارِيُّ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ جَمِيعًا عَنِ ابْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ وَهُوَ فِي قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ أَدَمٍ فَخَرَجَ بِلَالٌ فَأَذَّنَ فَكُنْتُ أَتَتَبَّعُ فَمَهُ هٰهُنَا وَهٰهُنَا ثُمَّ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ بُرُودٌ يَمَانِيَةٌ قِطْرِيٌّ وَقَالَ مُوسَى قَالَ رَأَيْتُ بِلَالًا خَرَجَ إِلَى الْأَبْطَحِ فَأَذَّنَ فَلَمَّا بَلَغَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ لَوَى عُنُقَهُ يَمِينًا وَشِمَالًا وَلَمْ يَسْتَدِرْ ثُمَّ دَخَلَ فَأَخْرَجَ الْعَنَزَةَ وَسَاقَ حَدِيثَهُ۔

(ترجمہ) ابو جحیفہ رضؓ نے کہا کہ میں مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس وقت آپؐ چمڑے کے ایک سرخ قبے میں تھے۔ پس بلالؓ باہر نکلا اور اذان دی پس میں ادھر ادھر اس کے منہ کو پھرتے ہوئے دیکھتا تھا۔ کہا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اور آپؐ پر ایک سرخ جوڑا تھا جو یمنی قطری چادروں کا تھا۔ اور موسٰی کی حدیث میں ہے کہ ابو جحیفہؓ نے کہا میں نے بلالؓ کو دیکھا کہ وہ سنگریزوں والی زمین کی طرف نکلے پھر اذان دی۔ جب حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح پر پہنچے تو اپنی گردن دائیں بائیں گھمائی اور خود نہیں گھومے۔ پھر قبے میں گئے۔ پھر برچھا باہر نکالا۔ پھر موسٰی نے ساری حدیث بیان کی۔

(شرح) اس حدیث کے راوی قیس پر کلام ہوا ہے۔ ابن معین نے اسے ضعیف کہا ہے۔ جوزجانی اسے ساقط، یعقوب بن شیبہ نے ردی الحفظ، ضعیف اور کثیر الخطاء، نسائی نے غیر ثقہ متروک الحدیث اور دارقطنی نے ضعیف کہا ہے۔ مگر اس حدیث میں وہ منفرد نہیں بلکہ سفیان ثوریؒ بھی اس حدیث کا راوی ہے لہٰذا حدیث میں کوئی نقص نہیں۔ ابو جحیفہؓ نے جو اس حدیث کے راوی ہیں یہ واقعہ بیان کیا ہے شاید یہ آخری حج کا یا فتح مکہ کا ہے۔ حضورؐ نے جو جوڑا پہن رکھا تھا یہ سفید زمین پر سرخ لکیروں والے کپڑوں کا جوڑا تھا، خالص سرخ نہ تھا۔ یمنی چادروں کا رنگ ایسا ہی ہوتا ہے۔ حدیث میں استدارہ (گھومنا) کی نفی آئی ہے لیکن ساتھ ہی سر کو دائیں بائیں پھیرنے کا بھی ذکر موجود ہے۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ سارے جسم کو پھیرنا جائز ہے یا نہیں۔ علی ہٰذا القیاس آیا صرف دائیں طرف ایک بار اور بائیں طرف ایک بار گھومنا جائز ہے یا دو دو مرتبہ یعنی ہر کلمے کے ساتھ۔ پھر یہ بھی اختلاف ہے کہ حی علی الصلوٰۃ کہہ کر دائیں طرف گھومے اور پھر حی علی الفلاح کہہ کر بائیں طرف اور دوبارہ پھر دائیں بائیں اسی طرح کرے۔ شوکانی نے کہا کہ استدارہ کے متعلق احادیث میں اختلاف ہے اور پہلی صورت لفظِ حدیث سے قریب تر ہے۔ احمد بن حنبلؒ

نے کہا کہ گھومنا صرف اس وقت جائز ہے جبکہ مؤذن منارے پر کھڑا اذان دے رہا ہو۔ یہی قول امام ابوحنیفہؒ اور اسحاقؒ کا ہے اور ابراہیم نخعی، سفیان ثوریؒ، اوزاعیؒ، شافعیؒ، ابوثورؒ نے کہا (اور یہی ایک روایت میں احمدؒ کا مذہب ہے) کہ مستحب یہ ہے کہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح میں ہر بار صرف گردن گھمائے جسم نہ گھمائے چاہے زمین پر کھڑا ہو اور چاہے منارے پر۔ مالکؒ نے کہا نہ تو گھومے اور نہ گردن موڑے، ہاں اگر لوگوں کو سنانے کا ارادہ ہو تو الگ بات ہے۔ ابن سیرینؒ کے نزدیک سر کو پھیرنا مکروہ ہے۔ اور حق یہ ہے کہ گردن پھیرنا مستحب ہے اور منارہ اگر وسیع ہو تو اس میں دائیں بائیں گھومنا جائز ہے۔

۳۵۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي الدُّعَاءِ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ

اذان اور اقامت کے درمیان دعاء کا باب

۵۲۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ زَيْدٍ الْعَمِّيِّ عَنْ أَبِي إِيَاسٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُرَدُّ الدُّعَاءُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ۔

(ترجمہ) انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذان اور اقامت کے درمیان دعاء رد نہیں کی جاتی۔

(شرح) اس حدیث کا راوی عمیؒ، ابوحاتم، ابوزرعہ، نسائی، ابن سعد، ابن المدینی، عجلی اور ابن عدی جیسے ائمہ فن کے نزدیک ضعیف ہے۔ عمی اس کا لقب اس لئے تھا کہ اس سے جو کچھ پوچھا جاتا، کہتا تھا کہ اپنے چچا (عمی) سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ حدیث کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ اذان کی ابتداء سے لیکر اقامت کی انتہاء تک کا وقت قبولیتِ دعاء کا ہے۔ دوسرا یہ کہ اثنائے اذان میں یا اثنائے اقامت میں اگر کوئی دعاء کرے تو مقبول ہے۔ دونوں مطلب صحیح ہیں۔

۳۶۔ بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ

باب۔ اذان سن کر کیا کہے

۵۲۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَطَاءِ ابْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ۔

(ترجمہ) ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اذان سنو تو اسی طرح کہو

جس طرح مؤذن کہتا ہے۔

(شرح) مؤذن کی طرح زبان سے کہنا مستحب ہے اور اس کی پکار پر چل کر جانا واجب ہے۔ بدائع میں ہے (اور یہی مضمون کئی احادیث سے ثابت ہے) کہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح پر لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ کہے اور الصلوٰۃ خیر من النوم پر جواب دے کہ، صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح پر یہ کلمات دہرا کر پھر لاحول الخ پڑھے تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔ پھر لاحول ولا قوۃ الخ میں بھی کئی احادیث ہیں حضرت معاویہؓ کی حدیث میں ہے کہ پورا لاحول صرف آخری حی علی الفلاح پر پڑھے اور پہلے تینوں کلمات کے جواب میں؛ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کہے۔ دونوں کو جمع کرنا (یعنی اذان کے مثلاً حی علی الصلوٰۃ اور لاحول الخ کو) حنفیہ سے بقول طحاوی، اہل ظاہر اور ابن وہبؒ سے بطور وجوب ثابت ہے مگر جمہور علماء کے نزدیک یہ مستحب ہے۔ استحباب کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ایک گڈریئے کی اذان سن کر حضورؐ نے اذان کے کلمات نہیں دہرائے تھے بلکہ تکبیر پر یہ فرمایا: علی الفطرۃ اور شہادتین پر فرمایا: خَرَجَ مِنَ النَّارِ۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ مؤذن کے کلمات کو دہرانا واجب نہیں تھا۔ اس دلیل کے کئی جواب ہیں۔ ایک یہ کہ روایت میں حضورؐ کے کلمات اذان کو دہرانے کی نفی نہیں۔ دوسرا یہ کہ یہ واقعہ وجوب سے قبل کا ہے۔ تیسرا یہ کہ وہ گڈریا محض کلمات اذان کہہ رہا تھا اور نیت اس کی اذان کی نہ تھی۔

۵۲۳- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنِ ابْنِ لَهِيعَةَ وَحَيْوَةَ وَسَعِيدُ ابْنُ أَبِي أَيُّوبَ عَنْ كَعْبِ بْنِ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلٰوةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ فَمَنْ سَأَلَ اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عمرو بن العاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب تم مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہے پھر مجھ پر صلوٰۃ بھیجو کیونکہ جو مجھ پر صلوٰۃ بھیجے گا اللہ اس پر اس کی وجہ سے دس رحمتیں بھیجے گا، پھر میرے لئے اللہ سے وسیلہ طلب کرو کیونکہ وہ جنت میں ایک درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک کے لائق ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں گا۔ سو جس نے میرے لئے وسیلے کا سوال کیا اس پر (یا اس کے لئے) شفاعت حلال ہو گئی۔

(شرح) ایک صلوٰۃ کا ثواب دس ہے، یعنی کم از کم دس، اس لئے کہ نیکی کے اجر کا ضابطہ یہی ہے۔ یہ جو فرمایا کہ: مجھے امید ہے کہ میں وہ بندہ ہوں گا۔ یہ بطور انکسار فرمایا، وہ وہ مقام حضورؐ کے لئے مخصوص ہو چکا تو مسلمانوں کی دعا محض اس میں شمولیت کے لئے اور حضورؐ سے اظہار عقیدت و محبت کے لئے ہوتی ہے اور اس دعا کے باعث بھی انہیں اجر ملے گا۔ اس پر شفاعت حلال ہو گئی، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت، اور اس کے لئے شفاعت حلال ہو گئی یعنی وہ

دوسروں کی شفاعت کرنے والوں میں شامل ہوگا۔

۵۲۴۔ حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ وَمُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ حُيَيٍّ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يَعْنِي الْحُبُلِيَّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْمُؤَذِّنِيْنَ يَفْضُلُوْنَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ كَمَا يَقُوْلُوْنَ فَاِذَا انْتَهَيْتَ فَسَلْ تُعْطَهْ

(ترجمہ) عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ اذان دینے والے ہم پر فضیلت پا لیتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس طرح وہ کہتے ہیں تو بھی کہہ، پھر جب تو آخر میں پہنچے تو سوال کر تجھے عطا کیا جائیگا۔

۵۲۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ الْحُكَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ حِيْنَ سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ: وَاَنَا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا غُفِرَ لَهٗ۔

(ترجمہ) سعدؓ بن ابی وقاص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: جو شخص مؤذن کی اذان سُن کر کہے: اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں اللہ پر بلحاظ رب راضی ہوا، اور محمدؐ پر بلحاظِ رسول راضی ہوا اور اسلام پر بلحاظ دین راضی ہوا تو اسے بخش دیا جائے گا۔

۵۲۶۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ يَتَشَهَّدُ قَالَ وَاَنَا وَاَنَا۔

(ترجمہ) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مؤذن کو شہادتین پکارتے ہوئے سُنتے تو فرماتے: اور میں، اور میں (یعنی میں بھی توحید کی گواہی دیتا ہوں، میں بھی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی رسالت کی شہادت دینے کے مکلف تھے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے کلمات مؤذن کے ساتھ نہیں دہرائے کیونکہ ایسا کرنا مستحب ہی تھا نہ کہ واجب، یا یہ وجوب سے پہلے کا واقعہ تھا)

۵۲۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَهْضَمٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ غَزِيَّةَ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَسَافٍ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ عَنْ

اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ فَقَالَ اَحَدُكُمُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ فَاِذَا قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِذَا قَالَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِنْ قَلْبِهٖ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

(ترجمہ) حضرت عمر بن الخطاب سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہے سو تم میں سے کوئی اللہ اکبر اللہ اکبر کہے، پھر جب وہ اشہدان لا الٰہ الا اللہ کہے تو وہ بھی اشہدان لا الٰہ الا اللہ کہے پھر جب مؤذن اشہدان محمداً رسول اللہ کہے تو وہ بھی اشہدان محمداً رسول اللہ کہے پھر جب وہ حی علی الصلوٰۃ کہے تو وہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہے پھر جب وہ حی علی الفلاح کہے تو وہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ کہے پھر جب وہ اللہ اکبر اللہ اکبر کہے وہ بھی اللہ اکبر اللہ اکبر کہے پھر جب وہ لا الٰہ الا اللہ کہے تو وہ بھی لا الٰہ الا اللہ کہے اپنے دل (کی گہرائی) سے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(شرح) اس حدیث میں کلمات اذان کو دُہرا اس لئے بیان نہیں کیا گیا کہ جو جواب ایک کلمے کا ہے۔ اور یہاں پہ اذان کا بیان کرنا مدِ نظر نہیں تھا بلکہ جواب کی تلقین اور جزا بتانا منظور تھا۔

۳۷- بَابُ مَا يَقُوْلُ اِذَا سَمِعَ الْاِقَامَةَ

باب اس بارے میں کہ اقامت سُنے تو کیا کہے

۵۲۸- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْعَتَكِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ ثَابِتٍ حَدَّثَنِيْ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الشَّامِ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَوْ عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ بِلَالًا اَخَذَ فِي الْاِقَامَةِ فَلَمَّا اَنْ قَالَ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا۔ وَقَالَ فِيْ سَائِرِ الْاِقَامَةِ كَنَحْوِ حَدِيْثِ عُمَرَ فِي الْاَذَانِ۔

(ترجمہ) ابو امامہؓ یا کسی اور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ بلالؓ اقامت کہنے لگا تو جب اس نے: قد قامت الصلوٰۃ کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اقامہا اللہ و ادامہا (اللہ اسے قائم و دائم رکھے) اور باقی اقامت میں آپؐ نے اذان کے متعلق عمرؓ کی حدیث کی طرح کہا۔

۳۸- بَابُ مَا جَاءَ فِي الدُّعَاءِ عِنْدَ الْأَذَانِ

اذان کے وقت دعاء کا باب

۵۲۹- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ إِلَّا حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(ترجمہ) جابرؓ بن عبداللہ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اذان سُن کر یہ دعاء کرے: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ تو اس کے لئے قیامت کے دن شفاعت حلال ہو گئی۔

(شرح) دعاء کا ترجمہ یہ ہے "اے اللہ اس پوری دعوت اور قائم ہونیوالی نماز کے مالک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت کا مقام وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور ان کو اس قابلِ تعریف مقام پر مبعوث فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا" اذان دعوتِ تامہ ہے کیونکہ اس میں اسلامی عقائد یعنی توحید و رسالت کا برملا اظہار ہے اور نماز کی دعوت ہے جو اللہ کا ذکر ہے اور جامع عبادت ہے۔ نماز ہمیشہ قائم و دائم رہے گی۔ کوئی نئی شریعت و نبوت نہیں آئے گی جو اسے منسوخ کرے اس دعا میں وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيعَةَ کا لفظ کسی حدیث میں نہیں آیا مگر عوام کی زبانوں پر مشہور ہے۔ بیہقی نے: إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ کا اضافہ اپنی روایت میں بیان کیا ہے لیکن بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ کے الفاظ بھی کسی حدیث میں نہیں آئے مگر عوام میں مشہور ہیں۔

۳۹- بَابُ مَا يَقُولُ عِنْدَ أَذَانِ الْمَغْرِبِ

اذانِ مغرب کی دعاء کا باب

۵۳۰- حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ إِهَابٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْوَلِيدِ الْعَدَنِيُّ حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ مَعْنٍ حَدَّثَنَا الْمَسْعُودِيُّ عَنْ أَبِي كَثِيرٍ مَوْلَى أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رض قَالَتْ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَقُولَ عِنْدَ أَذَانِ الْمَغْرِبِ: اَللّٰهُمَّ إِنَّ هٰذَا إِقْبَالُ لَيْلِكَ وَإِدْبَارُ نَهَارِكَ وَأَصْوَاتُ دُعَائِكَ فَاغْفِرْ لِي۔

(ترجمہ) ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اذانِ مغرب کے وقت مانگنے کی یہ دعا سکھائی:
اے اللہ یہ تیری رات کا آنا ہے اور یہ تیرے دن کا جانا ہے اور تیری پکار (دعاء) کی آوازیں ہیں پس مجھے بخش دے۔
(شرح) اس حدیث کے تین راوی متکلم فیہ ہیں۔ ایک تو مؤمل بن اہاب ہے جسے ابن معین نے ضعیف تک کہا ہے اور دوسرے محدثین نے اسے مقبول کہا ہے۔ دوسرا عبداللہ بن معین عدنی ہے جسے یحییٰ بن معین نے غیر معروف اور ضعیف تک کہا ہے۔ ابو کثیر مولائے ام سلمہؓ کو ترمذی نے مجہول کیا ہے۔ حدیث میں: اِنَّ ھٰذَا کا اشارہ وقت یا اذان کی طرف ہے۔ مغرب کا وقت دن اور رات کا سنگم ہے اور چونکہ زمانہ اصل میں یہ ہے کہ مخلوقات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ارادہ متعلق ہوا یعنی کسے پیدا کرنا، کسے مارنا، کسے تندرست اور کسے بیمار کرنا ہے وغیرہ وغیرہ اور بندوں کے احوال کے دمبدم تغیر کا باعثِ اصلی تو یہی ارادۂ خداوندی ہے لہٰذا اس نازک وقت میں جبکہ دو وقت ملتے ہیں، مغفرت کی دعاء مانگنا بہت مناسب ہوا۔

۴۰ بَابُ اَخْذِ الْاَجْرِ عَلَى التَّاْذِيْنِ

اذان دینے پر اجرت لینے کا باب

۵۳۱۔ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ الْجُرَيْرِيُّ عَنْ اَبِي الْعَلَاءِ عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِي الْعَاصِ قَالَ قُلْتُ، وَقَالَ مُوْسٰى فِيْ مَوْضِعٍ اٰخَرَ اِنَّ عُثْمَانَ بْنَ اَبِي الْعَاصِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْعَلْنِيْ اِمَامَ قَوْمِيْ قَالَ اَنْتَ اِمَامُهُمْ وَاقْتَدِ بِاَضْعَفِهِمْ وَاتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا يَاْخُذُ عَلٰى اَذَانِهٖ اَجْرًا۔

(ترجمہ) عثمانؓ بن ابی العاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو میری قوم کا امام مقرر فرما دیجئے ارشاد فرمایا: تو ان کا امام ہے اور نماز ان کے کمزور ترین آدمی کا لحاظ رکھ کر پڑھا اور ایک ایسا مؤذن مقرر کر جو اذان پر اجرت نہ لے۔

(شرح) البدائع والصنائع میں ہے کہ اسی حدیث سے استدلال کر کے ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب نے، اذان، اقامت، امامت پر اجرت لینا ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ یہ عبادات ہیں اور واجب ہیں۔ اذان، اقامت، امامت، تعلیم قرآنی اور تعلیم علم پر اجرت لینا لوگوں کو نماز با جماعت اور تعلیم قرآنی اور علم سے متنفر کر دیتا ہے کیونکہ اجرت کا بوجھ انہیں اس سے روکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ "اے پیغمبر کیا تم ان سے کوئی مزدوری طلب کرتے ہو جس کے باعث وہ اس کے بوجھ تلے دبے جاتے ہیں؟" اس سے معلوم ہوا کہ اجرت لینا ان طاعات و عبادات سے لوگوں کی رغبت کو مٹاتا اور انہیں متنفر کر دیتا ہے لہٰذا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے: وَمَا تَسْئَلُهُمْ مِّنْ اَجْرٍ "اور تم ان سے کوئی اجر طلب نہیں کرتے ہو" یعنی تبلیغ احکام خداوندی کا کام محض للہ کرتے ہو اور اپنا فریضہ جان کر کرتے ہو لہٰذا تم اس میں مخلص ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس بھی یہ فریضہ ادا کرتے تھے اور دوسرے کے ذریعے بھی۔

آپ نے فرمایا: اَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ "اے لوگو! سنو! جو حاضر ہیں وہ غیر حاضروں کو پہنچا دیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ ہر مبلغ معلم ہوتا ہے۔ اور ہر معلم مبلغ، جب اس کے لئے اس تبلیغ پر ادئی اجرت لینا جائز نہیں جو وہ خود کرے تو جن کو وہ آگے اس کام پر مامور کرتا ہے ان کے لئے بھی اجرت لینا جائز نہیں ہوگا کیونکہ یہ بھی دراصل اسی پہلے مبلغ کی تبلیغ ہے۔ علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں ابن حبان کی ایک حدیث درج کی ہے کہ ایک آدمی نے ابن عمرؓ سے کہا میں آپ کو اللہ کی خاطر محبوب جانتا ہوں۔ ابن عمرؓ نے کہا کہ میں تجھے اللہ کی خاطر ناپسند کرتا ہوں۔ وہ بولا سبحان اللہ! میں تو آپ سے خدا کے لئے پیار کروں اور آپ مجھ سے خدا واسطے کا بغض رکھیں! فرمایا ہاں! تو اپنی اذان پر اجر مانگتا ہے۔ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ چار چیزوں پر اجر نہیں لیا جاتا: اذان، قراءۃ قرآن، میراث وغیرہ کی تقسیم کا کام اور قضاء۔ ابن ابی شیبہ نے ضحاک سے روایت کیا کہ مؤذن کا اذان کی اجرت لینا مکروہ (بمعنی حرام) ہے۔ اگر سوال کئے بغیر اسے کچھ دیا جائے تو لینے میں حرج نہیں۔ یہ تو ہوا متقدمین علماء کا قول جہاں تک متاخرین کا سوال ہے سو انہوں نے اسے جائز رکھا ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ ہمارے بعض مشائخ نے اس زمانے میں اجرت پر تعلیم قرآن کو مستحسن کہا ہے۔ وجہ یہ کہ دینی امور میں غفلت اور سستی پیدا ہو گئی ہے، اگر اس سے روکا گیا تو حفظ قرآن کا معاملہ ضائع ہو جائے گا۔ فتویٰ اسی پر ہے۔ علامہ شوکانی نے کہا کہ امام مالکؒ کے نزدیک اس پر اجرت لینے میں حرج نہیں ہے۔ اوزاعی نے کہا کہ اجرت کا تقرر جائز نہیں ہاں! اس کی خدمت کر دی جائے تو درست ہے۔ امام شافعیؒ نے کتاب الام میں فرمایا کہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ مؤذن بلا اجرت کام کریں اور حاکم اگر بلا اجرت دینے والا پائے تو یا اجرت ملازم رکھنا اس کے لئے جائز نہیں ہے۔ ہاں! حاکم اپنی طرف سے اگر بلا اجرت کام کرنے والے کو اپنے مال سے خدمت کرے تو جائز ہے۔ ابن العربی نے کہا کہ صحیح یہی ہے کہ اذان، نماز، قضاء اور سب دینی اعمال پر تنخواہ لینا جائز ہے کیونکہ خلیفہ اپنے ان تمام کاموں کی تنخواہ حاصل کرتا ہے اور اس کے نائب بھی ان میں سے ہر کام پر اجرت پا سکتے ہیں۔ اس مسئلے میں اصل وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنی بیویوں کے نان نفقہ اور اپنے عاملوں کی اجرت کے بعد جو کچھ چھوڑوں وہ صدقہ ہے۔ پس اس حدیث میں عامل کی اجرت جائز رکھی گئی ہے اور ابن العربی نے موذن کو بھی عامل پر قیاس کیا ہے مگر ظاہر ہے کہ یہ قیاس نص سے متصادم ہے کیونکہ اذان کے متعلق تو صریح حدیث میں ممانعت موجود ہے۔ یعمری نے لکھا ہے کہ ابن عمرؓ کا اوپر گزرا فتویٰ صحابہ میں متفق علیہا تھا۔ مگر ابن حبان نے اس کی رخصت میں ایک باب مقرر کیا ہے۔ اس میں وہ حدیث بیان کی ہے کہ ابو محذورہؓ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اذان سکھائی اور اس نے اس تعلیم سے اذان دی اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک تھیلی دی جس میں کچھ چاندی تھی۔ یعمری نے کہا کہ اس میں دو سبب سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ ایک یہ کہ ابو محذورہؓ کا واقعہ عثمانؓ بن ابی العاص ثقفی طائفی کے اسلام سے پہلے کا ہے۔ لہٰذا عثمانؓ کو جو حکم ملا وہ بعد میں تھا اور وہی ناسخ شئی ہوگا۔ دوسرا یہ کہ اس میں تالیف قلب کا احتمال ہے۔ اور احتمال آ جائے تو استدلال جاتا رہتا ہے۔ جائز قرار دینے والوں نے یہ دلیل بھی دی ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے والوں نے اس پر اجرت مقرر کی اور حاصل کی تھی اور حضورؐ نے صراحۃً اسے جائز رکھا تھا مگر یہ دواء اور طب اور تعویذ کی اجرت تھی جسے کوئی بھی ناجائز نہیں کہتا۔ واللہ اعلم۔

۴۱ - بَابُ الْاَذَانِ قَبْلَ دُخُولِ الْوَقْتِ
دخولِ وقت سے پہلے اذان کا باب

۵۳۲ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ وَدَاوُدُ بْنُ شَبِيبٍ الْمَعْنٰى قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ اَنَّ بِلَالًا رضی اللہ عنہ اَذَّنَ قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّرْجِعَ فَيُنَادِيَ اَلَا اِنَّ الْعَبْدَ قَدْ نَامَ - زَادَ مُوسٰى فَرَجَعَ فَنَادٰى: اَلَا اِنَّ الْعَبْدَ قَدْ نَامَ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ وَهٰذَا الْحَدِيْثُ لَمْ يَرْوِهِ عَنْ اَيُّوْبَ اِلَّا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ

(ترجمہ) ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ نے ایک بار طلوع فجر سے قبل ہی اذان دیدی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ وہ واپس جائے اور پکار کر کہے کہ: اَلَا اِنَّ الْعَبْدَ قَدْ نَامَ (بھائیو! بندہ سو گیا تھا!) موسیٰ نے یہ اضافہ کیا کہ بلال رضی اللہ عنہ واپس گیا اور پکار کر کہا: الا ان العبد قد نام۔

(شرح) ابو داؤد نے کہا ہے کہ اس حدیث کی روایت میں حماد بن سلمہ متفرد ہے۔ یعنی یہ حدیث دراصل موقوف ہے مگر حماد نے مرفوع کیا ہے۔ حماد بن سلمہ پر محدثین نے کلام کیا ہے مگر وہ ثقہ تھا عابد تھا اور آخری عمر میں اس کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن حبان رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ جن لوگوں نے حماد بن سلمہ کی حدیث سے اجتناب کیا، انہوں نے انصاف نہیں کیا، حالانکہ انہوں نے اپنی کتاب میں ابو بکر بن عیاش کی حدیث لی ہے۔ اگر حماد کا چھوڑنا اس سبب سے تھا کہ اس کا حفظ آخر میں متغیر ہو گیا تھا تو اس کے ہم عصر اور ہم درجہ لوگ مثلاً ثوری اور شعبہ بھی خطا کرتے تھے۔ اگر کہا جائے کہ وہ کثیر الخطا تھا تو یہی بات ابو بکر بن عیاش میں موجود تھی۔ پھر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا کہ ابن حبان نے بخاری پر تعریض کرتے ہوئے کہا ہے کہ جو شخص فلیح اور عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن دینار کی حدیث سے لیتا ہے اور حماد بن سلمہ کی حدیث ترک کرتا ہے وہ منصف نہیں ہے۔ بیہقی نے کہا کہ وہ مسلمانوں کا ایک امام تھا لیکن بڑی عمر میں اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ بخاری نے اس کی حدیث نہیں لی مگر مسلم نے تغیر کے دور سے پہلے کی احادیث لے لی ہیں۔

اس حدیث میں تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو الا ان العبد قد نام کہنے کا حکم دیا تھا مگر دوسری صحیح حدیث میں ہے کہ: بلال رات کو اذان دیتا ہے یعنی طلوع فجر سے پہلے ہی اذان دیتا ہے۔ خود احادیث میں موجود ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ کی رات والی اذان رمضان میں ہوتی تھی تاکہ سونے والے بیدار ہو جائیں اور تہجد خواں گھر آ کر سحری کھا لیں۔ غیر رمضان میں یہ نہیں ہوتا تھا۔ رمضان میں لوگوں کو جگانے کا یہ انتظام تھا جیسے نوبت، توپ اور سائرن وغیرہ اسی مقصد کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

۵۳۳ - حَدَّثَنَا اَيُّوْبُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ حَرْبٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ اَبِيْ رَوَّادٍ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنْ مُؤَذِّنٍ لِّعُمَرَ رضی اللہ عنہ يُقَالُ لَهٗ مَسْرُوْحٌ اَذَّنَ قَبْلَ الصُّبْحِ فَاَمَرَهٗ

عُمَرَ رضی اللہ عنہ فَذَكَرَ نَحْوَهُ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَقَدْ رَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ أَوْ غَيْرِهِ أَنَّ مُؤَذِّنًا لِعُمَرَ رضی اللہ عنہ يُقَالُ لَهُ مَسْرُوحٌ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ الدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ لِعُمَرَ رضی اللہ عنہ مُؤَذِّنٌ يُقَالُ لَهُ مَسْعُودٌ وَذَكَرَ نَحْوَهُ وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ ذَاكَ۔

(ترجمہ) نافع نے کہا کہ حضرت عمرؓ کے ایک مؤذن مسروح نامی نے صبح سے قبل اذان دی تو حضرت عمرؓ نے اسے حکم دیا الخ ابوداؤدؒ نے مسروح نام کے متعلق دو روایتیں بیان کی ہیں ایک میں تو اس کا یہی نام ہے جو اوپر کی روایت ہے یعنی مسروح۔ دوسری روایت کو ابوداؤدؒ نے صحیح تر قرار دیا ہے اس کے مطابق نام مسعود ہے۔

(شرح) یہ روایت ابوداؤدؒ نے اس لئے بیان کی ہے تاکہ ثابت کیا جائے کہ اوپر والی حدیث دراصل موقوف ہے۔ حماد بن سلمہ نے غلطی سے اسے مرفوع کر دیا ہے مگر اس روایت میں شعیب بن حرب راوی متکلم فیہ ہے اکثر نے اسے ثقہ کہا مگر بخاری نے مجہول کہا ہے لیکن حافظ صاحبؒ نے کہا کہ بظاہر وہ مجہول کوئی اور راوی ہے یہ نہیں ہے۔ دوسرا راوی عبدالعزیز بن رواد بہت غالی مرجی گزرا ہے گو ہے ثقہ۔ مگر ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کی بعض احادیث کی متابعت نہیں ہوئی اور علی بن جنید نے اسے ضعیف بھی کہا ہے۔ دارقطنی نے اسے متوسط قرار دیکر بعض دفعہ وہم کرنے والا بتایا ہے۔

مولانؒا نے الجوہر النقی سے نقل کیا ہے کہ دارقطنی نے اپنی سند سے انسؓ کی حدیث روایت کی جس میں وہی واقعہ لکھا ہے جو اوپر ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث میں گزرا۔ دارقطنی نے اس پر بھی کلام کیا ہے کہ اس کا راوی ابو یوسف رفع میں متفرد ہے اور یہ مرسل روایت ہے مگر ابو یوسف کو بیہقی نے باب المستحاضۃ تغتسل عنہا اثر الدم میں اور ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے پس یہ ثقہ کا اضافہ ہوا جو از روئے اصولِ حدیث مقبول ہے۔ اس کی تائید حضرت حفصہؓ ام المومنینؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ اذانِ فجر کے بعد حضورؐ دو رکعت پڑھتے اور مسجد تشریف لے جاتے اور روزہ داروں کے لئے کھانا پینا حرام کر دیتے اور مؤذن صبح سے پہلے اذان نہیں دیتا تھا۔ اوزاعی کی سند سے ام المومنین عائشہؓ سے روایت آئی ہے کہ حضورؐ نماز فجر کی اذان کے بعد اٹھ کر دو ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے عائشہؓ ام المومنین کی حدیث بیان کی ہے کہ فجر کے طلوع سے قبل اذان نہیں ہوتی تھی۔ رہی بلالؓ کے طلوعِ فجر سے قبل اذان دینے کی حدیث سو ابن القطان نے صراحۃً کہا ہے کہ وہ رمضان میں ہوتی تھی تاکہ لوگ بیدار ہو جائیں اور کھانا کھا لیں۔ امام طحاویؒ نے ایک جید سند سے انسؓ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا بلالؓ کی اذان سے غلطی میں نہ پڑنا کیونکہ اس کی نظر کمزور ہے۔ سو اس حدیث کی بنا پر یہ احتمال بھی ہے کہ بعض دفعہ بلالؓ سے بباعثِ ضعفِ بصر غلطی ہو جاتی ہو اور پھر دوسرے مؤذن سے اذان دلوائی جاتی ہو۔

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ قبل از دخولِ وقت نماز کی اذان جائز نہیں۔ صرف نماز فجر کے لئے بعض نے اسے تجویز کیا ہے اور ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن کا ذکر اوپر گزرا۔ بدائع میں ہے کہ حنفیہ

نماز فجر کے لئے بھی دخولِ وقت سے پہلے اذان جائز نہیں رکھتے۔ صرف امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر نمازِ فجر کی اذان رات کے آخری نصف حصے میں ہو جائے تو حرج نہیں اور یہی شافعیؒ کا قول ہے۔ حنفیہ نے شداد مولیٰ عیاض ابن عامر کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ حضورؐ نے ہاتھ پھیلا کر بلالؓ کو دکھایا کہ جب تک فجر اس طرح نہ پھیل چکے اذان مت دو۔ مؤذن امانت دار ہے اگر وہ دخول وقت سے قبل اذان دے تو یہ امانت و دیانت کے خلاف ہوا کہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہوں گے۔ اور نماز کی مشروعیت تو ہے ہی اس لئے کہ نماز کا وقت ہو جانے کی اطلاع دے جائے۔ بلالؓ کی اذان کی توجیہ خود حضورؐ نے ابن مسعودؓ کی حدیث میں فرمائی ہے کہ وہ اذان طلوعِ فجر سے قبل لوگوں کو سحری کھانے کے لئے جگانے اور تہجد پڑھنے والوں کو گھر جا کر کھانا کھانے کی اطلاع کے لئے دیتا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد ابنِ ام مکتوم فجر کی اذان وقت داخل ہونے پر دیتے تھے۔

۵۳۴۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ بُرْقَانَ عَنْ شَدَّادٍ مَوْلَى عِيَاضِ بْنِ عَامِرٍ عَنْ بِلَالٍؓ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُؤَذِّنْ حَتَّى يَسْتَبِينَ لَكَ الْفَجْرُ هَكَذَا وَمَدَّ يَدَيْهِ عَرْضًا۔

(ترجمہ) بلالؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا کہ جب تک فجر یوں واضح نہ ہو جائے اذان مت دے اور آپؐ نے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر دکھایا۔

(شرح) ابو داؤد کے ایک نسخے میں اس حدیث کے بعد یہ عبارت ہے کہ: قَالَ أَبُو دَاوُدَ شَدَّادٌ لَمْ يُدْرِكْ بِلَالًا۔ "ابو داؤد نے کہا کہ شداد نے بلالؓ کا زمانہ نہیں پایا۔" اوپر کی حدیث کی شرح میں جو احادیث ام المومنین عائشہؓ، حفصہؓ اور انسؓ سے گزریں ان کی بناء پر اس حدیث کا انقطاع مضر نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، مالکؒ اور احمد بن حنبل (ایک قول میں) کے نزدیک منقطع روایت مقبول ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے تخریج میں کہا ہے کہ جمہور محدثین کے نزدیک ایسی روایت میں توقف کرنا چاہئے کیونکہ احتمال ہر دو طرف کا باقی ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ کی حدیث کہ عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ حضورؐ کے دور میں اذانِ فجر بعد از طلوعِ فجر ہی ہوتی تھی۔ ابراہیم نخعی نے کہا کہ جب بلالؓ پہلے اذان دے دیتا تو لوگ آکر کہتے، خدا سے ڈر اور اپنی اذان لوٹا۔

۴۲۔ بَابُ الْأَذَانِ لِلْأَعْمَى

نابینا کی اذان کا باب

۵۳۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ وَسَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ

اَبِیْهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّ ابْنَ اُمِّ مَكْتُوْمٍ كَانَ مُؤَذِّنًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَهُوَ اَعْمٰى۔

(ترجمہ) عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ابن ام مکتوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مؤذن تھا حالانکہ وہ نابینا تھا (نابینا کی اذان بالاتفاق جائز ہے مگر اس سے بہتر اگر مؤذن بصیر ہو تو افضل ہے)

۴۳۔ بَابُ الْخُرُوْجِ مِنَ الْمَسْجِدِ بَعْدَ الْاَذَانِ

اذان کے بعد مسجد سے باہر چلے جانے کا باب

۵۳۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ الْمُهَاجِرِ عَنْ اَبِي الشَّعْثَاءِ قَالَ كُنَّا مَعَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ فِي الْمَسْجِدِ قَالَ فَخَرَجَ رَجُلٌ حِيْنَ اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ لِلْعَصْرِ فَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ اَمَّا هٰذَا فَقَدْ عَصٰى اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(ترجمہ) ابوالشعثاء نے کہا کہ ہم لوگ ابوہریرہ رض کے ساتھ مسجد میں تھے۔ اس نے کہا کہ جب مؤذن نے عصر کی اذان دی تو ایک آدمی باہر چلا گیا پس ابوہریرہ رض نے کہا کہ اس شخص نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔

(شرح) ابوالشعثاء بالاجماع ثقہ ہے مگر ابن حزم نے کہا کہ سُلیم بن اسود مجہول ہے۔ شاید اسے معلوم نہ تھا کہ یہ نام ابوالشعثاء کا ہے۔ یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ اس خروج سے مراد یہ نہیں کہ آدمی مثلاً طہارت اور وضوء یا دوسری فطری ضرورت سے باہر نکلے تو بھی اس دعید کا مورد ہوگا۔ امام احمدؒ نے اس حدیث کے آخر میں اتنا اضافہ روایت کیا ہے کہ پھر ابوہریرہؓ نے کہا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ جب تم مسجد میں ہو اور نماز کی اذان ہو جائے تو نماز پڑھے بغیر مسجد سے نہ جاؤ۔ امام مرغینانی رحؒ نے ہدایہ میں کہا کہ ایسی حالت میں نماز پڑھے بغیر مسجد سے باہر جانا مکروہ ہے۔ ابن ہمام نے کہا کہ اس میں شرط یہ ہے کہ وہ شخص نماز نہ پڑھ چکا ہو یا کسی اور جماعت کا امام اور منتظم نہ ہو۔ اگر ایسا ہو تو وہ باہر جا سکتا ہے بشرطیکہ جہاں اسے نماز پڑھانی ہے وہاں جماعت نہ ہو چکی ہو۔ گو اس صورت میں بھی افضل یہی ہے کہ یہیں نماز پڑھے اور باہر نہ جائے۔ امام ترمذی نے کہا کہ ابراہیم نخعی رحؒ سے روایت ہے کہ جب تک مؤذن اقامت شروع نہ کرے ایسا شخص جا سکتا ہے اور یہ شاید اس صورت میں ہے کہ اسے کوئی باہر ضرورت ہو۔ اور اس کی دلیل وہ روایت ہے جو ابوداؤد نے مراسیل میں بیان کی ہے کہ سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذان کے بعد منافق کے سوا مسجد سے کوئی نہیں جاتا ہاں وہ شخص جو کسی ضروری حاجت کے لئے جائے اور رفع حاجت کے بعد واپسی کا ارادہ رکھے۔ اور اسی طرح اگر وہ پہلے نماز پڑھ چکا ہو تو ظہر اور عشاء میں تو اس لئے جا سکتا ہے کہ وہ اللہ کی طرف بلانے والے کی پکار کا جواب دے چکا ہے۔ ہاں اگر مؤذن اقامت شروع کر دے تو جماعت کی مخالفت کی

تہمت کے خدشے کے باعث باہر نہ جائے۔ بلکہ نفل کی نیت سے جماعت میں شامل ہو جائے۔ فجر، مغرب اور عصر کی نمازوں میں مذکورۂ بالا صورت میں وہ باہر چلا جائے کیونکہ ان نمازوں کے بعد نفل نہیں پڑھ سکتا اور مغرب کے بعد گو نفل جائز ہیں مگر جماعت کی صورت میں اس کی تین رکعت ہوں گی اور نفل یا دو ہیں یا چار۔ اسی مضمون کی ایک حدیث دارقطنی نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو اپنے اونٹوں میں (یعنی باہر صحرا وغیرہ میں جہاں جانور چرتے ہیں) نماز پڑھ چکا ہے تو اگر دوبارہ جماعت مل جاتی ہے تو فجر اور مغرب کے علاوہ پڑھ لے۔ اور عصر بھی انہی کے حکم میں ہے کیونکہ فجر کی طرح اس کے بعد بھی نفل مکروہ ہیں۔

ابوہریرہ رضؓ کا یہ قول کہ اس شخص نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی ہے اسے بعض نے موقوف کہا ہے مگر حافظ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ یہ مسند و مرفوع ہے۔ سب علماء اسے مسند و مرفوع جانتے ہیں حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبۃ الفکر میں لکھا ہے کہ صحابی اگر کہے، یوں کرنا سنت ہے تو اکثر کے نزدیک یہ مرفوع ہے۔ اس میں صرف امام شافعیؒ، ابوبکر صیرفی شافعیؒ اور ابوبکر جصاص رازی حنفی کا اختلاف ہے۔ اور صحابی کا یہ قول کہ فلاں امر اللہ و رسولؐ کی اطاعت ہے اور فلاں امر ان کی مخالفت ہے بھی مرفوع کے حکم میں ہے۔ جیسے کہ عمار رضی اللہ عنہ کا یہ قول: جس نے شک کے دن کا روزہ رکھا تو اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔

۴۴۔ بَابُ الْمُؤَذِّنِ يَنْتَظِرُ الْإِمَامَ

مؤذن کے امام کا انتظار کرنے کا باب

۵۳۷۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ بِلَالٌ يُؤَذِّنُ ثُمَّ يُمْهِلُ فَإِذَا رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ خَرَجَ أَقَامَ الصَّلٰوةَ۔

(ترجمہ) جابر بن سمرہؓ نے کہا کہ بلالؓ اذان دیا کرتا پھر کچھ مہلت دیتا اور جب دیکھتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے آئے ہیں تو نماز کی اقامت کہتا (اس حدیث کے راوی شبابہ بن سوار میں مرجیٔ ہونے کے باعث کلام کیا گیا ہے)

۴۵۔ بَابٌ فِي التَّثْوِيبِ

تثویب کے بیان میں باب

۵۳۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا أَبُو يَحْيَى الْقَتَّاتُ

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ رض فَثَوَّبَ رَجُلٌ فِي الظُّهْرِ أَوِ الْعَصْرِ قَالَ اخْرُجْ بِنَا فَإِنَّ هٰذِهِ بِدْعَةٌ۔

(ترجمہ) مجاہد نے کہا کہ میں ابن عمرؓ کے ساتھ تھا تو ایک آدمی نے ظہر یا عصر کی نماز میں تثویب کی تو آپ نے کہا کہ ہمیں یہاں سے لے چلو کیونکہ یہ تو بدعت ہے۔

(شرح) تثویب کا لفظ دراصل ثوب سے نکلا ہے، جس کا معنی اعلام و اعلان کے لئے کپڑا لہرانا۔ پھر ہر اعلان و تنبیہ پر یہ لفظ بولا جانے لگا۔ ایک تثویب تو شرعاً ثابت اور جائز ہے اور وہ اقامت کہنا اور فجر کی اذان میں اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کی تنبیہ کرنا ہے۔ ابن عمرؓ نے جس تثویب کو بدعت کہا ہے وہ شاید یہ تھی کہ کسی نے ظہر یا عصر کی اذان میں بھی یہ کلمہ کہ دیا تھا، ظاہر ہے کہ یہ غیر ثابت اور غیر مشروع تھا۔ یا شاید اقامت سے پہلے الصلوٰۃ، الصلوٰۃ کی پکار تھی، یا کوئی ایسی ہی پکار، یا علامت تھی جس سے اقامت صلوٰۃ کی خبر دینا مراد تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔
اس حدیث کے راوی ابویحییٰ قتات کو ضعیف کہا گیا ہے۔

۴۶۔ بَابُ الصَّلٰوةِ تُقَامُ وَلَمْ يَأْتِ الْإِمَامُ يَنْتَظِرُوْنَهٗ قُعُوْدًا

باب اس بیان میں کہ نماز کھڑی کر دی جائے اور امام نہ آیا ہو تو اس کے انتظار میں بیٹھنا

۵۳۹۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسَى بْنُ إِسْمَاعِيْلَ قَالَا حَدَّثَنَا أَبَانُ عَنْ يَحْيٰى عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِيْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْنِيْ۔ قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ وَهٰكَذَا رَوَاهُ أَيُّوْبُ وَحَجَّاجُ الصَّوَّافُ عَنْ يَحْيٰى وَهِشَامٌ الدَّسْتَوَائِيُّ قَالَ كَتَبَ إِلَيَّ يَحْيٰى۔ وَرَوَاهُ مُعَاوِيَةُ بْنُ سَلَّامٍ وَعَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيٰى وَقَالَا فِيْهِ حَتّٰى تَرَوْنِيْ وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ۔

(ترجمہ) ابوقتادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: جب نماز کی اقامت ہو جائے تو جب تک مجھے نہ دیکھ لو مت اٹھو۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب تک تم مجھے نہ دیکھ لو اور تم پر سکون اور وقار لازم ہے۔

(شرح) بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی اقامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے نکلنے سے پہلے ہو جاتی تھی۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ بقول قرطبی یہ حدیث جابرؓ بن سمرہ کے خلاف ہے جو مسلم میں ہے کہ بلالؓ اس وقت تک اقامت نہیں کہتے تھے جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف نہ لے آتے تھے۔ دونوں کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ بلالؓ انتظار کرتے، جونہی حضورؐ کو باہر آتے دیکھتے اور ابھی زیادہ تر

لوگ آپ کو نہیں دیکھ پاتے تھے، تکبیر کہنا شروع کر دیتے تھے۔ پھر جب وہ آپ کو دیکھتے تو کھڑے ہو جاتے تھے۔ آپ کے اپنی جگہ پر آنے تک صفیں درست ہو جاتی تھیں۔ اس کی تائید عبدالرزاق کی روایت سے ہوتی ہے کہ مؤذن کی تکبیر شروع کرتے ہی لوگ کھڑے ہو جاتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقام پر اس وقت تک نہ پہنچتے تھے جب تک کہ صفیں سیدھی نہ ہو جاتیں۔ کبھی کبھی بیان جواز کے لئے یا کسی ضرورت کے سبب سے اس کے خلاف بھی ہو جاتا تھا۔ پس جب امام مسجد میں نہ ہو تو جب تک اسے آتا نہ دیکھ لیں لوگ کھڑے نہ ہوں۔ اگر وہ مسجد میں موجود ہو تو اس میں اختلاف ہے کہ لوگوں کا قیام کب ضروری ہے اکثر نے کہا کہ اقامت شروع ہوتے ہی کھڑے ہونا مستحب ہے اور سلف سے اس بارے میں مختلف اقوال و افعال مروی ہیں۔ جب لوگ صف میں بیٹھے ہوں تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ حی علی الصلوٰۃ پر اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔

۵۴۰۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا عِيسَى عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ يَحْيَى بِإِسْنَادِهِ مِثْلَهُ قَالَ حَتَّى تَرَوْنِي قَدْ خَرَجْتُ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ لَمْ يَذْكُرْ قَدْ خَرَجْتُ إِلَّا مَعْمَرٌ وَرَوَاهُ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مَعْمَرٍ لَمْ يَقُلْ فِيهِ قَدْ خَرَجْتُ۔

(ترجمہ) یہ روایت بھی اسی پچھلی حدیث کی ہے جس میں معمر نے ؛حتّٰی ترونی کے ساتھ قد خرجت کا اضافہ بھی کیا ہے اور معمر کی بعض روایتوں میں بھی یہ اضافہ نہیں ہے۔

۵۴۱۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ قَالَ قَالَ أَبُو عَمْرٍو ح وَحَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ رُشَيْدٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ وَهَذَا لَفْظُهُ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ تُقَامُ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَأْخُذُ النَّاسُ مَقَامَهُمْ قَبْلَ أَنْ يَأْخُذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(ترجمہ) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نماز کی اقامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کی جاتی تھی تو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اپنی جگہوں پر (صفوں میں) کھڑے ہو جاتے تھے۔

۵۴۲۔ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ سَأَلْتُ ثَابِتًا الْبُنَانِيَّ عَنِ الرَّجُلِ يَتَكَلَّمُ بَعْدَ مَا تُقَامُ الصَّلٰوةُ فَحَدَّثَنِي عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ أُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ فَعَرَضَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ

فَحَبَسَهُ بَعْدَ مَا أُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ۔

(ترجمہ) انسؓ بن مالک نے کہا کہ نماز کی اقامت ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص ملا اس نے نماز کی اقامت ہو چکنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روکے رکھا۔

(شرح) اس سے یہ ثابت ہوا کہ ضرورت کے موقع پر اقامت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان وقفہ جائز ہے۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ نے جس آدمی کے ساتھ اقامت ہونے کے بعد بات کی تھی وہ لازماً دینی امور کے بارے میں تھی۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ اس حدیث سے بعض حنفیہ کے اس قول کا رد ہوتا ہے جو اقامت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان فصل کو جائز نہیں سمجھتے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ کتب فقہ سے یہ ثابت ہے کہ یہ سب حنفیہ کا قول نہیں ہے بلکہ بعض کا ہے۔ اس حدیث سے اول وقت سے نماز کی تاخیر کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے۔

۵۴۳۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ سُوَيْدِ بْنِ مَنْجُوفٍ السَّدُوسِيُّ حَدَّثَنَا عَوْنُ ابْنُ كَهْمَسٍ عَنْ أَبِيهِ كَهْمَسٍ قَالَ قُمْنَا إِلَى الصَّلٰوةِ بِمِنًى وَالْإِمَامُ لَمْ يَخْرُجْ فَقَعَدَ بَعْضُنَا فَقَالَ لِي شَيْخٌ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ مَا يُقْعِدُكَ؟ قُلْتُ ابْنُ بُرَيْدَةَ قَالَ هٰذَا السُّمُودُ۔ فَقَالَ لِي الشَّيْخُ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْسَجَةَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كُنَّا نَقُومُ فِي الصُّفُوفِ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَوِيلًا قَبْلَ أَنْ يُكَبِّرَ۔ قَالَ وَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَمَلٰٓئِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الَّذِينَ يَلُونَ الصُّفُوفَ الْأُوَلَ وَمَا مِنْ خُطْوَةٍ أَحَبَّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ خُطْوَةٍ يَمْشِي بِهَا يَصِلُ بِهَا صَفًّا۔

(ترجمہ) کہمس نے کہا کہ ہم منیٰ میں نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور امام باہر نہ نکلا پس کچھ لوگ بیٹھ گئے۔ پس اہل کوفہ میں سے ایک بوڑھے نے مجھ سے کہا تمہیں کسی نے بٹھایا ہے۔ میں نے کہا کہ ابن بریدہ نے کہ یہ سمود ہے (اکڑ کر کھڑے ہونا) پس اس بوڑھے نے مجھ سے کہا کہ مجھ سے عبدالرحمٰن بن عوسجہ نے براء بن عازب کے حوالے سے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپؐ کے تکبیر کہنے سے پہلے کافی دیر صفوں میں کھڑے رہتے تھے۔ ابن عوسجہ نے کہا کہ براء بن عازبؓ نے کہا کہ اللہ عزوجل اور اس کے فرشتے ان لوگوں پر رحمت بھیجتے ہیں جو پہلی صفوں کو پُر کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو کوئی قدم اس قدم سے زیادہ پسند نہیں ہے جو آدمی چل کر صف کا خلاء پُر کرتا ہے۔

(شرح) اس حدیث کے راوی عون بن کہمس اور اس کے باپ کہمس ابن الحسن پر کچھ تنقید ہوئی ہے مگر زیادہ لوگوں نے ان کی توثیق کی ہے۔ ایک راوی ایک اہل کوفہ سے بوڑھا ہے جو مجہول ہے۔ ابن بریدہؓ نے امام کے انتظار میں یوں کھڑا رہنے کو سمود کہا۔ اس قسم کی ایک روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی ہے کہ وہ گھر سے نکلے تو لوگوں کو انتظارِ صلوٰۃ میں کھڑے پایا اور فرمایا: کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں سامد پاتا ہوں۔ یہ لفظ قرآن میں وارد ہے اور اس کا معنی ہے "سینہ تان کر کھڑا ہونے والے" متحیر کھڑا ہونے والے کو بھی سامد کہتے ہیں۔ ابراہیم نخعیؒ سے بھی اسی قسم کے قیام کی کراہت بزرگانِ سلف سے منقول ہے۔ اس حدیث کی سند پختہ نہیں ہے اس میں ایک مجہول راوی ہے۔ احیاناً کسی ضرورت شرعیہ سے ایسا ہوا ہو تو لائق قبول ہے ورنہ پیچھے گزر چکا کہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ جب تک مجھے آتا نہ دیکھو مت اٹھو۔

۵۴۴ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ أُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَجِيٌّ فِي جَانِبِ الْمَسْجِدِ فَمَا قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ حَتّٰى نَامَ الْقَوْمُ۔

(ترجمہ) انسؓ نے کہا کہ نماز کی اقامت ہوگئی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مسجد کے ایک کونے میں ایک شخص سے سرگوشی کر رہے تھے۔ پس آپؐ اس وقت تک نماز کے لئے نہ اٹھے جب تک کہ لوگ سو نہ گئے (یہ کسی دینی مصلحت اور خاص ضرورت کی بنا پر ہوا تھا۔ اقامت کے دہرائے جانے کا کوئی ذکر نہیں آیا بظاہر اسی پہلی اقامت کو کافی سمجھا گیا)

۵۴۵ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ إِسْحَاقَ الْجَوْهَرِيُّ أَخْبَرَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمٍ أَبِي النَّضْرِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ تُقَامُ الصَّلٰوةُ فِي الْمَسْجِدِ إِذَا رَآهُمْ قَلِيلًا جَلَسَ لَمْ يُصَلِّ وَإِذَا رَآهُمْ جَمَاعَةً صَلّٰى۔

(ترجمہ) سالم ابو النضر نے کہا کہ جب مسجد نبویؐ میں اقامت ہوتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر لوگوں کو کم تعداد میں دیکھتے تو بیٹھ جاتے نماز نہ پڑھاتے اور جب کثیر تعداد میں دیکھتے تو نماز پڑھاتے (ظاہر ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ سالم اتباع تابعین میں سے ہے)

۵۴۶ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ إِسْحٰقَ أَخْبَرَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ

مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ نَّافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ أَبِي مَسْعُوْدٍ الزُّرَقِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِثْلَ ذٰلِكَ۔

(ترجمہ و شرح) علی بن ابی طالب سے بھی اسی طرح کی روایت ہے۔ ابو مسعود زرقی کو مجہول کہا گیا ہے اور بعض کے نزدیک وہ مسعود بن الحکم ہے۔ بہرحال یہ حدیث اس سند سے صحیح نہیں ہے۔

۴۷۔ بَابٌ فِي التَّشْدِيدِ فِي تَرْكِ الْجَمَاعَةِ

ترکِ جماعت میں تشدید کا باب

۵۴۷۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ حَدَّثَنَا السَّائِبُ بْنُ حُبَيْشٍ عَنْ مَّعْدَانَ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ الْيَعْمَرِيِّ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِي قَرْيَةٍ وَّلَا بَدْوٍ لَّا تُقَامُ فِيْهِمُ الصَّلٰوةُ إِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ۔ قَالَ السَّائِبُ يَعْنِي بِالْجَمَاعَةِ الصَّلٰوةَ فِي جَمَاعَةٍ۔

(ترجمہ) ابو الدرداء نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فرماتے تھے: تین آدمی اگر کسی آبادی یا صحراء میں ہوں اور ان میں نماز قائم نہ کی جائے تو ان پر شیطان غالب آچکا ہے۔ پس تجھ پر جماعت لازم ہے کیونکہ بھیڑیا اس بکری کو کھاتا ہے جو ریوڑ سے دور ہو۔ سائب راوی نے کہا کہ جماعت سے مراد نماز باجماعت ہے (حدیث میں چونکہ اقامتِ صلوٰۃ کا ذکر ہے اور اس سے مراد نماز باجماعت ہے لہٰذا سائب نے یہ شرح بیان کی جو صحیح ہے۔ پھر اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سفر کی حالت میں بھی چاہے آبادی ہو یا جنگل اور صحراء، اقامتِ جماعت ضروری ہے)۔

۵۴۸۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِالصَّلٰوةِ ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيُصَلِّيَ بِالنَّاسِ ثُمَّ أَنْطَلِقَ مَعِيَ بِرِجَالٍ مَعَهُمْ حُزَمٌ مِّنْ حَطَبٍ إِلٰى قَوْمٍ لَّا يَشْهَدُوْنَ الصَّلٰوةَ فَأُحَرِّقَ

عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ بِالنَّارِ۔

(ترجمہ) ابو ہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے ارادہ کیا ہے کہ نماز کی اقامت کا حکم دوں پھر کسی آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھر میں کچھ آدمیوں کو لے کر جن کے پاس ایندھن کے گٹھے ہوں، ان کی طرف جاؤں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے پس ان کے گھروں کو آگ سے جلا دوں۔

(شرح) یہ وعید ترک صلوٰۃ پر نہیں بلکہ ترک جماعت پر ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس میں یہ دلیل ہے کہ اسلام کی ابتداء میں سزا یہ ہوتی تھی کہ مال کو جلا دیا جائے۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مال جلانا جائز نہیں ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ حضورؐ کا یہ ارشاد صرف بطور تہدید تھا تاکہ ان لوگوں کے فعل کی تغلیظ و تشدید واضح ہو سکے۔ اس قسم کے اقوال قانون و شرع نہیں ہوتے۔ مثلاً ارشاد الٰہی ہے کہ: وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا۔ "اور جو عمداً کسی مومن کو قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔" حالانکہ کفر و شرک کے سوا کسی مجرم کی سزا بھی یہ نہیں ہے اور قاتل مومن سخت گنہ گار سہی مگر کافر و مشرک تو نہیں ہے۔ یہی سبب ہے کہ حضورؐ نے صرف ارادہ ظاہر کیا مگر وہ ظہور میں نہیں آیا۔ اور فرض کیا کہ حضورؐ تشریف لے جاتے تو چونکہ یہ ایک مصلحت شرعی تھی جس سے غرض تکمیل جماعت تھی لہٰذا آپ کی غیر حاضری غیر حاضری شمار نہ کی جا سکتی تھی۔

۵۴۹- حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو الْمَلِيحِ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ الْأَصَمِّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ فِتْيَتِي فَيَجْمَعُوا لِي حُزَمًا مِنْ حَطَبٍ ثُمَّ آتِيَ قَوْمًا يُصَلُّونَ فِي بُيُوتِهِمْ لَيْسَتْ بِهِمْ عِلَّةٌ فَأُحَرِّقَهَا عَلَيْهِمْ۔ قُلْتُ لِيَزِيدَ بْنِ الْأَصَمِّ يَا أَبَا عَوْفٍ الْجُمُعَةَ عَنَى أَوْ غَيْرَهَا قَالَ صُمَّتَا أُذُنَايَ إِنْ لَمْ أَكُنْ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَأْثُرُهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا ذَكَرَ جُمُعَةً وَلَا غَيْرَهَا

(ترجمہ) یزید بن اصم نے ابو ہریرہؓ کو یہ کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے ارادہ کیا ہے کہ اپنے جوانوں کو حکم دوں تو وہ میرے لئے ایندھن کے گٹھے جمع کریں پھر میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو اپنے گھروں میں نماز پڑھتے ہیں حالانکہ انہیں کوئی عذر و مرض نہیں ہے پھر ان کے گھروں کو ان کے سمیت جلا دوں۔ یزید بن یزید کہتا ہے کہ میں نے یزید بن اصم سے کہا: اے ابو عوف! حضورؐ نے

جمعہ مراد لیا تھا یا کوئی اور نماز؟ تو اس نے کہا کہ میرے کان بہرے ہو جائیں اگر میں نے ابوہریرہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے نہ سنا ہو، اس میں حضورؐ نے جمعہ وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں فرمایا۔

(شرح) منافقین کے متعلق تو بظاہر کہا جا سکتا ہے کہ وہ جب مسجد میں نہ آتے تھے تو سرے سے نماز ہی نہ پڑھتے ہوں گے، لیکن یہاں پر مراد وہ سب لوگ ہیں جو جماعت میں نہ آتے تھے، مومن ہوں یا منافق۔ ہاں! جب سستی کی وجہ سے ایمانداروں کے لئے یہ تہدید ہے تو منافق اس میں بدرجۂ اولیٰ داخل ہیں۔ اور یزید بن اصم کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جب جمعہ یا غیر جمعہ کی تفصیل و امتیاز صاحب شرع سے وارد نہیں تو سب نمازیں ہی مراد ہیں اپنے لئے بددعا کی اس کی غرض یہ ہے کہ وہ تاکید کرنا چاہتا تھا کہ اس سے مراد ہر نماز ہے۔

۵۵۰ - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبَّادٍ الْأَزْدِيُّ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْمَسْعُودِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ حَافِظُوا عَلَى هَؤُلَاءِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ حَيْثُ يُنَادَى بِهِنَّ فَإِنَّهُنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى وَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ شَرَعَ لِنَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُنَنَ الْهُدَى وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُنَافِقٌ بَيِّنُ النِّفَاقِ وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيُهَادَى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتَّى يُقَامَ فِي الصَّفِّ وَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَلَهُ مَسْجِدٌ فِي بَيْتِهِ وَلَوْ صَلَّيْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ وَتَرَكْتُمْ مَسَاجِدَكُمْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَكَفَرْتُمْ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ ان پانچ نمازوں کی پابندی کرو جہاں بھی ان کے لئے بلایا جائے، کیونکہ یہ ہدایت کے راستوں میں سے ہیں۔ اور اللہ عزوجل نے اپنے نبی کے لئے ہدایت کے طریقے فرض ٹھہرائے ہیں۔ اور میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ نمازوں سے وہی لوگ پیچھے رہتے تھے جو منافق ہوتے تھے اور ان کا نفاق واضح ہوتا تھا۔ اور میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ آدمی کو دو شخصوں کے درمیان تھام کر لایا جاتا تا حتّٰی کہ اسے صف میں کھڑا کیا جاتا تھا۔ اور تم میں سے ہر ایک کی اپنے گھر میں ایک مسجد ہے اور اگر تم گھروں میں نماز پڑھنے لگ جاؤ اور اپنی مسجدوں کو ترک کر دو تو تم اپنے نبی کا طریقہ ترک کر دو گے۔ اور اگر تم اپنے نبی کا طریقہ چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے (کفر کا کام کرو گے)

۵۵۱ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ أَبِي جَنَابٍ عَنْ مَغْرَاءَ الْعَبْدِيِّ عَنْ ابْنِ ثَابِتٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِيَ فَلَمْ يَمْنَعْهُ مِنِ اتِّبَاعِهِ عُذْرٌ، قَالُوا وَمَا الْعُذْرُ؟ قَالَ خَوْفٌ أَوْ مَرَضٌ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلٰوةُ الَّتِي صَلّٰى۔

(ترجمہ) ابن عباسؓ نے کہا کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے پکارنے والے (موذن) کو سنا اور اس کی پکار کو قبول کرنے سے کسی عذر نے اسے نہ روکا، لوگوں نے پوچھا کہ عذر کیا ہے؟ فرمایا خوف یا بیماری، تو جو نماز اس نے پڑھی اسے قبول نہ کیا جائے گا۔

(شرح) اس حدیث کے راوی ابوجناب کو، ابن سعد، بخاری، ابوحاتم اور یحییٰ قطان نے ضعیف کہا ہے۔ احمد ابن معینؒ، ابوداؤدؒ، ابونعیم اور عمرو بن علی نے اسے متروک الحدیث ٹھہرایا ہے۔ خوف سے مراد جان یا آبرو یا مال کا خوف ہے۔ اور عذر میں بارش، شدید سردی، کھانا آجانا اور حاجت فطری داخل ہیں۔ جماعت ہر عاقل بالغ آزاد مرد پر واجب ہے جو اس پر بلا مشقت قادر ہو۔ عورتیں، بچے، مجنون، لولے لنگڑے لنجے، اتنے بوڑھے جو چل نہ سکیں اور بیمار اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اندھے پر اس وقت واجب ہے جب اس کا قائد موجود ہو۔ نماز کی عدم قبولیت کا معنی یہ ہے کہ اس کا ثواب نہ ہوگا ورنہ فرض سر سے ضرور اتر جائے گا جیسے کہ مغصوب جگہ میں نماز پڑھنا۔

۵۵۲۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ بَهْدَلَةَ عَنْ أَبِي رَزِينٍ عَنِ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي رَجُلٌ ضَرِيرُ الْبَصَرِ شَاسِعُ الدَّارِ وَلِي قَائِدٌ لَا يُلَاوِمُنِي فَهَلْ لِي رُخْصَةٌ أَنْ أُصَلِّيَ فِي بَيْتِي قَالَ هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ قَالَ نَعَمْ قَالَ لَا أَجِدُ لَكَ رُخْصَةً۔

(ترجمہ) ابن ام مکتومؓ سے روایت ہے کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک نابینا شخص ہوں، میرا گھر دور ہے اور میرا ایک رہنما ہے جو مجھ سے موافقت نہیں کرتا، تو کیا میرے لئے رخصت ہے کہ اپنے گھر میں نماز پڑھ لیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا کیا تو اذان سنتا ہے؟ اس نے کہا ہاں فرمایا میں تیرے لئے رخصت نہیں پاتا ہوں۔

(شرح) بظاہر یہ حدیث قرآن کی اس آیت کے خلاف ہے۔ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ (اندھے پر کوئی حرج نہیں) اور مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (تمہارے اوپر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی) اور معذور کے لئے اجماعاً مسجد کی حاضری واجب نہیں تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نابینا صحابی کو رخصت کیوں نہ دی حالانکہ اس کا عذر بھی واضح تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو یہ واقعہ عام نہیں صرف ابن ام مکتومؓ کے ساتھ کسی سبب سے خاص ہے۔ یا یہ حکم ابتداء میں تھا پھر معذوروں کے لئے اجازت ہو گئی تھی۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ گو تیرے لئے حاضر نہ ہونے کی رخصت تو ہے مگر جماعت کی فضیلت سے محروم رہ جانے کی رخصت نہیں ہے۔ گویا یہ مزید فضیلت کے لئے فرمایا تھا۔

۵۵۳ - حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَبِي الزَّرْقَاءِ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَابِسٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنِ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَدِينَةَ كَثِيرَةُ الْهَوَامِّ وَالسِّبَاعِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْمَعُ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ فَحَيَّ هَلًا قَالَ أَبُو دَاوُدَ كَذَا رَوَاهُ الْقَاسِمُ الْجَرْمِيُّ عَنْ سُفْيَانَ -

(ترجمہ) ابن ام مکتوم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں بہت سے زہریلے جانور اور درندے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الفلاح سنتا ہے تو اس پکارنے کو قبول کر۔

۴۸. بَابٌ فِي فَضْلِ صَلٰوةِ الْجَمَاعَةِ

جماعت کے ساتھ نماز کی فضیلت کا باب

۵۵۴ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ أَبِي بَصِيرٍ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا الصُّبْحَ فَقَالَ أَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوا لَا، قَالَ أَشَاهِدٌ فُلَانٌ؟ قَالُوا لَا قَالَ إِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلٰوتَيْنِ أَثْقَلُ الصَّلَوَاتِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ وَلَوْ تَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَيْتُمُوهُمَا وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الرُّكَبِ وَإِنَّ الصَّفَّ الْأَوَّلَ عَلَى مِثْلِ صَفِّ الْمَلٰئِكَةِ وَلَوْ عَلِمْتُمْ مَا فَضِيلَتُهُ لَابْتَدَرْتُمُوهُ وَإِنَّ صَلٰوةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكَى مِنْ صَلٰوتِهِ وَحْدَهُ وَصَلٰوتُهُ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكَى مِنْ صَلٰوتِهِ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَثُرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ -

(ترجمہ) اُبیؓ بن کعب نے فرمایا کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی تو فرمایا: کیا فلاں حاضر ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ فرمایا کیا فلاں حاضر ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ فرمایا: یہ دو نمازیں منافقوں پر سب نمازوں سے زیادہ بوجھل ہیں، اور اگر تمہیں معلوم ہو کہ ان میں کیا ہے تو ان میں آؤ خواہ گھٹنوں کے بل گھسیٹ کر آنا پڑے۔ اور پہلی صف فرشتوں کی صف کی مانند ہے اور اگر تمہیں معلوم ہو کہ اس کی فضیلت کیا ہے تو اس کی طرف سبقت کرو، اور آدمی کی نماز دوسرے آدمی کے ساتھ اس کی اکیلی نماز سے زیادہ باعث اجر و ثواب ہے اور اس کی نماز دو آدمیوں کے ساتھ ایک آدمی کے ساتھ والی نماز سے زیادہ اجر و ثواب والی ہے اور جتنے لوگ

زیادہ ہوں وہ اللہ کو زیادہ پیاری بات ہے۔

(شرح) ابو اسحٰق سبیعی ثقہ راوی تھا مگر مدلس تھا اور آخری عمر میں اسے اختلاط ہو گیا تھا۔ اس حدیث میں اختلاف ہے کہ آیا اس کی روایت عن عبداللہ بن ابی بصیر عن ابیہ عن اُبی ہے یا کہ عن ابیہ کا لفظ سند میں نہیں ہے۔ ابوداؤد نے یہاں جو سند بیان کی ہے اس میں عن ابیہ کا لفظ نہیں ہے۔ عبداللہ بن ابی بصیر کوئی ثقہ راوی ہے۔ ہاتین الصلوتین سے مراد فجر اور عشاء کی نمازیں ہیں جیسا کہ دوسری احادیث میں یہی مضمون اور طرح سے آگیا ہے۔

۵۵۵۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ اَبِيْ سَهْلٍ يَعْنِيْ عُثْمَانَ بْنَ حَكِيْمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِيْ عَمْرَةَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِيْ جَمَاعَةٍ كَانَ كَقِيَامِ نِصْفِ لَيْلَةٍ وَمَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ فِيْ جَمَاعَةٍ كَانَ كَقِيَامِ لَيْلَةٍ

(ترجمہ) عثمان بن عفان نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس نے نماز عشاء جماعت سے پڑھی تو وہ نصف رات کے قیام کی طرح ہے اور جس نے عشاء اور فجر جماعت سے پڑھی تو وہ پوری رات کے قیام کی طرح ہے۔

(شرح) مولانا نے فرمایا کہ اس حدیث کی روایت مسلم نے بھی کی ہے مگر وہاں اس کے الفاظ یہ ہیں: جس نے عشاء کی نماز با جماعت پڑھی تو گویا اس نے نصف رات کا قیام کیا اور جس نے صبح کی نماز با جماعت پڑھی تو گویا اس نے ساری رات قیام کیا۔ سوان الفاظ کا بظاہر مفاد یہ ہے کہ صبح کی با جماعت نماز عشاء کی با جماعت نماز سے افضل ہے کیونکہ پہلی کا ثواب پوری رات کی نماز جتنا اور دوسری کا نصف رات کی نماز جتنا ہے۔ یا پھر مسلم کی روایت کا معنی بھی ابوداؤد کی اس حدیث کے مطابق کرنے کے لئے یہ ماننا پڑے گا کہ اس میں کچھ عبارت محذوف ہے اور مطلب یہ ہے کہ: جس نے صبح کی نماز با جماعت پڑھی درآنحالیکہ وہ عشاء کی نماز بھی باجماعت پڑھ چکا ہو۔ ابن عباس رض کے کلام کا اشارہ بھی اسی دوسرے معنی کی طرف ہے۔

۴۹۔ بَابُ مَا جَاءَ فِيْ فَضْلِ الْمَشْيِ اِلَى الصَّلٰوةِ

نماز کی طرف چلنے کی فضیلت کا باب

۵۵۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنِ ابْنِ اَبِيْ ذِئْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مِهْرَانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاَبْعَدُ فَالْاَبْعَدُ مِنَ الْمَسْجِدِ اَعْظَمُ اَجْرًا۔

(ترجمہ) ابوہریرہ رض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: مسجد سے دور کا دور سے دور تر آدمی کا اجر بہت بڑا ہے۔

(شرح) اس روایت میں عبدالرحمٰن بن مہران مدنی مولائے بنی ہاشم، ابن حبان کے نزدیک ثقہ ہے لیکن ابوالفتح ازدی نے کہا کہ اس میں اور اس کے استاد عبدالرحمٰن بن سعد میں کلام ہے۔ تقریب میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن مہران مجہول ہے، علامہ عینیؒ نے زمخشریؒ سے فاء کے بارے میں نحویوں کا کلام نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس حدیث میں فاء ثُمَّ کے معنیٰ میں ہے یعنی اَبْعَدُهُمْ ثُمَّ اَبْعَدُهُمْ مَسَافَةً مِّنَ الْمَسْجِدِ یعنی ان کا اجر زیادہ ہے جن کی مسافت مسجد سے بعید تر ہے، پھر ان کا اجر ان سے بھی بڑا ہے جن کی مسافت ان سے بعید تر ہے۔ واللہ اعلم

۵۵۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ اَنَّ اَبَا عُثْمَانَ حَدَّثَهٗ عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ رَجُلٌ لَّا اَعْلَمُ اَحَدًا مِّنَ النَّاسِ مِمَّنْ يُّصَلِّي اِلَى الْقِبْلَةِ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ اَبْعَدَ مَنْزِلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ مِنْ ذٰلِكَ الرَّجُلِ وَكَانَ لَا تُخْطِئُهٗ صَلٰوةٌ فِي الْمَسْجِدِ فَقُلْتُ لَوِ اشْتَرَيْتَ حِمَارًا تَرْكَبُهٗ فِي الرَّمْضَاءِ وَالظُّلْمَةِ فَقَالَ مَا اُحِبُّ اَنَّ مَنْزِلِي اِلٰى جَنْبِ الْمَسْجِدِ فَنُمِيَ الْحَدِيْثُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اَرَدْتُّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْ يُّكْتَبَ لِي اِقْبَالِي اِلَى الْمَسْجِدِ وَرُجُوْعِي اِلٰى اَهْلِي اِذَا رَجَعْتُ فَقَالَ اَعْطَاكَ اللّٰهُ ذٰلِكَ كُلَّهٗ اَنْطَاكَ اللّٰهُ مَا احْتَسَبْتَ كُلَّهٗ اَجْمَعَ۔

(ترجمہ) اُبی بن کعب نے کہا کہ ایک آدمی تھا کہ اہل مدینہ کے نمازیوں میں سے کسی کو نہیں جانتا جس کا گھر اس کے گھر جتنا مسجد سے دور ہو، اور وہ ہر نماز مسجد میں ادا کرتا تھا۔ تو میں نے اس سے کہا کہ کاش تو ایک گدھا خرید لے جس پر شدید گرمی اور اندھیرے میں سوار ہوا کرے تو اس نے کہا: میں پسند نہیں کرتا کہ میرا گھر مسجد کے پہلو میں ہو۔ سو یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائی گئی تو آپؐ نے اس سے پوچھا کہ اس سے تیری کیا مراد تھی۔ اس نے کہا یا رسول اللہ میری مراد صرف یہ تھی کہ مسجد میں میرا آنا اور واپس پر گھر کو جانا لکھا جائے۔ تو حضورؐ نے فرمایا: اللہ تجھے یہ سب عطا کرے (یا اللہ نے یہ سب تجھے عطا کر دیا) اللہ تعالیٰ تیری نیت ثواب کے مطابق یہ سب تجھے عطا کرے (یا اللہ نے تجھے یہ سب تیرے خلوص کے باعث عطا فرما دیا)۔

(شرح) اس شخص کی بات سے یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ وہ مسجد کے قرب کو لاپرواہی سے یا مسجد کی عظمت و احترام کا خیال نہ ہونے کے باعث پسند نہیں کرتا۔ مسلم کی روایت میں یہ مطلب زیادہ واضح ہے۔ اس نے کہا: واللہ میں نہیں چاہتا کہ میرا گھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے متصل ہو۔ مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ از راہ غضب اُبی بن کعبؓ نے اس کی بات خود حضورؐ کے پاس نقل کی تھی۔ انطاک وہی اعطاک ہے جو اہل یمن کے لہجے میں ع

کو الفاظ سے تبدیل کر لیتے ہیں۔

۵۵۸- حَدَّثَنَا اَبُوْتَوْبَةَ حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ الْحَارِثِ عَنِ الْقَاسِمِ اَبِىْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ مُتَطَهِّرًا اِلٰى صَلٰوةٍ مَّكْتُوْبَةٍ فَاَجْرُهٗ كَاَجْرِ الْحَاجِّ الْمُحْرِمِ وَمَنْ خَرَجَ اِلٰى تَسْبِيْحِ الضُّحٰى لَا يَنْصِبُهٗ اِلَّا اِيَّاهُ فَاَجْرُهٗ كَاَجْرِ الْمُعْتَمِرِ وَصَلٰوةٌ عَلٰى اَثَرِ صَلٰوةٍ لَّا لَغْوَ بَيْنَهُمَا كِتَابٌ فِىْ عِلِّيِّيْنَ۔

(ترجمہ) ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے گھر سے پاک صاف ہو کر فرض نماز کے لئے نکلا تو اس کا اجر احرام باندھے ہوئے حاجی کی مانند ہے اور جو شخص نماز چاشت کے لئے نکلا اس کے سوا کوئی چیز اسے نہیں اٹھا رہی تو اس کا ثواب عمرہ کرنے والے کی مانند ہے۔ اور نماز کے بعد نماز پڑھنا بشرطیکہ دونوں کے درمیان کوئی لغو کام نہ ہو، نیکوکاروں کے دفتر میں نام لکھانے کا سبب ہے۔

(شرح) گویا وضوء اور طہارت کی حیثیت احرام جیسی ہے، جس طرح حج کی ادائیگی احرام پر موقوف ہے اسی طرح نماز کی ادائیگی طہارت پر مبنی ہے۔ مسجد میں چونکہ فرض نماز کے لئے آرہا ہے اور حج بھی فریضہ ہے لہٰذا اس حدیث میں نماز کو حج سے اور وضوء کو احرام سے تشبیہ دی گئی۔ عمرہ چونکہ مسنون ہے لہٰذا اس کے ساتھ نماز چاشت کو تشبیہ دی گئی جو مسنون ہے۔ اور نوافل کو سبحہ یا تسبیحات اس لئے کہا جاتا ہے کہ فرائض میں رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ کی تسبیحات و اذکار مسنون ہیں اور سنت کی اصل حیثیت نفل کی ہے، اس میں اگر تاکید و ترغیب آتی ہے تو صرف سنت کے باعث کہ یہ حضورؐ کا قول یا فعل ہے۔ حدیث میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ گو سنن و نوافل کو گھر پر ادا کرنے کا حکم ہے لیکن نماز چاشت ان سے اس ضمن میں مستثنیٰ ہے کہ اسے مسجد میں جاکر پڑھنے کی ترغیب ہے۔ مگر مولانا کا خیال ہے کہ نماز چاشت کے لئے نکلنے سے مراد حدیث میں یہ ہے کہ اپنے کام کاج یا دکان اور کھیت وغیرہ اشغال دنیوی سے وقت نکال کر اسے ادا کرے خواہ مسجد میں خواہ کسی اور جگہ۔ دو نمازوں کے درمیان لغو نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا قول و فعل نہ ہو جو فضول اور بیکار اور لاطائل یعنی لاحاصل ہو۔

اس حدیث کی سند میں القاسم ابو عبدالرحمٰن راوی متکلم فیہ ہے، اسے بعض نے ثقہ کہا ہے اور بعض نے غیر قوی کہا ہے۔ اکثر ائمہ کے خیال میں وہ لائق اعتماد تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۵۵۹- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِىْ صَالِحٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَلٰوةُ الرَّجُلِ فِىْ جَمَاعَةٍ تَزِيْدُ عَلٰى صَلٰوتِهٖ فِىْ بَيْتِهٖ وَصَلٰوتُهٗ فِىْ سُوْقِهٖ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً۔ وَذٰلِكَ

بِاَنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ وَاَتَى الْمَسْجِدَ وَلَا يَنْهَزُهُ يَعْنِي اِلَّا الصَّلٰوةَ لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً اِلَّا رُفِعَ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ وَّحُطَّ بِهَا عَنْهُ خَطِيْئَةٌ حَتّٰى يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ، فَاِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَ فِي صَلٰوةٍ مَّا كَانَتِ الصَّلٰوةُ هِيَ تَحْبِسُهُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُصَلُّوْنَ عَلٰى اَحَدِكُمْ مَّا دَامَ فِي مَجْلِسِهِ الَّذِي صَلّٰى فِيْهِ، يَقُوْلُوْنَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ مَا لَمْ يُؤْذِ فِيْهِ اَوْ يُحْدِثْ فِيْهِ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کی جماعت میں نماز اس کے گھر کی نماز اور اس کے بازار کی نماز سے پچیس درجے زائد ہوتی ہے۔ اور یہ اس طرح کہ جب تم میں سے کوئی وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے اور مسجد میں آئے اور نماز کے سوا کوئی چیز اسے گھر سے نہ نکالے تو وہ جو قدم بھی اُٹھائے گا اس کے سبب سے اس کا ایک درجہ بلند کیا جائیگا اور اس کے سبب سے اس کا ایک گناہ معاف کیا جائیگا حتّٰی کہ وہ مسجد میں داخل ہو۔ پس جب وہ مسجد میں داخل ہو گیا تو جب تک اسے نماز روکے رکھے گی وہ نماز ہی میں سمجھا جائیگا۔ اور جس جگہ کسی نے نماز پڑھی ہو جب تک وہ اسی جگہ پر رہے فرشتے اس پر رحمت کی دعائیں کرتے ہیں کہ اے اللہ اسے بخش دے، اے اللہ اس پر رحم فرما، اے اللہ اس کی طرف رحمت کے ساتھ توجہ فرما، جب تک وہ مسجد میں کسی کو اذیت نہ دے یا بے وضو نہ ہو جائے۔

(شرح) اس حدیث میں نماز باجماعت کی فضیلت ۲۵ درجے اور ابن عمرؓ کی روایت جو بخاری میں ہے اس کے مطابق ۲۷ درجے زائد ہے۔ ابن الملکؒ نے کہا ہے مراد اجر و ثواب کی مطلقاً زیادتی ہے کوئی خاص عدد مقصود نہیں یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ پہلے آپ نے ۲۵ درجے فرمائے ہوں پھر اللہ تعالیٰ نے ۲ درجے اپنی رحمت سے اور بڑھا دیئے ہوں تو اُن کا اظہار فرمایا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ نمازی کے احوال کے حساب سے فضیلت میں فرق مراد ہو۔ پھر بعض امکنہ اور ازمنہ کا فرق بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ بعض دفعہ امام کے باعث درجات کی کمی بیشی ہوتی ہے۔ اگلی حدیث میں صحراء میں پڑھی جانے والی نماز کا ثواب پچاس درجے تک فرمایا ہے اور اس میں جماعت کا ذکر نہیں ہے۔ ملائکہ کی یہ دعائیں جن کا ذکر اس حدیث میں ہے بظاہر نماز سے فراغت کے بعد اسی جگہ بیٹھنے والے کے لئے ہیں۔ بخاری کی حدیث میں نماز کے انتظار میں بیٹھنے والے کا ذکر ہے۔ دونوں کے لئے ہوں تو اللہ کے ہاں کیا کمی ہے؟ اذیّت کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ یا زبان سے دوسرے نمازیوں کو تکلیف دے۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بے وضو شخص ملائکہ کی دعاؤں سے محروم ہے مگر مسجد میں بیٹھ سکتا ہے۔ اس میں حسنؒ بصری اور سعیدؒ بن المسیبؒ کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک بے وضو شخص بھی جنبی کی طرح صرف مسجد سے گزر سکتا ہے بیٹھ نہیں سکتا۔ جمہور علماء کے نزدیک جلوس جائز ہے بلکہ بوقتِ ضرورت سونا بھی جائز ہے۔ اصحابِ صُفّہ اور ابن عمرؓ (جب تک شادی نہ ہو گئی) مسجد میں سوتے تھے۔

۵۶۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيْسٰى حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنْ هِلَالِ بْنِ مَيْمُوْنٍ عَنْ

عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةُ فِي جَمَاعَةٍ تَعْدِلُ خَمْسًا وَعِشْرِينَ صَلَاةً فَإِذَا صَلَّاهَا فِي فَلَاةٍ فَأَتَمَّ رُكُوعَهَا وَسُجُودَهَا بَلَغَتْ خَمْسِينَ صَلَاةً۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ قَالَ عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ فِي هَذَا الْحَدِيثِ: صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي الْفَلَاةِ تُضَاعَفُ عَلَى صَلَاتِهِ فِي الْجَمَاعَةِ وَسَاقَ الْحَدِيثَ۔

(ترجمہ) ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جماعت سے نماز پڑھنا پچیس نمازوں کے برابر ہے۔ پس جب وہ اسے کسی صحراء میں پڑھے اور اس کا رکوع اور سجدہ پورا کرے تو وہ پچاس نمازوں تک پہنچ جاتی ہے۔ دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: آدمی کی صحراء میں نماز اس کی جماعت سے نماز پر بڑھتی ہے الخ

(شرح) گویا دوسری روایت کے مطابق تو یہ صراحت ہو گئی کہ صحرائی نماز با جماعت مراد نہیں بلکہ منفرد کی نماز مراد ہے۔ مگر پہلی روایت اس سے صراحتًہ خاموش ہے اور اس کا سیاق ظاہر کرتا ہے کہ صحرائی نماز سے بھی "صحراء میں نماز با جماعت" مراد ہے جیسا کہ علامہ عینیؒ نے اس کی شرح میں یہی لکھا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آبادی والی باجماعت نماز کا ثواب ۲۵ درجے ہؤا اور صحراء میں چونکہ مشقت، سفر، خوف وغیرہ جمع ہوتے ہیں اس لئے اتنا ہی اور مزید ہو گیا۔ شوکانی نے بھی ابن رسلان کے حوالے سے لکھا ہے کہ صحرائی نماز کو بھی نماز با جماعت ہی سمجھنا اولیٰ ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ اولیٰ یہ ہے کہ اسے منفرد کی نماز قرار دیا جائے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ صحراء میں غالب احوال کے اندر آدمی مسافر ہوتا ہے اور سفر میں مشقت کا بڑھ جانا مسلم ہے، پس یہ نماز اس سبب سے اتنے درجے بڑھ گئی۔ ایسے مقامات پر وساوس سے بھی عمومًا نجات ہوتی ہے اور خدا کے حضور خشوع وخضوع زیادہ ہوتا ہے۔ اوپر کی حدیث میں گھر کی نماز کو ایک درجہ اور جماعت کی نماز کو ۲۵ درجے دینے سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ گھر والی نماز بھی ہو جاتی ہے گو بعض گزشتہ احادیث کی تہدید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہوتی ہی نہیں یا ہوتی ہے تو صرف فرض کی ادائیگی ہوتی ہے۔ مگر یہاں معلوم ہؤا کہ اس کا ثواب اور اجر بھی ہے۔

۵۰۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَشْيِ إِلَى الصَّلَاةِ فِي الظُّلَمِ

اندھیروں میں مسجدوں کی طرف پیدل جانے کا باب

۵۶۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ حَدَّثَنَا أَبُو عُبَيْدَةَ الْحَدَّادُ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ أَبُو سُلَيْمَانَ الْكَحَّالُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَوْسٍ عَنْ بُرَيْدَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَشِّرِ الْمَشَّائِينَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّورِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(ترجمہ) بریدہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: اندھیروں میں مسجدوں کی طرف پیدل جانے والوں کو قیامت کے دن پوری روشنی کی خوشخبری دیدو۔

(شرح) ظُلَم ظُلمت کی جمع ہے، یعنی رات کا اندھیرا اور بادل کا اندھیرا اور کہرے وغیرہ کا اندھیرا۔ کبھی یہ اندھیرے جمع بھی ہو جاتے ہیں مگر حدیث میں ہر قسم کا اندھیرا مراد ہے۔ یعنی جس طرح یہ دنیا میں کتنے اندھیروں میں مسجد کی طرف جاتے رہے اللہ تعالیٰ انہیں اپنے حضور بلانے کے لئے پوری روشنی عطا کرے گا جس کو کبھی تعفن نہ ہوگا۔ پیدل کا ذکر اس لئے ہوا کہ اول تو عموماً مسجد میں پیدل جاتے ہیں، پھر اندھیرے میں پیدل چلنا اور بھی باعثِ مشقت ہوتا ہے۔

۵۱۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي الْهَدْيِ فِي الْمَشْيِ إِلَى الصَّلٰوةِ

نماز کی طرف وقار و سکون کے ساتھ چلنے کا باب

۵۶۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَنْبَارِيُّ أَنَّ عَبْدَ الْمَلِكِ بْنَ عَمْرٍو حَدَّثَهُمْ عَنْ دَاوُدَ بْنِ قَيْسٍ حَدَّثَنِي سَعْدُ بْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنِي أَبُو ثُمَامَةَ الْحَنَّاطُ أَنَّ كَعْبَ ابْنَ عُجْرَةَ أَدْرَكَهُ وَهُوَ يُرِيدُ الْمَسْجِدَ، أَدْرَكَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ، قَالَ فَوَجَدَنِي وَأَنَا مُشَبِّكٌ بِيَدَيَّ فَنَهَانِي عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ ثُمَّ خَرَجَ عَامِدًا إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يُشَبِّكَنَّ يَدَيْهِ فَإِنَّهُ فِي صَلٰوةٍ۔

(ترجمہ) کعب بن عجرہ نے ابو ثمامہ حناط کو مسجد کی طرف جاتے ہوئے پایا۔ جب ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے تو ابو ثمامہ کا بیان ہے کہ میں نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ڈال رکھی تھیں۔ بریدہؓ نے مجھے اس سے منع کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی آدمی وضوء کرے اور اچھی طرح سے وضوء کرے، پھر مسجد کی طرف جانے کے ارادے سے نکلے تو ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں نہ ڈالے کیونکہ وہ نماز میں ہوتا ہے۔

(شرح) اس حدیث کا راوی ابو ثمامہ حناط ہے (حنطہ یعنی گندم فروش) صاحب تقریب کے قول کے مطابق مجہول الحال ہے۔ دار قطنی نے اسے غیر معروف و متروک کہا ہے۔ ترمذی نے یہی حدیث روایت کی تو اس کا نام نہیں لیا بلکہ عَنْ رَجُلٍ کہا ہے۔ ابن حبان نے اس کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔ بقول علامہ عینیؒ ابراہیم نخعیؒ نے نماز میں اور مسجد میں تشبیک کو مکروہ کہا ہے۔ یہی قول امام مالکؒ کا ہے۔ عبد اللہ بن عمرؓ اور سالم بن عبد اللہ نے اس کی رخصت دی ہے اور وہ نماز میں تشبیک کرتے تھے۔ حسن بصریؒ مسجد میں تشبیک کرتے تھے۔ امام مالکؒ نے اسے نماز میں ناجائز اور مسجد میں جائز قرار دیا ہے۔ احادیث میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ ایک تو یہی حدیث ہے جو زیر نظر ہے اور ابن حبان نے اسے اپنی سند سے بیان کیا ہے، اس میں حناط کا ذکر نہیں ہے۔ حاکم نے مسجد کے راستے میں تشبیک سے ممانعت کی حدیث ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بیان کی ہے اور اسے صحیح علی شرط الشیخین کہا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے ابو سعید خدریؓ

کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مخالفت نقل کی ہے جبکہ آپؐ نے کسی کو مسجد میں لوگوں کے درمیان تشبیک کئے ہوئے دیکھا۔ علامہ عینیؒ نے کہا ہے کہ اس فعل کی ممانعت حالتِ نماز میں آئی ہے اور جب کوئی نماز کی طرف جا رہا ہو وہ بھی نماز میں ہوتا ہے لہٰذا اس کے لئے بھی ممانعت ہے۔ ورنہ خارج از صلوٰۃ حضورؐ سے بھی بعض احادیث میں تشبیک ثابت ہے۔ حضورؐ نے ایک دفعہ تو حدیثِ ذوالیدین میں کسی گہرے فکر و رنج کی حالت میں تشبیک کی تھی۔ حدیثِ ذوالیدین کا تعلق اس زمانے کے ساتھ ہے جبکہ نماز میں کلام جائز تھا اور حضورؐ نے تشبیک اس وقت کی تھی جبکہ آپؐ کے خیال میں نماز سے فراغت ہو چکی تھی۔ ایک مرتبہ ایمان والوں کا اتحاد و اتفاق ظاہر کرنے کے لئے یوں کر کے دکھایا تھا کہ مؤمن اس طرح متحد ہوتے ہیں۔ پس یہ ایک تمثیل و تشبیہ تھی نماز میں یا اس کی طرف جاتے ہوئے اس فعل کی جو ممانعت ہے اُسے کراہتِ تحریمی یا تنزیہی دونوں پر محمول کیا گیا ہے۔

۵۶۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُعَاذِ بْنِ عَبَّادٍ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ عَنْ مَعْبَدِ بْنِ هُرْمُزَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ حَضَرَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ الْمَوْتُ فَقَالَ إِنِّي مُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا مَا أُحَدِّثُكُمُوهُ إِلَّا احْتِسَابًا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ لَمْ يَرْفَعْ قَدَمَهُ الْيُمْنَى إِلَّا كَتَبَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ حَسَنَةً وَلَمْ يَضَعْ قَدَمَهُ الْيُسْرَى إِلَّا حَطَّ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ عَنْهُ سَيِّئَةً فَلْيُقَرِّبْ أَحَدُكُمْ أَوْ لِيُبَعِّدْ فَإِنْ أَتَى الْمَسْجِدَ فَصَلَّى فِي جَمَاعَةٍ غُفِرَ لَهُ فَإِنْ أَتَى الْمَسْجِدَ وَقَدْ صَلَّوْا بَعْضًا وَبَقِيَ بَعْضٌ صَلَّى مَا أَدْرَكَ وَأَتَمَّ مَا بَقِيَ كَانَ كَذَلِكَ فَإِنْ أَتَى الْمَسْجِدَ وَقَدْ صَلَّوْا فَأَتَمَّ الصَّلَاةَ كَانَ كَذَلِكَ۔

(ترجمہ) سعیدؒ بن المسیب نے کہا کہ انصار میں سے ایک شخص کو موت آئی تو اس نے لوگوں سے کہا میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں اور صرف طلبِ ثواب کے لئے سناتا ہوں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا تھا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی وضو کرے اور بطریقِ احسن وضوء کرے، پھر نماز کی طرف نکلے تو جب وہ دایاں پاؤں اٹھائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ایک نیکی لکھے گا اور جب وہ بایاں پاؤں رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک گناہ معاف فرمائے گا۔ اب کوئی چاہے تو چھوٹے چھوٹے قدم رکھے چاہے بڑے بڑے (یا قریب سے چل کر آئے یا دور سے آئے) پس اگر وہ مسجد میں آ گیا اور جماعت میں نماز پڑھی تو اس کی بخشش ہو گئی۔ لیکن اگر مسجد میں آیا اور لوگ کچھ نماز پڑھ چکے تھے اور کچھ باقی تھی تو جو ملے وہ تو ان کے ساتھ پڑھ لے اور باقی پوری کرلے تو بھی ایسا ہی ہوگا۔ (یعنی بخشا جائے گا) اور اگر وہ مسجد میں آیا اور لوگ نماز پڑھ چکے تھے اور اس نے بعد میں پوری نماز پڑھ لی تب بھی ایسا ہی ہوگا۔

(شرح) اس حدیث کا راوی معبد بن ہرمز مدنی مجہول ہے مگر ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔

۵۲- بَابُ فِيمَنْ خَرَجَ يُرِيدُ الصَّلوٰةَ فَسُبِقَ بِهَا

باب، جو نماز کیلئے آئے اور وہ پہلے ہو چکی ہو۔

۵۶۴- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ مُحَمَّدٍ يَعْنِي ابْنَ طَحْلَاءَ عَنْ مُحْصِنِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ عَوْفِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ ثُمَّ رَاحَ فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا أَعْطَاهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ مِثْلَ أَجْرِ مَنْ صَلَّاهَا وَحَضَرَهَا لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أَجْرِهِمْ شَيْئًا۔

(ترجمہ) ابوہریرہ رضؓ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص وضوء کرے اور اچھی طرح وضوء کرے پھر مسجد کی طرف جائے اور لوگوں کو نماز سے فارغ ہو چکا ہوا پائے تو اللہ تعالیٰ اس کو جماعت کے ساتھ پڑھنے والوں اور حاضر ہونے والوں جیسا ثواب دے گا۔ ان کے ثواب میں کوئی کمی نہ کرے گا۔ (یعنی جماعت نہ ملنے کے باوجود اسے جو پورا ثواب مل گیا یہ ان کے ثواب میں سے کاٹ کر نہیں دیا گیا بلکہ اس کی اپنی محنت اور نیت کا ثواب ہے اور ان کا ثواب اپنی جگہ پر قائم ہے)

۵۳- بَابٌ فِي خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْمَسَاجِدِ

عورتوں کے مسجدوں میں آنے کا باب

۵۶۵- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللهِ مَسَاجِدَ اللهِ وَلٰكِنْ لِيَخْرُجْنَ وَهُنَّ تَفِلَاتٌ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے مت روکو، لیکن وہ جب گھروں سے نکلیں تو زیب و زینت کے بغیر آئیں۔

(شرح) عورتیں اگر مسجدوں میں جانا چاہیں تو خاوندوں کو حکم ہے کہ انہیں نہ روکیں بعض علماء نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ عورت حج کو جانا چاہے تو خاوند کے لئے اس حدیث کی رو سے روکنا جائز نہیں کیونکہ

وہ سب سے عظیم اور سب سے مقدس مسجد اور محترم ترین مسجد میں جانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ بظاہر تو یہ استدلال درست نظر آئے گا مگر یہاں پھر ایک دوسرا حکم حائل ہے اور وہ حضورؐ کا یہ قول ہے: کہ خدا و قیامت پر ایمان رکھنے والی عورت کے لئے محرم کے بغیر تین دن کی مسافت کا سفر کرنا جائز نہیں۔ اگر مسافتِ سفر نہ ہو تو اس زیر بحث حدیث کے تحت عورت جا سکتی ہے جیسا کہ نماز اور وعظ کی مجالس کے لئے مسجدوں میں جا سکتی ہے مگر اس میں حضورؐ نے خود ایک استثناد فرما دیا ہے جو ملحوظ نہ رکھا جائے تو مرد کے لئے پابندی لگانے کی اجازت میں حرج نہ ہوگا۔ وہ استثناء یہ کہ نماز کے لئے جائیں تو زیب و زینت کے بغیر جائیں۔ خوشبو لگا کر اور بھڑکیلا لباس پہن کر نہ جائیں۔ امام نوویؒ کا قول ہے کہ عورتوں کو خروج سے روکنے کی نہی تنزیہ پر محمول ہے۔ بیہقی نے کہا کہ سب علماء کا یہی قول ہے۔ امام بدر الدینؒ زرکشی شافعی نے احکام المساجد میں لکھا ہے کہ جب مسجد میں یا راستے میں عورتوں کا مردوں کے ساتھ اختلاط ہو یا فتنے کا قوی خوف ہو کیونکہ وہ زیب و زینت اور آرائش سے باز نہیں آتیں تو ان حالات میں ان کا خروج حرام ہے اور اس حرمت کی دلیل خود اس حدیث کے اندر ہے۔ ان احوال میں خاوند پر روک دینا واجب ہے اور امام یا اس کے نائب کا انہیں منع کرنا واجب ہے۔ شرح نقایہ میں ہے کہ نوجوان عورت کا ہر نماز کے لئے جماعت کی خاطر مسجد میں جانا فتنے کے خوف کے باعث مکروہ ہے۔ اور اسی طرح بڑی عمر کی عورت بھی ظہر اور عصر کی نماز میں نہ آئے اور یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے مگر امام ابو یوسفؒ اور محمدؒ بن الحسن نے کہا کہ بڑی عمر والی ہر نماز میں حاضر جماعت ہو سکتی ہے مگر فساد کے ظہور کے باعث آج کل کراہت کا ہی فتویٰ ہے کہ بڑی عمر کی عورت بھی نمازوں میں نہ جائے۔ جب مسجد میں نماز کے لئے ان کا آنا مکروہ ہے تو مجالسِ وعظ میں تو ان کی حاضری بدرجہ اولیٰ مکروہ ہے، خاص کر آج کل کے ان جاہلوں کے وعظ میں جنہوں نے علماء کا چولہ پہن رکھا ہے۔ حدیث میں تو ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ مطہرہ رضی اللہ عنہا کا قول موجود ہے کہ جو کچھ اب عورتوں نے کیا ہے اگر حضورؐ کے زمانہ میں ہوتا تو آپ مطلقاً انہیں مسجدوں میں آنے سے روک دیتے۔

۵۶۶ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللَّهِ مَسَاجِدَ اللَّهِ۔

(ترجمہ) ابن عمرؓ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے مت روکو۔

۵۶۷ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَخْبَرَنَا الْعَوَّامُ ابْنُ حَوْشَبٍ حَدَّثَنِي حَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوا نِسَاءَكُمُ الْمَسَاجِدَ وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَهُنَّ

(ترجمہ) ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی عورتوں کو مسجدوں سے مت روکو اور

ان کے گھران کے لئے بہتر ہیں۔ (یعنی مرد تو نہ روکیں مگر عورتوں کو خود ہی سمجھ لینا چاہیئے کہ گھروں میں ہی ان کی نماز بہتر ہے۔ گویا دونوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھا گیا ہے)۔

۵۶۸۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ حَدَّثَنَا جَرِیْرٌ وَّاَبُوْ مُعَاوِیَۃَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِئْذَنُوا النِّسَآءَ اِلَی الْمَسَاجِدِ بِاللَّیْلِ۔ فَقَالَ ابْنٌ لَّہٗ وَاللّٰہِ لَا نَاْذَنُ لَھُنَّ فَیَتَّخِذْنَہٗ دَغَلًا وَاللّٰہِ لَا نَاْذَنُ لَھُنَّ۔ قَالَ فَسَبَّہٗ وَغَضِبَ عَلَیْہِ وَقَالَ اَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ائْذَنُوْا لَھُنَّ وَتَقُوْلُ لَا نَاْذَنُ لَھُنَّ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: عورتوں کو بوقت شب مسجدوں میں جانے کی اجازت دے دو۔ تو ان کے ایک بیٹے نے کہا: واللہ ہم انہیں اجازت نہ دیں گے ورنہ وہ اسے فساد کا ذریعہ بنالیں گی۔ واللہ ہم انہیں اجازت نہ دیں گے۔ راوی (مجاہد) نے کہا کہ اس پر عبداللہؓ نے اُسے بُرا بھلا کہا اور اس پر ناراض ہوئے اور کہا: میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انہیں اجازت دو اور تو کہتا ہے کہ ہم اجازت نہیں دیتے۔

(شرح) عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے نے بات کو مدلل اور مناسب طریقے سے پیش نہ کیا بلکہ نص کے مقابلے میں اپنی رائے پیش کر دی۔ اس طرز ادا سے عبداللہ بن عمرؓ کو غصہ آگیا اور وہ کچھ کہا جو اوپر گزرا۔ عبداللہ بن عمرؓ کے اس بیٹے کا نام بلال تھا۔ اس نے اجتہاد کیا مگر طریقۂ اجتہاد غلط تھا۔ اس نے عورتوں کے مسجدوں کی طرف جانے میں فساد اور فتنہ دیکھا اور قسم کھا کر کہا کہ ہم انہیں روکیں گے۔ یہ نص کا مقابلہ خالص رائے کے ساتھ تھا جو ناجائز ہے۔ اگر وہ کوئی اور نص پیش کرتا، شرعی طریقے سے اپنے جواب کو مدلل کرتا، فتنے فساد کا ذکر درمیان میں لاتا اور یہ نہ کہتا کہ واللہ ہم روکیں گے، تو ایک بات بھی تھی۔ مولاناؒ نے اس مقام پر محدث علی القاری سے نقل کیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کدو کو پسند فرماتے تھے تو ایک شخص کہنے لگا کہ: میں تو کدو کو پسند نہیں کرتا۔ اس پر امام ابو یوسفؒ نے تلوار سونت کر فرمایا کہ اپنے ایمان کی تجدید کر ورنہ میں تجھے ضرور قتل کر ڈالوں گا۔ یہاں پر بھی یہ قول مقابلۂ نص میں تھا ورنہ اگر وہ شخص کوئی معقول عذر پیش کرتا تو ابو یوسفؒ یہ نہ فرماتے کیونکہ کسی چیز سے طبعی محبت نہ ہونا انسان کے بس میں نہیں ہے۔ اور کدو سے محبت کرنا، اسے پسند کرنا کوئی شرعی حکم نہیں ہے نہ یادہ سے زیادہ حضورؐ کی طبعی محبت اور میلان کے سبب اسے محبوب سمجھنا چاہیئے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ بظاہر میرے نزدیک عبداللہ بن عمرؓ نے جو بیٹے کی بات کو اس بلیغ اور شدید انداز میں رد کیا اور اسے سخت سست کہا اس کا باعث یہ نہ تھا کہ اس نے نص کا معارضہ کیا تھا، کیونکہ اس کا قول سدِّ فتنہ وفساد کے باب سے تھا اور یہ مصلحت دلائل شرع سے ثابت ہے۔ مگر چونکہ اس کا اندازِ بیان مقابلے اور معارضے کا تھا اس لئے عبداللہ بن عمرؓ

کو غصہ آیا کیونکہ یہ چیز انقیاد اور اسلام (گردن جھکانا) کے بظاہر منافی تھی۔

۵۴۔ بَابُ التَّشْدِيدِ فِي ذٰلِكَ

اس معاملے میں تشدید کا باب

۵۶۹۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ لَوْ أَدْرَكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ فَقُلْتُ لِعَمْرَةَ أَمُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ قَالَتْ نَعَمْ

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان زیادتیوں کو پاتے جو عورتوں نے ایجاد کرلی ہیں تو انہیں مسجد میں جانے سے روک دیتے جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا۔ یحییٰ بن سعید راوی نے کہا کہ میں نے عمرہؓ بنت عبدالرحمٰن (حضرت عائشہؓ کی شاگرد) سے پوچھا کہ کیا بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے منع کردیا گیا تھا؟ اس نے کہا ہاں!۔

(شرح) ہمارے ہاں کے سنن ابی داؤد کے نسخوں میں یہاں پر باب کا عنوان نہیں ہے مگر بعض اور نسخوں میں موجود ہے۔ مولانا سہارنپوریؒ نے شرح میں یہ عنوان قائم رکھا ہے۔ عائشہؓ ام المؤمنین کا مطلب یہ ہے کہ ضمناً اور اشارۃً تو حضورؐ نے ایک شرط لگا کر عورتوں کو دخولِ مساجد سے روکا ہی تھا (کہ ان کا گھر ان کے لئے بہتر ہے۔ اور یہ کہ آرائش و زیبائش کے ساتھ مسجد میں نہ جائیں) لیکن وہ زیب و زینت کرکے مساجد میں جانے سے نہیں رکیں لہٰذا اگر حضورؐ کے وقت میں ایسا کرتیں تو آپ صراحۃً ہی روک دیتے۔ ابو موسیٰؓ کی حدیث میں ہے کہ جب کوئی عورت خوشبو لگا کر مجلس سے گزرے تو وہ ایسی اور ایسی ہے، یعنی نیکوکار نہیں ہے۔ اور یہ حکم اس وقت کا ہے جبکہ یہ چیز عورتوں میں غالب ہو جائے اور پھیل جائے۔ واللہ اعلم۔

۵۷۰۔ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنّٰى أَنَّ عَمْرَو بْنَ عَاصِمٍ حَدَّثَهُمْ قَالَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ مُوَرِّقٍ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلٰوةُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِهَا فِي حُجْرَتِهَا وَصَلٰوتُهَا فِي مُخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِهَا فِي بَيْتِهَا۔

(ترجمہ) عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عورت کی نماز اس کے اندر کے مکان میں مکان کے صحن (بیرونی حصہ وغیرہ) میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور اس کی نماز

اندرونی کوٹھڑی میں اس کے مکان کی نسبت بہتر ہے (یہ پردے اور تستر کی خاطر فرمایا ہے کیونکہ صحن میں بعض دفعہ لوگوں کا آنا جانا ہوتا ہے اور مکان کے کمروں میں بھی کچھ لوگ آجاتے ہیں، مگر اندرونی کوٹھری میں کوئی نہیں گھستا۔ غرض یہ مبالغے کے انداز میں فرمایا گیا ہے)

۵۷۱۔ حَدَّثَنَا اَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا اَيُّوبُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ تَرَكْنَا هٰذَا الْبَابَ لِلنِّسَاءِ قَالَ نَافِعٌ فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ اِبْنُ عُمَرَؓ حَتّٰى مَاتَ۔ قَالَ اَبُو دَاوٗدَ رَوَاهُ اِسْمَاعِيلُ ابْنُ اِبْرَاهِيمَ عَنْ اَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ قَالَ عُمَرُؓ وَهٰذَا اَصَحُّ۔

(ترجمہ) ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر ہم یہ دروازہ (باب النساء) عورتوں کے لئے چھوڑ دیں تو بہتر ہے۔ نافع نے کہا کہ ابن عمرؓ عمر بھر اس دروازے سے کبھی داخل نہ ہوئے۔ ابوداؤد نے دوسری روایت سے اس کو حضرت عمرؓ کا قول (حدیث موقوف) قرار دیکر اسے صحیح تر کہا ہے۔ (یہ حدیث باب اعتزال النساء فی المساجد عن الرجال میں گزر چکی ہے اور اس پر گفتگو بھی وہیں ہوئی ہے۔ عبدالوارث ثقہ راوی ہے اس کا اضافہ قابلِ قبول ہے لہٰذا موقوف روایت کو صحیح تر قرار دینا امام ابوداؤد کی طرف سے ناقابلِ فہم ہے)

۵۵۔ بَابُ السَّعْيِ اِلَى الصَّلٰوةِ

نماز کی طرف تیزی سے چل کر آنے کا باب

۵۷۲۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ اَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَاَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اِذَا اُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا تَاْتُوهَا تَسْعَوْنَ وَاْتُوهَا تَمْشُونَ وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ فَمَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوا۔ قَالَ اَبُو دَاوٗدَ وَكَذَا قَالَ الزُّبَيْدِيُّ وَابْنُ اَبِي ذِئْبٍ وَاِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ وَمَعْمَرٌ وَشُعَيْبُ بْنُ اَبِي حَمْزَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ: وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوا۔ وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَحْدَهٗ: فَاقْضُوا۔ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ اَبِي سَلَمَةَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَؓ وَجَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ فَاَتِمُّوا۔ وَابْنُ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْ قَتَادَةَ وَاَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ: فَاَتِمُّوْا۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ نے کہا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا: جب نماز کی اقامت ہو جائے تو تم اس کی طرف بھاگ کر مت آؤ بلکہ چل کر سکون و وقار کے ساتھ آؤ۔ پس جتنی نماز کو پالو اسے پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے اُسے پورا کر لو۔ ابوداؤد نے زہری کے پانچ شاگردوں کی۔۔۔ یونس کے علاوہ روایت میں فَاَتِمُّوْا کا لفظ آنا بیان کیا اور زہری سے فقط ابن عیینہ کی روایت میں: فَاقْضُوْا کا لفظ آنا بتایا ہے۔ پھر دو روایتوں سے مزید اس کی تائید کی ہے جو ابوہریرہؓ سے آئی ہیں کہ اَتِمُّوْا کا لفظ ہے۔ پھر ابنؓ مسعود اور ابوقتادہؓ اور انسؓ کی روایات میں بھی یہی لفظ ثابت کیا ہے۔

(شرح) بہت تیز چل کر آنا یا بھاگ کر آنا خشوع و خضوع کے خلاف ہے۔ آدمی گو اس وقت بالفعل نماز میں نہیں ہوتا مگر حکماً نماز کے اندر ہوتا ہے جیسا کہ کئی صحاح میں موجود ہے۔ اس لئے وقار اور سکونِ قلب کے ساتھ آنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دراصل دربارِ الٰہی میں حاضری کا یہی تقاضا ہوتا ہے کہ آنے والا عاجزانہ صورت میں آئے اور جو چیز بھی اس عاجزی کے خلاف ہو وہ خلافِ ادب ہے۔ قرآن مجید میں سعی کا لفظ چلنے کے لئے بھی آیا ہے: فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔ چونکہ دنیوی کاروبار کو چھڑانا مدِّنظر تھا لہٰذا سعی کا لفظ اہتمام کے معنوں میں بولا گیا۔ یعنی بلاوا آ گیا تو دربار کی حاضری کا قصد کرو اور باقی سب کچھ پرے رکھ دو۔ پھر سَعی کا لفظ دوڑنے کے معنی میں بھی آیا ہے: وَجَآءَ مِنْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى۔ اور یہ لفظ عمل کے لئے بھی بولا گیا ہے یعنی کوشش کے معنی ہیں: وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى۔

جس شخص کو تکبیر تحریمہ کے فوت ہونے کا خوف ہو آیا وہ تیز چل کر آ سکتا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بقیع میں اقامتِ صلوٰۃ کی آواز سُنی تو تیزی سے مسجد کی طرف لپکے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسا شخص بھاگ کر بھی آ سکتا ہے۔ بعض علماء نے وقار سے چلنے کو پسندیدہ کہا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نماز کی طرف جانے والا نماز میں ہی ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ ظاہر تر بات یہی ہے کہ آنے والا سکون و وقار کے ساتھ چل کر آئے تاکہ دونوں فضیلتیں حاصل ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ سکون و وقار میں یہ فرق ہے کہ بقول شارح طیبی سکینہ سے مُراد حضورِ قلب اور خشوع و خضوع ہے اور وقار سے مراد یہ ہے کہ آدمی چلنے میں نامناسب حرکات سے بچا رہے۔ حدیث کا لفظ فَاَتِمُّوْا یہ بتاتا ہے کہ مسبوق کو امام کے ساتھ جو نماز ملی ہے وہ اس کی پہلی نماز ہے کیونکہ اتمام کا لفظ باقی کو پورا کرنے پر بولا جاتا ہے۔ جناب علیؓ، ابوالدرداؓ، شافعیؒ، احمدؒ اور ابوحنیفہؒ کا یہی مذہب ہے، لیکن اس سے قرأت مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کے لحاظ سے باقی ماندہ نماز کو پہلی ٹھیرایا گیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے۔ اور سفیان بن عیینہ کی روایت فَاقْضُوْا کا لفظ ہے اس سے کچھ اور علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ مسبوق نے جو نماز امام کے ساتھ پائی ہے یہ امام کی مانند اس کی پچھلی نماز ہے۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر قضاء کی حقیقت تو ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ نماز ادا ہو رہی ہے نہ کہ قضاء

پس فاقضوا کا معنی فاتموا جیسا ہی ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ علماء کی ایک جماعت نے کہا کہ نماز کے آخری جزو تک مقتدی جہاں کہیں بھی شامل جماعت ہو جائے اسے جماعت کی فضیلت یعنی ۲۷ درجے مل جاتے ہیں۔ ہاں شروع سے شامل ہونے والے کا مقام اکمل و اشرف ہوگا۔ ائمہ نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن امام کو رکوع کے بعد مثلاً تشہد میں یا سجدۂ سہو میں پائے تو اب وہ اس پر نمازِ ظہر کو مبنی کرے گا یا نمازِ جمعہ کو؟ امام محمدؒ نے کہا کہ وہ اس پر ظہر کی بناء کرے گا اور چار رکعات پڑھے گا عینیؒ نے ہدایہ کی شرح میں کہا کہ مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ان کی دلیل دارقطنی کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا (بروایت ابی ہریرہؓ): جو شخص جمعہ کی ایک رکعت پالے وہ اس کے ساتھ دوسری رکعت ملائے (اس کا جمعہ ادا ہوا) اور جس کی دونوں رکعات فوت ہوئیں (پوری رکعت نہ ملی) تو وہ چار رکعت پڑھے۔ امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ نے کہا کہ وہ شخص اس پر جمعہ کی بناء کرے اور جمعہ کی دو رکعات پڑھے۔ ان کی دلیل بخاری اور مسلم کی یہ حدیث صریح و صحیح ہے کہ جس شخص کی کچھ نماز امام کے ساتھ فوت ہو گئی اور کچھ اس نے پالی ہو، چاہے وہ کوئی سا جزء ہو، تو اس پر اسی نماز کا اتمام واجب ہے جو اس نے امام کے ساتھ شروع کی تھی۔ پس جو شخص جمعہ میں تشہد یا سجدۂ سہو میں آکر ملے اس حدیث کی بناء پر وہ جمعہ پورا کرے گا۔ دارقطنی کی ایک اور روایت میں ہے کہ جس شخص نے جمعہ کی ایک رکعت پالی وہ دوسری اس کے ساتھ ملالے اور اگر اس نے امام اور مقتدیوں کو تشہد میں پایا تو ظہر کی چار رکعات پڑھے۔ اس حدیث کی سند میں یاسین بن معاذ زیات بقول دارقطنی ضعیف ہے۔ صالح بن ابی الاخضر راوی بھی جو سند میں ہے ابن معین، نسائی، بخاری وغیرہم کے نزدیک ضعیف و لاشیء ہے۔ دارقطنی کی اوپر کی روایت بھی اس نصِ صحیح حدیث کا معارضہ نہیں کر سکتی ہے۔

حدیث کی روایت کے بعد ابوداؤد نے فاتموا اور فاقضوا پر جو گفتگو کی ہے اس کی طرف مختصر اشارہ اوپر گزرا۔ علماء کے اس مسئلہ میں چار پانچ اقوال ہیں۔ (۱) مسبوق کی جو نماز رہ گئی تھی وہ اقوال و افعال میں اس کی پہلی نماز ہے۔ یعنی امام کے ساتھ کے بعد وہ اس نماز کو ہر حیثیت سے وہ پہلی رکعتیں سمجھ کر پڑھے گا، قرأت میں بھی اور تشہد وغیرہ میں بھی۔ یہ قول شافعیؒ، اسحاقؒ اور اوزاعیؒ کا ہے اور یہی حضرت علیؓ، سعید بن مسیب، حسن بصریؒ، عطاءؒ، مکحولؒ اور ایک روایت میں مالکؒ اور احمد سے مروی ہے۔ ان کا استدلال اس لفظ سے ہے: وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا اتمام کا لفظ کسی گزشتہ چیز کے بقیے پر ہوتا ہے۔ بیہقی نے حضرت علیؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ وَمَا اَدْرَكْتَ فَهُوَ اَوَّلُ صَلٰوتِكَ۔ جو تو نے پایا وہ تیری نماز کا اول حصہ ہے۔ (۲) یہ نماز جو وہ سلام کے بعد پڑھے گا افعال کے لحاظ سے پہلی ہے اور اقوال کے لحاظ سے پچھلی ہے۔ یہ امام مالک کا قول ہے جو ابن بطال نے نقل کیا ہے کہ یہ اس کی پچھلی نماز ہے اور قرأت کے لحاظ سے پہلی نماز ہے۔ اور اس کی دلیل بیہقی کی وہ روایت ہے کہ علی ابن ابی طالبؓ نے فرمایا: تو نے جو نماز اپنے امام کے ساتھ پائی وہ تیری پہلی نماز ہے اور قرأت کے لحاظ سے جو تجھ سے وہ پڑھ چکا ہے اس کو پورا کر۔ (۳) جو نماز اس نے پالی وہ اس کی پہلی نماز ہے لیکن وہ اس کے ساتھ سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت بھی امام کے ساتھ پڑھے گا اور جب باقی نماز پوری کرنے کو اٹھے گا تو صرف سورہ فاتحہ سے پوری کرے گا، یہ قول مزنیؒ، اسحاق اور اہلِ ظاہر کا ہے۔ (۴) جو نماز اس کی رہ گئی ہے وہ آخری نماز ہے اور اس میں وہ اقوال و افعال دونوں کے لحاظ سے قضا کرنے والا ہو گا۔ یہ قول ابو حنیفہؒ اور ایک روایت میں احمدؒ کا اور سفیانؒ، مجاہدؒ اور ابن سیرینؒ کا ہے۔ ابن الجوزیؒ نے کہا ہے کہ ہمارے اور ابو حنیفہؒ کے مذہب

میں رہ جانے والی اس کی آخری نماز ہے۔ ابن بطال کے بقول یہ مسلک ابن مسعودؓ، ابن عمرؓ، ابراہیم نخعیؒ، شعبیؒ، ابو قلابہؒ سے مروی ہے اور ابن القاسم کی روایت میں یہ مالکؒ، ابن اشہب، ابن الماجشون کا مذہب ہے اور اسے ابن حبیب نے اختیار کیا۔ ان کا استدلال ابن ابی شیبہ کی صحیح حدیث سے ہے کہ: وَمَا فَاتَكُمْ فَاقْضُوْا۔ یہ ابوذرؓ اور ابوہریرہؓ سے مروی ہے اور بیہقی نے اسے ایک جماعت کی رائے کے مطابق معاذ بن جبلؓ سے روایت کیا ہے۔ امام شافعیؒ وغیرہ جو فاتموا کے لفظ سے استدلال کیا ہے اور جیسے ابوداؤد نے اس قدر ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ثابت کرنا چاہا ہے کہ یہی روایت (فاتموا) صحیح تر اور قوی تر ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ مربوط ہے اس لئے فاتموا کے لفظ کا معنیٰ یہ ہوگا کہ تمہاری جتنی نماز با جماعت فوت ہوگئی ہے اسے قضا کر لو۔ کیونکہ جماعت سے فوت ہونے والی نماز ناقص ہوگئی ہے لہٰذا حضورؐ نے فاتموا کے لفظ سے بھی اس کا نقص دور کرنے کی ہدایت کی ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا ہے کہ ایک پانچواں قول بھی ہے: (۵) اس قول کو حنفیہؒ نے امام محمد بن الحسن کی طرف منسوب کیا ہے وہ یہ کہ مسبوق اپنی نماز کا اول حصہ قرأت کے لحاظ سے قضا کرے گا اور وہ اس کی نماز کا آخری حصہ تشہد کے اعتبار سے ہوگا۔ علامہ شامیؒ نے کہا کہ حنفیہ کا کلام بظاہر یہ بتاتا ہے کہ ان کا اعتماد محمد کے قول پر ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک لفظِ حدیث کے ساتھ موافق تر ان لوگوں کا قول ہے جنہوں نے یہ کہا کہ مسبوق نے نماز کا جو حصہ امام کے ساتھ پایا وہ اس کی نماز کا آخری حصہ ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں: مَا فَاتَكُمْ فَاقْضُوْا۔ گویا عبادت یوں بنی کہ: تمہاری نماز میں سے جو کچھ امام کی نماز سے فوت ہوگیا تو اسے پورا کرو یعنی اسے تمام حالت میں ادا کرو، اور جو حصہ فوت ہوا ہے وہ مسبوق کی نماز کا اول حصہ ہے جو اس نے امام کے ساتھ نہیں پایا تھا۔ پس مقتضائے حدیث یہ ہے کہ وہ اسے تمام و کامل حالت میں ادا کرے۔ اور اس کے خلاف یہ جو دلیل دی گئی ہے کہ اس پر واجب ہے کہ اپنی نماز کے آخری حصے میں بہر حال تشہد کرے، پس اگر وہ نماز جو اس نے امام کے ساتھ پائی ہے اس کی نماز کا آخری حصہ ہے تو اب اسے تشہد کے دہرانے کی حاجت نہیں رہی کیونکہ وہ تو پڑھا جا چکا۔ ابن بطال نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ شخص جو تشہد اب پڑھے گا یہ سلام کی خاطر ہوگا کیونکہ سلام اس بات کا محتاج ہے کہ تشہد کے بعد ہو۔ لیکن ابن المنذرؒ نے اس پر جو یہ دلیل پیش کی ہے کہ تکبیر تحریمہ بالاجماع پہلی رکعت میں ہوتی ہے۔ یہ شخص (مسبوق) تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز میں داخل ہوا تھا لہٰذا وہ اس کی پہلی رکعت ہوئی اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ مسبوق کے حق میں ضرورتِ شرعیہ کی بناء پر مسلم نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ محدثین نے اس حدیث کو کئی الفاظ سے روایت کیا ہے بعض الفاظ کے کئی معانی نکل سکتے ہیں اور بعض الفاظ کا صرف ایک ہی معنیٰ ہو سکتا ہے۔ بخاری و مسلم نے ابوہریرہؓ سے جو روایت کی ہے اس میں: وَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا آیا ہے۔ یہی لفظ بخاری و مسلم میں ابوقتادہؓ کی حدیث کا ہے۔ ابوداؤد کے حسب بیان ابن مسعودؓ اور انسؓ کی حدیث کا بھی یہی لفظ ہے۔ زہری کے شاگردوں میں سے فقط سفیان بن عیینہ نے فاقضوا کا لفظ روایت کیا ہے جو ابوہریرہؓ کی حدیث میں ہے۔ ابوقتادہؓ والی حدیث میں بھی اختلاف ہوا ہے۔ جمہور کی روایت فَأَتِمُّوْا ہے اور بعض روایات ابوقتادہؓ سے فَاقْضُوْا کے لفظ سے ہیں۔ معاویہ ابن ہشام نے اس حدیث کو سفیان سے فَاقْضُوْا کے لفظ سے روایت کیا ہے۔ امام احمدؒ نے اسے عبدالرزاق سے روایت کیا جس میں صحابی ابوہریرہؓ ہیں۔

وہاں پر فاقضوا کا لفظ ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس ابوذرؓ کی حدیث میں بھی اس لفظ کو مختلف طریقے سے روایت کیا گیا ہے۔ بعض روایات میں فاتموا اور بعض میں واقضوا آیا ہے۔ ان دونوں الفاظ سے ان دو فریقوں نے استدلال کیا جن کے قول میں مسبوق کو امام کے ساتھ ملنے والی نماز اس کی پہلی نماز ہے اور پھر جب وہ امام سے الگ رہ گیا تو اپنی آخری نماز پوری کرتا ہے۔ دلیل اتموا کے لفظ میں ہے کیونکہ اتمام اسی وقت ہوتا ہے جبکہ اس سے پہلے اسی چیز کا کچھ حصہ موجود ہو۔ فاقضوا کے لفظ میں انہوں نے کہا کہ یہ بھی فاتموا کا ہم معنیٰ ہے۔ قضاء کا لفظ زیادہ تر فوت ہونے والی چیز پر بولا جاتا ہے مگر ادا اور فراغت کے معنی میں بھی آتا ہے: فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ۔ اور: فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ۔ پس حدیث میں بھی یہ لفظ ادا و اتمام کے معنیٰ میں ہے۔

اور جن لوگوں نے کہا کہ مسبوق جو امام کے ساتھ نماز کا حصہ پالیتا ہے یہ حصہ اس کی پچھلی نماز ہے جو ادا ہوگئی اب امام سے الگ ہونے پر وہ نماز کا پہلا حصہ جو رہ گیا تھا اسے قضاء کرے گا، ان کا استدلال فاقضوا کے لفظ سے ہے۔ انہوں نے کہا کہ قضاء کا لفظ دراصل فوت ہونے والی چیز کو ادا کرنے میں آتا ہے جیسا کہ ابوداؤد نے کتاب الصوم میں حضورؐ کی حدیث روایت کی ہے۔ فَأَتِمُّوْا بَقِيَّةَ يَوْمِكُمْ وَاقْضُوْهُ۔ اس دن کو تمام کرو (یعنی اس میں بھی کچھ نہ کھاؤ پیو) اور اس روزے کی قضاء کرو۔ اور أَتِمُّوا کا لفظ کسی فریضے کو پورے طور پر ادا کرنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ مثلاً: وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ۔ پس ان دونوں الفاظ میں دونوں معانی کا احتمال ہے لہٰذا ان سے استدلال درست نہ رہا۔ اور محدثین نے جو لفظ اتموا کو اس بناء پر ترجیح دی ہے کہ یہ اکثر روایات میں آیا ہے اور لفظ فاقضوا کم روایات میں آیا ہے اور محدثانہ نقطۂ نظر سے بھی یہ استدلال قوی نہیں کیونکہ جب ثقہ راوی ایک لفظ کی روایت کرتا ہے تو محض اس دلیل کی بناء پر اسے رد نہیں کیا جاسکتا کہ دوسری روایت دوسرا لفظ وارد ہوا ہے۔ اگر کسی کو اسی پر اصرار ہو تو ہم اور دلیل پیش کرتے ہیں جس میں کوئی دوسرا احتمال نہ ہو۔ امام مسلم نے ابوہریرہؓ کی روایت بیان کی ہے جس کے الفاظ ہیں: فَصَلِّ مَا أَدْرَكْتَ وَاقْضِ مَا سَبَقَكَ۔ اسی حدیث کو ابوداؤد نے اپنی روایت سے ابوہریرہؓ سے بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: فَصَلُّوْا مَا أَدْرَكْتُمْ وَاقْضُوْا مَا سَبَقَكُمْ یہ ابوسلمہ عن ابی ہریرہؓ کی روایت ہے۔ ابوداؤد نے یہی الفاظ ابن سیرین عن ابی ہریرہؓ اور ابورافع عن ابی ہریرہؓ میں بیان کئے ہیں۔ یہ اتموا اور اقضوا کے علاوہ تیسری قسم کے الفاظ ہیں اور یہ سیاق محکم ہے جس میں دوسرا احتمال نہیں ہے کیونکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ، تیری پہلی نماز جو فوت ہوگئی ہے (یعنی باجماعت نہ ملی) اسے ادا کر۔

۵۶۔ بَابٌ فِي الْجَمْعِ فِي الْمَسْجِدِ مَرَّتَيْنِ

ایک مسجد میں ایک نماز کی دو مرتبہ جماعت کا باب

۵۷۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْصَرَ رَجُلًا يُصَلِّي وَحْدَهُ

فَقَالَ اَلَا رَجُلٌ يَّتَصَدَّقُ عَلٰى هٰذَا فَيُصَلِّيَ مَعَهُ ـ

(ترجمہ) ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو اکیلے نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا: کیا کوئی ایسا آدمی نہیں جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھ لے؟

(شرح) حسب روایت ترمذی یہ شخص مسجد میں ظہر کی نماز پڑھنے اس وقت آیا جب جماعت ہو چکی تھی۔ اور وہاں اتنا اضافہ اور بھی ہے کہ ایک آدمی اٹھا اور اس کے ساتھ نماز پڑھی۔ یہی اضافہ مسند احمد میں بھی ہے۔ شوکانی نے کہا کہ یہ اٹھنے والا شخص حسب روایت ابن ابی شیبہ ابوبکر صدیقؓ تھے۔ جو شخص پہلے جماعت سے نماز پڑھ چکا ہو وہ کسی دوسرے بعد میں آنے والے کے ساتھ مل کر نماز پڑھ لے تو یہ پسندیدہ فعل ہے مگر کئی لوگوں کا جماعت کے بعد آ کر ایک نئی جماعت بنانا اور اکٹھے نماز پڑھنا کئی ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ اگر اس فعل کی حوصلہ افزائی کی جائے تو جماعت کا وقار ختم ہو جائے گا کیونکہ مؤذن جس جماعت کا اعلان قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کہہ کر کرتا ہے وہ تو وہی پہلی اصلی جماعت تھی جس نے امام حیؒ کے ساتھ نماز پڑھ لی۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کر کے حسب معمول علماء و فقہاء کا مذہب گنوایا ہے اور کہا ہے کہ جس مسجد میں جماعت ہو چکی ہو اس میں دوبارہ جماعت میں حرج نہیں ہے۔ امام احمدؒ بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کا یہی مسلک ہے۔ دوسروں نے کہا ہے کہ ایک جماعت کے بعد لوگ الگ الگ پڑھیں، یہ مسلک سفیانؒ، ابن المبارکؒ اور شافعیؒ کا ہے ان کے نزدیک مختار اکیلے پڑھنا ہی ہے۔ علامہ شوکانی نے بقول بیہقی ابن المنذر کے حوالے سے بتایا ہے کہ دوسری جماعت کی کراہت سالم بن عبداللہؓ، ابو قلابہؓ، ابن عون، بتی، لیث بن سعد، اوزاعی اور اصحاب الرائے کا مسلک ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ دُرِ مختار میں حنفیہ کا یہ مسلک لکھا ہے کہ محلے کی مسجد میں جماعت کا تکرار اذان و اقامت کے ساتھ مکروہ ہے، سر راہ جو مسجد ہو یا جس کا کوئی امام اور مؤذن نہ ہو اس میں جائز ہے۔ مکروہ سے مراد یہاں مکروہ بکراہت تحریمہ ہے اگر اہل محلہ کے علاوہ دوسرے لوگوں نے اذان و اقامت سے پڑھ لی ہو، یا اہل محلہ نے ان کے بغیر پڑھی ہو یا اذان بہت آہستہ ہوئی ہو تو تکرار جماعت جائز ہے۔ ان مسائل کی دلیل وہ واقعہ ہے کہ حضورؐ کسی قوم میں صلح کرانے کو تشریف لے گئے تھے۔ واپس مسجد میں پہنچے تو وہاں وقت پر اذان و اقامت کے ساتھ جماعت ہو چکی تھی۔ آپؐ نے مسجد میں نہیں بلکہ گھر میں اہل خانہ کے ساتھ با جماعت نماز ادا فرمائی۔ چاروں فقہی مسالک کے علماء نے حرمین میں لوگوں کے الگ الگ یکے بعد دیگرے با جماعت نماز پڑھنے کو ناپسند کیا ہے۔ اس حدیث میں جو صورت بیان ہوئی ہے وہ متنازعہ فیہ مسئلے کی صورت سے خارج ہے کیونکہ بعد میں آنے والے شخص کے ساتھ جس نے نماز پڑھی تھی وہ نفل پڑھ رہا تھا کیونکہ پہلے با جماعت نماز ادا کر چکا تھا۔

۵۷۔ بَابُ مَنْ صَلّٰى فِيْ مَنْزِلِهٖ ثُمَّ اَدْرَكَ الْجَمَاعَةَ يُصَلِّيْ مَعَهُمْ

باب۔ جو شخص گھر میں نماز پڑھ چکا ہو پھر جماعت کو پالے تو ان کے ساتھ نماز پڑھ لے

۵۷۵۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ اَخْبَرَنِيْ يَعْلَى بْنُ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ

ابْنِ يَزِيدَ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ غُلَامٌ شَابٌّ فَلَمَّا صَلَّى إِذَا رَجُلَانِ لَمْ يُصَلِّيَا فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَدَعَا بِهِمَا فَجِيءَ بِهِمَا تَرْعَدُ فَرَائِصُهُمَا فَقَالَ مَا مَنَعَكُمَا أَنْ تُصَلِّيَا مَعَنَا؟ قَالَا قَدْ صَلَّيْنَا فِي رِحَالِنَا، قَالَ فَقَالَ لَا تَفْعَلُوا إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فِي رَحْلِهِ ثُمَّ أَدْرَكَ الْإِمَامَ وَلَمْ يُصَلِّ فَلْيُصَلِّ مَعَهُ فَإِنَّهَا لَهُ نَافِلَةٌ۔

(ترجمہ) یزید بن الاسودؓ سے روایت ہے کہ اس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی جبکہ وہ ایک کم عمر نوجوان لڑکا تھا۔ جب حضورؐ نماز ختم کر چکے تو دو آدمیوں کو مسجد کے ایک کونے میں دیکھا جو جماعت کی نماز سے الگ رہے تھے۔ آپؐ نے انہیں بلوایا، انہیں لایا گیا تو ان پر لرزہ طاری تھا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا سبب ہے تم نے ہمارے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے ڈیروں میں پڑھ لی تھی۔ یزیدؓ بن الاسود نے کہا کہ اس پر حضورؐ نے فرمایا: ایسا مت کرو۔ جب تم میں سے کوئی گھر پر نماز پڑھ چکا ہو پھر امام کو پائے کہ اس نے ابھی نماز نہیں پڑھی تو اس کے ساتھ پڑھ لے کیونکہ یہ اس کے لئے نفل ہو گی (یہ نماز فجر کا قصہ ہے جیسا کہ آگے آتا ہے)

۵۷۶۔ حَدَّثَنَا ابْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ بِمَعْنَاهُ

(ترجمہ) یہ اسی حدیث کی دوسری روایت ہے اور اس میں نماز فجر کی صراحت ہے۔ (مسئلے پر گفتگو آگے آتی ہے)

۵۷۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عِيسَى عَنْ سَعِيدِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ نُوحِ بْنِ صَعْصَعَةَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ جِئْتُ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلٰوةِ فَجَلَسْتُ وَلَمْ أَدْخُلْ مَعَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَانْصَرَفَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَى يَزِيدَ جَالِسًا فَقَالَ أَلَمْ تُسْلِمْ يَا يَزِيدُ قَالَ بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَسْلَمْتُ قَالَ فَمَا مَنَعَكَ أَنْ تَدْخُلَ مَعَ النَّاسِ فِي صَلٰوتِهِمْ قَالَ إِنِّي كُنْتُ قَدْ صَلَّيْتُ فِي مَنْزِلِي وَأَنَا أَحْسَبُ أَنْ قَدْ صَلَّيْتُمْ فَقَالَ إِذَا جِئْتَ إِلَى الصَّلٰوةِ فَوَجَدْتَ النَّاسَ فَصَلِّ مَعَهُمْ وَإِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ تَكُنْ لَكَ نَافِلَةً وَهٰذِهِ مَكْتُوبَةٌ۔

(ترجمہ) یزید بن عامر نے کہا کہ میں اس وقت آیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تھے اور میں

لوگوں کے ساتھ جماعت کی نماز میں داخل نہ ہوا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف مڑے تو آپ نے یزید کو یعنی خود حدیث کے راوی کو بیٹھا دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا اے یزید کیا تو مسلم نہیں ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہیں؟ میں مسلم ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تجھے کس چیز نے لوگوں کے ساتھ نماز میں داخل ہونے سے روکا؟ یزید نے کہا میں اپنے گھر میں پڑھ چکا تھا اور میرا خیال تھا کہ آپ سب بھی نماز پڑھ چکے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، جب تو نماز کی طرف آئے اور لوگوں کو پڑھتے ہوئے پائے تو ان کے ساتھ نماز پڑھ لے، اور اگر تو پہلے پڑھ چکا ہوگا تو وہ تیرے لئے نفل ہوگا اور یہ فرض ہو جائے گی۔

(شرح) علامہ شوکانی نے کہا کہ دو مرتبہ پڑھی جانے والی نماز کے متعلق اختلاف ہے کہ فرض کونسی ہوگی، پہلی یا دوسری؟ پس الہادی، اوزاعی اور شافعیؒ کے بعض اصحاب اس طرف گئے ہیں کہ فرض نماز دوسری ہے بشرطیکہ وہ جماعت سے اور پہلی بلا جماعت ہو۔ اور مؤید باللہ، امام یحییٰ، ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب اور شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ فریضہ پہلی نماز ہے۔ امام شافعیؒ کے بعض اصحاب نے کہا کہ فریضہ وہ ہے جو ان دونوں میں سے اکمل ہو۔ بعض اصحاب شافعیؒ نے کہا کہ فریضہ ان میں سے ایک ہے جو مبہم ہے، اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا فریضہ شمار کرے گا۔ علامہ شعبیؒ نے اور بعض اصحاب شافعیؒ نے کہا ہے کہ یہ دونوں فریضہ ہیں۔ پہلے فریق کا استدلال یزید بن عامرؓ کی حدیث سے ہے جس میں صراحۃً مذکور ہے کہ پہلی نماز نافلہ ہوگی اور: ہٰذہٖ مکتوبۃ، یہ دوسری فریضہ ہوگی۔ دارقطنی کی روایت میں یہ لفظ ہیں کہ: گھر والی نماز کو نفل بنا لے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ ایک شاذ روایت ہے جو حفاظ اور ثقات کی روایت کے خلاف آئی ہے جیسے کہ بیہقی نے کہا، اور نوویؒ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور دارقطنی نے کہا کہ یہ ایک ضعیف شاذ روایت ہے اور جن لوگوں کا مسلک یہ ہے کہ پہلی نماز فریضہ ہے خواہ تنہا پڑھی ہو خواہ جماعت سے، انہوں نے یزیدؓ بن الاسود کی حدیث سے استدلال کیا ہے جسے مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارقطنی، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے اور ابن السکن نے اسے صحیح کہا ہے۔ امام شافعیؒ نے قول قدیم میں کہا کہ اس کی سند مجہول ہے کیونکہ یزید بن الاسود سے روایت کرنے والا اس کے بیٹے جابر کے سوا اور کوئی نہیں اور پھر جابر سے روایت کرنے والا یعلی بن عطاء کے سوا کوئی نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ یعلی صحیح مسلم کے راویوں میں سے ہے اور جابر کو نسائی وغیرہ نے ثقہ کہا ہے۔ حافظؒ نے کہا کہ ہمیں جابر سے روایت کرنے والا یعلیٰ کے علاوہ بھی مل گیا ہے جسے ابن مندہ نے معرفۃ الصحابہ میں روایت کیا ہے۔

الجوہر النقی میں ہے کہ ابن مندہ نے معرفۃ الصحابہ میں کہا ہے کہ جابر سے روایت کرنے والا یعلیٰ کے علاوہ عبدالملک بن عمیر ہے۔ حنفیہ کا مذہب اس مسئلے میں یہ ہے کہ جب کسی نے نماز پڑھ لی پھر جماعت کو پالیا تو فجر، عصر اور مغرب کے علاوہ دوسری نمازوں یعنی ظہر اور عشاء میں شامل ہو جائے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ صبح اور عصر کے بعد نفل کی ممانعت ہے اور نہی کی احادیث قوت میں اس حدیث سے زائد تر ہیں اور مانع کو مقدم رکھا جاتا ہے۔ یا یہ حدیث اوقات معلومہ میں نماز نفل کی نہی سے پہلے پر محمول ہے۔ یہ اس لئے کہ دلائل شرع کو جمع کرنا اور تعارض کو رفع کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ بھی کہ اس میں دارقطنی کی ابن عمرؓ سے ایک صریح حدیث بھی موجود ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: جب تو نے اپنے گھر میں نماز پڑھی اور پھر وہ نماز تجھے جماعت سے مل گئی

تو فجر اور مغرب کے علاوہ دوسری نمازوں کو پڑھ لے۔ یہ حدیث مرفوع ہے۔ سہل بن صالح انطاکی اس کے رفع میں منفرد ہے مگر وہ ثقہ ہے اور اس کا اضافہ مقبول ہے۔ اور عصر بھی علتِ کراہت میں فجر کے ساتھ ملحق ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث فجر و عصر کے بعد نفل کی ممانعت کی ناسخ ہے کیونکہ جابر بن یزید کی حدیث حجۃ الوداع میں واقع ہوئی جو متأخر ہے، تو اس کا قول غلط ہے کیونکہ اس کے متأخر ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور حجۃ الوداع میں اس کا وقوع اس کے متأخر ہونے کو لازم نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں صحابہؓ نے حدیث نہی پر عمل کیا ہے مثلاً حضرت عمرؓ عصر کے بعد نماز پڑھنے والوں کو پیٹتے تھے اور یہ واقعہ صحابہ کی موجودگی میں ہوا اور کسی نے اُسے بُرا نہ مانا، لہٰذا نسخ کا دعویٰ غلط ہے۔

اس حدیث کی سند میں نوح بن صعصعہ مکّی ایک مستور راوی ہے (تقریب)

۵۷۸۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى ابْنِ وَهْبٍ اَخْبَرَنِيْ عَمْرٌو عَنْ بُكَيْرٍ اَنَّهُ سَمِعَ عَفِيْفَ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْمُسَيَّبِ يَقُوْلُ حَدَّثَنِيْ رَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ اَسَدِ بْنِ خُزَيْمَةَ اَنَّهُ سَأَلَ اَبَا اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيَّ فَقَالَ يُصَلِّيْ اَحَدُنَا فِيْ مَنْزِلِهِ الصَّلٰوةَ ثُمَّ يَاْتِي الْمَسْجِدَ وَتُقَامُ الصَّلٰوةُ فَاُصَلِّيْ مَعَهُمْ فَاَجِدُ فِيْ نَفْسِيْ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَقَالَ اَبُوْ اَيُّوْبَؓ سَأَلْنَا عَنْ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ فَذٰلِكَ لَهٗ سَهْمُ جَمْعٍ۔

(ترجمہ) بنی اسد بن خزیمہ کے ایک آدمی نے بتایا کہ اس نے ابوایوب انصاریؓ سے پوچھا کہ ہم میں سے کوئی شخص اگر اپنے گھر میں نماز پڑھ لیتا ہے پھر مسجد میں آتا ہے اور نماز کھڑی ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ لوں تو میرے دل میں اس کے متعلق کوئی کھٹک رہتی ہے۔ ابوایوب نے فرمایا کہ ہم نے یہ مسئلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ اس شخص کو جماعت کا حصہ اور ثواب مل جاتا ہے۔

(شرح) محدث علی القاریؒ نے کہا ہے کہ یہ جواب عام ہے جو مسجدوں میں آجکل نئی پیدا ہونے والی جماعت کے تعدّد کی بدعت کو بھی اور حرمین شریفین کے لوگ جس مصیبت میں مبتلا رہیں اس کو بھی مشتمل ہے اور اس میں شک نہیں کہ جب امام اور مقتدی کا فرض ایک ہو تو نماز اولیٰ ہے مگر فرض سے قبل یا بعد اگر نفل پڑھے (یعنی جب امام فرض پڑھتا ہو اور یہ اس کے پیچھے نفل پڑھتا ہو) بشرطیکہ اوقاتِ مکروہہ میں نہ ہو تو اُسے ضرور ثواب ہوگا۔ اس حدیث میں ایک مجہول راوی ہے۔

۵۸۔ بَابُ اِذَا صَلّٰى فِيْ جَمَاعَةٍ ثُمَّ اَدْرَكَ جَمَاعَةً بَعْدُ

باجماعت نماز پڑھ کر پھر جماعت میں ملنے کا باب

۵۷۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ يَعْنِي مَوْلَى مَيْمُونَةَ رض قَالَ أَتَيْتُ ابْنَ عُمَرَ رض عَلَى الْبَلَاطِ وَهُمْ يُصَلُّونَ فَقُلْتُ أَلَا تُصَلِّي مَعَهُمْ قَالَ قَدْ صَلَّيْتُ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تُصَلُّوا صَلَاةً فِي يَوْمٍ مَرَّتَيْنِ۔

(ترجمہ) سلیمان بن یسار، حضرت میمونہ رض کا غلام کہتا ہے کہ میں بلاط پر ابن عمر رض کے پاس آیا اور لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے کہا کہ آپ ان کے ساتھ کیوں نہیں پڑھتے؟ ابن عمر رض نے کہا کہ میں پڑھ چکا ہوں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا تھا کہ ایک دن میں ایک نماز کو دو مرتبہ مت پڑھو۔

(شرح) گذشتہ احادیث کی بناء پر اس حدیث کے عموم سے بعض صورتیں مستثنیٰ ہیں لہٰذا اس کے بغیر چارہ نہیں کہ یہ شرط لگائی جائے کہ: پہلی نماز میں اگر کوئی نقصان رہ گیا ہو تو دوسری میں شامل ہونا جائز ہے۔ نیز اگر دوسری نماز نفل ہو تو پہلی چاہے با جماعت پڑھ چکے ہوں بہ نیت نفل شامل ہو سکتے ہیں۔ علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو ایک ہی نماز کو دوسری مرتبہ با جماعت پڑھنے کے قائل نہیں ہیں۔ کیونکہ اعادہ تو اس لئے ہو سکتا تھا کہ فضیلتِ جماعت حاصل ہو جائے اور اس شخص کو وہ پہلے سے حاصل ہو چکی ہے۔ صیدلانی، غزالی اور صاحبِ مرشد سے یہی مروی ہے۔ استذکار میں ہے کہ احمد بن حنبل رح اور اسحاق بن راہویہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور ص کا ارشاد، لَا تُصَلُّوا صَلٰوةً فِي يَوْمٍ مَرَّتَيْنِ، یہ معنیٰ رکھتا ہے کہ ایک شخص نے بہ نیتِ فرض نماز ادا کرلی ہو اور پھر دوبارہ اسی فرض کو فرض کی نیت سے پڑھنے لگے۔ مگر اس شخص نے دوسری نماز جماعت کے ساتھ بطورِ نفل پڑھی (جسے وہ پہلے بہ نیتِ فریضہ پڑھ چکا تھا) اور پچھلی احادیث کے مطابق حضور ص کا حکم بھی یہی ہے تو یہ ایک فریضہ کو ایک دن میں دو بار پڑھنے والا شمار نہ ہوگا۔ کیونکہ پہلی نماز فریضہ اور دوسری نافلہ ہے، یہ اعادہ نہیں ہے۔ اعادہ تب تھا جب دونوں میں فریضہ کی نیت کی جاتی۔

۵۹۔ بَابٌ فِي جِمَاعِ الْإِمَامَةِ وَفَضْلِهَا

۵۸۰۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْمَهْرِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حَرْمَلَةَ عَنْ أَبِي عَلِيٍّ الْهَمْدَانِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَمَّ النَّاسَ فَأَصَابَ الْوَقْتَ فَلَهُ وَلَهُمْ وَمَنِ انْتَقَصَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعَلَيْهِ وَلَا عَلَيْهِمْ۔

(ترجمہ) ابوعلی ہمدانی نے عقبہ بن عامرؓ کو کہتے سُنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا تھا کہ جس نے لوگوں کی امامت کی پس صحیح وقت کو پایا تو اس کو بھی اور ان کو بھی اجر ملے گا۔ اور جس نے اس میں کوئی کمی کی تو اس کا گناہ اس پر ہے ان پر نہیں۔ (کیونکہ وقت میں خرابی پیدا کرنے اور نماز میں کمی کرنے کا باعث امام ہوگا جو ضامن ـــ ذمہ دار ـــ تھا۔)

۶۰- بَابٌ فِي كَرَاهِيَةِ التَّدَافُعِ عَنِ الْإِمَامَةِ

ایک دوسرے پر امامت تھوپنے کی کراہت کا باب

۵۸۱- حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبَّادٍ الْأَزْدِيُّ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ حَدَّثَتْنِي طَلْحَةُ أُمُّ غُرَابٍ عَنْ عَقِيلَةَ امْرَأَةٍ مِّنْ بَنِي فَزَارَةَ مَوْلَاةٍ لَّهُمْ عَنْ سَلَامَةَ بِنْتِ الْحُرِّ أُخْتِ خَرَشَةَ ابْنِ الْحُرِّ الْفَزَارِيِّ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَّتَدَافَعَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ لَا يَجِدُونَ إِمَامًا يُّصَلِّيْ بِهِمْ۔

(ترجمہ) سلامہ بنت الحرؓ (خرشہ بن الحر فزاری کی بہن) نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ مسجد والے امامت ایک دوسرے پر ڈالیں اور کسی امام کو نہ پائیں جو انہیں نماز پڑھائے۔

(شرح) مراد اس سے جہالت کی کثرت ہے۔ از راہِ انکسار نہیں بلکہ از راہ جہالت و نا اہلیت کوئی بھی نماز پڑھانے کو تیار نہ ہو۔ نماز جیسے اولین اور اہم ترین رکن اسلام کو ارکان و آداب اور فرائض و سنن سمیت جاننے والا اور ادا کر سکنے کی صلاحیت رکھنے والا نہ ملے گا۔ محدث علی القاری نے کہا کہ اسی کثرت جہالت کے باعث ہمارے علمائے متاخرین نے نماز اور تعلیم القرآن اور اذان پر اجرت (تنخواہ) لینا جائز رکھا ہے۔ متقدمین اسے جائز نہ رکھتے تھے۔ حدیث سے اس چیز کی حرمت ثابت نہیں ہوتی کہ کوئی شخص انکسارًا یا اس خیال سے کہ دوسرا اس سے اہل تر یا فقیہ تر اور عالم تر موجود ہے، امامت سے گریز کرے۔ طلحہ ام غراب اور عقیلہ فزاریہ دونوں مجہول ہیں۔

۶۱- بَابُ مَنْ أَحَقُّ بِالْإِمَامَةِ

امامت کے زیادہ حقدار کا باب

۵۸۲- حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ رَجَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ أَوْسَ بْنَ ضَمْعَجٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْبَدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ وَأَقْدَمُهُمْ قِرَاءَةً، فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ

سَوَآءً فَلْيَؤُمَّهُمْ اَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَاِنْ كَانُوْا فِي الْهِجْرَةِ سَوَآءً فَلْيَؤُمَّهُمْ اَكْبَرُهُمْ سِنًّا وَلَا يُؤَمُّ الرَّجُلُ فِيْ بَيْتِهٖ وَلَا فِيْ سُلْطَانِهٖ وَلَا يُجْلَسُ عَلٰى تَكْرِمَتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ. قَالَ شُعْبَةُ فَقُلْتُ لِاِسْمٰعِيْلَ: مَا تَكْرِمَتُهٗ؟ قَالَ فِرَاشُهٗ.

(ترجمہ) ابومسعود بدری نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قوم کی امامت ان میں سے کتاب اللہ کا بڑا قاری اور قدیم ترین قاری کرائے۔ اگر وہ قرأت میں برابر ہوں تو ان میں سے قدیم تر ہجرت والا کرائے، اگر ہجرت میں برابر ہوں تو ان میں سے عمر میں سب سے بڑا امام بنے۔ اور کسی کے گھر میں اس کی امامت نہ کی جائے نہ اس کی سلطنت میں اس کا کوئی اور امام بنے۔ اور اس کی اجازت کے بغیر اس کی مخصوص جگہ پر کوئی اور نہ بیٹھے۔ شعبہ نے کہا کہ میں نے اسماعیل سے پوچھا کہ تکرمہ سے کیا مُراد ہے؟ اس نے کہا اس کا بستر۔

(شرح) اقرأ کا معنی بہتر قاری ہے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد افقہ تھی۔ اصحاب صُفّہ کو قرّاء کہا گیا ہے جو قرآن کے حکم: لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ کے مطابق دین سیکھنے آتے تھے۔ واقعۂ بئر معونہ میں جن قرّاء کو بھیجا گیا تھا اور کفار نے انہیں فریب سے قتل کر دیا تھا وہ یہی لوگ تھے جن کو فقیہ اور قاری ہونے کی بناء پر تبلیغ و تدریس کے کام پر مامور فرمایا گیا تھا۔ پس افقہ آدمی جب قرآن کی اتنی صحیح قرأت جانتا ہو جس سے نماز صحیح ہو جائے۔ امامت میں اسی کو مقدم کیا جائیگا۔ اکثر علماء کا یہی مذہب ہے۔ پس اقرأهم سے مراد اعلمهم ہے۔ بعض فقہاء نے صرف قرأتِ قرآن کو علم و فقہ پر ظاہر حدیث کی بناء پر مقدم کیا ہے اور امام ابویوسفؒ کا یہی مسلک ہے۔ شرح السنہ میں امام نوویؒ نے کہا کہ اس مسئلہ میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں کہ قرأت اور فقہ اس باب میں دوسری چیزوں پر مقدم ہیں۔ پھر ان دونوں میں سے ترجیح میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض اصحابِ ابی حنیفہؒ کے نزدیک قرأت کو فقہ پر تقدم حاصل ہے۔ دوسرے فقہاء مثلاً مالکؒ اور شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ فقہ اولیٰ ہے جبکہ فقیہ نماز کو بطریقِ احسن پڑھانے کے لئے قرأت جانتا ہو کیونکہ اگر وہ فقیہ نہ ہوگا تو ممکن ہے نماز فاسد ہو جائے اور اسے پتہ نہ چلے۔ اقدم فی القراءۃ سے مراد زیادہ حصص قرآن کا حافظ ہے۔ حسنِ قرأت میں برابر ہونے کی صورت میں ہجرت کی قدامت کو ترجیح حاصل تھی مگر فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی لہٰذا بقول ابن الملک آج کل اس سے مراد ہجرتِ معنوی ہے یعنی معاصی سے ہجرت، پس اورع یعنی اتقیٰ (زیادہ متقی) بہتر ہوگا۔ اس حدیث کی روایت میں اختصار ہوا ہے۔ مسلم میں ہے کہ اگر قرأت میں برابر ہوں تو اعلم بالسنّہ کو ترجیح ہوگی۔ نسائی میں ہے کہ پہلے اقرأ، پھر ہجرت میں قدیم تر، پھر اعلم بالسنّہ کو ترجیح ہوگی۔ بظاہر مسلم اور ابوداؤد کی روایت راجح ہے۔ افقہ اور اعلم بالسنّہ کو اقرأ پر مقدم کرنے کی یہ دلیل بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب کی موجودگی میں، حالانکہ وہ بروئے حدیث اقرأ تھے، ابوبکر صدیق رضؓ کو امام صلوٰۃ قرار دیا تھا۔ اعلمهم بالسنّہ کے لفظ سے بھی معلوم ہوگیا کہ اقرأ سے مراد افقہ فی القرآن ہے۔ جب کوئی آدمی افقہ بالقرآن ہونے کے ساتھ ساتھ اعلم بالسنّہ بھی ہوگا تو دوسروں پر اس کو ترجیح ہوگی۔ حدیث میں فقط اقرأ یعنی جو الفاظِ قرآن کی ادائیگی اچھی کر سکے اس پر افقہ و اعلم کے مقدم ہونے کے یہ دلائل ہیں۔ ابوبکر صدیق رضؓ ضبطِ قرأت اور تحسین ادا میں دوسرے اصحاب کے ساتھ شریک تھے مگر اعلم ہونے کے باعث انہیں ترجیح ہوئی۔ ابوسعید خدریؓ کا قول حدیث میں ہے: كَانَ اَبُوْ بَكْرٍ اَعْلَمَنَا۔ ابوبکرؓ ہم سب میں سب سے بڑے عالم تھے۔ جن لوگوں نے ابویوسفؒ کا قول اختیار کیا ہے وہ ابوبکر صدیق رضؓ کی امامتِ صلوٰۃ کو ایک مخصوص قسم کا واقعہ مانتے ہیں کہ

اس میں حضورؐ کا اشارہ استخلاف کی طرف تھا، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔
اس حدیث میں جو ولا فی سلطانہ کے لفظ سے ظاہری سلطنت بھی مراد ہے اور یہ بھی کہ جس مقام پر کسی کا حکم چلتا ہو (خواہ ظاہری حکومت نہ ہو) وہاں اس کی اجازت کے بغیر کوئی امام نہ بنے۔ یہی سبب ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ باوجود اس علم وتقویٰ وفضل وکمال کے حجاج بن یوسف جیسے شخص کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ دراصل جماعت اس لئے مشروع ہوئی ہے کہ مسلمانوں کا اجتماعی نظام، شفقت ومحبت اور اُنس ومودت قائم رہے۔ اگر کسی اور شخص کو اس کے سلطان میں امامت کی اجازت دی جاتی تو ممکن تھا کہ اس کی توہین ہوتی اور لوگ اطاعت کا جوا اپنی گردن سے نکال پھینکتے اور نظم جماعت منتشر ہوجاتا۔ یہی مصلحت اس میں بھی ہے کہ کسی شخص کے گھر میں یا اس کی قوم میں جہاں وہ امام ہے اس کی اجازت کے بغیر اور صنادر کے بغیر امامت کی اجازت نہیں دی گئی۔ جمعہ اور عیدین کی نمازیں تو حاکم وقت ہی کو پڑھانے کا حکم ہے اور اس میں شرعی مصلحت ہے۔ کسی کی مخصوص جگہ پر یا اس کی کرسی یا بستر پر اس کی اجازت کے بغیر بیٹھنا بھی اخلاقاً اور عرفاً بھی اچھی بات نہیں لہٰذا اس کو ایک شرعی ادب بنا دیا گیا ہے۔

۵۸۳ - حَدَّثَنَا ابْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ شُعْبَةَ بِهَذَا الْحَدِيثِ قَالَ فِيهِ وَلَا يَؤُمُّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ - قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَكَذَا قَالَ يَحْيَى الْقَطَّانُ عَنْ شُعْبَةَ أَقْدَمُهُمْ قِرَاءَةً۔

(ترجمہ) دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ فرمایا، کوئی آدمی کسی دوسرے کی امامت نہ کرے الخ اور ابوداؤد کہتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید القطان نے بھی اس حدیث کی روایت میں اَقْدَمُهُمْ قِرَاءَةً کا لفظ بیان کیا ہے (یہ روایت مولانا کے حسب بیان مسند احمد میں آئی ہے۔

۵۸۴ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نُمَيْرٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ رَجَاءٍ عَنْ أَوْسِ بْنِ ضَمْعَجٍ الْحَضْرَمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا الْحَدِيثِ - قَالَ فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً وَلَمْ يَقُلْ فَأَقْدَمُهُمْ قِرَاءَةً۔

(ترجمہ) یہ حدیث ایک اور سند سے آئی ہے تو اس میں یہ لفظ ہیں پس اگر وہ قرأت میں برابر ہوں تو سُنّت کا زیادہ جاننے والا امام ہو پس اگر سُنّت میں برابر ہوں تو قدیم تر ہجرت والا امام ہو۔ اور فَأَقْدَمُهُمْ قِرَاءَةً کا لفظ اس روایت میں نہیں آیا۔

۵۸۵ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ عَنْ عَمْرِو بْنِ سَلِمَةَ قَالَ كُنَّا بِحَاضِرٍ يَمُرُّ بِنَا النَّاسُ إِذَا أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَكَانُوا إِذَا رَجَعُوا مَرُّوا بِنَا فَأَخْبَرُونَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَذَا وَكَذَا وَكُنْتُ غُلَامًا حَافِظًا فَحَفِظْتُ مِنْ ذٰلِكَ قُرْاٰنًا كَثِيْرًا فَانْطَلَقَ أَبِي وَافِدًا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَفَرٍ مِنْ قَوْمِهٖ فَعَلَّمَهُمُ الصَّلٰوةَ وَقَالَ يَؤُمُّكُمْ أَقْرَؤُكُمْ فَكُنْتُ أَقْرَأَهُمْ لِمَا كُنْتُ أَحْفَظُ فَقَدَّمُونِي، فَكُنْتُ أَؤُمُّهُمْ وَعَلَيَّ بُرْدَةٌ لِي صَغِيْرَةٌ صَفْرَاءُ فَكُنْتُ إِذَا سَجَدْتُ تَكَشَّفَتْ عَنِّي، فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنَ النِّسَاءِ: وَارُوا عَنَّا عَوْرَةَ قَارِئِكُمْ، فَاشْتَرَوْا لِي قَمِيْصًا عُمَانِيًّا فَمَا فَرِحْتُ بِشَيْءٍ بَعْدَ الْإِسْلَامِ فَرَحِي بِهٖ فَكُنْتُ أَؤُمُّهُمْ وَأَنَا ابْنُ سَبْعِ سِنِيْنَ أَوْ ثَمَانِ سِنِيْنَ۔

(ترجمہ) عمرو بن سلمہؓ نے کہا کہ ہم لوگ ایک ٹھکانے پر رہتے تھے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانیوالے لوگ ہم پر گزرتے تھے پھر جب وہ واپس آتے تو ہم پر سے گزرتے اور ہمیں بتاتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں اور یوں فرمایا۔ اور میں ایک حفظ کرنے والا لڑکا تھا۔ پس لوگوں کے آنے جانے کے باعث میں نے بہت سا قرآن یاد کرلیا۔ پھر میرا باپ اپنی قوم کا وفد لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز سکھائی اور فرمایا کہ تم میں سے زیادہ قرآن جاننے والا امام بنے۔ اور میں چونکہ یاد کرتا رہتا تھا اس لئے ان میں سے زیادہ تر قاری میں ہی تھا تو انہوں نے انہوں نے مجھے امام بنا دیا اور میں انہیں نماز پڑھاتا تھا، اور مجھ پر زرد رنگ کی ایک چھوٹی چادر ہوتی تھی، پس جب میں سجدہ کرتا تو وہ مجھ سے کھلی جاتی تھی۔ پس ایک عورت بولی: ہم سے اپنے اپنے امام کا پردہ چھپاؤ، پس انہوں نے میرے لئے ایک عمانی قمیص خریدی جس پر میں اتنا خوش ہوا کہ اسلام کے بعد کسی چیز پر اتنا خوش نہ ہوا تھا۔ پس میں سات سال کا یا آٹھ سال کا تھا اور ان کی امامت کراتا تھا۔

(شرح) اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع یا حکم سے ایک سات آٹھ سالہ بچے کو نمازِ پنجگانہ کا امام مقرر کرلیا تھا۔ اس صغیر صحابی کا یہ کہنا کہ حالتِ نماز میں اس کا ستر کھل جاتا تھا، سجدے میں عریاں ہو جاتا تھا حتیٰ کہ ایک عورت کو صراحۃً کہنا پڑا کہ: اجی ذرا اپنے امام صاحب کا ستر تو ڈھانک دیجئے، اس معاملے کو اور بھی سنگین بنا دیتا ہے، نماز میں بالغ اور عاقل امام کا ستر اگر کھل جائے اور لوگوں کو نظر آنے لگے تو کیا اس سے نماز میں کوئی خلل نہیں آئے گا؟ چہ جائیکہ وہ ایک سات آٹھ سالہ بچہ بھی ہو اور پھر قمیص پر اس قدر خوش ہو کہ اسلام کے بعد سب سے بڑی خوشی کا باعث اس کے لئے یہی قمیص ہو۔ یہی سبب ہے کہ نابالغ کی امامت کا اس حدیث سے جواز ثابت کرنے والوں کو چند در چند الجھنوں کا سامنا کرنا پڑا ہے اور بعض بزرگوں نے تو عجیب وغریب باتیں کی ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ اس حدیث میں شافعیہ کے لئے دلیل موجود ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ امتیاز کر سکنے والے بچے کی امامت فرض نماز میں بھی جائز ہے اور یہ مسئلہ مشہور اختلافی مسئلہ ہے، حافظ صاحب نے کہا

کہ جن لوگوں نے کہا ہے کہ اس بچے کو ان لوگوں نے اپنے اجتہاد سے امام بنایا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع نہیں ہوئی تھی یہ انہوں نے انصاف کی بات نہیں کی کیونکہ یہ نفی کی شہادت ہے۔ وہ زمانہ نزول وحی کا تھا اور کسی ناجائز کام پر باقی رکھا جانا یا اس کی توثیق و تائید وقوع میں نہیں آسکتی تھی۔ ابوسعیدؓ اور جابرؓ نے عزل کے جواز کیلئے دلیل دی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ایسا کیا تھا، اگر ممنوع ہوتا تو قرآن اس کی ممانعت کر دیتا۔ اور اسی طرح جن لوگوں نے کہا کہ نماز میں ستر ڈھانکنا فرض نہیں ہوتا کیونکہ اس کا نفل ہوگا اور مقتدی فرض پڑھ رہے ہونگے اور نفل والے کے پیچھے فرض والے کی نماز نہیں ہوتی یہ مذہب مالکؒ، اوزاعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا ہے۔ اور نفل کے متعلق دو روایتیں ہیں (ایک میں ہو جاتا ہے دوسری میں نہیں ہوتا) اور اسے عطاؒ، شعبیؒ اور مجاہدؒ نے (بقول ابن المنذر) مکروہ کہا ہے۔ اور حسنؒ شافعیؒ نے کہا کہ بچے کی امامت صحیح ہے اور جمعہ کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ امام شافعیؒ نے کتاب الام میں اسے ناجائز کہا ہے اور املاء میں جائز کہا ہے۔

خطابی نے کہا کہ حسن کے نزدیک عمرو بن سلمہ کی حدیث ضعیف ہے، اور ایک مرتبہ کہا، اسے چھوڑ دو یہ کچھ واضح چیز نہیں ہے۔ امام احمدؒ سے عمروؓ کی حدیث کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا: میں نہیں جانتا یہ کیا ہے۔ شاید امام احمدؒ نے اس طرف اشارہ کیا کہ اس خبر کے رسول اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کا ثبوت نہیں ملا عینی نے فرمایا کہ بڑے بڑے صحابہؓ کی عمروؓ کی اس اتباع میں مخالفت کی ہے اور عمروؓ نے کہا ہے کہ جب میں سجدہ کرتا تھا تو میرے سرین ننگے ہو جایا کرتے تھے، اور یہ بچہ تو نابالغ تھا، تعجب ہے کہ انہوں نے ابوبکرؓ صدیق اور عمرؓ فاروق اور کبار صحابہؓ کے اقوال و افعال کو حجت نہیں بنایا اور ایک سات آٹھ سالہ بچے کے فعل کو دلیل بنا لیا ہے جو وضو کے فرائض اور فرائض کی معرفت بھی نہ رکھتا تھا۔ ایسے بچے کو امامت کے لئے کیسے آگے بڑھایا جا سکتا ہے؟ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ جب تک لڑکا بالغ نہ ہو امام نہیں ہو سکتا۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ لڑکا جس پر حدود واجب نہیں ہوتیں وہ امام نہیں بن سکتا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ کا یہ قول بڑا عجیب ہے کہ "جن لوگوں نے اس فعل کو ان لوگوں کا اجتہاد کہا اور حضورؐ تک اس کی اطلاع نہ پہنچنے کے قائل ہوئے وہ بے انصاف ہیں"۔ حافظ صاحب جیسے آدمی سے یہ توقع نہ تھی، کیونکہ حدیث میں یہ بات صریح ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ تمہارا امام تم میں سے وہ ہے جو قرآن کو سب سے زیادہ یا اچھا پڑھنے والا ہو پس اس پر انہوں نے اجتہاد کیا اور خطاب کو عام سمجھا (حالانکہ اس سے مراد نابالغ بچے نہ تھے یہ تو ایک عقل عام کی بات تھی!) سو اس سے واضح ہو گیا کہ ان کا عمرو بن سلمہؓ کو امام بنانا محض اجتہاد سے تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتہً یہ نہ فرمایا تھا کہ عمروؓ بن سلمہ کو امام بنالو۔ اگر یہ فرماتے تو یہ البتہ نص ہوتی۔

۵۸۶ - حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ الْأَحْوَلُ عَنْ عَمْرِو بْنِ سَلِمَةَ بِهَذَا الْخَبَرِ قَالَ فَكُنْتُ أَؤُمُّهُمْ فِي بُرْدَةٍ مُوَصَّلَةٍ فِيهَا فَتْقٌ فَكُنْتُ إِذَا سَجَدْتُ خَرَجَتْ اسْتِي۔

(ترجمہ) یہ اسی حدیث کی دوسری روایت ہے۔ عمرو بن سلمہؓ نے کہا کہ ایک مرمت شدہ چادر میں جس میں

ایک پھٹی تھی، ان کی امامت کیا کرتا تھا۔ پس جب میں سجدہ کرتا تھا تو میری دُبر اور سُرین ننگے ہو جاتے تھے۔

(شرح) علامہ شوکانی نیل الاوطار کے ابواب ستر العورۃ میں لکھتے ہیں کہ: حق بات یہ ہے کہ ستر تمام اوقات میں واجب ہے سوائے قضائے حاجت کے وقت کے اور اپنی بیوی سے ملاقات کے وقت کے۔ مگر بڑے تعجب کی بات ہے کہ اس حدیث پر گفتگو کرتے وقت اسے نظر انداز کر گئے اور ایک ایسی بات کہہ گئے جس سے یہ نکلتا ہے کہ ستر عورت نماز کی صحت کی شرط نہیں ہے، اگر کوئی آدمی لوگوں کے سامنے عریاں نماز پڑھ لے تو جائز ہے۔

۵۸۷ - اَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ مِسْعَرِ بْنِ حَبِيبٍ الْجَرْمِيِّ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيهِ اَنَّهُمْ وَفَدُوا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اَرَادُوا اَنْ يَنْصَرِفُوا قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَؤُمُّنَا؟ قَالَ اَكْثَرُكُمْ جَمْعًا لِلْقُرْاٰنِ اَوْ اَخْذًا لِلْقُرْاٰنِ۔ قَالَ فَلَمْ يَكُنْ اَحَدٌ مِنَ الْقَوْمِ جَمَعَ مَا جَمَعْتُ، قَالَ فَقَدَّمُونِي وَاَنَا غُلَامٌ وَعَلَيَّ شَمْلَةٌ لِي۔ قَالَ فَمَا شَهِدْتُ مَجْمَعًا مِنْ جَرْمٍ اِلَّا كُنْتُ اِمَامَهُمْ وَكُنْتُ اُصَلِّي عَلَى جَنَائِزِهِمْ اِلَى يَوْمِي هٰذَا۔ قَالَ اَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ مِسْعَرِ ابْنِ حَبِيبٍ الْجَرْمِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ سَلَمَةَ قَالَ لَمَّا وَفَدَ قَوْمِي اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَقُلْ عَنْ اَبِيهِ۔

(ترجمہ) عمرو بن سلمہؓ نے اپنے باپ سلمہؓ سے روایت کی کہ وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بصورتِ وفد گئے۔ پھر جب واپسی کا ارادہ کیا تو کہنے لگے یا رسول اللہ ہمارا امام کون ہوگا؟ حضورؐ نے فرمایا: تم میں سے جو قرآن کو سب سے زیادہ جمع یا اخذ کر چکا ہے۔ اس نے کہا کہ قوم میں سے کوئی بھی اتنا جمع ہوئے نہ تھا جتنا میں نے جمع کیا تھا، کہا کہ انہوں مجھے آگے کر دیا اور میں لڑکا ہی تھا اور مجھ پر ایک چھوٹی چادر تھی، کہا کہ میں بنی جرم کے کسی مجمعے میں نہ جاتا مگر ان کا امام ہوتا اور میں ان کی نماز جنازہ پڑھتا تھا آج کے دن تک۔ ابوداؤد نے کہا۔ یزید بن ہارون نے اسے مسعر بن حبیب جرمی سے اور اس نے عمرو بن سلمہؓ سے روایت کیا، اس نے کہا کہ جب میری قوم کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور عمرو بن سلمہؓ نے اس سند میں اپنے باپ سے روایت نہیں کی۔

(شرح) بعض محدثین نے کہا ہے کہ عمرو بن سلمہؓ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سُننا یا روایت کرنا ثابت نہیں ہے مگر مولانا نے فرمایا کہ ابن منذر نے کتاب الصحابہ میں عمرو بن سلمہؓ کی حدیث صحیح سند سے نقل کی ہے کہ: میں اس وفد میں شامل تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تھا۔ اس میں بقول حافظ ابن حجر (تہذیب) اس کی وفادت و سماع کی صراحت ہے۔ اس حدیث کی پہلی روایت جو وکیع سے ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن سلمہؓ حضورؐ کے پاس جانے والے وفد میں شامل نہ تھا مگر دوسری روایت جو یزید بن ہارون سے ہے اس میں عن ابیہ کا لفظ نہیں ہے

اس سے ثابت ہوا کہ عمرو بن سلمہؓ وفد میں شامل تھا۔

۵۸۸ - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ حَدَّثَنَا أَنَسٌ يَعْنِي ابْنَ عِيَاضٍ ح وَحَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ ابْنُ خَالِدٍ الْجُهَنِيُّ الْمَعْنَى قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُونَ الْأَوَّلُونَ نَزَلُوا الْعُصْبَةَ قَبْلَ مَقْدَمِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ يَؤُمُّهُمْ سَالِمٌ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ وَكَانَ أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا - زَادَ الْهَيْثَمُ وَفِيهِمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الْأَسَدِ -

(ترجمہ) ابن عمرؓ نے کہا کہ جب پہلے مہاجر مدینہ آئے تو عصبہ کے مقام پر (قبا کی بستی میں) اترے، یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلے کا ہے۔ پس ان کی امامت سالمؓ، ابوحذیفہؓ کا غلام کراتا تھا اور وہ سب سے زیادہ قرآن پڑھ چکا تھا۔ ہیثم نے یہ لفظ زیادہ کہے کہ ان میں عمر بن الخطاب اور ابوسلمہ بن عبدالاسد بھی تھے۔

(شرح) ابوسلمہؓ (ام المؤمنین ام سلمہؓ کے پہلے خاوند جو جنگ احد میں شہید ہوئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے۔ سالمؓ ایک عورت کا غلام تھا جسے اس نے آزاد کر دیا تھا اور ابوحذیفہؓ نے اسے متبنّٰی بنا لیا تھا لہٰذا سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہ کہلایا۔

۵۸۹ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا مَسْلَمَةُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَعْنَى وَاحِدٌ عَنْ خَالِدٍ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ أَوْ لِصَاحِبٍ لَهُ: إِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَأَذِّنَا ثُمَّ أَقِيمَا ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا - وَقَالَ فِي حَدِيثِ مَسْلَمَةَ قَالَ وَكُنَّا يَوْمَئِذٍ مُتَقَارِبَيْنِ فِي الْعِلْمِ - وَقَالَ فِي حَدِيثِ إِسْمَاعِيلَ قَالَ خَالِدٌ: قُلْتُ لِأَبِي قِلَابَةَ فَأَيْنَ الْقُرْآنُ؟ قَالَ إِنَّهُمَا كَانَا مُتَقَارِبَيْنِ -

(ترجمہ) مالک بن الحویرث سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یا اس کے ایک ساتھی کو فرمایا: جب نماز کا وقت آجائے تو تم اذان کہو (یعنی تم میں سے ایک) اور اقامت کہو (یعنی تم میں سے ایک) پھر تم میں سے جو بڑا ہو وہ امام بنے۔ مالکؓ نے کہا کہ ہم اس وقت علم میں ایک جیسے ہی تھے۔ خالد نے ابوقلابہ سے کہا کہ پھر قرآن میں کیا تھا؟ اس نے کہا کہ وہ دونوں قریب قریب تھے۔

(شرح) اس حدیث کی مختلف روایات میں الفاظ کا اختلاف ہے کسی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زیادہ آدمی تھے۔

ایک میں ہے کہ دو تھے۔ ایک میں ہے کہ دونوں کو اذان واقامت کا حکم ملا تھا اور ایک میں ہے کہ تم میں سے ایک اذان کہے اور بڑا امامت کرائے۔ یہ محاورات ہیں۔ بعض دفعہ لفظِ جمع سے مراد واحد ہوتا ہے، بعض دفعہ تثنیہ سے مراد واحد ہوتا ہے جیسے حجاج کا قول ہے: یا حرسی اضربا عنقہٗ اور کہا جاتا ہے: قَتَلَہٗ بَنُو تَمِیْمٍ حالانکہ قاتل ایک تھا۔

۵۹۰۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا حُسَیْنُ بْنُ عِیْسَی الْحَنَفِیُّ حَدَّثَنَا الْحَکَمُ بْنُ اَبَانَ عَنْ عِکْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لِیُؤَذِّنْ لَکُمْ خِیَارُکُمْ وَلْیَؤُمَّکُمْ قُرَّاؤُکُمْ۔

(ترجمہ) ابن عباسؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے بھلے لوگ اذان دیا کریں اور جو تم میں سے قاری ہوں وہ امامت کیا کریں۔ (مؤذن وقت بے وقت بلند جگہوں پر چڑھ کر اذان دیتے ہیں لہٰذا ان کا نیک اور پرہیزگار ہونا ضروری ہے۔ اور امام کا مسائل نماز سے واقف ہونا اور حسن القراءۃ ہونا ضروری ہے)

۶۲۔ بَابُ اِمَامَةِ النِّسَآءِ
عورتوں کی امامت کا باب

۵۹۱۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا وَکِیْعُ بْنُ الْجَرَّاحِ حَدَّثَنَا الْوَلِیْدُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ جُمَیْعٍ حَدَّثَتْنِیْ جَدَّتِیْ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَلَّادٍ الْاَنْصَارِیُّ عَنْ اُمِّ وَرَقَةَ بِنْتِ نَوْفَلٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا غَزَا بَدْرًا قَالَتْ قُلْتُ لَہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ائْذَنْ لِیْ فِی الْغَزْوِ مَعَكَ اُمَرِّضُ مَرْضَاکُمْ لَعَلَّ اللّٰہَ اَنْ یَرْزُقَنِیْ شَہَادَةً۔ قَالَ قَرِّیْ فِیْ بَیْتِكِ فَاِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَرْزُقُكِ الشَّہَادَةَ۔ قَالَ فَکَانَتْ تُسَمَّی الشَّہِیْدَةُ، قَالَ وَکَانَتْ قَدْ قَرَأَتِ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَاْذَنَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْ دَارِھَا مُؤَذِّنًا فَاَذِنَ لَھَا، قَالَ وَکَانَتْ دَبَّرَتْ غُلَامًا لَّھَا وَجَارِیَةً فَقَامَا اِلَیْھَا بِاللَّیْلِ فَغَمَّاھَا بِقَطِیْفَةٍ لَّھَا حَتّٰی مَاتَتْ وَذَھَبَا فَاَصْبَحَ عُمَرُؓ فَقَامَ فِی النَّاسِ فَقَالَ مَنْ کَانَ عِنْدَہٗ مِنْ ھٰذَیْنِ عِلْمٌ اَوْ مَنْ رَاٰھُمَا فَلْیَجِئْ بِھِمَا۔ فَاُمِرَ بِھِمَا فَصُلِبَا فَکَانَا اَوَّلَ مَصْلُوْبٍ بِالْمَدِیْنَةِ۔

(ترجمہ) اُمِ وَرقہؓ بنت نوفل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جنگ بدر کی روانگی اختیار فرمائی تو میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بھی جنگ کی اجازت دیجئے۔ میں بیماروں کی تیمارداری کروں گی شاید اللہ تعالیٰ مجھے شہادت عطا فرما دے۔ آپ نے فرمایا تو اپنے گھر میں قرار پکڑ یقیناً اللہ تعالیٰ تجھے شہادت عطا فرمادیگا۔ راوی عبدالرحمٰن کہتا ہے کہ ام ورقہؓ کو شہیدہ کہا جاتا تھا۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ ام ورقہؓ نے قرآن پڑھا ہوا تھا پس اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ اپنے گھر کے لئے ایک مؤذن مقرر کرے تو آپؐ نے اجازت دے دی۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ اس نے اپنا ایک غلام اور ایک لونڈی مُدبّر کر دیئے تھے۔ پس وہ دونوں رات کو اٹھے اور ام ورقہؓ پر ایک کمبل ڈال کر گھونٹ دیا حتیٰ کہ وہ مرگئی اور وہ دونوں چلے گئے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ نے لوگوں سے خطاب فرمایا اور کہا کہ جس کسی کو ان دونوں کے متعلق کچھ علم ہو یا جس نے انہیں دیکھا ہو وہ انہیں لے آئے۔ پھر (جب وہ پکڑے ہوئے لائے گئے تو) حضرت عمرؓ نے انہیں صلیب پر ما ر دیا اور مدینہ میں یہ دونوں اولین مصلوب تھے۔

(شرح) راویٔ حدیث الولید بن عبداللہ بن جُمیع پر کلام ہوا ہے۔ اکثر نے اس پر اعتماد کیا اور اسے تشیّع کا الزام بھی دیا گیا ہے۔ یہ اپنی دادی سے روایت کرتا ہے جس کا نام لیلیٰ بنت مالک ہے اور غیر معروف راویہ ہے بعض روایات میں خود ام ورقہؓ کو اس کی دادی یا نانی بتایا گیا ہے مگر پہلی بات زیادہ پختہ ہے۔ عبدالرحمٰن بن خلاد الانصاری کو بھی تقریب میں مجہول الحال کہا گیا ہے جس کی ایک روایت میں تین راویوں کا یہ حال ہو اس کی قدر و قیمت معلوم۔ پھر یہ روایت مضطرب بھی ہے۔ یہاں تو ولید اپنی دادی سے روایت کرتا ہے۔ بعض روایات میں اپنی ماں سے روایت کرتا ہے اور بعض میں ولید اپنی دادی سے جو لیلیٰ بنت مالک ہے وہ اپنے باپ سے اور وہ ام ورقہ سے راوی ہے، بعض روایات میں ولید اپنے دادا یا نانا سے اور وہ ام ورقہؓ سے راوی ہے۔ ایک جگہ ولید براہِ راست عبدالرحمٰن بن خلاد سے اور وہ ام ورقہ سے روایت کرتا ہے۔ پھر عبدالرحمٰن بن خلاد بعض دفعہ اپنے باپ سے اور وہ ام ورقہ سے راوی ہے۔ اس روایت میں ام ورقہ بنت نوفل کہا گیا ہے اور دراصل اس کا نسب یوں ہے : ام ورقہ بنت عبداللہ بن الحارث بن عویمر بن نوفل الانصاری۔ دارقطنی کی روایت میں ہے کہ ام ورقہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہلِ قبیلہ کی عورتوں کی امامت کا حکم دیا تھا اور وہ انہیں نماز پڑھاتی تھی۔ اس روایت میں ہے کہ ام ورقہ کے دونوں قاتلوں کو مصلوب کیا گیا اور مدینہ میں کسی کو صلیب دینے کا پہلا واقعہ تھا۔ یہ روایت اس حدیث کے خلاف پڑتی ہے جس کے الفاظ ہیں "لَا قَوَدَ اِلَّا بِالسَّيْفِ" قصاص صرف تلوار سے لیا جائے"۔ شاید (اگر یہ روایت ثابت ہو تو) پہلے انہیں قتل کیا گیا ہو اور پھر صلیب پر عبرۃً لٹکا دیا گیا ہو۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابوداؤد کی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ ابن السکن نے اس حدیث کو بیان کیا ہے اور وہاں یہ لفظ ہیں : ام ورقہ نے کہا یا رسول اللہ اگر آپؐ مجھے جنگ میں جانے کی اجازت دیں تو میں بیماروں کی تیمارداری کروں، زخمیوں کا علاج کروں، شاید اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرمائے۔ حضورؐ نے فرمایا : اے ام ورقہ! تو اپنے گھر میں بیٹھ، اللہ تعالیٰ شہادت کو تیرے گھر میں تیرے پاس لے آئیگا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام ورقہ کے ہاں ملنے کو تشریف لے جاتے تھے اور اس کے لئے ایک مؤذن مقرر فرمایا تھا جو اذان دیتا تھا۔ اس کا ایک غلام اور ایک لونڈی تھی جن کو اس نے مُدبّر بنایا تھا (کہ تم میری موت کے بعد آزاد ہو) ان دونوں نے اسے گھونٹ کر اور سانس روک کر مار ڈالا۔ صبح کو عمرؓ اٹھے تو فرمایا : واللہ!

گزشتہ رات میں نے اپنی خالہ ام ورقہ کی قرأت کی آواز نہیں سنی، اس کے گھر میں داخل ہوئے تو کچھ نہ پایا، پھر اس کے کمرے میں گئے تو دیکھا کہ وہ ایک کمبل میں لپٹی ہوئی ہے اور گھر کے ایک کونے میں پڑی ہوئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ اور اس کا رسول سچے ہیں۔ پھر منبر پر چڑھے اور یہ واقعہ بیان کیا۔ پھر انہیں پکڑ بلایا۔ جب لائے گئے تو انہوں نے قتل کا اعتراف کیا۔ حضرت عمرؓ نے ان کے مصلوب کرنے کا حکم دیا اور انہیں سولی پر لٹکایا گیا۔ شاید حضرت عمرؓ نے انہیں باغی شمار کر کے انہیں صلیب دیا ہو کہ قرآن میں باغیوں کی سزا صلیب بھی آئی ہے، یا اس لئے کہ انہوں نے ام ورقہ کو دم گھونٹ کر مارا تھا لہٰذا یہ سزا مناسب سمجھی ہو۔

۵۹۲- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ حَمَّادٍ الْحَضْرَمِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفُضَيْلِ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ جُمَيْعٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَانِ بْنِ خَلَّادٍ عَنْ أُمِّ وَرَقَةَ بِنْتِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ بِهَذَا الْحَدِيثِ وَالْأَوَّلُ أَتَمُّ. قَالَ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزُورُهَا فِي بَيْتِهَا وَجَعَلَ لَهَا مُؤَذِّنًا يُؤَذِّنُ لَهَا وَأَمَرَهَا أَنْ تَؤُمَّ أَهْلَ دَارِهَا. قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ وَأَنَا رَأَيْتُ مُؤَذِّنَهَا شَيْخًا كَبِيرًا۔

(ترجمہ) یہ دوسری روایت اسی حدیث کی ہے اور پہلی کی نسبت مختصر ہے۔ اس میں راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام ورقہ کے ہاں اسے ملنے جاتے تھے اور اس کے لئے ایک مؤذن مقرر کیا تھا جو اذان دیتا تھا اور اسے حکم دیا تھا کہ محلہ کی عورتوں کی امامت کیا کرے۔ عبدالرحمان نے کہا کہ میں نے اس کا مؤذن دیکھا تھا جو ایک بہت بوڑھا شخص تھا۔

(شرح) اس حدیث سے عورتوں کی امامت ثابت ہوتی ہے جو حنفیہ کے نزدیک کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ بدائع میں ہے کہ عورت فی الجملہ امامت کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اگر عورتوں کی امام بنے تو جائز ہے اور مناسب ہے کہ ان کے وسط میں کھڑی ہو کیونکہ ام المومنین عائشہؓ کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے عورتوں کو عصر کی نماز پڑھائی اور ان کے وسط میں کھڑی ہوئیں۔ اسی طرح ام سلمہؓ نے عورتوں کی امامت کی تو ان کے وسط میں کھڑی ہوئیں۔ یہ سبب بھی ہے کہ خواتین کے حال کی بنیاد ستر پر ہے اور یہ صورت ان کے لئے زیادہ پردے کا سبب ہے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک عورتوں کی جماعت مکروہ ہے امام شافعیؒ کے نزدیک مردوں کی مانند عورتوں کی جماعت بھی مستحب ہے۔ عورتوں کی امامت کچھ احادیث سے ثابت ہے مگر یہ ابتدائے اسلام کے واقعات ہیں پھر اس کے بعد وہ منسوخ ہو گئی۔ امام ابن الہمامؒ نے اس مقام پر طویل کلام فرمایا ہے اور منسوخ ہونے پر ان روایات سے اعتراض کیا ہے۔ جو مستدرک سے نقل کی ہیں اور امام محمدؒ کی کتاب الآثار سے بھی اور سنن ابی داؤد کی حدیث ام ورقہ درج کی ہے۔ پھر ان کا جواب دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ ناسخ کی تعیین کیسے کی جائے؟ کیونکہ اگر نسخ کا دعویٰ کیا جائے تو ناسخ کو معین کرنا لازم ہے۔ نسخ کے متعلق صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ سنن ابی داؤد میں اور صحیح ابن خزیمہ میں جو حدیث ہے کہ عورت کے لئے افضل وہ نماز ہے جو وہ گھر میں پڑھے اور کمرے کی نماز صحن وغیرہ سے بہتر ہے اور پچھلی کوٹھڑی کی نماز کمرے کی نماز سے بہتر ہے۔ یہ حدیث ان روایات کی ناسخ ہے۔ ابن خزیمہؒ نے حضورؐ کی

حدیث روایت کی ہے کہ: عورت کی وہ نماز اللہ کو زیادہ پسند ہے جو وہ اپنے گھر کی تاریک ترین کوٹھڑی میں پڑھے۔ اسی طرح ابن خزیمہ اور ابن حبان کی ایک اور حدیث میں ہے: عورت اپنے ربّ کے سامنے زیادہ اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے پچھلے حصوں میں ہو۔ اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ عورت کی کالی کوٹھڑی جماعت کے لائق تو نہیں ہوتی۔ مگر ان حدیثوں سے زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ عورتوں کے لئے علیحدہ جماعت مسنون نہیں رہی، ان سے اس کی حرمت معلوم نہیں ہوتی، ہاں کراہتِ تنزیہ ثابت ہوتی ہے، گویا وہ خلافِ اولیٰ ہے اور ضروری نہیں کہ ہم اسے مکروہ تحریمی ہی کہیں کیونکہ حق جہاں بھی ہو اس کا اتباع مقصود ہونا چاہیئے۔ محدث علیؒ القاری نے کہا ہے کہ شرح المجمع میں ہے کہ امہات المومنین نے ان دنوں میں امامت کرائی جبکہ وہ عورتوں کی جماعت مستحب تھی، پھر اس کا استحباب منسوخ ہوگیا اور ظاہر تر بات یہ ہے کہ کراہت اس صورت پر محمول ہے جبکہ خواتین باہر ظاہر ہوں اور گھروں سے باہر نکلیں اور جواز اس صورت میں ہے جبکہ اپنے گھروں میں پردے سے یہ کام کریں۔

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے اس حدیث سے عورتوں کے مردوں کا امام بننے کا بھی جواز ثابت کیا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ اُمّ ورقہؓ کا ایک مؤذن تھا جو اذان دیتا تھا اور ایک غلام اور ایک لونڈی بھی تھی، اور ظاہر یہ ہے کہ وہ اپنے مؤذن اور غلام کی بھی امام بنتی تھیں اور لونڈی ساتھ کھڑی ہوتی تھی مگر یہ حدیث اس پر کسی حال میں بھی دلالت نہیں کرتی نہ صراحۃً نہ اشارۃً، اور اس قسم کی حالت میں یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ جہاں تک عورتوں کی مردوں کے لئے امامت کے عدم جواز کا تعلق ہے تو کبھی تو استدلال اس حدیث سے ہوتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ: اَخِّرُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَخَّرَهُنَّ اللّٰهُ "جہاں سے اللہ نے انہیں پیچھے ہٹایا ہے تم بھی ہٹاؤ"۔ مگر ابن الہمام نے کہا ہے کہ اس حدیث کا مشہور ہونا تو رہا ایک طرف، مرفوع ہونا بھی ثابت نہیں ہے۔ اور کبھی اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ انسؓ کے گھر میں حضورؐ نے امامت کی تو انسؓ اور یتیم آگے کھڑے ہوئے اور بڑھیا ان کے پیچھے کھڑی ہوئی پس وہ صف کے پیچھے اکیلی کھڑی ہوئی اور یہ صورت مفسدِ صلوٰۃ ہے۔ امام احمدؒ کا مذہب یہی ہے کیونکہ صف کے پیچھے اکیلا کھڑا ہونے والے کو اعادۂ صلوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے سو اس حدیث سے بڑھیا کا مردوں کے پیچھے اکیلا کھڑا ہونا ثابت ہوا پس امامت کیسے جائز ہوگی؟ اصل بات یہ ہے کہ اس مسئلے میں اجماع کو ہی اصل دلیل ٹھہرایا جانا مناسب ہے کہ ملّت کا، عورتوں کی امامت کے عدم جواز پر اجماع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۶۳۔ بَابُ الرَّجُلِ يَؤُمُّ الْقَوْمَ وَهُمْ لَهُ كَارِهُوْنَ

اس آدمی کا باب جو قوم کی ناپسندیدگی کے باوجود ان کا امام بنے

۵۹۳۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ غَانِمٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ عَبْدٍ الْمَعَافِرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ: ثَلَاثَةٌ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُمْ صَلٰوةً، مَنْ تَقَدَّمَ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ

كَارِهُونَ وَرَجُلٌ أَتَى الصَّلٰوةَ دِبَارًا وَالدِّبَارُ أَنْ يَأْتِيَهَا بَعْدَ أَنْ تَفُوتَهُ وَرَجُلٌ اعْتَبَدَ مُحَرَّرَةً۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: تین آدمیوں کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا، ایک وہ جو کسی قوم کا امام بن جائے اور وہ اسے ناپسند کریں، دوسرا وہ جو نماز کا وقت نکل جانے کے بعد اسے پڑھنے کو آئے اور تیسرا وہ شخص جو کسی آزاد کو غلام بنالے۔

(شرح) اس حدیث کا راوی عمران بن عبد المعافری ابن معین کے نزدیک ضعیف ہے۔ ابن قطان کے نزدیک مجہول الحال اور ابن حبان کے نزدیک ثقہ ہے۔ نماز کی نامقبولیت کا مطلب یہ ہے کہ ثواب کے لحاظ سے ان کی نماز مرتبۂ کمال سے محروم ہے۔ شوکانی نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ اس باب کی احادیث ایک دوسری کی تقویت کرتی ہیں اور ان سے یہ استدلال ہوسکتا ہے کہ مقتدیوں کی کراہت کے باوجود امام بننا حرام ہے۔ اور قبولِ صلوٰۃ کی نفی اور یہ بات کہ وہ نماز نمازیوں کے کانوں سے تجاوز نہیں کرتی اور ایسا کرنے والے پر لعنت کا آنا، یہ سب باتیں حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ کچھ لوگوں کے نزدیک یہ حرام اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے۔ اور عراقی نے کراہت علی بن ابی طالبؓ اور اسود بن ہلال اور عبداللہ بن ہلال البصری سے نقل کی ہے۔ اور اہل علم کی ایک جماعت نے کراہت سے مراد دینی کراہت لی ہے یعنی ناپسندیدگی کا سبب محض دینی ہو کوئی ذاتی یا دنیوی مخاصمت نہ ہو اور غیر دینی کراہت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ ایک یا دو یا تین آدمیوں کی کراہت کوئی چیز نہیں، اکثر مقتدیوں کی کراہت مراد ہے۔ یہ اس وقت جبکہ جماعت کا مجمع کثیر ہو لیکن جب دو تین ہی ہوں تو ان کی کثرت مراد ہوگی۔ امام شافعیؒ نے اس امام سے مراد غیر حاکم لیا ہے کیونکہ حاکموں کی کراہت تو لوگوں میں اغلب ہوتی ہے، مگر حدیث کا ظاہر اس سے خاموش ہے۔ اور دینداروں کی کراہت کا اعتبار ہوگا نہ کسی اور کا۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اگر دیندار کم ہوں تو پھر کراہت میں انہی کی طرف دیکھا جائیگا۔ حنفیہ کے نزدیک یہاں پر کراہت تحریمی ہے۔ درمختار میں ہے کہ اگر اس امام کے فساد کے باعث کراہت ہو یا اس لئے ہو کہ دوسرے لوگ اس سے زیادہ امامت کے مستحق ہیں تو اس وقت کراہت تحریمی ہوگی۔ اگر امامت کا وہی حقدار ہو تو لوگوں کی کراہت بے فائدہ اور ان کے لئے وبال جان ہے۔ دبار کا لفظ دبر سے نکلا ہے اور اس سے مراد جماعت کا فوت ہونا ہے اور راوی کا فوت ہونا بدرجۂ اولیٰ۔ یہ اس وقت ہے جبکہ وہ اسے عادت بنالے۔ آزاد آدمی کو کسی طور پر بھی غلام بنالینا جائز نہیں خواہ صرف دعویٰ سے ہو یا عملاً۔

۶۴۔ بَابُ إِمَامَةِ الْبَرِّ وَالْفَاجِرِ

نیک و بد کی امامت کا باب

۵۹۴۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ اَلصَّلٰوۃُ الْمَكْتُوْبَةُ وَاجِبَةٌ خَلْفَ كُلِّ مُسْلِمٍ بَرًّا كَانَ اَوْ فَاجِرًا وَاِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ۔

(ترجمہ) ابو ہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرض نماز ہر مسلمان کے پیچھے واجب ہے، نیک ہو یا بد، اگرچہ کبائر کا مرتکب ہو۔

(شرح) مولانا نے فرمایا کہ یہ باب حدیث سمیت مصری نسخے میں مذکور ہے مگر ہندی نسخوں میں حاشیے پر لکھا ہوا ہے۔ یہ حدیث یہاں پر مکرر ہے کیونکہ سنن کے باب الغزو مع ائمۃ الجور میں طویل اور مفصل آئی ہے محدث علی القاری نے ابن الملک کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے: تمہاری نماز فاسق و فاجر کے پیچھے بھی جائز ہے کیونکہ واجب تو تم دونوں پر ہے (وجوب بمعنی جواز ہے اگر فاسق کے پیچھے نماز پڑھنے سے اسے متعلق سمجھا جائے)۔ اس سے فاسق و فاجر اور بدعتی کے پیچھے نماز کا جواز نکلا بشرطیکہ بدعتی کا قول کفر نہ ہو۔ امام مالکؒ نے فاسق کی امامت میں نماز پڑھنے کو ناجائز کہا ہے اور یہ حدیث ان کے خلاف دلیل ہے۔ فاسق و فاجر کے پیچھے نماز کی کراہت تو دلائل سے ثابت ہے مگر نظم جماعت کو قائم رکھنا اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں اس کی اجازت اس حیثیت سے وارد ہوئی۔ دارقطنی نے بھی اسے روایت کیا مگر کہا ہے کہ مکحول کی روایت ابو ہریرہؓ سے ثابت نہیں پس حدیث منقطع ہوئی اور اسے امام مالکؒ کے خلاف حجت نہیں بنایا جا سکتا۔ ابن الہمام رح نے کہا کہ حدیث کے راوی ثقہ ہیں اور یہ انقطاع فقہاء کے نزدیک ارسال کہلاتا ہے جو ہمارے نزدیک مقبول ہے (یعنی جبکہ راوی ثقہ ہو) اسی معنی کی احادیث کئی سندوں سے وارد ہیں مگر وہ سب ضعیف ہیں مگر کثرت کے باعث محققین کے نزدیک درجہ حسن تک پہنچ جاتے ہیں۔ حافظ صاحب نے دارقطنی کی روایت کو مرسل کہہ کر اس بنا پر مقبول کہا ہے کہ سلف کا اس پر عمل تھا شیخین کی روایت کے مطابق ابن عمرؓ اور انسؓ حجاج کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

۶۵۔ بَابُ اِمَامَةِ الْاَعْمٰى

اندھے آدمی کی امامت کا باب

۵۹۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعَنْبَرِيُّ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ الْقَطَّانُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَخْلَفَ ابْنَ اُمِّ مَكْتُوْمٍ يَؤُمُّ النَّاسَ وَهُوَ اَعْمٰى۔

(ترجمہ) انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم کو اپنا قائم مقام بنایا، وہ نابینا تھے اور لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔

(شرح) اس حدیث کا راوی عمران قطان بن داور بصری بخاری کے نزدیک سچا مگر وہمی تھا۔ دارقطنی نے

کثیر المخالفۃ والوہم کہا ہے۔ ابن معین کے قول کے مطابق یہ خارجی تھا مگر ان کا داعی نہ تھا۔ نسائی نے اسے ضعیف، ابن معین نے غیر قوی اور دیگر ائمہ نے ثقہ اور صدوق کہا ہے۔

عبداللہؓ بن ام مکتوم کو حضورؐ نے کئی بار اپنی مدینہ سے غیر حاضری میں نائب اور قائم مقام بنایا تھا بعض محدثین نے تو تیرہ مرتبہ کا ذکر کیا ہے جس واقعہ کا اس حدیث میں ذکر ہے یہ جنگ تبوک کے موقع کا ہے۔ حضرت علیؓ کو حضورؐ نے اہل و عیال کی حفاظت کے لئے چھوڑا اور نائب عبداللہؓ بن ام مکتوم کو بنایا۔ چنانچہ امام صلوٰۃ بھی وہی تھے۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ اس طرح حضورؐ نے ابوبکرؓ صدیق کی خلافت پر کسی مخالف کے طعن کا دروازہ بند کیا تھا۔ ابنؓ ام مکتوم اس موقع پر تو نائب اور قائم مقام تھے، بعض مواقع پر شائد انہیں صرف امام صلوٰۃ بھی بنایا گیا ہو۔ یہ حدیث نابینا کی امامت پر دلالت کرتی ہے۔ محدث علی القاریؒ نے کہا کہ بقول ابن الملک نابینا کی امامت کی کراہت کا سوال اس وقت ہے جبکہ قوم میں کوئی آنکھوں والا ایسا شخص موجود ہو جو زیادہ عالم یا اس کے برابر عالم ہو۔ حافظؒ ابن حجر کہتے ہیں کہ نابینا کی امامت کے جواز میں کوئی نزاع نہیں ہے۔ نزاع اس میں ہے کہ کیا وہ بصیر سے بہتر ہے یا اس کے برعکس ہے۔ عبداللہؓ بن ام مکتوم ایک عالم و فاضل، جلیل القدر، قدیم الایمان اور قدیم الہجرت صحابی تھے۔ سورۂ عبس میں الاعمٰی سے مراد یہی ہیں۔ حضورؐ ان کا اکرام فرمایا کرتے تھے۔

۶۶۔ بَابُ اِمَامَةِ الزَّائِرِ

زائر کی امامت کا باب

۵۹۶۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا اَبَانُ عَنْ بُدَيْلٍ حَدَّثَنِي اَبُوْعَطِيَّةَ مَوْلًى مِّنَّا قَالَ كَانَ مَالِكُ بْنُ حُوَيْرِثٍ يَأْتِيْنَا اِلٰى مُصَلَّانَا هٰذَا فَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَقُلْنَا لَهٗ تَقَدَّمْ فَصَلِّهْ فَقَالَ لَنَا: قَدِّمُوْا رَجُلًا مِّنْكُمْ يُصَلِّيْ بِكُمْ وَسَاُحَدِّثُكُمْ لِمَ اُصَلِّيْ بِكُمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ زَارَ قَوْمًا فَلَا يَؤُمَّهُمْ وَلْيَؤُمَّهُمْ رَجُلٌ مِّنْهُمْ۔

(ترجمہ) ابوعطیہ کا بیان ہے کہ مالکؓ بن حُویرث ہمارے پاس ہماری اس مسجد میں آیا کرتے تھے۔ ہم نے ان سے کہا کہ آگے بڑھئے اور نماز پڑھائیے تو اس نے ہم سے کہا کہ اپنے میں سے ایک آدمی کو آگے بڑھاؤ جو تمہیں نماز پڑھائے اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں تمہیں کیوں نماز نہیں پڑھاتا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا کہ جو کسی قوم سے ملنے جائے وہ انہیں نماز نہ پڑھائے اور انہی میں سے ایک آدمی انہیں نماز پڑھائے۔

(شرح) ابوعطیہ راوی بقول ابوحاتم، علی بن المدینی اور ابوالحسن القطان مجہول ہے۔ اس کا نام بھی معلوم نہیں مگر ابن خزیمہ نے اس کی حدیث کی تصحیح کی ہے اور صاحب تقریب نے اسے مقبول کہا ہے۔ مالکؓ بن حُویرث صحابی ہونے کے

باعث ان لوگوں سے افضل بھی تھے اور اعلم بھی، اور ان کی طرف سے اجازت بھی تھی مگر پھر بھی انہوں نے اس حدیث کے باعث نماز نہ پڑھائی۔ امام ترمذی نے اس حدیث کی تخریج کے بعد کہا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور دوسرے لوگوں میں سے اہل علم کا اس حدیث پر ہی عمل ہے۔ انہوں نے کہا کہ گھر والا ہی امامت کا زائرسے زیادہ حقدار ہے اور بعض نے کہا ہے کہ جب گھر والا اجازت دے تو امامت میں حرج نہیں ہے۔ اسحاق بن راہویہ نے اس باب میں شدت کی ہے اور کہا ہے کہ گھر والا اجازت بھی دے تو بھی زائر امام نہ بنے۔ اور اسی طرح ان کی مسجد میں بھی یہی حکم ہے۔

۶۷- بَابُ الْاِمَامِ يَقُوْمُ مَكَانًا اَرْفَعَ مِنْ مَكَانِ الْقَوْمِ

یہ باب ہے اس میں کہ امام قوم سے بلند جگہ پر کھڑا ہو

۵۹۷- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ سِنَانٍ وَ اَحْمَدُ بْنُ الْفُرَاتِ اَبُوْمَسْعُوْدٍ الرَّازِيُّ الْمَعْنٰى قَالَا حَدَّثَنَا يَعْلٰى حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ هَمَّامٍ اَنَّ حُذَيْفَةَ اَمَّ النَّاسَ بِالْمَدَائِنِ عَلٰى دُكَّانٍ فَاَخَذَ اَبُوْمَسْعُوْدٍ بِقَمِيْصِهٖ فَجَبَذَهٗ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ قَالَ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يُنْهَوْنَ عَنْ ذٰلِكَ؟ قَالَ بَلٰى قَدْ ذَكَرْتُ حِيْنَ مَدَدْتَنِيْ۔

(ترجمہ) ہمام بن حارث نے کہا کہ حذیفہؓ نے مدائن میں لوگوں کو ایک دکان پر امامت کرائی۔ پس ابومسعودؓ نے اس کی قمیص پکڑی اور اسے دکان سے نیچے کھینچ لیا۔ پھر جب وہ اپنی نماز سے فارغ ہوا تو ابومسعودؓ نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ لوگوں کو اس سے منع کیا جاتا تھا؟ حذیفہؓ نے کہا: کیوں نہیں؟ جب تو نے مجھے کھینچا تو مجھے یاد آگیا تھا۔

(شرح) اس حدیث کا مسئلہ تو یہ ہے کہ امام مقتدیوں سے بلند جگہ پر کھڑا نہ ہو لیکن استدلال دو صحابیوں کے اس اتفاق پر ہے کہ صحابہؓ کو اس سے منع کیا جاتا تھا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منع فرماتے تھے یا آپؐ سے حاصل کردہ علم کے مطابق لوگ ایک دوسرے کو منع کرتے تھے صحابی جب اس قسم کی عبارت بولے تو اس سے مراد حدیث مرفوع لی جاتی ہے۔ اسی طرح صحابی کا یہ قول کہ: فلاں کام سنت ہے، اس سے بھی مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

۵۹۸- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ اَخْبَرَنِيْ اَبُوْخَالِدٍ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِيِّ حَدَّثَنِيْ رَجُلٌ اَنَّهٗ كَانَ مَعَ عَمَّارِ ابْنِ يَاسِرٍ بِالْمَدَائِنِ فَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَتَقَدَّمَ عَمَّارٌ وَقَامَ عَلٰى دُكَّانٍ وَ

النَّاسُ أَسْفَلَ مِنْهُ فَتَقَدَّمَ حُذَيْفَةُ رضی اللہ عنہ فَأَخَذَ عَلَى يَدَيْهِ فَاتَّبَعَهُ عَمَّارٌ حَتَّى أَنْزَلَهُ حُذَيْفَةُ. فَلَمَّا فَرَغَ عَمَّارٌ رضی اللہ عنہ مِنْ صَلوٰتِهِ قَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ رضی اللہ عنہ أَلَمْ تَسْمَعْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا أَمَّ الرَّجُلُ الْقَوْمَ فَلَا يَقُمْ فِي مَكَانٍ أَرْفَعَ مِنْ مَقَامِهِمْ، أَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ، قَالَ عَمَّارٌ رضی اللہ عنہ لِذٰلِكَ اتَّبَعْتُكَ حِينَ أَخَذْتَ عَلَى يَدَيَّ ـ

(ترجمہ) عمارؓ بن یاسر مدائن میں تھے پس نماز کی اقامت ہوگئی تو عمارؓ آگے بڑھے اور ایک دکان پر نماز پڑھانے کھڑے ہوگئے اور لوگ ان سے نیچے تھے۔ پس حذیفہؓ آگے بڑھے اور عمارؓ کے دونوں ہاتھ پکڑ کر انہیں نیچے اتار دیا۔ جب عمارؓ نماز سے فارغ ہوئے تو حذیفہؓ نے ان سے کہا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہیں سنا تھا کہ جب کوئی آدمی کسی قوم کا امام بنے تو ان کی جائے قیام سے بلند جگہ پر کھڑا نہ ہو؟ یا اسی قسم کی بات۔ تو عمارؓ نے کہا اسی لئے جب تم نے میرے ہاتھ پکڑے تو میں تمہارے پیچھے چل پڑا۔

(شرح) امام ذہبی نے اس حدیث کے راوی ابوخالد کو غیر معروف کہا ہے۔ عدی بن ثابت جس آدمی سے روایت کرتا ہے وہ پچھلی حدیث کا راوی ہمام بن حارث ہے (الخلاصہ) یہ دکان جس سے امام کو نیچے کھینچا گیا تھا ظاہراً اضافی قد سے کم اونچی تھی اسی لئے حنفی فقہاء نے اتنی بلندی کو امام کے لئے مکروہ کہا ہے جبکہ قوم نیچے ہو۔ اس سے نیچی جگہ میں جواز نکل سکتا ہے کیونکہ زمین بھی اونچی نیچی ہوسکتی ہے لیکن در مختار میں بلندی کی حد ایک ہاتھ تک لکھی ہے اس سے زائد ہو تو جائز نہیں اور یہی قول زیادہ بہتر ہے۔

۶۸۔ بَابُ إِمَامَةِ مَنْ صَلَّى بِقَوْمٍ وَقَدْ صَلَّى تِلْكَ الصَّلوٰةَ

باب۔ جو کسی قوم کو نماز پڑھائے اور وہ نماز پہلے پڑھ چکا ہو

۵۹۹۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ مَيْسَرَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مِقْسَمٍ عَنْ جَابِرِ رضی اللہ عنہ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ مُعَاذَ رضی اللہ عنہ بْنَ جَبَلٍ كَانَ يُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَهُ فَيُصَلِّي بِهِمْ تِلْكَ الصَّلوٰةَ ـ

(ترجمہ) جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ معاذؓ بن جبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء پڑھتے تھے پھر اپنی قوم میں آتے اور انہیں وہ نماز پڑھاتے تھے۔

(شرح) پیچھے "بَابُ إِذَا صَلَّى فِي جَمَاعَةٍ ثُمَّ أَدْرَكَ جَمَاعَةً يُعِيدُ" میں ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث گزری

ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: "لَا تُصَلُّوْا صَلٰوۃً فِیْ یَوْمٍ مَّرَّتَیْنِ"۔ ایک ہی دن میں ایک ہی نماز کو دو مرتبہ مت پڑھو" وہ حدیث صراحۃً اس روایت سے معارض ہے (یعنی اگر یہ مانا جائے کہ معاذؓ دونوں جگہ ایک ہی نماز پڑھتے پڑھاتے تھے) اور حدیث کے ظاہری الفاظ کا یہی تقاضا ہے کہ ایک ہی نماز دو دفعہ پڑھی جاتی تھی مفصل بحث ابھی آئے گی۔

۶۰۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ اِنَّ مُعَاذًا كَانَ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَرْجِعُ فَيَؤُمُّ قَوْمَهٗ۔

(ترجمہ) جابر بن عبداللہؓ کہتے تھے کہ معاذؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے پھر اپنی قوم میں واپس آتے اور اپنی قوم کو پڑھاتے تھے۔

(شرح) ابوذرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم امراء کے ساتھ نماز پڑھنے کے سلسلے میں فرمایا تھا کہ اصل نماز گھر پر پڑھ لینا پھر ان کے ساتھ نفل کی نیت سے پڑھ لینا۔ یہ حدیث پیچھے گزر چکی ہے۔ اسی طرح جو شخص گھر پر پڑھ کر آئے یا کسی اور مسجد میں ادا کر کے آئے اور پھر اُسے وہی نماز مل جائے تو اس کا حکم بھی احادیث میں (جو پیچھے گزریں) یہی آیا ہے کہ دوبارہ پڑھ لے اور یہ نفل ہوگی۔ اس سے قبل اس پر بحث ہو چکی ہے۔ حضرت معاذؓ جو ایک ہی نماز (عشاء) جیسا کہ زیادہ تر روایات میں یہی ہے۔ بعض میں مغرب کا لفظ بھی آیا ہے جو شائد عشاء کے لئے بولا گیا، یا شائد قصہ متعدد ہوا ہے) دو دفعہ پڑھتے تھے اس میں بحث طلب یہ امر ہے کہ آیا ایک ہی نماز کو دونوں جگہ فرض کی نیت سے پڑھتے تھے؟ اس کی تو مخالفت ابن عمرؓ کی حدیث میں موجود ہے۔ اب ایک صورت رہ جاتی ہے کہ ایک جگہ نفل اور ایک جگہ فرض پڑھتے تھے۔ پس غور اسی پر کرنا ہے کہ نفل کونسی تھی اور فرض کونسی؟ یوں یہ مسئلہ معرکۃ الآراء بن گیا ہے اور اس پر طویل گفتگوئیں ہوئی ہیں۔ سبب اس کا یہ ہے کہ مشہور مسئلہ ہے کہ نفل والے کی نماز تو فرض والے کے پیچھے ہو جاتی ہے مگر اس کا برعکس نہیں ہو سکتا۔ حنفیہ کی یہی رائے ہے۔ علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ امام شافعیؒ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ فرض والا نفل والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اس بناء پر کہ معاذؓ پہلی کی نیت فرض کی اور دوسری کی نیت نفل کی کرتے تھے (گویا اس کا کوئی صریح ثبوت نہیں ہے) امام احمدؒ کا بھی ایک روایت کے مطابق یہی مذہب ہے اور ابن المنذر نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ یہی قول عطاء، طاؤس، سلیمان بن حرب اور داؤد ظاہری کا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مفترض متنفل کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ امام مالکؒ کا ایک روایت میں اور امام احمدؒ کا بھی ایک روایت کے مطابق یہی مذہب ہے۔ ابن قدامہ نے کہا ہے کہ اکثر حنابلہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور زہری، حسن بصری، سعید ابن المسیب، نخعی، ابوقلابہ، یحیی بن سعید الانصاری، (اور بقول امام طحاویؒ) مجاہد اور طاؤس کا بھی یہی مذہب ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ ہمارے اصحاب کا اس کے لئے اس حدیث سے استدلال کرنا کہ: جب نماز کی اقامت ہو جائے تو فرض نماز کے سوا کوئی نماز نہیں ہو سکتی، یہ استدلال بہتر نہیں ہے کیونکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ اقامت کے بعد یہی

نماز پڑھی جائے جو کھڑی ہوئی ہے اور اس میں فرض یا نفل کی نیت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اگر فرض کی نیت متعین ہو جائے تو معاذؓ کے لئے یہ ممنوع ہوتا کہ وہ اپنی قوم کو دوسری نماز پڑھاتے کیونکہ اس وقت معاذؓ پر وہ فرض نہیں تھی۔ اور اسی طرح ہمارے بعض اصحاب کا یہ قول بھی ہے کہ معاذؓ کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ فرض کا فریضہ افضل ترین امام کے پیچھے افضل ترین مسجد میں چھوڑ دیتے، کیونکہ اس میں گو ایک قسم کی ترجیح ہے مگر مخالف کہہ سکتا ہے کہ جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تھی تو معاذؓ کو اتباع کے باعث فضیلت کا حاصل کرنا ممنوع نہ تھا۔ اسی طرح خطابی کا یہ قول کہ معاذؓ جو نمازِ عشاء حضورؐ کے ساتھ پڑھتے تھے وہ حقیقت میں مفروضہ تھی۔ پس یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اس میں نفل کی نیت کرتے تھے کیونکہ مخالف کہہ سکتا ہے کہ اس عشاء کا حقیقت میں مفروضہ ہونا اس بات کے منافی نہیں تھا کہ معاذؓ نفل کی نیت کرتے ہوں گے۔ لیکن ابن حزم کا یہ قول بڑا قوی اعتراض ہے کہ شوافع جب کھڑی ہونے والی نماز کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ جس کے ذمہ فرض باقی ہے وہ نفل کی نیت نہیں کر سکتا تو جو چیز ان کے نزدیک جائز نہیں وہ معاذؓ کی طرف کیونکر منسوب کرتے ہیں؟ حافظ صاحب نے کہا کہ سب سے بہتر یہ جواب ہے کہ عبدالرزاق اور شافعی اور طحاوی اور دارقطنی وغیرہ کی مروی زیادتی کو اس حدیث میں تسلیم کیا جائے جو یہ ہے کہ: یہ نماز معاذ کے لئے نفل اور ان کی قوم کیلئے نفل ہوتی تھی۔ حافظ صاحب نے کہا کہ یہ صحیح حدیث ہے، اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ اور ابن جوزی کا یہ اعتراض درست نہیں کہ یہ اضافہ صحیح نہیں کیونکہ ابن جریج نے (جو مدلس ہے) اس میں سماع کی صراحت کی ہے۔

اس پر طحاویؒ نے یہ اعتراض کیا کہ سفیان بن عیینہ نے یہ حدیث عمرو بن دینار سے روایت کی ہے مگر اس میں یہ اضافہ نہیں ہے جو ابن جریج نے بیان کیا ہے حالانکہ سفیان کا بیان کردہ سیاق احسن اور اتم ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ ابن جریج، یا عمرو بن دینار یا جابرؓ کا قول ہو۔ کسی کا بھی ہو اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ معاذؓ کا فعل دراصل کیا تھا۔ کیونکہ یہ بیان کرنے والوں کا اپنا خیال ہے اور ممکن ہے کہ درحقیقت معاملہ اس کے برخلاف ہو۔ اور اگر بالفرض یہ معاذؓ سے بھی ثابت ہو جائے تو یہ ثابت نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایسا کرتے تھے۔ اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چل جاتا تو حضورؐ معاذؓ کو اس پر قائم رکھتے یا اس میں تبدیلی کر دیتے۔ کیونکہ ہمارے پاس اس کے خلاف روایت موجود ہے اور وہ بنی سلمہ کے ایک شخص سلیم کی شکایت ہے کہ ہم دن بھر محنت مشقت کرتے ہیں اور رات کو جب آتے ہیں تو معاذؓ بن جبل طویل نماز پڑھاتے ہیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا اے معاذ فتنہ گر نہ بن، یا تو میرے ساتھ نماز پڑھ اور یا اپنی قوم کو ہلکی نماز پڑھا۔ پس حضورؐ کا معاذؓ کو یہ فرمانا بتاتا ہے کہ معاذ کو یا تو مسجد نبوی میں نماز پڑھنی ہوگی اور اپنی قوم کو نہ پڑھانی ہوگی۔ اور یا صرف اپنی قوم کو پڑھانی ہوگی اور اس میں تخفیف کرنا ہوگی۔ پس اس سلسلے میں احادیث میں اس واقعہ سے پہلے یا بعد کوئی چیز ایسی نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ معاذؓ حضورؐ کے ساتھ فرض اور اپنی قوم میں نفل پڑھتے تھے۔ وہ دونوں جگہ فرض پڑھتے ہوں گے اور اس وقت اس کی مخالفت نہ ہوئی ہوگی۔ مخالفت کی حدیث سنن ابی داؤد میں ابن عمرؓ سے گزر چکی۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ امام طحاویؒ کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ: حدیث جابرؓ میں جو اضافہ روایت ہوا ہے اس سے استدلال درست نہیں کیونکہ ابن عیینہ اسے روایت نہیں کرتا اور ابن جریج کرتا ہے۔ ابن عیینہ کی حدیث تام اور سیاق بہتر ہے پس ممکن نہ تھا کہ اگر یہ اضافہ ثابت تھا تو وہ اسے بیان نہ کرتا۔ اس کا جواب فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ نے یہ دیا ہے کہ

ابن جریج، ابن عیینہ کی نسبت زیادہ عمر والا، زیادہ جلیل القدر اور عمرو بن دینار کا قدیم تر شاگرد تھا، یہ ثقہ کی زیادتی ہے جو اپنے سے حافظ تر کی روایت کے منافی نہیں لہٰذا مقبول ہے۔ عینی نے حافظ ابن حجر کے جواب میں کہا ہے کہ یہ دھاندلی ہے۔ طحاویؒ نے اسی صرف اس اضافے پر اعتراض نہیں کیا بلکہ ابوالبرکات ابن تیمیہ کے بقول امام احمدؒ نے اسے ضعیف ٹھیرایا ہے اور کہا ہے مجھے خدشہ ہے کہ یہ محفوظ نہیں کیونکہ ابن جریج ایسی بات کہہ رہا ہے جو کسی اور نے نہیں کہی۔ ابن قدامہ نے المغنی میں کہا ہے کہ اس حدیث کو شعبہ اور نافذان نے روایت کیا ہے اور یہ اضافہ بیان نہیں کیا۔ ابن جوزی نے کہا ہے کہ یہ اضافہ غلط ہے، اگر یہ صحیح ہے تو یہ حضرت جابرؓ کا اپنا گمان ہوگا۔ ابن العربی نے بھی معارضہ میں اسی قسم کی بات کہی ہے۔ ان عظیم آئمہ کے ساتھ ساتھ رافعی جیسے جلیل القدر شارح کا قول بھی سن لیجئے انہوں نے کہا کہ لوگوں نے پہلی کے فرض اور دوسری کے نفل ہونے میں جو کچھ کہا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اور ابن جریج کا زیادہ عمر والا اور عمرو بن دینار کا قدیم تر شاگرد ہونا طحاوی کی بات کی نفی نہیں کر سکتا۔ پس یہ اضافہ غیر ثابت ہے غیر صحیح ہے اور شاذ ہے۔ عمرو بن دینار کے شاگردوں یعنی شعبہ (بخاری اور ابن حبان) ابن عیینہ (ابوداؤد میں) ابن عیینہ، منصور اور ایوب (مسلم) وغیرہم نے یہ اضافہ بیان نہیں کیا۔ جابرؓ کے حافظ، ثقہ اور ثبت شاگردوں میں سے کسی نے یہ اضافہ نقل نہیں کیا۔

(۲) طحاویؒ کی دوسری دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اضافہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے نہ معاذؓ کا۔ احتمال ہے کہ ابن جریج، ابن دینار یا جابر کا قول ہو۔ ان میں سے کسی کا قول فعل معاذؓ کی حقیقت کو نہیں بتاتا جس نے بھی کہا ہے اپنے ظن کے مطابق کہا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ جو کچھ کسی نے کہا ہو حقیقت اس کے خلاف ہو۔ اس پر حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ طحاوی کے اس اعتراض سے یہ اضافہ مُدرج نہیں ہو سکتا۔ یہ اصل حدیث کے ساتھ ہی سمجھا جائے گا۔ اور اس کی دلیل انہوں نے یہ دی کہ امام شافعیؒ کی روایت ایک اور سند سے ہے جس میں یہ اضافہ موجود ہے۔ اس کا جواب عینی نے یہ دیا کہ اس اضافہ کا مدرج ہونا اس دلیل سے رد نہیں ہو سکتا کہ جو اضافہ اصل حدیث کے ساتھ ہو وہ اسی میں سے ہوتا ہے۔ اور امام شافعیؒ کی روایت میں ابراہیم بن ابی یحییٰ اسلمی ایک متروک راوی ہے۔ قطان، ابن معین اور احمد بن حنبل نے اسے کذاب، متروک اور نہ جانے کیا کیا کہا ہے۔ یہی فیصلہ نسائی اور دار قطنی کا ہے۔

(۳) طحاوی کی تیسری دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ فرض کیا کہ یہ اضافہ جابرؓ نے معاذؓ سے روایت کیا ہے تو یہ ثبوت کہاں ہے کہ معاذؓ کا یہ فعل حضورؐ کے حکم سے تھا؟ حافظ صاحبؒ نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ فقہاء اس پر متفق ہیں کہ صحابی کا فعل جبکہ دوسرے صحابہ اس کے مخالف نہ ہوں حجت ہے۔ اور معاذؓ کے پیچھے نماز پڑھنے والے تیس صحابی بیعت عقبہ والے تھے چالیس بدری تھے اور کسی سے اس باب میں معاذؓ کی مخالفت ثابت نہیں ہوئی۔ بلکہ حضرت عمرؓ، ابن عمرؓ، ابوالدرداءؓ، اور انسؓ وغیرہم نے اسے جائز کہا ہے۔ عینیؒ نے کہا کہ ممکن ہے ان صحابہ نے یہ سمجھا ہو کہ معاذؓ کا فعل حضورؐ کے حکم سے ہے لیکن دوسری طرف جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذؓ کی شکایت پہنچی تو آپ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ یا تو میرے ساتھ نماز پڑھو اور وہاں جاکر مت پڑھاؤ اور یا اپنی قوم کو پڑھاؤ اور ہلکی نماز پڑھاؤ۔

(۴) امام طحاوی کی چوتھی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مان لیا جائے کہ معاذؓ کی دو دفعہ کی نماز حضورؐ کے علم و اجازت یا حکم سے تھی تو یہ پھر اس وقت کا واقعہ ہوگا جب ایک نماز کو دو مرتبہ پڑھنا جائز تھا۔ اور ابتدائے اسلام میں جائز تھا حتیٰ کہ

حضورؐ نے اس سے منع فرما دیا۔ طحاوی کہتے ہیں کہ اس کی احادیث کو ہم نے باب صلوٰۃ الخوف میں ان کی سندوں کے ساتھ درج کیا ہے۔ ایک دن میں دو مرتبہ ایک ہی فریضہ کا پڑھا جانا اور اس کا منسوخ ہونا ایک ثابت شدہ امر ہے۔ ابن عمرؓ کی روایت جو سنن ابی داؤد میں ہے اس میں بھی ایک نماز کے ایک دن میں دوبارہ پڑھنے کی ممانعت ہے۔

جہاں تک متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز کا سوال ہے اس کے عدم جواز کی ایک حدیث تو صلوٰۃ الخوف کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو فریقوں میں سے ہر ایک کو نصف نصف نماز پڑھائی تھی۔ اگر نفل والے کے پیچھے فرض والے کی نماز جائز ہوتی تو اس قدر تردد کی کیا ضرورت تھی، ہر فریق کو پوری پوری نماز پڑھا دی جاتی تاکہ آمد و رفت اور کثیر افعال سے بھی نماز بچی رہتی۔ مگر جب ایک فریق کو فریضہ پڑھا دیا جاتا تو اب حضورؐ تو متنفل ہوتے اور مقتدی یعنی دوسرا فریق مفترض حضورؐ نے جب یہ صورت اختیار نہیں فرمائی اور روز روشن کی طرح ثابت ہوگیا کہ مفترض کی نماز متنفل کے پیچھے جائز نہیں ہے۔ دوسری دلیل مسند احمد کی حدیث ہے کہ: اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ۔ اس کی سند صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کی ضمانت دیتی ہے، اب اگر امام نفل پڑھے تو وہ مفترض کا امام کیسے ہوگا جبکہ اس کی نماز کم درجہ کی اور مقتدی کی نماز اعلیٰ درجہ کی ہے؟ تیسری دلیل طحاوی کی روایت ہے جس میں حضورؐ نے معاذؓ سے فرمایا تھا کہ یا تو میرے ساتھ نماز پڑھو اور یا اگر قوم کو پڑھانی ہے تو تخفیف کرو۔ ائمہ حنفیہ کے نزدیک جو بات صحیح تر ہے وہ یہ ہے کہ معاذؓ حضورؐ کے ساتھ نفل پڑھتے تھے اور اپنی قوم کو فرض پڑھاتے تھے۔ چوتھی دلیل مسلم کی روایت ہے جس کے لفظ یہ ہیں کہ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِهٖ فَلَا تَخْتَلِفُوْا عَلَیْهِ۔ مقتدی کی اقتداء امام کے ساتھ نیت اور افعال دونوں میں ہے۔ اور حنفیہ کے علاوہ امام مالک اور دیگر کئی بزرگوں کا یہی مذہب ہے۔ امام نووی نے کہا کہ شافعیؒ اور ایک گروہ کے نزدیک امام کی اقتداء صرف ظاہری افعال میں ہے۔

۶۹۔ بَابُ الْاِمَامِ یُصَلِّیْ مِنْ قُعُوْدٍ

۶۰۱۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِیُّ عَنْ مَّالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ فَرَسًا فَصُرِعَ عَنْهُ فَجُحِشَ شِقُّهُ الْاَیْمَنُ فَصَلّٰی صَلٰوةً مِّنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ فَصَلَّیْنَا وَرَاءَهٗ قُعُوْدًا۔ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا صَلّٰی قَائِمًا فَصَلُّوْا قِیَامًا۔ وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَاِذَا صَلّٰی جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا اَجْمَعُوْنَ۔

(ترجمہ) انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھوڑے پر سوار ہوئے

پھر اس سے گر کر آپ کا دایاں پہلو چھل گیا۔ سو آپؐ نے نمازوں میں سے کوئی نماز بیٹھ کر پڑھائی اور ہم نے آپؐ کے پیچھے بیٹھ کر پڑھی۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا، امام تو اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ پس جب وہ کھڑا ہو کر پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو اور جب وہ رکوع کرے تو رکوع کرو اور جب سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھاؤ اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو اور جب بیٹھ کر پڑھے تو سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔

(شرح) بقول ابن حیان یہ واقعہ ۵ھ کا ہے حضورؐ کے دائیں پاؤں میں موچ آگئی تھی اور دایاں پہلو ذرا متاثر ہوا تھا۔ جس نماز کا ذکر انسؓ نے کیا ہے یہ شاید ظہر یا عصر کی نماز تھی۔ نفل نہیں ہو سکتی کیونکہ الفاظ اس سے اباء کرتے ہیں اور دن و رات کے نوافل میں یوں جمع ہو کر نفل با جماعت ادا کرنا ثابت نہیں ہوا سوائے ان نفلی نمازوں کے جن کی جماعت ہی مشروع ہے مثلاً خسوف و کسوف کی نماز یا نماز استسقاء و عیدین وغیرہا۔ یہی حدیث ام المومنین عائشہؓ نے روایت فرمائی تو اس کے الفاظ یہ ہیں کہ لوگ پہلے کھڑے تھے مگر آپؐ کے اشارے سے بیٹھ گئے۔ پس انسؓ نے اختصار سے کام لیا ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح میں امام حمیدی کا قول مذکور ہے کہ عمر کے آخری حصے میں جب آپؐ مریض تھے تو لوگوں نے آپ کی اقتداء کھڑے ہو کر کی تھی اور آخری واقعہ ہونے کی بناء پر وہ اس پہلے واقعہ یا حکم کا ناسخ ہے گو حضورؐ نے وہاں زبانی حکم نہیں دیا مگر آپؐ نے دیکھ لیا اور خاموش رہے، پس پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔ امام احمدؒ کے نزدیک اب بھی اگر امام کسی عذر کے باعث بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کے لئے یہی حکم ہے کہ بیٹھ کر پڑھیں۔ یہی مذہب اسحاقؒ کا ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک بیٹھ کر امامت کرنا ہی ناجائز ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، میرے بعد کوئی امام بیٹھ کر نماز نہ پڑھائے۔ مگر یہ روایت مرسل ہے اور اس میں وجوبی حکم نہیں ہے بلکہ استحبابی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک امام جب رکوع و سجدہ کرے تو بیٹھ کر (کسی عذر کے باعث) نماز پڑھائے تو اس کی اقتداء جائز ہے اور غیر معذور مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے۔ ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کا یہی قول ہے مگر قیاس اس کے خلاف ہے اور یہی امام محمد بن الحسن کا قول ہے کہ یہ صورت جائز نہیں۔ اور دلیل اس کی وہی مرسل حدیث ہے کہ، میرے بعد کوئی بیٹھ کر نماز نہ پڑھائے۔ گویا یہ حضورؐ کے خصائص میں سے تھا۔ مگر اشارے سے پڑھنے والے امام کی اقتداء تندرست مقتدی کے لئے جائز نہیں۔ اور حضورؐ کے آخری فعل سے پہلے کا نسخ واضح طور پر ثابت ہے۔

۶۰۲۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ وَوَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ رَكِبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا بِالْمَدِينَةِ فَصَرَعَهُ عَلَى جِذْمِ نَخْلَةٍ فَانْفَكَّتْ قَدَمُهُ فَأَتَيْنَاهُ نَعُودُهُ فَوَجَدْنَاهُ فِي مَشْرُبَةٍ لِعَائِشَةَؓ يُسَبِّحُ جَالِسًا۔ قَالَ فَقُمْنَا خَلْفَهُ فَسَكَتَ عَنَّا ثُمَّ أَتَيْنَاهُ مَرَّةً أُخْرَى نَعُودُهُ فَصَلَّى الْمَكْتُوبَةَ جَالِسًا فَقُمْنَا خَلْفَهُ فَأَشَارَ إِلَيْنَا فَقَعَدْنَا۔ قَالَ فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ قَالَ إِذَا صَلَّى الْإِمَامُ جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا وَإِذَا صَلَّى الْإِمَامُ قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا وَلَا تَفْعَلُوا كَمَا يَفْعَلُ أَهْلُ فَارِسَ بِعُظَمَائِهَا۔

(ترجمہ) جابرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ایک گھوڑے پر سوار ہوئے، اس نے آپؐ کو ایک کھجور کی جڑ پر گرا دیا۔ پس آپؐ کے پاؤں کو موچ آگئی۔ ہم آپؐ کی عیادت کو آئے تو آپؐ کو عائشہؓ کے بالا خانے میں پایا، آپ بیٹھے ہوئے نماز نفل پڑھ رہے تھے۔ جابرؓ نے کہا کہ ہم آپؐ کے پیچھے کھڑے ہو گئے تو آپؐ نے ہمیں کچھ نہ کہا۔ پھر دوبارہ ہم آپکی عیادت کو آئے تو آپؐ نے فرض نماز بیٹھ کر پڑھی۔ ہم آپؐ کے پیچھے کھڑے ہو گئے تو آپؐ نے اشارہ فرمایا پس ہم بیٹھ گئے جب آپؐ نے نماز ختم کر لی تو فرمایا کہ جب امام بیٹھ کر پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو اور جب وہ کھڑے ہو کر پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو اور اس طرح مت کرو جس طرح اہل فارس اپنے بڑوں کے ساتھ کرتے ہیں گویا حضورؐ نے کھڑا ہونے کی ممانعت کی ایک علت بیان فرمائی۔ دوسری حدیث میں اوپر گزرا کہ امام تو ہوتا ہی اس لیئے ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے الخ گویا یہ دوسری علت تھی۔ اور اس حدیث میں علت کی وضاحت فرمائی کہ یہ عجمیوں کا فعل ہے۔

۶۰۳ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَّمُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْمَعْنَى عَنْ وُّهَيْبٍ عَنْ مُّصْعَبِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَلَا تُكَبِّرُوا حَتَّى يُكَبِّرَ. وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَلَا تَرْكَعُوا حَتَّى يَرْكَعَ وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، قَالَ مُسْلِمٌ وَلَكَ الْحَمْدُ، فَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا وَلَا تَسْجُدُوا حَتَّى يَسْجُدَ، وَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا وَإِذَا صَلَّى قَاعِدًا فَصَلُّوا قُعُودًا أَجْمَعُونَ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ، اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ أَفْهَمَنِي بَعْضُ أَصْحَابِنَا عَنْ سُلَيْمَانَ.

(ترجمہ) ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، امام تو اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب تک وہ تکبیر نہ کہے تم نہ کہو۔ اور جب وہ رکوع کرے تو رکوع کرو اور جب تک وہ رکوع نہ کرے تم رکوع مت کرو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہٗ کہے تو تم اللّٰھم ربنا لک الحمد کہو۔ مسلم بن ابراہیم نے ولک الحمد کہا، اور جب امام سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور جب تک وہ نہ کرے تم سجدہ مت کرو۔ اور جب وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو اور جب بیٹھ کر پڑھے تو سب بیٹھ کر پڑھو۔ ابوداؤد نے کہا کہ ہمارے بعض ساتھیوں نے مجھے اللّٰھم ربنا لک الحمد سمجھایا تھا (مطلب یہ کہ ارکانِ نماز میں امام پر سبقت مت لے جاؤ بلکہ اس کے پیچھے پیچھے رہو)۔

(شرح) امام خطابی نے کہا ہے کہ ابوداؤد نے یہ حدیث انسؓ، جابرؓ، ابوہریرہؓ اور عائشہ صدیقہؓ کی روایت سے بیان کی ہے مگر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری باجماعت نماز کا ذکر نہیں کیا جس میں آپ بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ آپؐ کے پیچھے کھڑے تھے اور یہ ان دونوں امروں میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل تھا۔ ابوداؤد کی عادت اس کتاب میں یہ ہے کہ وہ حدیث کو اس کے باب میں درج کرتا ہے اور اس کی معارض حدیث کو بعد میں اگلے باب میں بیان کرتا ہے اور میں نے

اس حدیث کو کسی نسخے میں نہیں پایا۔ معلوم نہیں کہ وہ اس سے کیونکر غافل رہا حالانکہ یہ قصہ بنیادی سنتوں میں سے ہے اور فقہاء کا بھی مسلک ہے۔

۶۰۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ آدَمَ الْمِصِّيصِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ بِهَذَا الْخَبَرِ. زَادَ وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا. قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَهَذِهِ الزِّيَادَةُ، وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا لَيْسَتْ بِمَحْفُوظَةٍ وَالْوَهْمُ عِنْدَنَا مِنْ أَبِي خَالِدٍ

(ترجمہ) ابوہریرہؓ سے یہی حدیث دوسرے طریق سے مروی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ: جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ اضافہ: وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا محفوظ نہیں ہے اور وہم ہمارے نزدیک ابوخالد سے ہے۔

(شرح) منذری نے اپنی مختصر میں ابوداؤد کا تعاقب کرتے ہوئے اس کے قول کے ردّ میں کہا ہے کہ اس میں گفتگو ہے۔ ابوخالد الاحمران ثقہ لوگوں میں سے ہے جس پر بخاری اور مسلم نے اپنی کتابوں میں اعتماد کیا ہے۔ اور مزید براں یہ کہنا کہ یہ محفوظ نہیں ہے کیسے صحیح ہو سکتا ہے جبکہ اس اضافے پر ابوسعید محمد بن سعید انصاری اشہلی مدنی نے ابوخالد کی متابعت کی ہے اور یہ ابوسعید، ابن عجلان سے سُنتا ہے اور اسے یحییٰ بن معین اور محمد بن عبداللہ مخرمی اور نسائی نے ثقہ کہا ہے۔ اور امام نسائی نے یہ اضافہ اپنی سُنن میں روایت کیا ہے۔ ابوخالد الاحمر سے بھی اور محمد بن سعد سے بھی۔ اور مسلم نے یہ اضافہ اپنی صحیح میں ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث میں سلیمان تیمی سے روایت کیا ہے اور ابوداؤد اور دارقطنی اور بیہقی نے اسے ضعیف کہا ہے (حالانکہ ایسا کہنا خلافِ اصولِ حدیث ہے) ان کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بیان میں سلیمان تیمی منفرد ہے۔ دارقطنی نے کہا کہ یہ اضافہ جو سلیمان التیمی عن قتادہ ہے اس پر سلیمان کا کوئی متابع نہیں ہے (حالانکہ اسے متابع کی ضرورت بھی نہیں ہے وہ بہت بڑا حافظ اور ثقہ راوی ہے) اور قتادہ کے دیگر حفاظ شاگردوں نے یہ اضافہ روایت نہیں کیا، مثلاً ہشام دستوائی اور سعید اور شعبہ اور ہمام اور ابوعوانہ اور ابان اور عدی بن ابی عمارہ اور جب ان سب کا اس کے خلاف اجماع ہے تو معلوم ہوا کہ سلیمان کو وہم ہوا ہے (سبحان اللہ! ابوداؤد نے ابوخالد کا وہم ٹھیرایا اور دارقطنی صاحب نے سلیمان تیمی جیسے سید الحفاظ کا!) حالانکہ مسلم کے نزدیک سلیمان تیمی کا منفرد ہونا موثر نہیں ہوا کیونکہ وہ ثقہ اور حافظ ہے اور مسلم نے اسے ابوموسیٰؓ اور ابوہریرہؓ کی روایتوں سے صحیح قرار دیا ہے۔ اور ابوداؤد نے یہ اضافہ سلیمان تیمی کی روایت سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ چونکہ سلیمان تیمی کے سوا کسی نے یہ اضافہ ذکر نہیں کیا لہٰذا غیر محفوظ ہے۔ اور اسی طرح یہ اضافہ یحییٰ بن معین، ابوحاتم رازی، دارقطنی، ابوعلی نیشاپوری کی روایات میں موجود ہے اور مسلم نے صحیح میں اس کی تصحیح کی ہے۔ مسلم نے شاگردوں کے دریافت کرنے پر کہا تھا: کیا تو سلیمان سے بڑا حافظ کوئی اور چاہتا ہے؟ ابوبکر بن اخت ابی النضر نے پوچھا کہ پھر حدیث ابی ہریرہؓ میں بھی یہ اضافہ: وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا موجود ہے، اس کے متعلق کیا کہتے ہو؟ مسلم نے کہا وہ حدیث میرے نزدیک،

صحیح ہے مگر ہر حدیث جو میرے نزدیک صحیح ہے اسے میں اس کتاب میں درج نہیں کرتا ہوں، یہاں تو میں صرف وہ حدیثیں درج کرتا ہوں جن پر حفاظ کا اجماع ہے! (گویا بقول مسلم حفاظِ حدیث کا اس حدیث کی صحت پر اس اضافے سمیت اجماع ہے) یہ جواب مسلم نے اس سوال کا دیا تھا کہ اگر حدیثِ ابی ہریرہؓ اس اضافے سمیت صحیح ہے تو اسے کتاب میں کیوں درج نہیں کرتے ہو؟ حدیثِ ابی ہریرہؓ سے مراد یہی حدیث ہے جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس اضافے کو ابوخالد کے وہم سے منسوب کیا ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ بعض محدثین جو اس اضافے کو ابوخالد کے تفرد پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کی اس پر متابعت نہیں ہوئی (جیسا کہ بخاریؒ نے جزء القراۃ میں کہا ہے)، اور ان کا یہ دعویٰ کہ حدیث میں یہ لفظ غلط ہے، یہ کھلی غلطی اور واضح تعصب ہے۔ کیونکہ ابوسعید محمد بن سعد انصاری نے ابوخالد کی متابعت کی ہے اور یہ متابع روایت نسائی میں موجود ہے اور محمد بن سعد ثقہ ہے۔ چنانچہ دارقطنی نے ابوخالد الاحمر کی روایت بیان کر کے کہا ہے کہ محمد بن سعد اشہل نے اس کی متابعت کی ہے اور پھر اس روایت کو اس نے بیان کیا ہے، اس کے آخر میں مخرمی سے محمد بن سعد کی توثیق نقل کی ہے۔ سو بخاری پر حیرانی ہے کہ ابوخالد کی عدم متابعت کا دعویٰ انہوں نے کیسے کیا اور بیہقی پر تعجب ہے کہ اس اضافے کے خطا ہونے پر اجماع کا دعویٰ کیسے کیا؟ حالانکہ مسلم نے برسرِعام اس کی تصحیح کی ہے۔ بیہقی نے کتاب القراۃ خلف الامام میں لکھا ہے کہ امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ یہ اضافہ حسان بن ابراہیم سے اور اسمٰعیل بن ابان غنمی سے مروی ہے۔ دونوں نے محمد بن عجلان سے روایت کیا ہے۔ اسماعیل ضعیف ہے اور حسان بن ابراہیم کی مرویات میں سے بعض منکر ہوئی ہیں۔ گذارش یہ ہے کہ اسماعیل کی تضعیف تو مسلّم، مگر حسان بن ابراہیم کی روایت سے اس جملے کی تضعیف اور اس پر نقد وجرح غیر مسلّم ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں امام احمد سے حسان بن ابراہیم کی توثیق حسب بیان حرب کرمانی منقول ہے۔ امام احمدؒ نے کہا کہ اس کی حدیث اہلِ صدق کی حدیث ہے۔ ابن معین نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ دوسری روایت میں ابن معین نے اسے ثقہ کہا ہے۔ ابوزرعہ نے کہا: لا بأس به۔ ابن المدینی نے کہا کہ وہ ثقہ تھا اور مسئلہ قدر میں نہایت شدید تھا۔ ابن عدیؒ نے اسے اہلِ صدق میں شمار کیا مگر کہا کہ کبھی کبھی غلطی کرتا ہے (کبھی کبھی کس سے خطا نہیں ہو جاتی؟) مگر جان بوجھ کر نہیں کرتا۔ پھر امام احمدؒ نے (بقول بیہقی) کہا کہ یہ اضافہ یحییٰ بن العلاء نے زید بن اسلم سے نقل کیا ہے اور یحییٰ بن العلاء متروک ہے، اسے حدیث کے علماء مثلاً یحییٰ بن معین وغیرہ نے مجروح کہا ہے۔ اور یہ اضافہ ضعیف سند کے ساتھ عن عمر بن ہارون عن خارجہ بن مصعب عن زید بن اسلم مروی ہے اور ثقہ حافظ راویوں کی مخالفت میں ان کی متابعت سے کوئی خوشی نہیں ہو سکتی۔ پھر کہا کہ خارجہ بن مصعب بھی قوی نہیں ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حجرؒ نے مسلم سے نقل کیا ہے کہ یحییٰ بن یحییٰ سے خارجہ کے متعلق پوچھا گیا تھا تو اس نے کہا کہ وہ ہمارے نزدیک مستقیم الحدیث ہے۔ وہ صرف غیاث بن ابراہیم سے روایت میں تدلیس کرتا تھا اور ہم ان احادیث کو پہچانتے ہیں اور انہیں خاطر میں نہیں لاتے۔ پھر بیہقی نے ابوسعد محمد بن میسر سے ابوہریرہؓ کی حدیث روایت کی اور کہا کہ اس میں: وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا کا اضافہ موجود ہے مگر یہ باطل ہے اس میں ابوسعد صغانی نے خطا کی ہے، اس نے ابن عجلان کی سند کو بدل دیا ہے اور متن میں اضافہ کیا ہے اور ثقات نے جو کچھ ابن عجلان سے روایت کیا تھا اس کی مخالفت کی ہے اور ابوسعد پر یحییٰ بن معین نے جرح کی ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب

میں کہا کہ ابوسعد صدوق تھا مگر مرجۂ میں سے تھا (بے شمار مرجئہ راوی ثقہ اور صدوق تھے!) یہ احمدؒ کا قول ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اس سے احادیث کیوں لکھیں؟ فرمایا کہ ہاں لکھیں!۔

ابوموسیٰ اشعری کی حدیث میں سلیمان تیمی کے تفرد کا دعویٰ بھی غلط ہے کیونکہ عمر بن عامر نے اور سعید بن ابی عروبہ نے قتادہ سے یہ اضافہ روایت کیا ہے جیسا کہ دارقطنی میں سالم بن نوح کی حدیث میں موجود ہے۔ علامہ نیمویؒ نے کہا کہ سالم بن نوح کو اگرچہ دارقطنی نے غیر قوی کہا ہے مگر مسلم، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی صحاح میں اس سے روایات لی ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ ابوزرعہ نے اس کے متعلق کہا ہے کہ وہ صدوق ہے ثقہ ہے اس میں کوئی جرح نہیں۔ ساجی نے کہا کہ وہ نہایت سچا ہے اور ثقہ ہے اور ابن معین کی نسبت اہل بصرہ کو اس کا زیادہ علم ہے۔ ابن حبان اور ابن شاہین نے اس کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔ ابن قانع نے کہا کہ وہ بصری ہے ثقہ ہے جیسا کہ حافظ نے تہذیب التہذیب میں نقل کیا ہے۔ علامہ نیموی نے صحیح ابی عوانہ سے سلیمان تیمی کا ایک اور متابع اس اضافے میں بیان کیا ہے اور وہ ابوعبیدہ عن قتادہ ہے پس سلیمان کے تفرد کا دعویٰ باطل ہے۔

پھر بیہقی نے انسؓ کی حدیث میں یہ اضافہ نقل کیا ہے۔ یہ سند یوں ہے: حَسَنُ بْنُ عَلِیِّ بْنِ شَبِیْبِ الْمَعْمَرِیِّ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ حَدَّثَنَا الطُّفَاوِیُّ حَدَّثَنَا اَیُّوْبُ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَرَأَ الْاِمَامُ فَاَنْصِتُوْا۔ بیہقی نے ابن عدی سے نقل کیا کہ طفاوی کے علاوہ یہ اضافہ ایوب سے کسی نے روایت نہیں کیا اور معمری نے اس حدیث کے متن میں اضافہ کیا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ میزان الاعتدال میں ہے: حسن بن علی بن شبیب المعمری الحافظ واسع العلم والرحلة سمع علی بن المدینی وشیبان۔ دارقطنی نے اسے صدوق اور حافظ کہا۔ عبدان کا قول ہے کہ میں نے دنیا میں ایسا محدث نہیں دیکھا۔ بردعی کا قول ہے کہ اتنی کثیر احادیث کی روایت کے ہوتے ہوئے یہ تعجب کی بات نہیں کہ معمری بیس بیس حدیثوں میں متفرد ہو۔ عبدان نے کہا کہ فضیل رازی اور جعفر بن جنید نے اسے ازراہِ حسد کذاب کہا ہے۔ سمعانی نے انساب میں کہا ہے کہ معمری حافظ تھا، معمر کی حدیثوں کو جمع کرنے کا شائق تھا اس لئے معمری کہلایا۔

جہاں تک احمد بن مقدام کا تعلق ہے میزان نے اسے احد الاثبات المسندین کہا گیا ہے۔ ابن خزیمہ نے اسے فرزانہ محدث کہا ہے۔ ابوحاتم نے کہا وہ صالح الحدیث تھا۔ ابوداؤد نے اس کی روایت اس کے مزاج میں مزاح ہونے کے باعث چھوڑ دی۔ اسی طرح صالح جزرہ اور نسائی نے اس کی تعریف و توصیف کی ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ میں نے اس کی حدیث اس لئے چھوڑی کہ وہ صاحبِ مزاح تھا۔ ابن عدی نے کہا ہے کہ اس قول کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ وہ اہل صدق میں سے تھا۔ ابوعروبہ اس کی ملاقات پر فخر کرتا تھا اور اس کی تعریف کرتا تھا۔ مولانا نے فرمایا کہ دیگر محدثین کے علاوہ مسلمہ بن قاسم اور ابن عبدالبر نے اس کی توثیق کی ہے۔ اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں شمار کیا ہے۔

جہاں تک طفاوی کا تعلق ہے، ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس کی توثیق کی ہے اور اسے شیخ مشہور کہا ہے۔ احمد بن حنبلؒ اور دوسرے لوگوں نے اس سے روایت کی ہے۔ ابن معین نے کہا ہے کہ اس میں کوئی نقص نہیں ہے اور علی بن المدینی نے اسے ثقہ کہا ہے ابوحاتم اور ابوداؤد نے اسے بے نقص ٹھیرایا ہے۔ ابوحاتم نے یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ نہایت سچا اور صالح ہے مگر کبھی کبھی اسے وہم ہوتا ہے۔ ابن حبان نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے۔ دارقطنی کا قول ہے کہ بخاری نے اسے لائق استدلال کہا ہے۔ پس اس بناء پر

ان راویوں کی حدیث اول توصحیح ہے ورنہ درجۂ حسن سے فروتر نہیں ہے کیونکہ سند کے سب راوی یا تو بالاجماع ثقہ ہیں، اور یا وہ ہیں جنہیں اکثر محدثین نے ثقہ کہا ہے۔ امام ترمذی نے اپنی کتاب میں سورۂ شعراء کی تفسیر میں ایک حدیث درج کی ہے جس میں احمد بن مقدام اور محمد بن عبدالرحمن طفاوی اسی ترتیب سے ہیں جس سے اوپر انسؓ کی حدیث میں ہیں۔ احمد بن مقدام ترمذی کا استاد ہے اور طفاوی احمد بن مقدام کا۔ پھر حدیث کی تخریج کے بعد ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ پس امام ترمذی جیسے انسان نے ان دونوں کی حدیث کی صحت کا حکم لگایا اور گویا ان کی ثقاہت کی تصریح کردی ہے۔

پھر بیہقی نے کہا ہے کہ اس اضافے کے ساتھ انسؓ کی حدیث بھی ہے جو سلیمان بن ارقم کے تفرد سے روایت ہوئی ہے اور وہ متروک ہے۔ احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معین نے اس پر جرح کی ہے۔ پھر بخاری سے نقل کیا ہے کہ سلیمان بن ارقم مولیٰ قریظہ او النضیر یہ متروک ہے۔ اور انسؓ کی اس حدیث کی تائید طحاوی کی اس روایت سے ہوتی ہے جو اس شرح معانی الآثار میں درج کی ہے اور جس کی سند یوں ہے: حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ دَاوٗدَ قَالَ حَدَّثَنَا یُوْسُفُ بْنُ عَدِیٍّ حَدَّثَنَا عُبَیْدُ اللّٰہِ بْنُ عَمْرٍو عَنْ اَیُّوْبَ عَنْ اَبِیْ قِلَابَۃَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الخ یعنی حضورؐ نے نماز پڑھا کر ہماری طرف منہ کیا اور پوچھا: کیا تم قرأت کرتے ہو حالانکہ امام بھی قرأت کرتا ہے؟ لوگوں کی خاموشی پر تین بار یہی سوال فرمایا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہم ایسا کرتے ہیں، فرمایا ایسا مت کرو۔

پھر بیہقی نے یہ اضافہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے اور اس میں ہے کہ حضورؐ کے ساتھ ظہر کی نماز میں کوئی شخص آہستہ قرأت کر رہا تھا۔ نماز کے بعد آپؐ نے تین مرتبہ پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ قرأت کی ہے؟ تیسری بار کے سوال پر اس آدمی نے اعتراف کیا کہ میں سورۂ اعلیٰ پڑھ رہا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا: میرے ساتھ قرآن میں نزاع کیوں کیا جاتا ہے؟ کیا تم میں سے ہر ایک اپنے امام کی قرأت کافی نہیں؟ امام تو اسی لئے ہوتا ہے اس کی اقتداء کی جائے۔ پس جب وہ قرأت کرے تو خاموش رہو۔ پھر بیہقی نے اس روایت پر گفتگو کی ہے اور اسے عمرانؓ بن حصین کی روایت کے خلاف بتایا ہے کیونکہ عمرانؓ کی روایت میں یہ لفظ نہیں ہے کہ وہ شخص آہستہ آہستہ پڑھ رہا تھا۔ اور یہ ہے کہ حضورؐ نے پوچھا تم میں سے کون سورۂ اعلیٰ پڑھتا تھا؟ اس سے معلوم ہوا کہ وہ شخص بآواز بلند پڑھتا تھا۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ تم میں سے کسی نے میری قرأت میں دخل اندازی کی ہے۔ پس اگر اس آدمی نے بلند آواز سے نہ پڑھا ہوتا تو اس کی قرأت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت میں خلجان پیدا نہ ہوتا اور نہ نزاع پیدا ہوتی۔ پھر بیہقی نے راویوں پر بات چیت کی اور عبدالمنعم بن شبیر کو بقول ابن عدی ضعیف بتایا، اسی طرح عبدالرحمن بن زید بن اسلم کے متعلق کہا کہ وہ مشہور ضعفاء میں سے ہے جنہیں مالکؒ اور ان کے بعد علمائے حدیث نے مجروح قرار دیا ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ بیہقی کا عمرانؓ بن حصین کی حدیث کی مخالفت کا عذر غلط ہے کیونکہ یہ واقعہ نمازِ ظہر کا ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ اس میں قرأت مخفی ہوتی ہے اور صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، یا تو سب خاموش تھے یا بالفرض اگر کوئی پڑھتا تھا تو مخفی طور پر۔ پس یہ کیسے ممکن تھا کہ نمازِ ظہر میں کوئی صحابی حضورؐ کی قرأت کے ساتھ جہر سے قرأت کرنے لگتا؟ اور حضورؐ کا یہ فرمانا کہ: تم میں سے کوئی سورۂ اعلیٰ پڑھتا تھا؟ اس سے اس شخص کی قرأت بالجہر ثابت نہیں ہوتی۔ احتمال ہے کہ وہ آہستہ پڑھتا ہو مگر سرگوشی کے ساتھ، اور حضورؐ نے اسے سن لیا ہو۔ یا کوئی کلمہ اس سے بالجہر نکل گیا ہو، اور زیادہ بہتر یہ بات ہے کہ حضورؐ پر یہ بات بذریعہ کشف واضح ہوئی تھی۔ لہٰذا بیہقی کا یہ کہنا کہ جہر کے سوا حضورؐ کی قرأت میں دخل اندازی

نہیں ہو سکتی تھی غلط ہے۔ کیونکہ دخل اندازی سرگوشی سے بھی ممکن ہے۔ مخفی آواز جب سانس کے ساتھ نکلے تو سنائی دے سکتی ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ یہ اضافہ: وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا کئی طریق سے مروی ہے۔ (۱) مسلم میں سلیمان التیمی عن قتادہ سے (۲) عمر بن عامر اور سعید بن ابی عروبہ عن قتادہ، جو دارقطنی، بیہقی اور مسند بزار میں ہے، سالم بن نوح کی روایت سے (۳) ابوعوانہ کی روایت میں ابو عبیدہ عن قتادہ، اور حدیث ابی موسیٰ اشعری کی ہے۔ پس اس سے معلوم ہو گیا کہ سلیمان تیمی اس اضافے میں متفرد نہیں ہے بلکہ عمر بن عامر عن قتادہ، سعید بن ابی عروبہ عن قتادہ اور ابو عبیدہ عن قتادہ یہ تینوں اس کی حدیث کے متابعات ہیں (۴) ترمذی کے سوا باقی پانچ صحاح میں ابوہریرہؓ کی روایت ابو خالد الاحمر عن ابن عجلان عن زید بن اسلم۔ (۵) نسائی اور دارقطنی کی روایت ابو سعید محمد بن سعد الانصاری کے طریق سے وہ محمد بن عجلان سے اور وہ زید بن اسلم سے روایت کرتا ہے۔ (۶) بیہقی کی روایت حسان بن ابراہیم کرمانی اور اسماعیل بن ابان غنوی سے اور وہ دونوں ابن عجلان سے۔ اور دارقطنی نے بھی اسماعیل بن ابان غنوی کی روایت نقل کی ہے۔ (۷) بقولِ بیہقی امام احمد کی روایت ــــــ عن یحییٰ بن العلاء عن زید بن اسلم (۸) بقولِ بیہقی ضعیف سند سے عمر بن ہارون عن خارجہ بن مصعب عن زید بن اسلم (۹) بیہقی اور دارقطنی کی روایت عن ابی سعد محمد بن میسر حدثنا ابن عجلان عن ابیہ عن ابی ہریرۃؓ (۱۰) بقولِ بیہقی انسؓ بن مالک کی حدیث: اَخْبَرَنَا اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ الْحَافِظُ اَخْبَرَنَا جَعْفَرُ الْخُلْدِيُّ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ شَبِيْبِ الْمَعْمَرِيُّ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الطُّفَاوِيُّ حَدَّثَنَا اَيُّوْبُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (۱۱) بقولِ بیہقی انسؓ کی حدیث جو احمدؒ نے بیان کی ہے: عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ اَرْقَمَ عَنِ الْحَسَنِ وَالزُّهْرِيِّ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الخ (۱۲) حسبِ بیان بیہقی حضرت عمر بن الخطاب کی حدیث: عَنْ عَبْدِ الْمُنْعِمِ بْنِ بَشِيْرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ الخ۔

پس معلوم ہوا کہ وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا کی حدیث بارہ[12] طریق سے ثابت ہے بعض صحیح ہیں اور بعض ضعیف۔ خدانخواستہ اگر سارے طریق بھی ضعیف ہوتے تو تعددِ طرق اور کثرت کے باعث اس حدیث کا درجہ حسن کا ہو جاتا، چہ جائیکہ زیادہ تر طرق صحیح ہیں۔ مولانا نے تنبیہ کی ہے کہ محدثین اس اضافہ کی تصحیح اور تضعیف میں مختلف ہوئے ہیں۔ ابو داؤد، دارقطنی، بیہقی، ابو حاتم وغیرہم نے اس کی تضعیف کی ہے۔ مجھے ان عظیم محدثین پر حیرانی ہے کہ اپنے مسلّم قواعد و اصول سے کیونکر غافل ہو گئے ہیں۔ حالانکہ ثقہ راوی کا اضافہ اگر اس سے ثقہ تر کے خلاف نہ ہو تو محدثین کے نزدیک مقبول ہے۔ ابن حجرؒ نے شرح نخبہ میں یہی لکھا ہے۔ اگر ان میں منافات و مخالفت نہ ہو تو مطلقاً قبول ہے کیونکہ وہ اس مستقل حدیث کے حکم میں ہے جسے ثقہ راوی بیان کرتا ہے اور اس کے استاد سے اس کے سوا اس کا کوئی اور راوی نہیں۔ اگر اس اضافے والی روایت ثقہ تر کی روایت کے اس طرح خلاف ہو کہ اس کے قبول سے دوسری کا رد لازم آئے تو اس وقت ترجیح کا قاعدہ استعمال کیا جائے گا۔ پھر راجح کو قبول اور مرجوح کو رد کیا جائے گا۔ اور بعض علماء نے تو ثقہ کے اضافے کو بلا تفصیل مطلقاً قبول کیا ہے۔ لیکن اکثر محدثین ثقہ کے اضافے کو جبکہ وہ ثقہ تر کے خلاف اور منافی ہو شاذ کہتے ہیں اور صحیح کی تعریف میں یہ شرط بھی لگاتے ہیں کہ وہ شاذ نہ ہو۔ اور حافظ ابن الصلاح اور امام شافعیؒ انہی میں سے ہیں اور پھر دیکھئے کہ یہ ثقہ راویوں کا اضافہ یعنی وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا اپنے سے ثقہ تر راویوں کے خلاف نہیں ہے۔ خلاف تو تب ہوتا جبکہ ان کی روایت میں صریحاً امام کے پیچھے قرأت کا حکم دیا جاتا، اور جب ایسا نہیں ہے تو پھر ان بزرگوں کے ساتھ حسنِ ظن کی بنا پر ہم یہی کہتے ہیں کہ ان سے اپنے ہی اصول و قواعد سے غفلت ہو گئی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ یہ حدیث خالصۃً

مقتدی کے لئے ہے اور اس میں اسے خاموشی کا حکم دیا گیا ہے۔ عام احادیث جن میں مقتدی کی صراحت نہیں ہے وہ اس کے یا یہ ان کے خلاف نہیں ہے۔ یہ دلیل خاص ہے لہٰذا مقتدی کے لئے اسی پر عمل کرنا ضروری ہے جب تک کہ مقتدی کے لئے اس سے قوی تر اور صحیح تر احادیث میں امام کے پیچھے قرأت کا حکم نہ مل جائے اور وہ انشاء اللہ نہیں مل سکتا۔

۶۰۵۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِهِ وَهُوَ جَالِسٌ فَصَلَّى وَرَاءَهُ قَوْمٌ قِيَامًا فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنِ اجْلِسُوا، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا وَإِذَا صَلَّى جُلُوسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا۔

(ترجمہ) عائشہ صدیقہ ؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر میں بیٹھ کر نماز پڑھی اور آپ کے پیچھے کچھ لوگوں نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو حضور ؐ نے اشارے سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ پھر جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ امام تو پیروی کیلئے ہوتا ہے پس جب وہ رکوع کرے تو رکوع کرو اور جب سر اٹھائے تو سر اٹھاؤ۔ اور جب بیٹھ کر پڑھے تو بیٹھ کر پڑھو۔

(شرح، دیکھیے اس صحیح حدیث میں نہ تکبیر تحریمہ کا ذکر ہے نہ تسمیع و تحمید کا اور نہ سجدے کا۔ گویا اس میں اختصار ہے۔ کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ جن احادیث میں ان ارکان کا ذکر ہے وہ اس کے یا یہ حدیث ان کے خلاف ہے! پھر ایک ثقہ راوی کے اضافے پر آتنا ہنگامہ کیوں کھڑا کیا جائے جس کا بیان اوپر گزرا ہے؟

۶۰۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَيَزِيدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ مَوْهَبٍ الْمَعْنَى أَنَّ اللَّيْثَ حَدَّثَهُمْ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ ؓ قَالَ اشْتَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ وَهُوَ قَاعِدٌ وَأَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يُكَبِّرُ لِيُسْمِعَ النَّاسَ تَكْبِيرَهُ۔ ثُمَّ سَاقَ الْحَدِيثَ۔

(ترجمہ) جابر ؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت ناساز تھی۔ ہم نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی اور ابوبکر ؓ تکبیر (با آواز بلند) کہتے تھے تاکہ لوگوں کو حضور ؐ کی تکبیر سنائیں۔ پھر قتیبہ اور یزید نے یہ حدیث پوری بیان کی۔

(شرح، ظاہر یہی ہے کہ یہ واقعہ وہی گھوڑے سے گر کر پاؤں مبارک میں موچ آنے کا ہے۔ آخری بیماری والا واقعہ اور ہے۔

۶۰۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا زَيْدٌ يَعْنِي ابْنَ الْحُبَابِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ صَالِحٍ حَدَّثَنِي حُصَيْنٌ مِنْ وَلَدِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ أَنَّهُ كَانَ يَؤُمُّهُمْ، قَالَ فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ إِمَامَنَا مَرِيضٌ فَقَالَ إِذَا صَلَّى قَاعِدًا فَصَلُّوا قُعُودًا، قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَهَذَا الْحَدِيثُ لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ۔

(ترجمہ) اُسید بن حُضیر سے روایت ہے کہ وہ لوگوں کی امامت کرتے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے۔ قوم میں سے کسی نے کہا یا رسول اللہ ہمارا امام بیمار ہے، تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو۔

(شرح) بعض نسخوں میں یہ لفظ ہے کہ پس لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہمارا امام الخ ابوداؤد کے نزدیک حُصین کی ملاقات اُسید بن حُضیر سے ثابت نہیں لہذا حدیث منقطع ہے۔ دیگر صحابہؓ سے حُصین کی روایت شائد متصل ہو مگر اُسید بن حُضیر کی وفات حُصین کے سمجھدار ہونے سے پہلے ہو چکی تھی۔ واللہ اعلم۔ منقطع ہونے کے باوجود اصل مضمون صحیح ہے۔

۷۰۔ بَابُ الرَّجُلَيْنِ يَؤُمُّ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ كَيْفَ يَقُومَانِ

باب۔ دو مردوں کی جماعت کیونکر کھڑی ہو؟

۶۰۸۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى أُمِّ حَرَامٍ فَأَتَوْهُ بِسَمْنٍ وَتَمْرٍ فَقَالَ رُدُّوا هَذَا فِي وِعَائِهِ وَهَذَا فِي سِقَائِهِ فَإِنِّي صَائِمٌ۔ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى بِنَا رَكْعَتَيْنِ تَطَوُّعًا فَقَامَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ وَأُمُّ حَرَامٍ خَلْفَنَا۔ قَالَ ثَابِتٌ وَلَا أَعْلَمُهُ إِلَّا قَالَ أَقَامَنِي عَنْ يَمِينِهِ عَلَى بِسَاطٍ۔

(ترجمہ) انسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمِّ حرامؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ گھر کے لوگ گھی اور کھجور لائے تو فرمایا کہ اس کو اس کے برتن میں اور اس کو اس کی مشک میں واپس ڈال دو کیونکہ میں روزے سے ہوں۔ پھر آپؐ نے ہمیں دو رکعت نفل نماز پڑھائی۔ اُمِّ سُلیمؓ اور اُمِّ حرامؓ ہمارے پیچھے کھڑی ہوئیں اور ثابت کہتا ہے کہ میرے علم کے مطابق انسؓ نے کہا کہ حضورؐ نے مجھے اپنے ساتھ دائیں طرف ایک بچھونے یا چٹائی پر کھڑا کیا۔

(شرح) اُمِّ حرامؓ، انسؓ کی خالہ اور اُمِّ سُلیمؓ (والدۂ انسؓ) کی بہن تھیں۔ یہ لوگ حضورؐ کے ننھیالی رشتہ دار تھے اور ان کے ہاں حضورؐ کا اکثر آنا جانا تھا۔ حنفیہ کا مسلک اس حدیث کے عین مطابق ہے کہ امام کے ساتھ ایک مرد یا لڑکا یا بچہ ہو تو وہ دائیں طرف کھڑا ہو اور عورت پیچھے ہو۔

۶۰۹۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْمُخْتَارِ عَنْ مُوسَى بْنِ أَنَسٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّهُ وَامْرَأَةً مِنْهُمْ فَجَعَلَهُ عَنْ يَمِينِهِ وَالْمَرْأَةَ خَلْفَ ذَلِكَ۔

(ترجمہ) انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اور ان میں سے ایک عورت کی امامت کی تو انسؓ کو اپنی دائیں طرف اور عورت کو پیچھے کھڑا کیا۔

(شرح) اس حدیث میں پیچھے کھڑی کی جانے والی عورت شاید اُم سُلیم ہے جیسے دوسری روایت میں بڑھیا کہا گیا ہے۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ مردوں کے ساتھ اگر ایک عورت نماز پڑھے تو صف کے ساتھ ان کے ساتھ برابر میں کھڑی نہ ہو بلکہ پیچھے اکیلی کھڑی ہو۔ یہ مسئلہ متفق علیہا ہے مگر جب عورت مردوں کی محاذات میں ہو یا ان سے آگے بڑھ جائے تو اس میں اختلاف ہے کہ آیا اس کی یا ان کی نماز صحیح ہے یا نہیں جمہور کے نزدیک مردوں اور عورت سب کی نماز صحیح ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ کسی کی نماز فاسد نہ ہو۔ مگر استحسان یہ ہے کہ اگر امام عورت کی امامت کی نیت کر چکا ہو تو اس کی (امام کی) نماز فاسد ہے ورنہ عورت کی نماز فاسد ہے۔ اس مسئلے کے لئے حنفیہ نے اس سے استدلال کیا کہ مرد عورتوں کے آگے بڑھنے پر مامور ہیں، یہ مضمون ابن مسعودؓ سے موقوفاً ثابت ہے جو مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ اس میں عقل محض کو دخل نہیں۔ اَخِّرُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَخَّرَهُنَّ اللهُ پس اس صورت مذکورہ میں امام مقام مقتدی وامام کا تارک بنے گا لہٰذا نماز فاسد ہوگی۔ اور یہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ انسؓ اور یتیم نے حضورؐ کے پیچھے اور بڑھیا نے ہمارے پیچھے صف بنائی یعنی وہ اپنے بیٹوں کے پیچھے اکیلی صف میں کھڑی ہوئی۔ ورنہ عام احوال میں تو صف کے پیچھے اکیلے کھڑا ہونا یا مفسد صلوٰۃ ہے جیسا کہ امام احمدؒ کا یہی مذہب ہے اور یا مکروہ ہے کہ دوسرے ائمہ کا یہ مسلک ہے۔ ابن مسعودؓ کی مذکورہ حدیث موقوف طبرانی میں ہے۔ محدث علی القاریؒ نے ابن دقیق العید کے حوالے سے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ فتح القدیر میں امام ابن الہمامؒ نے فرمایا کہ اس کی دلیل حضرت انسؓ کی حدیث بھی ہے جس کے مطابق بڑھیا انسؓ اور یتیم کی صف کے پیچھے اکیلی کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ عورت مرد کی امام نہیں بن سکتی، یہ ناجائز ہے کیونکہ یا تو اس کی حالت مرد سے ناقص ہے، یا اس میں امامت کی صلاحیت مطلقاً نہیں ہے، یا اس لئے کہ کوئی شرط امامت مفقود ہے یا اس لئے کہ عورت کا مقام نماز میں مردوں، بلکہ بچوں سے بھی پیچھے ہے۔ یہی صورتیں محض ہیں اور ان میں سے کوئی نہ کوئی ضرور پائی جاتی ہے۔ ان صورتوں میں سے عورت میں چوتھی صورت پائی جاتی ہے۔ پہلی اس لئے نہیں کہ نماز تو فاسق اور غلام کے پیچھے بھی جائز ہے۔ دوسری اس لئے نہیں کہ عورت میں عورتوں کی امامت کی صلاحیت موجود ہے۔ تیسری اس لئے نہیں کہ مفروض یہ ہے کہ اہل ایمان میں شرائط امامت پائی جاتی ہیں (ترتیب کا مسئلہ الگ ہے) حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں حنفیہ کا مسلک اس مسئلے میں گویا مزاحیہ انداز میں بیان کر کے اس کے لائق جواب نہیں ٹھیرایا۔ علامہ عینیؒ نے جواب میں حافظ صاحب پر تعصب اور سطحیت کا الزام لگایا ہے۔ پھر حافظ صاحب نے کچھ مثالوں سے بھی حنفیہ کا رد کیا ہے مگر بقول مولاناؒ وہ مثالیں اس مسئلے پر منطبق نہیں ہیں کیونکہ مفسد صلوٰۃ اور مکروہ فعل میں فرق ہوتا ہے۔

۶۱۰- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ اَبِيْ سُلَيْمَانَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ فِيْ بَيْتِ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةَ فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ فَاَطْلَقَ الْقِرْبَةَ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ اَوْكَأَ الْقِرْبَةَ ثُمَّ قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ. فَقُمْتُ فَتَوَضَّأْتُ كَمَا تَوَضَّأَ ثُمَّ جِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ فَاَخَذَنِيْ بِيَمِيْنِهٖ فَاَدَارَنِيْ مِنْ وَّرَائِهٖ فَاَقَامَنِيْ

عَنْ يَمِينِهِ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ -

(ترجمہ) ابن عباسؓ نے کہا کہ میں نے اپنی خالہ میمونہؓ کے ہاں رات گزاری سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اٹھے، مشک کھولی، وضوء فرمایا، پھر مشک کا منہ باندھ دیا۔ پھر نماز میں کھڑے ہوئے۔ پھر میں بھی اٹھا، آپ کی طرح وضوء کیا، پھر آیا اور آپؐ کے بائیں ہاتھ کھڑا ہوگیا۔ پس حضورؐ نے مجھے اپنے بائیں ہاتھ سے پکڑا اور پیچھے سے گھما کر دائیں طرف کھڑا کر دیا۔ پس میں نے آپؐ کے ہمراہ نماز پڑھی۔

(شرح) محدث علی القاریؒ نے کہا ہے کہ امام بغویؒ نے اس حدیث کی شرح میں کئی فوائد لکھے ہیں۔ ایک یہ کہ نفل نماز کو باجماعت پڑھنا جائز ہے۔ دوسرا یہ کہ مقتدی ایک ہی ہو تو امام کے دائیں طرف کھڑا ہوگا۔ تیسرا یہ کہ معمولی کام (عمل یسیر) نماز میں جائز ہے۔ چوتھا یہ کہ مقتدی امام سے آگے نہیں پڑھ سکتا۔ پانچویں یہ کہ جس شخص کی نیت امامت کی نہ تھی اس کے پیچھے نماز جائز ہے۔ جہاں تک نمازِ نفل کی جماعت کا سوال ہے وہ بلا اذان، بلا اقامت اور بلا تداعی ہو اور ایک یا دو آدمیوں کے ساتھ ہو تو جائز ہے۔ مگر اس سے عیدین، صلوٰۃ الخسوف، صلوٰۃ الکسوف اور صلوٰۃ الاستسقاء خارج ہیں کیونکہ باوجود بنیادی طور پر نفل ہونے کے یہ حضورؐ کے حکم اور عمل سے سنت ہوگئی ہیں، بلکہ بعض کو مثلاً صلوٰۃ العیدین کو تو واجب یعنی عملی واجب تک کہا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں اختلاف ہے کہ نمازِ تہجد آیا حضورؐ پر فرض تھی یا نفل۔ اگر فرض تھی تو اس صورت میں یہ اِقْتِدَاءُ الْمُتَنَفِّلِ بِالْمُفْتَرِضِ تھی جس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔

۶۱۱- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي هَذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ فَأَخَذَ بِرَأْسِي أَوْ بِذُؤَابَتِي فَأَقَامَنِي عَنْ يَمِينِهِ -

(ترجمہ) اس حدیث کی دوسری سند کے مطابق ابن عباسؓ نے کہا کہ حضورؐ نے میرے سر کو یا پیشانی کے بالوں کو پکڑا اور اپنے دائیں جانب کھڑا کر دیا۔

۱۷۰- بَابُ إِذَا كَانُوا ثَلَاثَةً كَيْفَ يَقُومُونَ

باب: تین مقتدی ہوں تو کس طرح کھڑے ہوں

۶۱۲- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ إِنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ فَأَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ قُومُوا فَلْأُصَلِّيَ لَكُمْ - قَالَ أَنَسٌ فَقُمْتُ إِلَى حَصِيرٍ لَنَا قَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُولِ مَا لُبِسَ فَنَضَحْتُهُ بِمَاءٍ فَقَامَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَفَفْتُ أَنَا وَالْيَتِيمُ وَرَاءَهُ وَالْعَجُوزُ مِنْ وَرَائِنَا فَصَلَّى لَنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفَ -

(ترجمہ) انسؓ بن مالک نے کہا کہ ان کی نانی مُلیکہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا پکایا اور اس کے لئے حضورؐ کو دعوت دی۔ آپؐ نے اس میں سے کچھ کھایا، پھر فرمایا کہ اٹھو میں تمہیں نماز پڑھاؤں۔ انسؓ نے کہا کہ میں نے اپنی ایک چٹائی لی جو کثرتِ استعمال سے سیاہ ہو چکی تھی، پس میں نے اسے پانی سے دھویا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کھڑے ہوئے اور میں نے اور یتیم نے آپؐ کے پیچھے صف بنائی اور بڑھیا ہمارے پیچھے کھڑی ہوئی۔ پس آپؐ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی۔ پھر تشریف لے گئے۔

(شرح) ابو طلحہؓ انسؓ کا سوتیلا باپ تھا، اس لحاظ سے انسؓ کی والدہ اُمِّ سُلیمؓ بنت ملحان جو انسؓ کی والدہ تھی وہ ابو طلحہؓ کے پوتے اسحاق (راوی حدیث) کی دادی تھیں۔ عبداللہ بن ابی طلحہؓ حضرت انسؓ کا سوتیلا بھائی تھا۔ بعض روایات میں (مثلاً طبقات ابن سعد میں) انسؓ کی والدہ اُم سلیمؓ کا نام مُلیکہ آیا ہے۔ اس طرف جائیں تو جدّتہ کی ضمیر اسحاق کی طرف لوٹتی ہے۔ مگر کچھ محدثین نے مُلیکہ اُمِّ سُلیم کی والدہ لکھا ہے، اس لحاظ سے وہ انسؓ کی نانی تھیں اور جدّتہ کی ضمیر انسؓ کی طرف راجع ہے۔ ایک بات یہ بھی یاد رکھیئے کہ انسؓ کی نانی کا اسحاق کی دادی کی ماں ہونے کی بناء پر اس کی نانی ہونا بھی بالکل مسلّم ہے۔

۶۱۳۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ هَارُونَ بْنِ عَنْتَرَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ اسْتَأْذَنَ عَلْقَمَةُ وَالْأَسْوَدُ عَلَى عَبْدِ اللّٰهِ وَقَدْ أَطَلْنَا الْقُعُودَ عَلَى بَابِهِ فَخَرَجَتِ الْجَارِيَةُ فَاسْتَأْذَنَتْ لَهُمَا فَأَذِنَ لَهُمَا ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى بَيْنِي وَبَيْنَهُ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ

(ترجمہ) اسود بن یزید نخعی کا بیان ہے کہ علقمہ بن قیس اور میں دونوں نے عبداللہ بن مسعودؓ کے ہاں حاضری کی اجازت مانگی اور ہم دونوں کافی دیر تک دروازے پر بیٹھے رہے تھے۔ پس لونڈی باہر نکلی اور ہمارے لئے اجازت لی تو عبداللہ بن مسعودؓ نے اجازت دے دی۔ اسود کہتا ہے کہ عبداللہؓ نے میرے اور علقمہؓ کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھائی۔ پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔

(شرح) بدائع الصنائع میں ہے کہ جب امام کے سوا دو آدمی اور ہوں تو ظاہر روایت کے مطابق امام آگے کھڑا ہوگا۔ ابو یوسفؒ نے اسود بن یزید کی اس روایت کے مطابق کہا ہے کہ امام وسط میں کھڑا ہو، مگر پیچھے وہ حدیث گزر چکی ہے کہ حضورؐ نے انسؓ اور یتیم کو پیچھے کھڑا کیا تھا۔ علیؓ اور ابن عمرؓ کا یہی قول ہے۔ ابن مسعودؓ کی روایت میں یہ اضافہ کہ: پھر عبداللہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا تھا، عام روایات میں نہیں ہے لہٰذا یہ محض عبداللہؓ بن مسعود کا فعل ثابت ہوا۔ ابراہیم نخعی نے کہا کہ جگہ کی تنگی کے باعث ایسا کیا گیا تھا۔ ابراہیم نخعی عبداللہؓ کے طریقے اور احوال کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ اگر بالفرض یہ اضافہ ثابت ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قسم کی حالت میں (کہ جگہ کی تنگی ہے) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں کرتے دیکھا تھا۔ لیکن اگر امام دو کے

وسط میں کھڑا ہو جائے تو عبد اللہؓ کے باعث جائز ہے۔ مازنی نے کہا ہے کہ یہ حکم مکہ میں تھا جبکہ رکوع میں تطبیق بھی تھی (یعنی ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے کے بجائے ایک دوسرے سے ملا لینا) اب یہ سب احکام منسوخ ہیں۔ ابن الہمامؒ نے کہا کہ یہ نسخ عبد اللہؓ سے پوشیدہ تھا اور ایسا ہونا بعید نہیں کیونکہ حضورؐ کی امامت اکثر دبیشتر کثیر مجمع میں ہوتی تھی۔ دو کی امامت شاذ ونادر واقعات ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ نسخ کا احتمال تو بعید ہے۔ دونوں فعل جائز ہیں۔ عبد اللہؓ نے اسی لئے ایسا کیا کہ یہ بھی جائز ہے۔

۲۰۷. بَابُ الْإِمَامِ يَنْحَرِفُ بَعْدَ التَّسْلِيمِ

امام کے سلام کے بعد دائیں بائیں پھرنے کا باب

۶۱۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنِي يَعْلَى بْنُ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ ابْنِ يَزِيدَ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ إِذَا انْصَرَفَ انْحَرَفَ۔

(ترجمہ) یزیدؓ بن الاسود نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی پس آپؐ نماز سے فارغ ہو کر ایک طرف مڑ کر بیٹھتے تھے۔

(شرح) اس انحراف کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ بخاری میں سمرہؓ بن جندب کی روایت ہے کہ حضورؐ نماز کے بعد ہماری طرف منہ پھیرتے تھے۔ مسلم میں انسؓ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دائیں طرف کو منہ پھیرتے تھے۔ بخاری و مسلم دونوں میں عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ: تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ لگائے۔ کہ یہ سمجھے کہ دائیں طرف کو پھرنا ہی ضروری ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہا بائیں طرف کو پھر کر دیکھا ہے۔ بدائع وصنائع میں ہے کہ امام جب نماز سے فارغ ہو تو اگر ایسی نماز ہو جس کے بعد سنت نہیں ہوتی (مثلاً فجر اور عصر) تو امام چاہے اٹھ کھڑا ہو اور چاہے دعا میں مصروف ہو کر وہیں بیٹھا رہے۔ مگر اس صورت میں قبلہ رخ بیٹھے رہنا مکروہ ہے۔ پس اگر وہ ٹھیرنا چاہتا ہے تو مقتدیوں کی طرف منہ کرے بشرطیکہ اس کے بالکل پیچھے کوئی نماز میں مصروف نہ ہو۔ دائیں پھرنا یا بائیں پھرنا دونوں طرح جائز ہے۔ مقصود یہ ہے کہ مشغولیت نماز کے ساتھ اشتباہ زائل ہو جائے۔ اگر نماز کے بعد سنت ہے تو امام کے لئے بیٹھے رہنے کی کراہت صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

۶۱۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ ثَابِتِ بْنِ عُبَيْدٍ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ الْبَرَاءِ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْبَبْنَا أَنْ نَكُونَ عَنْ يَمِينِهِ فَيُقْبِلُ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(ترجمہ) براء بن عازبؓ نے کہا کہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تو آپؐ کے دائیں طرف ہونا پسند کرتے تھے۔ پھر آپؐ اپنا چہرہ مبارک ہماری طرف کرتے تھے صلی اللہ علیہ وسلم (پہلی صف اور اس کی دائیں طرف کی فضیلت احادیث میں ویسے بھی وارد ہوئی ہے۔ پس ایک تو یہ باعث تھا کہ لوگ اس طرف کھڑے ہونا پسند کرتے تھے پھر اتفاق یہ بھی ہوتا کہ اکثر آپؐ اسی طرف کو منہ پھیر کر تشریف فرما ہوتے تھے، یہ گویا دوسری علت ہو گئی۔)

۷۲- بَابُ الْإِمَامِ يَتَطَوَّعُ فِي مَكَانِهِ

امام کی اپنی جائے نماز پر نفلی نماز کا بیان

۶۱۶- حَدَّثَنَا أَبُو التَّوْبَةِ الرَّبِيعُ بْنُ نَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ الْقُرَشِيُّ حَدَّثَنَا عَطَاءٌ الْخُرَاسَانِيُّ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي الْإِمَامُ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ حَتَّى يَتَحَوَّلَ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ عَطَاءٌ الْخُرَاسَانِيُّ لَمْ يُدْرِكِ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ۔

(ترجمہ) مغیرہؓ بن شعبہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام اس جگہ پر سنت و نفل نماز نہ پڑھے جہاں پر فرض پڑھ چکا ہو، وہاں سے ادھر ادھر ہو جائے۔ بقول ابو داؤد یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ عطاء خراسانی نے مغیرہؓ بن شعبہ کو نہیں دیکھا۔

(شرح اس حدیث کی سند میں عبدالعزیز بن عبدالملک بقول ابن القطان اور صاحب تقریب مجہول ہے ازدی نے اسے متروک الحدیث کہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شاید یہ ابنؓ ابی محذورہ ہے۔ بدائع میں ہے کہ ابو بکرؓ و عمرؓ نماز پڑھنے کے بعد یوں اٹھ کھڑے ہوتے تھے گویا کسی گرم پتھر پر ہوں۔ اس طرح امام کے ٹھیرے رہنے سے اشتباہ بھی ہوتا ہے لہٰذا نفل کے لئے امام کو دوسری جگہ منتقل ہو جانا چاہیئے۔ اس میں ابو ہریرہؓ سے بھی ایک مرفوع روایت ہے۔ ابن عمرؓ سے اس ٹھیرے رہنے کی کراہت ثابت ہے۔ عطاء الخراسانی کا سن ولادت ۵۰ھ ہے اور یہی مغیرہؓ کا سن وفات ہے۔ لہٰذا ملاقات ثابت نہیں۔ بقول طبرانی عطاء خراسانی نے انسؓ کے سوا کسی صحابی سے حدیث نہیں سنی۔

۷۳- بَابُ الْإِمَامِ يُحْدِثُ بَعْدَ مَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنْ آخِرِ الرَّكْعَةِ

باب: اگر امام آخری رکعت کے سجدے سے سر اٹھا کر بے وضو ہو جائے

۶۱۷- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ زِيَادِ بْنِ أَنْعُمٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ رَافِعٍ وَبَكْرِ بْنِ سَوَادَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قَضَى الْإِمَامُ الصَّلٰوةَ وَقَعَدَ فَأَحْدَثَ قَبْلَ أَنْ يَّتَكَلَّمَ فَقَدْ تَمَّتْ صَلٰوتُهُ وَمَنْ كَانَ خَلْفَهُ مِمَّنْ أَتَمَّ الصَّلٰوةَ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عمرو بن العاص نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام نماز پوری کرے اور بیٹھ جائے، پھر بات کرنے سے قبل وضوء جاتا رہے تو اس کی نماز پوری ہو گئی اور ان لوگوں کی بھی جو شروع سے اس کے ساتھ شامل تھے۔

(شرح) یہ حدیث امام طحاوی نے اپنی سند سے عبداللہ بن عمرو سے روایت کی ہے اور اس کے آخری جملے میں کچھ مختلف الفاظ آئے ہیں مطلب بہرحال اس کا بھی یہی ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ سلام فرض نہیں ہے۔ علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ شافعیؒ، مالکؒ اور احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ نماز سے لفظ سلام کے ساتھ فارغ ہونا فرض ہے۔ حنفیہ کے نزدیک سلام مسنون ہے فرض نہیں۔ یہی علیؓ، ابن مسعودؓ، نخعیؒ، ثوریؒ، اوزاعیؒ اور سعید بن المسیب کا مذہب ہے۔ امام شافعیؒ وغیرہ کا استدلال اس حدیث سے ہے جس کو نسائی کے علاوہ صحاح خمسہ نے بیان کیا ہے: نماز کی کنجی طہارت ہے، اس کی تحریم تکبیر ہے اور اس کی تحلیل تسلیم ہے۔ یہ حدیث امام شافعیؒ، بزار اور حاکم وغیرہ نے بھی روایت کی ہے۔ طرز استدلال یہ ہے کہ حضورؐ کا لفظ: تَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ حصر کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز سے فراغت صرف سلام سے ہوتی ہے کسی اور چیز کے ساتھ نہیں۔ حنفیہ اور دیگر لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو سلام کی عدم فرضیت پر دلالت کرتی ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہوا کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے کیونکہ عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم افریقی کو بعض اہل علم نے ضعیف کہا ہے۔ بقول شوکانی، نووی نے اسے شرح مہذب میں ضعیف کہا ہے۔ مگر اس کی تضعیف پر اتفاق کا دعویٰ غلط ہے کیونکہ اسے ساجی اور احمد بن صالح مصری نے ثقہ کہا ہے یعقوب بن سفیان اور ابن معین نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مولانا عبدالحیؒ نے سعایہ میں کتاب الرد علی صلوٰۃ اتفعال سے نقل کیا ہے کہ سلام کے واجب نہ ہونے کی دلیل ہمارے نزدیک ابن عمروؓ اور علیؓ کی وہ مرفوع حدیث ہے جسے ابوداؤد، ترمذی، دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ عبدالرحمٰن افریقی کو ترمذی نے غیر قوی اور یحییٰ بن سعید اور احمد بن حنبل نے ضعیف کہا ہے مگر بخاری نے مقارب الحدیث کہا ہے، ابوداؤد اس کی روایت کے بعد خاموش رہا ہے۔ وہ خاموش اسی وقت رہتا ہے جب حدیث اس کے نزدیک صحیح یا حسن ہو۔ اس کی تائید ابوداؤد کی وہ روایت کرتی ہے جس میں ہے کہ علقمہ نے قاسم بن مخیمرہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: إِذَا قُلْتَ هٰذَا أَوْ فَعَلْتَ هٰذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلٰوتُكَ۔

امام طحاویؒ نے سلام کی عدم فرضیت پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر کی پانچ رکعات پڑھا دیں اور سلام نہ کہا، جب آپ کو بتایا گیا تو پاؤں موڑ کر سہو کے دو سجدے کئے۔ یہ حدیث عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ حضورؐ نے سلام سے پہلے نماز میں پانچویں رکعت کو داخل کر دیا اور اسے نماز کا مفسد نہیں ٹھہرایا، اگر ٹھہراتے تو اس کا اعادہ فرماتے۔ جب اعادہ نہیں کیا اور تسلیم کے بغیر ہی پانچویں رکعت پڑھ لی تو معلوم ہوا کہ سلام نماز کے اصلی ارکان میں داخل نہیں ہے۔ فرض کرو کہ اگر آپؐ کے ذمہ چوتھی

رکعت کا سجدہ ہوتا اور اسے ادا کئے بغیر ہی پانچویں کو شروع کر دیتے تو اس سے پہلی چار رکعات فاسد ہو جاتیں کیونکہ ان میں ایسا فعل خلط ملط ہو گیا ہوتا جو ان میں سے نہیں ہے۔ اگر آخری سلام اس طرح فرض ہوتا جس طرح نماز کی رکعات کا سجدہ واجب ہے تو اس کا حکم بھی ایسا ہی ہوتا۔ لیکن وہ ایسا نہیں ہے پس سلام سُنّت ہے فرض نہیں۔

۷۵۔ بَابُ تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ

باب۔ نماز کی تحریم تکبیر اور اس کی تحلیل تسلیم ہے

۶۱۸۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ ابْنِ عَقِيلٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُورُ وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ۔

(ترجمہ) حضرت علیؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز کی کنجی طہور ہے اور اس کی تحریم تکبیر ہے اور اس کی تحلیل سلام ہے۔

(شرح) حدیث کا مفاد یہ ہے کہ جس طرح کنجی کے بغیر قفل نہیں کھلتا اسی طرح طہارت کے بغیر نماز نہیں کھلتی۔ اور تکبیر اوّل ان چیزوں کو حرام کرنے والی ہے جو اس صلوٰۃ کے افعال سے نہیں۔ اور سلام کہہ کر آدمی نماز سے فارغ ہو جاتا ہے اور جو جائز کام نماز میں حرام تھے وہ حلال ہو جاتے ہیں۔

علامہ عینیؒ کا بیان ہے کہ تکبیر تحریمہ کے متعلق اختلاف ہے کہ اس کی نماز میں کیا حیثیت ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ شرط اور دیگر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک رکن صلوٰۃ ہے۔ امام زہریؒ اس قول میں منفرد ہیں کہ نماز تکبیر کے بغیر صرف نیت سے منعقد ہو سکتی ہے۔ علماء کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا تکبیر کی جگہ تسبیح و تہلیل کافی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ مالکؒ، ابو یوسفؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کے نزدیک صرف لفظ اللہ اکبر جائز ہے۔ شافعیؒ سے ایک روایت ہے کہ اللہ الاکبر بھی جائز ہے۔ ابو حنیفہؒ اور محمدؒ نے کہا کہ جن الفاظ سے تعظیم و تکبیر الٰہی کا قصد ہو سکے وہ جائز ہیں۔ ہدایہ میں ابو یوسفؒ کا قول درج ہے کہ صرف اللہ اکبر، اللہ الاکبر اور اللہ الکبیر کے لفظ جائز ہیں۔ اگر کوئی یہ الفاظ اچھی طرح ادا نہ کر سکتا ہو تو دوسرے الفاظ جائز ہیں۔ شاید ابو یوسفؒ کا استدلال حضرت عائشہؓ کی حدیث سے ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا افتتاح تکبیر سے کرتے تھے، اور ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز تکبیر سے شروع کرتے دیکھا۔ ان احادیث میں لفظ تکبیر ہے نہ کہ کوئی اور لفظ۔ اسی طرح ان حضرات کا استدلال رفاعہؓ کی حدیث سے ہے جسے ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے کہ نماز میں غلطی کرنے والے کو حضورؐ نے حکم دیا تھا کہ اچھی طرح سے وضو کر نیکا اور تکبیر سے نماز شروع کرنے کے بغیر نماز مکمل نہیں۔ ابوحمید ساعدیؓ کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں کھڑے ہوتے تو ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہتے تھے۔ (ترمذی)

علامہ عینیؒ نے کہا کہ لغوی اعتبار سے تکبیر کا معنی تعظیم ہے۔ قرآن کہتا ہے: فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ "جب

زنانِ مصر نے یوسفؑ کو دیکھا تو اس کی تعظیم کی یعنی اُسے عظیم جانا۔ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ کا معنیٰ ہے: اپنے رب کی تعظیم کر۔ پس جو لفظ تعظیم پر دلالت کریں ان سے نماز کا افتتاح جائز ہے۔ اس بات کی کیا دلیل ہے کہ بعینہٖ لفظِ تکبیر واجب ہے اور اللہ اکبر ہی کہا جائے؟ خطاب شرع میں اصل یہ ہے کہ اس کی نصوص معلوم ہوں اور سمجھی جائیں، لہٰذا قید لگانا خلاف اصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى۔ اور اللہ کے نام کا ذکر لفظ اللہ سے بھی ہو سکتا ہے، الرحمٰن سے بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا: اَلرَّحْمٰنُ اَعْظَمُ کہنا جائز ہے جیسے کہ اللہ اکبر کہنا جائز ہے کیونکہ یہ دونوں اللہ کے نام کا ذکر ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے: وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مجھے لوگوں سے قتال کا حکم اس وقت تک ہے جب تک کہ لا الٰہ الا اللہ نہ کہہ دیں سو اگر کوئی: لا الٰہ الا الرحمٰن کہہ دے یا لا الٰہ الا العزیز کہہ دے وہ اسلام میں داخل ہو سکتا ہے۔ اور جب یہ ایمان لانے میں جائز ہے جو کہ اصل ہے تو اس کی فرع (نماز) میں بھی جائز ہوگا۔

رہا سلام کا مسئلہ، سو علامہ عینیؒ نے اس میں علماء کا اختلاف یوں نقل کیا کہ امام مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور ان کے اصحاب نے کہا کہ اگر نمازی نے سلام کے لفظ کے بغیر نماز سے فراغت حاصل کر لی تو اس کی نماز باطل ہوگئی گویا لفظ سلام فرض ہے اور وہ ارکانِ نماز میں سے ہے حتیٰ کہ امام نوویؒ شافعی نے کہا کہ اگر السلام علیکم کے حروف میں سے کسی حرف میں بھی خلل ڈالا تو نماز صحیح نہیں ہوئی۔ ان کا استدلال اسی حدیث کے لفظ: وَتَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ سے ہے۔ یہ حدیث ابوداؤد، ابن ماجہ اور حاکم نے روایت کی ہے۔ بخاری و مسلم میں نہیں آئی مگر حاکم نے کہا ہے کہ یہ مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ عینی کہتے ہیں کہ اس کی صحت میں ابن عقیل کے باعث اختلاف ہے۔ محمد بن سعد نے اسے منکر الحدیث کہا ہے کہ محدثین اس کی روایت پر اعتماد نہیں کرتے۔ امام مالکؒ نے اس سے روایت نہیں لی۔ یحییٰ بن سعید بھی اس سے روایت نہیں کرتا تھا۔ یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ اس کی حدیث حجت نہیں اور یہ کہ وہ ضعیف ہے۔ نسائی نے اُسے ضعیف کہا ہے۔ ترمذی نے اسے راست گو کہا ہے مگر کہا ہے کہ اس کے حافظے پر لوگوں نے اعتراض کیا ہے۔ اگر اس حدیث کو صحیح فرض کر لیا جائے تو امام طحاویؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ علیؓ کا قول یہ مروی ہے کہ آخری سجدے سے سر اٹھاتے ہی نماز مکمل ہو جاتی ہے اور یہ حدیث علیؓ سے ہی مروی ہے، پس اس سے مراد ان کے نزدیک یہ ہوگی کہ تسلیم کے ساتھ نماز ختم کرنا مسنون اور مستحب ہے۔ اس کے خلاف غیر مناسب اور غیر مسنون ہے، وجوب اس سے نہیں ثابت ہوتا۔ ایک اور جواب یہ ہے کہ یہ حدیث خبرِ واحد ہے اور اس سے فرض ثابت نہیں ہو سکتا۔ فرض کے لئے تو کوئی نہایت پختہ دلیل درکار ہے۔ اگر کہا جائے کہ اس حدیث سے اگر تسلیم کی فرضیت ثابت نہیں تو اسی کے پہلے حصے: تحریمہا التکبیر کے ساتھ تکبیر کی فرضیت کیونکر ثابت ہوگی تو اس کا جواب یہ ہے کہ تکبیر کی فرضیت تو اصل میں قرآن سے ثابت ہے: وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى اور: وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ۔ پس حدیث ان آیات کی تشریح و بیان ہے، صرف اس سے تکبیر کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ سر کے مسح کا حکم تو قرآن میں ہے مگر اس کا بیان اور شرح و تفصیل احادیث سے ثابت ہوتی ہے۔

البدائع والصنائع میں ہے کہ لفظ سلام کا کہنا حنفیہ کے نزدیک فرض نہیں، لیکن وہ واجب ہے۔ اگر کوئی عمداً ترک کر دے تو گنہ گار ہے اور سہواً ترک کر دے تو سجدۂ سہو آئے گا۔ امام مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک لفظ سلام

فرض ہے جس کے ترک سے نماز ٹوٹ جائے گی۔ وجہ یہ کہ حضورؐ نے تسلیم کا لفظ بول دیا ہے کہ یہی نماز کی تحلیل ہے۔ نماز عبادت ہے جس ایک تحریم ہے ایک تحلیل ہے، پس یہ اسی طرح نماز کا رکن ہے جس طرح حج میں طواف۔ حنفیہ کی دلیل ابن مسعودؓ کی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تشہد سکھایا اور فرمایا کہ: اِذَا قُلْتَ هٰذَا اَوْ فَعَلْتَ فَقَدْ قَضَيْتَ مَا عَلَيْكَ اِنْ شِئْتَ اَنْ تَقُوْمَ فَقُمْ وَاِنْ شِئْتَ اَنْ تَقْعُدَ فَاقْعُدْ۔ "جب تو نے یہ کہہ لیا یا کر لیا تو اپنے ذمہ جو فرض تھا اسے پورا کر دیا۔ اگر اٹھنا چاہے تو اٹھ جا اور بیٹھنا چاہے تو بیٹھا رہ"۔ اس حدیث سے استدلال دو طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ حضورؐ نے اس فعل یا قول پر اس کو تمام فریضہ ادا کرنے والا فرمایا جو اس کے ذمے تھا۔ مَا عام ہے پس اگر سلام فرض ہوتا تو صرف تشہد سے مَا عَلَيْكَ (جو تیرے ذمہ فرض تھا) کو پورا کرنے والا نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اس کے ذمہ سلام باقی تھا۔ دوسرا یہ کہ حضورؐ نے اسے لفظ سلام بولنے کے بغیر ہی اٹھنے یا بیٹھنے کا اختیار دیا ہے۔ اگر لفظ سلام فرض ہوتا تو یہ اختیار نہ دیا جاتا کیونکہ ایک فرض کے ذمہ ہونے کے باعث وہ مختار نہ تھا۔ نیز رکن نماز وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ نماز کو ادا کیا جائے اور سلام کے ساتھ تو نماز سے خروج ہوتا ہے پس وہ رکن نہ رہا۔

اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ تحلیلها التسلیم اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سلام کے بغیر تحلیل کی نفی ہو گئی ہے۔ ہاں اسلام کے لفظ کو مخصوص اس لئے کیا گیا کہ وہ واجب ہے (فرض یا رکن نہیں) اور اس کی مثال طواف سے نہیں دی جا سکتی، کیونکہ طواف حج کا محلل نہیں ہے کہ اس کے ذریعے سے حج سے باہر آیا جاتا ہو۔ محلل جو چیز ہے وہ تو سر منڈوانا یا بال کترانا ہے اور حلق یا قصر حج کا رکن نہیں ہے۔ پس سلام کی حیثیت نماز میں ایسی ہے جیسی کہ حلق کی حج میں ہے۔ حنفیہ کے دلائل کے مطابق سلام نماز کا حصہ نہیں اور امام شافعیؒ پہلے سلام کو نماز کا حصہ قرار دیتے ہیں، دوسرے کو نہیں۔

۷۶ - بَابُ مَا يُؤْمَرُ بِهِ الْمَأْمُوْمُ مِنِ اتِّبَاعِ الْاِمَامِ

باب: مقتدی کو جو امام کے اتباع کا حکم ہے

۶۱۹ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى ابْنِ حَبَّانَ عَنِ ابْنِ مُحَيْرِيْزٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ اَبِيْ سُفْيَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُبَادِرُوْنِيْ بِرُكُوْعٍ وَّلَا بِسُجُوْدٍ فَاِنَّهُ مَهْمَا اَسْبِقْكُمْ بِهِ اِذَا رَكَعْتُ تُدْرِكُوْنِيْ بِهِ اِذَا رَفَعْتُ اِنِّيْ قَدْ بَدَّنْتُ۔

(ترجمہ) معاویہ بن سفیان نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رکوع اور سجدے میں مجھ سے جلدی مت کرو کیونکہ جس قدر میں رکوع کرتے وقت تم سے آگے ہوتا ہوں اتنا ہی تم مجھے اس وقت پا لیتے ہو جب میں سر اٹھاؤں، میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔

(شرح) یعنی بڑھاپے کے باعث میں تم سے سبقت نہیں لے جا سکتا اور تم لوگ طاقتور ہو، مبادا مجھ سے سبقت لے جاؤ۔ میرے پیچھے پیچھے رہا کرو۔

۶۲۰۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ يَزِيدَ الْخَطْمِيَّ يَخْطُبُ النَّاسَ حَدَّثَنَا الْبَرَاءُ رضی اللہ عنہ وَهُوَ غَيْرُ كَذُوبٍ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا رَفَعُوا رُءُوسَهُمْ مِنَ الرُّكُوعِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ قَامُوا قِيَامًا فَإِذَا رَأَوْهُ قَدْ سَجَدَ سَجَدُوا۔

(ترجمہ) عبداللہ بن یزید خطمی نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ براءؓ نے ہمیں بتایا اور وہ جھوٹا نہیں تھا، کہ صحابہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رکوع سے سر اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔ پھر جب حضورؐ کو سجدہ کرتے دیکھتے تو سجدہ کرتے تھے۔

(شرح) یعنی رکوع سے سر اٹھاتے تو سیدھے کھڑے رہتے تھے۔ جب حضورؐ سجدے میں چلے جاتے پھر سجدہ کرتے تھے۔ حضورؐ نے جب پیچھے پیچھے رہنے کا حکم دیا تو احتیاطاً صحابہؓ کے ساتھ ہی سجدے میں نہ جاتے، مبادا امر کی مخالفت ہو جائے۔ مقصد اتباع تھا۔ وہ کھڑے رہ کر حضورؐ کے سجدے میں جانے کا انتظار کرتے تھے۔ علامہ شامی نے کہا ہے کہ امام متابعت کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) امام کے فعل کے ساتھ ساتھ رہنا، یعنی اس کے احرام کے ساتھ احرام، رکوع کے ساتھ رکوع اور سلام کے ساتھ سلام، اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ مثلاً اگر امام سے ذرہ پہلے سجدہ یا رکوع میں چلا جائے اور امام اسے وہیں پالے۔ (۲) امام کے فعل کی ابتداء کے بعد فعل کرنا مگر باقی فعل میں اس کے ساتھ شرکت کرنا، (۳) امام کے فعل کے بعد فعل کرنا۔ مطلق متابعت ان تینوں صورتوں میں فرض نماز کے اندر فرائض میں فرض ہے واجبات میں واجب اور سنن میں سنت ہے بشرطیکہ اس کا معارض نہ پایا جائے، مخالفت لازم نہ آجائے۔

۶۲۱۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَهَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ الْمَعْنَى، قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبَانَ بْنِ تَغْلِبَ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ قَالَ زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا الْكُوفِيُّونَ أَبَانُ وَغَيْرُهُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنِ الْبَرَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا يَحْنُو أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتَّى يَرَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ۔

(ترجمہ) حضرت براءؓ نے کہا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے تو ہم میں سے کوئی اپنی پشت نہ جھکاتا جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشانی مبارک زمین پر رکھتے نہ دیکھ لیتا۔

(شرح) پشت جھکانے سے مراد اس حدیث میں تو بظاہر قومہ سے سجدہ کی طرف انتقال ہے اور حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کے قول کے مطابق اس سے مراد جلسہ سے سجدہ کی طرف جانا ہے لیکن اگلی حدیث سے یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ مراد قومہ سے سجدہ کو جانا ہے۔

۶۲۲۔ حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ نَافِعٍ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ يَعْنِي الْفَزَارِيَّ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ يَزِيدَ يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ حَدَّثَنِي الْبَرَاءُ أَنَّهُمْ كَانُوا يُصَلُّونَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا رَكَعَ رَكَعُوا وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ لَمْ نَزَلْ قِيَامًا حَتَّى يَرَوْنَهُ قَدْ وَضَعَ جَبْهَتَهُ بِالْأَرْضِ ثُمَّ يَتَّبِعُونَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن یزید منبر پر کہتے تھے کہ مجھ کو براءؓ نے بتایا کہ صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو جب آپ رکوع کرتے صحابہ بھی رکوع کرتے اور جب آپ سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو ہم کھڑے رہتے تھے حتی کہ دیکھ لیتے کہ آپؐ نے اپنی پیشانی زمین پر رکھ دی ہوتی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سجدے میں جاتے تھے۔

۷۷۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّشْدِيدِ فِيمَنْ يَرْفَعُ قَبْلَ الْإِمَامِ أَوْ يَضَعُ قَبْلَهُ

امام سے پہلے سر اٹھانے یا رکھنے والے کے متعلق تشدید کا باب

۶۲۳۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَا يَخْشَى أَوْ أَلَا يَخْشَى أَحَدُكُمْ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ وَالْإِمَامُ سَاجِدٌ أَنْ يُحَوِّلَ اللَّهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ أَوْ صُورَتَهُ صُورَةَ حِمَارٍ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جب کوئی امام کے ابھی سجدے میں پڑے ہونے کی حالت میں سر اٹھاتا ہے کیا وہ ڈرتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے جیسا یا اس کی صورت گدھے جیسی بنا ڈالے۔

(شرح) حدیث میں جو اما یخشی اور الا یخشی کے الفاظ میں شک ہے یہ راویوں کا شک ہے۔ اسی طرح رأسہ رأس حمار اور صورتہ صورۃ حمار کا معاملہ بھی ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں فرمایا ہے کہ یہ

شک شعبہ کا ہے۔ بظاہر یہ راویوں کا تصرف ہے اور زیادہ تر راوی رأس کا لفظ بولتے ہیں کیونکہ چہرہ بھی سر کے اندر ہے اور زیادہ تر اعضائے رئیسہ کا مرکز وہی ہے اور وعید کا مرکز چہرہ یا سر اس لئے ہوا کہ حرکت اسی سے سرزد ہوئی۔ ظاہر حدیث سے اس فعل کی حرمت نکلتی ہے کیونکہ اس پر مسخ کی وعید ہے اسے حرام کہنے کے باوجود جمہور فقہاء کے نزدیک ایسا کرنے والا گنہ گار تو ہے مگر اس کی نماز فاسد یا باطل نہیں۔ ابن عمرؓ کی ایک روایت میں نماز باطل ہو جاتی ہے اور یہی مذہب ایک روایت میں امام احمدؒ کا اور ظاہریہ کا ہے۔ پھر اس وعید کا معنیٰ یا تو یہ ہے کہ اس سے مراد کوئی معنوی امر ہے مثلاً حماقت و بلادت۔ گدھا ان چیزوں میں مشہور ہے لہٰذا یہ فعل کرنے والوں کو گدھے سے تشبیہ دی گئی۔ بعض علماء کے نزدیک حدیث کا ظاہر مراد ہے کہ ایسا کرنے والے کے مسخ کا خدشہ ہے اور اس امت میں بھی مسخ کے بعض واقعات ہوئے ہیں جیسا کہ حدیث میں بھی ہے کہ اس امت میں خسف بھی ہوگا اور مسخ بھی۔ ابو مالک اشعریؓ کی حدیث میں کچھ لوگوں کے بندر اور خنزیر بنائے جانے کی وعید اور خبر موجود ہے۔ ابن حبان کی روایت میں: اَنْ یُّحَوِّلَ اللّٰہُ رَأْسَہٗ رَأْسَ کَلْبٍ کے الفاظ ہیں اور اس لفظ میں حماقت و بلادت مراد نہیں ہو سکتی اور چونکہ حدیث کے الفاظ وعید مستقبل کے لفظ سے آئے ہیں، الفاظِ تشبیہ سے نہیں پس اس سے مسخ کی وعید مراد لینا ہی اولیٰ ہے۔ حدیث اس بارے میں تو نص ہے کہ امام سے پہلے سجدہ کرنا یا سر اٹھانا اس وعید کا مستوجب ہے لیکن رکوع کو بھی بطریق اولیٰ اس سے ملحق کیا جائے گا کیونکہ وہ بھی اسی کے معنیٰ اور حکم میں ہے۔ اسی طرح قومہ اور جلسہ کے تمام افعال اس میں داخل ہیں۔

۷۸۔ بَابُ فِيمَنْ يَنْصَرِفُ قَبْلَ الْإِمَامِ

امام سے پہلے نماز سے فارغ ہونے کا باب

۶۲۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ أَخْبَرَنَا حَفْصُ بْنُ بُغَيْلٍ الدَّهْنِيُّ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنِ الْمُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَضَّهُمْ عَلَى الصَّلٰوةِ وَنَهَاهُمْ أَنْ يَنْصَرِفُوا قَبْلَ انْصِرَافِهِ مِنَ الصَّلٰوةِ۔

(ترجمہ) انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو نماز کی ترغیب دی اور اس بات سے منع کیا کہ آپؐ کے فارغ ہونے سے قبل نماز سے فارغ ہوں۔

(شرح) مختار بن فلفل کو بہت سے محدثین نے ثقہ کہا ہے مگر ابو الفضل سلیمانی نے اس میں کلام کیا ہے اور اس حدیث کو اس کی منکر روایات میں شمار کیا ہے۔ حفص بن بُغیل پر ابو داؤد نے کوئی بات نہیں کی حالانکہ ابن حزم اور ابن حبان نے اسے مجہول کہا ہے۔ ان دونوں حضرات کی شدت مشہور ہے۔ حدیث کا ایک معنیٰ تو واضح ہے جو ہم نے اوپر لکھا ہے۔ دوسرا معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضورؐ کے مسجد سے تشریف لے جانے سے پہلے لوگ باہر نہ جائیں کیونکہ عورتوں کو حکم تھا کہ مردوں سے قبل مسجد سے نکل جائیں، اس وقت مردوں کو منع کر دیا گیا

تاکہ اختلاط واقع نہ ہو سکے۔ بخاری میں ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں سلام کے بعد عورتیں تو اسی وقت مسجد سے نکل جاتیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کے ساتھ کچھ دیر وہیں رہتے تھے تاکہ عورتیں چلی جائیں، پھر جب حضورؐ اٹھ کر تشریف لے جاتے تو مرد بھی چلے جاتے تھے۔ محدث علیؒ قاری نے کہا ہے کہ اس چیز کا احتمال ہے کہ مراد اس سے یہ لی جائے کہ حضورؐ کے سلام سے قبل مسبوق اپنی بقیہ نماز پوری کرنے کے لئے نہ اٹھیں۔

۷۹۔ بَابُ جِمَاعِ أَثْوَابِ مَا يُصَلَّى فِيهِ

نمازی کے کپڑوں کا مجموعی بیان

۶۲۵۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الصَّلٰوةِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَ لِكُلِّكُمْ ثَوْبَانِ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک کپڑے میں نماز کے متعلق پوچھا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارے سب کے پاس دو دو کپڑے ہیں؟ (یعنی ایک ہی کپڑا جواز صلوٰۃ کو کافی ہے جبکہ وہ ستر ڈھانکے اور دوسرا نہ ملے۔ افضل یہ ہے کہ پورے لباس میں نماز پڑھیں۔ حضورؐ نے بیانِ جواز کے لئے ایک کپڑے میں نماز پڑھی تھی جیسا کہ مسلم کی حدیث میں جابرؓ کا قول ہے کہ میں نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی ہے تاکہ تمہارے جیسے جاہل دیکھ لیں)

۶۲۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّ أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى مَنْكِبَيْهِ مِنْهُ شَيْءٌ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایک ہی کپڑے میں نماز نہ پڑھے جبکہ اس کا کوئی حصہ اس کے کندھوں پر نہ ہو۔

(شرح) ستر گھٹنوں سے ناف تک ہے، پس اس حدیث کی ممانعت تنزیہا ہے تاکہ مزید تستر ہو جائے اور جسم کے اوپر کے حصوں پر بھی کپڑے کا کچھ حصہ آجائے۔ (فتح الباری) جمہورؒ کے نزدیک یہ نہی حرمت کے لئے نہیں محض تنزیہہ کے لئے ہے مگر امام احمدؒ سے مروی ہے کہ جس شخص کے پاس زیادہ کپڑے ہوں اور وہ پھر بھی صرف تہ بند میں نماز پڑھے تو اس کی نماز صحیح نہیں، گویا کہ امام احمدؒ نے اسے شرائطِ صلوٰۃ میں شمار کیا ہے۔

۶۲۷ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ أَخْبَرَنَا يَحْيَى ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ الْمَعْنَى عَنْ هِشَامِ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللهِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فِي ثَوْبٍ فَلْيُخَالِفْ بِطَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو اس کے دونوں اطراف کو مخالف کندھوں پر ڈال دے (یعنی دائیں طرف کے کندھے پر بایاں پلو اور بالعکس تاکہ ستر زیادہ ہو اور عریانی کا خطرہ نہ رہے)

۶۲۸ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُلْتَحِفًا مُخَالِفًا بَيْنَ طَرَفَيْهِ عَلَى مَنْكِبَيْهِ۔

(ترجمہ) عمر بن ابی سلمہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی کپڑے میں اسے جسم پر لپیٹے ہوئے، کندھوں پر مخالف طرفوں سے ڈالے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ (یہ صحابی ام المؤمنین ام سلمہؓ کا پہلے خاوند سے بیٹا تھا جو حضورؐ کے گھر میں پلا تھا)

۶۲۹ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا مُلَازِمُ بْنُ عَمْرٍو الْحَنَفِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بَدْرٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَرَى فِي الصَّلٰوةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ؟ قَالَ فَأَطْلَقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِزَارَهُ طَارَقَ بِهِ رِدَاءَهُ فَاشْتَمَلَ بِهِمَا ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى بِنَا نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا أَنْ قَضَى الصَّلٰوةَ قَالَ أَوَكُلُّكُمْ يَجِدُ ثَوْبَيْنِ؟

(ترجمہ) طلق بن علی حنفی نے کہا کہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے پس ایک آدمی نے آکر کہا: اے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی کپڑے میں نماز کے متعلق آپؐ کا کیا خیال ہے؟ طلقؓ نے کہا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہ بند کھولا اور اسے چادر کے ساتھ جوڑا پھر ان دونوں کو جسم پر لپیٹا پھر کھڑے ہو کر

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہو کر ارشاد فرمایا کہ کیا تم سب دو دو کپڑے پاتے ہو؟ (دونوں کپڑوں کو جوڑ کر ایک بنایا اور پھر اس میں نماز کا طریقہ عملاً سکھایا اور یہ بھی فرمایا کہ ہر شخص کے پاس دو کپڑے تو نہیں ہوتے۔ پس ایک ہی کپڑا ہو تو اس میں اس طرح سے نماز جائز ہے!)

۸۰۔ بَابُ الرَّجُلِ يَعْقِدُ الثَّوْبَ فِي قَفَاهُ ثُمَّ يُصَلِّي

کپڑے کو گدی پر باندھ کر نماز پڑھنے کا باب

۶۳۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَنْبَارِيُّ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ الرِّجَالَ عَاقِدِي أُزُرِهِمْ فِي أَعْنَاقِهِمْ مِنْ ضِيقِ الْأُزُرِ خَلْفَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلٰوةِ كَأَمْثَالِ الصِّبْيَانِ فَقَالَ قَائِلٌ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ لَا تَرْفَعْنَ رُءُوسَكُنَّ حَتّٰى يَرْفَعَ الرِّجَالُ۔

(ترجمہ) سہل بن سعدؓ نے کہا کہ میں نے مردوں کو ان کے تہ بندوں کی تنگی کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اپنی گدّیوں پر گرہ دیکر گردنوں پہ باندھے ہوئے دیکھا گویا کہ وہ بچے ہوں۔ پس ایک شخص بولا: اے عورتوں کی جماعت مردوں کے سر اٹھا لینے تک اپنے سر سجدوں سے مت اٹھاؤ (یہ زمانہ شدت اور افلاس کا تھا۔ کہنے والا شاید بلالؓ تھا یا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی فرمایا ہوگا مبادا عورتیں پہلے گردن اٹھائیں تو اتفاقاً کسی کا کپڑا کھلا ہوا ہو اور اس کے ستر پر نگاہ جا پڑے)

۸۱۔ بَابُ الرَّجُلِ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ بَعْضُهُ عَلٰى غَيْرِهِ

باب۔ نمازی ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھے اور اس کا بعض حصہ کسی اور پر ہو

۶۳۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ بَعْضُهُ عَلَيَّ۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھی جس کا کچھ حصہ مجھ پر تھا۔ (یہ گھر کی نماز تھی، اغلباً صلوٰۃ اللیل۔ سردی کا زمانہ تھا، یہ کپڑا ایک کھلی چادر تھی اور ظاہر یہ ہے کہ حضور بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے۔ گویا یہ ایک منفرد سا واقعہ ہے اور اس قسم کے احوال میں اس سے نماز کا جواز ثابت ہوتا ہے)

۸۲۔ بَابُ الرَّجُلِ يُصَلِّي فِي قَمِيصٍ وَاحِدٍ

ایک ہی قمیص میں نماز پڑھنے کا باب

۶۳۲ - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ مُوسَى بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي رَجُلٌ أَصِيدُ فَأُصَلِّي فِي الْقَمِيصِ الْوَاحِدِ قَالَ نَعَمْ وَازْرُرْهُ وَلَوْ بِشَوْكَةٍ۔

(ترجمہ) سلمہ بن اکوع نے کہا کہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شکار کیا کرتا ہوں اور ایک قمیص میں نماز پڑھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں! اور اسے اٹکا لیا کرو گو ایک کانٹے سے ہی ہو۔

(شرح) بخاری نے کہا ہے کہ اس حدیث میں کلام ہے اور ابو داؤد نے اسے ضعیف کہا ہے، لیکن جس راوی کو ابوداؤد نے ضعیف کہا ہے وہ اس حدیث کا راوی موسی بن ابراہیم مخزومی نہیں بلکہ موسی بن محمد بن ابراہیم تیمی ہے۔ شکاری آدمی ہلکا سامان اور لباس لے کر نکلتا ہے تاکہ کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے اور بھاگ دوڑ ہو سکے۔ جب قمیص ڈھیلی ڈھالی ہو اور نماز میں ستر کھل جانے کا خطرہ ہو تو اسے باندھنے اور اٹکانے کا حکم دیا گیا ہے۔

۶۳۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ بَزِيعٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي بُكَيْرٍ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي حَوْمَلٍ الْعَامِرِيِّ، قَالَ أَبُو دَاوُدَ كَذَا قَالَ وَهُوَ ابْنُ حَرْمَلٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَمَّنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ فِي قَمِيصٍ لَيْسَ عَلَيْهِ رِدَاءٌ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ إِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي قَمِيصٍ۔

(ترجمہ) جابر بن عبداللہ نے کچھ لوگوں کو نماز پڑھائی وہ ایک قمیص پہنے ہوئے تھے اور اس پر چادر نہ تھی۔ نماز ختم کر کے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قمیص میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

(شرح) ابو حرمل یا ابو حومل کی کنیت ابو الثورین یا ابو السوار تھی، یہ دو شخص ہیں یا ایک؟ اس پر محدثین نے خاصی گفتگو کی ہے یہ حدیث اس ذکر سے خاموش ہے کہ نیچے تہ بند تھا کہ نہیں۔ اہل عرب کے قمیص بہت طویل ہوتے تھے بعض کے پنڈلی سے بھی نیچے ہوتے تھے۔ بظاہر ابو داؤد کے نزدیک کسی اور کپڑے کے بغیر صرف ایک ہی قمیص میں نماز جائز ہے (بشرطیکہ ستر کے ساتھ)۔

۸۳ - بَابُ إِذَا كَانَ الثَّوْبُ ضَيِّقًا

جب ایک تنگ کپڑا ہو تو اس کا باب

۶۳۴ - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ وَسُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَيَحْيَى بْنُ الْفَضْلِ السِّجِسْتَانِيُّ قَالُوا حَدَّثَنَا حَاتِمٌ يَعْنِي ابْنَ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ مُجَاهِدٍ أَبُو حَزْرَةَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ أَتَيْنَا جَابِرًا يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ سِرْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فِي غَزْوَةٍ فَقَامَ يُصَلِّي وَكَانَتْ عَلَيَّ بُرْدَةٌ ذَهَبْتُ أُخَالِفُ بَيْنَ طَرَفَيْهَا فَلَمْ تَبْلُغْ لِي وَكَانَتْ لَهَا ذَبَاذِبُ فَنَكَّسْتُهَا ثُمَّ خَالَفْتُ بَيْنَ طَرَفَيْهَا ثُمَّ تَوَاقَصْتُ عَلَيْهَا لَا تَسْقُطُ ثُمَّ جِئْتُ حَتَّى قُمْتُ عَنْ يَسَارِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخَذَ بِيَدِي فَأَدَارَنِي حَتَّى أَقَامَنِي عَنْ يَمِينِهِ فَجَاءَ ابْنُ صَخْرٍ حَتَّى قَامَ عَنْ يَسَارِهِ فَأَخَذَنَا بِيَدَيْهِ جَمِيعًا حَتَّى أَقَامَنَا خَلْفَهُ وَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمُقُنِي وَأَنَا لَا أَشْعُرُ ثُمَّ فَطِنْتُ بِهِ فَأَشَارَ إِلَيَّ أَنْ أَتَّزِرَ بِهَا - فَلَمَّا فَرَغَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا جَابِرُ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ وَاسِعًا فَخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ وَإِذَا كَانَ ضَيِّقًا فَاشْدُدْهُ عَلَى حَقْوِكَ -

(ترجمہ) عبادہ بن الولید کا بیان ہے کہ ہم جابرؓ بن عبداللہ کے پاس گئے تو انہوں نے کہا کہ ایک جنگ میں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر پر تھا۔ آپؐ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے اور مجھ پر ایک چادر تھی جس کے دونوں اطراف کو میں نے مخالف کندھوں پر ڈالنا چاہا مگر وہ تنگ تھی، پوری نہ آئی، اور اس کے حاشیے لٹکے ہوئے تھے۔ پس میں نے اسے الٹ دیا پھر اسے مخالف طرفوں سے کندھوں پر ڈال لیا اور پھر اس پر جھک گیا مبادا گر جائے۔ پھر میں گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور پیچھے سے گھمایا حتیٰ کہ اپنے دائیں طرف کھڑا کر دیا۔ پھر ابن صخرؓ (جبارؓ بن صخر) آیا حتیٰ کہ حضورؐ کے دائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ پس حضورؐ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے ہم دونوں کو پکڑا حتیٰ کہ اپنے پیچھے (دھکیل کر) کھڑا کیا۔ جابرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متواتر مجھے دیکھنے لگے حتیٰ کہ آپ کو دیکھتے ہوئے محسوس کر لیا، پس آپؐ نے اشارہ سے فرمایا کہ اسے بطور تہ بند باندھ لو۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو فرمایا: اے جابر! میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں۔ فرمایا جب کپڑا کھلا ہو تو دونوں طرف سے مخالف کندھوں پر ڈال لو اور جب تنگ ہو تو اسے اپنی کمر پر باندھ لو (یہ حدیث مسلم میں بھی ہے۔ بظاہر یہ نماز نفل تھی ورنہ اذان و اقامت کا اہتمام کیا جاتا۔ لشکر جب چلتا ہے تو میلوں میں پھیل کر سفر کرتا ہے۔ غالباً یہ دونوں اصحاب حضورؐ کے ساتھ ساتھ تھے اور آپ شاید راستے سے ہٹ کر یہ نماز پڑھ رہے تھے۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ: فَأَخَذَ بِيَدَيْنَا جَمِيعًا فَدَفَعَنَا "حضورؐ نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑے اور پیچھے کو دھکیلا")

۸۴۔ بَابُ الْإِسْبَالِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں کپڑا لٹکانے کا باب

۶۳۵۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبَانُ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يُصَلِّي مُسْبِلًا إِزَارَهُ إِذْ قَالَ

لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اذْهَبْ فَتَوَضَّأْ فَذَهَبَ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ جَاءَ ثُمَّ قَالَ اذْهَبْ فَتَوَضَّأْ فَذَهَبَ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَكَ أَمَرْتَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ قَالَ إِنَّهُ كَانَ يُصَلِّي وَهُوَ مُسْبِلٌ إِزَارَهُ وَإِنَّ اللّٰهَ جَلَّ ذِكْرُهُ لَا يَقْبَلُ صَلٰوةَ رَجُلٍ مُسْبِلٍ إِزَارَهُ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ نے کہا کہ اس اثناء میں کہ ایک آدمی تہ بند لٹکائے نماز پڑھتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: جا اور وضوء کر۔ وہ گیا اور وضوء کر کے آ گیا۔ آپؐ نے پھر فرمایا کہ جا اور وضوء کر۔ وہ پھر گیا اور اور وضوء کر کے آیا۔ اس پر ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ نے اُسے کس سبب سے وضوء کا حکم دیا ہے؟ فرمایا کہ یہ اپنا تہ بند لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا اور اللہ تعالیٰ جس کا ذکر بلند ہے تہ بند لٹکا کر نماز پڑھنے والے کی نماز کو قبول نہیں کرتا۔

(شرح) ابوجعفر محمد بن علی بن الحسینؓ (ابوجعفر محمد الباقر) نے ابوہریرہؓ کا زمانہ نہیں پایا لہٰذا یہ راوی جناب ابوجعفر باقر نہیں ہیں۔ پھر ابوجعفر المدنی الانصاری بھی دو ہیں۔ اب یہ تحقیق نہیں ہو سکی کہ راوی حدیث ان میں سے کون سا ہے۔ ایک ابوجعفر الانصاری المدنی المؤذن ہے جسے امام ترمذی نے غیر معروف الاسم کہا ہے۔ راوی نے اسے فقط ابوجعفر رجلٌ من الانصار بتایا ہے اور ابن القطان نے اسے مجہول کہا ہے۔ ازار کے لٹکانے کی شرعی حد ٹخنا ہے، اس سے نیچے ممنوع ہے، اگر عذر ہو تو اور بات ہے۔ پھر اگر یہ لٹکانا از راہِ تکبر و تبختر ہو تو اس پر شدید وعیدیں آئی ہیں۔ حضورؐ نے اُسے وضوء کرنے کا حکم کیوں دیا؟ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے بذریعۂ وحی یا کشف معلوم کر لیا تھا کہ اس کی نماز درجۂ کمال پر نہیں اور یہ نقصان ظاہری طہارت پر بھی اثر انداز ہو رہا تھا۔ ورنہ تہ بند لٹکانا مفسدِ وضوء نہیں تھا۔ اس کی شدّت اور گناہ الگ رہا۔ شارح طیبی نے کہا ہے کہ شاید حضورؐ نے اسے وضوء کا حکم اس لئے دیا ہو کہ مفسداتِ وضوء میں سے کسی چیز کے ارتکاب و وقوع کے بغیر جو وضوء کا حکم مل رہا تھا اس پر غور و فکر کر کے معلوم کرنے کی کوشش کرے۔ اور اسے تنبیہ ہو جائے تاکہ کبر الدلکانے سے باز آ جائے۔ کیونکہ اسبالِ ازار کا منشأ دراصل کبر ہے اور یہ ایک عظیم و شدید ناپسندیدہ فعل ہے۔ عدم قبولیت کا معنیٰ یہی ہے۔

۶۳۶۔ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ أَخْزَمَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ عَنْ أَبِي عَوَانَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَسْبَلَ إِزَارَهُ فِي صَلٰوتِهِ خُيَلَاءَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ جَلَّ ذِكْرُهُ فِي حِلٍّ وَلَا حَرَامٍ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَى هٰذَا جَمَاعَةٌ عَنْ عَاصِمٍ مَوْقُوفًا عَلَى ابْنِ مَسْعُودٍؓ مِنْهُمْ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَحَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ وَأَبُو الْأَحْوَصِ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ۔

(ترجمہ) ابن مسعودؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جس شخص نے اپنی نماز میں اپنا تہ بند از راہِ تبختر لٹکایا تو اللہ جل ذکرہ کی طرف سے وہ نہ حلال میں ہے (کہ جنت اس پر حلال ہو) اور نہ حرام میں (کہ جہنم اس پر

حرام ہو۔ ابوداؤد نے کہا ہے کہ یہ روایت دراصل عبداللہ بن مسعودؓ پر موقوف ہے۔ زیادہ تر راویوں نے اسے موقوف روایت کیا ہے۔
(شرح) اس حدیث میں اسبالِ ازار کے ساتھ خیلاء کی شرط لگی ہوئی ہے اور احادیث میں حالتِ نماز کے علاوہ بھی اس شرط کے ساتھ اسبال کو شدید ترین الفاظ میں یاد کیا گیا ہے۔ عذر کی حالت میں تو خیر معافی ہے ہی لیکن بلا عذر اگر تبختر اور تکبر نہ ہو تو بھی کراہت اس میں ضرور پائی جاتی ہے واللہ اعلم بالصواب۔ حل وحرام کا ایک معنیٰ تو اوپر ترجمہ میں آگیا، دوسرا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف نہیں کرتا اور بداعمالیوں سے اس کی حفاظت نہیں کرتا۔ یا یہ کہ وہ کوئی فعلِ حلال نہیں کررہا اور اللہ کے ہاں اس کا احترام نہیں۔
مولانا سہارنپوریؒ نے فرمایا ممکن ہے اس کا معنیٰ یہ ہو کہ اگر وہ اس فعل کو ازراہِ تکبر وغرور کرے گا تو وہ اللہ کے احکام کی حد سے باہر نکل گیا۔ اس کا حلال وحرام سے کوئی واسطہ نہ رہا۔ گویا یہ ارشاد ازراہِ تنفیر وتغلیظ ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ ابوداؤد نے جن لوگوں کا نام لیا ہے کہ انہوں نے یہ حدیث موقوف بیان کی، ان سے کتبِ حدیث میں ہمیں یہ روایت نہیں ملی۔ ہاں ابی داؤد طیالسی کی روایت ابوعوانہ سے ہے جو ابن مسعودؓ پر موقوف ہے اور اس کا معنیٰ یہی ہے جو اس حدیثِ مرفوع کا ہے۔

۸۵۔ بَابُ مَنْ قَالَ يَتَّزِرُ بِهِ إِذَا كَانَ ضَيِّقًا

۶۳۷۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رض قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ قَالَ قَالَ عُمَرُ إِذَا كَانَ لِأَحَدِكُمْ ثَوْبَانِ فَلْيُصَلِّ فِيهِمَا فَإِنْ لَمْ يَكُنْ إِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ فَلْيَتَّزِرْ بِهِ وَلَا يَشْتَمِلْ اشْتِمَالَ الْيَهُودِ۔

(ترجمہ) ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا یہ کہا کہ عمرؓ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کے پاس جب دو کپڑے ہوں تو ان میں نماز پڑھے اور اگر ایک ہی کپڑا پاس ہو تو اسے بطورِ تہ بند باندھ لے اور یہودیوں کی طرح سے اسے اوپر نہ لپیٹے (یہودی کپڑے میں پوری طرح لپٹ کر یوں بن جاتے تھے جیسے بوری میں بند ہوں کپڑا اوپر ہر طرف سے لپیٹ کر نیچے لٹکا دیتے تھے۔ اس سے ارکانِ صلوٰۃ کی ادائیگی مشکل ہو جاتی ہے اور ستر کھلنے کا اندیشہ رہتا ہے)۔

۶۳۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الذُّهْلِيُّ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا أَبُو تُمَيْلَةَ يَحْيَى بْنُ وَاضِحٍ حَدَّثَنَا أَبُو الْمُنِيبِ عُبَيْدُ اللهِ الْعَتَكِيُّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ فِي لِحَافٍ لَا يَتَوَشَّحُ بِهِ وَالْآخَرُ أَنْ يُصَلِّيَ فِي سَرَاوِيلَ وَلَيْسَ عَلَيْهِ رِدَاءٌ۔

(ترجمہ) بریدہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ آدمی لحاف میں نماز پڑھے اور اسے مخالف اطراف کو کندھوں پر نہ لٹکائے اور دوسرا حکم یہ دیا کہ آدمی صرف شلوار میں نماز نہ پڑھے جبکہ اس پر چادر نہ ہو۔

(شرح) اس حدیث میں ابو المنیب عبداللہ العتکی کا نام دراصل عبید اللہ ہے جو ابوداؤد کے بعض نسخوں میں موجود ہے۔ بخاری نے کہا کہ اس کی بعض روایتیں منکر ہیں۔ ابو احمد حاکم نے کہا کہ وہ محدثین کے نزدیک غیر قوی (یعنی ضعیف) ہے۔ بیہقی نے کہا کہ اس سے حجت نہیں پکڑی جاتی ابن حبان نے کہا کہ وہ کچھ مقلوب روایتوں کے باعث ثقات سے الگ ہے۔ نسائی نے اسے ضعیف بھی کہا ہے اور ایک جگہ ثقہ بھی۔

۸۶ - بَابٌ فِي كَمْ تُصَلِّي الْمَرْأَةُ

باب ۔ عورت کتنے کپڑوں میں نماز پڑھے

۶۳۹ - حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ قُنْفُذٍ عَنْ أُمِّهِ أَنَّهَا سَأَلَتْ أُمَّ سَلَمَةَ ؓ مَاذَا تُصَلِّي فِيهِ الْمَرْأَةُ مِنَ الثِّيَابِ فَقَالَتْ تُصَلِّي فِي الْخِمَارِ وَالدِّرْعِ السَّابِغِ الَّذِي يُغَيِّبُ ظُهُورَ قَدَمَيْهَا۔

(ترجمہ) محمد بن زید کی ماں نے امّ سلمہؓ سے پوچھا کہ عورت کن کپڑوں میں نماز پڑھے؟ تو انہوں نے کہا کہ سر کی اوڑھنی (دوپٹہ) اور ایک بڑی وسیع قمیص جو اس کے قدموں کے اوپر کے حصے کو چھپا لے۔ (محمد بن زید کی ماں کا نام امّ حرام ہے۔ درع عورت کی بڑی سی کھلی اور ڈھیلی ڈھالی قمیص کو کہتے ہیں)

۶۴۰ - حَدَّثَنَا مُجَاهِدُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ يَعْنِي ابْنَ دِينَارٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ بِهَذَا الْحَدِيثِ قَالَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ ؓ أَنَّهَا سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتُصَلِّي الْمَرْأَةُ فِي دِرْعٍ وَخِمَارٍ لَيْسَ عَلَيْهَا إِزَارٌ قَالَ إِذَا كَانَ الدِّرْعُ سَابِغًا يُغَطِّي ظُهُورَ قَدَمَيْهَا۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَبَكْرُ بْنُ مُضَرَ وَحَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ وَابْنُ أَبِي ذِئْبٍ وَابْنُ إِسْحَاقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أُمِّهِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ لَمْ يَذْكُرْ أَحَدٌ مِنْهُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصَرُوا بِهِ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ ؓ۔

(ترجمہ) اسی حدیث کی دوسری سند میں محمد بن زید اپنی ماں کی معرفت امّ سلمہؓ سے روایت کرتا ہے کہ انہوں نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا عورت ایک قمیص اور اوڑھنی میں نماز پڑھ لے جبکہ اس نے ازار نہیں رکھا ہو؟ حضورؐ نے فرمایا کہ جب قمیص اتنی کھلی ہو کہ اس کے قدموں کو ڈھانپ لے۔ ابوداؤد نے کہا کہ اس حدیث کو مالک بن انس، بکر بن مضر، حفص بن غیاث، اسماعیل بن جعفر، ابن ابی ذئب، اور ابن اسحاق نے محمد ابن زید سے اس نے اپنی ماں سے اس نے امّ سلمہؓ سے روایت کیا۔ ان میں سے کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں کیا اور حدیث کو امّ سلمہؓ پر موقوف کیا ہے۔

(شرح) عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار کے متعلق ابن معین نے کہا کہ میرے نزدیک اس کی حدیث میں ضعف ہے۔ ابوحاتم نے اس کی حدیث کو نا قابلِ احتجاج کہا ہے۔ ابن عدی نے کہا کہ اس کی بعض روایات منکر ہیں اور کوئی ان کی تائید نہیں کرتا اور وہ ضعفاء میں سے ہے۔ دارقطنی نے کہا کہ اس کے بارے میں بخاری نے محدثین کی مخالفت کی ہے، یہ متروک نہیں۔ ابوداؤد نے جن ثقات کا نام لیا ہے انہوں نے یہ حدیث موقوف رکھی ہے۔ ان سب کے خلاف عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار اسے مرفوع بیان کرتا ہے۔ پس یہ روایت شاذ ہے اور بعض کے نزدیک ضعیف۔ مولانا نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ آزاد عورت کا سارا جسم عورت (پردہ کے قابل) ہے سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے۔ ارشادِ خداوندی ہے: وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا۔ اور زینت سے مراد مواضع زینت ہیں۔ اور زینتِ ظاہرہ کے مواضع چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں۔ پس سرمہ چہرے کی زینت ہے، انگوٹھی ہتھیلی کی زینت ہے پس ان کا کھولنا حلال ہے (مراد اس سے حالتِ صلوٰۃ میں ہے نہ کہ کہیں اور) حسن (ابن زیاد ؒ) نے ابوحنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ عورت کے قدموں پر نظر ڈالنا حلال ہے۔ اس روایت کی دلیل سیدہ عائشہؓ صدیقہ کا قول ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس تفسیر میں فرمایا ہے کہ: إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے مراد قلب اور فتخہ ہے اور فتخہ پاؤں کی انگلی کی انگوٹھی کو کہتے ہیں۔ گویا اس کے قدموں کو دیکھنا جائز ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے زینت کے اظہار سے منع فرمایا ہے اور مَا ظَهَرَ مِنْهَا کو مستثنیٰ فرمایا ہے اور دونوں قدم ظاہر ہیں کیونکہ چلتے وقت وہ ننگے ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کا ظاہر کرنا جائز ہوا۔ نماز میں سترِ عورت کا حکم یہ ہے کہ وہ فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ اور زینت وہ چیز ہے جو پردے کی جگہ کو ڈھانپے۔ اور مسجد سے مراد اس آیت میں صلوٰۃ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے نماز میں پردہ ڈھانکنے کا حکم دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ بالغ عورت کی نماز اوڑھنی کے سوا جائز نہیں ہے۔ اور ستر جب فرض ہے تو نماز میں اس کو عریاں کرنا لازماً جوازِ صلوٰۃ کے خلاف ہوا۔ لیکن تھوڑا سا انکشاف جواز کو مانع نہیں کیونکہ اس میں حرج ہے اور ضرورت ہے، کیونکہ کپڑے عادۃً تھوڑی سے پھٹن سے خالی نہیں ہوتے۔ ہاں اگر زیادہ پھٹن ہو تو ناجائز ہے۔ قلیل وکثیر کے درمیان حدِ فاصل ابوحنیفہؒ اور محمدؒ کے نزدیک عضو کا چوتھائی حصہ ہے۔ پس چوتھے حصے سے کم قلیل اور اس سے زیادہ کثیر ہے۔ ابویوسفؒ کے نزدیک نصف سے زائد کثیر ہے اور اس سے کم قلیل ہے۔

۸۷۔ بَابُ الْمَرْأَةِ تُصَلِّي بِغَيْرِ خِمَارٍ

اوڑھنی کے بغیر عورت کی نماز کا باب

۶۴۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ قَتَادَةَ

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِيْنَ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ الْحَارِثِ عَنْ عَائِشَةَ رض عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَا يَقْبَلُ اللهُ صَلٰوةَ حَائِضٍ إِلَّا بِخِمَارٍ۔ قَالَ أَبُو دَاؤُدَ رَوَاهُ سَعِيْدٌ يَعْنِي ابْنَ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(ترجمہ) عائشہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی بالغ عورت کی نماز کو بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں کرتا۔ ابو داؤد نے کہا کہ قتادہ نے حسن بصری سے اس روایت کو مرسل بیان کیا ہے۔

۶۴۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّ عَائِشَةَ رض نَزَلَتْ عَلَى صَفِيَّةَ أُمِّ طَلْحَةَ الطَّلَحَاتِ فَرَأَتْ بَنَاتٍ لَّهَا فَقَالَتْ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ وَفِي حُجْرَتِي جَارِيَةٌ فَأَلْقَى إِلَيَّ حِقْوَهُ قَالَ لِي شُقِّيْهِ بِشِقَّتَيْنِ فَأَعْطِي هٰذِهِ نِصْفًا وَالْفَتَاةَ الَّتِي عِنْدَ أُمِّ سَلَمَةَ رض نِصْفًا فَإِنِّي لَا أَرَاهَا إِلَّا قَدْ حَاضَتْ أَوْ لَا أُرَاهُمَا إِلَّا قَدْ حَاضَتَا۔ قَالَ أَبُو دَاؤُدَ وَكَذَالِكَ رَوَاهُ هِشَامٌ عَنِ ابْنِ سِيرِيْنَ۔

(ترجمہ) محمد بن سیرین نے کہا کہ حضرت عائشہؓ، صفیہؓ کی مہمان ہوئیں جو طلحۃ الطلحات کی ماں تھیں، پس انہوں نے صفیہ کی کچھ بیٹیاں دیکھیں تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے تو میرے حجرے میں ایک لڑکی تھی، آپؐ نے میری طرف اپنا تہ بند پھینکا اور فرمایا کہ اس کے دو حصے کرو ایک حصہ اس لڑکی کو دیدو اور ایک حصہ اس نوجوان لڑکی کو دیدو جو ام سلمہؓ کے پاس ہے۔ کیونکہ میرے خیال میں یہ نوجوان ہو چکی ہے یا یہ فرمایا کہ میرے خیال میں یہ دونوں نوجوان ہو چکی ہیں۔

(شرح) مولاناؒ نے اصمعی سے نقل کیا ہے کہ عرب کے وہ لوگ جن کا نام طلحہ تھا اور وہ سخاوت میں مشہور تھے یہ ہیں۔ (۱) طلحہؓ بن عبید اللہ تیمی جو فیاض کہلاتے تھے (۲) طلحہ بن عمر بن عبید اللہ بن معمر یہ جواد کہلاتا تھا۔ (۳) طلحہ بن عبد اللہ بن عوف زہری جو الندی کہلاتا تھا۔ (۴) طلحہ بن حسن بن علیؓ یہ الخیر کہلاتا تھا۔ (۵) طلحہ بن عبد اللہ بن خلف خزاعی جوان سب سے بڑھ کر سخی تھا لہٰذا طلحۃ الطلحات کہلاتا تھا۔ محمد بن سیرین سے یہ حدیث مروی ہے مگر اس نے عائشہ صدیقہؓ سے کچھ نہیں سُنا لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے۔

۸۸۔ بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّدْلِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں سدل کرنے کا باب

۶۴۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى عَنِ ابْنِ الْحَسَنِ بْنِ ذَكْوَانَ عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَحْوَلِ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ إِبْرَاهِيمُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رض أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ

سَلَّمَ نَهَى عَنِ السَّدْلِ فِي الصَّلٰوةِ وَاَنْ يُّغَطِّيَ الرَّجُلُ فَاهُ

(ترجمہ) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سدل کرنے سے منع فرمایا اور اس سے بھی کہ آدمی اپنا منہ ڈھانپے۔

(شرح) سدل کے دو مطلب ہیں اور دونوں نماز میں ممنوع ہیں۔ (۱) آدمی کپڑا پہنے یا اپنے اوپر لپیٹے اور ہاتھوں کو بھی اس کے اندر ڈالے رکھے اور ارکان صلوٰۃ کو اسی کیفیت سے ادا کرے، ہاتھ باہر نہ نکالے (۲) سر پر کپڑا ڈال کر دونوں طرف لٹکا دے اور کندھوں پر اس کا کوئی حصہ نہ ہو۔ یہ حدیث سدل کی کراہت پر دلالت کرتی ہے اسے مکروہ جاننے والے ابن عمرؓ، مجاہدؒ، ابراہیم نخعیؒ، ثوریؒ اور شافعیؒ، نماز میں ہو یا غیر نماز میں۔ امام احمدؒ کے نزدیک صرف نماز میں مکروہ ہے۔ جابرؓ بن عبداللہ، عطاءؒ، الحسنؒ، ابن سیرینؒ، مکحولؒ اور زہریؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے اور یہی روایت مالکؒ سے بھی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک سدل مکروہ ہے مگر نماز میں۔ اور اس کی تفسیر مختلف ہے۔ کرخیؒ نے کہا کپڑا سر پر یا کندھوں پر ڈال کر دونوں طرف لٹکا دینا سدل ہے، بشرطیکہ وہ شخص شلوار نہ پہنے ہوئے ہو۔ اسودؒ بن یزید اور ابراہیم نخعی سے اس کی تشریح یوں آئی ہے کہ سدل بہر حال مکروہ ہے قمیص ہو یا نہ ہو۔ امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ سدل قمیص پر اور ازار پر مکروہ ہے کیونکہ وہ اہل کتاب کا طریقہ ہے۔

نماز میں منہ کو بالکل ڈھانک لینا ناجائز ہے کیونکہ اس سے قرات میں رکاوٹ ہوگی۔ ہاتھ سے ڈھانکے گا تو نماز میں ہاتھ کی جو سنت ترک ہوگی۔ کپڑے سے چھپائے گا تو مجوسیوں سے مشابہت ہوگی کیونکہ وہ عبادت کے وقت ڈھاٹا لگاتے ہیں۔ اگر جمائی کو روکنے کے لیے منہ ڈھانکیں تو جائز ہے کیونکہ اس کی ضرورت شرع میں مسلم ہے۔

۶۴۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيْسَى بْنِ الطَّبَّاعِ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ اَكْثَرُ مَا رَأَيْتُ عَطَاءً اَيُصَلِّي سَادِلًا۔ قَالَ اَبُوْ دَاؤُدَ رَوَاهُ عِسْلٌ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ السَّدْلِ فِي الصَّلٰوةِ۔

(ترجمہ) ابن جریج کا بیان ہے کہ میں نے زیادہ تر عطاء کو حالتِ سدل میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ ابوداؤد نے دوسری سند سے ابوہریرہؓ کی روایت درج کی ہے جس میں ہے کہ حضورؐ نے سدل سے منع فرمایا ہے۔ اور یہ روایت عقیل عن عطاء عن ابی ہریرہؓ الخ ہے۔

(شرح) عسل ایک ضعیف راوی ہے لہٰذا یہ حدیث تو ضعیف ہے اور اوپر کی روایت صحیح ہے لہٰذا دوسری سند سے اس کا ضعیف ہونا مضر نہیں۔ ترمذی نے اس حدیث کو صرف عسل کی روایت سے مرفوع بتایا ہے۔ شاید اسے دوسری روایت الحسن بن ذکوان سے نہیں ملی ہوگی۔ ابوداؤد کے حاشیے پر یہ عبارت اور درج ہے کہ: هٰذَا يُضَعِّفُ هٰذَا الْحَدِيْثَ یعنی عطاء نے جب ایک مرفوع روایت سدل کی نہی میں خود روایت کی ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ خود نماز میں سدل کرتا ہوگا۔ مولانا نے فرمایا کہ عطاء کے فعل کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ روایت اگر اس کے نزدیک ثابت تھی تو وہ شاید نہی کو اس صورت پر محمول کرتا ہوگا کہ جب آدمی پر قمیص اور ازار نہ ہو تو سدل مکروہ ہے ورنہ نہیں۔ اور اس کا اپنا فعل یہی ہوگا کہ

وہ قمیص اور ازار پر سدل کرتا ہوگا۔ امام بیہقی نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ شاید عطاء کو یہ حدیث بھول گئی ہوگی یا شاید اس کے نزدیک عدم جواز کی علت تکبر و غرور ہوگا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ راوی کا اپنا فعل جب اس کی روایت کے خلاف ہو تو اس سے اس کی روایت میں نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ صدر الشریعۃ نے لکھا ہے کہ راوی اپنی مروی روایت کے خلاف جب بعد از روایت عمل کرے تو اس کی روایت مجروح ہو جائے گی لیکن تدریب الراوی میں اس کے برعکس لکھا ہے۔ لہٰذا مسئلہ اختلافی ہے۔

۸۹۔ بَابُ الصَّلٰوةِ فِي شُعُرِ النِّسَآءِ

عورتوں کے شعاروں میں نماز پڑھنے کا باب

۶۴۵۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَشْعَثُ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي فِي شُعُرِنَا أَوْ لُحُفِنَا، قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ شَكَّ أَبِي۔

(ترجمہ) عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اندرونی کپڑوں یا لحافوں میں نماز نہ پڑھتے تھے۔ عبید اللہ نے کہا کہ میرے باپ کو شک ہے کہ حدیث کا لفظ شُعُرنَا ہے یا لُحُفِنَا ہے۔

(شرح) یہی حدیث اسی سند و متن کے ساتھ کتاب الطہارت کے آخر میں گزر چکی ہے بعض نسخوں میں عبد اللہ بن شقیق کے بعد اس سند میں شقیق کا ذکر ہے وہ غلط ہے۔ ترمذی اور نسائی کی روایات میں اور خود سنن ابی داؤد کی گزشتہ روایت میں یہ اضافہ نہیں ہے۔

۹۰۔ بَابُ الرَّجُلِ يُصَلِّي عَاقِصًا شَعْرَهُ

اس آدمی کا باب جو بالوں کا جوڑا بنا کر نماز پڑھے

۶۴۶۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ حَدَّثَنِي عِمْرَانُ ابْنُ مُوسٰى عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ رَأَى أَبَا رَافِعٍ مَوْلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَهُوَ يُصَلِّي قَائِمًا وَقَدْ غَرَزَ ضَفْرَهُ فِي قَفَاهُ فَحَلَّهَا أَبُو رَافِعٍ فَالْتَفَتَ حَسَنٌ إِلَيْهِ مُغْضَبًا فَقَالَ أَبُو رَافِعٍ أَقْبِلْ عَلٰى صَلٰوتِكَ وَلَا تَغْضَبْ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ذٰلِكَ كِفْلُ الشَّيْطَانِ يَعْنِي مَقْعَدَ الشَّيْطَانِ يَعْنِي مَغْرِزَ ضَفْرِهِ۔

(ترجمہ) ابو سعید مقبری نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ابو رافع کو دیکھا کہ وہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس سے گزرا، حسنؓ کھڑے نماز پڑھتے تھے اور اپنے بالوں کا گچھا بنا کر گدی میں دے رکھا تھا۔ پس ابو رافع نے اسے کھول دیا تو حسنؓ نے غضبناک ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ ابو رافعؓ نے کہا کہ اپنی نماز کی طرف توجہ کیجئے اور ناراض مت ہوجیے۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا تھا کہ یہ شیطان کا حصہ ہے یعنی حسنؓ کے بالوں کے جوڑے کو کہا کہ اس قسم کا جوڑا شیطان کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔

(شرح) اونٹ کی کوہان کے گرد بڑی چادر یا کمبل لپیٹ دیتے تھے تاکہ سوار گر نہ جائے۔ اسے کِفل کہا جاتا تھا۔ اس لغوی معنی کی بناء پر ابو داؤد نے کفل الشیطٰن کا ترجمہ مقعد الشیطٰن کیا ہے۔ پس بال گوندھ کر جوڑا بنا کر نماز پڑھنا مکروہ ہوا۔ یعنی مرد کے لئے۔

۶۴۷ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ اَنَّ بُكَيْرًا حَدَّثَهُ اَنَّ كُرَيْبًا مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ حَدَّثَهُ اَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍؓ رَاٰى عَبْدَ اللهِ بْنَ الْحَارِثِ يُصَلِّيْ وَرَاْسُهُ مَعْقُوْصٌ مِّنْ وَّرَائِهٖ فَقَامَ وَرَائَهُ فَجَعَلَ يَحُلُّهُ وَاَقَرَّ لَهُ الْاٰخَرُ فَلَمَّا انْصَرَفَ اَقْبَلَ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍؓ فَقَالَ مَا لَكَ وَرَاْسِيْ؟ قَالَ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّمَا مَثَلُ هٰذَا مَثَلُ الَّذِيْ يُصَلِّيْ وَهُوَ مَكْتُوْفٌ ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عباسؓ نے دیکھا کہ عبداللہ بن الحارث نماز پڑھ رہا تھا اور اس کے سر پر جوڑا بندھا ہوا تھا۔ ابن عباسؓ اس کے پیچھے کھڑے ہو کر اسے کھول دیا اور ابن الحارث نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ جب وہ نماز پڑھ چکا تو ابن عباسؓ سے کہنے لگا: آپ کو میرے سر سے لینا دینا تھا؟ اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا تھا اس طرح نماز پڑھنے والا ایسا ہے گویا وہ نماز پڑھے اور اس کے ہاتھ پیچھے کو بندھے ہوں۔

(شرح) صحاح کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے: مجھے سات ہڈیوں پر سجدے کا حکم ہوا ہے نیز یہ کہ میں بال نہ باندھوں۔ مطلب یہ کہ نماز میں جس طرح ہاتھ، گھٹنے اور پاؤں اور پیشانی سجدہ کرتی ہے اسی طرح بال بھی سجدہ کرتے ہیں۔ جب ان کا جوڑا بنا دیا جائے تو یہ مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

۹۱ - بَابُ الصَّلٰوةِ فِي النَّعْلِ

جوتے میں نماز کا باب

۶۴۸ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادِ بْنِ جَعْفَرٍ عَنِ ابْنِ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ يَوْمَ الْفَتْحِ وَوَضَعَ نَعْلَيْهِ عَنْ يَّسَارِهٖ ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن السائب نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے دن نماز پڑھتے دیکھا اور آپؐ نے اپنے جوتے بائیں طرف رکھے ہوئے تھے۔ (یہ اور اگلی حدیث ایک ہی واقعہ بتا رہی ہیں۔ اس میں صراحۃً جوتے اتار کر نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور اگلی میں نہیں ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ دونوں روایات اکٹھی مروی ہیں۔ وہاں یہ لفظ ہیں: فتح مکہ کے دن حضورؐ نے کعبہ کے سامنے نماز پڑھائی، میں موقع پر حاضر تھا۔ آپؐ نے جوتے اتار کر بائیں طرف رکھے پھر سورۃ المؤمنون شروع کی الخ)

۶۴۹ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَأَبُو عَاصِمٍ قَالَا أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ عَبَّادِ بْنِ جَعْفَرٍ يَقُولُ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ سُفْيَانَ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُسَيَّبِ الْعَابِدِيُّ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ بِمَكَّةَ فَاسْتَفْتَحَ سُورَةَ الْمُؤْمِنِينَ حَتَّى إِذَا جَاءَ ذِكْرُ مُوسَى وَهَارُونَ أَوْ ذِكْرُ مُوسَى وَعِيسَى ، ابْنُ عَبَّادٍ يَشُكُّ أَوِ اخْتَلَفُوا ، أَخَذَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْلَةٌ فَحَذَفَ فَرَكَعَ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ السَّائِبِ حَاضِرٌ لِذَلِكَ ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن السائب نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز مکہ میں پڑھائی۔ پس سورۃ المؤمنون شروع کی حتی کہ جب موسیٰؑ وہارونؑ یا موسیٰؑ وعیسیٰؑ کا ذکر آیا۔ یہ شک ابن عباد کو ہے یا اس کے اساتذہ کو، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (رونے کے باعث) کھانسی آگئی۔ پس آپؐ نے اختصار فرمایا اور رکوع کیا۔ عبداللہ بن السائب موقع پر حاضر تھا۔

۶۵۰ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَبِي نَعَامَةَ السَّعْدِيِّ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ بَيْنَمَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِأَصْحَابِهِ إِذْ خَلَعَ نَعْلَيْهِ فَوَضَعَهُمَا عَنْ يَسَارِهِ فَلَمَّا رَأَى الْقَوْمُ ذَلِكَ أَلْقَوْا نِعَالَهُمْ فَلَمَّا قَضَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَهُ قَالَ مَا حَمَلَكُمْ عَلَى إِلْقَائِكُمْ نِعَالَكُمْ قَالُوا رَأَيْنَاكَ أَلْقَيْتَ نَعْلَيْكَ فَأَلْقَيْنَا نِعَالَنَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَتَانِي فَأَخْبَرَنِي أَنَّ فِيهِمَا قَذَرًا ۔ وَقَالَ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَنْظُرْ فَإِنْ رَأَى فِي نَعْلَيْهِ قَذَرًا أَوْ أَذًى فَلْيَمْسَحْهُ وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا ۔

(ترجمہ) ابوسعید خدریؓ نے کہا کہ اس اثناء میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو نماز پڑھا رہے تھے کہ اچانک آپؐ نے اپنے جوتے اتار دیئے اور انہیں اپنے بائیں جانب رکھ دیا۔ پس جب لوگوں نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے جوتے

نکال پھینکے۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم کی تو فرمایا کہ تمہیں اپنے جوتے نکال پھینکنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے آپ کو جوتے نکال پھینکتے دیکھا تو ہم نے بھی اپنے جوتے اتار پھینکے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور بتایا کہ ان میں نجاست یا قابل نفرت چیز ہے اور فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو دیکھ لے اگر اس کے جوتوں میں کوئی نجاست یا تکلیف دہ چیز لگی ہے تو اسے صاف کر دے اور ان میں نماز پڑھ لے۔

(شرح) نماز میں کپڑوں، جوتوں، جسم اور جائے نماز کی طہارت شرط ہے اور نص قطعی سے ثابت ہے: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۔ وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلٰوةً بِغَيْرِ طُهُوْرٍ۔ یہ حدیث کتاب الطہارۃ میں گزر چکی ہے۔ اور ان چیزوں کی نماز میں طہارت پر علماء و فقہاء کا اجماع ہے۔ اس حدیث میں حضور نے نعلین شریفین اتارنے کی علت جبریل ؑ کی اس اطلاع کو قرار دیا کہ ان میں قذر کا لفظ نجاست پر بھی بولا جاتا ہے اور ان چیزوں پر بھی جن کو طبعاً و عرفاً برا اور قابل نفرت سمجھا جاتا ہے، مثلاً کھنکار وغیرہ۔ پس چونکہ اس حدیث میں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ واقعی حضور کے نعلین پر نجاست لگی ہوئی تھی یا کوئی ایسی چیز تھی جو نجس نہ ہونے کے باوجود قابل نفرت چیز تھی، لہٰذا اس سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ نماز پڑھتے ہوئے اگر کپڑے یا جوتے پر نجاست کا علم ہو جائے تو پہلی پڑھی ہوئی نماز صحیح ہے اور اس کا اعادہ واجب نہیں۔

۶۵۱- حَدَّثَنَا مُوسٰى يَعْنِي ابْنَ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبَانُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنِي بَكْرُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا۔ قَالَ فِيهِمَا خَبَثٌ، قَالَ فِي الْمَوْضِعَيْنِ خَبَثًا

(ترجمہ) بکر بن عبداللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی حدیث روایت کی۔ اس میں یہ لفظ ہیں کہ حضور نے فرمایا جبریل ؑ نے مجھے بتایا تھا کہ ان جوتوں میں خبث ہے اور ان دونوں جگہ پر قذر کی جگہ خبث کا لفظ ہے۔ (بکر بن عبداللہ تابعی تھے لہٰذا اس روایت میں صحابی کا نام نہ ہونے کے باعث یہ مرسل ہے)

۶۵۲- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْفَزَارِيُّ عَنْ هِلَالِ ابْنِ مَيْمُونٍ الرَّمْلِيِّ عَنْ يَعْلَى بْنِ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَالِفُوا الْيَهُودَ فَإِنَّهُمْ لَا يُصَلُّونَ فِي نِعَالِهِمْ وَلَا خِفَافِهِمْ۔

(ترجمہ) اوس بن ثابت الانصاری نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود کی مخالفت کرو کیونکہ وہ اپنی جوتیوں میں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے (سو تم جوتوں اور موزوں میں نماز پڑھ لیا کرو، یعنی بشرط طہارت)

(شرح) حضور سے جوتوں سمیت اور ننگے پاؤں دونوں طرح نماز ثابت ہے۔ جوتوں سمیت نماز پڑھ لینے کا امر اباحت کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں۔ اس کی علت حضور نے بیان فرمائی ہے یعنی یہود کی مخالفت، آج کل یہ علت تقاضا کرتی ہے کہ نماز ننگے پاؤں پڑھی جائے خاص کر اس لئے بھی کہ عرب کا علاقہ ریگستانی ہے جوتوں میں نجاست بہت

جلد تھوڑا سا چلنے سے صاف ہو جاتی ہے، حضورؐ کی مسجد میں کنکریوں کا فرش تھا اور نیچے ریت تھی۔ آجکل عیسائی وغیرہ جوتوں سمیت پڑھتے ہیں لہٰذا ان کی مخالفت کے لئے ننگے پاؤں پڑھنا اس حدیث کے عین مطابق منشا ہے انشاء اللہ تعالیٰ

۶۵۳ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي حَافِيًا وَمُنْتَعِلًا۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عمرو بن العاص نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ننگے پاؤں بھی اور جوتوں سمیت بھی نماز پڑھتے دیکھا۔

(شرح) جب مسجد کی تلویث کا خدشہ ہو، صفیں اور دریاں یا فرش خراب ہوتا ہو جیسا کہ ہمارے دیار میں ایسا ہی ہے تو ننگے پاؤں ہی نماز پڑھنی چاہیئے گو جوتے پاک ہی کیوں نہ ہوں۔ آج کل ہمارے ہاں تو عرف و اخلاق میں بھی مسجد میں جوتوں سمیت داخل ہونا خلافِ ادب ہے یہاں کی زمین اور مسجدوں کے فرش کا وہ حال نہیں جو حضورؐ کی مسجد کا تھا مولانا سہارنپوری فرماتے ہیں کہ آجکل تو مخالفت نصاریٰ کے باعث ننگے پاؤں نماز کا حکم مناسب ہے یعنی اگر دیگر امور کو نہ دیکھیں اور فقط علتِ مخالفت ہی کو پیشِ نظر رکھیں تو بھی ننگے پاؤں افضل ہے۔ اس سلسلہ میں فتاویٰ کی عبارات کا تقاضی بھی یہی ہے۔

۹۲ - بَابُ الْمُصَلِّي إِذَا خَلَعَ نَعْلَيْهِ أَيْنَ يَضَعُهُمَا

باب ۔ نمازی جوتے اتار کر کہاں رکھے

۶۵۴ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ رُسْتُمَ أَبُو عَامِرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلَا يَضَعْ نَعْلَيْهِ عَنْ يَمِينِهِ وَلَا عَنْ يَسَارِهِ فَتَكُونَ عَنْ يَمِينِ غَيْرِهِ إِلَّا أَنْ لَا يَكُونَ عَلَى يَسَارِهِ أَحَدٌ، وَلْيَضَعْهُمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ۔

(ترجمہ) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے جوتے دائیں طرف نہ رکھے اور نہ اپنے بائیں طرف رکھے کیونکہ اس صورت میں وہ کسی دوسرے کے دائیں طرف ہوں گے، ہاں! اگر اس کے بائیں طرف کوئی نہ ہو تو رکھ لے، اور نمازی اپنے جوتے اپنے پاؤں کے درمیان رکھے۔

(شرح) اس حدیث کی سند میں صالح بن رستم ابو عامر مزنی متکلم فیہ راوی ہے۔ ابن معین نے اسے ضعیف اور لاشئ، دار قطنی نے غیر قوی اور ابو احمد حاکم نے بھی غیر قوی کہا ہے۔ ابو حاتم نے کہا کہ اس کی حدیث ناقابلِ احتجاج ہے صرف تحقیق کے لئے لکھی جائے۔ احمد نے صالح الحدیث، عجلی نے جائز الحدیث، ابو داؤد طیالسی اور ابو داؤد صاحب سنن

نے ثقہ، اسی طرح بزار اور ابن وضاح نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔ پاؤں میں جوتے رکھنے کے دو مقام ہو سکتے ہیں ایک تو عین پیروں کے اندر اور دوسرا گھٹنوں کے آگے جو خالی جگہ ہے اسمیں۔ یہ یاد رہے کہ اہل عرب کے جوتے اسی قسم کے ہوتے تھے جیسے آجکل ہمارے ہاں ہوائی چپل ہے یا جس میں انگوٹھا پھنس جاتا اور دائیں بائیں تسمے ہوتے تھے۔ ایسے جوتوں کا ان مواضع میں رکھ لینا آسان تھا۔

۶۵۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ نَجْدَةَ حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ وَشُعَيْبُ بْنُ إِسْحَاقَ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَخَلَعَ نَعْلَيْهِ فَلَا يُؤْذِ بِهِمَا أَحَدًا لِيَجْعَلْهُمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَوْ لِيُصَلِّ بِهِمَا۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے اور جوتے اتارے تو اُن کے ساتھ کسی کو اذیت نہ دے۔ یا تو انہیں پاؤں کے درمیان رکھ لے یا انہیں پہن کر نماز پڑھے (پیچھے رکھنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ اس سے تشویش رہے گی کہ مبادا کوئی اٹھالے یا پچھلی صف کے کسی نمازی کو اذیت ہو)

۹۳۔ بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى الْخُمْرَةِ

مصلّٰی پر نماز پڑھنے کا باب

۶۵۶۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ أَخْبَرَنَا خَالِدٌ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادٍ حَدَّثَتْنِي مَيْمُونَةُؓ بِنْتُ الْحَارِثِ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَأَنَا حِذَاءَهُ وَأَنَا حَائِضٌ وَرُبَّمَا أَصَابَنِي ثَوْبُهُ إِذَا سَجَدَ وَكَانَ يُصَلِّي عَلَى الْخُمْرَةِ۔

(ترجمہ) اُم المومنین میمونہؓ بنت الحارث نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے اور میں آپکے برابر میں ہوتی تھی اور میں ماہواری ایام میں ہوتی اور ربا اوقات آپؐ کا کپڑا مجھے لگ جاتا جبکہ آپؐ سجدہ میں جاتے، اور آپؐ سجادہ پر نماز پڑھتے تھے۔ (خمرہ چھوٹی سی چٹائی ہوتی ہے جسے مصلّٰی کہا جا سکتا ہے جیسا کہ طبری نے کہا ہے۔ یہ سجادہ بھی کہلا سکتا ہے۔ بڑی چٹائی حصیر کہلاتی تھی)

۹۴۔ بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى الْحَصِيرِ

چٹائی پر نماز پڑھنے کا باب

۶۵۷۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ

سِیْرِیْنَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ رَجُلٌ ضَخْمٌ، وَكَانَ ضَخْمًا، لَا اَسْتَطِيْعُ اَنْ اُصَلِّيَ مَعَكَ، وَصَنَعَ لَهٗ طَعَامًا وَدَعَاهُ اِلٰى بَيْتِهٖ، فَصَلِّ حَتّٰى اَرَاكَ كَيْفَ تُصَلِّيْ فَاَقْتَدِيْ بِكَ فَنَضَحُوْا لَهٗ طَرَفَ حَصِيْرٍ كَانَ لَهُمْ فَقَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، قَالَ فُلَانُ بْنُ الْجَارُوْدِ لِاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: اَكَانَ يُصَلِّي الضُّحٰى؟ قَالَ لَمْ اَرَهٗ صَلّٰى اِلَّا يَوْمَئِذٍ۔

(ترجمہ) انسؓ بن مالک نے کہا کہ ایک انصاری نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک بھاری بھرکم آدمی ہوں (اور وہ ایک موٹا شخص تھا۔ انسؓ) اس نے کہا میں آپؐ کے ساتھ نماز پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا ہوں۔ اور اس نے آپؐ کا کھانا پکایا اور آپؐ کو اپنے گھر تشریف آوری کی دعوت دی، اس نے کہا کہ آپؐ نماز پڑھیں تاکہ میں آپؐ کو نماز پڑھتے دیکھ لوں اور آپؐ کی اقتداء کروں۔ پس انہوں نے حضورؐ کے لئے ایک چٹائی کی ایک طرف کو دھویا جو ان کے ہاں تھی۔ پس آپؐ اٹھے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ فلاں شخص نے ابن الجارود تھا حضرت انسؓ سے کہا کہ کیا حضورؐ چاشت کی نماز پڑھا کرتے تھے؟ انسؓ نے کہا، میں نے آپؐ کو صرف اس دن پڑھتے دیکھا تھا۔

(شرح) یہ حدیث بخاری، ابن حبان نے مختلف سندوں سے روایت کی ہے۔ انسؓ سے سوال کرنے والا عبدالحمید بن المنذر بن الجارود ولیصری تھا۔ حضورؐ کی دعوت کرنے والا عتبان بن مالک الانصاری خزرجی تھا۔ بعض روایات میں اسے مجازاً انسؓ کا چچا کہا گیا ہے۔ برادری کے بڑے لوگوں کو چچا کہتے تھے۔ بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عتبانؓ بن مالک کی نگاہ کمزور ہو گئی تھی اس لئے وہ گھر میں نماز ادا کرنے کی اجازت لے رہا تھا۔ ممکن ہے یہ دونوں سبب ہوں یا دو مختلف واقعات ہوں۔ نماز چاشت دوسرے صحابہؓ کی روایات سے بھی ثابت ہے۔ انسؓ نے صرف اپنے دیکھنے کی بات کی ہے۔

۶۵۸۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَنَا الْمُثَنّٰى بْنُ سَعِيْدٍ الذَّرَّاعُ حَدَّثَنِيْ قَتَادَةُ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَزُوْرُ اُمَّ سُلَيْمٍ فَتُدْرِكُهُ الصَّلٰوةُ اَحْيَانًا فَيُصَلِّيْ عَلٰى بِسَاطٍ لَّنَا وَهُوَ حَصِيْرٌ تَنْضَحُهٗ بِالْمَاءِ۔

(ترجمہ) انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُمِّ سُلیمؓ کی زیارت کو آتے تھے۔ پس کبھی کبھی نماز کا وقت ہو جاتا تو آپؐ ہماری ایک چٹائی پر نماز پڑھتے تھے، اُمِّ سُلیم اسے دھو دیا کرتی تھیں۔ (اُمِّ سُلیم والدہ انسؓ حضورؐ کی محرمات میں تھیں لہٰذا آپؐ کا ان کے ہاں آنا جانا تھا۔ نماز کے وقت سے مراد نفل نماز ہے کیونکہ فرض تو اذان و اقامت کے اہتمام کے ساتھ مسجد میں ادا ہوتے تھے)

۶۵۹۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ مَيْسَرَةَ وَعُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ بِمَعْنَى الْاِسْنَادِ

وَالْحَدِيثِ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ عَنْ يُونُسَ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ أَبِي عَوْنٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عَلَى الْحَصِيرِ وَالْفَرْوَةِ الْمَدْبُوغَةِ۔

(ترجمہ) مغیرہؓ بن شعبہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر اور کمائی ہوئی کھال پر نماز پڑھتے تھے۔

(شرح) مولاناؒ نے فرمایا ہے کہ ابو عون کا باپ عبید اللہ بن سعید کوفی ابو حاتم کے نزدیک مجہول ہے مگر ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے اور یہ بھی کہ وہ مقطوع روایات بیان کرتا ہے۔ یہ روایت بھی منقطع ہے۔

۹۵۔ بَابُ الرَّجُلِ يَسْجُدُ عَلَى ثَوْبِهِ

آدمی کے اپنے کپڑے پر سجدہ کرنیکا باب

۶۶۰۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ رَحِمَهُ اللَّهُ حَدَّثَنَا بِشْرٌ يَعْنِي ابْنَ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا غَالِبٌ الْقَطَّانُ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَنَسٍ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شِدَّةِ الْحَرِّ فَإِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَحَدُنَا أَنْ يُمَكِّنَ وَجْهَهُ مِنَ الْأَرْضِ بَسَطَ ثَوْبَهُ فَسَجَدَ عَلَيْهِ۔

(ترجمہ) انس بن مالکؓ نے کہا کہ ہم شدید گرمی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو ہم میں سے کوئی زمین پر اپنا چہرہ ٹکانے کی طاقت نہ رکھتا تو اپنا کپڑا بچھا کر اس پر سجدہ کرتا تھا۔

(شرح) اس حدیث کا راوی غالب القطان متکلم فیہ ہے۔ عامہ محدثین نے اسے ثقہ کہا ہے مگر ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کی احادیث میں ضعف واضح ہے اور نکارت پائی جاتی ہے۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں کہا ہے کہ آفت اس سے روایت کرنے والے عمر بن مختار کی طرف سے ہے کیونکہ اس پر حدیثیں گھڑنے کی تہمت ہے۔ حافظ ابن حجر کا قول ہے کہ بقول امام ذہبی شاید جسے ابن عدی نے ضعیف کہا ہے وہ کوئی اور راوی ہو۔ یہ حدیث بخاری نے جب روایت کی تو کہا ہے کہ، ہم میں سے بعض لوگ سجدے کے مقام پر شدید گرمی کے باعث کپڑے کا ایک حصہ رکھ دیتے تھے فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ نمازی اپنے جسم سے متصل کپڑے پر سجدہ کر سکتا ہے امام نوویؒ نے کہا کہ ابو حنیفہؒ اور جمہور علماء کا مسلک یہی ہے لیکن امام شافعیؒ نے اس سے مراد جسم سے الگ کپڑا لیا ہے، یعنی اس کو سجدہ گاہ پر رکھ کر سجدہ کرنا جائز ہے۔

۹۶۔ بَابُ تَسْوِيَةِ الصُّفُوفِ

صفیں سیدھی کرنے کا باب

۶۶۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ قَالَ سَأَلْتُ سُلَيْمَانَ الْأَعْمَشَ عَنْ حَدِيثِ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ فِي الصُّفُوفِ الْمُقَدَّمَةِ فَحَدَّثَنَا عَنِ الْمُسَيَّبِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ تَمِيمِ بْنِ طَرَفَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا تَصُفُّونَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهِمْ. قُلْنَا وَكَيْفَ تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ يُتِمُّونَ الصُّفُوفَ الْمُقَدَّمَةَ وَيَتَرَاصُّونَ فِي الصَّفِّ۔

(ترجمہ) جابرؓ بن سمرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس طرح صف بندی نہ کرو گے جس طرح فرشتے اپنے رب کے پاس صف بندی کرتے ہیں؟ ہم نے کہا کہ فرشتے اپنے رب کے پاس کس طرح صف بندی کرتے ہیں؟ فرمایا: وہ اگلی صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صفوں میں خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں (یعنی صف بندی دو طرح سے مکمل ہوتی ہے ایک یہ کہ پہلے اگلی صفیں پوری کی جائیں اور دوسری یہ کہ صفوں میں کھڑے آدمی مل کر کھڑے ہوں ان میں فاصلہ اور دراڑ نہ ہو)

۶۶۲۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ أَبِي الْقَاسِمِ الْجَدَلِيِّ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ رضی اللہ عنہ بْنَ بَشِيرٍ يَقُولُ أَقْبَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى النَّاسِ بِوَجْهِهِ فَقَالَ أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ ثَلَاثًا وَاللهِ لَتُقِيمُنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللهُ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ. قَالَ فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَرُكْبَتَهُ بِرُكْبَتِهِ وَكَعْبَهُ بِكَعْبِهِ۔

(ترجمہ) نعمانؓ بن بشیر کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ لوگوں کی طرف کیا اور فرمایا اپنی صفیں سیدھی کرو تین دفعہ فرمایا۔ واللہ تم ضرور اپنی صفیں سیدھی کرو گے ورنہ اللہ تمہارے دلوں میں مخالفت ڈال دے گا نعمانؓ ابن بشیر نے کہا کہ اس پر میں نے دیکھا کہ لوگ ایک دوسرے کے کندھوں سے کندھے، گھٹنوں سے گھٹنے اور ٹخنوں سے ٹخنے ملاتے تھے۔

(شرح) شارح طیبی نے کہا کہ اعضاء کی حرکات و سکنات کا اثر دل پر ہوتا ہے، یہ اس حدیث سے نکلا۔ جب اعضاء مختلف ہو جائیں تو دل بھی مختلف ہو جاتے ہیں اور جب دل مختلف ہو جائیں تو اعضا و فاسد ہو جاتے ہیں کیونکہ دل انکا رئیس ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ دل بادشاہ ہے، اعضاء اس کے مطیع ہیں، جب رئیس درست ہوگا تو اس کے متبع

بھی درست ہوں گے، بادشاہ ٹھیک ہو گا تو رعیت بھی ٹھیک ہو گی، یہ مضمون اس مشہور صحیح حدیث میں آیا ہے جس میں فرمایا: جسم میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے، سن لو کہ وہ لوتھڑا دل ہے۔ پس اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ دل اور اعضاء کے درمیان ایک عجیب وغریب تعلق اور تاثیر ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا اثر دوسرے تک پہنچتا ہے۔ اگرچہ دل رئیس ہے اور حاکم ہے پھر بھی جس طرح باطن کا اثر ظاہر پر ہوتا ہے اسی طرح ظاہر کا باطن پر بھی ہوتا ہے مثلاً وضو اور غسل سے باطنی نشاط کا حاصل ہونا، گرمی میں ظاہری ٹھنڈی چیز اور سردی میں بالعکس سکون حاصل ہونا۔ میں یہ گزارش کرتا ہوں کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ جب دلوں میں دوری ہو، بغض وحسد اور نفرت کے جذبات ہوں تو لوگ ایک دوسرے سے مل کر کھڑا ہونا پسند نہیں کرتے، گویا اس ظاہری بُعد کا سبب بھی دراصل باطن کا بُعد ہے۔ پس حضورؐ کے تاکیدی ارشاد کا مطلب یہ بھی ہے کہ دلی اتحاد واتفاق پیدا کر کے ظاہری صف بندی کو مضبوط کرو ورنہ دور دور رہنے سے دوری اور بڑھ جائے گی۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت نعمانؓ نے یہ جو فرمایا ہے کہ میں نے لوگوں کو کندھے، گھٹنے، ٹخنے ملاتے ہوئے دیکھا۔ سو کندھے سے کندھا ملانا تو حقیقت پر محمول ہے کیونکہ اس کے بغیر صف بندی نہیں ہوتی۔ اور یہ بآسانی مل بھی جاتے ہیں لیکن گھٹنے سے گھٹنا اور ٹخنے سے ٹخنا ملانا تو بہت دشوار بلکہ تقریباً ناممکن ہے، پس اس سے مراد محاذات ہے، یعنی گھٹنے کے سامنے گھٹنا ہو، ٹخنے کے سامنے ٹخنا ہو اور کندھے فی الحقیقت ملے ہوئے ہوں تو صف بندی کی تکمیل ہو جائے گی۔

۶۶۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّينَا فِي الصُّفُوفِ كَمَا يُقَوَّمُ الْقِدْحُ حَتَّى إِذَا ظَنَّ أَنْ قَدْ أَخَذْنَا ذَلِكَ عَنْهُ وَفَقِهْنَا أَقْبَلَ ذَاتَ يَوْمٍ بِوَجْهِهِ إِذَا رَجُلٌ مُنْتَبِذٌ بِصَدْرِهِ فَقَالَ لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللهُ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ۔

(ترجمہ) نعمانؓ بن بشیر کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں صفوں میں یوں سیدھا کرتے تھے جیسے تیر سیدھے کئے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب آپؐ نے گمان کیا کہ ہم نے یہ بات آپؐ سے حاصل کر لی ہے اور سمجھ گئے ہیں تو ایک دن اپنا چہرہ مبارک ہماری طرف کیا، اچانک ایک آدمی کا سینہ صف سے آگے نکلا ہوا تھا۔ پس آپؐ نے فرمایا: تم بالضرور صفیں سیدھی کرو گے ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں مخالفت پیدا کر دے گا۔

(شرح) تیر میں پھل جوڑنے سے پہلے اس کو اچھی طرح سے سیدھا کیا جاتا ہے، اگر وہ سیدھا نہ ہو تو کام نہیں دیتا۔ یہیں سے تیر کی طرح سیدھا کرنے کا محاورہ نکلا ہے۔ ہماری زبان میں بھی یہ محاورہ انہی معنوں میں مستعمل ہے، یعنی خوب سیدھا کرنا، کسی چیز کی حالت کو بالکل درست کر دینا۔ دلوں میں مخالفت ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں عداوت اور بغض وحسد پیدا ہو جائے گا۔ چہرہ پھرنا، منہ پھرنا بھی بطور محاورہ اظہار نفرت وبغض کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

۶۶۴۔ حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ وَأَبُو عَاصِمِ بْنُ جَوَّاسٍ الْحَنَفِيُّ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ طَلْحَةَ

الْيَامِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْسَجَةَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَلَّلُ الصَّفَّ مِنْ نَاحِيَةٍ إِلٰى نَاحِيَةٍ يَمْسَحُ صُدُوْرَنَا وَمَنَاكِبَنَا وَيَقُوْلُ لَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُكُمْ وَكَانَ يَقُوْلُ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصُّفُوْفِ الْأُوَلِ۔

(ترجمہ) براء بن عازبؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صف کے اندر داخل ہوکر ایک طرف سے دوسری طرف کو جاتے تھے۔ ہمارے سینوں اور کندھوں کو چھوتے تھے اور فرماتے تھے؛ اختلاف مت کرو ورنہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے۔ اور فرماتے تھے کہ اللہ عز وجل اور اس کے فرشتے پہلی صفوں پر رحمت اور دعا بھیجتے ہیں۔ (یعنی کندھے چھو کر انہیں باہم ملاتے تھے اور سینے چھو کر انہیں سیدھا کرتے تھے کہ کوئی آگے پیچھے نہ رہے بلکہ سب سیدھے ایک قطار میں رہیں۔ حدیث میں پہلی صفوں میں کھڑا ہونے کی بہت بڑی ترغیب بھی ہے)

۶۶۵۔ حَدَّثَنَا ابْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا خَالِدٌ يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ يَعْنِي ابْنَ أَبِي صَغِيْرَةَ عَنْ سِمَاكٍ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّي يَعْنِي صُفُوْفَنَا إِذَا قُمْنَا لِلصَّلٰوةِ فَإِذَا اسْتَوَيْنَا كَبَّرَ۔

(ترجمہ) نعمانؓ بن بشیر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفیں سیدھی کرتے تھے جبکہ ہم نماز میں کھڑے ہوتے۔ پس جب ہم صف سیدھی کر لیتے تو آپؐ تکبیر کہتے تھے۔

۶۶۶۔ حَدَّثَنَا عِيْسَى بْنُ إِبْرَاهِيْمَ الْغَافِقِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ ابْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ وَحَدِيْثُ ابْنِ وَهْبٍ أَتَمُّ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ أَبِي الزَّاهِرِيَّةِ عَنْ كَثِيْرِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ قُتَيْبَةُ عَنْ أَبِي الزَّاهِرِيَّةِ عَنْ أَبِي شَجَرَةَ لَمْ يَذْكُرِ ابْنَ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَقِيْمُوا الصُّفُوْفَ وَحَاذُوْا بَيْنَ الْمَنَاكِبِ وَسُدُّوا الْخَلَلَ وَلِيْنُوْا بِأَيْدِيْ إِخْوَانِكُمْ، لَمْ يَقُلْ عِيْسٰى بِأَيْدِيْ إِخْوَانِكُمْ، وَلَا تَذَرُوْا فُرُجَاتٍ لِلشَّيْطٰنِ۔ وَمَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَ صَفًّا قَطَعَهُ اللّٰهُ۔ قَالَ أَبُوْ دَاؤُدَ أَبُوْ شَجَرَةَ كَثِيْرُ بْنُ مُرَّةَ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، صفیں سیدھی کرو اور کندھے ایک سیدھ میں رکھو اور دراڑیں پُر کرو اور اپنے بھائیوں کے ہاتھوں کے ساتھ نرمی کرو اور شیطان کے لئے خالی جگہیں مت چھوڑو۔

اور جو صف کو ملائے گا اللہ اسے اپنی رحمت سے ملائے گا اور جو صف کو کاٹے گا اللہ اسے اپنے سے دُور کاٹ پھینکے گا۔
(شرح) "اپنے بھائیوں کے ہاتھوں کے ساتھ نرمی کرو" کا مطلب یہ ہے کہ صفیں درست کرنے کی خاطر جب کوئی دوسرا انہیں آگے یا پیچھے لے جانا چاہے تو نرمی اور آسانی سے چلے جاؤ۔ نبی انسانی نفسیات کا بڑا ماہر ہوتا ہے، بالعموم دیکھا گیا ہے کہ لوگ صفوں میں آگے یا پیچھے لے جائے جانے کو ناپسند کرتے ہیں اور بعض دفعہ اس پر مزاحمت بھی کرتے ہیں۔ اسی لئے حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔

۶۶۷- حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبَانُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رُصُّوا صُفُوفَكُمْ وَقَارِبُوا بَيْنَهَا وَحَاذُوا بِالْأَعْنَاقِ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَرَى الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ كَأَنَّهَا الْحَذَفُ۔

(ترجمہ) انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صفوں میں سیسہ پلائی ہوئی عمارت بنو اور انہیں قریب قریب رکھو اور گردنیں ایک سیدھ میں رکھو۔ پس اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں شیطان کو صفوں کی خالی جگہوں میں یوں گھستا ہوا دیکھتا ہوں گویا کہ وہ چھوٹی سیاہ بکری ہو۔
(شرح) مضبوط اور پختہ عمارت کا ہر جزو دوسرے کے ساتھ پوری طرح جڑا ہوا ہوتا ہے، کتاب و سنت میں اسی کو "بُنیانٌ مرصوصٌ" فرمایا گیا ہے۔ رصاص کا معنی سیسہ ہے۔ جس عمارت کے اجزاء کو سیسہ پگھلا کر ملا دیا گیا ہو وہ کس قدر پختہ ہو گی؟ اسی طرح نمازیوں کی صف اور میدانِ جہاد میں غازیوں کی صف ہونی چاہیئے۔ اس حدیث میں صفوں کو بھی قریب قریب رکھنے کا حکم ہے۔ پس صفوں کے اندر کا درمیانی فاصلہ بھی کم ہونا چاہیئے۔ حذف چھوٹی سیاہ رنگ کی بھیڑ ہوتی ہے جس کی نہ دم ہو نہ کان۔ شیطان کو اس سے تشبیہ بڑی بلیغ ہے کہ وہ صفوں میں غیر محسوس طور پر گھستا ہے جس طرح یہ بکری یا بھیڑ آہستہ سے گھس جاتی ہے۔

۶۶۸- حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ وَسُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَوُّوا صُفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلٰوةِ۔

(ترجمہ) انسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی صفیں سیدھی کرو کیونکہ صف کا سیدھا کرنا نماز کے حسن و کمال میں سے ہے۔
(شرح) یعنی صف کی درستی نماز کی درستی ہے۔ نماز کی تکمیل صف بندی کے بغیر نہیں ہوتی۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ صف کی درستی نماز کی خوبی اور حسن میں سے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اقامتِ صلوٰۃ کا جو حکم دیا ہے صف بندی اس میں شامل ہے۔ حافظ ابن حزمؒ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ صف درست کرنا واجب (فرض) ہے کیونکہ اقامتِ صلوٰۃ فرض ہے اور صف بندی اسی کا حصہ ہے۔ ابن بطال نے بخاری کے الفاظ سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ صف بندی سنت ہے کیونکہ

کسی چیز کا حسن اس پر زائد ہوتا ہے۔ پس نماز کا تمام وکمال تو صف بندی میں ہے مگر وہ اس کا رکن نہیں ہے۔ ابن دقیق العید نے کہا کہ حضورؐ کا یہ ارشاد کہ صف کی درستی تمام صلوٰۃ میں سے ہے، اس سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ صف بندی سُنت اور مستحب ہے کیونکہ عرف میں کسی چیز کا تمام وکمال اس کی اصل حقیقت سے خارج اور زائد ہوتا ہے، پس صف کی درستگی نماز کا حسن وکمال ہے گو اس کو علی اختلاف الاقوال واجب، سُنّت یا مستحب قرار دیا جائے۔ بہر حال نماز صف بندی کے بغیر کامل ومکمل اور تمام نہیں ہے۔

۶۶۹ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ ثَابِتِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمِ بْنِ السَّائِبِ صَاحِبِ الْمَقْصُورَةِ قَالَ صَلَّيْتُ إِلَى جَنْبِ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ يَوْمًا فَقَالَ هَلْ تَدْرِي لِمَ صُنِعَ هٰذَا الْعُودُ فَقُلْتُ لَا وَاللّٰهِ، قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ عَلَيْهِ يَدَهُ فَيَقُولُ اسْتَوُوا وَاعْدِلُوا صُفُوفَكُمْ۔

(ترجمہ) محمد بن مسلم بن سائب کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن انسؓ بن مالک کے پہلو میں نماز پڑھی تو انہوں نے کہا، کیا تجھے معلوم ہے کہ یہ لکڑی کیوں بنائی گئی تھی؟ میں نے کہا واللہ مجھے نہیں معلوم۔ انسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر اپنا ہاتھ رکھتے اور فرماتے: سیدھے ہو جاؤ اور اپنی صفیں درست کر لو۔

(شرح) لکڑی سے مراد مسجد نبوی کی کوئی لکڑی تھی جو غالباً دیوار قبلہ میں گڑی ہوئی تھی۔ اس حدیث کا راوی مصعب بن ثابت امام احمدؒ اور یحییٰ بن معین کے نزدیک ضعیف اور لاشئی ہے۔ ابو حاتم نے اسے غیر قوی اور کثیر الغلط کہا ہے۔

۶۷۰ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ الْأَسْوَدِ حَدَّثَنَا مُصْعَبُ بْنُ ثَابِتٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ أَنَسٍؓ بِهٰذَا الْحَدِيثِ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ أَخَذَهُ بِيَمِينِهِ ثُمَّ الْتَفَتَ فَقَالَ اعْتَدِلُوا سَوُّوا صُفُوفَكُمْ ثُمَّ أَخَذَهُ بِيَسَارِهِ فَقَالَ اعْتَدِلُوا سَوُّوا صُفُوفَكُمْ۔

(ترجمہ) انسؓ سے یہی حدیث دوسری سند سے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اس لکڑی کو اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑ کر لوگوں کی طرف مڑتے اور فرماتے، سیدھے ہو جائیں اپنی صفیں درست کر لو پھر اسے بائیں ہاتھ سے پکڑ کر فرماتے: سیدھے ہو جاؤ اپنی صفیں درست کر لو (یعنی اپنے دائیں بائیں دونوں طرف کی صف کو لوگوں کی طرف دیکھ کر یہ حکم دیتے تھے)۔

۶۷۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَنْبَارِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ يَعْنِي ابْنَ عَطَاءٍ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍؓ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَتِمُّوا الصَّفَّ

الْمُتَقَدَّمَ ثُمَّ الَّذِي يَلِيهِ فَمَا كَانَ مِنْ نَقْصٍ فَلْيَكُنْ فِي الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ۔

(ترجمہ) انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلی صف پوری کرو، پھر اس کے ساتھ والی، پس جو کمی رہ جائے وہ آخری صف میں ہو۔ (یعنی نمازیوں کی کمی سے نامکمل صف اگر ہو تو آخری ہو جس میں بعد والے بھی مل سکیں گے)۔

۶۷۲۔ حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ يَحْيَى بْنِ ثَوْبَانَ أَخْبَرَنِي عَمِّي عُمَارَةُ بْنُ ثَوْبَانَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خِيَارُكُمْ أَلْيَنُكُمْ مَنَاكِبَ فِي الصَّلَوٰةِ۔

(ترجمہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو نماز میں نرم ترین کندھوں والے ہوں۔

(شرح) جعفر بن یحییٰ اس حدیث کا راوی مجہول ہے (ابن المدینی وابن القطان) اسی طرح عمارۃ بن ثوبان بھی بقول ابن القطان مجہول الحال ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ سب سے بہتر ہیں کہ جب نماز میں کوئی ان سے سیدھا ہونے یا آگے پیچھے ہونے کو کہے تو بآسانی ہو جائیں۔ اس کا مطلب یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان کے کندھے خدا کے حضور عاجزی اور خشوع وخضوع سے جھکے اور عاجز رہتے ہیں یا کندھے دائیں بائیں والے ساتھیوں کے ساتھ برابر اور متصل رکھتے ہیں اور سکون و وقار سے رہتے ہیں۔

۹۷۔ بَابُ الصُّفُوفِ بَيْنَ السَّوَارِي

ستونوں کے درمیان صفوں کا باب

۶۷۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ يَحْيَى بْنِ هَانِئٍ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ مَحْمُودٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَدُفِعْنَا إِلَى السَّوَارِي فَتَقَدَّمْنَا وَتَأَخَّرْنَا فَقَالَ أَنَسٌ كُنَّا نَتَّقِي هٰذَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(ترجمہ) عبدالحمید بن محمود نے کہا کہ میں نے جمعہ کے دن انس رضی اللہ عنہ بن مالک کے ساتھ نماز پڑھی تو ہمیں (بھیڑ کے باعث) ستونوں کی طرف دھکیلا گیا تو ہم ستونوں کے اندر آگے پیچھے ہو گئے۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ہم اس سے بچا کرتے تھے۔

(شرح) ستونوں کے درمیان صفیں بنانے کے متعلق اہل علم میں اختلاف ہوا ہے۔ بقول ترمذیؒ اسے احمد واسحاقؒ نے اسے مکروہ کہا ہے اور کچھ لوگوں نے اس کی رخصت دی ہے۔ بقول علامہ شوکانی کراہت کا قول نخعیؒ، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ اور حذیفہؓ سے منقول ہے۔ (سنن سعید بن منصور) ابن سید الناس نے کہا کہ صحابہؓ میں ان کا کوئی مخالف نظر نہیں آیا۔ اور رخصت دینے والوں میں ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور ابن المنذر ہیں، انہوں نے امام اور منفرد پر قیاس کر کے یہ کہا ہے (کہ وہ ستونوں

میں کھڑے ہو سکتے ہیں لہٰذا مقتدی بھی ہو سکتے ہیں) اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (فتح مکہ کے دن) کعبہ کے ستونوں میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی تھی۔ ابن رسلان نے کہا کہ اس کی اجازت حسنؒ بصری اور ابنؒ سیرین نے بھی دی ہے اور سعیدؒ بن جبیر، ابراہیمؒ نخعی، سلیمانؒ تیمی اور سویدؒ بن غفلہ اپنی قوموں کی امامت ستونوں کے اندر کراتے تھے اور کوفہ کے فقہاء کا یہی مسلک ہے۔ ابن العربی نے کہا کہ جگہ کی تنگی اور بھیڑ کے وقت اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں لیکن جماعت کیلئے جب جگہ اور بھی کافی ہو تو ستونوں میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ ہاں! اکیلا آدمی بیشک ستونوں میں کھڑا ہو جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبۃ اللہ میں ستونوں کے درمیان نماز پڑھی تھی۔

مکروہ کہنے والوں نے اسی حدیث سے اور ابن ماجہ میں معاویہؓ بن قرہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہمیں ستونوں کے درمیان صف باندھنے سے روکا اور ستونوں سے ہٹایا جاتا تھا شوکانی نے کہا کہ اس کا شاہد حاکم کی روایت ہے جو انسؓ سے مروی ہے۔ اور اس کا مضمون وہی ابن ماجہ کی حدیث والا ہے نیز انسؓ نے کہا کہ ستونوں کے درمیان نماز مت پڑھو اور صفوں کو پورا کرو (جو درمیان میں ستون آجانے سے پوری نہیں ہو سکتیں)۔ پس یہ احادیث مطلق ہیں، ہاں معاویہؓ بن قرۃ کی روایت جماعت کے ساتھ مقید ہے پس مطلق کو مقید پر محمول کریں گے اور نہی صرف مقتدی کے ساتھ خاص ہوگی، منفرد اور امام اس سے خارج ہیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ معاویہؓ بن قرہ کی حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک مجہول راوی ہارون بن مسلم بصری ہے (بقولِ ابو حاتم) پس قید اس حدیث سے ثابت نہیں ہو سکتی اور اسی پر استدلال کا مدار تھا۔ لہٰذا مطلق کو اس مقید پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ رہیں انسؓ کی دو حدیثیں، سو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ساقط ہو گئی پس نتیجہ یہ ہے کہ ستونوں کے درمیان نماز جائز ہے۔ اس باب میں یہی صحیح ترین قول ہے جو صحیح احادیث سے مؤید ہے شمس الائمہ سرخسی نے کہا ہے کہ دو ستونوں میں صف بندی مکروہ نہیں کیونکہ وہ ہر فریق کے حق میں ایک صف کی مانند ہے گو یہ صف طویل نہ ہو۔ اور صف میں ستون کا آجانا اسی طرح ہے جیسے کوئی سامان پڑا ہو۔ یا جیسے دو آدمیوں کے درمیان کوئی اور داڑھ ہو۔ انسؓ کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے صفوں میں ستونوں کے اندر نماز پڑھی (ترمذی و نسائی) اور انسؓ نے نماز کے بعد یہ کہا اور ابو داؤد کی حدیث نماز پر دلالت نہیں کرتی بلکہ تقدم و تاخر ظاہر کرتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں کو اگلی یا پچھلی صفوں میں جگہ مل گئی وہ ان میں شامل ہو گئے اور جنہیں جگہ نہ ملی انہوں نے ستونوں کے درمیان نماز پڑھی۔ ایک حدیث میں ایک چیز کا بیان ہوا اور دوسری میں دوسری کا۔

۹۸۔ بَابُ مَنْ يُسْتَحَبُّ أَنْ يَلِيَ الْإِمَامَ فِي الصَّفِّ وَكَرَاهِيَةِ التَّأَخُّرِ

۶۷۴۔ حَدَّثَنَا ابْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَلِيَنِي مِنْكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهَى ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ۔

(ترجمہ) ابو مسعودؓ انصاری نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے عقلمند اور سمجھ والے لوگ میرے

قریب رہیں پھر وہ جوان کے قریب ہیں اور پھر وہ جوان کے قریب ہیں (بڑی عمر والے اور سمجھ بوجھ والے لوگ صفوں میں اس لئے قریب رہیں تاکہ وہ حضورؐ سے سیکھیں اور دوسروں کو سکھائیں۔ پھر درجہ بدرجہ سب لوگ ان کے پیچھے رہیں اور بچے سب سے آخر میں)

۶۷۵- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رض عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ وَزَادَ وَلَا تَخْتَلِفُوا فَتَخْتَلِفَ قُلُوبُكُمْ وَهَيْشَاتِ الْأَسْوَاقِ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ابومسعود انصاریؓ جیسی روایت کی اور اتنا اضافہ کیا، اور باہم اختلاف مت کرو ورنہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے اور تم بازاروں کے شور و غل سے گریز کرو۔

(شرح) یعنی مسجدوں میں بازاروں جیسا ملا جلا شور و غل (کہ بعض دفعہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی یا ایک آواز کو دوسری سے پہچانا نہیں جا سکتا) نہ کریں کیونکہ مسجدیں عبادتِ الٰہی کے مراکز ہیں جہاں سکون و وقار اور خشوع و خضوع اور ذکر و فکر ہونا چاہیئے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح بازاروں میں آمد و رفت اور بھاگ دوڑ کے باعث بدنظمی اور بے ترتیبی ہوتی ہے، اس طرح مسجدوں میں روا نہیں بلکہ یہاں پر نظم و ضبط اور ترتیب لازم ہے۔ یہی سبب ہے کہ صف بندی کا حکم ہوا اور اس میں عقل و فہم والوں کو اگلی صفوں میں کھڑا ہونے کی ترغیب دی گئی ہے۔ یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ مسجدوں میں آکر بازاری مشغولیتوں کو ترک کر دو اور صرف عباداتی مقاصد اور خالص دینی امور کو پیش نظر رکھو۔

۶۷۶- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى مَيَامِنِ الصُّفُوفِ۔

(ترجمہ) اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے صفوں کے دائیں حصوں پر رحمت بھیجتے اور دعاء کرتے ہیں (اس کے دائیں ہاتھ کے شرف کے باعث صف کے دائیں بازو کی فضیلت معلوم ہوئی۔ لیکن اگر بائیں طرف خالی ہو تو اُسے پُر کرنے کا ثواب شائد دائیں سے بھی بڑھ جائے گا)

۹۹- بَابُ مَقَامِ الصِّبْيَانِ مِنَ الصَّفِّ

صف میں بچوں کے مقام کا باب

۶۷۷- حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ شَاذَانَ حَدَّثَنَا عَيَّاشٌ الرَّقَّامُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا بُدَيْلٌ حَدَّثَنَا شَهْرُ بْنُ حَوْشَبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ غَنْمٍ قَالَ قَالَ

أَبُو مَالِكٍ الْأَشْعَرِيُّ: أَلَا أُحَدِّثُكُمْ بِصَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَأَقَامَ الصَّلَاةَ فَصَفَّ الرِّجَالُ وَصَفَّ الْغِلْمَانُ خَلْفَهُمْ ثُمَّ صَلَّى بِهِمْ فَذَكَرَ صَلَاتَهُ فَقَالَ هَكَذَا صَلَاةُ قَالَ عَبْدُ الْأَعْلَى لَا أَحْسَبُهُ إِلَّا قَالَ أُمَّتِي۔

(ترجمہ) ابو مالک اشعریؓ نے کہا کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز نہ بتاؤں؟ ابو مالکؓ نے کہا پس حضورؐ نے مردوں کو صف بستہ فرمایا اور بچوں کی صف ان کے پیچھے بنائی پھر انہیں نماز پڑھائی، پھر ابو مالکؓ نے حضورؐ کی نماز بتائی پھر حضورؐ نے فرمایا میری امت کی نماز اس طرح ہے۔

(شرح) اس حدیث سے صفوں کی ترتیب کا پتہ چلتا ہے کہ پہلے مردوں کی صفیں، پھر بچوں کی اور پھر عورتوں کی ہونگی عورتوں کی صف کا ذکر اوپر انسؓ کی حدیث میں گزر چکا ہے کہ حضورؐ نے ان کی والدہ یا نانی کو انسؓ اور یتیم کی صف کے پیچھے کھڑا کیا تھا۔

۱۰۰۔ بَابُ صَفِّ النِّسَاءِ وَكَرَاهَةِ التَّأَخُّرِ عَنِ الصَّفِّ الْأَوَّلِ

عورتوں کی صف کا باب اور پہلی صف سے پیچھے رہنے کی کراہت

۶۷۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّازُ حَدَّثَنَا خَالِدٌ وَإِسْمٰعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّا عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا وَخَيْرُ صُفُوفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں کی بہترین صف سب سے پہلی اور بدترین سب سے آخری ہے اور عورتوں کی بہترین صف سب سے آخری اور بدترین سب سے پہلی ہے۔

(شرح) اس حدیث میں صفوف کے لئے جو شر کا لفظ آیا ہے یہ محض خیر کے مقابلے میں ہے نہ یہ کہ خود ان میں کوئی برائی اور شر بیان کی جا رہی ہے۔ مردوں کی پہلی صف میں خیریت کا باعث نماز جیسی عظیم عبادت کے لئے اس صف والوں کی سبقت، قرأت قرآن کا سننا، امام سے قرب اور اس کے افعال کا قریب سے مشاہدہ ہے پچھلی صفوں والے درجہ بدرجہ ان فضیلتوں سے محروم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس لئے پہلی کے مقابلے میں آخری صف کو شر فرمایا گیا ہے۔ ایک باعث یہ بھی ہے کہ آخری صف عورتوں سے قریب تر ہوتی ہے جو فتنے کا باعث ہو سکتا ہے۔ عورتوں کا معاملہ برعکس ہے کیونکہ ان کے امور کا مدار تستر پر ہے اسی لئے ان کی بہترین نماز گھر کی خفیہ کوٹھری میں فرمائی گئی ہے۔ شارح طیبی کا قول ہے کہ مرد چونکہ آگے بڑھنے اور پہلی صفوں میں آنے پر مامور ہیں لہٰذا جس کا تقدم زیادہ ہو گا وہ امر شرع کی تعظیم میں سب سے فوقیت رکھنے والا ہو گا اور اسے وہ قرب و فضیلت حاصل ہو گی جو متاخر ہونے والوں کو نہیں مل سکتی۔ پہلی صف سے مراد امام سے قریب والی صف ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسجد میں پہلے آنے والا صف اول کا نمازی شمار ہو گا چاہے وہ پچھلی صفوں میں کھڑا ہو جائے۔

۶۷۹- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ عَمَّارٍ عَنْ يَحْيَى ابْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ قَوْمٌ يَتَأَخَّرُونَ عَنِ الصَّفِّ الْأَوَّلِ حَتَّى يُؤَخِّرَهُمُ اللَّهُ فِي النَّارِ۔

(ترجمہ) عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کچھ لوگ برابر پہلی صف سے پیچھے ہٹتے رہیں گے حتی کہ اللہ تعالیٰ انہیں آگ میں سب سے آخر تک رکھے گا۔

(شرح) یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو پہلی صف کی فضیلت حاصل کرنے کی پروا نہیں کرتے اور نہ اس کا اہتمام کرتے ہیں حتی کہ ان کا آخری انجام آگ ہوگا۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ انہیں دیر تک جہنم سے نہ نکالے گا۔ یا یہ کہ ان کو آگ کا بھی کوئی پچھلا اور گہرا حصہ نصیب ہوگا۔ معاذ اللہ منہ

۶۸۰- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْخُزَاعِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو الْأَشْهَبِ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى فِي أَصْحَابِهِ تَأَخُّرًا فَقَالَ لَهُمْ: تَقَدَّمُوا فَأْتَمُّوا بِي وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ وَلَا يَزَالُ قَوْمٌ يَتَأَخَّرُونَ حَتَّى يُؤَخِّرَهُمُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ۔

(ترجمہ) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب میں پہلی صف سے کچھ تاخر (پیچھے رہنا) پایا تو ان سے فرمایا: آگے بڑھو اور میری اقتداء کرو اور تمہارے بعد والے تمہاری اقتداء کریں گے۔ اور کچھ لوگ پیچھے ہٹتے رہتے ہیں حتی کہ اللہ عز وجل انہیں پیچھے ہی ہٹا دیتا ہے۔

(شرح) یعنی تم دین مجھ سے سیکھو اور بعد والے تم سے سیکھیں گے۔ (یعنی تابعین کی جماعت) اور برابر پیچھے رہنے کی عادت بنا لینے والے پیچھے ہی رہ جاتے ہیں یعنی تم آگے بڑھنے والے نمونہ کہ علم و فضل اور اتباع سنت میں پیچھے رہ جانے والے۔

۱۰۱- بَابُ مُقَامِ الْإِمَامِ مِنَ الصَّفِّ

صف سے امام کے کھڑا ہونے کا باب

۶۸۱- حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُسَافِرٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ بَشِيرِ بْنِ خَلَّادٍ عَنْ أُمِّهِ أَنَّهَا دَخَلَتْ عَلَى مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ فَسَمِعَتْهُ يَقُولُ حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسِّطُوا الْإِمَامَ وَسُدُّوا الْخَلَلَ۔

(ترجمہ) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام کو درمیان میں رکھو اور دراڑیں بند کرو۔

(شرح) یعنی امام ایسی جگہ پر کھڑا ہو کہ اس کے دائیں اور بائیں دونوں طرف کا فاصلہ اور نمازیوں کی تعداد برابر ہو۔ اور صف میں خالی جگہ نہ رہے۔ اس سند میں یحییٰ بن بشیر بن خلاد اور اس کی ماں دونوں مجہول راوی ہیں۔ ابوداؤد نے اس عورت کا نام نہیں بتایا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ مسند بن مخلد میں اس کا نام امۃ الواحد بنت یامین ہے۔

۱۰۲۔ بَابُ الرَّجُلِ يُصَلِّي وَحْدَهُ خَلْفَ الصَّفِّ

صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے والے کا باب

۶۸۲۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَّحَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو ابْنِ مُرَّةَ عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ رَاشِدٍ عَنْ وَّابِصَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلًا يُّصَلِّي خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهُ فَاَمَرَهُ اَنْ يُّعِيْدَ۔ قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ الصَّلٰوةَ۔

(ترجمہ) وابصہؓ بن معبد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھتے دیکھا تو اُسے نماز لوٹانے کا حکم دیا۔

(شرح) اس مسئلے میں سلف کا اختلاف ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ ایسی نماز جائز نہیں اور صحیح نہیں۔ نخعیؒ، حسنؒ بن صالح، احمدؒ، اسحاقؒ، حمادؒ، ابن ابی لیلیٰ اور وکیع کا یہی مذہب ہے۔ حسن بصریؒ، اوزاعیؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور اہل رائے نے اس نماز کو صحیح قرار دیا ہے۔ پہلے فریق کا استدلال اس حدیث سے ہے اور مسند احمد اور ابن ماجہ کی روایت سے ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو صف کے پیچھے نماز پڑھتے دیکھا تو آپؐ نے انتظار فرمایا حتیٰ کہ اس نے جب نماز ختم کی تو اسے نماز لوٹانے کا حکم دیا اور فرمایا صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی کوئی نماز نہیں ہے۔ جن لوگوں نے ایسی نماز کی صحت کا حکم دیا ہے انہوں نے ابوبکرہؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو سنن ابی داؤد، مسند احمد اور سنن نسائی میں ہے کہ ابوبکرہؓ نے صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی رکوع کر لیا اور بحالت رکوع میں صف سے آملے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا تو حضورؐ نے فرمایا: اللہ تیری حرص زیادہ کرے پھر ایسا نہ کرنا، یا نماز کا اعادہ مت کر۔ سو اس صحابی نے صف سے پرے ہی رکوع کر لیا تھا۔ اور حضورؐ نے اسے نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا (بلکہ اگر لا تعد کے بجائے لا تُعِدْ پڑھا جائے تو ایک معنی یہ بھی بنتا ہے کہ نماز مت لوٹا) پس اگر صف کے پیچھے نماز ہوتی ہی نہیں تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کی نماز کی ابتداء باطل تھی لہٰذا سرے سے نماز ہوئی ہی نہیں کیونکہ وہ نماز میں داخل ہی نہیں ہوا تھا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی نجس جگہ پر نماز پڑھے تو اس کی نماز سرے سے ہوئی ہی نہیں کیونکہ اس کی شرط نہیں پائی گئی۔ اب فرض کرو کہ ایسا آدمی پلید جگہ پر نماز کی ابتداء کر کے پھر پاک جگہ پر چلا جائے تو اس کی نماز باطل ہی ہے کیونکہ جس نے ناپاک جگہ پر نماز کی ابتداء کی وہ نماز میں داخل ہی نہیں ہوا۔ پس جب ابوبکرہؓ کا صف کے پیچھے منفرد حالت میں

نماز کی ابتداء کرنا نماز میں داخل ہونا سمجھا گیا تھا تو جو شخص ساری نماز صف کے پیچھے اکیلا پڑھے اس کی نماز بھی ہو جائے گی۔ (گو ایسا کرنا غیر مسنون اور غیر مستحب ہے) اب اس وابصہؓ کی حدیث اور علی بن شیبان کی حدیث میں کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے اس شخص کی نماز کا فاسد یا باطل ہونا سمجھا جا سکے کیونکہ ممکن ہے حضورؐ نے اسے استحباباً جماعت کا ادب سکھلانے کے لئے یہ حکم دیا ہو کیونکہ اس نے ایک نامناسب فعل کا ارتکاب کیا تھا۔ پس اعادہ کا حکم زجر و توبیخ اور تنبیہ کے لئے تھا نہ اس لئے کہ اس کی نماز سرے سے نہیں ہوئی جس طرح کی صحاح کی حدیث ہے کہ حضورؐ نے ایک شخص کو بار بار نماز لوٹانے کا حکم دیا۔ وہ صرف نماز کے رکوع، قومے، سجدے اور جلسے میں اعتدال سے کام نہیں لے رہا تھا۔ رہا یہ ارشاد کہ: صف کے پیچھے اکیلے آدمی کی کوئی نماز نہیں، تو یہ اسی طرح ہے جس طرح فرمایا: جو بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضوء نہیں۔ یا مسجد کے ہمسائے کی نماز صرف مسجد میں ہو سکتی ہے۔ حالانکہ ایسا وضوء بھی صحیح ہے اور نماز بھی، یہ نہیں کہ اس کی نماز سرے سے نہیں ہوئی۔ یہ لَا نفیِ کمال کے لئے ہے، یعنی اس شخص کی نماز کامل نہیں ہے۔ یہ تقریر امام طحاویؒ کی ہے۔

۱۰۳ - بَابُ الرَّجُلِ يَرْكَعُ دُوْنَ الصَّفِّ

صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی رکوع کرنیوالے کا باب

۶۸۴ - حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ أَنَّ يَزِيْدَ بْنَ زُرَيْعٍ حَدَّثَهُمْ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ أَبِيْ عَرُوْبَةَ عَنْ زِيَادٍ الْأَعْلَمِ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ أَنَّ أَبَا بَكْرَةَ حَدَّثَ أَنَّهُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَنَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاكِعٌ قَالَ فَرَكَعْتُ دُوْنَ الصَّفِّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَّلَا تَعُدْ۔

(ترجمہ) ابوبکرہؓ نے بیان کیا کہ وہ مسجد میں داخل ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تھے ابوبکرہؓ نے کہا کہ میں نے صف سے ورے ہی رکوع کر لیا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تیری حرص زیادہ کرے اور پھر ایسا مت کیجیو۔

(شرح) حضورؐ نے ابوبکرہؓ کے لئے عبادت پر حرص کی زیادتی کی دعا کی کیونکہ شرعاً پسندیدہ بات تھی، مگر عبادت خدا اور رسولؐ کے حکم کے مطابق ہو تو تبھی عبادت ہے ورنہ کوئی عبادت نہیں لہٰذا فرمایا کہ آئندہ ایسا مت کرنا اس لفظ کو لَا تَعْدُ بھی پڑھا گیا ہے کہ: دوڑ کر نماز میں مت ملو۔ اور لَا تُعِدْ بھی پڑھا گیا ہے کہ: نماز کا اعادہ مت کرو، یعنی وہ تو ہو گئی مگر آئندہ خیال رکھنا کہ ایسا نہ ہونے پائے۔

۱۰۴ - بَابُ مَا يَسْتُرُ الْمُصَلِّيَ

نمازی کے سترے کا باب

۶۸۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ الْعَبْدِيُّ أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيْلُ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ مُوْسَى ابْنِ طَلْحَةَ عَنْ أَبِيْهِ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا

جَعَلْتَ بَيْنَ يَدَيْكَ مِثْلَ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ فَلَا يَضُرُّكَ مَنْ مَرَّ بَيْنَ يَدَيْكَ

(ترجمہ) طلحہؓ بن عبید اللہ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تو اپنے آگے کجاوے کی پچھالی کی لکڑی کی مانند کوئی چیز رکھ لے تو سامنے سے گزرنے والا تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیگا۔

(شرح) سترہ کا مقصد نمازی کے خشوع وخضوع کو آگے سے گزرنے والوں سے بچانا ہے۔ جب وہ یہ جانتا ہو کہ میرے سامنے ایک چیز پڑی ہے جو مجھے آگے سے گزرنے والوں سے ڈھانکے ہوئے ہے تو اسے تشویش لاحق نہ ہوگی اور عبادت کی جو اصل غرض ہے یعنی خشوع وخضوع وہ حاصل رہے گا۔ بدائع میں ہے کہ صحراء میں نماز پڑھنے والے کے لئے مستحب ہے کہ اپنے سامنے کوئی لکڑی گاڑدے یا کوئی ایسی چیز رکھ لے جو کم از کم ایک ہاتھ لمبی ہو تاکہ گزرنے والوں کو ہٹانے سے محفوظ ہو جائے۔ کہا گیا ہے کہ یہ لکڑی ایک انگلی کے برابر (کم از کم) موٹی ہو جیسا کہ ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ تیر بھی سترہ ہو سکتا ہے۔

۶۸۶۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ آخِرَةُ الرَّحْلِ ذِرَاعٌ فَمَا فَوْقَهُ۔

(ترجمہ) عطاء بن ابی رباح کا قول ہے کہ کجاوے کی پچھلی لکڑی ایک ہاتھ یا اس سے طویل ہوتی ہے۔ (حدیث مرفوع نہیں بلکہ عطاء کا اثر ہے)

۶۸۷۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْعِيدِ أَمَرَ بِالْحَرْبَةِ فَتُوضَعُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَيُصَلِّي إِلَيْهَا وَالنَّاسُ وَرَاءَهُ وَكَانَ يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي السَّفَرِ فَمِنْ ثَمَّ اتَّخَذَهَا الْأُمَرَاءُ۔

(ترجمہ) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عید کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے تو اپنے سامنے برچھا گاڑنے کا حکم دیتے تھے اور لوگ آپؐ کے پیچھے ہوتے تھے اور سفر میں بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ اسی لئے امراء نے برچھے کو اختیار کیا ہے۔ (صحاح کی روایت میں فتغرز کا لفظ ہے۔ یعنی وہ برچھا گاڑا جاتا تھا)

۶۸۸۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَؓ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِهِمْ بِالْبَطْحَاءِ وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ يَمُرُّ خَلْفَ الْعَنَزَةِ الْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ۔

(ترجمہ) ابو جحیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مکہ کے باہر وادی بطحا میں نماز پڑھائی اور آپؐ کے آگے ایک چھوٹا سا نیزہ گڑا ہوا تھا۔ ظہر بھی دو رکعت اور عصر بھی دو رکعت پڑھائی۔ نیزے سے پرے عورتیں اور گدھے گزرتے تھے۔ (یہ سفر کی نماز تھی)

۱۰۵- بَابُ الْخَطِّ إِذَا لَمْ يَجِدِ الْعَصَا

جب عصا نہ ملے تو خط کھینچنے کا باب

۶۷۹- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ أُمَيَّةَ حَدَّثَنِي أَبُو عَمْرِو بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ حُرَيْثٍ أَنَّهُ سَمِعَ جَدَّهُ حُرَيْثًا يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رض أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ شَيْئًا فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَنْصِبْ عَصًا فَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ عَصًا فَلْيَخْطُطْ خَطًّا ثُمَّ لَا يَضُرُّهُ مَا مَرَّ أَمَامَهُ

(ترجمہ) ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی نماز پڑھے تو اپنے سامنے کوئی چیز رکھ لے، اگر کوئی چیز نہ پائے (مثلاً درخت یا ٹیلہ وغیرہ) تو کوئی ڈنڈا گاڑ لے، اگر اس کے پاس ڈنڈا بھی نہ ہو تو ایک خط کھینچ لے۔ پھر اس کے سامنے سے گزرنے والی چیزیں اسے نقصان نہ دیں گی۔

(شرح) امام طحاوی نے کہا کہ ابو عمرو بن محمد بن حریث اور اس کے دادا حریث دونوں مجہول ہیں۔ خط کی حدیث کے علاوہ ان کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ اس حدیث کی روایت میں اسمٰعیل بن امیہ متفرد ہے اور یہ حدیث مضطرب ہے حریث کا صحابی ہونا مختلف فیہ ہے۔ ابن حبان اسے ثقات تابعین میں بتاتا ہے اور ابن قانع نے معجم الصحابہ میں اسے صحابی ظاہر کیا ہے۔ علامہ شوکانی نے کہا کہ اس حدیث کو ابن حبان نے روایت کر کے اس کی تصحیح کی ہے اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور بقول ابن عبدالبر، امام احمد اور ابن المدینی نے اس کی تصحیح کی ہے مگر سفیان بن عیینہ، شافعیؒ اور بغوی وغیرہم نے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حافظ ابن الصلاح نے اس حدیث کو حدیث مضطرب کی مثال کے طور پر پیش کیا ہے اور اس میں نزاع ہوا ہے۔ ابن حجر نے کہا کہ یہ حدیث مضطرب نہیں بلکہ حسن ہے۔ امام احمدؒ سے مختلف روایات ہیں۔ خطابی نے احمد سے نقل کیا ہے کہ حدیث الخط ضعیف ہے مگر ابن عبدالبر نے کہا کہ احمد بن حنبلؒ اور علی بن المدینی نے اسے صحیح کہا ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ نمازی سامنے خط نہ کھینچے، اگر اس کے لئے کوئی ثابت شدہ حدیث ہو تو مانی جائے گی (یعنی یہ حدیث ثابت نہیں!) شوکانی نے کہا کہ امام مالکؒ اور عام فقہاء کے نزدیک خط کوئی چیز نہیں اور حدیث کو انہوں نے ضعیف و مضطرب کہا ہے حنفیہ کا مسلک اس بارے میں امام محمد سے بدائع میں یہ منقول ہے کہ خط کھینچنا اور نہ کھینچنا برابر ہے کیونکہ دور سے دیکھنے والے کو خط تو نظر نہیں آتا (کہ وہ گزرنے سے رکے) بعض نے خط کھینچنے کا کہا ہے مگر ہم اس حدیث غریب کے قائل نہیں ہیں۔

۶۹۰- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ يَعْنِي ابْنَ الْمَدِينِيِّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ عَنْ أَبِي مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ عَنْ جَدِّهِ حُرَيْثٍ رَجُلٍ مِنْ بَنِي عُذْرَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رض عَنْ أَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَذَكَرَ حَدِيثَ الْخَطِّ،

قَالَ سُفْيَانُ لَمْ نَجِدْ شَيْئًا نَشُدُّ بِهِ هٰذَا الْحَدِيْثَ وَلَمْ يَجِئْ اِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ - قَالَ قُلْتُ لِسُفْيَانَ اِنَّهُمْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ فَفَكَّرَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ مَا اَحْفَظُ اِلَّا اَبَا مُحَمَّدِ بْنَ عَمْرٍو - قَالَ سُفْيَانُ قَدِمَ هٰهُنَا رَجُلٌ بَعْدَ مَا مَاتَ اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اُمَيَّةَ فَطَلَبَ هٰذَا الشَّيْخَ اَبَا مُحَمَّدٍ حَتّٰى وَجَدَهُ فَسَاَلَهُ عَنْهُ فَخَلَطَ عَلَيْهِ - قَالَ اَبُوْدَاؤدَ وَسَمِعْتُ اَحْمَدَ يَعْنِي ابْنَ حَنْبَلٍ سُئِلَ عَنْ وَصْفِ الْخَطِّ غَيْرَ مَرَّةٍ فَقَالَ هٰكَذَا عَرْضًا مِثْلَ الْهِلَالِ قَالَ اَبُوْدَاؤدَ وَسَمِعْتُ مُسَدَّدًا قَالَ قَالَ ابْنُ دَاؤدَ الْخَطُّ بِالطُّوْلِ -

(ترجمہ) دوسری سند سے یہی حدیث الخط ابو ہریرہؓ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے۔ علی بن المدینی نے کہا کہ سفیان بن عیینہ نے کہا، حدیث الخط کو مضبوط کرنے کے لئے ہمیں کوئی چیز نہیں ملی اور یہ صرف اسی ایک سند سے آئی ہے (یعنی یہ حدیث ضعیف وغریب ہے کسی اور سند سے آئی ہوتی تو شاید اس میں قوت آجاتی مگر نہیں آئی) علی بن المدینی نے کہا کہ میں نے سفیان سے کہا کہ کیا راویانِ حدیث ابو محمد بن عمرو کے نام وغیرہ میں مختلف ہیں؟ (کسی نے ابو عمرو کہا اور کسی نے ابو محمد کہا۔ کسی نے اس کے باپ کی طرف اسے منسوب کیا کسی نے دادا کی طرف، پھر کسی نے اس کے باپ کا نام کچھ لیا اور کسی نے کچھ۔ اور بعض نے حریث بن عمار عن ابی ہریرۃ کہا) تو سفیان نے تھوڑی دیر غور کیا اور پھر کہا کہ مجھے تو صرف اس کا نام ابو محمد بن عمرو ہی یاد ہے۔ سفیان نے کہا کہ اسمٰعیل بن امیہ کی موت کے بعد یہاں ایک شخص آیا تو اس نے اس بوڑھے یعنی ابو محمد کو تلاش کیا اور اسے پالیا، اس سے یہ حدیث پوچھی تو اسے اختلاط ہوگیا (کچھ بتا نہیں سکا) ابو داؤد نے کہا کہ میں نے احمدؒ یعنی ابن حنبل سے کئی بار خط کی کیفیت پوچھی تو اس نے یوں اشارہ کیا یعنی دائیں سے بائیں ہلال کی مانند خط کھینچا جائے۔ ابو داؤد نے کہا کہ میں نے مسدّد سے سُنا کہ ابن داؤد خریبی نے کہا ہے کہ خط لمبائی کی طرف کھینچا جائے یعنی نمازی کی طرف سے قبلہ کی طرف۔

۶۹۱ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الزُّهْرِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ قَالَ رَاَيْتُ شَرِيْكًا صَلّٰى بِنَا فِيْ جَنَازَةٍ الْعَصْرَ فَوَضَعَ قَلَنْسُوَتَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ يَعْنِيْ فِيْ فَرِيْضَةٍ حَضَرَتْ -

(ترجمہ) سفیان بن عیینہ نے کہا کہ میں نے شریک کو ایک نمازِ جنازہ میں دیکھا۔ اس نے ہمیں نمازِ عصر پڑھائی تو اپنی ٹوپی کو اپنے سامنے رکھ لیا، یعنی فرض نماز جس کا وقت آگیا تھا، اسے ادا کرنے کے لئے (ظاہر ہے کہ اس اثر میں کسی کے لئے نفیاً یا اثباتاً کوئی دلیل نہیں ہے)

۱۰۶ - بَابُ الصَّلٰوةِ اِلَى الرَّاحِلَةِ

سواری کی طرف نماز کا باب

۶۹۲ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ ابْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَوَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ وَابْنُ اَبِيْ خَلَفٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ

ابنُ سعیدٍ قال عثمانُ حدّثنا ابوخالدٍ حدّثنا عبیدُاللّٰہِ عن نافعٍ عن ابنِ عمرؓ انّ النّبیّ صلّی اللّٰہُ علیہِ وسلّمَ کانَ یُصلّی الٰی بعیرِہٖ۔

(ترجمہ) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ کی طرف نماز پڑھتے تھے۔

(شرح) اس حدیث کی سند میں ابوداؤد کے استاد چار ہیں مگر اس نے صرف عثمان سے روایت آگے چلائی ہے، مولاناؒ نے فرمایا کہ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ عثمان نے حدثنا کہا اور باقی تین نے یہ لفظ نہیں بولا۔ امام قرطبیؒ مالکی نے کہا کہ اس حدیث میں ٹھہرے ہوئے حیوان کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کی دلیل ہے (یعنی اُسے بطور سُترہ رکھ کر) لیکن میری ناقص رائے یہ ہے کہ حیوان ایسا ہو جو کسی قوم کا معبود نہ مانا جاتا ہو مثلاً گائے بیل جو ہندوؤں کا معبود ہے اور گھوڑا جو قدیم ایرانیوں اور یونانیوں کا معبود تھا۔ ورنہ ان سے تشبّہ کے باعث حسب اصول شرع نماز جائز نہ ہوگی۔ واللہ اعلم) امام قرطبیؒ نے کہا کہ اونٹوں کے باڑے میں نماز کی ممانعت آئی ہے مگر اس کا باعث دوسرا ہے۔ وہ یہ کہ معاطن کا اصلی معنی ہے پانی کے قریب اونٹوں کے ٹھہرنے کی جگہ، اور اس میں کراہت تو شدید بدبو کے باعث ہوگی، اور یا اس لئے کہ لوگ اونٹوں کی قطاروں کے درمیان چھپ کر رفع حاجت کرتے تھے۔ لیکن دوسرے علماء نے نہی کی علت یہ بتائی ہے کہ اونٹوں میں شیطنت پائی جاتی ہے۔ اور حضورؐ نے جو اونٹ کی آڑ میں نماز پڑھی تھی یہ سفر کا واقعہ تھا اس لئے بباعث ضرورت ایسا کیا گیا۔ اور اس کی نظیر یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے گھر میں جگہ کی تنگی کے باعث زوجہ مطہرہ کی چارپائی پہ نماز ادا فرمائی تھی۔ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ ابن عمرؓ صرف اس وقت اونٹ کو بٹھا کر اس کی طرف نماز کو جائز رکھتے تھے جب اس پر کجاوہ اور بوجھ وغیرہ ہو۔ سبب یہ تھا کہ اس حالت میں وہ مطیع فرمان اور اکثر ساکن رہتا ہے اور خالی ہو تو بھڑکنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

۱۰۷- بابُ اذا صلّٰی الٰی ساریۃٍ اونحوِھا این یجعلُھا منہُ

باب- جب کسی ستون وغیرہ کی طرف نماز پڑھے تو اس کو کس جانب رکھے

۶۹۳- حدّثنا محمودُ بنُ خالدٍ الدّمشقیُّ حدّثنا علیُّ بنُ عیّاشٍ حدّثنا ابوعُبیدۃَ الولیدُ بنُ کاملٍ عن المُھلّبِ بنِ حُجرٍ البھرانیِّ عن ضُباعۃَ بنتِ المقدادِ بنِ الاسودِ عن ابیھا قال مارأیتُ رسولَ اللّٰہِ صلّی اللّٰہُ علیہِ وسلّمَ یُصلّی الٰی عُودٍ ولا عمودٍ ولا شجرۃٍ الّا جعلہٗ علٰی حاجبہِ الایمنِ اوالایسرِ ولا یصمدُ لہٗ صمدًا۔

(ترجمہ) مقدادؓ بن اسود نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی لکڑی یا ستون یا درخت کی طرف جب نماز پڑھتے دیکھا تو آپؐ اس کو اپنے دائیں یا بائیں ابرو کی طرف رکھتے تھے اور بالکل ہی اس کے سامنے کھڑے نہ ہوتے تھے۔

(شرح) اس حدیث کے راوی ولید بن کامل کو ازدی نے ضعیف کہا، بخاری نے کہا کہ وہ عجیب وغریب روایتیں بیان کرتا ہے۔ ابن قطان نے کہا کہ اس کی عدالت ثابت نہیں ہے۔ اس کا استاد مہلب بن حجر بہرانی بقول ابوالحسن القطان

مجہول الحال ہے اور اس کی حدیث کا متن اور سند ولید بن کامل سے مختلف طور پر منقول ہوا ہے۔ حدیث میں بت پرستوں سے تشبہ کے باعث کسی چیز کو عین سامنے ڈھکنے کا ذکر ہے۔ اس حدیث کی راویہ ضباعہ بھی مجہول الحال ہے، اُسے ضُبیعہ بنت المقدادؓ بن معدیکرب بھی کہا گیا ہے۔

۱۰۸۔ بَابُ الصَّلٰوۃِ اِلَی الْمُتَحَدِّثِیْنَ وَالنِّیَامِ

باتیں کرنے والوں اور سونے والوں کی طرف نماز کا باب

۶۹۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مَسْلَمَۃَ الْقَعْنَبِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ اَیْمَنَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ یَعْقُوْبَ بْنِ اِسْحَاقَ عَنْ مَّنْ حَدَّثَہٗ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ کَعْبٍ الْقُرَظِیِّ قَالَ قُلْتُ لَہٗ یَعْنِیْ لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِیْزِ حَدَّثَنِیْ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَبَّاسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُصَلُّوْا خَلْفَ النَّائِمِ وَلَا الْمُتَحَدِّثِ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عباسؓ نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے والے اور بات چیت کرنے والے کے پیچھے نماز مت پڑھو (یعنی جب وہ آگے سویا ہوا ہو یا کسی سے بات کر رہا ہو تو پیچھے کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھو)

(شرح) اس حدیث کا راوی عبداللہ بن یعقوب بن اسحاق مجہول الحال ہے اور اس نے یہاں جس سے روایت کی ہے اس کا نام نہیں لیا، گویا وہ بھی مجہول ہے۔ مگر تہذیب التہذیب میں ہے کہ یہ حدیث ابو المقدام ہشام بن زیاد سے مروی بتائی جاتی ہے اور یہ شخص ضعیف و متروک ہے، ابن حبانؒ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ وہ موضوع روایتیں بیان کرتا ہے۔ ام المومنین عائشہؓ سے صحاح میں حدیث آئی ہے کہ وہ رات کو لیٹی ہوتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف نماز پڑھتے تھے، وہ حضورؐ کے اور قبلہ کے درمیان جنازے کی طرح پڑی ہوتی تھیں۔ اس حدیث میں سونے والے کی طرف نماز پڑھنے کا صراحۃً جواز ثابت ہوتا ہے۔ بقول علامہ شوکانی امام مالکؒ، طاؤسؒ اور مجاہدؒ سے اس بنا پر کراہت آئی ہے کہ مبادا سونے والے کا ستر ننگا ہو جائے یا وہ خواب میں بڑبڑائے یا پہلو بدلنے میں شور کرے تو نماز میں خلل پڑے۔ ابو داؤد نے کہا ہے کہ اس حدیثِ ابن عباسؓ سے سب طرق بے کار ہیں۔ نووی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ طبرانی میں ابوہریرہؓ سے اور ابن عدی میں ابن عمرؓ سے اس مضمون کی حدیث آئی ہے مگر وہ دونوں لاشئی اور بیکار ہیں۔

۱۰۹۔ بَابُ الدُّنُوِّ مِنَ السُّتْرَۃِ

سُترہ کے قریب ہونے کا باب

۶۹۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ بْنِ سُفْیَانَ اَخْبَرَنَا سُفْیَانُ ح وَحَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَحَامِدُ بْنُ یَحْیٰی وَابْنُ السَّرْحِ قَالُوْا حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَیْمٍ عَنْ

نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ إِلَى سُتْرَةٍ فَلْيَدْنُ مِنْهَا وَلَا يَقْطَعُ الشَّيْطَانُ عَلَيْهِ صَلَاتَهُ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ وَاقِدُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ صَفْوَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَهْلٍ عَنْ أَبِيهِ أَوْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَهْلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ قَالَ بَعْضُهُمْ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ وَاخْتُلِفَ فِي إِسْنَادِهِ.

(ترجمہ) سہل بن ابی حثمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی سُترے کی طرف نماز پڑھے تو اس کے قریب رہے مبادا شیطان اس کی نماز کو قطع کرے (یعنی خطرات و وساوس پیدا کرکے خشوع وخضوع کو غارت نہ کردے) اس حدیث کی سند میں اختلاف پڑ گیا ہے۔ اوپر کی روایت کے علاوہ کسی نے تو محمد بن سہل عن ابیہ الخ کسی نے محمد بن سہل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی نے نافع بن جبیر عن سہل بن سعد الخ روایت کی ہے۔ (اگر صفوان عن محمد بن سہل عن ابیہ الخ کی روایت لیں تو یہ غلط ہے کیونکہ صفوان نے یہ روایت محمد بن سہل سے نہیں کی۔ اگر اصابہ کی روایت کے مطابق صفوان عن سہل لیں تو منقطع ہے کیونکہ صفوان نے سہلؓ کو نہیں پایا، اگر محمد بن سہل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیں تو مرسل ہے کیونکہ محمد بن سہل صحابی نہیں تابعی ہے۔ نافع بن جبیر عن سہل بن سعد والی روایت یہی ہے۔ سعد کی کنیت ابوحثمہ ہے۔

۶۹۶- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ وَالنُّفَيْلِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ سَهْلٍ قَالَ وَكَانَ بَيْنَ مُقَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ مَمَرُّ عَنْزٍ. قَالَ أَبُو دَاوُدَ الْخَبَرُ لِلنُّفَيْلِيِّ.

(ترجمہ) سہلؓ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑا ہونے کی جگہ میں اور قبلے کے درمیان ایک بھیڑ بکری کے گزرنے کا فاصلہ ہوتا تھا۔ (بخاری ومسلم کی روایت میں عنز کی جگہ شاۃ کا لفظ ہے۔ قبلہ سے مُراد دیوارِ قبلہ ہے، یعنی آپؐ دیوارِ قبلہ کے پاس ہی کھڑے ہوتے تھے۔ اس سے ابوداؤد کا استدلال یہ ہے کہ سُترہ کے قریب ہی کھڑا ہونا چاہیئے)

۱۱۰- بَابُ مَا يُؤْمَرُ الْمُصَلِّي أَنْ يَدْرَأَ عَنِ الْمَمَرِّ بَيْنَ يَدَيْهِ

باب۔ نمازی کو اپنے آگے سے گزرنے سے روکنے کا حکم ہے

۶۹۷- حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ يُصَلِّي فَلَا يَدَعْ أَحَدًا يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلْيَدْرَأْهُ مَا اسْتَطَاعَ فَإِنْ أَبَى فَلْيُقَاتِلْهُ فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ.

(ترجمہ) ابوسعیدؓ خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو تو کسی کو اپنے آگے سے نہ گزرنے دے اور طاقت کے مطابق اسے روکے، اگر وہ نہ رُکے تو اُسے سختی سے ہٹا دے کیونکہ وہ شیطان ہے۔

(شرح) آگے ابوسعیدؓ کی حدیث میں ہے کہ جب نمازی کسی سترہ (رکاوٹ) کی طرف نماز پڑھ رہا ہو تو ایسا کرے۔ پس جو شخص سترے کے بغیر نماز پڑھتا ہے اُسے ہٹانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اِس مطلق حدیث کو اُس مقید حدیث پر محمول کیا جاتا ہے۔ امام نووی ؒ نے کہا کہ میں فقہاء میں سے کسی کو نہیں جانتا جس نے ہٹانے کو واجب کہا ہو۔ (یعنی یہ حکم استحباب کے طور پر ہے) قاضی عیاض اور قرطبی نے کہا کہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ نمازی کو گزرنے والے سے قتال لازم نہیں ہے کیونکہ اس سے نماز کا خشوع و اقبال علی اللہ اور عبادت کی مشغولیت مانع ہے۔ قاضی عیاض اور ابن بطال نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ نمازی کو کسی گزرنے والے کی طرف چل کر جانا اور روکنا جائز نہیں اور نہ اس کی مدافعت میں عمل کثیر کا ارتکاب جائز ہے۔ کیونکہ یہ تو نماز میں کسی کے آگے سے گزر جانے سے بھی شدید تر ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ جب گزرنے والا گزر جائے اور نمازی اسے نہ روکے تو اسے واپس کرنے کی خاطر لوٹانا جائز نہیں کیونکہ اس سے گزرنے کا اعادہ ہو جائے گا۔ شوکانی کا قول ہے۔ حنفیہ ؒ نے کہا ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے: إِنَّ فِي الصَّلٰوةِ لَشُغْلًا "نماز میں مصروفیت بہت بڑی مصروفیت ہے۔ یعنی نمازی نماز کے اعمال میں دل و جان سے مصروف رہے۔ اور قتال اعمال صلوٰۃ میں سے نہیں ہے پس اس میں مصروف ہونا جائز نہیں ہے۔ ابوسعیدؓ کی حدیث کا وہ زمانہ تھا جبکہ نماز میں کئی اعمال مباح تھے۔ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ روکنا رخصت ہے اور نہ روکنا افضل ہے۔ اور اس کی مثال نماز میں سانپ بچھو کے قتل کی رخصت جیسی ہے۔ مسجد میں نمازی کے سامنے سے ایک دو صف آگے کا فاصلہ رکھ کر گزر جانے میں حرج نہیں ہے۔

۶۹۸ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيُصَلِّ إِلَى سُتْرَةٍ وَلْيَدْنُ مِنْهَا ثُمَّ سَاقَ مَعْنَاهُ۔

(ترجمہ) ابوسعید خدریؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو کسی سترہ کی طرف پڑھے اور اس کے قریب رہے۔ پھر ابن عجلان نے مالک کی گزشتہ حدیث جیسی حدیث بیان کی۔

۶۹۹ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي سُرَيْجٍ الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ أَخْبَرَنَا مَسَرَّةُ بْنُ مَعْبَدٍ اللَّخْمِيُّ لَقِيتُهُ بِالْكُوفَةِ حَدَّثَنِي أَبُو عُبَيْدٍ حَاجِبُ سُلَيْمَانَ قَالَ رَأَيْتُ عَطَاءَ بْنَ يَزِيدَ اللَّيْثِيَّ قَائِمًا يُصَلِّي فَذَهَبْتُ أَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ فَرَدَّنِي ثُمَّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ لَا يَحُولَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قِبْلَتِهِ

اَحَدٌ فَلْيَفْعَلْ۔

(ترجمہ) سلیمان بن عبد الملک اموی کے دربان ابو عبید نے کہا کہ میں نے عطاء بن یزید لیثی کو کھڑا نماز پڑھتے پایا تو اس کے سامنے سے گزرنا چاہا، اس نے مجھے روکا، پھر کہا (یعنی نماز کے بعد) کہ مجھ سے ابو سعید خدری نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو آدمی ایسا کر سکے تو کرے کہ اس کے اور اس کے قبلہ کے درمیان کوئی حائل نہ ہو۔ (اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم رخصت کے طور پر ہے وجوبی نہیں ہے)۔

۷۰۰۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ يَعْنِي ابْنَ الْمُغِيرَةِ عَنْ حُمَيْدٍ يَعْنِي ابْنَ هِلَالٍ قَالَ قَالَ أَبُو صَالِحٍ أُحَدِّثُكَ عَمَّا رَأَيْتُ مِنْ أَبِي سَعِيدٍ وَسَمِعْتُهُ مِنْهُ دَخَلَ أَبُو سَعِيدٍ عَلَى مَرْوَانَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ إِلَى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ فَأَرَادَ أَحَدٌ أَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَدْفَعْ فِي نَحْرِهِ فَإِنْ أَبَى فَلْيُقَاتِلْهُ فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ۔

(ترجمہ) ابو سعید خدری مروان کے پاس گئے اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا: جب تم میں سے کوئی کسی سترے کی طرف جو لوگوں کے گزرنے سے بچائے، نماز پڑھتا ہو اور کوئی اس کے آگے سے گزرنے کا ارادہ کرے تو اس کے سینے میں ہٹانے کا اشارہ کرے، اگر وہ باز نہ آئے تو اس سے قتال کرے کیونکہ وہ تو ایک شیطان ہے (یعنی کسی کی نماز میں خلل اندازی شیطانی فعل ہے، یہ جس سے سرزد ہو گا وہ شیطان ہی ہو گا)

۱۱۱۔ بَابُ مَا يُنْهٰى عَنْهُ مِنَ الْمُرُورِ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي

نمازی کے آگے سے گزرنے کی مخالفت کا باب

۷۰۱۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ الْجُهَنِيَّ أَرْسَلَهُ إِلَى أَبِي جُهَيْمٍ يَسْأَلُهُ مَاذَا سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَارِّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي فَقَالَ أَبُو جُهَيْمٍ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ۔ قَالَ أَبُو النَّضْرِ لَا أَدْرِي قَالَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا أَوْ شَهْرًا أَوْ سَنَةً۔

(ترجمہ) ابو جہیم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نمازی کے آگے سے گزرنے والا اگر جان لے کہ اس پر کتنا گناہ ہے تو چالیس تک کھڑا رہنے اس کے لئے اس کے سامنے سے گزرنے سے بہتر ہوتا۔ ابو النضر نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں میرے استاد

نے چالیس دن، یا مہینے یا سال کا ذکر کیا تھا۔

(شرح) علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ ابن ماجہ اور ابن حبان نے ابوہریرہؓ کی حدیث بیان کی ہے جس میں یہ لفظ ہیں: اس کیلئے ا سو سال تک کھڑا رہنا اُس قدم سے بہتر تھا جو اس نے اٹھایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ چالیس کا عدد مبالغے کے طور پر ہے کسی خاص عدد کے لئے نہیں۔ مسند بزار میں اربعین خریفًا کا لفظ ہے جس کا معنیٰ چالیس سال ہے کیونکہ سال بھر میں موسم خریف ایک بار آتا ہے، تو چالیس خریف سے مراد چالیس سال ہوئے۔

۱۱۲۔ بَابُ مَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ

نماز کو قطع کرنیوالی چیزوں کا باب

۷۰۲۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ مُطَهَّرٍ وَابْنُ كَثِيرٍ الْمَعْنَى أَنَّ سُلَيْمَانَ بْنَ الْمُغِيرَةِ أَخْبَرَهُمْ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ حَفْصٌ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَا عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ قَالَ أَبُو ذَرٍّ يَقْطَعُ صَلٰوةَ الرَّجُلِ إِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ قِيدُ آخِرَةِ الرَّحْلِ الْحِمَارُ وَالْكَلْبُ الْأَسْوَدُ وَالْمَرْأَةُ، فَقُلْتُ مَا بَالُ الْأَسْوَدِ مِنَ الْأَحْمَرِ مِنَ الْأَصْفَرِ مِنَ الْأَبْيَضِ فَقَالَ يَا ابْنَ أَخِي سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا سَأَلْتَنِي فَقَالَ الْكَلْبُ الْأَسْوَدُ شَيْطَانٌ۔

(ترجمہ) ابوذرؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اور دوسری سند کے مطابق ابوذرؓ نے کہا کہ مرد کی نماز کو، جبکہ اس کے آگے کجاوے کی پچھلی لکڑی کی مقدار کی کوئی چیز نہ ہو، گدھا اور کالا کتا اور عورت قطع کر دیتے ہیں۔ عبداللہ بن صامت نے ابوذرؓ سے کہا کہ کالے کتے کی سرخ، زرد اور سفید کتے سے کیا تخصیص ہے؟ ابوذرؓ نے کہا کہ میرے بھتیجے جس طرح تو نے مجھ سے پوچھا ہے میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح پوچھا تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ کالا کتا شیطان ہے۔

(شرح) یہ حدیث مسند امام احمد میں ابوذرؓ پر موقوف روایت ہوئی ہے مگر امام مسلم نے اپنی سند سے مرفوع بیان کی ہے۔ بعض شارحین نے کہا ہے کہ نمازی کی نماز خراب کرنے کے لئے شیطان کالے کتے کی صورت میں آجاتا ہے۔ دوسروں نے کہا کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ ضرر کے لحاظ سے کالا کتا دوسرے رنگ کے کتوں سے زیادہ شدید ہوتا ہے اس لئے اسے شیطان کہا گیا ہے۔ اس حدیث میں قطع صلوٰۃ سے کیا مراد ہے؟ فقہاء کا اس میں اختلاف ہوا ہے۔ علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ اس باب کی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کتا، عورت اور گدھا نماز کو قطع کر دیتے ہیں اور قطع سے مراد ابطال ہے۔ صحابہ کی ایک جماعت کا یہی مسلک تھا یعنی ابوہریرہؓ اور انسؓ اور ایک روایت کے مطابق ابن عباسؓ اور ابوذرؓ اور ابن عمرؓ کا بھی یہی مذہب تھا، تابعین میں سے حسن بصریؒ اور ابوالاحوص کا یہی مسلک ہے۔ ائمہ میں سے احمد بن حنبل کا یہ مذہب تھا مگر وہ حسب روایت ترمذی

قطع صلوٰۃ کو سیاہ کتے کے ساتھ خاص کرتے تھے اور عورت اور گدھے میں متوقف تھے۔ اہل ظاہر کا بھی یہی مسلک ہے کہ یہ تین مذکور چیزیں نماز کو قطع کر دیتی ہیں، جبکہ کتا اور گدھا نمازی کے سامنے ہو، چاہے گزرے یا نہ گزرے، چھوٹا ہو یا بڑا، زندہ ہو یا مردہ۔ اسی طرح عورت جبکہ مرد کے سامنے ہو، گزر رہی ہو یا کھڑی یا بیٹھی ہو، چھوٹی ہو یا بڑی ہو۔ ہاں اگر وہ لیٹی ہوئی ہو تو یہ حکم نہ ہوگا۔ اسحاق بن راہویہ کا یہ مذہب تھا کہ صرف کالا کتا نماز کو قطع کرتا ہے۔ امام مالکؒ اور شافعیؒ کا یہ مذہب ہے، اور نوویؒ نے اسے جمہور سلف و خلف کا مذہب بتایا ہے کہ کسی چیز کا گزرنا نماز کو باطل نہیں کرتا۔ نوویؒ نے کہا کہ ان حضرات نے حدیث کی یہ تاویل بیان کی ہے کہ اس سے مراد قطع خشوع و خضوع ہے، اس سے نماز میں نقص واقع ہو جاتا ہے کیونکہ نمازی کا دل ان چیزوں میں مشغول ہو جاتا ہے اور قطع صلوٰۃ سے ابطال مراد نہیں ہے۔ بعض فقہاء نے اس حدیث کو ایک دوسری حدیث کے باعث منسوخ قرار دیا ہے جو یہ ہے کہ: نماز کو کوئی چیز قطع نہیں کرتی اور طاقت کے مطابق گزرنے والے کو باز رکھو۔ نوویؒ نے کہا کہ یہ تاویل غیر پسندیدہ ہے کیونکہ نسخ کا قول اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ احادیث کو جمع کرنا ناممکن ہو اور تاریخ کا علم ہو کہ متقدم حدیث کونسی ہے اور متاخر کونسی؟ اور یہاں یہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔ نہ تو ان دونوں حدیثوں کا جمع کرنا دشوار ہے اور نہ ان کے تقدم و تاخر کا علم ہے۔ علاوہ ازیں یہ حدیث کہ: لا یقطع الصلوٰۃ شیٔ ضعیف ہے۔ نسخ کا قول حافظ ابن عبد البر اور طحاوی سے مروی ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ نوویؒ کے اس قول میں مجال گفتگو موجود ہے کہ حدیث "لا یقطع الصلوٰۃ شیٔ" ضعیف ہے۔ یہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے جن میں سے بعض طرق صحیح ہیں گو اکثر ضعیف ہیں۔ یہ حدیث ابو سعیدؓ سے مروی ہے، اس روایت میں بقول شوکانی ابراہیم بن یزید الخوزی ضعیف اور متکلم فیہ ہے۔ پھر دار قطنی نے یہ حدیث ابن عمرؓ سے روایت کی ہے جس میں ابراہیم الخوزی ضعیف راوی ہے اور متن حدیث میں کچھ اضافہ بھی ہے۔ محدث عراقی نے کہا کہ ابن عمرؓ سے صحیح روایت مؤطا اور دار قطنی میں ہے جو موقوف ہے۔ مولاناؒ نے کہا کہ یہ روایت بیشک موقوف ہے لیکن بروئے اصول یہ مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ یہ شرعی حکم ہے جو عبادت سے متعلق ہے اور اس قسم کی بات محض رائے اور اجتہاد سے نہیں کہی جاتی۔ گویا یہ ابن عمرؓ کا فتویٰ ہے جو مرفوع حدیث پر مبنی تھا اور ابن عمرؓ کو یہ بھی معلوم تھا کہ دوسری صحیح احادیث اس کے خلاف ہیں (گو انہوں نے ان کی وہی تاویل کی جو اوپر مذکور ہوئی کہ قطع صلوٰۃ سے مراد ابطال نہیں بلکہ قطع خشوع و خضوع ہے)۔ اسی مضمون کی حدیث دار قطنی نے انسؓ سے روایت کی ہے اور وہ بھی ضعیف ہے (فتح الباری) طبرانی نے معجم اوسط میں جابرؓ سے اسی قسم کی حدیث روایت کی ہے جس کی سند میں یحییٰ بن میمون تمار ایک ضعیف راوی ہے۔ معجم طبرانی کبیر میں ابو امامہؓ سے بھی یہ حدیث موجود ہے جس کی سند میں عفیر بن معدان ضعیف راوی ہے۔ دار قطنی نے اسے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے جس کی سند میں اسحاق بن عبد اللہ بن ابی فروہ متروک راوی ہے۔ سعید بن منصور نے حضرت عثمانؓ اور علیؓ اور دیگر صحابہ سے صحیح سندوں کے ساتھ اس حدیث کو موقوف روایت کیا ہے۔ طحاوی نے علیؓ و عثمانؓ کے علاوہ حذیفہؓ سے بھی اس کی روایت کی ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ معجم طبرانی اوسط کی حدیث جو جابرؓ سے مروی ہے اس کے راوی یحییٰ بن میمون تمار کے متعلق مجمع الزوائد میں ہے کہ ابن حبان نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے۔ معجم طبرانی کبیر کی ابو امامہؓ کی حدیث کو صاحب مجمع الزوائد نے حسن کہا ہے۔ دار قطنی کی حدیث جو انسؓ سے مروی ہے اور شوکانی نے اسے ضعیف کہا ہے مگر ضعف کو کسی راوی کی طرف منسوب نہیں کیا صرف حافظ ابن حجرؒ کی تقلید میں اسے ضعیف کہہ دیا ہے۔ اس کے ضعف کا باعث یہ ہے کہ ضمر بن عبد اللہ بن حرملہ راوی کے متعلق ابن الجوزی

نے کہا کہ ابن عدی اور ابن حبان نے اس پر وضع حدیث کی تہمت رکھی ہے لیکن ابن حجر نے تہذیب میں کہا ہے کہ نسائی نے اُسے صالح کہا ہے اور ابن حبان نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ عجلی نے اسے نام لیکر ثقہ کہا ہے۔ ابن جوزی کا کلام اس سلسلے میں وہم پر مبنی ہے۔ انہوں نے جس راوی پر الزام رکھا ہے وہ اور ہے جس کا نام صخر بن عبداللہ حاجبی تھا۔ حافظ صاحب نے کہا کہ میں نے اس کی وضاحت لسان المیزان میں مدلل کی ہے۔

۷۰۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ زَيْدٍ يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَفَعَهُ شُعْبَةُ قَالَ يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ الْمَرْأَةُ الْحَائِضُ وَالْكَلْبُ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَافَقَهُ سَعِيدٌ وَهِشَامٌ وَهَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

(ترجمہ) ابن عباسؓ نے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ جوان عورت (یا حیض والی عورت) اور کُتا نماز کو قطع کر دیتے ہیں۔ دوسری روایت جو قتادہ سے سعید بن ابی عروبہ، ہشام دستوائی اور ہمام بن یحییٰ نے اسی حدیث کی کی ہے وہ ابن عباسؓ پر موقوف ہے (گویا ابوداؤد کے نزدیک اس روایت کا موقوف ہونا مرفوع ہونیکی نسبت قوی تر ہے)

(شرح) قطع صلوٰۃ پر کچھ بحث اوپر گزری۔ صاحب مظاہر حق مولانا نواب قطب الدین نے لکھا ہے کہ جمہور علماء ائمت صحابہ و تابعین کا یہ مذہب ہے کہ کسی کے سامنے سے گزر جانے سے، خواہ عورت، گدھا اور کُتا ہو یا کوئی اور، نماز پر اثر نہیں پڑتا۔ سُترا کھڑا کرنا حضور قلب کی خاطر ہے۔ قطع صلوٰۃ سے مُراد خشوع و خضوع میں نقص واقع ہوتا ہے۔ جوان عورت گزرے تو شیطان بُرے خیالات کی وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ گدھا ایک شریر اور احمق جانور ہے جسے دیکھ کر بعض دفعہ خارج از نماز بھی ہنسی آجاتی ہے۔ کُتا ایک نجس جانور ہے۔ لہٰذا احادیث میں ان کے متعلق جو کچھ آیا ہے وہ تشدید اور مبالغے پر معمول ہے تاکہ نمازی ان سے بچے۔ شاہ ولی اللہؒ نے تو اس مسئلہ پر گویا اجماع مجتہدین کے الفاظ لکھے ہیں کہ قطع صلوٰۃ سے مراد ابطال فرض صلوٰۃ نہیں ہے۔ ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ نے اس حدیث کا مطلب یہی سمجھا یا تھا (بخاری باب استقبال الرجل الرجل) اور اپنا واقعہ بیان فرمایا تھا کہ میں بارہا حضورؐ کے سامنے سوئی پڑی ہوتی تھی اور حضورؐ نماز پڑھتے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی چیز نمازی کے دل کو مشغول نہ کرے تو اُس کے آگے ہونے، رہنے یا گزرنے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ بیہقی نے باب مَنْ صَلّٰی اِلٰی غَیْرِ سُتْرَۃٍ میں ابن عباسؓ کی وہ حدیث بیان کی ہے کہ ابن عباسؓ بالکل بالغ ہونے ہی والے تھے کہ گدھی پر سوار ہو کر آئے۔ حضورؐ منیٰ میں کسی آڑ یا دیوار کے بغیر نماز پڑھ رہے تھے۔ ابن عباسؓ گدھی سمیت صف کے بعض حصے سے گزر گئے مگر کسی نے انہیں کچھ نہ کہا۔ دوسرے محدثین نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضورؐ کے آگے اس وقت سُترہ موجود ہوگا۔ مگر ابن عباسؓ کے اپنے الفاظ اس کے خلاف ہیں۔ علامہ سید انور شاہ نے فرمایا کہ قطع صلوٰۃ سے مُراد روح صلوٰۃ یعنی خشوع و خضوع کا قطع ہو جانا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اس سے مستثنیٰ ہے۔ (یعنی حضرت عائشہؓ کی حدیث کے باعث) اور چونکہ نماز ہر حیثیت سے قطع یعنی باطل نہیں ہوئی لہٰذا دو قسم کی احادیث صحیح اور ان کا مطلب درست ہے۔

۷۰۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا مُعَاذٌ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَحْسِبُهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ

اِلٰی غَیْرِ سُتْرَۃٍ فَاِنَّہٗ یَقْطَعُ صَلٰوتَہُ الْکَلْبُ وَالْحِمَارُ وَالْخِنْزِیْرُ وَالْیَھُوْدِیُّ وَالْمَجُوْسِیُّ وَ الْمَرْاَۃُ وَیُجْزِیُٔ عَنْہُ اِذَا مَرُّوْا بَیْنَ یَدَیْہِ عَلٰی قَذْفَۃٍ بِحَجَرٍ۔ قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ فِیْ نَفْسِیْ مِنْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ شَیْءٌ کُنْتُ اُذَاکِرُ بِہٖ اِبْرَاھِیْمَ وَغَیْرَہٗ فَلَمْ اَرَ اَحَدًا جَآءَ بِہٖ عَنْ ھِشَامٍ وَّلَا یَعْرِفُہٗ وَلَمْ اَرَ اَحَدًا یُّحَدِّثُ بِہٖ عَنْ ھِشَامٍ وَّاَحْسِبُ الْوَھْمَ فِیْہِ مِنِ ابْنِ اَبِیْ سَمِیْنَۃَ یَعْنِیْ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمٰعِیْلَ الْبَصْرِیَّ مَوْلٰی بَنِیْ ھَاشِمٍ وَالْمُنْکَرُ فِیْہِ ذِکْرُ الْمَجُوْسِیِّ وَفِیْہِ عَلٰی قَذْفَۃٍ بِحَجَرٍ وَّذِکْرُ الْخِنْزِیْرِ وَفِیْہِ نَکَارَۃٌ۔ قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ وَلَمْ اَسْمَعْ ھٰذَا الْحَدِیْثَ اِلَّا مِنْ مُّحَمَّدِ بْنِ اِسْمَاعِیْلَ بْنِ اَبِیْ سَمِیْنَۃَ وَاَحْسِبُہٗ وَھِمَ لِاَنَّہٗ کَانَ یُحَدِّثُنَا مِنْ حِفْظِہٖ۔

(ترجمہ) ابن عباسؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی سُترہ کے بغیر نماز پڑھ رہا ہو تو یہ چیزیں اس کی نماز قطع کردیتی ہیں: کُتا، گدھا، خنزیر، یہودی، مجوسی اور عورت، اور جب وہ پتھر گرنے کے فاصلے پر گزر جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ میرے دل میں اس حدیث کے متعلق کچھ کھٹک ہے جس کے متعلق میں ابراہیم وغیرہ سے مذاکرہ کرتا رہا ہوں۔ اس حدیث کو کسی اور نے ہشام سے روایت نہیں کیا نہ پہچانا اور نہ میرے اساتذہ میں سے کسی نے اسے ہشام سے روایت کیا ہے اور میرا خیال ہے کہ اس میں وہم ابن ابی سمینہ یعنی محمد بن اسماعیل بصری مولائے بنی ہاشم کی طرف سے ہے اور اس میں عجیب و غریب غیر معروف ذکر مجوسی کا ہے۔ اور یہ لفظ بھی منکر ہے: ایک پتھر کے گرنے کے فاصلے پر۔ اور اس میں خنزیر کا مذکور ہونا بھی منکر ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ میں نے یہ حدیث محمد بن اسمٰعیل بن ابی سمینہ کے سوا کسی سے نہیں سُنی اور میرا گمان ہے کہ اسے وہم ہوا ہے کیونکہ وہ ہمیں اپنی یاد سے ہی حدیث سُناتا تھا۔

(شرح) مولاناؒ کی تحقیق یہ ہے کہ محمد بن اسماعیل ابن ابی سمینہ بصری، ابوعبداللہ مولائے بنی ہاشم ثقہ راوی ہے اور ایک اور محمد بن اسمٰعیل بصری مولائے بنی ہاشم بھی ہے جسے ابو حاتم نے مجہول کہا ہے۔ لیکن ابن عساکر کا قول ہے کہ میرے نزدیک یہی محمد بن اسماعیل بن ابی سمینہ ہے۔ تقریب میں ہے کہ اس کے ابن ابی سمینہ ہونے کا احتمال ہے، ورنہ وہ مقبول ہے۔ یعنی حافظ کے نزدیک اگر یہی ابن ابی سمینہ ہے تو مجہول ہے ورنہ نہیں۔ پس اس گفتگو سے اس راوی کے متعلق خلط ملط ہوگئی اور اس کی روایت درست نہ رہی ابوداؤد نے تو اسی کو ابن ابی سمینہ مولائے بنی ہاشم کہا ہے اور اوپر گزرا ہے کہ وہ ثقہ راوی ہے۔ پھر اس حدیث کی سند میں یحییٰ راوی کون ہے؟ یحییٰ بن سعید انصاری ہے، یا یحییٰ بن ابی کثیر؟ اس کی بھی تعیین نہیں ہوسکی جیسا کہ مولاناؒ نے فرمایا ہے۔ پھر قال احسبہٗ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ابن عباسؓ کا قول ہے تو انہیں گویا خود اس حدیث کے مرفوع ہونے میں شبہ تھا! مولاناؒ نے فرمایا کہ یہ بعید ہے۔ خیال یہ ہے کہ اصل عبارت یوں ہے: اَحْسِبُہٗ قَالَ عَنْ الخ یعنی نیچے کا راوی کہتا ہے کہ میرے خیال میں میرے استاد نے عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ بھی بولا تھا اگر یہ بات ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جس کسی کا بھی قول تھا اسے اس کے حدیثِ مرفوع ہونے کا یقین نہ تھا محض گمان تھا!

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ ابوداؤد کا وہم کی نسبت اپنے استاذ ابن ابی سمینہ کی طرف کرنا بھی بعید ہے کیونکہ وہ ایک ثقہ راوی ہے۔ امام طحاوی نے یہ حدیث یوں روایت کی ہے: حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ دَاوٗدَ قَالَ حَدَّثَنَا الْمُقَدَّمِیُّ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ ھِشَامٍ حَدَّثَنَا اَبِیْ عَنْ

يَحْيَى عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَحْسِبُهُ أَسْنَدَهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقْطَعُ الصَّلوٰةَ الْمَرْأَةُ الْحَائِضُ وَالْكَلْبُ وَالْحِمَارُ وَالْيَهُودِيُّ وَالنَّصْرَانِيُّ وَالْخِنْزِيرُ يَكْفِيكَ إِذَا كَانُوا مِنْكَ قَدْرَ رَمْيَةٍ لَمْ يَقْطَعُوا عَلَيْكَ صَلوٰتَكَ۔ پس طحاوی کی یہ حدیث بعینہٖ ابوداؤد کی حدیث ہے۔ (بعض الفاظ کی کمی بیشی یا تغیر و تبدل کے ساتھ) اور اس میں محمد بن اسماعیل بصری نہیں ہے۔ اب اگر اس حدیث کو اس کی علتوں کے قطع نظر کرکے دیکھیں تو صاف نظر آتا ہے کہ اس میں صرف تین چیزوں یعنی عورت، گدھے اور کتے کا ذکر نہیں بلکہ کئی اور چیزیں بھی ہیں۔ اور یہ کہ اگر وہ اتنی دُور ہوں جہاں تمہارا پھینکا ہوا پتھر جا پڑے تو سُترہ کے بغیر بھی نماز میں کوئی خلل نہیں آتا۔ یہ اس بات کی تائید ہے کہ قطعِ صلوٰۃ سے مراد صرف وسوسہ، انتشارِ توجہ اور قطعِ خشوع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۷۰۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَنْبَارِيُّ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ مَوْلًى لِيَزِيدَ بْنِ نِمْرَانَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ نِمْرَانَ قَالَ رَأَيْتُ رَجُلًا بِتَبُوكَ مُقْعَدًا فَقَالَ مَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا عَلَى حِمَارٍ وَهُوَ يُصَلِّي فَقَالَ اللّٰهُمَّ اقْطَعْ أَثَرَهُ فَمَا مَشَيْتُ عَلَيْهَا بَعْدُ۔

(ترجمہ) یزید بن نمران نے کہا کہ میں نے تبوک میں ایک لُولا دیکھا، اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور میں ایک گدھے پر سوار آپؐ کے آگے سے گزر گیا۔ پس آپؐ نے دعا کی کہ اے اللہ زمین پر اس کا چلنا قطع فرمادے۔ پس اس کے بعد میں قدموں پر نہیں چلا ہوں۔

(شرح) مولائے یزید بن نمران اس روایت میں مجہول ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس کا نام سعید تھا۔ پھر وہ لُولا کون تھا؟ پھر اس کے حالات و اوصاف کیا تھے یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا۔ پس محدثانہ نقطۂ نظر سے اس روایت کی بھی کوئی ایسی حیثیت نہیں ہے کہ اس پر اعتماد کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

۷۰۶۔ حَدَّثَنَا كَثِيرُ بْنُ عُبَيْدٍ يَعْنِي الْمَذْحِجِيَّ حَدَّثَنَا أَبُو حَيْوَةَ عَنْ سَعِيدٍ بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ۔ زَادَ فَقَالَ قَطَعَ صَلوٰتَنَا قَطَعَ اللّٰهُ أَثَرَهُ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ أَبُو مُسْهِرٍ عَنْ سَعِيدٍ قَالَ فِيهِ أَيْضًا قَطَعَ صَلَاتَنَا۔

(ترجمہ) اُسی روایت کی دوسری سند میں ہے کہ حضورؐ کی دعا یہ تھی، اس نے ہماری نماز قطع کی ہے اللہ اس کا نشان (زمین پر چلنا) قطع کرے۔ ابوداؤد نے کہا کہ ابومسہر نے بھی سعید سے جو روایت کی ہے اس میں یہی لفظ ہیں۔

۷۰۷۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ الْهَمْدَانِيُّ ح وَحَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي مُعَاوِيَةُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ غَزْوَانَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ نَزَلَ بِتَبُوكَ وَهُوَ

حَاجٌّ فَإِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مُقْعَدٍ فَسَأَلَهُ عَنْ أَمْرِهِ فَقَالَ سَأُحَدِّثُكَ حَدِيثًا فَلَا تُحَدِّثْ بِهِ مَا سَمِعْتَ أَنِّي حَيٌّ ـ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ بِتَبُوكَ إِلَى نَخْلَةٍ فَقَالَ هَذِهِ قِبْلَتُنَا ثُمَّ صَلَّى إِلَيْهَا قَالَ وَأَنَا غُلَامٌ أَسْعَى حَتَّى مَرَرْتُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا فَقَالَ قَطَعَ صَلَاتَنَا قَطَعَ اللَّهُ أَثَرَهُ فَمَا قُمْتُ عَلَيْهَا إِلَى يَوْمِي هَذَا

(ترجمہ) غزوان کہتا ہے کہ میں حج کرنے جا رہا تھا اور تبوک میں منزل کی۔ اچانک میں نے ایک لُولا دیکھا اور اس سے اس کے حالات پوچھے۔ اس نے کہا کہ میں تجھے ایک بات بتاتا ہوں جب تک سُنے کہ میں زندہ ہوں یہ کسی سے نہ کہنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں ایک کھجور کے پاس نازل ہوئے (منزل فرمائی) اور فرمایا کہ یہ ہمارا سُترہ ہے پھر اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی۔ اس نے کہا کہ میں ابھی لڑکا ہی تھا میں دوڑتا ہوا آیا حتیٰ کہ آپ کے اور کھجور کے درمیان میں گزر گیا۔ پس حضورؐ نے فرمایا: اس نے ہماری نماز قطع کی ہے اللہ اس کا نشانِ قدم قطع کرے، پس میں آج کے دن تک پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکا۔

(شرح) عبدالحق اور ابن القطان نے اس سند کو ضعیف کہا ہے۔ سعید بن غزوان کو ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے مگر ذہبی نے میزان میں کہا ہے کہ سعید اور غزوان دونوں باپ بیٹا مجہول ہیں۔ ابن القطان نے کہا کہ غزوان کا کچھ پتہ نہیں اور حدیث بہت ضعیف ہے۔ میزان میں ہے کہ سعید بن غزوان کی یہی روایت ہے اور صرف اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ غزوان سے بھی اس کے بیٹے کے سوا کسی اور نے روایت نہیں کی۔

۱۱۳- بَابُ سُتْرَةُ الْإِمَامِ سُتْرَةٌ لِمَنْ خَلْفَهُ

باب۔ امام کا سُترہ اس کے مقتدیوں کا بھی سُترہ ہے

۷۰۸- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ الْغَازِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ هَبَطْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ثَنِيَّةِ أَذَاخِرَ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ يَعْنِي فَصَلَّى إِلَى جُدُرٍ فَاتَّخَذَهُ قِبْلَةً وَنَحْنُ خَلْفَهُ فَجَاءَتْ بَهْمَةٌ تَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ فَمَا زَالَ يُدَارِئُهَا حَتَّى لَصِقَ بَطْنُهُ بِالْجُدُرِ وَمَرَّتْ مِنْ وَرَائِهِ أَوْ كَمَا قَالَ مُسَدَّدٌ.

(ترجمہ) عبداللہ بن عمرو بن العاص نے کہا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اذاخر کی گھاٹی سے اُترے تو نماز کا وقت ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کھیت کی چار دیواری کی طرف نماز پڑھائی اور اسے سُترہ بنایا اور ہم آپؐ کے پیچھے تھے۔ پس ایک بھیڑ کا بچہ آیا جو آپؐ کے آگے سے گزرنا چاہتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر اسے ہٹاتے رہے حتیٰ کہ آپؐ کا پیٹ اس خندق سے جا لگا جو اس کھیت کے گرد تھی اور وہ بھیڑ کا بچہ اس کے پرے سے گزر گیا۔ یا مسدد نے کچھ اور الفاظ بولے تھے۔

(شرح) یعنی ابو داؤد کو استاد کے الفاظ پوری طرح یاد نہ تھے مگر ان کا مطلب ٹھیک یاد تھا۔ سو روایت کے بعد احتیاطاً یہ آخری جملہ بولا۔ اَوْ کَمَا قَالَ مُسَدَّدٌ۔ اس حدیث کی رُو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تو اس پست سی دیوار کا سُترہ بنایا مگر لوگوں کو الگ الگ سُترے کا حکم نہیں دیا جس سے معلوم ہوا کہ امام کا سُترہ مقتدیوں کا بھی سُترہ ہے۔ وہ جب بھیڑ کا بچہ لوگوں کے آگے سے گزر گیا تو اس کی پرواہ کی گئی مگر جب وہ امام کے اور سُترے کے درمیان سے گزرنے لگا تو اسے روکا گیا۔ یہ دوسری دلیل اس مسئلہ کی ہو گئی۔

۷۰۹۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَّحَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ الْجَزَّارِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ فَذَهَبَ جَدْيٌ يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يَتَّقِيْهِ۔

(ترجمہ) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے تو بکری کا ایک چھ سات ماہ کا بچہ سامنے سے گزرنے لگا اور آپؐ اس کے گزرنے سے بچنے کی کوشش کرتے تھے۔

(شرح) یحییٰ بن جزار کوفی بقول جوزجانی، ابن سعد اور عجلی غالی رافضی تھا اور اس نے یہ حدیث ابن عباسؓ سے نہیں سُنی۔ ابن ابی خیثمہ کی روایت میں ہے کہ اس نے خود کہا: میں نے یہ روایت ابن عباسؓ سے نہیں سُنی۔ اگر اس روایت کا قصہ وہی اوپر والا ہے تو خیر ورنہ اس کا باب کے عنوان سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہو رہا۔ (فتح الودود) شائد ابو داؤد کا بھی خیال ہو اور اسی لئے یہاں اسے درج کیا ہو۔

۱۱۴۔ بَابُ مَنْ قَالَ الْمَرْأَةُ لَا تَقْطَعُ الصَّلٰوةَ

باب۔ جنہوں نے کہا کہ عورت نماز قطع نہیں کرتی

۷۱۰۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ كُنْتُ بَيْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ، قَالَ شُعْبَةُ وَاَحْسِبُهَا قَالَتْ وَاَنَا حَائِضٌ، قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ رَوَاهُ الزُّهْرِيُّ وَعَطَاءٌ وَّاَبُوْ بَكْرِ بْنُ حَفْصٍ وَّهِشَامُ ابْنُ عُرْوَةَ وَعِرَاكُ بْنُ مَالِكٍ وَّاَبُو الْاَسْوَدِ وَتَمِيْمُ بْنُ سَلَمَةَ كُلُّهُمْ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رض وَاِبْرَاهِيْمُ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رض وَاَبُو الضُّحٰى عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ رض وَالْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ وَاَبُوْ سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ رض لَمْ يَذْكُرُوْا وَاَنَا حَائِضٌ۔

(ترجمہ) عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قبلہ کے درمیان تھی۔ شعبہ نے کہا کہ میرا خیال ہے حضرت عائشہ رضی نے یہ بھی فرمایا کہ میں ماہواری ایام سے تھی۔ ابو داؤد نے عروہ سے اسی حدیث کی روایت کرنے والے یہ سات آدمی

گنوائے جن میں سے کسی نے یہ آخری جملہ نہیں روایت کیا، زہری، عطاء، ابوبکر بن حفص، ہشام بن عروہ، عراک بن مالک، ابوالاسود اور تمیم بن سلمہ۔ پھر بتایا کہ یہی روایت حضرت عائشہؓ سے اسود، مسروق، قاسم بن محمد اور ابوسلمہ نے کی مگر یہ آخری جملہ نہیں بولا۔ (پس یہ جملہ بروئے اصولِ حدیث شاذ ہوا جسے گیارہ ائمہ حدیث کی جماعت نے روایت نہیں کیا)

۷۱۱۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رض أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي صَلَاتَهُ مِنَ اللَّيْلِ وَهِيَ مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ رَاقِدَةٌ عَلَى الْفِرَاشِ الَّذِي يَرْقُدُ عَلَيْهِ حَتَّى إِذَا أَرَادَ أَنْ يُوتِرَ أَيْقَظَهَا فَأَوْتَرَتْ

(ترجمہ) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ تہجد پڑھتے تھے اور وہ آپؐ کے اور قبلہ کے درمیان عرضاً آرام فرما رہتیں، اسی بستر پر جس پر حضورؐ سویا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ جب آپؐ وتر پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو انہیں جگا دیتے اور وہ بھی وتر ادا کرتیں۔

۷۱۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ قَالَ سَمِعْتُ الْقَاسِمَ يُحَدِّثُ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ بِئْسَمَا عَدَلْتُمُونَا بِالْحِمَارِ وَالْكَلْبِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَأَنَا مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَ يَدَيْهِ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَسْجُدَ غَمَزَ رِجْلِي فَضَمَمْتُهَا إِلَيَّ ثُمَّ يَسْجُدُ

(ترجمہ) عائشہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا: یہ بُری بات ہے کہ تم نے ہمیں گدھے اور کُتے کے برابر کر دیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا اور میں آپؐ کے سامنے عرضاً لیٹی ہوتی تھی، پس جب آپؐ سجدہ کرنے کا ارادہ فرماتے تو میرے پاؤں کو چھوتے اور میں پاؤں سمیٹ لیتی پھر آپؐ سجدہ کرتے تھے۔

(شرح) اس حدیث سے ام المؤمنین عائشہؓ نے یہ استدلال فرمایا کہ عورت جب مرد کے سامنے ہو یا آگے سے گزر جائے تو مرد کی نماز میں کوئی خلل نہیں پڑتا کیونکہ عورت کا سامنے پڑا ہونا تو گزر جانے سے شدید تر ہے۔ سو جب اس نماز قطع نہیں ہوتی تو صرف گزرنے سے بدرجۂ اَولیٰ قطع نہیں ہوتی۔ اس سے ابن بطال وغیرہ کا یہ قول باطل ثابت ہوا کہ انہوں نے کہا: کہ عورت جب سامنے بیٹھی ہو تو نماز قطع نہیں ہوتی لیکن اس کا سامنے سے گزرنا جائز نہیں۔ علاوہ ازیں جب حضرت عائشہؓ نے یہ فرمایا اور لوگ خاموش رہے تو گویا انہوں نے امّ المؤمنینؓ کی دلیل کو تسلیم کر لیا اور اس پر اجماع ہو گیا۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ امام مسلم نے اس حدیث کو یوں روایت کیا ہے کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتی اور میں اس چارپائی پر ہوتی جو حضورؐ کے اور قبلہ کے درمیان ہوتی تھی، پھر مجھے کوئی طبعی یا فطری ضرورت بھی لاحق ہوتی تو میں بیٹھنا ناپسند کرتی تھی مبادا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہو، لہٰذا میں آپؐ کے پاؤں کے پاس سے آہستہ سے کھسک جاتی تھی۔ پس مسلم کی حدیث کا یہ لفظ مرور (گزرنے) میں صریح ہے کیونکہ انسلال کا معنیٰ مرور ہی ہے۔ شاید ابن بطال کو یہ حدیث یاد نہ رہی ہو۔

۷۱۳۔ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ النَّضْرِ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ أَبِي النَّضْرِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ كُنْتُ أَكُونُ نَائِمَةً وَرِجْلَايَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَسْجُدَ ضَرَبَ رِجْلِيَ فَقَبَضْتُهُمَا فَسَجَدَ۔

(ترجمہ) عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں سوئی ہوئی ہوتی اور میرے پاؤں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوتے درآنحالیکہ آپ نمازِ تہجد پڑھتے ہوتے تھے۔ پس جب سجدے کا ارادہ کرتے تو میرے پاؤں کو چھوتے تو میں انہیں سمیٹ لیتی اور آپ سجدہ کرتے تھے (یہ یاد رہے کہ اُن دنوں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے)

۷۱۴۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ ح وَحَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ مُحَمَّدٍ وَهٰذَا لَفْظُهُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ كُنْتُ أَنَامُ وَأَنَا مُعْتَرِضَةٌ فِي قِبْلَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُصَلِّي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَمَامَهُ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُوتِرَ، زَادَ عُثْمَانُ، غَمَزَنِي، ثُمَّ اتَّفَقَا، فَقَالَ تَنَحَّيْ

(ترجمہ) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں سوئی ہوئی ہوتی تھی اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عرضاً پڑی رہتی تھی، پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے اور میں آپ کے آگے ہوتی پھر جب آپ وتر پڑھنے کا ارادہ کرتے تو آپ فرماتے کہ اٹھ کر ایک طرف ہو جاؤ۔

(شرح) وتر کا ذکر پہلے بھی گزرا ہے۔ اس حدیث میں یہ لفظ تھے کہ وتر پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو حضرت عائشہؓ کو جگا دیتے اور وہ بھی وتر پڑھتیں۔ علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے متعلق مروی ہے کہ ان کے نزدیک کتا، گدھا اور بلی نماز کو قطع کر دیتے ہیں مگر عورت نہیں کرتی، شاید اس مسلک پر ان کی دلیل یہ احادیث ہیں جنہیں صلوٰۃ اللیل میں ان کا حضورؐ کے سامنے عرضاً سویا ہونا آیا ہے۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ سامنے لیٹے ہونا مرور نہیں ہے۔ اور عائشہؓ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ عورت نماز کو قطع کر دیتی ہے، پس ان کی یہ روایت ان کے خلاف دلیل ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اوپر ایک حدیث میں انسلال کا لفظ آیا ہے جو مرور ہی کے معنیٰ میں ہے۔ اور شوکانی کے اس قول کا جواب کہ: ان کی یہ روایت خود ان کے خلاف حجت ہے، یہ ہے کہ یہ کئی وجوہ سے باطل ہے۔ پہلی یہ کہ ان کی یہ روایت مسند احمد میں بیشک ہے اور بقولِ عراقی اس کے راوی ثقہ ہیں مگر یہ روایت بخاری ومسلم وغیرہما کی ان احادیث کا معارضہ نہیں کر سکتی جو حضرت عائشہؓ اور دیگر ازواج مطہرات سے وارد ہیں۔ دوسری یہ کہ ممکن ہے حضرت عائشہؓ کی مراد مسند احمد کی حدیث میں

قطع صلوٰۃ سے قطع خشوع ہو۔ تیسری وجہ یہ کہ خود علامہ شوکانی نے اس صلوٰۃ اللیل والی مذکورہ حدیث کو ان لوگوں کے رد میں پیش کیا ہے جو کہتے ہیں کہ عورت کے گزرنے سے نماز بالکلیہ باطل ہو جاتی ہے۔ پس ان وجوہ کے باعث علامہ شوکانی کا اعتراض غلط ہے اور احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

۱۱۵۔ بَابُ مَنْ قَالَ الْحِمَارُ لَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ

باب۔ جن کا قول ہے کہ گدھا نماز قطع نہیں کرتا

۷۱۵۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ جِئْتُ عَلٰى حِمَارٍ ح وَحَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ أَنَّهُ قَالَ أَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلٰى أَتَانٍ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الْاِحْتِلَامَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ بِمِنًى فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ فَنَزَلْتُ فَأَرْسَلْتُ الْأَتَانَ تَرْتَعُ وَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ أَحَدٌ۔ قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ وَهٰذَا لَفْظُ الْقَعْنَبِيِّ وَهُوَ أَتَمُّ قَالَ مَالِكٌ أَنَا أَرٰى ذٰلِكَ وَاسِعًا إِذَا قَامَتِ الصَّلٰوةُ۔

(ترجمہ) ابن عباس رضؓ نے کہا کہ میں ایک گدھی پر سوار ہو کر آیا اور اس وقت میں قریب البلوغ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں نماز پڑھا رہے تھے۔ پس میں صف کے کچھ حصے کے آگے سے گزرا اور گدھی سے اترا اور گدھی کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا اور صف میں داخل ہو گیا، پس کسی نے اُسے بُرا نہ منایا۔

(شرح) یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے اگرچہ مسلم کی روایت میں معمر نے شک کے ساتھ کہا ہے کہ حجۃ الوداع یا فتح مکہ کے دنوں کا واقعہ ہے۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ یہ عرفہ کا واقعہ ہے۔ ممکن ہے دو واقعات ہوں مگر حق یہ ہے کہ منیٰ کا واقعہ ہے جیسا بخاری میں بھی کہا ہے اور بخاری میں ہے کہ حضورؐ کسی دیوار کی طرف نماز نہیں پڑھ رہے تھے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ یہاں پر دیوار سے مراد سُترہ ہے اور اوپر مسند بزار سے اس کی تائید گزر چکی ہے۔ پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ گدھا نماز کو قطع نہیں کرتا۔ امام مالکؒ کی مراد یہی ہے۔

۷۱۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ يَحْيَى بْنِ الْجَزَّارِ عَنْ أَبِي الصَّهْبَاءِ قَالَ تَذَاكَرْنَا مَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍؓ فَقَالَ جِئْتُ أَنَا وَغُلَامٌ مِّنْ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَلٰى حِمَارٍ وَّرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فَنَزَلَ وَنَزَلْتُ وَتَرَكْتُ

الحمار امام الصف فما بالاہ وجاءت جاریتان من بنی عبد المطلب فدخلتا بین الصف فما بالا ذلک۔

(ترجمہ) ابو الصہباء کا بیان ہے کہ ہم نے ابن عباسؓ کے پاس اس بات پر گفتگو کی کہ نماز کو کونسی چیز توڑتی ہیں۔ پس ابن عباسؓ نے کہا کہ میں اور بنی عبد المطلب کا ایک لڑکا گدھے پر سوار ہو کر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ پس وہ لڑکا بھی اُترا اور میں بھی اُترا اور ہم نے گدھے کو صف کے آگے چھوڑ دیا، پس حضورؐ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اور بنی عبد المطلب کی دو لڑکیاں آئیں اور صف میں گھس گئیں مگر حضورؐ نے اس کی بھی پرواہ نہ کی۔

(شرح) امام نسائی ابو الصہباء کو ضعیف کہا ہے مگر دوسرے ائمہ حدیث اسے ثقہ قرار دیتے ہیں۔ یہ ابن عباسؓ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ معلوم یوں ہوتا ہے کہ ابن عباس کے پاس اس حدیث پر مذاکرہ ہوا ہوگا جس میں عورت، گدھے اور کتے کے نماز کو قطع کر دینے کا ذکر آتا ہے۔ ترمذی میں ابن عباس کے ساتھ آنے والے لڑکے کا نام مفضل بن عباسؓ آیا ہے جو عبد اللہ بن عباسؓ کا بھائی تھا، اور طحاوی کی روایت میں بھی یہی آیا ہے۔ گدھے سے مراد یہاں مؤنث گدھا ہے۔ حسب روایت گزشتہ۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ابن عباسؓ نے اس واقعہ سے یہ استدلال کیا تھا کہ گدھا اور عورت نماز کو قطع نہیں کرتے۔ اب ابن عباسؓ سے ان تین چیزوں کے قطع صلوٰۃ کی جو حدیث آئی ہے اس کا مطلب یہ معلوم ہو گیا کہ قطع سے مراد ابطال صلوٰۃ نہیں بلکہ محض تشویش قلب ہے۔

۷۱۷۔ حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ وداؤد بن مخراق الفریابی قالا حدثنا جریر بن منصور بہذا الحدیث باسنادہ۔ قال فجاءت جاریتان من بنی عبد المطلب فتتلتا فاخذھما، قال عثمان ففرع بینہما وقال داؤد ففزع احداھما عن الاخری فما بال ذلک۔

(ترجمہ) یہی حدیث دوسری سند سے: ابن عباسؓ نے کہا پس بنی عبد المطلب کی دو لڑکیاں آئیں اور باہم لڑ پڑیں پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکڑ کر ایک دوسری سے الگ کر دیا۔ اور اس کی پروا نہ کی (یعنی ان کا صفوں میں گزر جانا کوئی ایسی بات نہ سمجھی گئی جس سے نماز میں کوئی فرق آتا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ عورت کو چھونے سے وضوء نہیں ٹوٹتا)

۱۱۶۔ باب من قال الکلب لا یقطع الصلوٰۃ

باب۔ جنہوں نے کہا کہ کتا نماز کو قطع نہیں کرتا

۷۱۸۔ حدثنا عبد الملک بن شعیب بن اللیث حدثنی ابی عن جدی عن یحیی بن ایوب عن محمد بن عمر بن علی عن عباس بن عبید اللہ بن عباسؓ عن الفضل بن عباسؓ قال

أَتَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِي بَادِيَةٍ لَنَا وَمَعَهُ عَبَّاسٌ فَصَلَّى فِي صَحْرَاءَ لَيْسَ بَيْنَ يَدَيْهِ سُتْرَةٌ وَحِمَارَةٌ لَنَا وَكَلْبَةٌ تَعْبَثَانِ بَيْنَ يَدَيْهِ فَمَا بَالَى ذٰلِكَ۔

(ترجمہ) فضل بن عباسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم لوگ اپنے ایک صحرا میں تھے اور آپؐ کے ساتھ عباسؓ بھی۔ پس آپؐ نے صحراء میں سترہ کے بغیر نماز پڑھی اور ہماری ایک گدھی اور ایک کتیا آپؐ کے سامنے کھیل رہی تھیں۔ پس آپؐ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔

(شرح) محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب ہاشمی کی والدہ کا نام اسماء بنت عقیل تھا۔ ابن حبان نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے اور ابن القطان نے کہا ہے کہ اس کا حال نامعلوم ہے۔ عباس بن عبید اللہ بن عباسؓ کو ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ اس کی یہ روایت ابوداؤد کے علاوہ نسائی نے بھی بیان کی ہے۔ ابن حزمؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں انقطاع ہے کیونکہ عباس کی ملاقات اپنے چچا فضل بن عباس سے نہیں ہوئی۔ ابن حزم کا قول درست ہے اور ابن القطان نے اس عباس کو مجہول الحال بتایا ہے۔ اس حدیث میں جس جنگل کا ذکر ہے، مولانا فرماتے ہیں کہ اس میں عباس بن عبدالمطلب کا کچھ کھیتی باڑی کا کام تھا۔

۷۱۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ أَخْبَرَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ مُجَالِدٍ عَنْ أَبِي الْوَدَّاكِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ شَيْءٌ وَادْرَأُوا مَا اسْتَطَعْتُمْ فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ

(ترجمہ) ابوسعیدؓ خدری نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز کو کوئی چیز قطع نہیں کرتی اور تم طاقت بھر اسے ہٹاؤ کیونکہ وہ تو ایک شیطان ہے۔ (یعنی گزرنے والے کا ایک شیطانی فعل ہے، اسے اس پر شیطان نے آمادہ کیا ہے جس طرح شیطانی وسوسے اور دخل اندازی سے نماز قطع نہیں ہوتی، اس سے بھی نہیں ہوتی)

۷۲۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ حَدَّثَنَا مُجَالِدٌ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَدَّاكِ قَالَ مَرَّ شَابٌّ مِنْ قُرَيْشٍ بَيْنَ يَدَيْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَهُوَ يُصَلِّي فَدَفَعَهُ ثُمَّ عَادَ فَدَفَعَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ إِنَّ الصَّلٰوةَ لَا يَقْطَعُهَا شَيْءٌ وَلٰكِنْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ادْرَأُوا مَا اسْتَطَعْتُمْ فَإِنَّهُ شَيْطَانٌ۔ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَإِذَا تَنَازَعَ الْخَبَرَانِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُظِرَ إِلَى مَا عَمِلَ بِهِ أَصْحَابُهُ مِنْ بَعْدِهِ۔

(ترجمہ) ایک قریشی نوجوان ابو سعید خدریؓ کے آگے سے گزرا اور ابو سعیدؓ نماز میں تھے، پس انہوں نے اسے ہٹایا، وہ پھر آیا تو آپ نے اسے ہٹایا۔ تین بار ایسا ہی ہوا۔ جب ابو سعیدؓ نے نماز ختم کی تو فرمایا، نماز کو کوئی چیز قطع نہیں کرتی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جہانتک ہوسکے اُسے دُور کرو کیونکہ وہ شیطان ہے (اور شیطان کو دور کرنے کا حکم ہے) ابو داؤد نے کہا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثوں میں تعارض ہو جائے تو دیکھا جائے گا کہ آپؐ کے بعد آپؐ کے اصحاب نے کس پر عمل کیا ہے۔

(شرح) گویا ابو داؤد نے ابو سعیدؓ کے اس فعل کو فیصلہ کن قرار دیا ہے کہ نماز کو کوئی چیز قطع (باطل) نہیں کرتی مگر گزرنے والا شیطان ہے اس سے حتی الوسع بچنا لازم ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ ابو داؤد نے اس قول سے اپنے مذہب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ احادیث میں سے تو بعض میں کچھ چیزوں کے گزرنے سے نماز قطع ہو جانے کا ذکر آیا ہے اور بعض میں اس کے خلاف آیا ہے کہ بعض چیزوں کے یا کسی چیز کے بھی سامنے سے گزر جانے سے نماز میں فرق نہیں پڑتا (الا یہ کہ نمازی کو تشویش لاحق ہو جاتی ہے اور شیطان کی وسوسہ اندازی سے بچنے کی مانند ان چیزوں سے بھی بچنا چاہیئے تاکہ خشوع و خضوعِ صلوٰۃ میں فرق نہ پڑے) ابو داؤد نے کہا کہ احادیث میں جب تعارض ہو تو حضورؐ کے اصحاب کے عمل کو فیصلہ کن سمجھا جائے گا۔ اب ہم نے دیکھا کہ ابن عباسؓ سے تین چیزوں کے گزرنے سے قطعِ صلوٰۃ والی حدیث مروی ہے مگر انہوں نے حضورؐ کی وفات کے بعد فتویٰ اس کے خلاف دیا۔ بیہقی نے ابن عباسؓ کا فتویٰ نقل کیا ہے کہ بقول قرآن: پاکیزہ کلمے خدا کی طرف مرفوع ہوتے ہیں اور عملِ صالح انہیں اوپر لے جاتا ہے پس انہیں کون سی چیز صعود و رفع سے روک سکتی ہے؟ ہاں! نمازی کے سامنے سے گزرنا یا ان چیزوں کا اس کے سامنے آنا ناپسندیدہ (مکروہ) ہے۔ اسی طرح عائشہ صدیقہؓ سے عورت کے گزرنے سے نماز کے قطع ہونے کی حدیث مروی ہے مگر خود عائشہؓ نے حضورؐ کے بعد اس کے خلاف فتویٰ دیا اور قطعِ صلوٰۃ (بمعنیٰ ابطالِ صلوٰۃ) کا قول رکھنے والے کو شدید طریقے سے ڈانٹا اور ان کا رد کیا۔ اس مضمون میں ان کی مروی احادیث بھی گزر چکی ہیں۔ اسی طرح ابن عمرؓ نے قطعِ صلوٰۃ کے خلاف فتویٰ دیا۔ اسی طرح جنابِ عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے صحیح روایت کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے عدمِ قطع کا فتویٰ دیا تھا جو مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود ہے۔ حذیفہؓ سے یہی فتویٰ طحاوی نے روایت کیا ہے۔

صحابہ میں سے جن لوگوں سے نماز کے ابطال کا قول مروی ہے وہ بقولِ شوکانی یہ ہیں: ابو ہریرہؓ، انسؓ، ابن عباسؓ (ایک روایت میں) ابو ذرؓ، اور ابن عمرؓ سے یہ قول صرف کتے میں مذکور ہے۔ حکم بن عمرو غفاریؓ سے گدھے کے بارے میں یہ قول مروی ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ نے قطعِ صلوٰۃ کی حدیث تو روایت کی مگر فتویٰ ان کا اس کے خلاف تھا۔ دوسرے حضرات نے قطع کی روایت ضرور بیان کی مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا اپنا فتویٰ و مذہب یہی ہو۔ بعض محدثین کا یہ قاعدہ بن گیا ہے کہ جب کسی صحابی سے کوئی روایت دیکھیں تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ یہ اس کا مذہب ہے حقیقت اس کے برعکس بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ممکن ہے ان کے نزدیک قطعِ صلوٰۃ سے مراد قطعِ خشوع اور تشویش ہو۔ جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ کسی کے گزرنے کے باعث انہوں نے نماز لوٹائی یا کسی کو ایسا حکم دیا تھا اس وقت تک یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں صحابی کا یہ مذہب تھا۔ یہ دراصل بہت بڑا مغالطہ ہے جسے اچھی طرح سمجھ لینا لازم ہے۔

جن حضرات نے عدمِ قطع کا فتویٰ دیا ہے ان کا قول صریح ہے جس میں دوسرا احتمال نہیں ہے۔ پس محتمل کو محکم کی طرف لوٹانا ٹھہرا۔ یہ حدیث جو ابو داؤد سے روایت کی ہے کہ: اِنَّ الصَّلٰوۃَ لَا یَقْطَعُھَا شَیْءٌ۔ یہ ابو سعیدؓ کے علاوہ ابو امامہؓ، انسؓ

اور جابرؓ سے بھی آئی ہے اور نووی نے اسے ضعیف کہا ہے (یہ دارقطنی اور طبرانی میں بھی موجود ہے)۔ اس کا گو ہر طریق ضعیف ہو تاہم تعددِ طرق کے باعث اس میں قوت پیدا ہو چکی ہے اور اس سے استدلال صحیح ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ہمارا استدلال صرف اسی سے نہیں بلکہ دوسری بہت سی صحیح اور حسن احادیث سے ہے جنہیں یہ تقویت پہنچاتی ہے۔ تعددِ طرق سے ضعیف روایت حسن ہو جاتی ہے جیساکہ اصول میں ثابت ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بَابُ تَفْرِيْعِ اِسْتِفْتَاحِ الصَّلٰوةِ

بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ

رفع یدین کا بیان

۱۲۷۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ مَنْكِبَيْهِ وَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَّرْكَعَ وَبَعْدَ مَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ، وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً وَاِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ وَاَكْثَرُ مَا كَانَ يَقُوْلُ وَبَعْدَ مَا يَرْفَعُ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ وَلَا يَرْفَعُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپؐ نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے، اور رکوع سے اپنا سر اٹھانے کے بعد اور دو سجدوں کے درمیان نہیں اٹھاتے تھے۔

(شرح) رفع الیدین کے باب سے پہلے جو باب تفریع استفتاح الصلوٰۃ کے لفظ ہیں۔ ان کا مطلب مولاناؒ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ مصنف گویا چند ایسے ابواب بیان کرنا چاہتا ہے جن کا تعلق گزشتہ ابواب سے بھی ہے اور آئندہ ابواب کے ساتھ بھی۔ ان ابواب میں نماز کی ابتدا سے متعلق کچھ احادیث آئیں گی۔ یہ پہلی حدیث بتا رہی ہے کہ تکبیر اور رفعِ یدین ایک ساتھ ہونے چاہئیں مگر آئندہ حدیث کا مفاد یہ ہے ہاتھ پہلے اٹھائے جائیں اور تکبیر بعد میں کہی جائے۔ وائل ابن حجر کی روایت جو آگے گی وہ پہلی کی تائید کرتی ہے۔ علمائے حنفیہ کا اس میں اختلاف ہوا ہے۔ دُرِّ مختار میں ہے کہ ہاتھ تکبیر تحریمہ سے پہلے اٹھائے جائیں اور ایک قول یہ ہے کہ تکبیر کے ساتھ ہی اٹھائے جائیں۔ علامہ شامیؒ نے اس پر لکھا ہے کہ پہلا قول مجمع میں امام ابوحنیفہؒ اور محمدؒ کی طرف منسوب ہے، غایۃ البیان میں ہے کہ یہ قول عام علمائے حنفیہ کا ہے۔ مبسوط میں ہے کہ

ہمارے اکثر مشائخ کا ہے اور صاحبِ ہدایہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ دوسرے قول کو فتاویٰ تاتارخانیہ، خلاصہ، تحفہ،
بدائع اور محیط میں یوں لکھا ہے کہ ہاتھ اٹھانا اس وقت شروع کرے جبکہ تکبیر کی ابتداء ہو اور اس وقت ختم کرے جب
وہ ختم ہو۔ بقالی نے کہا کہ ہمارے سب اصحاب کا یہی قول ہے اور حلیہ میں اسی کو ترجیح دی ہے۔ ان دو کے علاوہ ایک تیسرا قول
بھی ہے اور وہ یہ کہ ہاتھ تکبیر کے بعد اٹھائے جائیں۔ اور یہ سب صورتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت ہوئی ہیں۔
اور البحر اور النہر کے بیان کے مطابق ہدایہ کا قول اولیٰ ہے۔

اس حدیثِ ابنِ عمرؓ میں ہاتھوں کا کندھوں کے برابر لے جانا آیا ہے۔ ابوداؤد نے وائلؓ بن حجر کی جو روایت درج کی
ہے اس میں ہے کہ ہاتھ کندھوں کے برابر ہوتے تھے اور دونوں انگوٹھے کانوں کے سامنے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ
دونوں ہاتھ کانوں کی محاذات میں ہوتے تھے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ہاتھ کانوں کے قریب سامنے ہوتے تھے۔
وائل ابن حجرؓ نے کہا کہ پھر میں مدینہ میں آیا تو لوگوں کو سینوں تک ہاتھ اٹھاتے دیکھا۔ وائلؓ کی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے انگوٹھے کانوں کی لوؤں تک اٹھاتے تھے۔ ابوداؤد کی ایک اور روایت میں براءؓ بن عازب
سے آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو کانوں کے قریب تک اٹھایا۔ مالکؓ بن حویرث کی روایت جو صحیح مسلم میں ہے
اس میں یہ الفاظ ہیں کہ حضورؐ ہاتھوں کو کانوں کے فروع تک اٹھاتے تھے۔ انہی مالکؓ بن حویرث کی روایت طحاوی میں ہے کہ حضورؐ
اپنے ہاتھوں کو کانوں کے اوپر کے حصے کے سامنے تک اٹھاتے تھے۔ یہ سب روایات الفاظ میں اگرچہ مختلف ہیں مگر معنی میں متفق
ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جب انگوٹھوں کو کانوں کی لوؤں کے برابر لے جائیں تو انگلیوں کی اوپر کی پوریں کانوں کے اوپر کے حصوں کے
برابر ہوتی ہیں بلکہ ان سے بھی اوپر اور ہتھیلیاں کندھوں کے برابر ہوتی ہیں۔ پس اس طرح یہ تمام روایات متفق ہو جاتی ہیں پس
جس شخص نے ہاتھوں کے نچلے حصوں کو دیکھا اس نے "کندھوں کے برابر" کا لفظ بولا۔ جس نے انگوٹھوں پہ نظر ڈالی اس نے "کانوں کے
برابر" کہا، اور جس نے انگلیوں کی پوروں کی طرف دیکھا اس نے "کانوں کے اوپر" کا لفظ استعمال کیا۔ پس اس بات کی کوئی ضرورت
نہیں کہ ان روایات کے لفظی اختلاف کو اختلافِ اوقات پر محمول کیا جائے۔

محدث علی القاری نے امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ جب وہ مصر میں داخل ہوئے تو اُن سے تکبیر کے وقت
رفع الیدین کی کیفیت پوچھی گئی تو انہوں نے کہا کہ نمازی اپنے ہاتھ اس طرح اٹھائے کہ اس کی ہتھیلیاں کندھوں کے برابر، اس کے انگوٹھے
کانوں کی لوؤں کے برابر اور اس کی انگلیوں کے اطراف کانوں کی بلندی کے برابر ہوں، کیونکہ ایک حدیث میں کندھوں تک ہاتھ اٹھانے
کا، دوسری میں کانوں تک اٹھانے کا اور تیسری میں کانوں کی بلندی تک اٹھانے کا ذکر آیا ہے۔ محدث علی القاری نے کہا کہ یہ احادیث
کی اچھی تطبیق ہے اور اسی کو ہمارے بعض مشائخ نے اختیار کیا ہے۔

یا پھر یوں کہا جاسکتا ہے کہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر آیا ہے یہ عذر کی حالت پر محمول ہے کیونکہ سردی کے زمانے میں
کمبل اور برنس وغیرہ پہنے جاتے تھے۔ لہٰذا کانوں تک ہاتھ لے جانا مشکل ہو جاتا تھا۔ اس پر ابوداؤد کی وہ روایت دلالت کرتی ہے
جو وائلؓ بن حجر سے آئی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کانوں تک ہاتھ اٹھاتے دیکھا تھا۔ پھر میں ان کے پاس آیا تو
لوگ نماز کے شروع میں سینوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے اور انہوں نے چغے اور کمبل اوڑھے ہوتے تھے۔ لیکن حنفیہ نے جو کہا ہے کہ انگوٹھے
کانوں کی لوؤں کو چھوئیں تو یہ ظاہر الروایت کی کتابوں میں نہیں آیا، لیکن متأخرین حنفیہ نے اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے۔ تو ممکن
ہے کہ اس پر وائلؓ بن حجر کی اس روایت سے استدلال کیا جائے جس میں ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں

اپنے کانوں کی لوؤں تک ہاتھ اٹھاتے دیکھا تھا۔ استدلال کا سبب اور طریقہ یہ ہے کہ کانوں کی لوؤں تک جب رفع کی انتہا ہو تو اس سے کانوں کو مس کرنا بطور لزوم ثابت ہو جاتا ہے۔ بعض احناف کا کلام اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ مس کا ذکر اس لئے نہیں کیا جاتا کہ وہ سنت ہے، بلکہ وہ محاذات کے ثابت ہونے کے لئے ہے۔ درِ مختار میں ہے کہ کانوں کی لوؤں کو مس کرتے ہوئے انگوٹھے بلند کرے، محاذات سے یہی مراد ہے کیونکہ اس کا متیقن مس کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اور البحر میں ہے کہ محاذات سے مراد یہی ہے کہ انگوٹھوں کے ساتھ کانوں کی لوؤں کو مس کرے تاکہ محاذات کا یقین ہو جائے۔ مگر اس ساری بحث سے یہی نکلا کہ ظاہر روایت میں صرف محاذات کا ذکر ہے مس کا نہیں۔ یہ حکم تو مرد کا ہے۔ عورت کے لئے ظاہر روایت میں کوئی حکم بیان نہیں ہوا مگر ابو حنیفہؒ سے حسن کی روایت یہ ہے کہ عورت بھی مرد کی مانند کانوں کے برابر ہاتھ اٹھائے اور اس کی ہتھیلیاں ستر کے حکم سے خارج ہیں۔ اور محمد بن مقاتل رازی نے حنفیہ سے روایت کی ہے کہ عورت کندھوں تک ہاتھ اٹھائے کیونکہ یہ اس کے لئے زیادہ ستر کا باعث ہے اور عورتوں کا معاملہ ستر پر مبنی ہوتا ہے، عورت سجدے اور رکوع میں بھی ستر کا ہی زیادہ خیال رکھے گی اور مرد کی مانند کھل کر رکوع اور سجدہ نہیں کریگی مصنف عبدالرزاق میں بعض صحابہ و تابعین کے آثار اس پر دلالت کرتے ہیں۔

اس حدیث میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ دو اور جگہ پر بھی رفع یدین کا ذکر آیا ہے۔ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین پر سب کا اجماع ہے۔ نوویؒ نے شرح مسلم میں اسے بالاجماع مستحب کہا ہے اور شرح المہذب میں اس رفع یدین کے استحباب پر امت کا اجماع نقل کیا ہے۔ ابن المنذرؒ نے کہا ہے کہ اس باب میں کسی کا اختلاف نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔ ابن حزم، اوزاعی، حمیدی، ابن خزیمہ اور امام احمد سے اس کا وجوب بمعنیٰ فرضیت منقول ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ جنہوں نے اسے واجب کہا ہے وہ بھی سوائے اوزاعی، حمیدی اور بعض مالکیہ کے اس کے ترک پر نماز کے باطل ہونے کا حکم نہیں دیتے۔ نوویؒ نے داؤد ظاہری سے بھی اس کا وجوب نقل کیا ہے اور وجوب کے قائلین میں احمد بن یسار اور نیشاپوری کا نام بھی ذکر کیا ہے (عینی شرح بخاری و نیل الاوطار شوکانی)

جہاں تک رکوع میں جاتے اور قومہ میں آتے وقت رفع یدین کا سوال ہے اس میں سلف و خلف کا اختلاف ہے ترمذی نے رفع یدین کی حدیث کی روایت کے بعد کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے بعض اہل علم اس کے قائل ہیں مثلاً ابن عمرؓ، جابرؓ، ابو ہریرہؓ، انسؓ، ابن عباسؓ اور عبداللہ بن زبیر۔ اور تابعین میں سے حسن بصری، عطاء، طاؤس، مجاہد، نافع، سالم بن عبداللہ اور سعید بن جبیر وغیرہم، اور یہی مذہب عبداللہ بن المبارک، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا ہے۔ پھر ترمذی نے ترک رفع کی حدیث کی روایت کے بعد کہا ہے کہ یہ مسلک بھی کئی اہل علم کا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے بھی اور تابعین میں سے بھی اور یہی سفیان اور اہل کوفہ کا ہے۔ عینی نے شرح بخاری میں کہا ہے کہ ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب تکبیر تحریمہ کے سوا رفع یدین کے قائل نہیں ہیں اور یہی قول ثوری، نخعی، ابن ابی لیلیٰ اور عاصم بن کلیب اور زفر کا ہے۔ ابن القاسم نے امام مالکؒ کا یہی مذہب بیان کیا ہے اور یہی مالکیہ کا مشہور و معمول بہ مذہب ہے۔ بدائع میں ہے کہ ابن عباسؓ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دس آدمیوں کو جنت کی بشارت دی تھی وہ نماز میں تکبیر تحریمہ کے سوا رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ ابن عباسؓ کے علاوہ دوسرے بزرگوں نے جن میں عبداللہؓ بن مسعود، جابرؓ بن سمرہ، براءؓ بن عازب، عبداللہؓ بن عمر اور ابو سعیدؓ خدری کا بھی ذکر کیا ہے۔

قائلین رفع کا استدلال کئی احادیث سے ہے۔ ایک تو ابن عمرؓ کی حدیث ہے جسے بیہقی، بخاری، مسلم اور ابوداؤد

وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ الجوہر النقی میں ہے کہ اس حدیث میں ایک اضافہ ہے یعنی دو رکعتوں کے بعد اٹھتے وقت رفعِ یدین کرنا اور یہ ثقہ کا اضافہ ہے جو قبول ہے مگر امام شافعیؒ اس کے قائل نہیں ہوئے حالانکہ اگر رکوع اور قومہ کے وقت رفعِ یدین ثابت ہے تو دو رکعت سے اٹھتے وقت بھی ثابت ہے۔ شوکانی نے بیہقی کی حدیثِ ابن عمرؓ کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ بیہقی نے اس میں ایک اضافہ کیا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر دم تک یہی عمل رہا۔ ابن المدینی نے کہا کہ میرے نزدیک یہ حدیث مخلوقات پر حجت ہے، جو بھی اسے سُنے اس پر لازم ہے کہ اس پر عمل کرے کیونکہ اس کی سند میں کوئی نقص نہیں۔ شوکانی نے اس حدیث کو ایک اور مقام پر نقل کر کے یہی کہا ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ شوکانی کے کلام سے یہ نکلتا ہے کہ ابن المدینی نے بیہقی کے اس اضافے کو تقویت دی ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا شک و شبہ ثابت ہے۔ اور اس میں کوئی کلام نہیں ہوا، حالانکہ یہ غلط ہے۔ آثار السنن میں شیخ نیموی نے کہا ہے کہ یہ ایک ضعیف بلکہ موضوع حدیث ہے۔ اس کے راوی عبدالرحمٰن بن قریش بن خزیمہ الہروی ساکن بغداد پر سلیمانی نے حدیث گھڑنے کی تہمت لگائی ہے (میزان الاعتدال) یہ بات حیرت انگیز ہے کہ لوگوں نے اسے کس طرح اپنی کتابوں میں درج کیا اور اس پر خاموش رہے۔ پھر اس کے ایک راوی عصمہ بن محمد الانصاری کو ابو حاتم نے غیر قوی اور یحییٰ نے کذاب، واضع الحدیث، باطل روایتیں بیان کرنے والا لکھا ہے، دار قطنی نے اسے متروک الحدیث کہا ہے۔

ان کا استدلال مالک بن الحویرث کی حدیث سے بھی ہے جسے بخاری، مسلم، ابو داؤد اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اور ابو حمیدؓ ساعدی کی حدیث سے بھی جسے ابو داؤد، ترمذی اور بیہقی وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ الجوہر النقی میں ہے کہ یحییٰ ابن سعید القطان جو جرح و تعدیل میں لوگوں کا امام ہے اس نے کہا ہے عبدالحمید بن جعفر اس حدیث کا راوی اپنی حدیث میں مطعون ہے۔ اور امام طحاوی نے کہا ہے کہ محمد بن عمرو کا سماع ابو حمیدؓ سے ثابت نہیں ہے اور نہ ابو قتادہ سے۔ ابو قتادہ حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ میں شہید ہوئے اور علیؓ نے ان کا جنازہ پڑھایا تھا مگر محمد بن عمرو کی عمر اس وقت بہت ہی کم ہوگی ہیثم بن عدی نے بھی یہی کہا ہے۔ حافظ ابن عبد البر نے کہا کہ یہی صحیح ہے۔ اسی لئے حافظ ابن حزم نے کہا ہے کہ اس حدیث میں عبدالحمید نے وہم کیا ہے، اس حدیث کی سند اور متن میں اضطراب بھی ہے، کیونکہ عطاف بن خالد نے اُسے روایت کیا تو محمد بن عمرو اور النضر کے درمیان ایک مجہول شخص داخل کر دیا ہے۔ اور عطاف ثقہ ہے، ائمہ حدیث نے اس کی توثیق کی ہے۔ ان دونوں کے درمیان ایک واسطے کی دلیل یہ ہے کہ ابو حاتم ابن حبان نے یہ حدیث روایت کی ہے تو محمد بن عمرو اور ابو حمیدؓ ساعدی کے درمیان عباس بن سہل ساعدی کا واسطہ ذکر کیا ہے۔ اور مزی اور مقدسی نے بیان کیا ہے کہ ابو داؤد نے اس حدیث کو اسی سند سے بیان کیا ہے۔ بیہقی نے اس حدیث کو باب السجود علی الیدین والرکبتین میں یہ حدیث روایت کی تو محمد بن عمرو اور ابو حمیدؓ کے درمیان عیاش یا عباس بن سہل کا واسطہ بتایا۔ پھر اسی حدیث کو عیسیٰ بن عبداللہ عن العباس بن سہل عن ابی حمیدؓ روایت کیا اور محمد بن عمرو کو سند میں بیان نہیں کیا۔ پھر بیہقی نے باب القعود الخ میں کہا کہ اس کی سند یوں بھی ہے؛ عن عیسیٰ بن عبداللہ سمعہ من عباس بن سہل انہ حضر ابا حمیدؓ۔ پھر ابو حمیدؓ ساعدی کی حدیث میں دو رکعت سے قیام کے وقت بھی رفعِ یدین کا ذکر موجود ہے۔ اور اس میں جلسۂ ثانیہ میں سُرین پر بیٹھنے کا ذکر ہے اور اس کے بعد عباس بن سہل کی روایت جو بیہقی میں ہے اس میں بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنے کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اس روایت میں سند اور متن دونوں کا اضطراب موجود ہے۔

ان احادیث میں سے ابو بکر صدیقؓ کی حدیث بھی ہے جس کے راویوں کو بیہقی نے ثقہ قرار دیا ہے مگر الجوہر النقی میں ہے کہ

اس کا راوی ابواسمٰعیل سلمی متکلم فیہ ہے۔ دوسرا راوی محمد بن الفضل آخری عمر میں متغیر اور مختلط ہو چکا تھا۔ ابن حبان نے کہا کہ اس میں اتنا تغیر ہوا کہ اُسے یہ بھی معلوم نہ ہوتا تھا کہ کیا روایت کرتا ہوں۔ اس سبب سے اس کی حدیثوں میں بہت سی منکر احادیث شامل ہو گئی ہیں جب تک تحقیق نہ ہو اس کی روایت لینا جائز نہیں اور نہ ان پر اعتماد کرنا درست ہے۔ اگر بالفرض اس کے راوی ثقہ بھی ہوں تو اتصال کا ثبوت چاہیئے اور اس میں صغار نے سلمی سے صراحۃً حدیث سُننے کا ذکر نہیں کیا۔

ان میں سے ایک ابن عمرؓ کی حدیث ہے جسے بیہقی نے روایت کیا ہے۔ عن شعبۃ عن الحکم رأیت طاؤسا یکبر فرفع یدیہ حذو منکبیہ عند التکبیر و عند رکوعہ و عند رفعہ راسہ من الرکوع فسألت رجلاً من اصحابہ فقال انہ یحدث عن ابن عمرؓ عن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ بیہقی نے کہا کہ ابن عمرؓ کی روایت حضرت عمرؓ سے اور ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ابن عمرؓ کی روایت براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طرح صحیح ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس روایت کا مدار ایک مجہول شخص پر ہے جس کا نام یا اتہ پتہ الحکم نے نہیں بتایا۔ پھر ابن اصرم کی روایت علل الخلال میں ہے کہ امام احمدؒ نے اسے لیس بشیء کہا کہ اصل روایت صرف ابن عمرؓ سے ہے۔ اور بیہقی کی خلافیات میں ہے کہ غندر نے یہ روایت شعبہ سے کی (اور پر الی آدم عسقلانی عن شعبہ ہے) اور اس میں حضرت عمرؓ کا نام نہیں آیا۔

ان میں سے ایک حدیث علیؓ کی ہے جسے بیہقی نے روایت کیا ہے اس کی سند میں ایک راوی ابن ابی الزناد ہے جس کا نام عبدالرحمٰن ہے اور وہ مضطرب الحدیث ہے۔ ابوحاتم نے اسے ناقابل اعتبار اور ابن مہدی نے متروک ٹھہرایا ہے۔ پھر اس حدیث میں بھی ایک مقام پر رفعِ یدین کا اضافہ موجود ہے اور وہ ہے دو سجدوں سے اٹھنے کے وقت۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اب تک تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفعِ یدین کے لئے بیان شدہ مقامات (رکوع، قومہ، دوسری رکعت پڑھ کر اٹھنا) میں یہ چوتھے مقام کا اضافہ ہے جسے قائلینِ رفع کو اختیار کرنا چاہیئے حالانکہ وہ اسے تسلیم نہیں کرتے۔ بیہقی نے اس روایت کو باب افتتاح الصلوٰۃ بالتکبیر میں بیان کیا ہے اور اس کے ساتھ ابن جریج عن ابن عقبہ کی ایک روایت درج کی ہے جس میں رکوع اور قومہ کے وقت رفعِ یدین کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور کجا ابن جریج اور کجا ابن ابی الزناد، دونوں میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ بیہقی نے اس باب میں مسلم کی ایک حدیث کا حوالہ دیا ہے اس میں بھی رکوع اور قومہ کے وقت رفعِ یدین کا کوئی ذکر نہیں۔ امام طحاوی نے کہا ہے کہ حضرت علیؓ سے تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسرے مقام پر رفعِ یدین کا ترک ثابت ہے اور یہ محال ہے کہ جب تک ان کے نزدیک نسخ ثابت نہ تھا وہ ایسا کرتے (جیسا کہ پیچھے ابوداؤد کا فیصلہ گزرا ہے کہ احادیث کے تعارض کے وقت صحابہؓ کا عمل دیکھا جاتا ہے) بیہقی نے بخاری سے نقل کیا ہے کہ ۱۷ اصحاب سے رفعِ یدین کا عمل ثابت ہے جن میں سے ابن عمرؓ بھی ہیں۔ الجوہر النقی میں ہے کہ ابن عمرؓ سے اس کے خلاف مروی ہے۔ ابن ابی شیبہ نے صحیح سند سے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے ابن عمرؓ کو رفع یدین کرتے نہیں دیکھا مگر تکبیر تحریمہ کے وقت۔ بیہقی نے حضرت عمرؓ سے بھی رفعِ یدین کا عمل مروی ہونا بیان کیا ہے حالانکہ مصنف ابن ابی شیبہ میں صحیح سند کے ساتھ (علی شرط مسلم) اسود کی روایت آئی ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی تو دیکھا کہ انہوں نے صرف تکبیر تحریمہ میں رفعِ یدین کیا اور میں نے شعبیؒ اور ابراہیم اور ابواسحٰق کو رفعِ یدین نہ کرتے دیکھا مگر صرف تکبیر تحریمہ کے وقت۔ اور امام طحاوی نے بھی کہا ہے کہ ترکِ رفع حضرت عمرؓ سے ثابت ہو چکا ہے۔

علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں بڑی گھن گرج کے ساتھ لکھا ہے کہ رفعِ یدین کی احادیث ان چودہ[۱۴] اصحاب سے مروی ہیں اور ان کے ساتھ ابو حمیدؓ ساعدی دس دیگر صحابہ سمیت ملائے جائیں تو کل تعداد پچیس[۲۵] ہو جاتی ہے: ابن عمرؓ، عمرؓ بن الخطاب، علیؓ بن ابی طالب،

وائل بن حجرؓ، مالکؓ بن حویرث، انسؓ بن مالک، ابوہریرہؓ، ابو اسیدؓ، سہلؓ بن سعد، محمدؓ بن مسلمہ، ابوموسیٰ اشعریؓ، جابرؓ، عمیرؓ اللیثی، ابن عباسؓ۔ پھر علامہ نے کہا ہے کہ ان حضرات کی روایات کے سامنے ابن مسعودؓ کی روایت کی کیا حیثیت ہے حالانکہ اکثر معتبر ائمہ حدیث نے اس پر طعن کیا ہے اور پھر ان روایات میں ایک اضافہ ہے جو اصولاً مقبول ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ ابن عمرؓ کی رفع یدین والی روایت ان کے فعل سے معارض ہے جو امام طحاویؒ نے صحیح سند سے بروایت مجاہد نقل کیا ہے کہ ابن عمرؓ نے رفعِ یدین ترک کردیا تھا۔ یہ ترک ان کے نزدیک ثابت شدہ دلیل و حجت کی بناء پر ہی ہوسکتا تھا۔ پھر ابن عمرؓ کی حدیث کو بخاری نے جزء رفعِ یدین میں روایت کیا ہے اور اس میں دو سجدوں کے بعد اٹھتے وقت بھی رفعِ یدین کا ذکر موجود ہے۔ شوکانی نے ابوداؤد سے نقل کیا کہ یہ روایت ابن عمرؓ پر موقوف ہے اسی طرح اسے لیث، ابن جریج اور مالکؒ نے بھی موقوفاً روایت کیا ہے۔ دار قطنی نے علل میں اس کے رفع اور وقف میں اختلاف مانا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ نافع سے یہ روایت موقوف اور سالم سے مرفوع ثابت ہے جسکو بخاری نے جزء رفع الیدین میں روایت کیا ہے اور اس میں اضافہ ہے اور قابل قبول ہے۔

حضرت عمرؓ کی جس حدیث کا شوکانی نے ذکر کیا ہے وہ اس حدیث سے متعارض ہے جسے طحاوی اور ابن ابی شیبہ نے اسود سے روایت کیا ہے کہ: میں نے عمرؓ بن الخطاب کو دیکھا کہ وہ صرف تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نہیں۔ طحاوی نے کہا کہ یہ ایک صحیح حدیث ہے، حسن بن عیاش جس پر اس کی روایت کا مدار ہے وہ ثقہ اور حجت ہے جیسا کہ یحیی بن معین وغیرہ نے کہا ہے۔ سو تم ہی غور کرو کہ کیا حضرت عمرؓ بن الخطاب پر یہ بات مخفی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع و قومہ و سجود میں ہاتھ اٹھاتے تھے اور پھر عمرؓ بن الخطاب کو لوگ اس کے خلاف کرتے دیکھتے تھے تو کیسے یہ برداشت کرتے اور کیسے خاموش رہتے تھے، یہ بات تو ہمارے نزدیک محال ہے۔ حضرت عمرؓ کا یہ فعل اور صحابہؓ کی اس پر خاموشی اس بات کی صریح دلیل ہے کہ یہی واضح حق ہے جس کی مخالفت کسی کے لئے جائز نہیں۔ بیہقی نے حضرت عمرؓ سے رفع الیدین کی ایک حدیث روایت کی ہے مگر اس میں ایک راوی رشدین سعد ہے جو ضعیف ہے۔

حضرت علیؓ کی حدیث طحاوی، ابن ابی شیبہ اور بیہقی کی سند صحیح سے مروی حدیث کے خلاف ہے۔ اس میں عاصم ابن کلیب اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ تکبیر تحریمہ میں رفع یدین کرتے تھے اس کے بعد نہیں۔ پس یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ ابن ابی الزناد والی حدیث یا تو فی نفسہٖ تسلیم ہے اور یا اس میں رفع الیدین کا ذکر اصلاً نہیں ہے۔ کیونکہ ابن خزیمہ نے ہم سے (طحاوی سے) جو حدیث بمعیت ابن ابی داؤد روایت کی ہے اس کی سند اور متن ابن ابی الزناد کی حدیث کی مانند ہے مگر اس میں رفع یدین کا ذکر نہیں ہے۔ اور ابن ابی الزناد کی حدیث تو ویسے ہی درست نہیں (جیسا کہ اوپر گزرا ہے)

رہی وائل بن حجرؓ کی حدیث، تو وہ عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائلؓ بن حجر بھی مروی ہے اور عبدالجبار بن وائلؓ نے بھی وائلؓ سے روایت کی ہے، اور عبدالجبار نے کہا کہ حدثنی اہل بیتی عن ابی اور عبدالجبار بن وائل نے عن وائل بن علقمہ عن وائلؓ بن حجر بھی روایت کی ہے۔ جہاں تک عاصم بن کلیب کی روایت کا تعلق ہے اس میں رکوع اور قومہ کے وقت رفع الیدین کا ذکر نہیں ہے جبکہ شریک اسے روایت کی ہے اور بشر بن المفضل، زائدہ، عبدالواحد، شعبہ اور سفیان نے جب عاصم سے روایت کی تو اس میں رفع الیدین کا ذکر آیا ہے۔ عاصم کی روایت شریک کے طریق سے صحیح ہے لیکن حافظ ابن حجر نے ابن معین اور نسائی اور احمد بن صالح سے عاصم کی توثیق نقل کی اور ابن المدینی سے تضعیف نقل کی ہے، ابن المدینی نے کہا کہ جب عاصم کسی روایت میں منفرد ہو تو لائق اعتماد

نہیں۔(گویا اس طرح دونوں روایات ضعیف نکلیں) پھر عبدالجبار بن وائل کی حدیث مرسل بھی ہے مگر اس میں تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کا ذکر ہے دوسرے مقامات پر نہیں۔ اسی طرح عبدالجبار بن وائل عن اہل بیتہٖ کی سند مجہولوں سے ہے۔ اور اس میں رفعِ یدین کا ذکر تکبیر تحریمہ کے علاوہ نہیں ہے۔ پھر عبدالجبار بن وائل عن وائل بن علقمہ عن وائل بن حجر غلط ہے۔ عبدالجبار اور وائل بن حجر کے درمیان کا راوی علقمہ بن وائل ہے۔ تقریب میں یہی لکھا ہے۔ علاوہ ازیں علقمہ بن وائل کا سماع اپنے باپ وائلؓ سے مختلف فیہ ہے۔ تہذیب التہذیب میں یہی لکھا ہے بحوالہ ابن معین۔

رہی انسؓ کی حدیث، اس کے متعلق طحاوی نے کہا ہے کہ یہ انسؓ پر موقوف ہے مرفوع نہیں۔ اسے مرفوع بیان کرنیوالا صرف عبدالوہاب ثقفی ہے اور حُفّاظِ حدیث نے اسے انسؓ پر موقوف کیا ہے۔ دارقطنی نے بھی یہی کہا ہے۔

اب آگئی حدیثِ ابی ہریرہؓ، سو اس کے متعلق طحاوی نے کہا ہے کہ یہ روایت اسماعیل بن عیاش عن صالح بن کیسان ہے اور محدثین اسماعیل بن عیاش کو غیر شامیوں کی حدیث حُجّت نہیں مانتے۔ اور صالح بن کیسان شامی نہیں ہے، پس رفع الیدین پر استدلال کی خاطر یہاں پر ابن عیاش کیسے ثقہ اور حُجّت بن گیا؟ مولانا نے فرمایا کہ ابوداؤد نے اس حدیث کو ایک اور سند سے روایت کیا ہے لیکن اس میں یحییٰ بن ایوب ہے جو مختلف فیہ ہے۔

جہاں تک عبدالحمید بن جعفر کی حدیث کا سوال ہے۔ محدثین نے (بقول طحاوی) عبدالحمید کو ضعیف گردانا ہے اور اسے حجت نہیں مانا تو رفع الیدین کی حدیث میں وہ کیونکر حُجّت بن گیا؟ علاوہ ازیں محمد بن عمرو بن عطاء نے یہ حدیث ابو حمیدؓ سے یا اس حدیث میں بیان شدہ ان کے ساتھیوں سے نہیں سُنی۔ ان دونوں کے درمیان ایک مجہول شخص ہے۔ عطاف بن خالد نے اسی مجہول شخص کا ذکر اپنی روایات میں کیا ہے۔ اور ابو عاصم کی حدیث جو عبدالحمید سے ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ: فَقَالُوْا جَمِيْعًا صَدَقْتَ۔ یعنی سب اصحاب نے کہا کہ تُو نے سچ کہا۔ اس لفظ کا ذکر ابو عاصم کے سوا کسی نے نہیں کیا۔ طحاوی نے دو سندوں کے ساتھ ہُشیم اور یحییٰ بن سعید کی روایت بیان کی ہے جس میں: فَقَالُوْا جَمِيْعًا صَدَقْتَ کے الفاظ نہیں ہیں۔ اور عبدالحمید کے علاوہ بھی جنہوں نے یہ روایت کی ہے اس میں یہ لفظ نہیں ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری کی حدیث کو دارقطنی نے نضر بن شمیل کی سند سے بیان کیا ہے تو یہ حدیث مرفوع ہے مگر ابن المبارک کی سند سے یہ ابوموسیٰؓ پر موقوف ہے جیسا کہ بیہقی میں ہے۔ دارقطنی نے بھی مرفوع و موقوف دونوں روایتیں بیان کی ہیں۔

جابرؓ بن عبداللہؓ کی روایت سنن ابن ماجہ میں ہے جس میں ابوحذیفہ موسیٰ بن مسعود ضعیف راوی ہے۔ میزان میں ہے کہ اس میں احمدؒ نے کلام کیا ہے اور ترمذی نے ضعیف، ابن خزیمہ نے ناقابلِ احتجاج، عمرو بن علی نے تحدیث کے ناقابل، ابواحمد الحاکم نے غیر قوی، بندار نے ضعیف الحدیث قرار دیا ہے۔ تہذیب التہذیب میں بقولِ ابن قانع نے اسے ضعیف کہا ہے۔ ابوعبداللہ الحاکم نے کثیر الوہم، بُرے حافظے والا اور ساجی نے تضعیف کرنے والا اور لیّن کہا ہے۔

ابن ماجہ نے عمیر لیثی کی جو حدیث رفع یدین میں روایت کی ہے اس میں رفدہ قصاعہ بقولِ ابو حاتم منکر الحدیث، بقولِ بخاری بعض منکر حدیثوں والا، بقولِ نسائی غیر قوی، بقولِ دارالقطنی متروک ہے۔ ابن ماجہ نے اس کی صرف یہی ایک حدیث لی ہے اور ابن حبان نے کہا ہے کہ مشاہیر سے یہ شخص منکر حدیثیں بیان کرنے میں متفرد ہے، اس پر کوئی بھروسہ نہیں۔ یہ مقلوب سندیں اور متن روایت کرتا تھا۔ اس نے اوزاعی سے مسنداً مرفوعاً یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے ہر نشیب و فراز میں رفع یدین کرتے تھے۔ اس حدیث کی سند مقلوب ہے اور متن مُنکر ہے منہاؒ نے کہا کہ میں نے اس حدیث کے

متعلق امام احمدؒ اور یحییٰ سے پوچھا تو دونوں نے کہا کہ یہ صحیح نہیں۔ عبید بن عمیر کی روایت نہ اپنے باپ سے نہ دادا سے معروف ہے۔ یحییٰ نے کہا کہ رفدہ ایک ضعیف شیخ ہے۔ اور ان سب کے باوجود یہ حدیث مرسل بھی ہے۔ حافظ ابن حجر نے عمیر کا فتح مکہ میں آنا اور بغوی نے حجۃ الوداع میں آنا لکھا ہے اور ابویعلیٰ نے عمیر کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جنگ میں شہید ہونا لکھا ہے، گویا باپ بیٹے کی ملاقات حالتِ اسلام میں ثابت نہیں، پس یہ حدیث مُرسل ہے۔ عبید بن عمیر سے اس کا بیٹا عبیداللہ راوی ہے مگر اس نے باپ سے کچھ نہیں سُنا جیسا کہ بخاری نے بقول تہذیب التہذیب تاریخ اوسط میں کہا ہے۔

سنن ابن ماجہ میں ابن عباسؓ کی روایت کی سند میں عمر بن رباح ہے جسے بخاری نے بقول عمرو بن علی الفلاس دجال کہا ہے، نسائی اور دارقطنی نے متروک الحدیث، ابواحمد حاکم نے ذاہب الحدیث کہا ہے اور کہا ہے کہ اس نے ہر تکبیر پر رفع یدین کی روایت کی ہے۔ ابن عدی نے کہا ہے کہ وہ ابن طاؤس سے باطل احادیث کی روایت کرتا ہے جن کا کوئی متابع نہیں ہے اور اس کی حدیث کا ضعف واضح ہے۔ ابن حبان نے کہا کہ وہ ثقات سے موضوع روایتیں منسوب کرتا ہے اس کی حدیث کی کتابت حلال نہیں مگر از راہِ تعجب، عقیلی نے اسے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔ ساجی نے کہا کہ وہ باطل اور منکر حدیثیں بیان کرتا ہے۔

ابن عباسؓ کی حدیث جو سنن ابی داؤد میں ہے (ابن زبیرؓ کی نماز کے قصے میں) اس کی سند میں عبداللہ بن لہیعہ مشہور ضعیف راوی ہے۔ ابن معینؒ نے اسے ضعیف کہا ہے (میزان) یحییٰ بن سعید اسے لاشئ کہتا ہے۔ اس حدیث کی سند میں میمون المکی مجہول ہے (تقریب) میزان میں ہے کہ میمون المکی مجہول ہے اور اس سے عبداللہ بن ہبیرہ سبائی اس روایت میں متفرد ہے۔

سنن بیہقی میں ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کی جو روایات رفع الیدین میں آئی ہیں وہ بقولِ شیخ نیموی (آثار السنن) ضعیف ہیں۔ مندرجہ بالا احادیث وہ ہیں جن کا ذکر شوکانی نے کیا۔ مولانا فرماتے ہیں ان احادیث کو سند سمیت ہم نے پایا اور ان پر کلام کیا ہے مجمل جو روایات شوکانی نے ذکر کی ہیں وہ ہمیں نہیں مل سکیں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اپنے استاد ابوالفضل کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ رفع یدین کی روایت پچاس صحابہ سے آئی ہے۔ مجد الدین فیروز آبادی نے سفر السعادہ میں لکھا ہے کہ اس باب میں چار سو اخبار و آثار منقول ہوئے ہیں۔ لیکن ہمیں ان کے نام، احادیث یا سندیں نہیں ملیں۔

اب جہاں تک عدم رفع الیدین کا تعلق ہے، مانعین کے دلائل پیش کرنے سے قبل یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ ان کا موقف کیا ہے۔ مانعینِ رفع الیدین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہاتھ اٹھانے کے بعد بھی رفعِ یدین کیا تھا مگر وہ اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ایسا کیا اور عمر بھر اس عمل کو جاری رکھا۔ بالفاظِ دیگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ بھی کئی مواضع پر ہاتھ اٹھائے مگر پھر اس عمل کو ترک کر دیا تھا۔ مانعین نے اپنے اس دعویٰ پر کئی احادیث سے استدلال کیا ہے۔ ان میں سے ایک حدیث ترمذی، نسائی اور ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جیسی نماز پڑھاؤں؟ پس انہوں نے نماز پڑھائی تو صرف تکبیرِ تحریمہ پر ہاتھ اٹھائے پھر نہیں اٹھائے۔ حافظ ابن حزم نے اس حدیث کی تصحیح اور امام ترمذی نے تحسین کی ہے۔ ابن حزم کی شدت تو اظہر من الشمس ہے۔ اور پھر وہ علی الاعلان بیانگ دہل ظاہری مسلک پر عمل پیرا تھے اور اس پر فخر بھی کیا کرتے تھے، ان کا اس حدیث کی تصحیح کرنا ان لوگوں کے لئے لائق عبرت ہے جو اپنے مسلک کے خلاف

ہر حدیث کو (چاہے اس کا مرتبہ کتنا بلند ہو) معاذ اللہ رد کی ٹوکری میں ڈالنے پر تُلے رہتے تھے۔ امام ترمذی کی اصطلاحات سے جن لوگوں کو کچھ بھی واقفیت ہے وہ یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ ان کی تحسین دوسرے محدثین کی بعض دفعہ تصحیح کے برابر ہوتی ہے اس پر ان کی کتاب العلل شاہد عدل ہے۔

مانعینِ رفع یدین کی دوسری دلیل براء بن عازب کی حدیث ہے جسے طحاوی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ براءؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرنے کے لئے تکبیر کہتے تھے تو اپنے ہاتھ اُٹھاتے تھے حتیٰ کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کی لوؤں کے قریب پہنچ جاتے اور پھر دوبارہ نہ اٹھاتے۔ اس حدیث کو امام طحاویؒ نے اپنی تین سندوں سے روایت کیا ہے۔

تیسری حدیث طبرانی کی حدیث ہے جو اس نے اپنی دو سندوں سے ابن عباس سے اور ایک سند سے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رفع الیدین صرف سات موقعوں پر کیا جائے: نماز کی ابتداء میں، استقبالِ قبلہ کے وقت، صفا و مروہ پر، عرفات میں، مزدلفہ میں اور دو جمروں کے پاس۔ یہ حدیث علی بن مسہر نے اور امام بخاریؒ نے بھی (جزء رفع الیدین میں) ابن عباسؓ سے مرفوعًا روایت کی ہے۔

چوتھی دلیل صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ جابرؓ بن سمرہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو فرمایا: کیا بات ہے کہ میں تمہیں یوں ہاتھ اٹھاتے دیکھتا ہوں گویا وہ سیخ پا گھوڑوں کی دُمیں ہیں۔ نماز میں سکون کے ساتھ رہو۔

پانچویں دلیل عباد بنؓ زبیر کی حدیث ہے جسے بیہقی نے خلافیات میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تھے تو ابتداء میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہونے تک کہیں رفع یدین نہ کرتے تھے۔ یہ حدیث شیخ محمد ہاشم سندھی نے اپنے رسالے کشف الرین میں نقل کی ہے

قائلینِ رفعِ یدین نے پہلی حدیث سے استدلال پر یہ اعتراض کیا ہے کہ عبداللہ بن المبارک نے کہا کہ رفع یدین کی حدیث زہری عن سالم عن ابیہ ثابت ہے اور ابن مسعودؓ کی حدیث کہ "لم یرفع الا فی اول مرۃ" ثابت نہیں ہے۔ ابن دقیق العید الشافعی المالکی نے اس اعتراض کا جواب اپنی کتاب الامام میں یہ دیا ہے کہ ابن المبارکؒ کا یہ قول اس حدیث میں نظر کرنے سے نہیں روکتا اور عاصم بن کلیب کو ابن معین نے ثقہ کہا ہے۔ اس پر دوسرا اعتراض ابن القطان کا کتاب الوہم والایہام میں ہے کہ: میرے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے اس میں اگر کوئی چیز منکر ہے تو وہ یہ لفظ ہے: "ثُمَّ لَا یَعُوْدُ"۔ یہ یا تو راوی وکیع کا اپنا قول ہے یا ابن مسعودؓ کا بیانِ حدیث کے سلسلے میں، اگر اپنا قول ہے تو اس نے یہ لفظ حدیث میں ہی شامل کر دیا ہے۔ لیکن یہ اعتراض اس بنا پر مردود ہے کہ نسائی نے یہ حدیث روایت کی ہے اس میں علقمہ کا بیان ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز پڑھ کر دکھائی اور اس میں پہلی مرتبہ ہاتھ اٹھائے اور پھر نہیں اٹھائے۔ اس حدیث کی سند میں وکیع نہیں اور نہ یہ امکان ہے کہ اسے کسی اور کا قول قرار دیا جا سکے۔ اور ابوداؤد کی روایت سے بھی یہ اعتراض رد کیا جا سکتا ہے جس میں وکیع راوی تو ہے مگر الفاظِ حدیث ایسے ہیں کہ ان میں یہ اعتراض چل نہیں سکتا کہ: پس اپنے ہاتھ صرف پہلی مرتبہ اٹھائے۔ اور بعض راویوں کے مطابق: اپنے ہاتھ ایک ہی مرتبہ اٹھائے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ وکیع اس روایت میں متفرد نہیں ہے بلکہ ثوری کے شاگردوں میں سے ابن المبارک وغیرہ نے اس کی متابعت کی ہے۔ اس حدیث پر تیسرا اعتراض دارقطنی کا یہ قول ہے کہ احمد بن حنبل اور ابن ابی شیبہ نے اس روایت میں "ثُمَّ لَمْ یَعُدْ" کا لفظ نہیں بولا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مسند احمد کی روایت میں اس

حدیث کے آخر میں ہے: فَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ اِلَّا مَرَّۃً وَّاحِدَۃً۔ اور بعینہٖ اسی طرح ابن ابی شیبہ کی روایت میں بھی فلم یرفع یدیہ الا مرۃ واحدۃ کے لفظ ہیں۔ ان الفاظ کا معنی وہی ہے جو ثُمَّ لَمْ یَعُدْ کا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ واضح اور صریح ہیں کیونکہ بعض لوگوں نے ثم لم یعد کی یہ تاویل کرلی تھی کہ پھر دوسری رکعت میں (ابتداء میں ہاتھ نہ اٹھائے (یہ اتنے دُور کی کوڑی ہے کہ اس پر سوائے ہنسی کے اور کیا پیشکش مناسب نہیں ہے!) پس مسند احمد اور مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت نے: فلم یرفع یدیہ الا مرۃ واحدۃ کے الفاظ سے مطلع بالکل صاف کر دیا ہے۔ اس حدیث پہ چوتھا اعتراض بھی دارقطنی کا ہے کہ وکیع کے شاگردوں کی ایک جماعت نے یہ الفاظ نہیں بولے۔ یہ اعتراض بھی باطل ہے کیونکہ احمد اور ابن ابی شیبہ کی روایتوں میں (جو وکیع سے ہیں) فلم یرفع یدیہ الا مرۃ واحدۃ کا جملہ موجود ہے اور وکیع کے شاگردوں میں سے عثمان بن ابی شیبہ نے (ابوداؤد میں) اور ہناد نے (ترمذی میں) اور محمود بن غیلان نے (نسائی میں) اور نعیم بن حماد اور یحییٰ بن یحییٰ نے (طحاوی میں) یہی الفاظ بولے ہیں: فَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ اِلَّا مَرَّۃً وَّاحِدَۃً، یا بالکل ان کے ہم معنی الفاظ بولے ہیں۔

اس حدیث پہ پانچواں اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ بخاری اور ابو حاتم نے اس حدیث میں ثوری کی طرف وہم کو منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ عاصم سے روایت کرنے والی ساری جماعت نے ثوری کے الفاظ نہیں بولے بلکہ کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع کی تو ہاتھ اٹھائے، پھر دونوں ہاتھ ملائے اور دونوں کو گھٹنوں کے درمیان رکھا۔ اور اسی طرح احمد بن حنبل نے بھی ابن آدم کی طرف سے بیان کیا ہے کہ میں نے عبداللہ بن ادریس عن عاصم بن کلیب کی کتاب میں نظر کی تو اس میں ثُمَّ لَمْ یَعُدْ کا لفظ نہ تھا۔ پس یہ زیادہ صحیح ہے کیونکہ اہلِ علم کے نزدیک کتاب کا زیادہ اعتبار ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عبداللہ بن ادریس کی حدیث اَور ہے اور زیر بحث حدیث اَور۔ یہ دو الگ الگ حدیثیں ہیں لہٰذا ایک کا حکم دوسری کا نہیں ہے۔ بالفرض اگر دونوں کو ایک حدیث بھی مان لیں تو محفوظ وہی ہے جو سفیان ثوری نے روایت کی کیونکہ وہ عبداللہ بن ادریس سے بڑا حافظ ہے۔ حافظ ابن حجر نے تقریب میں کہا ہے کہ سفیان ثقہ، امام، حافظ اور حجت ہے اور ابن ادریس کی روایت شاذ ہے کیونکہ اس کا مرتبہ سفیان سے کم تر ہے۔ اگر وہ حفظ کے اعلیٰ درجہ پر بھی ہوتا تو سفیان کے حافظ، امام، ثقہ اور حجت ہوتے ہوئے ابن ادریس کی مخالفت اُسے مُضر نہیں۔ پھر یہ ایک ثقہ کا اضافہ ہے جو اصول میں مقبول مانا گیا ہے بالخصوص جبکہ وہ ثقہ، حافظ اور متفق ہو۔

حافظ زیلعی نے نصب الرایہ میں اس کا ایک اور جواب دیا ہے جو بڑا دلچسپ بھی ہے کہ بخاری اور ابو حاتم نے تو اس حدیث میں وہم سفیان ثوری کی طرف منسوب کیا ہے اور ابن القطان وغیرہم اس وہم کی نسبت وکیع کی طرف کرتے ہیں۔ اس اختلاف کا تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں قسم کے اقوال کو پرے پھینک دیا جائے اور حدیث میں چونکہ ثقہ راویوں سے آئی ہے لہٰذا اسے بروئے اصول صحیح مانا جائے۔ اس حدیث پر چھٹا اعتراض یہ ہوا ہے کہ ممکن ہے ابن مسعودؓ کو تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع الیدین بھول گیا ہو جس طرح انہیں رکوع میں ہاتھوں کو گھٹنوں پہ رکھنا بھول گیا تھا۔ یہ اعتراض سب سے پہلے تو ابوبکر بن اسحاق نے کیا تھا جس کا قول بیہقی نے سُنن میں نقل کیا ہے۔ پھر ابن عبدالہادی نے تنقیح میں یہی بات کہی۔ مولانا نے فرمایا کہ اس قول کا رد کرنا تو رہا ایک طرف اس کا ذکر کرنا بھی علماء اور محدثین کی شان سے فروتر ہے۔ یہ تو اسی قسم کا قول ہے جیسے کوئی کہدے کہ معاذ اللہ حضور نے جو رفع یدین کیا تھا تو دراصل اپنے بدن مبارک سے مکھی اڑانے کے لئے کیا تھا (استغفر اللہ ربی) پس جس طرح یہ قول بے دلیل باطل دعوی ہے اسی طرح نسیان کی نسبت اس معاملے میں ابن مسعودؓ کی طرف کرنا بھی ایک بے دلیل باطل دعویٰ ہے بلکہ بے ادبی ہے۔ اور اسی طرح ان کا یہ دعوٰی بھی ایک غلط اور باطل دعوٰی ہے کہ ابن مسعودؓ کو گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا بھول گیا تھا کیونکہ اس میں نسیان کو کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ علامہ ابن الترکمانی نے الجوہر النقی

فی الرد علی البیہقی میں ابوبکر بن اسحاق کے قول کا کافی وشافی رد کیا ہے اور اسی طرح شیخ نیموی نے آثار السنن میں ۔

ساتواں اعتراض اس حدیث پر یہ کیا گیا ہے کہ عاصم بن کلیب غیر مقبول ہے ۔ مگر اس سے قبل گزر چکا ہے کہ ابن معین، نسائی اور ابن صالح نے اسے ثقہ کہا ہے مگر ابن المدینی نے کہا ہے کہ جب وہ متفرد ہو تو مقبول نہیں ۔ اور اس حدیث میں عاصم بن کلیب متفرد نہیں بلکہ اس کا متابع موجود ہے اور دارقطنی اور ابن عدی کی روایت میں ہے کہ : عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَابِرٍ عَنْ حَمَّادِ بْنِ اَبِیْ سُلَیْمَانَ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز پڑھی ۔ ان سب نے صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا ۔ محمد بن جابر کو کچھ محدثین نے ضعیف کہا ہے مگر ابن ابی حاتم نے محمد بن یحییٰ سے روایت کی کہ اس نے کہا میں نے ابوالولید کو یہ کہتے سنا کہ ہم محمد بن جابر کی حدیث کو روایت نہ کر کے اس پر ظلم کرتے ہیں ۔ اور میں نے اپنے باپ اور ابوزرعہ کو کہتے سنا کہ جن لوگوں نے اس سے یمامہ اور مکہ میں روایت لی وہ صدوق ہے، مگر اس کی حدیثوں میں کچھ تخلیطیں ہیں گو اس کے اصول صحیح ہیں ۔ ابوحاتم سے محمد بن جابر اور ابن لہیعہ کے متعلق اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ وہ دونوں سچے ہیں مگر محمد بن جابر مجھکو ابن لہیعہ کی نسبت زیادہ محبوب ہے ۔ ابن عدی نے کہا کہ ان دونوں سے ایوب اور ابن عون جیسے کبار ائمہ کی جماعت نے روایت لی ہے ۔ اگر محمد بن جابر کا یہ مقام نہ ہوتا تو یہ بڑے بڑے ائمہ اس سے روایت نہ لیتے ۔ وہ متکلم فیہ ہے مگر اس کی حدیث لکھی جا سکتی ہے ۔ دارقطنی نے کہا کہ محمد بن جابر اور اس کا بھائی ضعف میں قریب قریب ہیں ۔ انہیں ترک نہیں کیا جا سکتا بلکہ اعتبار کی خاطر ان کی حدیث لی جا سکتی ہے ۔ مولانا نے فرمایا کہ ہم نے یہاں پر اس کی حدیث کو اعتبار اور متابعت کے طور پر ہی لیا ہے ۔

اس حدیث کی تائید امام ابوحنیفہؒ کی حدیث سے ہوتی ہے جو ، حماد عن ابراہیم عن علقمہ والاسود عن عبداللہؓ بن مسعود آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت کرتے تھے ۔ پھر کسی جگہ ایسا نہ کرتے تھے (فتح القدیر وغیرہ)

ابن مسعودؓ کی حدیث پر آٹھواں اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ عبدالرحمٰن کا سماع علقمہ سے نہیں ہوا ۔ اس کا جواب ابن الہمام نے فتح القدیر میں یہ دیا ہے کہ یہ باطل ہے کیونکہ یہ اعتراض کسی مجہول آدمی سے آیا ہے ۔ ابن حبان نے کتاب الثقات میں عبدالرحمٰن کا ذکر کیا اور کہا کہ اس کی وفات ۹۹ھ میں ہوئی تھی اور اس کی عمر ابراہیم نخعی کے برابر تھی ۔ سو اب علقمہ سے اس کے سماع میں کونسی چیز مانع تھی ؟ درآنحالیکہ نخعیؒ کے علقمہ سے سماع پر سب کا اتفاق ہے ۔ خطیب بغدادی نے کتاب المتفق والمفترق میں اس عبدالرحمٰن کے حالات لکھتے ہوئے تصریح کی ہے کہ اس نے اپنے باپ سے اور علقمہ سے حدیث سنی تھی ۔ پہلی حدیث پر کلام ختم ہوا ۔

دوسری حدیث پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس کی سند میں یزید بن زیاد ہے جو عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ سے روایت کرتا ہے اور حفاظ حدیث متفق ہیں کہ اس حدیث کا لفظ : ثُمَّ لَمْ یَعُدْ محض یزید بن ابی الزیاد کا مُدرَج (اضافہ) اور شعبہ اور ثوری جیسے حفاظ نے اسے بیان نہیں کیا ۔ حمیدی کا قول ہے کہ یزید کا اضافہ ہے اور یزید تو یزید ہی ہے ۔ احمد بن حنبل نے اسے غیر صحیح بتایا ۔ اسی طرح بخاری، احمد، یحییٰ، دارمی اور حمیدی وغیرہ نے اسے ضعیف کہا ہے ۔ احمد بن حنبل نے کہا کہ یہ ایک واہی حدیث ہے ۔ یزید ایک زمانے تک اسے : ثُمَّ لَا یَعُوْدُ کے اضافے کے بغیر روایت کرتا رہا ۔ پھر جب اہل کوفہ نے اسے یہ اضافہ سکھایا تو اس نے سیکھ لیا اور اس کا ذکر کرتا رہا ۔ علی بن عاصم نے بھی ایسا ہی کہا ہے ۔ بیہقی نے کہا کہ اس حدیث کی روایت محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے اپنے بھائی عیسیٰ بن عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ کی طرف سے کی ہے

اور وہ حضرت براءؓ سے روایت کرتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ عن الحکم عن ابن ابی لیلیٰ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ محمد بن عبد الرحمٰن عن یزید بن ابی زیاد عن ابن ابی لیلیٰ۔ اور محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی حدیث ناقابلِ حجت ہے اور وہ علمِ حدیث کے عالموں کے نزدیک یزید بن ابی زیاد سے ابتر حال والا ہے۔ الجوہر النقی میں ہے (باب من لم یذکر الرفع الا عند الافتتاح) کہ بیہقی نے ابن عیینہ کی حدیث عن یزید بن ابی زیاد عن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ عن البراء بیان کی ہے جس میں یہ لفظ ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی ابتداء میں ہاتھ اٹھاتے دیکھا۔ سفیان کہتا ہے کہ پھر میں کوفہ میں آیا اور یزید بن ابی زیاد کو یہ حدیث روایت کرتے ہوئے سُنا، اب وہ اس میں یہ اضافہ کرتا تھا: ثُمَّ لَا یَعُوْدُ تو میں نے سمجھ لیا کہ لوگوں نے یہ لفظ اُسے پڑھائے ہیں۔ اس کے بعد بیہقی نے دارمی سے نقل کیا ہے کہ سفیان بن عیینہ کا قول ثابت کرتا ہے کہ ثوری، زہیر اور ہشیم وغیرہ اہلِ علم نے یہ لفظ روایت نہیں کئے بلکہ جن لوگوں نے یزید سے آخری عمر میں روایت کی ہے انہوں نے بیان کئے ہیں۔ علامہ ابن الترکمانی کا قول ہے کہ بیہقی کے اس قول کو ابن عدی کا قول (الکامل میں) رَدّ کرتا ہے کہ: رواہ ہشیم وشریک وجماعۃ معہما عن یزید باسنادہ وقالوا فیہ ثم لم یعد۔ اس حدیث کو ہشیم اور شریک اور ان کے ساتھ ایک جماعت نے روایت کیا، اس میں انہوں نے یزید سے یہ لفظ بھی روایت کیا ہے کہ: پھر اس کے بعد ہاتھ نہ اٹھائے" اور دارقطنی نے اسے اسی طرح اسماعیل بن زکریا عن یزید کی سند سے روایت کیا ہے۔ اور بیہقی نے الخلافیات میں اسی سند سے روایت کیا: النضر بن شمیل عن اسرائیل ہو ابن یونس بن ابی اسحاق عن یزید۔ پھر بیہقی نے اور ایک طریق سے اس حدیث کو بیان کیا ہے جس میں ہے کہ: میں نے ابتدائے صلوٰۃ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ اٹھاتے دیکھا اور رکوع کے وقت اور قومہ کے وقت، سفیان نے کہا کہ پھر میں کوفہ میں آیا تو اسے یہ کہتے سُنا کہ: حضورؐ صرف ابتداءِ صلوٰۃ میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نہیں اٹھاتے تھے، تو میں نے خیال کیا کہ یہ الفاظ اسے اہلِ کوفہ نے پڑھائے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ متن اس اضافے کے ساتھ ابراہیم بن بشار کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا۔ اسی طرح کتاب الام کے مصنف نے حاکم سے روایت کیا۔ اور ابن بشار کے متعلق نسائی کا قول ہے کہ وہ قوی نہیں ہے اور احمد نے اس کی شدید مذمت کی ہے، ابن معین نے کہا ہے کہ وہ کچھ نہیں، اس سے سفیان نہیں لکھتا تھا اور میں نے اس کے ہاتھوں میں کبھی قلم نہ دیکھا۔ اور لوگوں کو وہ کچھ لکھواتا تھا جو سفیان نے نہیں کہا ہوتا تھا۔ پھر بیہقی نے دارمی سے نقل کیا کہ عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے اس حدیث کو کسی نے روایت نہیں کیا جو یزید سے قوی ہو۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ اوپر بیہقی بیان کر چکا ہے کہ یہ روایت عیسیٰ بن ابی لیلیٰ کے طریق سے بھی مروی اور حکم بن عُتَیبہ سے بھی، ان دونوں نے عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت کی ہے، ابو داؤد نے حدیث عیسیٰ اور حَکَم سے روایت کی ہے اور عیسیٰ بلاشبہ یزید سے قوی تر ہے (لہٰذا بیہقی کا قول مبالغے پر مبنی ہے) مولاناؒ نے فرمایا کہ بعض محدثین یہ جو کہتے ہیں کہ: ثم لا یعود کے لفظ یزید بن ابی زیاد کی طرف سے متن میں زائد درج ہو گئے ہیں کہ اُسے کچھ لوگوں نے یہ پڑھائے اور اس نے پڑھ لئے تھے، اسے وہ روایت باطل کر دیتی ہے جو بیہقی اور طحاوی نے عیسیٰ بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور حکم بن عُتَیبہ کی طرف سے بیان کئے ہیں، یہ روایت ابو داؤد میں بھی ہے۔ اور عیسیٰ اور حَکَم دونوں ثقہ ہیں بلکہ عیسیٰ تو ثقہ اور ثبت بھی ہے۔ اور بیہقی وغیرہ کا یہ کہنا کہ عیسیٰ اور حَکَم سے روایت کرنے والا محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ ضعیف ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں محمد بن عبد الرحمٰن کی تضعیف نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ ابو حاتم نے احمد بن یونس سے بروایت زائدہ بیان کیا کہ محمد بن عبد الرحمٰن، دنیا بھر سے زیادہ فقیہ تھا، عجلی نے کہا کہ وہ فقیہ اور صاحبِ سُنّت تھا، سچا تھا، جائز الحدیث

تھا، قرآن کا عالم تھا اور زمانے بھر میں بہت خوبصورت، حسین اور شریف تھا۔ یعقوب بن سفیان نے کہا ہے کہ وہ ثقہ ہے اور حدیث میں عادل ہے لیکن محدثین اس میں کچھ کلام کرتے ہیں کہ وہ حدیث میں نرم ہے۔

دارقطنی نے علی بن عاصم کے طریق سے یہی حدیث اس زیادتی سمیت روایت کی ہے جس کی سند علی بن عاصم کے بعد یوں ہے: محمد بن عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ عن یزید بن ابی زیاد عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ عن البراء بن عازبؓ۔ پس عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ سے اسی اضافے سمیت یزید بن ابی زیاد، عیسیٰ بن عبدالرحمٰن اور حکم بن عتیبہ نے روایت کی ہے۔ اور یزید بن ابی زیاد سے دارقطنی میں تو اسماعیل بن زکریا اور محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے روایت کی، ابوداؤد میں شریک نے روایت کی اور کامل بن عدی میں ہشیم اور شریک اور ایک جماعت نے روایت کی ہے، اور خلافیاتِ بیہقی میں اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق نے روایت کی۔ اور محمد بن ابی لیلیٰ سے روایت کرنے والے یہ ہیں: وکیع اور خالد طحاوی میں۔ پس یزید بن ابی زیاد کی حدیث کی تائید عیسیٰ اور الحکم سے پختہ ہو گئی، محمد بن الرحمٰن کی حدیث ایک جماعت کی روایت سے پختہ ہو گئی جس نے یزید بن ابی زیاد سے روایت کی ہے۔ اب رہ گیا سفیان بن عیینہ کا یہ قول کہ، پھر میں کوفہ میں گیا اور یزید سے ملا تو اسے یہ حدیث ثم لا یعود کے اضافے کے ساتھ روایت کرتے ہوئے سُنا۔ پس میں نے خیال کیا کہ لوگوں نے اسے یہ اضافہ پڑھایا ہے اور اس نے پڑھ لیا ہے سو یہ سفیان کا محض ظن ہے ورنہ محدثین حدیث کی روایت میں بعض دفعہ اختصار سے اور بعض دفعہ تفصیل سے کام لیتے ہیں۔ پس ممکن ہے کہ یزید نے ایک دفعہ اضافے سمیت اور ایک دفعہ اس کے بغیر بھی روایت کی ہو اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جیسا کہ اصول سے ثابت ہے۔

قائلین رفعِ یدین کی تیسری حدیث پر بھی کئی طرح سے اعتراض کیا ہے پہلا یہ کہ اس کی روایت میں ابن ابی لیلیٰ متفرد ہے اور محدثین نے اسے لائقِ حجت نہیں مانا۔ اس کا جواب اوپر عجلی کی زبان سے گزر گیا ہے کہ وہ فقیہ، صاحبِ سُنت، جائز الحدیث اور صدوق تھا وغیرہ۔ دوسرا اعتراض یہ ہوا ہے کہ بقولِ شعبہ، حکم نے مقسم سے صرف چار حدیثیں سُنی ہیں اور یہ حدیث ان میں سے نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے یہ حصر اندازے سے ہوا ہے کیونکہ امام احمد اور یحییٰ القطان وغیرہ نے ان روایات کی تعداد پانچ بتائی ہے مگر امام ترمذی نے بہت سی احادیث حکم کی مقسم سے بلفظِ تحدیث وسماع روایت کی ہیں (مقدمہ تنسیق النظام) تیسرا اعتراض اس حدیث پر یہ ہوا ہے کہ وکیع کی روایت اسے موقوف ہے مرفوع نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے اس نے ایک دفعہ مرفوع اور ایک دفعہ موقوف بیان کی ہو اور اس کی تائید روایتِ ابن عمرؓ سے ہوتی ہے جو موقوف بھی ثابت ہے۔ نیز یہ موقوف مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں قیاس و اجتہاد کا دخل نہیں۔ چوتھا اعتراض یہ ہوا ہے کہ ہماری مراد حصر نہیں اور یہ بات محال ہے کہ جب بھی اور جہاں بھی یہ روایت آئے تو صحیح ہو۔ اس حدیث کے علاوہ بیشمار روایات رفع یدین کی روایات صحیح ہیں۔ اس کا جواب تنسیق النظام میں یہ دیا گیا ہے کہ اگر یہ روایت موقوف ہو تو بھی ضروری نہیں کہ ہر روایت میں رفع کا ذکر ہو۔ کیونکہ ممکن ہے کسی شخص کو تکبیرات عیدین اور قنوت کے وقت رفع یدین کا علم نہ ہو۔ اور حصر علم پر مبنی ہوتا ہے۔ باقی تمام نمازوں کا یہ حال نہیں جو عیدین اور قنوت والی نماز کا ہے کیونکہ ان میں اگر ان اصحاب کو رفع یدین کا علم نہ ہو جو اکثر حضورؐ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ تو حضورؐ کی نماز کے ہر روز اور ہر نماز کے معائنے کی وجہ سے اس کا حکم عدمِ علم کا نہیں ہوگا بلکہ محض عدم کا ہوگا کہ مثلاً رفع یدین ہوا ہی نہیں تھا۔ صاحبِ بحر الرائق نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ

بطور سُنّتِ مؤکّدہ صرف ان سات جگہوں میں ہاتھ اٹھائے جائیں گے، گویا اس سے مُطلق رفع کی نفی مراد نہیں ہے کہ عیدین اور قنوت کی وجہ سے اس کا معارضہ کیا جائے، کیونکہ دُعا کے وقت ہاتھ اٹھانا مستحب ہے جیسا کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کا اس پر عمل ہے۔

اس حدیث پر پانچواں اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اس میں ابن عباسؓ نے صرف سات مواقع پر رفع یدین کا اثبات روایت کیا ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد خود انہوں نے رفع یدین کیا تھا۔ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ جب راوی اپنی روایت کے خلاف عمل کرے تو اس سے اس حدیث کو نقصان پہنچتا ہے بالخصوص جبکہ راوی صحابی ہو، جیسا کہ توضیح میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث: جس عورت نے اپنے ولی کے بغیر نکاح کیا اس کا نکاح باطل ہے۔ پھر اس کے بعد اُم المؤمنین نے عبدالرحمٰن کی بیٹی کا نکاح باپ کی عدم موجودگی میں کر دیا تھا۔ اور جیسا کہ رکوع کے وقت رفع الیدین کی حدیث ابنِ عمرؓ سے ہے مگر مجاہد نے کہا کہ میں دس سال ابن عمرؓ کے ساتھ رہا مگر انہیں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کرتے دیکھا۔ پس یہ حدیث جو ابن عباسؓ نے رفع الیدین کے منع میں روایت کی اور پھر خود اس کے بعد اس کی مخالفت کی تو حنفیہ کے قاعدے کے مطابق یہ حدیث مجروح ہو گئی اور اس سے استدلال درست نہ رہا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو مگر تاریخ معلوم نہ ہو کہ تحدیث پہلے تھی یا روایت پہلے تھی تو یہ مضر نہیں ہے اور اس سے روایت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ توضیح میں ہے کہ اگر راوی اپنی روایت کی تحدیث سے قبل اس کے خلاف کرے یا تاریخ ہمیں معلوم نہ ہو تو اس سے روایت پر کوئی جرح نہیں ہو سکتی۔

چوتھی حدیث پر امام بخاریؒ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث میں جو حضورؐ نے فرمایا ہے کہ مَالِيْ اَرَاكُمْ رَافِعِيْ اَيْدِيْكُمْ كَاَنَّهَا اَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ اُسْكُنُوْا فِي الصَّلٰوةِ۔ اس سے مراد اصحاب کا سلام کے وقت ہاتھ اٹھانا ہے کہ وہ سلام کے وقت ہاتھ اٹھا کر ایک دوسرے کو سلام کہتے تھے۔ جس سے حضورؐ نے منع فرمایا۔ پھر امام بخاریؒ نے تکبیرات عیدین سے استدلال کیا ہے کہ کیا اس حدیث سے ان کی بھی ممانعت کی جائے گی؟ اور نیل الاوطار میں علامہ شوکانی نے مسلم کی حدیث کا حوالہ دیکر کہا ہے کہ صحابہ ہاتھ اٹھا کر ایک دوسرے کو سلام کرتے تھے جس سے اس حدیث میں منع کیا گیا ہے۔ پس یہ ایک خاص رفع تھا جس سے ممانعت ہوئی نہ کہ عام رفع۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ اس حدیث کو ابو داؤد، نسائی اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد میں یہ ذکر نہیں ہے کہ بقول جابرؓ بن سمرہ یہ سلام کے وقت تھا۔ بلکہ زہیر راوی نے فقط یہ کہا ہے کہ نماز میں لوگ اپنے ہاتھ اٹھا رہے تھے۔ نسائی میں بھی سلام کا نہیں بلکہ نماز کا ذکر ہے۔ مسلم نے اپنی روایت میں: وَنَحْنُ رَافِعُوْا اَيْدِيْنَا فِي الصَّلٰوةِ۔ کا سرے سے ہی ذکر نہیں کیا۔ نسائی نے یعنی کا لفظ بڑھا کر یہ فقرہ روایت کیا ہے۔ ابوداؤد نے وَالنَّاسُ رَافِعُوْا اَيْدِيْهِمْ کا جملہ روایت کیا ہے اور پھر زہیر کی زبان سے فی الصلوٰۃ کا لفظ بڑھایا ہے۔ بخاری نے جزء رفع الیدین میں یہ جملہ شک کے بغیر روایت کیا ہے لیکن یہ بلاشک روایت غیر محفوظ ہے۔ علامہ شوکانی نے اس مقام پر یہ دعویٰ کیا کہ رفع الیدین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے مگر اس دعویٰ تواتر کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ علامہ علی القاریؒ نے امام بخاری کے اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ بخاری کے اس اعتراض کا مدار عبداللہ القبطیہ کا یہ قول ہے کہ: میں نے جابرؓ بن سمرہ سے سُنا کہ ہم لوگ جب حضورؐ کے پیچھے نماز پڑھتے تو سلام کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے سو اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دراصل دو حدیثیں ہیں کیونکہ اوپر والی حدیث میں جو یہ لفظ ہے کہ: نماز میں ساکن رہو، یہ اس شخص سے نہیں

کہا جا سکتا جو سلام کے وقت ہاتھ اُٹھائے کیونکہ وہ تو نماز سے خروج کی حالت ہے نہ کہ نماز کے اندر کی حالت۔ اصل میں یہ جواب امام جمال الدین زیلعیؒ کا ہے جو انہوں نے نصب الرایہ میں دیا ہے۔ خلاصہ جواب (بقولِ مولانا سہارنپوریؒ) یہ ہوا کہ امام بخاریؒ نے یہ سمجھا کہ عبداللہ بن القبطیہ عن جابرؓ بن سمرہ اور تمیم بن طرفہ طائی عن جابرؓ بن سمرہ ان دونوں حدیثوں کا مطلب ایک ہے یعنی یہ کہ صحابہؓ تشہد کی حالت میں سلام کے وقت ہاتھوں سے اشارہ کرتے تھے۔ مگر یہ سمجھنا ظاہر کے خلاف ہے اور قلتِ تدبر کا نتیجہ ہے۔ بظاہر یہ دو حدیثیں ہیں اور ان دونوں کا محل و موقع اور مطلب الگ الگ ہے دونوں الگ الگ مطالب پر دلالت کرتی ہیں۔
عبداللہ بن القبطیہ والی حدیث تو سلام بعد از تشہد پر دلالت کرتی ہے مگر تمیم بن طرفہ طائی کی حدیث نماز کے اندر رفع الیدین سے ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔ اسی لئے دوسری حدیث میں ہے کہ: نماز میں سکون اختیار کرو۔ اور اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ جو شخص سلام کے وقت ہاتھ اٹھائے اسے یہ نہیں کہا جاتا کہ" نماز میں سکون اختیار کرو۔
اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ تمیم بن طرفہ طائی کی حدیث میں ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم اپنے ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے (جزء رفع الیدین للبخاری وسنن ابی داؤد) اسی طرح یہ حدیث مسند احمد وکیع کی روایت سے ہے اور نسائی اور مسلم میں ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے ہماری طرف نکلے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ گھر سے تشریف لائے اور لوگوں کو رفعِ یدین کرتے دیکھا تو یہ فرمایا کہ: یہ کیا بات ہے میں تمہیں سرکش گھوڑوں کی دموں کی مانند ہاتھوں کو اٹھائے دیکھتا ہوں۔ اور عبداللہ بن القبطیہ کی حدیث (جزء البخاری) میں ہے کہ جابر ابن سمرہ نے کہا: ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تو کہتے السلام علیکم السلام علیکم۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ: ہم حضورؐ کے پیچھے نماز پڑھتے تو کہتے السلام علیکم ورحمۃ اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ اور ابوداؤد میں ہے کہ: ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تو اپنے دائیں بائیں ہاتھوں سے اشارے کرتے تھے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الخ اور اسی طرح یہ حدیث نسائی وغیرہ میں بھی ہے۔ پس یہ الفاظ اس بات کا قطعی ثبوت ہیں کہ یہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز باجماعت سے فارغ ہو کر سلام کے وقت انہیں ہاتھوں کے اشارے کرتے دیکھ کر صادر ہوا تھا۔

اس سے آفتاب نصف النہار کی روشنی کی مانند ثابت ہو گیا کہ تمیم بن طرفہ طائی کی حدیث کا موقع اور تھا اور عبداللہ بن القبطیہ کی حدیث کا موقع اور۔ اس سے یہ بات بھی قطعی طور پر ثابت ہو گئی کہ تمیم بن طرفہ طائی والی حدیث نماز کے اندر نشیب و فراز میں رفع یدین کی ناسخ ہے۔ صاحبِ عون المعبود اس مقام پر بڑا اسٹ پٹایا ہے اور دونوں حدیثوں کو ایک ثابت کرنے کی کوشش محض بے دلیل کی ہے۔ اس مسکین نے جو کچھ کہا ہے وہ محض بخاری کی اندھی تقلید میں کہا ہے۔ ورنہ اسے علوم نبوت سے کوئی حصہ نہیں ملا۔ اگر اس کے پاس علوم نبوت کا کوئی حصہ ہوتا تو محض اظہار حیرانی کر کے نہ رہ جاتا بلکہ اپنی بات پر کوئی دلیل لاتا۔ دو یا تین یا تین سو راویوں کا راوی بھی ایک ہو سکتا ہے مگر وہ احادیث الگ الگ ہوتی ہیں راوی کے واحد ہونے سے دو حدیثوں کا ایک ہونا لازم نہیں آجاتا۔ اس بیچارے نے جب دیکھا کہ امام بخاریؒ نے یہ بات کہی ہے تو بے سوچے سمجھے اندھا دھند اس قول کے پیچھے ہو لیا اور حدیث کے الفاظ میں کوئی تدبر نہیں کیا۔

امام بخاری نے جو تکبیر تحریمہ کی مثال دی ہے اور اسی طرح تکبیراتِ عیدین کی، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا، کیونکہ ان

موقعوں پر رفعِ یدین کا ثبوت تو ہے مگر ممانعت کا نہیں ہے۔ پس تکبیر تحریمہ اس سے واضح طور پر خارج ہے۔ رہیں عیدین کی تکبیرات، سو ان میں حنفیہ کے نزدیک اختلاف واقع ہوا ہے کیونکہ امام ابو یوسف نے ان کا انکار کیا ہے۔

ترکِ رفعِ یدین کی پانچویں حدیث کا جہانتک سوال ہے، مولانا نے فرمایا کہ میں اس میں کسی بحث سے واقف نہیں ہوا ہاں شیخ محمد ہاشم سندھی نے رسالہ کشف الرین میں کہا ہے کہ امام ابن دقیق العید نے اس کی اسناد پر کوئی کلام نہیں کیا، صرف اتنا کہا کہ عباد بن زبیر تابعی ہے صحابی نہیں۔ لہٰذا یہ حدیث مرسل ہے۔ علامہ شیخ محمد ہاشم نے اس کا جواب یہ دیا کہ حنفیہ کے ہاں مرسل مقبول ہے اور اس پر استدلال کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے، بالخصوص پہلی تین صدیوں کی مراسیل جو کہ احادیث اور آثارِ صحابہ سے مؤید ہو جائیں۔ اسی طرح یہ مراسیل مالکؒ اور احمد بن حنبل کے نزدیک بھی حجت ہیں اور جمہور فقہاء کا یہی مذہب ہے پس مرسل حدیث پر، یعنی اپنی مقبولیت کی شرطوں کے ساتھ، عمل کیا جائے گا اور اس پر اعتراض کرنا بیکار ہے۔

اب تک کی ساری گفتگو احادیثِ مرفوعہ کے متعلق تھی، جہاں تک آثارِ صحابہ وتابعین کا سوال ہے، اب ہمیں ان میں سے بعض کا ذکر کرنا ہے۔ رفعِ یدین کو ثابت کرنے والے آثار کافی ہیں جنہیں امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں بیان کیا ہے۔ عطاء کا اثر ہے کہ میں نے ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ، ابو سعیدؓ خدری اور جابرؓ کو رفع یدین کرتے دیکھا ہے ابتدائے صلوٰۃ میں اور رکوع کے وقت، ابو ہریرہؓ تکبیر تحریمہ، رکوع اور قومہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے دیکھا۔ عطاء نے ابو ہریرہؓ کا عمل بیان کیا کہ وہ تکبیر کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفعِ یدین کرتے تھے۔ اسی طرح کا اثر انسؓ سے بھی ہے۔ ابو حمزہؓ نے کہا کہ میں نے ابن عباسؓ کو تکبیر کے وقت اور قومہ میں اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔ امّ الدرداءؓ کا بھی عمل تکبیر کے وقت، رکوع کے وقت اور اس سے اٹھتے وقت رفعِ یدین پر تھا۔ ابن عمرؓ سے رکوع کے وقت اور تیسری رکعت میں اٹھتے وقت رفع یدین کی روایت آئی ہے۔

وہ آثار جو ترکِ رفع الیدین میں آئے ہیں وہ بھی بہت ہیں۔ امام طحاویؒ نے (اسی طرح ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے) ابن عمرؓ نے صرف تکبیرِ تحریمہ میں رفع یدین کی روایت کی ہے۔ ابن ابی شیبہ اور طحاوی نے عبداللہ بن مسعودؓ سے ترکِ رفع کا عمل روایت کیا ہے۔ یہ ابراہیم نخعی کا مرسل ہے مگر وہ عبداللہؓ کے متعلق کوئی مرسل روایت بیان نہ کرتے جب تک متواتر طریقے سے ثابت نہ ہو جاتی (طحاوی) طحاوی نے عمرؓ فاروق سے ترکِ رفع کی روایات کی ہے، اور اسی طرح ابراہیم نخعی اور شعبی کا عمل بھی یہی تھا (ابن ابی شیبہ) طحاوی نے حضرت علیؓ سے بھی ترکِ رفع کی روایت کی ہے اس کی سند کو حافظ ابن حجرؒ، زیلعی اور عینی نے صحیح کہا ہے۔ ابن مسعودؓ سے ترکِ رفع کی روایت بیان کر کے ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور کئی اصحاب اور تابعین کا اس پر عمل ہے اور یہی قول سفیان ثوری اور فقہائے کوفہ کا ہے۔

رفع الیدین پر نفیاً و اثباتاً کلام کے بعد مولانا نے فرمایا کہ اس بحث سے ثابت ہو گیا کہ رفعِ یدین حضورؐ سے ثابت ہے مگر اس کا دوام ثابت نہیں ہوا اور نہ یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر شریف کے آخر میں رفعِ یدین کیا تھا۔ اور حضورؐ سے ترکِ رفع ثابت ہے۔ رفع کرنے والوں نے کہا کہ رفعِ یدین سنّت غیر مؤکدہ ہے۔ حضورؐ نے اس پر دوام اس لئے نہ فرمایا کہ مبادا اس کا وجوب ثابت ہو جائے۔ مانعین رفع نے رفع کا انکار نہیں کیا بلکہ یہ کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع اور ترکِ رفع دونوں ثابت ہیں۔ اور اسی طرح صحابہؓ سے بھی رفع اور ترکِ رفع دونوں فعل ثابت ہیں اور یہ فعل نماز کے ان افعال میں سے تھا جو رات دن کی نمازوں میں کئی کئی مرتبہ واقع ہوتا تھا اور جو لوگ نماز میں حاضر ہوتے تھے ان پر یہ مخفی نہیں رہتا تھا۔ پس جن صحابہ نے ترکِ رفع کیا وہ اس سبب سے نہیں کیا کہ ان پر حضورؐ کا یہ فعل مخفی تھا، اور نہ اس لئے ترک

کیا کہ اس میں انہیں سہو و نسیان ہو گیا تھا۔ اور نہ اس لئے کہ ان کے نزدیک یہ سنّتِ غیر مؤکدہ تھا، بالخصوص ابن عمرؓ جو حضورؐ کے آثار و عادات مثلاً اٹھنا بیٹھنا تک کو یاد رکھتے اور ان پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ بخاری میں آیا ہے کہ ابن عمرؓ مکہ اور مدینہ کے درمیان ان جگہوں میں نماز پڑھنے کی پوری کوشش کرتے تھے جن میں حضورؐ نے نماز ادا کی تھی۔ وہ زرد رنگ کا خضاب لگاتے، سبتی جوتے پہنتے، غرض بڑی شدت سے حضورؐ کی عادات تک کی پیروی کیا کرتے تھے۔ پس ان سے کسی عبادت کا ترک کرنا جو حضورؐ سے ثابت تھی اس کے بغیر ممکن نہ تھا کہ حضورؐ کا ترک ان پر واضح ہو چکا تھا اسی طرح حضراتِ عمرؓ و علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ رفعِ یدین کو بلا دلیلِ قوی ترک کرتے۔ پس ان کے نزدیک اس فعل کا نسخ ثابت تھا اسی لئے انہوں نے اسے ترک کیا۔ اور یہی بات نماز کی کیفیت و حالت کے موافق و مناسب ہے۔ کیونکہ نماز میں اصل چیز سکون و وقار اور خشوع و خضوع ہے۔ مسلم کی روایت میں: اُسْكُنُوْا فِي الصَّلٰوةِ کا ارشاد ثابت ہے۔ پس ہر وہ فعل جو حالتِ نماز میں سکون و اطمینان کے خلاف ہو وہ اصولاً ثابت نہیں ہو سکتا جب تک اس کا ثبوت واضح اور بیّن نہ ہو۔ اور یہ متنازع فیہ فعل ایسا ہے کہ جس میں احادیث و آثارِ صحابہؓ مختلف ہیں (حافظ ابن حزمؒ نے اپنی مشہورِ زمانہ شدّت اور ظاہریت کے باوجود اسے صریحاً تسلیم کیا ہے جیسا کہ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے مصنف عبدالرزاق کے حاشیے پر وضاحت سے لکھا ہے!) چونکہ اس فعل کا ثبوت ان کے نزدیک بقاء و دوام کے لحاظ سے یقینی نہ تھا اس لئے یہ نزاع واقع ہوئی۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ بطور خاتمۂ بحث ہم کہتے ہیں کہ تکبیرِ تحریمہ کے بعد انتقالات میں رفعِ یدین کئی حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ پھر یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے ترک فرمایا۔ اس کے بعد بھی جب آپؐ نے اصحاب کو رفعِ یدین کرتے دیکھا تو اسے منسوخ کیا اور اس سے منع فرمایا۔ اس پر تمیم بن طرفہ عن جابرؓ بن سمرہ (مسلم) کی حدیث دلالت کرتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۷۲۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُصَفَّى الْحِمْصِيُّ حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ حَدَّثَنَا الزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى تَكُوْنَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ كَبَّرَ وَهُمَا كَذٰلِكَ فَيَرْكَعُ ثُمَّ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّرْفَعَ صُلْبَهٗ رَفَعَهُمَا حَتّٰى تَكُوْنَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي السُّجُوْدِ وَيَرْفَعُهُمَا فِي كُلِّ تَكْبِيْرَةٍ يُّكَبِّرُهَا قَبْلَ الرُّكُوْعِ حَتّٰى تَنْقَضِيَ صَلَاتُهٗ۔

(ترجمہ) عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتے۔ پھر اسی حالت میں تکبیر کہتے جبکہ ہاتھ اسی مذکورہ حالت میں ہوتے اور رکوع کرتے۔ پھر جب اپنی پُشت کو سیدھا کرنے کا ارادہ کرتے تو دونوں ہاتھ اُٹھاتے حتیٰ کہ وہ کندھوں کے برابر ہوتے پھر سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہتے اور سجدہ میں اپنے ہاتھ نہ اٹھاتے اور رکوع سے قبل جو تکبیر بھی کہتے اس میں ہاتھ اُٹھاتے حتیٰ کہ آپؐ کی نماز پوری ہو جاتی۔

(شرح) اس حدیث میں تکبیر تحریمہ کا ذکر نہیں آیا کیونکہ ثُمَّ کَبَّرَ، وَہُمَا کَذٰلِکَ فَیَرْکَعُ کے الفاظ ہیں جس تکبیر کا ذکر ہے وہ رکوع کے لئے ہے۔ اس حدیث کے مطابق پہلی رکعت میں رکوع سے پہلے اور اس کے بعد بھی رفع یدین ہے لیکن اس کے بعد کی ہر رکعت میں قبل الرکوع کے رفع یدین کا ذکر ہے بعد والے کا نہیں۔

۷۲۳۔ حَدَّثَنَا عُبَیْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ بْنِ مَیْسَرَۃَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ جُحَادَۃَ حَدَّثَنِیْ عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ کُنْتُ غُلَامًا لَّا اَعْقِلُ صَلٰوۃَ اَبِیْ فَحَدَّثَنِیْ وَائِلُ بْنُ عَلْقَمَۃَ عَنْ اَبِیْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَکَانَ اِذَا کَبَّرَ رَفَعَ یَدَیْہِ قَالَ ثُمَّ الْتَحَفَ ثُمَّ اَخَذَ شِمَالَہٗ بِیَمِیْنِہٖ وَاَدْخَلَ یَدَیْہِ فِیْ ثَوْبِہٖ قَالَ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ یَّرْکَعَ اَخْرَجَ یَدَیْہِ ثُمَّ رَفَعَہُمَا وَاِذَا اَرَادَ اَنْ یَّرْفَعَ رَاْسَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ رَفَعَ یَدَیْہِ ثُمَّ سَجَدَ وَوَضَعَ وَجْہَہٗ بَیْنَ کَفَّیْہِ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَہٗ مِنَ السُّجُوْدِ اَیْضًا رَّفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی فَرَغَ مِنْ صَلٰوتِہٖ قَالَ مُحَمَّدٌ فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لِلْحَسَنِ بْنِ اَبِی الْحَسَنِ فَقَالَ ہِیَ صَلٰوۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَعَلَہٗ مَنْ فَعَلَہٗ وَتَرَکَہٗ مَنْ تَرَکَہٗ قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ رَوٰی ہٰذَا الْحَدِیْثَ ہَمَّامٌ عَنِ ابْنِ جُحَادَۃَ لَمْ یَذْکُرِ الرَّفْعَ مَعَ الرَّفْعِ مِنَ السُّجُوْدِ۔

(ترجمہ) عبد الجبار بن وائل بن حجر نے کہا کہ میں لڑکا تھا، اپنے باپ کی نماز کو نہیں سمجھتا تھا، پس مجھے وائل بن علقمہ نے میرے باپ وائل بن حجر سے حدیث روایت کر کے بتایا کہ اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، پس آپ جب تکبیر کہتے تو ہاتھ اٹھاتے پھر ہاتھوں کو کپڑے میں چھپا لیتے اور اپنا بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ کے ساتھ پکڑ لیتے اور اپنے ہاتھوں کو اپنے کپڑے میں داخل کر لیتے۔ پھر جب رکوع کا ارادہ کرتے تو ہاتھوں کو باہر نکالتے اور انہیں بلند کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھانے کا ارادہ کرتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے، پھر سجدہ کرتے اور اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھ دیتے اور جب اپنا سر سجدے سے اٹھاتے تو بھی رفع یدین کرتے حتیٰ کہ اپنی نماز سے فارغ ہو جاتے۔ محمد نے کہا کہ میں نے یہ حدیث حسن بن ابی الحسن کے سامنے بیان کی تو اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ایسی ہی تھی جس نے ایسا کیا سو کیا اور جس نے اسے چھوڑا سو چھوڑا۔ ابوداؤد نے کہا کہ اس حدیث کو ہمام نے ابی جحادہ کی طرف سے بیان کیا مگر اس میں سجدے سے اٹھتے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں کیا۔

(شرح) تہذیب التہذیب میں ہے کہ یحییٰ بن معین نے کہا کہ عبد الجبار نے اپنے باپ سے کچھ نہیں سنا۔ بقول ابی داؤد، ابن معین نے کہا کہ عبد الجبار ابھی ماں کے پیٹ میں تھا کہ اس کا باپ فوت ہو گیا تھا۔ ترمذی نے امام بخاری کے حوالے سے کہا کہ عبد الجبار نے اپنے باپ سے کچھ نہیں سنا اور نہ اس کا زمانہ پایا۔ یہی بات ابن حبان نے کہی ہے اور یہی بخاری سے منقول ہے۔

اسی طرح ابن جریر طبری، ابو حاتم، جریری، یعقوب بن سفیان، یعقوب بن شیبہ، دارقطنی، حاکم، ابن المدینی اور دوسروں نے کہی ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں اس قول کو بہت ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ صحیح طور پر اس کا یہ قول ثابت ہے کہ میں لڑکا تھا اپنے باپ کی نماز کو نہیں سمجھا تھا۔ پس اگر اس کا باپ اس کی پیدائش سے قبل فوت ہو چکا تھا تو وہ یہ بات نہ کر سکتا۔ ابو بکر البزار نے صراحت سے لکھا ہے کہ یہ قول عبد الجبار کا نہیں بلکہ اس کے بھائی علقمہ بن وائل کا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ بات بہت بعید ہے کیونکہ اگر یہ علقمہ کا قول ہے نہ کہ عبد الجبار کا، تو وہ یہ نہ کہتا کہ میں اپنے باپ کی نماز کو نہیں سمجھتا تھا، کیونکہ علقمہ نے اپنے باپ وائل رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت کو روایت کیا ہے اور اس میں تحدیث کا صیغہ بولا ہے۔ نیز اگر ایسا ہوتا تو وہ یہ نہ کہتا کہ مجھے وائل بن علقمہ، یا علقمہ بن وائل نے یہ حدیث سُنائی تھی بلکہ یا تو اس کے اور وائل کے درمیان کوئی اور واسطہ ہوتا یا وہ اپنے باپ سے بلا واسطہ نقل کرتا اور کہتا کہ میرے باپ وائل بن حجر نے بیان کیا۔ کیونکہ وائل بن علقمہ کا تو کوئی وجود ہی نہیں اور علقمہ بن وائل وہ خود تھا۔ اور عبد الجبار کا اپنا بیان اس سند میں بتاتا ہے کہ وہ اپنے باپ کی زندگی میں موجود تھا، لیکن جمہور محدثین نے کہا ہے کہ وہ اپنے باپ کی موت کے بعد پیدا ہوا تھا۔ مولانا نے فرمایا ممکن ہے عبد الجبار کے قول کی یہ تاویل کی جائے کہ لا اعقل کا معنیٰ ہے لا احفظ، یعنی باپ کے بعد پیدا ہونے کے باعث مجھے اپنے باپ کی نماز یاد نہ تھی۔ پس اس تاویل کے مطابق اس کلام سے اس کا باپ کی زندگی میں موجود ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

اب جہاں تک وائل بن علقمہ کا سوال ہے، میزان میں اسے مجہول بتایا ہے۔ خلاصہ میں ہے کہ صحیح روایت یہ ہے کہ عبد الجبار ابن وائل عن اخیہ علقمہ بن وائل عن ابیہ۔ حافظ ابن حجر نے تقریب میں کہا: وائل بن علقمہ عن وائل بن حجر عن عبد الجبار صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح سند یوں ہے۔ عبد الجبار عن علقمہ بن وائل عن ابیہ۔ اور تہذیب التہذیب میں ہے کہ وائل بن علقمہ اور علقمہ بن وائل دونوں طرح سے یہ نام آیا ہے۔ پھر علقمہ بن وائل کے اپنے باپ سے سماع میں اختلاف ہے، ابن معین نے اس روایت کو مرسل کہا ہے اور اسی طرح میزان میں ہے۔ تقریب میں ہے کہ علقمہ بن وائل صدوق ہے مگر اس نے اپنے باپ سے نہیں سُنا۔ مولانا نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ علقمہ کا سماع اپنے باپ وائل رضی اللہ عنہ سے درست ہے اور اس کے بھائی عبد الجبار کا سماع ثابت نہیں ہے۔ نسائی کی روایت باب رفع الیدین میں اس کی تائید کرتی ہے جس میں علقمہ بن وائل کہتا ہے کہ میرے باپ نے مجھ سے حدیث بیان کی اور یہ لفظ سماعت میں صریح ہے۔ اسی طرح ترمذی نے الابواب الاحکام میں علقمہ بن وائل عن ابیہ کی روایت درج کی ہے اور اسکو حدیث حسن صحیح کہا ہے۔ یہ فیصلہ بھی سماع پر دلالت کرتا ہے۔ پھر ترمذی نے بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَرْأَةِ اُسْتُكْرِهَتْ عَلَى الزِّنَا میں کہا ہے کہ علقمہ بن وائل اپنے بھائی عبد الجبار سے بڑا تھا اور علقمہ کا سماع اپنے باپ سے صحیح ہے مگر عبد الجبار نے باپ سے کچھ نہیں سُنا۔

اس حدیث میں سجدے سے سر اٹھاتے وقت بھی رفع یدین ثابت ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ دونوں سجدوں سے سر اٹھاتے وقت ایسا ہو۔ اگر دونوں سجدوں سے اٹھتے وقت رفع یدین ہو تو دو بار تو یہ ہو گیا اور دو بار پہلے یعنی رکوع اور قومہ میں، پس تکبیر تحریمہ کے علاوہ یہ چار مرتبہ رفع یدین ثابت ہوا۔ اگر تکبیر تحریمہ والے رفع کو ملایا جائے تو پانچ بار ثابت ہوا۔ لیکن پچھلی حدیث میں گزر چکا ہے کہ دو سجدوں کے درمیان رفع یدین نہیں تھا۔ بخاری کی روایت سے، اور ابو داؤد کی ایک روایت سے بھی: وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي السُّجُوْدِ کا لفظ یہ بتاتا ہے کہ دو سجدوں کے درمیان رفع یدین نہیں تھا۔ ہاں! یہ معنیٰ نکل سکتا ہے کہ دوسری رکعت کی طرف اٹھتے وقت رفع یدین ہوتا تھا۔ پس اس طرح ایک مقام گھٹ گیا اور

تکبیر تحریمہ کے علاوہ تین مقامات پر رفع یدین ثابت ہوا۔ ابو داؤد کے بیان کے مطابق اس حدیث میں ہمام نے سجدہ والا رفع یدین بیان نہیں کیا اور عبدالوارث نے بیان کیا ہے۔ بہر صورت یہ حدیث اگر صحیح مانی جائے تو لفظا ہرگز گزشتہ احادیث کے خلاف اس میں دو سجدوں یا ایک سجدہ سے (یعنی دوسرے سے) سر اٹھاتے وقت بھی رفع یدین ثابت ہوتا ہے۔

۷۲۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ يَعْنِي ابْنَ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا الْمَسْعُودِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ وَائِلٍ حَدَّثَنِي أَهْلُ بَيْتِي عَنْ أَبِي أَنَّهُ حَدَّثَهُمْ أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ مَعَ التَّكْبِيرِ۔

(ترجمہ) عبدالجبار بن وائل نے کہا کہ میرے گھر والوں نے مجھے میرے والد کے متعلق بتایا کہ اس نے انہیں حدیث سنائی تھی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی تکبیر (یعنی تکبیر تحریمہ) کے ساتھ رفع یدین کرتے دیکھا تھا۔ (اس روایت میں حدثنی عن اهل بیتی کے لفظ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ عبدالجبار کو بتانے والا گھر کا کون سا فرد تھا، لہٰذا یہ روایت مجہولین سے ہے۔ ویسے اس میں صرف ایک ہی رفع یدین کا ذکر ہے)

۷۲۵۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ النَّخَعِيِّ عَنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ أَبْصَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى كَانَتَا بِحِيَالِ مَنْكِبَيْهِ وَحَاذَى بِإِبْهَامَيْهِ أُذُنَيْهِ ثُمَّ كَبَّرَ۔

(ترجمہ) عبدالجبار بن وائل اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب نماز میں کھڑے ہوئے تو ہاتھ اٹھائے حتیٰ کہ وہ کندھوں کے برابر ہو گئے اور اپنے انگوٹھے کانوں کی محاذات میں رکھے پھر تکبیر کہی (یہ روایت مرسل ہے کیونکہ عبدالجبار نے اپنے باپ سے نہیں سنی تھی۔

۷۲۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ قُلْتُ لَأَنْظُرَنَّ إِلَى صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ يُصَلِّي قَالَ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَكَبَّرَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى حَاذَتَا أُذُنَيْهِ ثُمَّ أَخَذَ شِمَالَهُ بِيَمِينِهِ فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ رَفَعَهُمَا مِثْلَ ذَلِكَ فَلَمَّا ثُمَّ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا مِثْلَ ذَلِكَ فَلَمَّا سَجَدَ وَضَعَ رَأْسَهُ بِذَلِكَ الْمَنْزِلِ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ ثُمَّ جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَوَضَعَ يَدَهُ

الْيُسْرَى عَلَى فَخِذِهِ الْيُسْرَى وَحَدَّ مِرْفَقَهُ الْأَيْمَنَ عَلَى فَخِذِهِ الْيُمْنَى وَقَبَضَ ثِنْتَيْنِ وَحَلَّقَ حَلْقَةً وَّرَأَيْتُهُ يَقُولُ هٰكَذَا وَحَلَّقَ بِشْرٌ الْإِبْهَامَ وَالْوُسْطَى وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ ۔

(ترجمہ) وائل بن حجرؓ نے کہا کہ میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو ضرور دیکھوں گا کہ آپؐ کیسے نماز پڑھتے ہیں ۔ وائلؓ نے کہا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور قبلہ کو منہ کیا ، پھر تکبیر کہی اور ہاتھوں کو کانوں کے برابر اٹھایا پھر بائیں ہاتھ کو دائیں سے تھام لیا ۔ پھر جب رکوع کا ارادہ کیا تو پہلے کی طرح ہاتھ اٹھائے ۔ پھر اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھے ۔ وائلؓ نے کہا کہ پھر جب حضورؐ نے رکوع سے سر اٹھایا تو اسی طرح ہاتھ اٹھائے ۔ پھر جب سجدہ کیا تو اپنا سر دونوں ہاتھوں کے درمیان میں رکھا اور ہاتھوں کو کانوں کے برابر رکھا ۔ پھر آپؐ بیٹھ گئے تو اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور دائیں کہنی کو دائیں ران پر رکھا مگر کہنی اور ران میں فاصلہ رکھا اور دائیں ہاتھ کی دو انگلیاں بند کرلیں اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنایا اور میں نے آپؐ کو یوں اشارہ کرتے دیکھا ۔ بشر راوی نے انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنا کر انگشت شہادت سے اشارہ کرکے دکھایا ۔

٧٢٧ ۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ بِإِسْنَادِهِ وَمَعْنَاهُ قَالَ فِيهِ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرَى وَالرُّسْغِ وَالسَّاعِدِ وَقَالَ فِيهِ ثُمَّ جِئْتُ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي زَمَانٍ فِيهِ بَرْدٌ شَدِيدٌ فَرَأَيْتُ النَّاسَ عَلَيْهِمْ جُلُّ الثِّيَابِ تَحَرَّكُ أَيْدِيهِمْ تَحْتَ الثِّيَابِ ۔

(ترجمہ) عاصم بن کُلیب کی سند سے اوپر کی حدیث کے معنیٰ جیسی حدیث مروی ہے جس میں یہ لفظ ہیں کہ : پھر آپؐ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں ہتھیلی کی پُشت پر رکھا اور گُٹ اور بازو پر رکھا ، اور اس میں یہ بھی کہا کہ : پھر میں اس کے بعد شدید سردی کے زمانے میں آیا تو میں نے لوگوں کو بہت کپڑے پہنے ہوئے دیکھا ، ان کے ہاتھ کپڑوں کے اندر ہلتے تھے (یعنی انتقالات کے لئے اور نماز کے ارکان میں حرکت کے لئے اور رفع الیدین کے لئے)

٧٢٨ ۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيَالَ أُذُنَيْهِ قَالَ ثُمَّ أَتَيْتُهُمْ فَرَأَيْتُهُمْ يَرْفَعُونَ أَيْدِيَهُمْ إِلَى صُدُورِهِمْ فِي افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ وَعَلَيْهِمْ بَرَانِسُ وَأَكْسِيَةٌ ۔

(ترجمہ) وائل بن حجرؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپؐ نے نماز شروع فرمائی تو اپنے ہاتھ کانوں کے آس پاس تک اٹھائے ۔ پھر میں ان کے پاس گیا تو وہ اپنے ہاتھ ابتدائے صلاۃ میں سینوں تک

اٹھاتے تھے اور ان پر جبے ہوتے تھے اور کمبل ہوتے تھے۔

۴۔ بَابُ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ

نماز شروع کرنے کا طریق

۷۲۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْاَنْبَارِيُّ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ شَرِيكٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الشِّتَاءِ فَرَاَيْتُ اَصْحَابَهُ يَرْفَعُونَ اَيْدِيَهُمْ فِي ثِيَابِهِمْ فِي الصَّلٰوةِ

(ترجمہ) وائل بن حجرؓ نے کہا کہ میں موسم سرما میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپ کے اصحاب کو نماز میں اپنے کپڑوں کے اندر ہاتھ اٹھاتے دیکھا (یعنی ابتدائے صلوٰۃ میں جیسا کہ ابن ابی شیبہ کی روایت سے ظاہر ہے اور ابوداؤد نے عنوان باب سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے)

۷۳۰۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ حَدَّثَنَا اَبُو عَاصِمٍ الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى وَهٰذَا حَدِيثُ اَحْمَدَ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ يَعْنِي ابْنَ جَعْفَرٍ اَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ ابْنُ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا حُمَيْدٍ السَّاعِدِيَّ فِي عَشَرَةٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ اَبُو قَتَادَةَ قَالَ اَبُو حُمَيْدٍ اَنَا اَعْلَمُكُمْ بِصَلٰوةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا فَلِمَ فَوَاللّٰهِ مَا كُنْتَ بِاَكْثَرِنَا لَهُ تَبِعَةً وَلَا اَقْدَمِنَا لَهُ صُحْبَةً قَالَ بَلٰى قَالُوا فَاعْرِضْ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ كَبَّرَ حَتّٰى يَقِرَّ كُلُّ عَظْمٍ فِي مَوْضِعِهِ مُعْتَدِلًا ثُمَّ يَقْرَاُ ثُمَّ يُكَبِّرُ فَيَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ يَرْكَعُ وَيَضَعُ رَاحَتَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ يَعْتَدِلُ فَلَا يَنْصِبُ رَاْسَهُ وَلَا يُقْنِعُ ثُمَّ يَرْفَعُ رَاْسَهُ فَيَقُولُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ثُمَّ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ مَنْكِبَيْهِ مُعْتَدِلًا ثُمَّ يَقُولُ اللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ يَهْوِي اِلَى الْاَرْضِ فَيُجَافِي يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ ثُمَّ يَرْفَعُ رَاْسَهُ وَيَثْنِي رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَقْعُدُ عَلَيْهَا وَيَفْتَحُ اَصَابِعَ رِجْلَيْهِ اِذَا سَجَدَ ثُمَّ يَسْجُدُ ثُمَّ يَقُولُ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَيَرْفَعُ وَيَثْنِي رِجْلَهُ الْيُسْرٰى

فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا حَتّٰى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ إِلٰى مَوْضِعِهِ ثُمَّ يَصْنَعُ فِي الْأُخْرٰى مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ كَمَا كَبَّرَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ ثُمَّ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فِي بَقِيَّةِ صَلَاتِهِ حَتّٰى إِذَا كَانَتِ السَّجْدَةُ الَّتِي فِيهَا التَّسْلِيمُ أَخَّرَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَقَعَدَ مُتَوَرِّكًا عَلٰى شِقِّهِ الْأَيْسَرِ قَالُوا صَدَقْتَ هٰكَذَا كَانَ يُصَلِّي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(ترجمہ) ابو حمیدؓ ساعدی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دس صحابہ میں، جن میں ابو قتادہؓ بھی تھا، کہا کہ میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو جاننے والا ہوں۔ انہوں نے کہا کیوں؟ واللہ تو ہم سب سے زیادہ آپؐ کا اتباع کرنے والا اور ہم سے زیادہ عرصہ آپؐ کے ساتھ رہنے والا تو نہیں۔ اس نے کہا کیوں نہیں؟ انہوں نے کہا اچھا پھر پیش کرو۔ اس نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو اپنے ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتے پھر تکبیر کہتے تھے حتیٰ کہ آپؐ کی ہر ہڈی اعتدلال کے ساتھ اپنی جگہ پر قرار پکڑ لیتی تھی۔ پھر قرأت فرماتے پھر تکبیر کہتے اور کندھوں کے برابر تک ہاتھ اٹھاتے تھے۔ پھر رکوع کرتے اور اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھتے تھے۔ پھر اعتدال کی حالت میں رہتے تھے۔ نہ تو اپنا سر اوپر کو اٹھاتے اور نہ اسے پست کرتے۔ پھر آپؐ اپنا سر اٹھاتے اور کہتے: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ۔ پھر اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے حتیٰ کہ کندھوں کے برابر لے جاتے تھے اور سیدھے کھڑے رہتے۔ پھر اللہ اکبر کہتے اور زمین کی طرف جھکتے تھے۔ پس اپنے ہاتھوں کو پہلوؤں سے الگ رکھتے تھے۔ پھر اپنا سر اٹھاتے تھے اور اپنا بایاں پاؤں موڑتے اور اس پر بیٹھ جاتے تھے اور اپنے دونوں پاؤں کی انگلیاں سجدے میں کھول کر رکھتے تھے۔ پھر اللہ اکبر کہتے اور اپنا سر اٹھاتے اور بایاں پاؤں بچھا دیتے تھے اور اس پر بیٹھتے تھے حتیٰ کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر واپس آ جاتی۔ پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کرتے تھے۔ پھر جب دونوں رکعتوں سے اٹھتے تھے تو تکبیر کہتے اور رفع یدین کرتے حتیٰ کہ ہاتھ کندھوں کے محاذات میں لے جاتے تھے۔ جس طرح کہ ابتدائی تکبیر میں کیا تھا۔ پھر اپنی باقی نماز میں اسی طرح کرتے تھے یہاں تک کہ وہ سجدہ یا رکعت آ جاتی جس میں سلام ہوتا تو اپنا بایاں پاؤں دائیں طرف کو نکالتے اور بائیں پہلو پر ران کے اوپر بیٹھتے۔ اصحابؓ نے کہا تو نے سچ کہا اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے۔

(شرح) عبدالحمید بن جعفر راوی کو ثوری نے ضعیف کہا ہے۔ ابو حاتم نے کہا کہ وہ ناقابل احتجاج ہے۔ ابن المدینی نے کہا کہ گو وہ قدری تھا مگر ہمارے نزدیک ثقہ تھا۔ محمد بن عمرو بن عطاء کو عام محدثین نے ثقہ کہا اور ابن معین نے کبھی ثقہ اور کبھی ضعیف کہا ہے۔ طحاوی نے کہا ہے کہ یہ حدیث محمد بن عمرو بن عطاء نے ابو حمید ساعدی سے نہیں سنی۔ دونوں کے درمیان ایک مجہول شخص کا رابطہ ہے طحاوی کے نزدیک وہ رابطہ عن رجل کے لفظ سے اور ابوداؤد نے دو حدیثیں بعد میں عباس یا عیاش بن سہل کا رابطہ بیان کیا ہے ابو حمیدؓ ساعدی کا قول کہ: میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو جاننے والا ہوں، ان کے اپنے ظن پر مبنی تھا اس نے سمجھا کہ جتنے غور سے میں نے حضورؐ کی نماز کو دیکھا تھا، تم نے نہیں دیکھا۔ اس حدیث میں رکوع اور قومہ کے رفع یدین کے علاوہ تیسری رکعت کی ابتداء میں بھی رفع یدین آیا ہے جسے امام شافعیؒ نے ابن عمرؓ کی حدیث کی وجہ سے نہیں لیا۔ حالانکہ سنت کا ثبوت چاہے کسی حدیث سے ہو جائے وہ سنت ہے۔

حدیث کے آخر میں جو صحابہ کا قول مذکور ہے کہ: انہوں نے کہا تو نے سچ کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز یوں ہی تی

تھی۔ طحاوی نے کہا ہے کہ یہ قول ابوعاصم راوی کے علاوہ کسی اور راوی نے نقل نہیں کیا۔ یہ حدیث نسائی کے علاوہ پانچوں صحاح میں موجود ہے مگر بخاری نے اسے مختصر بیان کیا ہے۔ اس حدیث کو کئی وجوہ سے معلول ٹھیرایا گیا ہے: (۱) عبدالحمید بن جعفر ضعیف ہے۔ (۲) محمد بن عمرو بن عطاء نے یہ حدیث نہ ابو حمید رضی سے سُنی نہ ان دس اصحاب میں سے کسی اور سے جن کا ذکر اس میں آیا ہے۔ وہ دراصل ایک مجہول راوی سے روایت کرتا ہے جس کا نام بعض روایات میں عباس یا عیاش بن سہل ساعدی آیا ہے۔ (۳) اس حدیث میں ابوقتادہ کی موجودگی بتائی گئی ہے مگر محمد بن عمرو نے ابوقتادہ رض کو نہیں پایا۔ (۴) اس حدیث کا لفظ قَالُوْا جَمِيْعًا صَدَقْتَ آیا ہے جو صرف ابوعاصم عن عبدالحمید کی سند میں ہے اور اسے کسی اور نے بیان نہیں کیا۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ان اعتراضات میں سے بعض کا جواب دیا ہے، انہوں نے کہا کہ محمد بن عمرو نے سَمِعْتُ کے لفظ سے سماع کا اظہار کیا ہے۔ جب ثقہ راوی ایسا کرے تو روایت لائق اعتماد ہے۔ اگر وہ کسی اور روایت میں کسی راوی کا اضافہ کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ توجیہ صرف اس وقت جائز ہوگا جبکہ راوی کا سماع ثابت ہو اور امام رجال شعبی نے سماع کی نفی کی ہے کیونکہ اس راوی نے ابوحمید رض کو سرے سے دیکھا یا پایا ہی نہیں۔ حافظ صاحب نے ابوقتادہ رض کی اس وقت موجودگی کے متعلق کہا ہے کہ ابوقتادہ رض کی وفات میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ حضرت علی رض کی خلافت میں فوت ہوئے تھے اور حضرت علی رض نے ان کی نماز جنازہ خود پڑھائی تھی۔ اگر یہ درست ہے تو محمد بن عمرو کی ملاقات ابوقتادہ رض سے ممکن ہے۔ حافظ صاحبؒ نے کہا کہ اس بناء پر کہنا پڑے گا کہ جن لوگوں نے محمد بن عمرو کی عمر یا وفات کا زمانہ بیان کیا ہے انہیں وہم ہوا ہے۔ یا پھر ابوقتادہ رض کا نام کسی راوی کے وہم کے سبب سے مذکور ہوا ہے۔ حافظ صاحب کا یہ قول دراصل بقول علامہ عینی، بیہقی کے قول سے ماخوذ ہے جو اس نے کتاب المعرفۃ میں لکھا ہے۔ ابوقتادہ رض کا سن وفات حسن بن عثمان نے ۵۴ھ بتایا ہے لہٰذا محمد بن عمرو کی ملاقات اس سے ثابت نہیں ہے۔

اب جہاں تک قعدہ میں بیٹھنے کی کیفیت کا تعلق ہے حنفیہ کے نزدیک دونوں قعدوں کے جلوس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یعنی بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھنا مسنون ہے اور یہی ثوری کا قول ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک پہلے قعدے کا مسنون طریقہ تو وہی ہے کہ بایاں پاؤں بچھایا جائے اور دایاں پاؤں کھڑا کر کے بائیں پر بیٹھا جائے مگر دوسرے قعدے میں ان کے نزدیک تورّک مسنون ہے یعنی دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر بایاں سرین زمین پر ٹکا کر اس پر بیٹھنا۔ امام مالکؒ نے دونوں میں تورّک کو مسنون کہا ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ حدیث ہے جو اس وقت زیر نظر ہے۔ حنفیہؒ کی دلیل ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کی حدیث ہے جس کے آخر میں ہے کہ حضورؐ ہر دو رکعات پر التحیات پڑھتے تھے اور بایاں پاؤں بچھاتے اور دایاں کھڑا کرتے تھے (مسند احمد، مسلم، ابوداؤد) اور وائل بن حجر کی روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا۔ پس آپؐ نے سجدہ کیا اور بایاں پاؤں بچھایا (مسند احمد، ابوداؤد، نسائی) اور رفاعہ بن رافع کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیہاتی سے فرمایا کہ جب تو سجدہ کرے تو زمین پر اعضاء کو اچھی طرح جما کر رکھ، پھر جب تو بیٹھے تو اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھ (مسند احمد) یہ حکم مردوں کے لئے ہے۔ عورت کا معاملہ چونکہ تستر پر مبنی ہے لہٰذا وہ تورّک کرے کہ حتی الوسع ایسی طرح بیٹھے جس سے پردہ ہو۔

۷۳۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيْعَةَ عَنْ يَزِيْدَ يَعْنِي ابْنَ اَبِيْ حَبِيْبٍ

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ عَنْ عَمْرٍو الْعَامِرِيِّ قَالَ كُنْتُ فِي مَجْلِسٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَذَاكَرُوا صَلَاتَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ فَذَكَرَ بَعْضَ هٰذَا الْحَدِيثِ وَقَالَ فَإِذَا رَكَعَ أَمْكَنَ كَفَّيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ وَفَرَّجَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهُ غَيْرَ مُقْنِعٍ رَأْسَهُ وَلَا صَافِحٍ بِخَدِّهِ وَقَالَ فَإِذَا قَعَدَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ قَعَدَ عَلَى بَطْنِ قَدَمِهِ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْيُمْنَى فَإِذَا كَانَ فِي الرَّابِعَةِ أَفْضَى بِوَرِكِهِ الْيُسْرَى إِلَى الْأَرْضِ وَأَخْرَجَ قَدَمَيْهِ مِنْ نَاحِيَةٍ وَاحِدَةٍ ۔

(ترجمہ) محمد بن عمرو العامری کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی ایک جماعت میں تھا، پس انہوں نے باہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا ذکر کیا۔ پس ابوحمید نے کہا الخ اور راوی نے اس حدیث کا بعض حصہ بیان کیا اور کہا کہ جب رکوع کرتے تو ہتھیلیوں سے گھٹنوں کو پکڑ لیتے اور انگلیاں کھول دیتے، پھر اپنی پشت جھکاتے مگر سر کو پشت سے بلند نہ رکھتے اور اپنے کسی رخسار کو ایک طرف کو نہ کرتے (کہ گردن ٹیڑھی نظر آتی) اور راوی نے کہا کہ ابوحمید رضؓ نے کہا جب آپ دو رکعتوں پر تشہد میں بیٹھتے تو اپنے بائیں پاؤں کو نچلی طرف پر بیٹھتے اور دایاں پاؤں کھڑا کرتے۔ جب چوتھی رکعت ہوتی تو اپنے بائیں سرین کو زمین پر جماتے اور دونوں پاؤں ایک طرف (یعنی دائیں طرف کو) نکال دیتے ۔

(شرح) تورک کی کیفیت میں روایات مختلف ہیں۔ بخاری میں ہے کہ: جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں آگے بڑھاتے اور دایاں کھڑا کرتے اور سرینوں پر بیٹھتے۔ یہاں سنن ابی داؤد میں جو کیفیت اس روایت میں ہے وہ بالکل سامنے ہے۔ پس بخاری کی روایت کو حالتِ تورک میں بھی دایاں پاؤں کھڑا رکھنا بتاتی ہے اور ابو داؤد کی روایت میں دونوں پاؤں کو ایک طرف نکالنا آیا ہے اور دائیں کو کھڑا کرنے کا کوئی ذکر نہیں۔ حنفیہ کا مسلک اس میں وہ ہے جو البدائع میں ہے کہ دونوں سرینوں کو زمین پر رکھیں، دونوں پاؤں دائیں جانب کو نکالیں اور بائیں سرین پر بیٹھیں۔ اور یہ دونوں حدیثیں اختلافِ اوقات پر محمول ہیں کہ حضورؐ نے کبھی یوں کیا اور کبھی یوں کیا۔ مسلم نے ابن زبیرؓ سے جلوسِ تشہد کی ایک تیسری صورت روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بایاں قدم اپنی ران اور پنڈلی کے درمیان میں رکھتے تھے (یعنی دائیں ران اور پنڈلی کے درمیان)

۷۳۲ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْمِصْرِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ يَزِيدَ ابْنِ مُحَمَّدٍ الْقُرَشِيِّ وَيَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ نَحْوَ هٰذَا قَالَ فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضِهِمَا وَاسْتَقْبَلَ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِهِ الْقِبْلَةَ ۔

(ترجمہ) ایک اور سند سے گزشتہ حدیث جس کے آخر میں ہے کہ: پھر جب آپؐ سجدہ کرتے تو ہاتھوں کو نہ تو زمین پر پھیلاتے اور نہ

اپنی طرف سمیٹے اور اپنی انگلیوں کے اطراف کو قبلہ رُخ رکھتے تھے۔

۷۳۳ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبُو بَدْرٍ حَدَّثَنِي زُهَيْرٌ أَبُو خَيْثَمَةَ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الْحُرِّ حَدَّثَنِي عِيسَى بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ أَحَدِ بَنِي مَالِكٍ عَنْ عَبَّاسٍ أَوْ عَيَّاشِ بْنِ سَهْلٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّهُ كَانَ فِي مَجْلِسٍ فِيهِ أَبُوهُ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي الْمَجْلِسِ أَبُو هُرَيْرَةَ وَأَبُو حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ وَأَبُو أُسَيْدٍ بِهَذَا الْخَبَرِ يَزِيدُ أَوْ يَنْقُصُ قَالَ فِيهِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ يَعْنِي مِنَ الرُّكُوعِ فَقَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَرَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ فَسَجَدَ فَانْتَصَبَ عَلَى كَفَّيْهِ وَرُكْبَتَيْهِ وَصُدُورِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ سَاجِدٌ ثُمَّ كَبَّرَ فَجَلَسَ فَتَوَرَّكَ وَنَصَبَ قَدَمَهُ الأُخْرَى ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ ثُمَّ كَبَّرَ فَقَامَ وَلَمْ يَتَوَرَّكْ ثُمَّ سَاقَ الْحَدِيثَ قَالَ ثُمَّ جَلَسَ بَعْدَ الرَّكْعَتَيْنِ حَتَّى إِذَا هُوَ أَرَادَ أَنْ يَنْهَضَ لِلْقِيَامِ قَامَ بِتَكْبِيرَةٍ ثُمَّ رَكَعَ الرَّكْعَتَيْنِ الأُخْرَيَيْنِ وَلَمْ يَذْكُرِ التَّوَرُّكَ فِي التَّشَهُّدِ۔

(ترجمہ) عباس یا عیاش بن سہل ساعدی ایک مجلس میں تھا جس میں اس کا باپ بھی تھا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھا اور اس مجلس میں ابوہریرہؓ، ابو حمیدؓ ساعدی اور ابو اُسید بھی تھے۔ اُس نے اوپر والی حدیث کمی بیشی کے ساتھ بیان کی ہے۔ اس حدیث میں یہ ہے کہ پھر آپؐ نے رکوع سے سر اٹھایا اور کہا: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، اور رفع یدین کیا پھر اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہا اور سجدہ کیا جس میں آپؐ دونوں ہتھیلیوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں کے پنجوں کے بل سیدھے رہے۔ پھر تکبیر کہی اور بیٹھ گئے اور تورّک کیا اور دایاں پاؤں کھڑا کیا، پھر تکبیر کہہ کر سجدہ کیا، پھر اُٹھے اور تورّک نہ کیا۔ پھر راوی نے یہ حدیث بیان کی، کہا کہ پھر دو رکعتوں کے بعد بیٹھ گئے حتیٰ کہ جب قیام کے لئے اٹھنے کا ارادہ کیا تو تکبیر کہہ کر اُٹھے۔ پھر پچھلی دو رکعتیں پڑھیں۔ راوی نے تشہد میں تورّک کا ذکر نہیں کیا (نہ پہلے تشہد میں نہ دوسرے میں)

(شرح) مولاناؒ نے فرمایا کہ کتب رجال میں عیاس بن سہل ساعدی کا کوئی ذکر نہیں ہے اور عباس بن سہل کا ذکر موجود ہے۔ یہ جو عباس اور عیاش میں شک ہے شاید امام ابوداؤد کے استاد علی بن حسین کی طرف سے ہے۔ بیہقی نے یہی روایت بیان کی ہے مگر علی بن حسین کے طریق سے نہیں ہے اور اس میں شک نہیں بلکہ عباس بن سہل کا لفظ شک کے بغیر ہے۔ اس حدیث میں سجدے کی جو کیفیت آئی ہے عنقریب یہی حدیث باب التورّک میں آتی ہے مگر اس کا سیاق اس کے خلاف ہے۔ وہاں پر وَهُوَ جَالِسٌ کا لفظ ہے اور یہاں پر وَهُوَ سَاجِدٌ ہے، مولاناؒ نے فرمایا کہ یہی ساجد کا لفظ درست ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ دوسرے سجدے کے بعد حضورؐ اُٹھ کھڑے ہوئے اور تورّک نہیں کیا مگر یہ عبدالحمید بن جعفر کی گزشتہ حدیث کے خلاف ہے کیونکہ اس میں یہاں پر

بھی بیٹھ جانے کا ذکر موجود ہے۔

۷۳۴ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرٍو اَخْبَرَنِيْ فُلَيْحٌ حَدَّثَنِيْ عَبَّاسُ بْنُ سَهْلٍ قَالَ اجْتَمَعَ اَبُوْ حُمَيْدٍ وَّاَبُوْ اُسَيْدٍ وَّسَهْلُ بْنُ سَعْدٍ وَّمُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَذَكَرُوْا صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَبُوْ حُمَيْدٍ اَنَا اَعْلَمُكُمْ بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ بَعْضَ هٰذَا قَالَ ثُمَّ رَكَعَ فَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ كَاَنَّهٗ قَابِضٌ عَلَيْهِمَا وَوَتَّرَ يَدَيْهِ فَتَجَافٰى عَنْ جَنْبَيْهِ قَالَ ثُمَّ سَجَدَ فَاَمْكَنَ اَنْفَهٗ وَجَبْهَتَهٗ وَنَحّٰى يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ حَتّٰى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ فِيْ مَوْضِعِهٖ حَتّٰى فَرَغَ ثُمَّ جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَاَقْبَلَ بِصَدْرِ الْيُمْنٰى عَلٰى قِبْلَتِهٖ وَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى وَكَفَّهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهٖ قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ وَرَوٰى هٰذَا الْحَدِيْثَ عُتْبَةُ بْنُ اَبِيْ حَكِيْمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عِيْسٰى عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ سَهْلٍ لَمْ يَذْكُرِ التَّوَرُّكَ وَذَكَرَ نَحْوَ فُلَيْحٍ وَذَكَرَ الْحَسَنُ بْنُ الْحُرِّ نَحْوَ جِلْسَةِ حَدِيْثِ فُلَيْحٍ وَّعُتْبَةَ۔

(ترجمہ) عباس بن سہل نے بیان کیا کہ ابو حمیدؓ، ابو اُسیدؓ، سہل بن سعد اور محمد بن مسلمہ جمع ہوئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا ذکر کیا۔ ابو حمیدؓ نے کہا کہ میں تم سب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو زیادہ جانتا ہوں پس راوی نے گزشتہ حدیث کا کچھ حصہ بیان کیا، کہا کہ پھر حضورؐ نے رکوع کیا اور دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے گویا کہ آپ نے گھٹنوں کو پکڑا ہوا تھا اور دونوں ہاتھوں کو کمان کی تانت کی طرح بنایا اور انہیں پہلوؤں سے جُدا رکھا۔ اور کہا کہ پھر آپؐ نے سجدہ کیا پس اپنی ناک اور پیشانی زمین پر جمادی اور ہاتھوں کو پہلوؤں سے جُدا رکھا۔ اور ہتھیلیوں کو کندھوں کے برابر رکھا۔ پھر اپنا سر اٹھایا حتیٰ کہ ہر ہڈی اپنے مقام پر لوٹ آئی۔ حتیٰ کہ آپؐ فارغ ہو گئے، پھر بیٹھے تو اپنا بایاں پاؤں بچھا دیا اور دائیں پاؤں کے وسط کو قبلہ رُخ کیا اور اپنی دائیں ہتھیلی دائیں گھٹنے پر رکھی اور بائیں ہتھیلی بائیں گھٹنے پر رکھی اور اپنی انگلی سے اشارہ کیا۔ ابو داؤدؒ نے کہا کہ عتبہ بن ابی حکیم نے عبد اللہ بن عیسٰی سے اور اس نے عباسؓ بن سہل کی طرف سے بیان کیا اور تورّک کا ذکر نہیں کیا۔ اور فلیح کی حدیث (یعنی یہی زیر نظر حدیث) کی مانند ذکر کیا اور حسن بن حُرؒ نے فلیح اور عتبہ کے جلسہ کی مانند ذکر کیا۔

(شرح) اس حدیث میں بھی دوسری احادیث کی نسبت کچھ معمولی لفظی اختلافات موجود ہیں جو راویوں کے طرزِ ادا پر مبنی ہیں۔ امام ابن الہمام نے فتح القدیر میں فرمایا ہے کہ صحیح مسلم میں حضورؐ کے نماز میں بیٹھنے کی کیفیت کے سلسلے میں آیا ہے کہ آپؐ اپنی دائیں ہتھیلی کو دائیں ران پر رکھتے اور اپنی تمام انگلیوں کو بند کر لیتے اور اس انگلی سے اشارہ فرماتے جو انگوٹھے کے پاس ہے۔ اور آپؐ بائیں

ہتھیلی کو بائیں ران پر رکھتے۔ اور اس میں شک نہیں کہ انگلیاں بند کر کے ہتھیلی کو رکھنے کا مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا، پس مراد یہ ہے (واللہ اعلم) کہ پہلے ہتھیلی کو رکھتے اور پھر انگلیاں سمیٹ کر مٹھی اس وقت بند کرتے تھے جبکہ اشارہ کرنا ہوتا تھا، اور امام محمدؒ سے یہی مروی ہے کہ چھنگلی اور ساتھ والی انگلی کو بند کرے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنائے اور مسبحہ کو کھڑا کرے اور ابو یوسفؒ کی امالی میں بھی یہی آیا ہے۔ اور یہ اشارے کی تصحیح کی فرع ہے۔ اور بہت سے مشائخؒ سے منقول ہوا ہے کہ اشارہ بالکل نہ کرے حالانکہ یہ روایت و درایت دونوں کے خلاف ہے۔ امام حلوانی نے کہا ہے کہ لا الٰہ کے وقت کھڑی کرے اور الا اللہ پر نیچے رکھ دے تاکہ اٹھانا نفی کے لئے ہو اور رکھنا اثبات کے لئے اور مناسب ہے کہ انگلیوں کے سرے گھٹنے کے کنارے پر ہوں نہ کہ اس سے دور۔ علامہ ابن حجرؒ نے انگلی اٹھانے کی کیفیت یہ لکھی ہے کہ روایات کو جمع کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے اور ہمارے ائمہ کا مسلک یہی ہے کہ ہتھیلیوں کے اندرونی طرف کو رانوں پر رکھے درآنحالیکہ وہ گھٹنوں کے قریب ہوں۔ اور حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ دائیں ہاتھ کی انگشتِ شہادت کو اٹھانا مسنون ہے لیکن ذرا سا پست رکھ کر کیونکہ اس میں ایک صحیح حدیث موجود ہے کہ انگلی قبلہ رخ ہو اس حدیثِ صحیح سے ابو داؤد کی بیان کردہ حدیث کے عموم میں تخصیص کی جائے گی جس میں ہے کہ: حضورؐ دعاء یا تشہد کے وقت انگلی اٹھاتے تھے اور مسنون یہ ہے کہ انگلی اٹھاتے وقت توحید و اخلاص کی نیت کرے۔ اور یہ بھی مسنون ہے کہ نگاہ کو اشارے سے آگے نہ لے جائے۔ ان سب باتوں میں حضورؐ کا اتباع مدنظر ہے اور انگلی کو حرکت دینا مکروہ ہے، گو بیہقی کی روایت میں تحریک کا لفظ موجود ہے مگر اس سے مراد رفع ہے نہ کہ بار بار ہلانا۔ اور یہ حدیث ضعیف ہے کہ انگلیاں ہلانے سے شیطان ڈر جاتا ہے۔

ابو داؤدؒ نے روایات پر گفتگو کے وقت عبداللہ بن عیسیٰ راوی کا ذکر کیا ہے، اس کا نام دراصل عیسیٰ بن عبداللہ ہے۔ (تہذیب التہذیب)

۷۳۵۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ حَدَّثَنِي عُتْبَةُ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عِيسَى عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ سَهْلٍ السَّاعِدِيِّ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ بِهَذَا الْحَدِيثِ قَالَ وَإِذَا سَجَدَ فَرَّجَ بَيْنَ فَخِذَيْهِ غَيْرَ حَامِلٍ بَطْنَهُ عَلَى شَيْءٍ مِنْ فَخِذَيْهِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ ابْنُ الْمُبَارَكِ أَخْبَرَنَا فُلَيْحٌ سَمِعْتُ عَبَّاسَ بْنَ سَهْلٍ يُحَدِّثُ فَلَمْ أَحْفَظْهُ فَحَدَّثَنِيهِ أُرَاهُ ذَكَرَ عِيسَى بْنَ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ سَمِعَهُ مِنْ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلٍ قَالَ حَضَرْتُ أَبَا حُمَيْدٍ السَّاعِدِيَّ۔

(ترجمہ) یہی حدیث ایک اور سند سے، اس میں ہے کہ راوی نے کہا کہ جب حضورؐ سجدہ کرتے تو اپنی رانوں کو جدا جدا رکھتے، پیٹ کو رانوں پر بالکل نہ رکھتے تھے۔ ابو داؤدؒ نے کہا کہ اس حدیث کو عبداللہ بن المبارکؒ نے روایت کیا کہ: ہمیں فلیح نے خبر دی، اس نے کہا میں نے عباس بن سہل کو حدیث سناتے سنا مگر وہ مجھے یاد نہ رہی تو پھر میرے خیال میں، عیسیٰ بن عبداللہ نے کہا کہ میں نے یہ حدیث عباس بن سہل سے سنی، اس نے کہا میں ابو حمیدؓ ساعدی کے پاس حاضر تھا (اس سے معلوم ہوا کہ اوپر کی روایت والا عبداللہ بن عیسیٰ دراصل عیسیٰ بن عبداللہ ہے جیسا کہ تہذیب التہذیب کے حوالے سے ابھی گزرا)۔

۷۳۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جُحَادَةَ عَنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ قَالَ فَلَمَّا سَجَدَ وَقَعَتَا رُكْبَتَاهُ إِلَى الْأَرْضِ قَبْلَ أَنْ تَقَعَا كَفَّاهُ فَلَمَّا سَجَدَ وَضَعَ جَبْهَتَهُ بَيْنَ كَفَّيْهِ وَجَافَى عَنْ إِبْطَيْهِ قَالَ حَجَّاجٌ قَالَ هَمَّامٌ وَحَدَّثَنَا شَقِيقٌ حَدَّثَنِي عَاصِمُ بْنُ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ هٰذَا وَفِي حَدِيثِ أَحَدِهِمَا وَأَكْبَرُ عِلْمِي أَنَّهُ حَدِيثُ مُحَمَّدِ بْنِ جُحَادَةَ وَإِذَا نَهَضَ نَهَضَ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَاعْتَمَدَ عَلَى فَخِذَيْهِ۔

(ترجمہ) عبدالجبار بن وائل نے اپنے باپ سے اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی گزشتہ حدیث روایت کی، اس میں کہا کہ: جب آپؐ نے سجدہ کیا تو آپؐ کے گھٹنے زمین پر ہتھیلیاں رکھنے سے قبل ہی زمین پر جا لگے۔ پھر جب سجدہ کیا تو آپؐ نے پیشانی کو دونوں ہاتھوں کے درمیان میں رکھا اور ہاتھوں کو بغلوں سے جُدا رکھا۔ اسی حدیث کی ایک اور روایت میں ہے کہ، جب آپؐ اٹھے تو گھٹنوں کے بل اٹھے اور ہاتھوں کو رانوں پر رکھا (یعنی اوپر اٹھتے وقت ہاتھوں کو زمین کا سہارا نہیں دیا۔ یہ دوسری روایت مرسل ہے کیونکہ اس کا راوی کلیب بقول ابو حاتم رازی، بخاری وغیرہما تابعی ہے اور اسی طرح ابوزرعہ کا ابن سعد اور ابن حبان کا قول بھی ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے کُلَیب کو صحابی کہا ہے مگر ابن حجر نے اس قول کو وہم قرار دیا ہے)

۷۳۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دَاوُدَ عَنْ فِطْرٍ عَنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ إِبْهَامَيْهِ فِي الصَّلٰوةِ إِلَى شَحْمَةِ أُذُنَيْهِ۔

(ترجمہ) عبدالجبار بن وائل نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں اپنے انگوٹھے کانوں کی لَو تک اٹھاتے دیکھا۔ (اوپر گذر چکا ہے کہ یہ روایت منقطع ہے کیونکہ عبدالجبار نے اپنے باپ وائلؓ سے نہیں سُنا)

۷۳۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ اللَّيْثِ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي عَنْ يَحْيَى بْنِ أَيُّوبَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ لِلصَّلٰوةِ جَعَلَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَإِذَا رَكَعَ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ وَإِذَا رَفَعَ

لِلسُّجُوْدِ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ وَإِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ ۔

(ترجمہ) ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر لے جاتے اور جب رکوع کرتے تو بھی اسی طرح اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی اسی طرح کرتے اور جب دو رکعتوں سے اٹھتے تو بھی ایسا ہی کرتے تھے ۔

(شرح) اس حدیث میں رکوع اور قومہ کے علاوہ تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت بھی رفع یدین ثابت ہے ۔ اگر رفع یدین کے ثبوت میں یہ حدیث پیش کی جاتی ہے تو اس پوری حدیث پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا ؟ اس سوال کا جواب درکار ہے ۔ مفصل گفتگو پیچھے گزر چکی ہے ۔

۷۳۹ ۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيْعَةَ عَنْ أَبِي هُبَيْرَةَ عَنْ مَيْمُوْنَ الْمَكِّيِّ أَنَّهُ رَأَى عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ وَصَلَّى بِهِمْ يُشِيْرُ بِكَفَّيْهِ حِيْنَ يَقُوْمُ وَحِيْنَ يَرْكَعُ وَحِيْنَ يَسْجُدُ وَحِيْنَ يَنْهَضُ لِلْقِيَامِ فَيَقُوْمُ فَيُشِيْرُ بِيَدَيْهِ فَانْطَلَقْتُ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ إِنِّيْ رَأَيْتُ ابْنَ الزُّبَيْرِ صَلَّى صَلٰوةً لَمْ أَرَ أَحَدًا يُصَلِّيْهَا فَوَصَفْتُ لَهُ هٰذِهِ الْإِشَارَةَ فَقَالَ إِنْ أَحْبَبْتَ أَنْ تَنْظُرَ إِلَى صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاقْتَدِ بِصَلٰوةِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ ۔

(ترجمہ) میمون المکی سے روایت ہے کہ اس نے عبداللہ بن زبیر کو دیکھا اور انہوں نے میمون وغیرہ کو نماز پڑھائی وہ اپنی ہتھیلیوں سے اشارہ کرتے تھے قیام کے وقت (یعنی نماز کی ابتداء میں) اور رکوع کے وقت اور سجدہ کے وقت اور جب قیام کے لئے اوپر اٹھتے تو اٹھتے وقت بھی ہاتھوں سے اشارہ کرتے تھے ۔ پھر میں ابن عباسؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ میں نے ابن زبیرؓ کو ایسی نماز پڑھتے دیکھا ہے جیسی نماز پڑھتے کسی اور کو نہیں دیکھا ۔ پس میں نے ابن عباسؓ کو اس اشارے کی کیفیت بتائی ۔ ابن عباسؓ نے کہا : اگر تو چاہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھے تو عبداللہؓ بن زبیر کی نماز کی پیروی کر ۔

(شرح) خلاصہ میں ہے کہ میمون المکی مجہول راوی ہے ۔ میزان میں ہے کہ وہ معروف نہیں اور اس سے روایت کرنے میں ابن ہبیرہ سبائی حضرمی متفرد ہے (ابن ہبیرہ ، ابوہبیرہ بھی ہے یہ اس کی دونوں کنیتیں ہیں) تقریب میں بھی اسے مجہول لکھا ہے ۔ روایت کا حال جو بھی ہے مگر اس میں رکوع اور قومہ کے علاوہ تیسری رکعت کی طرف اٹھتے وقت بھی رفع یدین ثابت ہے مفصل گفتگو پیچھے گزری ۔

۷۴۰ ۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ أَبَانٍ الْمَعْنٰى قَالَا نَا النَّضْرُ بْنُ كَثِيْرٍ يَعْنِي السَّعْدِيَّ قَالَ صَلّٰى إِلٰى جَنْبِيْ عَبْدُ اللهِ بْنُ طَاوُسٍ فِيْ مَسْجِدِ الْخَيْفِ

فَكَانَ إِذَا سَجَدَ السَّجْدَةَ الْأُولَى فَرَفَعَ رَأْسَهُ مِنْهَا رَفَعَ يَدَيْهِ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ فَأَنْكَرْتُ ذَلِكَ فَقُلْتُ لِوُهَيْبِ بْنِ خَالِدٍ فَقَالَ لَهُ وُهَيْبُ بْنُ خَالِدٍ تَصْنَعُ شَيْئًا لَمْ أَرَ أَحَدًا يَصْنَعُهُ فَقَالَ ابْنُ طَاؤُسٍ رَأَيْتُ أَبِي يَصْنَعُهُ وَقَالَ أَبِي رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَصْنَعُهُ وَلَا أَعْلَمُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُهُ ۔

النضر بن کثیر سعدی نے کہا کہ میرے پہلو میں عبداللہ بن طاؤس نے مسجد خیف میں نماز پڑھی، تو جب وہ پہلا سجدہ کر کے اُس سے سر اُٹھاتا تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے چہرے کے سامنے اٹھاتا تھا، پس نے اس رفع کو بیگانہ جانا اور وہب بن خالد سے اس کا ذکر کیا۔ وہب بن خالد نے اُس سے کہا: تو ایک ایسا کام کرتا ہے جسے میں نے کسی کو کرتے نہیں دیکھا، تو ابن طاؤس نے کہا کہ میں نے اپنے باپ (طاؤس) کو ایسا کرتے دیکھا تھا اور میرے باپ نے کہا کہ میں نے ابن عباس کو ایسا کرتے دیکھا تھا، اور میں نہیں جانتا مگر یہ کہ اس نے (ابن عباسؓ نے) کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے تھے۔

شرح: اوپر کی حدیث میں ابن عباسؓ کا قول گزرا ہے کہ" اگر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھنا پسند کرتا ہے تو عبداللہ بن زبیرؓ کی اقتدا کر"۔ حدیث زیر نظر میں (اوپر کی حدیث کی طرح) ابن عباسؓ کا فعل مذکور ہے اور ابن عباسؓ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ آنجناب دونوں سجدوں کے درمیان بھی رفع یدین کرتے تھے۔ پس یہ عظیم القدر اصحاب کا قول و عمل ہے جسے ابن عباسؓ حضورؐ کی طرف مرفوع کر کے بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ کا بھی یہی عمل تھا۔ اب" جدید زمانے کے محدثین کرام" بتائیں کہ ان کا فتویٰ ان حضرات کے بارے میں کیا ہے، اور یہ کہ وہ اس حدیث مرفوع کو کیوں نہیں مانتے اور حدیثوں کو ٹکرا کر ایک کو ترجیح دیتے اور دوسری کو کیوں ترک کرتے ہیں؟ نیز یہ بھی ارشاد ہو کہ رفع یدین کی سینکڑوں حدیثوں کا دعویٰ کرنے والے صرف ایک ابن عمرؓ کی حدیث پہ کیوں عامل ہیں حالانکہ ابن عمرؓ کی حدیث جو مؤطا میں امام مالکؒ نے روایت کی ہے اس میں تکبیر تحریمہ کے بعد صرف ایک جگہ رفع یدین کا ذکر ہے۔ اگر" یہ سینکڑوں احادیث" کا ڈھنڈورا درست ہے تو آپ حضرات کا ان سب پہ عمل کیوں نہیں؟ یاد رہے کہ نضر بن کثیر سعدی پہ کلام ہوا ہے مگر ابو داؤدؒ اس کی حدیث پہ خاموش رہے ہیں جو ان کے نزدیک اس کے معتبر ہونے کی علامت ہے۔ اگلے باب میں ابن عمر کی مرفوع حدیث آ رہی ہے جس میں پہلی رکعت سے دوسری کی طرف اٹھتے وقت یا دوسری پڑھ کر تیسری کی طرف اٹھتے وقت بھی رفع یدین کا ذکر موجود ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی رکعت کے اندر رکوع کو جاتے وقت، رکوع سے اٹھتے وقت، دونوں سجدوں کے درمیان اور پھر دوسری رکعت کو اٹھتے وقت، کل چار مرتبہ علاوہ تکبیر تحریمہ کے رفع یدین کے ہاتھ اٹھانا احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ عمل بالحدیث کے مدعی جو دوسروں پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے رہتے ہیں وہ ان حدیثوں پر کیوں عمل نہیں کرتے؟ بَیِّنُوا تُؤجَرُوا!

۷۴۱ - حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ أَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى نَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنْ

ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ كَانَ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا رَكَعَ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ وَإِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَيَرْفَعُ ذٰلِكَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبُو دَاوُدَ الصَّحِيحُ قَوْلُ ابْنِ عُمَرَ لَيْسَ بِمَرْفُوعٍ قَالَ اَبُو دَاوُدَ وَرَوَى بَقِيَّةُ اَوَّلَهُ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ وَاَسْنَدَهُ وَرَوَاهُ الثَّقَفِيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ اَوْقَفَهُ عَلَى ابْنِ عُمَرَ وَقَالَ فِيهِ وَإِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ يَرْفَعُهُمَا إِلَى ثَدْيَيْهِ وَهٰذَا الصَّحِيحُ قَالَ اَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ وَمَالِكٌ وَاَيُّوبُ وَابْنُ جُرَيْجٍ مَوْقُوفًا وَاَسْنَدَهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَحْدَهُ عَنْ اَيُّوبَ لَمْ يَذْكُرْ اَيُّوبُ وَمَالِكٌ الرَّفْعَ إِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ وَذَكَرَهُ اللَّيْثُ فِي حَدِيثِهِ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ فِيهِ قُلْتُ لِنَافِعٍ اَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَجْعَلُ الْاُولَى اَرْفَعَهُنَّ قَالَ لَا سَوَاءٌ قُلْتُ اَشِرْ لِي فَاَشَارَ إِلَى الثَّدْيَيْنِ اَوْ اَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ۔

ابن عمرؓ جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہہ کر دونوں ہاتھ اٹھاتے، اور جب رکوع کرتے، اور جب سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہتے اور جب دو رکعتوں سے اٹھتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور اس فعل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مرفوع کرتے تھے۔ ابوداؤد نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ ابن عمرؓ کا قول ہے اور مرفوع نہیں ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ بقیہ نے اس حدیث کا پہلا حصہ عبداللہ سے روایت کیا اور اس کو مرفوع کیا ہے اور ثقفی نے عبداللہ سے روایت کیا اور ابن عمرؓ پر موقوف بیان کیا اور اس میں کہا کہ: جب وہ دو رکعتوں سے اٹھتے تو ہاتھوں کو پستانوں تک اٹھاتے تھے، اور یہی روایت صحیح ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ اس کو لیث بن سعد، مالک، ایوب اور ابن جریج نے موقوف روایت کیا اور اسے صرف حماد بن سلمہ نے ایوب سے مُسند (مرفوع) بیان کیا ہے، اور ایوب اور مالک نے دونوں سجدوں سے اٹھتے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں کیا اور لیث نے اس کو اپنی حدیث میں بیان کیا ہے۔ ابن جریج نے اس روایت میں کہا کہ: میں نے نافع سے کہا کہ کیا ابن عمرؓ پہلے رفع یدین کو (تکبیر تحریمہ کے وقت) سب سے بلند کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: نہیں، سب رفع برابر ہوتے تھے۔ میں نے کہا کہ مجھے اشارے سے بتاؤ تو نافع نے پستانوں تک یا اس سے بھی نیچے کی طرف اشارہ کیا (آپ نے دیکھا کہ اس حدیث میں بہرحال ایک رکعت ختم ہونے پر رفع یدین ثابت ہو رہا ہے۔ یاد رہے کہ جن ائمہ حدیث کا نام ابوداؤد نے لیا ہے یہ سب ثقہ اور مسلّم امام ہیں! پھر بھی ان کی روایت میں وقف و رفع کا اختلاف موجود ہے! اور بخاری نے عبدالاعلیٰ کی اس حدیث کو مرفوع روایت کیا ہے اور دار قطنی نے اس کے رفع کو درست کہا ہے)

۷۴۲۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَ اللهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا ابْتَدَأَ الصَّلٰوةَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَاِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَهُمَا دُوْنَ ذٰلِكَ قَالَ اَبُوْدَاؤدَ لَمْ يَذْكُرْ رَفَعَهُمَا دُوْنَ ذٰلِكَ اَحَدٌ غَيْرُ مَالِكٍ فِيْ مَا اَعْلَمُ۔

نافع نے کہا کہ عبداللہ بن عمرؓ نماز کی ابتداء میں اپنے ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے تھے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اس سے کم اونچے اٹھاتے تھے۔ ابوداؤد نے کہا اس سے پست رفع یدین میرے علم میں مالک کے سوا کسی نے بیان نہیں کیا (اس حدیث میں رفع کی مقدار کا بیان ہے ایک موضع رفع یعنی رکوع کے لیے جھکتے وقت مذکور نہیں ہے۔ مقدور کا اختلاف صرف بیان کا اختلاف ہے کیونکہ کندھوں تک ہاتھ اٹھائیں تو ان کا کچھ حصہ سینے کے سامنے رہتا ہے، لہٰذا یہ گذشتہ حدیث کے خلاف نہیں ہے، گو ابوداؤد نے دُوْنَ ذٰلِكَ کا لفظ صرف مالک کی روایت کا بیان کیا ہے۔ مالک ثقہ ہیں اور امام مسلم ہیں لہٰذا کسی اور کا اس لفظ کو بیان نہ کرنا انہیں مضر نہیں ہے!)

۷۴۳۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْمُحَارِبِيُّ قَالَا ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ۔

ابن عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دو رکعتوں میں کھڑے ہوتے (یعنی ایک پڑھ کر دوسری کے لیے یا دوسری پڑھ کر تیسری کے لیے۔ یہاں دونوں احتمال مساوی ہیں!)، تو تکبیر کہتے اور رفع یدین کرتے تھے۔

شرح: حدیث ابن عمرؓ پر کچھ کلام گزر چکا ہے۔ امام ترمذی نے تکبیر تحریمہ کے بعد کہیں بھی رفع یدین نہ کرنے کو بہت سے صحابہؓ و تابعین اور سفیان ثوری اور فقہائے کوفہ کا مذہب بتایا ہے (باب رفع الیدین عند الرکوع) اس کی شرح ہماری کتاب هدیة الالمعی شرح ترمذی میں ملے گی، ان صحابہ و تابعین اور ائمہ اسلام پر آجکل کے "محدثین" جو چاہیں فتویٰ جڑ دیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث نفیٔ رفع الیدین کو ترمذی نے حسن کہا ہے۔ نسائی نے اس حدیث کو جس سند سے روایت ہے علامہ ہاشم المدنی نے اسے علی شرط الشیخین قرار دیا ہے۔ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں رفع یدین کے واجب نہ ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ جنہوں نے رفع یدین کا قول کیا انہوں نے اُسے مستحب کہا ہے نہ کہ واجب۔ اور مالکؒ کی مشہور روایت بھی عدم استحباب کی ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک رفع یدین صرف مستحب ہے۔ معلوم نہیں فروع کو اصول ٹھہرانے والے حضرات ان ائمہ دین پر کیا فتویٰ لگاتے ہیں! اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ دعا ہے کہ مسلمانوں کو تعصب و تحزب اور تعنت کے

مہلک فتنوں سے محفوظ فرمائے جنہوں نے مسلمانوں کو امت واحدہ کے بجائے ذرا ذرا سی ٹکڑیوں میں بانٹ دیا ہے - آمین -

۷۴۴۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْهَاشِمِيُّ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ مُوسَى ابْنِ عُقْبَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْفَضْلِ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوبَةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَيَصْنَعُ مِثْلَ ذٰلِكَ إِذَا قَضٰى قِرَاءَتَهُ وَأَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ وَيَصْنَعُهُ إِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوعِ وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ صَلَاتِهِ وَهُوَ قَاعِدٌ وَإِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ كَذٰلِكَ وَكَبَّرَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ فِي حَدِيثِ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ حِينَ وَصَفَ صَلٰوةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ كَمَا كَبَّرَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ۔

علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فرض نماز میں کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اور جب قرأت مکمل کر لیتے اور رکوع کا ارادہ کرتے تو بھی اسی طرح کرتے تھے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تب بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ اور جب بیٹھے ہوتے تو نماز میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔ اور جب دو سجدوں (یا دو رکعتوں) کے بعد اٹھتے تو بھی اسی طرح ہاتھ اٹھاتے تھے۔ ابو داؤد نے کہا کہ ابو حمیدؓ ساعدی کی حدیث میں ہے جبکہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت بیان کی ہے، کہ جب حضورؐ دو رکعتوں کے بعد اٹھتے تھے تو تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے تھے جس طرح کہ نماز کی ابتداء میں اٹھاتے تھے۔

شرح: حضرت علیؓ کی اس روایت سے: وَإِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ کے الفاظ سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ پہلی رکعت کے دو سجدے کر چکنے کے جب دوسری رکعت کے لیے اٹھتے تو بھی رفع یدین کرتے تھے، لہٰذا امام ابو داؤد نے ابو حمید ساعدیؓ کی گزشتہ احادیث کا حوالہ دے کر بتایا کہ اس سے مراد دو رکعتوں سے اٹھنا ہے۔ یعنی سجدتین سے مراد رکعتین ہے۔ علامہ شوکانی نے کہا ہے یہاں پر سجدتین سے یہی مراد ہے اور محدثین اور فقہاء کا یہی قول ہے مگر امام خطابیؒ نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ دوسری رکعت کی طرف اٹھتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے۔ اس صورت میں رفع یدین کے مواقع کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

۷۴۵۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ نَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ نَصْرِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا كَبَّرَ وَإِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ حَتَّى يَبْلُغَ بِهِمَا فُرُوعَ أُذُنَيْهِ

مالک بن حویرث نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ تکبیر تحریمہ کے وقت، رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے یہاں تک کہ ہاتھوں کو کانوں کی اوپر کی لوؤں تک پہنچاتے تھے (اس حدیث میں تکبیر تحریمہ سمیت تین بار رفع یدین کا ثبوت ہے)

۷۴۶۔ حَدَّثَنَا ابْنُ مُعَاذٍ نَا أَبِي ح وَحَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ مَرْوَانَ نَا شُعَيْبٌ يَعْنِي ابْنَ إِسْحَاقَ الْمَعْنَى عَنْ عِمْرَانَ عَنْ لَاحِقٍ عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ قَالَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ لَوْ كُنْتُ قُدَّامَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَرَأَيْتُ إِبْطَيْهِ زَادَ ابْنُ مُعَاذٍ قَالَ يَقُولُ لَاحِقٌ أَلَا تَرَى أَنَّهُ فِي الصَّلٰوةِ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَكُونَ قُدَّامَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَادَ مُوسَى يَعْنِي إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ہوتا تو آپؐ کی بغلیں دیکھ لیتا۔ ابن معاذ نے یہ لفظ بڑھائے کہ: کیا تم دیکھتے نہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نماز میں ہوتا تھا اس کے لیے ممکن نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ہوتا! اور موسیٰ نے یہ اضافہ کیا کہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ جب حضورؐ ابتدائے نماز کے لیے تکبیر کہتے تو ہاتھ اٹھاتے تھے (اور ہاتھوں کو بلند کرتے تھے، آستینیں کھلی ہونے کے باعث اس حالت میں آپ کی بغلیں نظر آسکتی تھیں)

۷۴۷۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا ابْنُ إِدْرِيسَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ عَلَّمَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ فَكَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمَّا رَكَعَ طَبَّقَ يَدَيْهِ بَيْنَ رُكْبَتَيْهِ قَالَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ سَعْدًا فَقَالَ صَدَقَ أَخِي قَدْ كُنَّا نَفْعَلُ هٰذَا ثُمَّ أُمِرْنَا بِهٰذَا يَعْنِي الْإِمْسَاكَ عَلَى الرُّكْبَتَيْنِ۔

علقمہ نے کہا کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سکھائی۔ پس آپؐ نے تکبیر کہی اور دونوں ہاتھ اٹھائے۔ پس جب رکوع کیا تو اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں میں ملائے۔ راوی نے کہا کہ سعد کو یہ حدیث پہنچی تو انہوں نے کہا: میرے بھائی نے سچ کہا، ہم پہلے ایسا ہی کرتے تھے پھر ہمیں اس طرح کرنے کا حکم ملا یعنی گھٹنے پکڑنے کا حکم ملا۔

شرح: امام طحاویؒ نے کہا کہ کچھ لوگوں کا اس حدیث کی بنا پر یہی مذہب ہے کہ رکوع کے وقت دونوں ہاتھوں کو ملایا جائے۔ اور دوسروں نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ نمازی تطبیق نہ کرے بلکہ مناسب صورت یہ ہے کہ رکوع میں دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر اس طرح رکھے کہ گویا انہیں پکڑے ہوئے ہے اور انگلیاں کھول کر رکھے۔ ان لوگوں کی دلیل حضرت عمرؓ کی حدیث، ابو مسعودؓ بدری کی حدیث، ابو حمید ساعدیؓ کی حدیث جو دس اصحابؓ کے سامنے بیان ہوئی تھی، وائل بن حجرؓ کی حدیث، ابو ہریرہؓ کی حدیث اور سعد بن ابی وقاصؓ کی حدیث ہے جس میں یہ تصریح موجود ہے کہ پہلے تطبیق ہوتی تھی مگر پھر اس سے منع کر دیا گیا۔ پس اس سے تطبیق کا نسخ ثابت ہوا۔ اور ان دوسرے لوگوں نے کہا کہ ابن مسعودؓ کو نسخ کی خبر نہیں پہنچی، مگر یہ بات مشکل ہے کیونکہ ابن مسعودؓ قدیم الاسلام ہیں، سفر و حضر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے اور حضورؐ کی وفات شریف تک جدا نہیں ہوئے، پس یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ انہیں رکوع کے اندر دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم نہیں پہنچا تھا، اور انہیں نسخ کا علم کیونکر نہیں ہو سکتا تھا۔ پس مناسب یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ وہ ان دونوں امور میں تخییر کے قائل تھے۔ اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: کہ جب تو رکوع کرے تو تجھے اختیار ہے کہ تو اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھے اور اگر چاہے تو دونوں ہاتھوں کو ملائے (تطبیق کرے) اس حدیث کی سند حسن ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ بھی ابن مسعودؓ کی مانند تخییر کے قائل تھے (عینی شرح البخاری)

بَابُ مَنْ لَمْ يَذْكُرِ الرَّفْعَ عِنْدَ الرُّكُوْعِ

جس نے رکوع کے وقت رفع یدین نہیں کیا اس کا باب

۷۴۸۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمٍ يَعْنِي ابْنَ كُلَيْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ أَلَا أُصَلِّيْ بِكُمْ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَصَلّٰى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا مَرَّةً۔

علقمہ نے کہا کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز نہ پڑھاؤں؟ علقمہ نے کہا کہ پھر انہوں نے نماز پڑھائی تو اس میں صرف ایک مرتبہ (شروع میں) ہاتھ اٹھائے۔

شرح: ابو داؤد کے تمام نسخوں میں یہ حدیث یہیں پر ختم ہو گئی ہے۔ صرف مجتبائی نسخے کے حاشیے پر یہ عبارت لکھی ہے کہ: ابو داؤد نے کہا کہ یہ حدیث ایک لمبی حدیث سے مختصر کی گئی ہے اور وہ ان الفاظ پر صحیح نہیں (یا اس معنی پر صحیح نہیں)۔ یہ عبارت مشکوک ہے، معلوم نہیں مصنف کی طرف سے ہے یا کسی اور نے صرف ایک نسخہ مجتبائیہ پر بڑھا دی ہے (یعنی حاشیے پر) کتابوں کی عبارتوں میں تحریف گو ایک بڑی عجیب جسارت ہے مگر کرنے والے ایسا کر گزرتے ہیں۔ آخر لوگوں نے غلط سلط حدیثیں بھی تو گھڑی تھیں، اور پھر بڑی ہی "نیک نیتی" کے ساتھ، کہ اس طرح فلاں مسلک کی تقویت ہوتی ہے (جو محرّفین کے نزدیک برحق ہوتا تھا!) بقول شاہ عبدالعزیزؒ، ابن جریر طبری اور امام ابن قتیبہ دینوری کی طرف لوگوں نے خود کتابیں لکھ کر منسوب کر دی تھیں۔ اور بعض محقق علماء کے خیال کے مطابق خود شاہ عبدالعزیزؒ کے فتاویٰ میں نقب زنی ہوئی ہے اور ان کی طرف بعض رسائل و کتب منسوب کئے گئے ہیں، مثلاً سرّ الشہادتین نامی رسالہ۔ حالانکہ ایک طرف شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے خاندان کی کتب رکھیں اور دوسری طرف یہ مواد تو دونوں میں کوئی نسبت ہی نظر نہیں آتی۔ تحفۂ اثنا عشریہ کا مصنف اپنے قلم سے سرّ الشہادتین جیسا رسالہ نہیں لکھ سکتا تھا۔

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ عبارت ابو داؤد کی ہے تو لیس بصحیح کا معنی ضعیف نہیں ہے، کیونکہ صحت کی نفی سے ضعف لازم نہیں آتا۔ حدیث حسن گو صحیح نہیں ہوتی مگر ضعیف بھی نہیں ہوتی۔ امام ترمذی نے جامع میں کہا کہ یہ حدیث حسن ہے۔ اگر بالفرض مان لیں کہ ابو داؤد کے نزدیک یہ حدیث ہے تو بھی ضروری نہیں کہ اس کا دعویٰ درست ہو۔ ابن حزم ظاہری نے اپنی معروف شدت کے باوجود اسے صحیح کہا ہے اور مثبت کا قول نافی پر مقدم ہوتا ہے۔ ابو داؤد کا یہ مجرد قول ایسا نہیں جس سے استدلال کیا جا سکے۔ جس حدیث طویل کا حوالہ اس عبارت میں ابو داؤد کی طرف منسوب ہوا ہے اسے بخاری نے جزء رفع الیدین میں روایت کیا ہے جس کے آخر میں: "ثُمَّ لَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا مَرَّةً" کے الفاظ نہیں ہیں۔ امام بخاری نے کہا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث اہل نظر کے نزدیک اسی طرح محفوظ ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ اگر ابو داؤد کی روایت بخاری کی اس روایت کا اختصار ہے تو اس مختصر میں ثقہ راوی کا اضافہ ہے جو محدثین کے نزدیک مقبول ہے۔

۷۴۹۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا مُعَاوِيَةُ وَخَالِدُ بْنُ عَمْرٍو وَأَبُو حُذَيْفَةَ قَالُوا نَا سُفْيَانُ بِإِسْنَادِهِ بِهٰذَا قَالَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ وَقَالَ بَعْضُهُمْ مَرَّةً وَاحِدَةً۔

یہ اُسی حدیث کی دوسری روایت ہے جس میں بعض راویوں نے مَرَّةً وَاحِدَةً کا لفظ بولا ہے، یعنی رفع الیدین صرف ایک مرتبہ شروع میں کیا تھا۔

۷۵۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّازُ نَا شَرِيكٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنِ الْبَرَاءِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَى قَرِيبٍ مِنْ أُذُنَيْهِ ثُمَّ لَا يَعُودُ۔

براءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو اپنے ہاتھوں کو کانوں کے قریب تک اٹھاتے پھر دوبارہ ایسا نہ کرتے (گفتگو اس پر کچھ پہلے گزری اور کچھ آگے آتی ہے۔

۷۵۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الزُّهْرِيُّ نَا سُفْيَانُ عَنْ يَزِيدَ نَحْوَ حَدِيثِ شَرِيكٍ لَمْ يَقُلْ ثُمَّ لَا يَعُودُ قَالَ سُفْيَانُ قَالَ لَنَا بِالْكُوفَةِ بَعْدُ ثُمَّ لَا يَعُودُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَى هٰذَا الْحَدِيثَ هُشَيْمٌ وَخَالِدٌ وَابْنُ إِدْرِيسَ عَنْ يَزِيدَ لَمْ يَذْكُرُوا ثُمَّ لَا يَعُودُ۔

یہ اسی حدیث کی دوسری روایت ہے مگر اس میں ثُمَّ لَا يَعُودُ کا لفظ نہیں ہے۔ سفیان نے کہا کہ یزید بن ابی زیاد نے اس کے بعد کوفہ میں ہم سے یہ حدیث بیان کی تو اس میں ثُمَّ لَا يَعُودُ کہا۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث ہشیم، خالد اور ابن ادریس نے یزید سے روایت کی ہے۔ انہوں نے ثُمَّ لَا يَعُودُ کا ذکر نہیں کیا۔

شرح: سفیان کے قول کا مطلب یہ ہے کہ یزید بن ابی زیاد نے یہ حدیث ہمیں کوفہ جانے سے پہلے جب سنائی تھی تو اس میں یہ ثُمَّ لَا يَعُودُ کا اضافہ نہیں تھا۔ پھر جب وہ کوفہ میں داخل ہوا اور وہاں یہ حدیث ہمیں سنائی تو اس میں یہ لفظ زائد تھا۔ گویا یہ اس پر الزام کے علاوہ اہل کوفہ پر بھی ایک طنز ہوئی کہ انہوں نے اسے یہ لفظ سکھا دیئے اور اس نے اصل حدیث میں جوڑ کر بیان کرنا شروع کر دیئے تھے۔ اس سے پہلے اس مضمون پر کافی بحث ہو چکی ہے کہ یہ الفاظ صرف یزید بن ابی زیاد نے ہی نہیں بلکہ اور راویوں نے بھی یہی یا ان سے ملتے جلتے الفاظ روایت کئے ہیں مثلاً عیسیٰ بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور حکم بن عتیبہ دونوں ثقہ راوی ہیں انہوں نے یہ الفاظ روایت کئے ہیں (طحاوی، بیہقی، ابوداؤد)۔

۷۵۲۔ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَا وَكِيعٌ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ أَخِيهِ عِيسَى عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ

افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ ثُمَّ لَمْ یَرْفَعْھُمَا حَتّٰی انْصَرَفَ قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ ھٰذَا الْحَدِیْثُ لَیْسَ بِصَحِیْحٍ۔

براء بن عازبؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے نماز میں رفع یدین کرتے دیکھا، پھر نماز ختم ہونے تک آپ نے رفع یدین نہ کیا۔ ابو داؤد نے کہا کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔

شرح: اس حدیث کی سند میں عن اخیہ عیسٰی عن الحکم کے الفاظ ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ میرے نزدیک اصل عبارت یوں ہے: عن اخیہ عیسٰی وعن الحکم، مطلب یہ ہوا کہ ابوداؤد کی حدیث میں بظاہر عیسٰی بن ابی لیلٰی کی روایت الحکم سے اور اس کی عبدالرحمن ابن ابی لیلٰی سے ہے، مگر کاتبوں نے وَ کا حرف چھوڑ دیا ہے۔ دراصل یہ روایت عیسٰی اور حکم دونوں عبدالرحمن سے کرتے ہیں۔ اس کی دلیل طحاوی کی یہی حدیث ہے۔ اس میں یہ لفظ ہیں، محمد بن ابی لیلٰی عن اخیہ وعن الحکم، اور یہ روایت اسی طرح حرف عطف کے ساتھ مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی ہے۔ رہا ابو داؤد کا قول کہ یہ حدیث صحیح نہیں، سو غالبًا یہ اس لیے کہا ہے کہ محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلٰی پر بعض محدثین نے کلام کیا ہے۔ لیکن ابوحاتم نے احمد بن یونس کی روایت سے زائدہ کا قول نقل کیا ہے کہ محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلٰی دنیا بھر میں فقیہ ترین شخص تھا۔ عجلی کہا کہ وہ فقیہ، صاحب سُنّت، صدوق اور جائز الحدیث تھا۔ وہ قرآن کا عالم، حسین ترین، اور جمیل و نبیل تھا۔ یعقوب بن سفیان نے کہا کہ وہ ثقہ تھا اور عدل تھا گو بعض محدثین اس کی حدیث میں کچھ کلام کرتے اور اُسے نرم حدیث والا کہتے ہیں۔

۷۵۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا یَحْیٰی عَنِ ابْنِ اَبِیْ ذِئْبٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ سَمْعَانَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ فِی الصَّلٰوۃِ رَفَعَ یَدَیْہِ مَدًّا۔

ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں داخل ہوتے تو دونوں ہاتھوں کو خوب بلند کرتے تھے (اس حدیث میں نفیًا یا اثباتًا افتتاح صلوٰۃ کے بعد رفع یدین کا ذکر نہیں ہے)

بَابُ وَضْعِ الْیُمْنٰی عَلَی الْیُسْرٰی فِی الصَّلٰوۃِ

باب نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا

۷۵۴۔ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ اَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ صَالِحٍ عَنْ زُرْعَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ الزُّبَيْرِ يَقُوْلُ صَفُّ الْقَدَمَيْنِ وَوَضْعُ الْيَدِ عَلَى الْيَدِ مِنَ السُّنَّةِ۔

زرعہ بن عبدالرحمن نے کہا کہ میں نے ابن الزبیرؓ کو یہ فرماتے سُنا کہ دو پاؤں کو ایک سیدھ میں رکھنا اور ایک ہاتھ کو دوسرے پر رکھنا سُنت میں سے ہے (یعنی یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ پر رکھنے سے مراد دائیں کو بائیں پر رکھنا ہے جیسا کہ دوسری صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صحابی جب سُنت کا لفظ بولے تو اس کا مطلب حضورؐ کی ہوتا ہے اور ایسی حدیث مرفوع ہوتی ہے۔)

۷۵۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكَّارِ بْنِ الرَّيَّانِ عَنْ هُشَيْمِ بْنِ بَشِيْرٍ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ اَبِيْ زَيْنَبَ عَنْ اَبِيْ عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهُ كَانَ يُصَلِّيْ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلَى الْيُمْنٰى فَرَاٰهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى۔

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ وہ (یعنی خود ابن مسعودؓ) نماز پڑھ رہے تھے اور بائیں ہاتھ کو دائیں پر رکھ لیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو اس کے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ دیا۔

شرح: علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہتھیلی کو ہتھیلی پر رکھا جائے اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ اور ابن المنذر نے ابن الزبیرؓ، حسن بصریؒ اور نخعیؒ سے روایت کیا کہ ہاتھوں کو نیچے چھوڑ دیا جائے اور دایاں ہاتھ بائیں پر نہ رکھا جائے نوویؒ نے یہی مسلک لیث بن سعدؒ اور ابن القاسمؒ نے مالکؒ سے نقل کیا ہے۔ ابن الحکم نے اس کے خلاف امام مالکؒ سے ہاتھ باندھنے کی روایت نقل کی ہے۔ امام مالکؒ سے ان کے زیادہ تر اصحاب کی روایت اور مشہور تر روایت ارسال الیدین کی ہے۔ ابن سید الناس نے اوزاعی سے نقل کیا کہ ہاتھ باندھنے اور چھوڑنے میں اختیار ہے۔ حلبی نے منیۃ المصلی کی شرح میں کہا ہے کہ نمازی اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر تکبیر کے بعد رکھے اور ارسال نہ کرے اور دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑے یعنی دائیں ہتھیلی سے بائیں گٹ کو پکڑے۔ حدیث کی روایات میں وضع اور قبض دونوں لفظ آتے ہیں لہذا انہیں جمع کیا جانا چاہیے اس کی کیفیت یہ ہے دائیں ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی پر رکھے اور انگوٹھے اور چھنگلی سے گٹ پر حلقہ بنائے اور تین انگلیوں کو گٹ پر پھیلائے۔ اس طرح تمام احادیث جمع ہو جائیں گی۔

مولانا نے فرمایا کہ سنن ابی داؤد میں ابن الاعرابی کی روایت سے یہاں پر کچھ اور احادیث بھی درج ہیں جنہیں ہم درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث تو جناب علیؓ کی ہے کہ: علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز میں

ناف کے نیچے ہتھیلی پہ ہتھیلی رکھنا سنت ہے۔ اس حدیث میں عبد الرحمن واسطی ضعیف اور زیاد بن زید سوائی مجہول ہے۔ ابو داؤد کے نسخہ ابن الاعرابی کے علاوہ یہ حدیث مسند احمد میں بھی موجود ہے۔ دار قطنی نے یہ حدیث تین سندوں سے روایت کی ہے جن میں سے دو میں تو عبد الرحمن بن اسحاق عن زیاد بن زید ہے اور تیسری میں عبد الرحمن بن اسحاق عن النعمان بن سعد ہے۔ پس زیاد بن زید کی جہالت مضر نہیں کیونکہ ایک سند میں ایک معروف راوی موجود ہے۔ جہاں تک عبد الرحمن بن اسحاق کے ضعف کا تعلق ہے وہ ابن ابی شیبہ کی روایت سے مفر نہیں رہا کیونکہ اس نے یہ روایت مصنف میں ان راویوں سے بیان کی ہے: وکیع، موسی بن عمیر تمیمی عنبری، علقمہ بن وائل وائل بن حجر رض نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناف کے نیچے بائیں ہاتھ پہ دایاں ہاتھ رکھے ہوئے دیکھا تھا۔ مزید بحث آگے آئے گی (کیونکہ مصنف ابن ابی شیبہ کے بعض نسخوں میں تحت السرۃ کا لفظ نہیں ہے) بہر حال حضرت علی رض کی حدیث یہ ہے:

۷۵۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ زِيَادِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ أَنَّ عَلِيًّا قَالَ إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ فِي الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ۔

ابو جحیفہ رض نے کہا کہ علی رض نے فرمایا: نماز میں دائیں ہتھیلی کو بائیں پر رکھنا سنت ہے۔

شرح: اوپر ہم نے ابن ابی شیبہ کی جو حدیث درج کی ہے اس کی سند کو حافظ قاسم بن قطلوبغا نے الاختیار شرح المختار کی تخریج احادیث میں جید کہا ہے (الشیخ النیموی) علامہ ابو الطیب نے شرح ترمذی میں کہا ہے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے قوی ہے۔ شیخ عابد سندھی نے کہا کہ اس کے رجال ثقہ ہیں (طوالع الانوار) مولانا رح نے فرمایا کہ علقمہ بن وائل کا سماع اپنے باپ سے ثابت ہے مزید تحقیق باب الاخفاء بآمین میں آئے گی۔ علامہ حیات سندھی نے لفظ تحت السرۃ پر اعتراض کیا کہ یہ اضافہ ابن ابی شیبہ میں موجود نہیں ہے۔ اس کا جواب علامہ قائم سندھی نے رسالہ فوز الکرام میں یہ دیا ہے کہ علامہ حیات کا یہ قول غلط ہے: شیخ قاسم نے تیقن کے ساتھ اس اضافے کو ابن ابی شیبہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور ایک نسخے میں میں نے یہ لفظ تحت السرۃ خود دیکھا ہے اور وہ نسخہ شیخ مفتی عبد القادر کے کتب خانے میں موجود ہے۔ پھر اس اضافے کو غلط کہنا انصاف کے خلاف ہے۔ میں نے خود اسے ایک صحیح نسخے میں دیکھا ہے جس پہ تصحیح کی علامات لگی ہوئی تھیں۔ شیخ نیموی نے کہا کہ انصاف کی بات یہ ہے کہ یہ اضافہ اگرچہ صحیح ہے کیونکہ مسند کے اکثر نسخوں میں موجود ہے لیکن یہ ثقہ راویوں کی روایت کے خلاف ہے۔ جیسا کہ ابن خزیمہ میں علی الصدر کے لفظ کا اضافہ ثقہ راویوں کی روایت کے خلاف ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں اضطراب بھی ہے۔ پس یہ حدیث اگرچہ سند کے لحاظ سے صحیح ہے مگر متن کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ ابن ابی شیبہ نے اسی باب میں ایک اور حدیث جو دراصل ابراہیم نخعی کا اثر ہے، بیان کی ہے کہ: نماز میں دایاں ہاتھ بائیں پہ ناف کے نیچے رکھے۔ پھر ابن ابی شیبہ نے ابو مجلز کا اثر بیان کیا ہے جس میں تحت السرۃ کا لفظ موجود

ہے۔ اس اثر کو ابو داؤد نے بھی تعلیقاً بیان کیا ہے۔ پھر ابن ابی شیبہ نے ابومعاویہ عن عبدالرحمٰن عن زیاد بن زید السوائی عن ابی جحیفہ عن علیؓ یہ الفاظ روایت کئے ہیں کہ: نماز میں سنت یہ ہے کہ ہاتھوں کو ہاتھوں کے اوپر ناف کے نیچے رکھا جائے۔ اور عنقریب وائل بن حجرؓ کی حدیث ابو داؤد میں آرہی ہے کہ: ابوہریرہؓ نے کہا: نماز میں ہتھیلی کو ہتھیلی کے ساتھ ناف کے نیچے پکڑنا چاہیئے۔ ابن حزم نے محلیٰ میں تعلیقاً حضرت عائشہؓ سے حدیث کی ہے کہ: افعالِ نبوت میں سے یہ تین چیزیں بھی ہیں، جلدی افطار کرنا، دیر سے سحری کھانا اور دائیں ہاتھ کو بائیں پر نماز میں رکھنا۔ اور اسی قسم کی روایت حضرت انسؓ سے آئی ہے جس میں اخلاق النبوۃ کا لفظ ہے اور تحت السرہ کے لفظ کا اضافہ بھی۔

۷۵۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قُدَامَةَ بْنِ اَعْيَنَ عَنْ اَبِيْ بَدْرٍ عَنْ اَبِيْ طَالُوْتَ عَبْدِ السَّلَامِ عَنِ ابْنِ جَرِيْرٍ الضَّبِّيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَاَيْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُمْسِكُ شِمَالَهٗ بِيَمِيْنِهٖ عَلَى الرُّسْغِ فَوْقَ السُّرَّةِ قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ وَرُوِيَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ فَوْقَ السُّرَّةِ وَقَالَ اَبُوْمِجْلَزٍ تَحْتَ السُّرَّةِ وَرُوِيَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَلَيْسَ بِالْقَوِيِّ۔

ابن جریر ضبی نے اپنے باپ سے روایت کی کہ اس نے کہا میں نے علیؓ کو بایاں ہاتھ دائیں کے ساتھ گٹ پر ناف سے اوپر تھامے ہوئے دیکھا۔ ابو داؤد نے کہا کہ سعید بن جبیر سے فوق السرہ مروی ہے اور ابو مجلز نے تحت السرہ کہا ہے۔ اور یہ تحت السرہ ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے مگر قوی نہیں۔

شرح: آثار السنن میں ہے کہ فوق السرہ کے لفظ کا اضافہ غیر محفوظ ہے۔ اس کی روایت میں ابوبدر شجاع بن الولید متفرد ہے۔ ابوحاتمؒ نے شجاع بن البدر کو "نرم حدیث والا" کہا ہے (یہ جرح کے الفاظ ہیں) جیسا کہ مقدمہ فتح الباری میں میزان الاعتدال میں ہے۔ اس کے ساتھ یہ لفظ بھی ہیں کہ: یہ بوڑھا ہے متقن نہیں ہے لہٰذا اس پر بھروسہ نہیں ہے، مگر محمد بن عمرو بن علقمہ سے اس نے کچھ صحیح حدیثیں بھی روایت کی ہیں۔ تقریب میں ہے کہ اس کے کچھ اوہام بھی ہیں۔ پھر جریر الضبی کے متعلق میزان میں ہے کہ وہ غیر معروف ہے۔ ابوہریرہؓ کے اثر پر کلام اوپر گزرا ہے۔

۷۵۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اِسْحَاقَ الْكُوْفِيِّ عَنْ سَيَّارٍ اَبِي الْحَكَمِ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ قَالَ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ اَخْذُ الْاَكُفِّ عَلَى الْاَكُفِّ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ قَالَ اَبُوْدَاوٗدَ سَمِعْتُ اَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ يُضَعِّفُ حَدِيْثَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اِسْحَاقَ الْكُوْفِيِّ۔

ابو ہریرہ رضؓ نے کہا کہ نماز میں ناف سے نیچے ہتھیلیوں کو ہتھیلیوں کے اوپر پکڑنا چاہیئے۔ ابو داؤد نے کہا کہ میں نے احمد بن حنبلؒ کو عبدالرحمن بن اسحاق کوفی کی حدیث کی تضعیف کرتے سُنا۔

۷۵۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو تَوْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ يَعْنِي ابْنَ حُمَيْدٍ عَنْ ثَوْرٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى عَنْ طَاوُسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى ثُمَّ يَشُدُّ بِهِمَا عَلَى صَدْرِهِ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ۔

طاؤسؒ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھتے اور پھر انہیں اپنے سینے پر باندھتے۔

شرح: یہ حدیث مُرسل ہے۔ طاؤسؒ یمنی صحابی نہیں تھے۔ ہیثم یعنی ابن حمید راوی کو ابو داؤد نے ثقہ کہا ہے اور کہا ہے کہ یہ قدری تھا۔ ابو مسہر غسانی نے اُسے ضعیف قدری کہا ہے اور وہ اثبات میں سے نہیں تھا اور نہ اہل حفظ میں سے۔ میں نے اس سے حدیث لینا بند کر دیا ہے اور میں اسے ضعیف جانتا ہوں (تہذیب التہذیب) ثور بن یزید کو بہتوں نے ثقہ کہا ہے اور بقول ابو مسہر وغیرہ اوزاعی اس پر اعتراض کرتا اور اس کی ہجو کرتا تھا۔ سلیمان بن موسیٰ اموی کو کئی لوگوں نے ثقہ کہا ہے۔ ابو حاتم نے کہا ہے کہ وہ ہے تو ثقہ مگر اس کی حدیث میں اضطراب ہے۔ بخاری نے کہا اس نے کچھ منکر روایتیں کی ہیں۔ نسائی نے کہا کہ وہ فقیہ تو تھا مگر حدیث میں قوی نہ تھا اور اس کی حدیث میں نقص ہے۔ ابن المدینی نے کہا کہ وہ آخری عمر میں مختلط ہو گیا تھا (تہذیب التہذیب)

مولانا رحؒ نے فرمایا کہ صاحب عون المعبود نے کہا ہے: سینے پر ہاتھ رکھنے کی دو اور صحیح حدیثیں بھی ہیں۔ ایک کو امام احمد نے مسند میں روایت کیا ہے کہ قبیصہ بن ہلب نے کہا کہ میرے باپ کا بیان ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دائیں اور بائیں طرف پھرتے دیکھا اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر فوق المفصل رکھتے ہوئے دیکھا صاحب عون المعبود نے کہا کہ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں۔ اور پھر راویوں کی توثیق بیان کی۔ مولانا رحؒ نے فرمایا کہ شائد صاحب عون المعبود کے نزدیک صرف راوی ثقہ ہونے سے ہی حدیث کی صحت لازم آجاتی ہے اگرچہ وہ شاذ یا معلول ہو۔ اور حق یہ ہے کہ اس حدیث کے سارے راوی صحیح کے راوی نہیں ہیں، بلکہ ان میں سے بعض میں کلام کیا گیا ہے جیسا کہ اس نے خود تسلیم کیا ہے۔ مگر اس کی بات مان بھی لیں تو یہ شذوذ سے خالی نہیں ہے۔ شیخ نیموی نے کہا ہے کہ سماک بن حرب کو کئی لوگوں نے لین الحدیث کہا ہے۔ امام تبریزی نے الاکمال میں کہا ہے کہ وہ ثقہ ہے مگر اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ ابن المبارک اور شعبہ وغیرہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں فرمایا: ابن المبارک نے سفیان سے روایت کی کہ سماک ضعیف ہے۔ امام احمد نے اسے مضطرب الحدیث کہا ہے۔ صالح جزرہ نے کہا کہ اسے ضعیف کہا جاتا ہے۔ امام نسائی نے کہا کہ جب وہ کسی روایت کی اصل میں منفرد ہو تو حجت نہیں ہے کیونکہ اسے تلقین کی جاتی تھی تو اسے اختیار کر لیتا ہے۔ حافظ ابن حجر نے تقریب میں کہا ہے کہ وہ صدوق ہے مگر خاص کر اس کی روایت عکرمہ سے مضطرب ہے، آخری عمر میں مختلط ہو گیا تھا، تلقین کو قبول کر لیتا تھا، مولانا رحؒ نے فرمایا کہ یہ روایت سفیان کے طریق سے ہے اور تہذیب الکمال میں ہے کہ جن لوگوں نے

سماک کے متغیر ہونے سے پہلے سنا تھا مثلاً شعبہ اور سفیان تو ان کی حدیث ٹھیک ہے۔ آثار السنن میں شیخ نیموی نے کہا کہ اس حدیث میں علی صدرہ کا لفظ غیر محفوظ ہے۔ امام احمد نے وکیع کے طریق سے اور دار قطنی نے عبدالرحمٰن بن مہدی اور وکیع کے طریق سے عن سفیان عن سماک عن قبیصہ بن ہلب عن ابیہ کی سند کے ساتھ روایت کی ہے اور اس میں علی صدرہ کا لفظ نہیں ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے ابوالاحوص عن سماک عن قبیصہ عن ابیہ کی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے اور اس میں یہ علی صدرہ کا لفظ نہیں ہے۔ امام احمد نے ابوالاحوص اور شریک کے طریق سے یہ حدیث روایت کی ہے اس میں بھی علی صدرہ کا لفظ نہیں ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ مسند احمد کی روایت جو یحییٰ بن سعید عن سفیان آئی ہے وہ سفیان اور سماک کے کئی شاگردوں کے خلاف ہے لہٰذا وہ محفوظ نہیں ہے۔ پس جو شخص کہے کہ اس حدیث میں کوئی علت قادحہ نہیں وہ غلط کہتا ہے۔ پھر میں نے مسند کے مکتوبہ و مطبوعہ نسخوں میں خود اپنی آنکھ سے یضع ہذہ علی صدرہ کے الفاظ دیکھے ہیں اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ ابن خزیمہ نے وائل رضی کی حدیث میں وضعہما علی صدرہ کے لفظ ہیں اور مسند بزار میں عند صدرہ ہے اور مسند احمد میں ہلب کی روایت میں بھی ایسا ہی ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ یہ کاتب کی تصحیف ہے۔ صحیح لفظ یہ ہے: یضع ہذہ علی ہذہ، یعنی کاتب نے دوسرے ھذہ کو صدرہ بنا ڈالا ہے۔ اور یہ قول کہ یحییٰ نے دائیں ہاتھ کو بائیں پر مفصل کے اوپر رکھنا بتایا بھی، ہمارے خیال کی تائید کرتا ہے اور دیگر روایات بھی اس کے موافق ہو جاتی ہیں۔ اور شاید یہی سبب ہے جس کے باعث ہیثمی نے یہ حدیث مجمع الزوائد میں، سیوطی نے جمع الجوامع میں اور علی متقی نے کنز العمال میں درج نہیں کی۔

پھر صاحب عون المعبود نے دوسری حدیث بیان کی اور کہا کہ وہ وائل بن حجر کی حدیث ہے جسے ابن خزیمہ نے روایت کر کے اس کی تصحیح کی ہے اس میں یہ عبارت ہے کہ: میں نے رسول اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی پس آپ نے دایاں ہاتھ بائیں کے اوپر سینے پر رکھا۔ پھر عون المعبود کے مؤلف نے نیل الاوطار سے نقل کیا کہ شافعیہ نے وضع الیدین علی الصدر کے اپنے مذہب میں ابن خزیمہ کی اس حدیث کو دلیل بنایا ہے۔ پھر ان کا استدلال طاؤس کی مرسل روایت سے اور ہلب کی حدیث سے بھی ہے اور وائل بن حجر رض کی حدیث سینے پر ہاتھ رکھنے کے استحباب پر دلالت کرتی ہے عون المعبود کا کلام ہے۔ مولانا رح نے فرمایا کہ: پھر ان کا استدلال طاؤس کی مرسل روایت سے آخر شوکانی کا قول نہیں ہے بلکہ یہ صاحب عون المعبود کا کلام ہے۔ ہاں! شوکانی نے اس استدلال پر اعتراض کیا ہے کہ صحیح ابن خزیمہ کی حدیث سے شافعیہ کا استدلال مضبوط نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث ان کے مذہب پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ ہاتھوں کو سینے سے نیچے رکھا جائے اور اس حدیث میں تصریح ہے کہ سینے کے اوپر رکھا جائے۔ اور اسی طرح طاؤس کی حدیث بھی۔ مولانا رح فرماتے ہیں کہ علامہ شوکانی کے اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ اس بحث سے قبل وہ بتا چکے ہیں کہ (۱) ہاتھ ناف کے نیچے رکھے جائیں، یہ مذہب ابوحنیفہ رح، ثوری، اسحاق بن راہویہ اور امام شافعی کے اصحاب میں سے ابواسحاق مروزی کا ہے اور (۲) دوسرا مذہب جمہور شافعیہ کا ہے کہ ہاتھ سینے سے نیچے اور ناف سے اوپر رکھے جائیں اور امام احمد رح سے اوپر بیان کردہ دو مذاہب کی مانند دو روایتیں ہیں، پس احمد رح کا مذہب ان دونوں مذہبوں میں داخل ہو گیا۔ (۳) تیسرا مسلک یہ ہے کہ نمازی کو اختیار دیا جائے کہ اوپر کے

دونوں طریقوں میں سے جو چاہے اختیار کرے، ان دونوں مذہبوں میں کسی کو ترجیح نہیں ہے۔ یہ امام احمدؒ سے تیسری روایت ہے۔ اوزاعی اور ابن المنذر کا مذہب بھی تخییر ہے۔ ابن المنذر نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کچھ ثابت نہیں ہوا۔ اور یہ مذہب بھی پہلے دو مذہبوں میں داخل ہے۔ اور (۴) چوتھا مذہب امام مالکؒ کا ہے۔ ان سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ نمازی اپنے ہاتھ سینے سے نیچے رکھے اور یہ بھی دوسرے مذہب میں داخل ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دے۔ پس مسلمانوں کے مذاہب ان تین میں منحصر ہو گئے۔ ایک ناف سے نیچے والا، دوسرا ناف اور سینے کے درمیان والا اور تیسرا ارسال الیدین والا۔ بلکہ صحیح تر الفاظ میں مذہب صرف دو ہو گئے ایک سینے سے نیچے دوسرا ناف سے نیچے والا۔ علامہ شوکانی کے قول کے مطابق مذاہب مسلمین میں سے ایسا کوئی مذہب نہیں پایا گیا جس میں ہاتھ سینے کے اوپر رکھے جائیں۔ پس سینے پر ہاتھ باندھنے کا مسلک مذاہب مسلمین میں سے خارج ہوا اور ان کے اجماع مرکب کے خلاف پڑا۔ اب سوچئے کہ صاحب عون المعبود کا یہ کہنا کہ سینے پر ہاتھ رکھنا ہی حق ہے، ایک عجیب و غریب قول ہے۔ اس مقام پر میں یہ گزارش کرتا ہوں کہ صرف یہی نہیں کہ ان صاحب کا یہ قول عجیب ہے بلکہ شوکانی کا نامکمل اقتباس نقل کرنا بھی عجیب ہے، پھر اس میں اپنی طرف سے فرماتے ہیں طاؤس الخ کا ٹانکا لگا کر یہ تاثر دینا بھی عجیب ہے کہ یہ بھی شوکانی کے قول کا حصہ ہے۔ پھر شوکانی نے جو بیان مذاہب کیا تھا اسے ہضم کر جانا بھی عجیب تر ہے کیونکہ وہ اپنے خاص مسلک کے خلاف تھا اور اس سے پتہ چلتا تھا کہ آپ ریت کی دیوار پر تشریف فرما ہیں۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ علماء میں وسعت قلب ہونی چاہیئے جو تقاضائے علم و ادب و دیانت ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ وائلؓ بن حجر کی حدیث کو امام بیہقی نے دو طریقوں سے درج کیا ہے۔ پہلا طریق ابراہیم بن سعید جوہری، محمد بن جعفر حضرمی، سعید بن عبدالجبار بن وائل، عن ابیہ، عن امہ عن وائلؓ بن حجر ہے اور اس میں محمد بن حجر راوی ہے جس کے متعلق ذہبی نے میزان میں کہا ہے کہ: لہ مناکیر، اس کی منکر روایتیں ہیں۔ بخاری نے کہا کہ اس میں کچھ نظر ہے۔ اور پھر اس کی سند میں ام عبدالجبار ہے جو ام یحیی ہے اس کا حال اور نام میں نہیں جانتا۔ دوسرا طریق: ابوبکر بن الحارث۔ ابومحمد بن حبان۔ محمد بن العباس۔ محمد بن المثنی۔ مؤمل۔ ثوری۔ عاصم بن کلیب۔ کلیب۔ وائلؓ: اس نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا پھر انہیں اپنے سینے پر رکھا۔ شیخ نیموی نے کہا کہ اسے ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور اس کی سند میں نظر ہے اور علی صدرہ کا اضافہ غیر محفوظ ہے۔ اور شیخ نیموی نے آثار السنن کی تعلیق میں کہا کہ مجھے صحیح ابن خزیمہ نہیں مل سکی مگر کئی مصنفین نے اس حدیث کو تعلیقاً بیان کیا ہے اور ابن خزیمہ کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی اسناد نقل نہیں کی، مگر حافظ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں لکھا ہے کہ: صریح سنت کے ترک کی مثال نمبر ۴۹ جیسے ارباب صحاح کی جماعت نے سفیان ثوری عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل بن حجرؓ روایت کیا ہے کہ: وائلؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی پس آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں کے اوپر سینے پر رکھا اور علی صدرہ کا لفظ مؤمل بن اسماعیل راوی کے سوا کسی نے نہیں بولا۔ مولانا نیموی نے کہا کہ اعلام کے بعض نسخوں میں اسی طرح ہے مگر درست ابن خزیمہ ہے نا کہ الجماعۃ، شاید

لکھنے والوں کی غلطی ہے۔ بہر حال حافظ ابن القیم نے کہا کہ یہ حدیث مؤمل بن اسماعیل کے طریقے سے ہے اور بیہقی رح نے اسے مؤمل بن اسماعیل کے طریق سے روایت کیا ہے۔ اس مؤمل بن اسماعیل پر کئی ائمہ حدیث نے جرح کی ہے۔ ذہبی نے الکاشف میں کہا ہے کہ وہ صدوق ہے، سنت میں شدید ہے، کثیر الخطا ہے، اور کہا گیا ہے کہ اس کی کتابیں دفن ہو گئیں تو اس نے زبانی روایت کی لہذا غلط روایت کرنے لگا۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں بخاری کا قول نقل کیا ہے کہ مؤمل منکر الحدیث ہے۔ ابن سعد نے کہا کہ ثقہ ہے مگر کثیر الغلط ہے۔ ابن نافع نے کہا: صالح ہے خطا کرتا ہے۔ دار قطنی نے کہا ثقہ ہے کثیر الخطاء ہے، تقریب میں ہے کہ صدوق ہے مگر حافظہ اچھا نہیں۔ ابن الترکمانی نے الجوہر النقی میں کہا کہ کہتے ہیں مؤمل کی کتابیں مٹی میں دب گئی تھیں پھر وہ زبانی روایت کرتا تھا اس لیے اس کی غلطیاں بڑھ گئیں۔ الکمال میں بھی اسی طرح ہے۔ میزان میں ہے کہ بخاری نے اسے منکر الحدیث ابو حاتم نے کثیر الخطاء اور ابو زرعہ نے: فی حدیثہ خطاء کثیر کہا ہے۔

علی صدرہ کا اضافہ غیر محفوظ ہے کیونکہ امام احمد نے اپنی مسند میں عبداللہ بن الولید کے طریق سے، احمد اور نسائی نے زائد کے طریق سے، ابو داؤد نے بشر بن المعقل کے طریق سے، ابن ماجہ نے عبداللہ بن ادریس اور بشر بن المعقل کے طریق سے، اور احمد نے عبدالواحد اور زہیر اور شعبہ کے طریق سے روایت کیا ہے مگر کسی روایت میں علی صدرہ کا اضافہ نہیں آیا۔ حافظ ابن القیم نے اعلام الموقعین نے صراحۃً کہا ہے کہ مؤمل بن اسماعیل کے سوا کسی اور نے یہ اضافہ روایت نہیں کیا، پس ثابت ہو گیا کہ وہ اس میں متفرد ہے۔ یہ حدیث علقمہ وغیرہ کے طریق سے وائل بن حجر رض سے مروی ہے اور اس میں بھی یہ اضافہ نہیں آیا، پس اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ یہ غیر محفوظ ہے۔ کیونکہ راوی گو ثقہ ہو مگر جب کئی ثقات کی مخالفت کرے یا اپنے سے ثقہ تر کی مخالفت کرے تو اس کی روایت مقبول نہیں ہوتی۔ ایسی روایت شاذ، غیر محفوظ کہلاتی ہے۔ پس حاصلِ کلام یہ ہے کہ یہ حدیث اس اضافے کے ساتھ بہت ضعیف ہے اور اس کے ساتھ یہ اضطراب سے بھی خالی نہیں۔ ابن خزیمہ نے اس حدیث میں علی صدرہ کا لفظ روایت کیا ہے اور بزار نے عند صدرہ کا جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے، اور ابن ابی شیبہ نے تحت السرۃ روایت کیا ہے۔ حافظ ابن القیم پر تعجب ہے کہ انہوں نے اسے سنتِ صحیحہ کے ترک کی مثال کیونکر بتایا ہے حالانکہ خود ہی کہا ہے کہ اس علی صدرہ کے اضافے میں مؤمل بن اسماعیل متفرد ہے۔ یہ مخفی نہ رہے کہ قائلین علی صدرہ کے لیے یہ حدیث قوی ترین دلیل ہے۔ نووی رح نے خلاصہ میں اس کے علاوہ اور کوئی دلیل ہی نقل نہیں کی، ابن دقیق العید نے الامام میں اور حافظ ابن حجر نے بلوغ المرام میں اسے نقل کیا ہے اور شوکانی نے کہا ہے کہ اس بات میں وائل رض کی اس حدیث سے زیادہ کوئی حدیث صحیح نہیں ہے حالانکہ اس کی علتوں کو تم دیکھ چکے ہو۔

سنن ابی داؤد کے نسخۂ ابن الاعرابی کی زائد احادیث ختم ہوئیں۔

بَابُ مَا يُسْتَفْتَحُ بِهِ الصَّلوٰةُ مِنَ الدُّعَاءِ

نماز کی افتتاحی دعاؤں کا باب۔

٧٦٠ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ نَا اَبِيْ عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ
عَمِّهِ الْمَاجِشُوْنِ بْنِ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْاَعْرَجِ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ
بْنِ اَبِيْ رَافِعٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ كَبَّرَ ثُمَّ قَالَ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
حَنِيْفًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ
الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ
لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَنْتَ رَبِّيْ وَاَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ
ذُنُوْبِيْ جَمِيْعًا لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ وَاهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ
لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ سَيِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ
وَالْخَيْرُ كُلُّهٗ فِيْ يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ اَنَا بِكَ وَاِلَيْكَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ
اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ وَاِذَا رَكَعَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ
وَلَكَ اَسْلَمْتُ خَشَعَ لَكَ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَمُخِّيْ وَعِظَامِيْ وَعَصَبِيْ وَاِذَا رَفَعَ
قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمِلْءَ
مَا بَيْنَهُمَا وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ وَاِذَا سَجَدَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ
وَبِكَ اٰمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَصَوَّرَهٗ فَاَحْسَنَ صُوْرَتَهٗ
وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ وَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ وَاِذَا سَلَّمَ مِنَ الصَّلٰوةِ
قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا
اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَالْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ۔

علی بن ابی طالبؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے، پھر کہتے:
میں نے اپنا منہ اس ذات کی عبادت کی طرف پھیرا ہے جس نے آسمان و زمین ایجاد کئے، میں یکسو مسلم ہو گیا

ہوں اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ بے شک میری نماز اور میری رسوم عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العالمین کی طرف ہے، اس کا کوئی شریک نہیں مجھے یہی حکم دیا گیا اور میں پہلا مسلم ہوں۔ اے اللہ تو ہی بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں میں نے اپنے اوپر زیادتی کی اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا، سو تو میری تمام غلطیاں معاف کر دے تیرے سوا کوئی گناہ معاف نہیں کر سکتا اور مجھے اچھے اخلاق کی ہدایت فرما، بہترین اخلاق کی طرف تیرے سوا کوئی رہنمائی نہیں کر سکتا، اور مجھ سے بُرے اخلاق کو دور کر دے، برے اخلاق کو تیرے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا۔ میں حاضر ہوں اور میں اپنی کرم سعادتمندی پیش کرتا ہوں، اور ساری بھلائیاں تیرے ہاتھوں میں ہیں اور برائی تیری طرف منسوب نہیں ہے، میں تیرے ساتھ ہوں اور تیری طرف ہوں۔ تو بابرکت اور عالی شان ہے، میں تجھ سے بخشش کا طالب ہوں اور تیری طرف توبہ کر کے رجوع کرتا ہوں اور جب حضورؐ کرتے تو کہتے کہ: اے اللہ میں تیرے ہی آگے جھکا ہوں اور تجھی پر ایمان لایا ہوں اور تیرا ہی مطیع ہوا ہوں تیرے لیے میرے کان، آنکھیں، مغز، ہڈیاں اور پٹھے عاجزی کرتے ہیں۔ اور جب رکوع سے اٹھتے تو کہتے: اللہ نے حمد کرنے والے کی بات سُن لی، اے ہمارے رب اور تیرے ہی لیے تعریف ہے ساری کائنات کی گنجائش کے مطابق، اور آسمانوں اور زمین کے درمیان کی گنجائش کے مطابق اور اس کے بعد بھی جو چیز پیدا کرنا چاہے اس کی گنجائش کے مطابق۔ اور جب سجدہ کرتے تو کہتے: اے اللہ میں نے تیرے ہی لئے سجدہ کیا اور تجھی پر ایمان لایا اور تیرا ہی مطیع ہوا، میرے چہرے نے اس ذات کے لیے سجدہ کیا جو اس کا خالق ہے، جس نے اس کی صورت بنائی اور بہت اچھی صورت بنائی اور اس کے کان اور آنکھیں بنائیں اور اللہ بابرکت ہے بہترین خالق۔ اور جب حضورؐ نماز کا سلام کہہ چکتے تو کہتے: اے اللہ مجھے بخش دے جو کچھ میں نے پہلے کیا اور جو بعد میں کروں گا اور جو پوشیدہ کیا اور جو حد سے تجاوز کیا اور جس کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے، تو ہی آگے بڑھانے والا اور پیچھے ہٹانے والا ہے، تیرا کوئی معبود نہیں۔

شرح: مولانا سہارنپوری نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک استفتاح صلوٰۃ کے بارے میں فرائض اور نوافل میں فرق ہے۔ پس فرائض میں تو: سبحانک اللّٰھم و بحمدک الخ پر اکتفاء کیا جائے گا اور نوافل کا معاملہ وسیع ہے، ان میں احادیث کی دعاؤں میں سے جو چاہے پڑھے۔ یہ تو ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کا قول ہے۔ ابو یوسفؒ کے نزدیک ثناء کے ساتھ: اِنِّیْ وَجَّهْتُ الخ کا اضافہ بھی کرے۔ بیہقی نے جابرؓ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ جب نماز شروع کرتے تھے تو ثناء اور وَجَّهْتُ وَجْهِيَ تا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ پڑھتے تھے پھر اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ پڑھتے تھے۔ اور ابو حنیفہؒ و محمدؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جسے بیہقی نے انسؓ سے روایت کیا ہے اور حضرت عائشہؓ، ابو سعید خدریؓ، جابرؓ، عمرؓ، ابن مسعودؓ سے بھی یہی حدیث مروی ہے کہ نماز کی ابتداء سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ الخ سے کرتے تھے۔ یہ حدیث سب نے مرفوع کی مگر حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ نے اسے موقوف بیان کیا ہے اور دارقطنی نے اسے حضرت عمرؓ سے بھی مرفوع کہا ہے اور پھر کہا ہے محفوظ وہی روایت ہے جو موقوف ہے۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمرؓ ان کلمات کو بآواز بلند پڑھتے تھے۔ اور ابو داؤد اور ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ دارقطنی نے

اُسے حضرت عثمان رضؓ کا قول قرار دیا ہے۔ سعید بن منصور نے اسے حضرت ابو بکر رضؓ صدیق کے قول کے طور پر روایت کیا ہے۔ ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ (ابو سعید خدری رضؓ کے بیان کے مطابق) حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب بیدار ہوتے تو تکبیر کہتے پھر سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ الخ کہتے۔ پھر تین بار تہلیل کرتے ہیں، تین دفعہ اللہ اکبر کبیرا کہتے، اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم من همزہ ونفخہ ونفسہ کہتے پھر قرات شروع کرتے تھے۔ یہ حدیث ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے، ترمذی نے کہا کہ اس باب میں مشہور ترین یہی ابو سعید کی حدیث ہے، اور اس کی سند میں کلام ہوا ہے یحیٰی بن سعید القطان اس کے راوی علی بن علی پر تنقید کرتا تھا۔ امام احمد رحؒ نے اس حدیث کو غیر صحیح کہا ہے۔ اور علی بن علی کو یحیٰی بن معین، وکیع اور ابو زرعہ ثقہ کہتے ہیں اور ان کا قول کافی ہے۔ چونکہ حضرت عمر رضؓ اور دیگر اصحاب کا فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افتتاح نماز میں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ الخ پڑھنا ثابت ہے اور حضرت عمر رضؓ نے اُسے لوگوں کو تعلیم دینے کی غرض سے جہرًا بھی پڑھا تھا تاکہ لوگ اس میں آپ کی پیروی کریں، تو اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری فعل یہی تھا اور آپ کا زیادہ تر عمل اسی پر تھا۔ اگرچہ محدثین کے طریقے پر مرفوع ہونے میں دوسری دعائیں اس سے زیادہ قوی ہوں۔ ابو ہریرہ رضؓ سے بخاری ومسلم میں حضورؐ کا قرأۃ سے قبل ایک دفعہ مروی ہے، حضورؐ سے اس کے بارے میں ابو ہریرہ رضؓ نے سوال کیا تھا تو ارشاد ہوا تھا کہ میں اس وقفے میں یہ پڑھتا ہوں اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، اَللّٰهُمَّ نَقِّنِي مِنْ خَطَايَايَ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، اَللّٰهُمَّ اغْسِلْنِي مِنْ خَطَايَايَ بِالثَّلْجِ وَالْمَاءِ وَالْبَرَدِ۔ اور یہ روایت سب اور حدیثوں سے صحیح تر ہے مگر اس کے باوجود ائمہ اربعہ میں سے کسی نے اس کا مسنون ہونا (خصوصیت کے ساتھ) نہیں بتایا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ کبھی کبھی قرائن وشواہد کی بناء پر غیر مرفوع یا مرفوع مرجوح روایت کو کسی دوسری مرفوع حدیث پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

سنن ابی داؤد کی یہ حدیث جو زیر نظر ہے اس میں تو حضرت علی رضؓ کا یہ قول منقول ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں کھڑے ہوتے تھے"، شوکانی نے کہا ہے کہ اسے ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے اور الصلوٰۃ کے ساتھ المکتوبہ کا اضافہ کیا ہے۔ امام شافعی کی روایت میں الصلوٰۃ المکتوبہ (فرض نماز) کا لفظ ہے اور اسی طرح کچھ اور محدثین کی روایت میں ہے مگر مسلم نے اسے صلوٰۃ اللیل سے مقید کیا ہے اور مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ کا لفظ بڑھایا ہے۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ حضورؐ جب نفل نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعائیں مانگتے تھے۔ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ کا معنیٰ ہے کہ: میں عبادت کو اللہ کے لیے خالص کر دیا ہے، اپنا منہ، عمل، نیت اور عبادت صرف اللہ کے لیے خاص کر دی ہے۔ یعنی حضور وخلوص اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز میں کھڑا ہوں۔ سماوات کا جمع لانا اور ارض کا واحد لانا یا تو آسمانوں کی رفعت و بلندی کے سبب سے ہے (کیونکہ قرآن سے سات زمینیں ثابت ہیں) یا اس لیے کہ آسمان کے سب طبقات اور اجرام سے ہمیں فائدہ پہنچتا ہے مگر زمین کے صرف اسی طبقے سے جس پر بستے ہیں۔ صلوٰتی کا معنیٰ میری نماز، عبادت، دعا، سب کچھ ہے۔ نسک سے مراد دین وعبادت، رسوم عبادت، ارکان حج وقربانی ہیں۔ اوّل المسلمین کا معنیٰ ہے پہلا مسلم، اوّل درجے کا مسلم، مسلمانوں کا مقتدا اور رہنما۔

مومن جب یہ کہے تو معنیٰ یہ ہے کہ اطاعت و فرماں برداری میں سبقت کرنے والا اور بے جھجک اسلام لانے والا ہوں۔ بعض احادیث میں اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ آیا ہے۔ موسیٰؑ کا قول اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ قرآن سے نقل کیا ہے۔ ذنوب کی نسبت جب پیغمبر کی طرف ہو تو ان سے مراد عام کوتاہیاں اور وہ حد بندیاں ہیں جو انسانی فطرت میں پائی جاتی ہیں۔ سَعْدَیْکَ میں اپنی دہری سعادتیں تیرے حضور پیش کرتا ہوں۔ وَالشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْکَ۔ شر کا خلق گو تو ہی ہے مگر اس میں تیری مصلحت ہے لہذا وہ تیری نسبت سے شر نہیں ہے۔ یہ مطلب یہ بھی کہ شر تیری طرف صعود نہیں کرتا جس طرح کہ خیر کا صعود ہوتا ہے اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ شر کا خالق ضرور ہے۔ مگر ہمارا حسن ادب یہ ہے کہ اسے تیری طرف منسوب نہ کریں۔ مثلاً ہر چیز کا خالق تو اللہ تعالےٰ ہے مگر یہ کہنا بالکل خلاف ادب ہے کہ یَا خَالِقَ الْکِلَابِ وَالْخَنَازِیْرِ وَالسِّبَاعِ۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا: وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ۔ اور جب میں بیمار ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔ اس میں ادباً بیماری کی نسبت اپنی طرف کی حالانکہ وہ بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

۷۶۱۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْهَاشِمِيُّ نَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِي الزِّنَادِ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْفَضْلِ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي رَافِعٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِي طَالِبٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ كَانَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوبَةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَيَصْنَعُ مِثْلَ ذٰلِكَ اِذَا قَضٰى قِرَاءَتَهُ وَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَرْكَعَ وَيَصْنَعُهُ اِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوعِ وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ صَلَاتِهِ وَهُوَ قَاعِدٌ وَاِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ كَذٰلِكَ وَكَبَّرَ وَدَعَا نَحْوَ حَدِيثِ عَبْدِ الْعَزِيزِ فِي الدُّعَاءِ يَزِيدُ وَيَنْقُصُ الشَّيْءَ وَلَمْ يَذْكُرْ وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ وَزَادَ فِيهِ وَيَقُولُ عِنْدَ انْصِرَافِهِ مِنَ الصَّلٰوةِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَاَخَّرْتُ وَاَسْرَرْتُ وَاَعْلَنْتُ اَنْتَ اِلٰهِي لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ۔

علی بن ابی طالبؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ حضورؐ جب فرض نماز میں کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور کندھوں کے برابر رفع یدین فرماتے اور اسی طرح قرأت ختم کرنے کے بعد کرتے یعنی رکوع کا ارادہ فرماتے

تو رفع یدین کرتے اور رکوع سے اٹھنے پر بھی ایسا ہی کرتے، اور بیٹھنے کی حالت میں کسی رُکن میں ایسا نہ کرتے، اور جب دو سجدوں سے اٹھتے تو اس طرح رفع یدین کرتے اور تکبیر کہتے اور دعا کرتے، دعا وہی ہے جو عبدالعزیز کی حدیث میں (گذشتہ حدیث میں گزری) ہے ہاں اس میں کچھ کمی بیشی آئی ہے اور اس حدیث میں: وَالْخَيْرُ كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ نہیں آیا۔ اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ نماز کے فارغ ہو کر یہ کہتے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ أَنْتَ إِلٰهِي لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ۔

شرح: اس حدیث میں دعائیں تو وہی ہیں جو اوپر کی حدیث میں گزریں اور آخر میں اضافے سے مراد صرف لفظ اَنْتَ اِلٰهِي کا اضافہ ہے ورنہ یہ دعا تو پچھلی حدیث میں موجود ہے۔ اس حدیث میں دعاؤں کے علاوہ تکبیر تحریمہ سمیت چار جگہوں پر رفع یدین آیا ہے جن میں دو سجدوں کے بعد کا رفع یدین بھی شامل ہے۔ رفع یدین پر اگر اس حدیث سے استدلال کیا جائے تو دو سجدوں کے بعد کا رفع یدین بھی واجب العمل ماننا پڑیگا۔

۷۶۲۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ نَا شُرَيْحُ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنِي شُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ قَالَ قَالَ لِي ابْنُ الْمُنْكَدِرِ وَابْنُ أَبِي فَرْوَةَ وَغَيْرُهُمَا مِنْ فُقَهَاءِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ فَإِذَا قُلْتَ أَنْتَ ذَاكَ فَقُلْ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَعْنِي قَوْلَهُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ۔

شعیب بن ابی حمزہ نے کہا کہ مجھ سے محمد بن منکدر اور ابن ابی فروہ وغیرہ فقہائے مدینہ نے کہا کہ جب تو یہ دعا کرتے تو کہہ: وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ "اور میں مسلموں میں سے ہوں"، یعنی اوّل المسلمین کے بجائے یہ کہہ (سبب اس کا یہ ہے کہ سب سے پہلے مسلم و مومن تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، پس اس معنیٰ کے لحاظ سے کسی اور کا یہ کہنا کہ أَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ بالکل غلط اور خلاف واقعہ بات ہو گی اور اس میں سوءِ ادب ہوگا۔ لیکن جیسا کہ اوپر کہا گیا اس کا معنیٰ اگر یہ لیں کہ میں اطاعتِ احکام کی طرف سبقت کرنے والا ہوں یا یہ کہ درجہ کے لحاظ سے اوّل درجے کا مخلص ومطیع مسلم ہوں تو اس قول میں حرج نہیں ہونا چاہیئے)۔ ابن ابی فروہ کا نام اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروہ اُموی مدنی تھا اور یہ متروک الحدیث تھا۔

۷۶۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ قَتَادَةَ وَثَابِتٍ وَحُمَيْدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى الصَّلٰوةِ وَقَدْ حَفَزَهُ النَّفَسُ فَقَالَ اللّٰهُ أَكْبَرُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ فَلَمَّا قَضٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَهُ قَالَ أَيُّكُمُ الْمُتَكَلِّمُ بِالْكَلِمَاتِ فَإِنَّهُ لَمْ يَقُلْ بَأْسًا فَقَالَ الرَّجُلُ أَنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِئْتُ وَقَدْ

حَفَزَنِي النَّفَسُ فَقُلْتُهَا فَقَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ اثْنَيْ عَشَرَ مَلَكًا يَبْتَدِرُوْنَهَا أَيُّهُمْ يَرْفَعُهَا وَزَادَ حُمَيْدٌ فِيْهِ وَإِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ فَلْيَمْشِ نَحْوَ مَا كَانَ يَمْشِي فَلْيُصَلِّ مَا أَدْرَكَهُ وَلْيَقْضِ مَا سَبَقَهُ۔

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک مرد نماز کی طرف آیا اور اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ پس اس نے کہا، اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْہِ" اللہ سب سے بڑا ہے، تعریف اللہ ہی کے لیے ہے بہت سی تعریف پاکیزہ بابرکت" پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم کی تو فرمایا: تم میں سے کس نے وہ کلمات بولے تھے؟ پس اس نے کوئی بُری بات نہیں کی۔ تو وہ آدمی بولا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میں جب آیا تو میرا سانس پھولا ہوا تھا تو میں نے وہ کلمات کہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں نے دیکھا کہ بارہ فرشتے ان کو جلدی جلدی لے کر اوپر جانے کی کوشش کرتے تھے۔ اور حمید نے اس حدیث میں ان الفاظ کا اضافہ کیا کہ: جب تم میں سے کوئی آئے تو عام رفتار سے چلے، پھر جو نماز ملے اُسے پڑھ لے اور جتنی پہلے ہو چکی اُسے پورا کرے (مطلب اس صحابی کا یہ تھا کہ سانس چڑھا ہوا ہونے کے باعث یہ کلمات باآواز بلند نکل گئے تھے، ارادۃً ایسا نہیں کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک اتفاقی واقعہ تھا)

۷۶۴۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَرْزُوْقٍ أَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ عَاصِمٍ الْعَنَزِيِّ عَنِ ابْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّهُ رَأَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ صَلٰوةً قَالَ عَمْرٌو وَلَا أَدْرِيْ أَيَّ صَلٰوةٍ هِيَ فَقَالَ اللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيْرًا اللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيْرًا اللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا الْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّأَصِيْلًا ثَلَاثًا أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ مِنْ نَفْخِهِ وَنَفْثِهِ وَهَمْزِهِ قَالَ نَفْثُهُ الشِّعْرُ وَنَفْخُهُ الْكِبْرُ وَهَمْزُهُ الْمُوْتَةُ۔

جبیر بن مطعمؓ کا بیان ہے کہ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نماز پڑھتے دیکھا، عمرو بن مرّہ راوی کا بیان ہے کہ مجھے معلوم نہیں کونسی نماز تھی، پس آپؐ نے فرمایا: اللہ اکبر کبیرا، یہ تین بار کہا۔ والحمد للہ کثیرا تین مرتبہ کہا و سُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا، تین مرتبہ کہا۔ اعوذ باللہ الخ میں شیطان سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں اسکی پھونک سے اور اس کے جادو سے اور اس کے وسوسے سے) عمرو بن مرّہ نے کہا کہ شیطان کا جادو (نفثہ) تو شعر

ہے اور اس کی پھونک (نفخہ) تکبر ہے اور اس کا وسوسہ (ہمزہ) جنون اور مرگی ہے۔

شرح: "بُکرۃً وَّ اَصِیْلاً" کا لفظی معنیٰ ہے صبح و شام، اور مراد اس سے ہے ہمیشہ، ہر وقت۔ یہ بطور محاورہ بولا گیا ہے۔ شیطان کا نفخ تکبر کا کنایہ ہے، گویا شیطان وسوسے سے پھونک مار کر انسان کو اپنے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا کر دیتا ہے پس وہ اپنے آپ کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ شعر سے مراد مذموم شعر ہے ورنہ حضورؐ نے خود حسان بن ثابتؓ سے شعر کہلوائے اور ان کی تعریف فرمائی تھی۔ ہمز کا لفظی معنیٰ ٹھو کا دینا ہے، یعنی شیطان ٹھو کا مار کر اور دھکا دے کر انسان کو مغلوب کرتا ہے۔ طیبی نے کہا کہ یہ تفسیر اگر حدیث کا حصہ ہے تو فبہا اور اگر کسی راوی کی طرف سے ہے تو نفث کا معنیٰ جادو کرنا زیادہ مناسب ہے، وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ اور ہمز کا معنیٰ وسوسہ زیادہ مناسب ہے، ارشاد خداوندی ہے: قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ ھَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ اصل معنیٰ ہمز کا ہے، مہمیز (مہماز) کے ذریعے سے سواری کو تیز چلانا۔ ایڑی مارنا۔

۷۶۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا یَحْیٰی عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّۃَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَیْرٍ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِی التَّطَوُّعِ ذَکَرَ نَحْوَہٗ۔

جبیر بن مطعمؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نفل نماز میں یہ کہتے سنا، پھر اس نے اوپر کی حدیث جیسا ذکر کیا۔

۷۶۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ نَا زَیْدُ بْنُ الْحُبَابِ اَخْبَرَنِیْ مُعَاوِیَۃُ بْنُ صَالِحٍ اَخْبَرَنِیْ اَزْھَرُ بْنُ سَعِیْدٍ الْحَرَازِیُّ عَنْ عَاصِمِ بْنِ حُمَیْدٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَۃَ بِاَیِّ شَیْءٍ کَانَ یَفْتَتِحُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قِیَامَ اللَّیْلِ فَقَالَتْ لَقَدْ سَاَلْتَنِیْ عَنْ شَیْءٍ مَا سَاَلَنِیْ عَنْہُ اَحَدٌ قَبْلَکَ کَانَ اِذَا قَامَ کَبَّرَ عَشْرًا وَحَمِدَ اللّٰہَ عَشْرًا وَسَبَّحَ عَشْرًا وَھَلَّلَ عَشْرًا وَاسْتَغْفَرَ عَشْرًا وَقَالَ اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَعَافِنِیْ وَیَتَعَوَّذُ مِنْ ضِیْقِ الْمَقَامِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ قَالَ اَبُوْدَاؤدَ وَرَوَاہُ خَالِدُ بْنُ مَعْدَانَ عَنْ رَبِیْعَۃَ الْجُرَشِیِّ عَنْ عَائِشَۃَ نَحْوَہٗ۔

عاصم بن حمید نے کہا کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد کو کس چیز سے شروع کرتے تھے تو ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تو نے مجھ سے وہ چیز پوچھی ہے جو تجھ سے پہلے کسی نے نہیں پوچھی تھی۔ جب آپؐ رات کو اٹھتے تو دس بار تکبیر کہتے، دس بار الحمدللہ کہتے، دس بار لا الٰہ الا اللہ کہتے اور دس بار استغفار

کرتے اور کہتے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ وَعَافِنِيْ "اے اللہ مجھے بخش دے اور رہنمائی فرما اور رزق عطا کر اور عافیت بخش"، اور آپؐ قیامت کے دن مقام کی تنگی سے پناہ مانگتے تھے۔ ابو داؤد نے کہا کہ یہ حدیث خالد بن معدان نے ربیعہ جرشی سے اس نے عائشہؓ سے اسی طرح روایت کی ہے (عائشہ سلام اللہ علیہا نے سائل کی حوصلہ افزائی فرمائی کہ تمہارا سوال بڑا اہم اور اچھا ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ ان کے پیش نظر سنت کی تعلیم و ترویج تھی)

۷۶۷۔ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنّٰى نَا عُمَرُ بْنُ يُوْنُسَ نَا عِكْرِمَةُ حَدَّثَنِيْ يَحْيٰى بْنُ اَبِيْ كَثِيْرٍ حَدَّثَنِيْ اَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ بِاَيِّ شَيْءٍ كَانَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ صَلَاتَهُ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَتْ كَانَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ كَانَ يَفْتَتِحُ صَلَاتَهُ اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ اَنْتَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

ابو سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف نے کہا کہ میں نے عائشہؓ صدیقہ سے پوچھا: رسول اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھتے تھے تو تہجد کی نماز کس چیز سے شروع فرماتے تھے؟ ام المومنینؓ نے فرمایا کہ جب آپؐ رات کو اٹھتے تو اپنی نماز اس دعا سے شروع فرماتے تھے: اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ الخ "اے اللہ، جبرئیل اور میکائیل اور اسرافیل کے رب، آسمانوں اور زمین کے موجد، چھپی اور ظاہر چیز کو جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں میں (بروز قیامت) ان چیزوں کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے، مجھے حق کی طرف اپنے حکم سے میری رہنمائی فرما، جس میں کہ اختلاف کیا گیا، بلاشبہ تو ہی سیدھی راہ کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔

شرح: جبریل کا لفظ سنن ابی داؤد میں بلا ہمزہ ہے اور اسی طرح مسلم میں، مگر نسائی اور ابن ماجہ میں جبرئیل ہمزہ کے ساتھ ہے۔ ابن ماجہ میں عبد الرحمن بن عمر کا قول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جبرئیل ہی آیا ہے۔ دراصل اس کی کئی لغات ہیں جن کی کچھ تفصیل علامہ بیضاوی نے تفسیر میں کی ہے۔ قرآن میں جبریل آیا ہے۔ ان تین فرشتوں کا ذکر اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ ان کا رب ہے، ان کی تشریف و اکرام کے لیے ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا رب ہے۔ علامہ ابن حجر نے کہا کہ جبریل کو مقدم اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ کتب سماویہ کا امین ہے اور تمام دینی امور کا مرجع ہے۔ اور اسرافیل کو مؤخر اس لیے رکھا گیا کہ وہ لوح محفوظ اور صور کا امین ہے اور معاش اور معاد کا مرجع ہے۔ اور میکائیل کو وسط میں رکھا گیا ہے کیونکہ اس کے سپرد وہ فرائض ہیں جن کا تعلق گزشتہ دونوں فرشتوں

سے ہے، کیونکہ وہ بارش و نباتات وغیرہا کا امین ہے۔ ان چیزوں کا تعلق رزق سے ہے جو دونوں جہان اور دین کو قائم رکھنے والا ہے۔ جبریلؑ اور اسرافیلؑ دونوں میکائیلؑ سے افضل ہیں۔ جبریلؑ اور اسرافیلؑ میں سے افضل کون ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ قرآن نے جبرئیلؑ و میکالؑ کہہ کر گویا ان دونوں کی فضیلت کی طرف اشارہ کیا ہے)۔ غیب و شہادت کا تعلق مخلوقات سے ہے، اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز کسی وقت پوشیدہ نہیں۔

۷۶۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ نَا اَبُوْ نُوْحٍ قُرَادٌ نَا عِكْرِمَةُ بِإِسْنَادِهٖ بِلَا اِخْبَارٍ وَمَعْنَاهُ قَالَ كَانَ إِذَا قَامَ كَبَّرَ وَيَقُوْلُ۔

دوسری سند سے یہی حدیث آئی ہے اس میں ہے: راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور کہتے آلخ (یعنی گزشتہ حدیث میں تکبیر تحریمہ کا ذکر نہ تھا اور اس میں ہے)

۷۶۹۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ قَالَ قَالَ مَالِكٌ لَا بَأْسَ بِالدُّعَاءِ فِي الصَّلٰوةِ فِيْ أَوَّلِهٖ وَأَوْسَطِهٖ وَفِيْ آخِرِهٖ فِي الْفَرِيْضَةِ وَغَيْرِهَا۔

قعنبی نے کہا کہ امام مالکؒ نے کہا کہ نماز کے اندر دعا میں کوئی حرج نہیں، شروع میں ہو یا وسط میں یا آخر میں، فرض میں ہو یا نوافل وسنن وغیرہ میں۔ (المدونہ میں امام مالکؒ کا قول یوں لکھا ہے کہ: اس میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی اپنی تمام ضروریات فرض نماز میں طلب کرے دنیوی حاجات ہوں یا اُخروی، قیام میں جلوس میں اور سجدے میں ان کے لیے دعا کر سکتا ہے اور رکوع میں اسے مالکؒ ناپسند کرتے تھے۔ ابن القاسمؒ کا قول ہے کہ امام مالکؒ حالت رکوع میں تسبیح کو بھی ناپسند کرتے تھے)

۷۷۰۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُجْمِرِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ يَحْيَى الزُّرَقِيِّ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ الزُّرَقِيِّ قَالَ كُنَّا يَوْمًا نُصَلِّيْ وَرَاءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ قَالَ رَجُلٌ وَرَاءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ بِهَا آنِفًا فَقَالَ الرَّجُلُ أَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَأَيْتُ بِضْعَةً وَثَلَاثِيْنَ مَلَكًا يَبْتَدِرُوْنَهَا أَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا أَوَّلَ۔

رفاعہ بن رافع زرقی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے سر اٹھایا تو آپ نے کہا: سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک آدمی نے کہا: اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ۔ "اے اللہ ہمارے رب اور تیرے ہی لیے تعریف ہے، بہت زیادہ تعریف، پاکیزہ و بابرکت" جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم کی تو فرمایا: تھوڑی دیر پہلے ان کلمات کو کہنے والا کون تھا؟ اس آدمی نے کہا یارسول اللہ میں ہوں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے کچھ اوپر تیس فرشتے اس کو لکھنے میں مسابقت کرتے ہوئے دیکھے ہیں کہ اسے پہلے کون لکھے۔

شرح: دوسری روایت کے مطابق یہ مغرب کی نماز تھی۔ جس شخص نے یہ کلمات کہے تھے وہ بقول حافظ ابن بشکوال خود رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ تھا۔ اُسے بالکل اُس وقت چھینک آئی جبکہ حضور نے رکوع سے سر اٹھایا تھا۔ اور یہ کلمات چھینک مارنے کے بعد ہیں۔

۷۷۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مَسْلَمَۃَ عَنْ مَالِکٍ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ طَاؤُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ مِنْ جَوْفِ اللَّیْلِ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَیَّامُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ اَنْتَ الْحَقُّ وَقَوْلُکَ الْحَقُّ وَوَعْدُکَ حَقٌّ وَلِقَاؤُکَ حَقٌّ وَالْجَنَّۃُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالسَّاعَۃُ حَقٌّ اَللّٰھُمَّ لَکَ اَسْلَمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْکَ اَنَبْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ وَاِلَیْکَ حَاکَمْتُ فَاغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَاَخَّرْتُ وَاَسْرَرْتُ وَاَعْلَنْتُ اَنْتَ اِلٰھِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کے وقت نماز (تہجد) کے لیے اٹھتے تو یوں دعا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ الخ "اے اللہ! تیرے ہی لیے تعریف ہے، تو آسمانوں اور زمین کا نور ہے اور تیرے ہی لیے تعریف ہے تو آسمانوں اور زمین کو تھامنے والا ہے، اور تیرے ہی لیے تعریف ہے تو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور جو ان کے اندر ہیں ان کا بھی رب ہے۔ تو ہی برحق ہے اور تیرا قول برحق ہے اور تیرا وعدہ برحق ہے اور تیری ملاقات برحق ہے اور جنت حق ہے اور آگ حق ہے اور قیامت حق ہے۔ اے اللہ تیری ہی لیے میں مطیع ہوا اور تجھی پر میں ایمان لایا، اور تجھی پر میں نے بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف میں جھکا اور تیرے ہی دلیل سے دشمنوں کا مقابلہ کیا اور تیرا ہی میں نے فیصلہ طلب کیا۔ پس تو مجھے بخش دے جو کچھ میں نے پہلے کیا اور جو کچھ بعد میں کیا اور پوشیدہ کیا اور علانیہ کیا تو ہی میرا معبود ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

شرح: اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ کے دونوں معنے ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ نماز شروع کرنے سے پہلے یہ دعا کرتے، دوسرا یہ کہ تکبیر تحریمہ کے بعد یا رکوع سے اٹھ کر قومہ میں۔ نور السماوات والارض: کا معنیٰ ہے: تو انہیں روشن کرنے والا ہے، انہیں ظاہر کرنے والا ہے یا ان کی روشنی کا خالق ہے۔ نور سے مادی و روحانی، ظاہری و باطنی ہر قسم کی روشنی ہے، مثلاً ہدایت کا نور، رسالت کا نور، کتب سماوی کا نور، ہر نور خداوند تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا اور اسی کا پر توفیض ہے۔ قیام یا قیم کا معنیٰ ہے، قائم و دائم، حافظ و نگران جو خود قائم ہے اور ہر چیز کا قیام اسی کے فضل پر منحصر ہے۔ رب کا معنیٰ مالک، سردار، آقا، مربی، پرورش کنندہ، منعم اور تکمیل کرنے والا ہے۔ انت الحق، یعنی ثابت و موجود، وجود حقیقی کے ساتھ قائم و دائم اور ازلی و ابدی۔ قولک الحق، یعنی تیرا قول سچ ہو کر رہنے والا اور شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ وعدک الحق: تیرے وعدے اور وعید میں خلاف ورزی نہیں، انعام و انتقام برحق ہے اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات کے ساتھ چونکہ ازلی و ابدی اور ثابت و قائم ہے لہٰذا اس کے لیے "الحق" کا لفظ آیا، اس کے وعدے اور قول کے لیے بھی الحق فرمایا گیا کہ یہ اس کی صفات ہیں۔ باقی چیزیں اس کی مخلوق اور معرض زوال میں ہیں لہٰذا ان کے لیے الف لام کے بغیر حق کا لفظ بولا گیا۔

۷۷۲۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ كَامِلٍ نَا خَالِدٌ يَعْنِي ابْنَ الْحَارِثِ نَا عِمْرَانُ بْنُ مُسْلِمٍ اَنَّ قَيْسَ بْنَ سَعْدٍ حَدَّثَهُ قَالَ نَا طَاوُسٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي التَّهَجُّدِ يَقُوْلُ بَعْدَ مَا يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ ذَكَرَ مَعْنَاهُ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد میں کہا کرتے تھے اللہ اکبر پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اوپر کی حدیث کے مطلب جیسا مضمون بیان کیا (اس حدیث کو بیان کرنے کی غرض یہ ہے کہ اوپر کی حدیث میں یہ ذکر نہ تھا کہ آیا حضور یہ دعا، نماز شروع کرنے سے پہلے کرتے تھے یا نماز کے اندر، پس اس موجودہ روایت سے پتہ چل گیا کہ یہ دعا، نماز تہجد کے اندر ہوتی تھی)

۷۷۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَسَعِيْدُ بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ نَحْوَهُ قَالَ قُتَيْبَةُ نَا رِفَاعَةُ بْنُ يَحْيَى ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ عَنْ عَمِّ اَبِيْهِ مُعَاذِ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَطَسَ رِفَاعَةُ لَمْ يَقُلْ قُتَيْبَةُ رِفَاعَةُ فَقُلْتُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ مُبَارَكًا عَلَيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضٰى فَلَمَّا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ فَقَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ فِي الصَّلٰوةِ ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ حَدِيْثِ مَالِكٍ وَاَتَمَّ مِنْهُ۔

رفاعہ بن رافع نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، پس رفاعہ رضی اللہ عنہ نے (یعنی خود راوی حدیث نے) چھینک ماری، (ابوداؤد کے استاد قتیبہ نے رفاعہ رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لیا، تو میں نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ مُبَارَکًا عَلَیْہِ کَمَا یُحِبُّ رَبُّنَا وَیَرْضٰی (تعریف اللہ ہی کے لیے ہے بہت زیادہ تعریف، پاکیزہ، بابرکت جس پر برکت ہو، جس طرح ہمارا رب پسند کرتا اور راضی ہے)، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم کی تو فرمایا کہ: نماز میں کلام کرنے والا کون تھا؟ پھر مالکؒ کی حدیث کی طرح اور اس سے بھی تمام تر حدیث بیان کی (گویا یہ اور مالکؒ کی حدیث ایک ہے۔)

شرح: اس حدیث میں حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے بصیغۂ غائب کہا کہ: رفاعہ رضی اللہ عنہ نے چھینک ماری۔ ابوداؤد نے کہا ہے کہ قتیبہ نے رفاعہ رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رفاعہ رضی اللہ عنہ نے کہا: فَعَطَسْتُ "پس میں نے چھینک ماری" جیسا کہ ترمذی اور نسائی میں ہے۔ حمد کے لیے کثیرًا کا لفظ تو ظاہر ہے کہ کثرت بتاتا ہے مگر مُبَارَکًا فِیْہِ کا معنی یہ ہے کہ وہ حمد ختم نہ ہو بلکہ اس میں اضافہ ہوتا ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کی روایت کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور بعض اہل علم کے نزدیک یہ واقعہ نفل میں پیش آیا تھا کیونکہ بہت سے تابعین نے کہا ہے کہ جب کوئی فرض نماز میں چھینک مارے تو وہ اپنے دل میں الحمد للہ کہے اور انہوں نے اس میں اس سے زیادہ توسیع نہیں کی۔ حنفیہ کا مسلک اس میں یہ ہے کہ اگر نمازی نے نماز میں چھینک مار کر الحمد للہ کہا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوئی کیونکہ یہ فقط ایک ثناء ہے اور اس میں خطاب نہیں۔

۷۷۴۔ حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِیْمِ نَا یَزِیْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنَا شَرِیْكٌ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُبَیْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِیْعَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ عَطَسَ شَابٌّ مِّنَ الْاَنْصَارِ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِی الصَّلٰوةِ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَكًا فِیْهِ حَتّٰی یَرْضٰی رَبُّنَا وَبَعْدَ مَا یَرْضٰی مِنْ اَمْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ الْقَائِلُ الْكَلِمَةَ قَالَ فَسَكَتَ الشَّابُّ ثُمَّ قَالَ مَنِ الْقَائِلُ الْكَلِمَةَ فَاِنَّهٗ لَمْ یَقُلْ بَأْسًا فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا قُلْتُهَا لَمْ اُرِدْ بِهَا اِلَّا خَیْرًا قَالَ مَا تَنَاهَتْ دُوْنَ عَرْشِ الرَّحْمٰنِ جَلَّ ذِكْرُهٗ

عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نوجوان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے حالت نماز میں چھینک ماری اور کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ حَتّٰی یَرْضٰی رَبُّنَا وَبَعْدَ مَا یَرْضٰی مِنْ اَمْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (حمد اللہ کے لیے ہے بہت سی حمد پاکیزہ، بابرکت جب تک کہ ہمارا رب راضی ہو اور

راضی ہونے کے بعد بھی، دنیوی امور ہوں یا اُخروی) پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم کی تو فرمایا: یہ کلمہ کہنے والا کون ہے؟ عامرؓ نے کہا کہ وہ نوجوان خاموش رہا (مبادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوں) آپؐ نے پھر فرمایا کہ وہ کلمہ کہنے والا کون ہے کیونکہ اس نے کوئی نقصان کی بات نہیں کی۔ اس پر اس نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے وہ کلمہ کہا تھا اور میرا ارادہ اس سے نیکی کے سوا کچھ نہ تھا۔ آپؐ نے فرمایا: وہ کلمہ رحمٰن جل ذکرہ کے عرش سے ورے نہیں رُکا (یعنی سیدھا عرش تک جا پہنچا) (اس حدیث میں جس انصاری نوجوان کا ذکر آیا ہے وہ رفاعہ بن رافع رضی تھے جن کا ذکر بعض الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ اوپر کی حدیثوں میں گزرا)

بَابُ مَنْ رَأَى الْاِسْتِفْتَاحَ بِسُبْحَانَكَ

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ الخ کے ساتھ نماز شروع کرنے کا باب

۷۷۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ مُطَهَّرٍ نَا جَعْفَرٌ عَنْ عَلِيِّ ابْنِ عَلِيِّ الرِّفَاعِيِّ عَنْ اَبِي الْمُتَوَكِّلِ النَّاجِيِّ عَنْ اَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ ثُمَّ يَقُولُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ ثُمَّ يَقُولُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثَلَاثًا ثُمَّ يَقُولُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيرًا ثَلَاثًا اَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ ثُمَّ يَقْرَأُ قَالَ اَبُو دَاوُدَ وَهٰذَا الْحَدِيثُ يَقُولُونَ هُوَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَلِيٍّ عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا اَلْوَهْمُ مِنْ جَعْفَرٍ۔

ابو سعید خدری رضی نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو نماز میں کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے پھر کہتے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ الخ اے اللہ تو پاک ہے، اور اپنی خاص تعریف کے ساتھ ہے اور تیرا نام بابرکت ہے اور تیری شان بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر آپؐ تین بار لآ الٰہ الّا اللہ کہتے۔ پھر تین بار اللہ اکبر کبیرا کہتے۔ میں اللہ سمیع وعلیم کے ساتھ مردود شیطان سے پناہ مانگتا ہوں اس کے وسوسے سے اور تکبر سے اور اس کے جادو سے، پھر قرأت کرتے۔ ابو داؤد نے کہا کہتے ہیں یہ حدیث علی بن علی سے مرسل روایت ہے، وہم جعفر کا ہے۔

شرح: علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ صحابہ رضی نے جو اس افتتاح کو اختیار کیا اور لوگوں کی تعلیم کی غرض سے حضرت عمر رضی نے کبھی کبھی اس کو بآوازِ بلند بھی پڑھا جبکہ صحابہ رضی موجود تھے، باوجودیکہ سنت اس کا آہستہ پڑھنا ہے، اس بات کی دلیل ہے کہ یہی افضل ہے اور یہی وہ استفتاح ہے جس پر غالب احوال میں ہمیشگی فرماتے تھے اور اگر ابو ہریرہ رضی اور علی رضی کے استفتاح کو پڑھا جائے تو وہ بھی اچھا ہے کیونکہ صحیح روایات میں آیا ہے۔ ابو داؤد نے اس روایت کو ضعیف بتایا ہے اور کہا ہے کہ اس کے استاذ الاستاذ جعفر بن سلیمان نے اسے ابو سعید خدری رضی کی روایت سے بیان کر دیا ہے

ورنہ دراصل یہ مرسل ہے۔ جعفر بن سلیمان جس کی طرف ابوداؤد نے وہم کی نسبت کی ہے ثقہ راوی ہے اس کی توثیق ابن معین، ابن المدینی نے ثقہ کہہ کر اور احمد نے لا باس بہ کہہ کر کی ہے۔ ابن شاہین نے کہا ہے کہ جعفر پر ضعف کا طعن مذہبی تعصب سے ہوا ہے، اس کی حدیث میں کوئی طعن کی بات نہیں، صرف ابن عمار نے اسے ضعیف کہا ہے۔ بزار نے کہا کہ ہم نے کسی کو اس پر طعن کرتے یا اس کی حدیث میں خطاء کا ذکر کرتے نہیں سُنا۔ کہتے ہیں کہ اس میں تشیع تھا ورنہ اس کی حدیث ٹھیک ٹھاک ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو علی بن علی کے باعث ضعیف کہا ہے۔ اس نے کہا کہ یحییٰ بن سعید اس پر اعتراض کرتا تھا۔ اس علی بن علی سے ابن معین نے حدیث کی روایت لی ہے اور اس کی توثیق کی ہے۔ فضل بن دکین اور عفان نے کہا ہے کہ علی بن علی الرفاعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت رکھتا تھا۔ احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسے صالح کہا ہے اور محمد بن عبداللہ بن عمار نے کہا ہے کہ کہتے ہیں وہ روزانہ چھ سو رکعات پڑھتا تھا اور اس کی آنکھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے مشابہ تھیں اور وہ ایک عابد شخص تھا، اس نے بیس سے زیادہ حدیثوں کی روایت نہیں کی۔ کہا گیا کہ کیا وہ ثقہ تھا؟ کہا ہاں اور یحییٰ بن معین نے اس کی توثیق کی ہے۔ ابو حاتم نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یعقوب بن اسحاق نے کہا کہ آؤ اپنے سردار اور سردار کے فرزند علی بن علی رفاعی کے پاس چلیں دنیل الاوطار لیکن احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کوئی سبب بتائے بغیر اس حدیث کو غیر صحیح کہا ہے۔

۷۷۶۔ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عِيسَى نَا طَلْقُ بْنُ غَنَّامٍ نَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ الْمُلَائِيُّ عَنْ بُدَيْلِ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنْ أَبِي الْجَوْزَاءِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلَوٰةَ قَالَ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ هٰذَا الْحَدِيثُ لَيْسَ بِالْمَشْهُورِ عَنْ عَبْدِ السَّلَامِ بْنِ حَرْبٍ لَمْ يَرْوِهِ إِلَّا طَلْقُ بْنُ غَنَّامٍ وَقَدْ رَوَى قِصَّةَ الصَّلَوٰةِ عَنْ بُدَيْلٍ جَمَاعَةٌ لَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ شَيْئًا مِنْ هٰذَا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو کہتے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث عبدالسلام بن حرب سے مشہور نہیں ہے۔ عبدالسلام سے طلق بن غنام کے سوا کسی نے روایت نہیں کی اور بدیل سے ایک جماعت نے نماز کا قصہ روایت کیا ہے اور انہوں نے اس میں سے کچھ بھی ذکر نہیں ہے۔

شرح: مولانا نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث ترمذی، ابن ماجہ اور دارقطنی نے اپنی سندوں سے روایت کی ہے۔ ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو ہم صرف اس طریق سے ہی پہچانتے ہیں اور اس کے راوی حارثہ بن ابی الرجال

پر حفظ کے بارے میں اعتراض ہوا ہے۔ دارقطنی نے اسے روایت کر کے اس کے راوی سھل بن عامر بجلی کے متعلق کہا کہ ابو حاتم نے اس کی تکذیب کی اور بخاری نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔ دارقطنی نے یہ حدیث ابوداؤد کی سند سے بھی روایت کی ہے اور ابوداؤد کے حوالہ سے اسے غیر قوی قرار دیا ہے۔ شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ حافظ محمد ابن عبدالواحد نے کہا ہے کہ میں نے ابوداؤد کی روایت کے رجال میں کسی کو مجروح نہیں پایا۔ طلق بن غنام صحیح بخاری کا راوی ہے، عبدالسلام بن حرب بخاری و مسلم کا راوی ہے اور ابو حاتم نے اس کی توثیق کی ہے حاکم نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور اس کا ایک شاہد بیان کیا ہے حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں مگر سند میں انقطاع ہے۔ تہذیب التہذیب میں ہے کہ بخاری نے جو اسکی سند میں نظر کا بولا ہے اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ ابو الجوزاء کا سماع ابن مسعود اور عائشہ صدیقہؓ سے نہیں ہے، یہ مطلب نہیں کہ وہ ضعیف ہے اور اس کی احادیث مستقیم ہیں۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ ابو الجوزاء کی حدیث افتتاح بالتکبیر کے متعلق مسلم میں موجود ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے بھی کہا ہے کہ اس نے عائشہ صدیقہؓ سے نہیں سنا۔ جعفر فریابی نے کتاب الصلوٰۃ میں اپنی سند سے ابو الجوزاء سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا میں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایلچی بھیجا تھا کہ ان سے افتتاح نماز کا مسئلہ پوچھے۔ بظاہر یہ روایت یہ بتاتی ہے کہ اس نے یہ حدیث بالمشافہہ نہیں سنی مگر اس کے بعد خود بھی جا کر سننے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ امام مسلمؒ کا مسلک یہی ہے کہ امکانِ ملاقات ہو تو روایت صحیح ہے پس حافظ ابن حجرؒ نے جو انقطاع بتایا وہ بخاریؒ کے مذہب پر ہے، لیکن مسلم کے نزدیک کوئی انقطاع نہیں ہے۔ مگر ابوداؤد کا اس حدیث کو شاذ بتانا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ یہ ثقہ کا اضافہ ہے جو اصولِ حدیث کی رو سے مقبول ہے۔

بَابُ السَّكْتَةِ عِنْدَ الْاِفْتِتَاحِ

افتتاح کے وقت سکتہ کا باب۔

۷۷۷۔ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ نَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ يُونُسَ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ قَالَ سَمُرَةُ حَفِظْتُ سَكْتَتَيْنِ فِي الصَّلٰوةِ سَكْتَةً إِذَا كَبَّرَ الْإِمَامُ حَتّٰى يَقْرَأَ وَسَكْتَةً إِذَا فَرَغَ مِنْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ عِنْدَ الرُّكُوعِ قَالَ فَأَنْكَرَ ذَالِكَ عَلَيْهِ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ قَالَ فَكَتَبُوا فِي ذٰلِكَ إِلَى الْمَدِينَةِ إِلٰى أُبَيٍّ فَصَدَّقَ سَمُرَةَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ كَذَا قَالَ حُمَيْدٌ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ وَسَكْتَةً إِذَا فَرَغَ مِنَ الْقِرَاءَةِ۔

سمرہؓ بن جندب نے کہا کہ میں نے نماز میں دو سکتے یاد رکھے ہیں۔ ایک سکتہ اس وقت جبکہ امام تکبیر کہے قرأت

کرنے تک اور دوسرا سکتہ جبکہ وہ فاتحۃ الکتاب اور سورت کی قرأت سے فارغ ہو جائے رکوع کے وقت۔
حسن بصری ؒ نے کہا کہ اس قول پر عمران رضؓ بن حصین نے انکار کیا، پس لوگوں نے اس بارے میں مدینہ خط لکھا اُبیّ بن کعبؓ کی طرف، پس اُبیّ رضؓ نے سمرہ رضؓ کی تصدیق کی۔ ابو داؤد نے کہا کہ حمید نے اس حدیث میں اسی طرح کہا تھا کہ: دوسرا سکتہ اس وقت جبکہ امام قرأت سے فارغ ہو (اس تعلیق کو مسند احمد میں موصول روایت کیا گیا ہے۔ عمران بن حصینؓ کو تیقن کے ساتھ یاد نہ ہوگا یا سہو و نسیان ہوگیا ہوگا، اس لیے انھوں نے سمرہؓ کی بات نہ مانی)

۷۷۸۔ حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ نَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ عَنْ اَشْعَثَ عَنِ الْحَسَنِ اِنَّ سَمُرَةَ بْنَ جُنْدُبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ كَانَ يَسْكُتُ سَكْتَتَيْنِ اِذَا اسْتَفْتَحَ وَاِذَا فَرَغَ مِنَ الْقِرَاءَةِ كُلِّهَا فَذَكَرَ بِمَعْنٰى يُوْنُسَ۔

سمرہ بن جندبؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی کے دو وقفے کیا کرتے تھے، ایک تو نماز کی ابتدا میں اور دوسرا ساری قرأت کے بعد۔ پھر اشعث نے اس حدیث کو یونس کی گزشتہ حدیث کے معنی کی مانند بیان کیا۔

۷۷۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَزِيْدُ نَا سَعِيْدٌ نَا قَتَادَةُ عَنِ الْحَسَنِ اَنَّ سَمُرَةَ بْنَ جُنْدُبٍ وَعِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ تَذَاكَرَا فَحَدَّثَ سَمُرَةُ بْنُ جُنْدُبٍ اَنَّهُ حَفِظَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَكْتَتَيْنِ سَكْتَةً اِذَا كَبَّرَ وَسَكْتَةً اِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَحَفِظَ ذٰلِكَ سَمُرَةُ وَاَنْكَرَ عَلَيْهِ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ فَكَتَبَا فِيْ ذٰلِكَ اِلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَكَانَ فِيْ كِتَابِهِ اِلَيْهِمَا اَوْ فِيْ رَدِّهِ عَلَيْهِمَا اَنَّ سَمُرَةَ قَدْ حَفِظَ۔

حسن بصری ؒ نے کہا کہ سمرہؓ بن جندبؓ اور عمران بن حصینؓ نے گفتگو کی۔ پس سمرہ رضؓ نے بیان کیا کہ اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سکتے یاد ہیں ایک سکتہ تکبیر تحریمہ کے بعد کا اور دوسرا سکتہ جب امام: غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ پڑھے۔ سو سمرہ رضؓ کو یہ یاد تھا اور عمران بن حصین رضؓ نے اس سے انکار کیا۔ پھر انھوں نے اس بارے میں اُبیّ بن کعبؓ کو لکھا تو اُن کے مکتوب جواب میں یا خط میں یہ تھا کہ سمرہ رضؓ نے یاد رکھا ہے۔
(پچھلی دو حدیثوں میں دوسرے وقفے کا محل وقوع ساری قرأت سے فراغت کے بعد بتایا گیا ہے مگر

اس حدیث میں سورۂ فاتحہ کی قرأت کے اختتام پر۔ اب ظاہر ہے کہ ایک چھوٹا سا وقفہ تو یہاں بھی ہے جو شاید اس حدیث سے مراد ہے اور یا یوں کہا جائے گا کہ فاتحہ کے بعد دوسری سورت کی قرأت کا لفظ سہواً رہ گیا ہے۔ مزید بحث آگے آتی ہے۔)

۷۸۰۔ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنّٰى نَا عَبْدُ الْاَعْلٰى نَا سَعِيْدٌ بِهٰذَا قَالَ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ سَكْتَتَانِ حَفِظْتُهُمَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْهِ قَالَ سَعِيْدٌ قُلْنَا لِقَتَادَةَ مَا هَاتَانِ السَّكْتَتَانِ قَالَ إِذَا دَخَلَ فِيْ صَلَاتِهٖ وَإِذَا فَرَغَ مِنَ الْقِرَاءَةِ ثُمَّ قَالَ بَعْدُ وَإِذَا قَالَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔

سمرہؓ نے کہا کہ دو سکتے ایسے ہیں جن کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد رکھا ہے۔ اس حدیث میں راوی سعید کا بیان ہے کہ ہم نے اپنے استاد قتادہ سے پوچھا کہ وہ دو سکتے کون سے ہیں؟ اس نے کہا پہلا اس وقت جبکہ حضورؐ نماز میں داخل ہوتے تھے اور دوسرا اس وقت جبکہ قرأت سے فارغ ہوتے تھے بعد میں کہا کہ جب غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہتے تھے۔

شرح: قتادہؒ نے پہلے کہا کہ دوسرا سکتہ فراغت پر ہوتا تھا مگر اس سے یہ وہم ہو سکتا تھا کہ شاید یہ سورت کی قرأت کے بعد ہے لہذا پھر اس نے صراحت کی کہ سورۂ فاتحہ کی قرأت کے اختتام پر ہے۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ دوسرا سکتہ پوری قرأت سے فراغت پر ہوتا تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑا سا وقفہ سورۂ فاتحہ کی قرأت کے اختتام پر بھی کرتے تھے، گو اس سے طویل وقفہ رکوع سے پہلے والا ہوتا تھا۔ گویا یہ ایک تیسرا وقفہ ہوا۔ لیکن اس سے بالکل پہلی حدیث سے واضح ہے کہ دوسرا وقفہ سورۂ فاتحہ کے اختتام پر تھا اور اگر پوری قرأت کے اختتام کا وقفہ بیان کرنا منظور تھا تو پھر دو وقفے نہیں بلکہ تین وقفے کا لفظ ہونا لازم تھا۔ دارمی کی روایت اس کی تائید کرتی ہے کہ اس میں تین وقفے کا لفظ آیا ہے جو قتادہ کی طرف سے ہے مگر مرفوع روایت میں دو وقفے ہیں۔

یہ حدیث جس میں حسن بصریؒ نے سمرہؓ سے دو سکتے روایت کئے ہیں، ان میں سے پہلا سکتہ جو تکبیر تحریمہ کے بعد ہے وہ متفق علیہ ہے، اس کا ذکر ابوہریرہؓ نے بھی کیا ہے اور وہ حدیث باب کے آخر میں آرہی ہے، یہ حدیث ابی ہریرہؓ بخاری ومسلم کی حدیث ہے۔ اور دوسرے سکتے کا ذکر صرف حدیث سمرہؓ میں ملتا ہے اس کے سوا اس کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ اس سکتے کے متعلق روایات میں اضطراب ہے۔ یونس نے حسن سے جو روایت کی ہے اس میں ہے کہ یہ سکتہ رکوع کے وقت ہوتا جبکہ حضورؐ سورۂ فاتحہ اور دوسری سورہ سے فارغ ہو جاتے یہی حمید کی متعلق روایت میں ہے۔ پھر اشعث عن الحسن کی روایت میں ہے کہ حضورؐ دو سکتے فرماتے تھے، ایک تو

استفتاح کے بعد اور دوسرا ساری قرأت کے فارغ ہو کر۔ دارقطنی نے یہ حدیث یونس عن الحسن کے طریق سے بیان کی ہے مگر اس میں صرف سورۂ فاتحہ کے بعد کے سکتے کا لفظ ہے۔ پھر اس کی تائید میں ہشیم کی روایت ہے جس میں ہے کہ دوسرا سکتہ وَلَا الضَّالِّينَ پر ہوتا تھا اور اس میں بھی سورت کا ذکر نہیں ہے۔ امام احمد نے یونس عن الحسن کی روایت کو مسند میں کئی جگہ پر روایت کیا ہے۔ بعض جگہ یہ روایت ابوداؤد کی تائید کرتی ہے اور بعض جگہ دارقطنی کی روایت کی۔ ابوداؤد نے قتادہ عن الحسن کی جو روایت بیان کی ہے (ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی) اس میں دوسرا سکتہ فراغت از قرأت کے بعد مذکور ہے اور پھر کہا کہ جب حضورؐ نے سورۂ فاتحہ ختم کی تو سکتہ کیا۔ احمد نے بھی روایت مسند میں بیان کی ہے (ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی) وہ مختصر ہے اور اس میں دونوں سکتوں کا محل بیان نہیں ہوا۔ ابوداؤد نے سعید کی روایت بلفظ تحدیث قتادہ سے نقل کی ہے جس میں وضاحۃً یہ مذکور ہے کہ فاتحہ کی قرأت کے بعد سکتہ فرمایا تھا۔ خلاصہ یہ نکلا کہ تکبیر تحریمہ کے بعد کا سکتہ واضح طور پر ثابت اور متفق علیہ ہے اور دوسرا (بلکہ قتادہ کی روایت میں تیسرا بھی) احادیث میں اضطراباً مذکور ہوا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۷۸۱۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي شُعَيْبٍ نَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عُمَارَةَ ح وَثَنَا أَبُو كَامِلٍ نَا عَبْدُ الْوَاحِدِ عَنْ عُمَارَةَ الْمَعْنَى عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ فِي الصَّلٰوةِ سَكَتَ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةِ فَقُلْتُ لَهُ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي أَرَأَيْتَ سُكُوتَكَ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةِ أَخْبِرْنِي مَا تَقُولُ قَالَ اللَّهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اللَّهُمَّ نَقِّنِي مِنْ خَطَايَايَ كَالثَّوْبِ الْأَبْيَضِ مِنَ الدَّنَسِ اللَّهُمَّ اغْسِلْنِي بِالثَّلْجِ وَالْمَاءِ وَالْبَرَدِ۔

ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں تکبیر کہتے تو تکبیر اور قرأت کے درمیان خاموش رہتے۔ میں نے پوچھا: میرے والدین آپ پر قربان، یہ جو آپ تکبیر اور قرأت کے درمیان خاموشی اختیار کرتے ہیں اس میں آپ کیا کہتے ہیں۔ فرمایا (یہ کہتا ہوں)، اے اللہ میرے اور میری خطاؤں کے درمیان مشرق و مغرب جیسا فیصلہ کر دے۔ اے اللہ مجھے میری خطاؤں سے اس طرح صاف کر دے جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے صاف ہو جاتا ہے۔ اے اللہ مجھے برف اور پانی اور کہر سے دھو ڈال۔

شرح: اپنے اور اپنی خطاؤں کے مابین مشرق و مغرب کی دُوری طلب کرنے کا یہ مطلب تھا کہ جو خطائیں ہو چکی ہوں وہ محو ہو جائیں اور بعد میں ہونے والی خطاؤں سے عصمت حاصل ہو جائے۔ اور یہ مباعدت کا لفظ یہاں مجازاً آیا ہے

کیونکہ حقیقی بُعد تو زمان و مکان میں ہوتا ہے (ابن حجر) کما باعدت بین المشرق والمغرب. تشبیہ یوں چسپاں ہوتی ہے کہ مشرق و مغرب کا ملنا ناممکن ہے پس اسی طرح گناہوں کا قرب بھی بالکل دور کر دیا جائے۔ پاکیزگی اور طہارت پانی سے حاصل کی جاتی ہے لہذا ثلج اور برد کے الفاظ بطور تاکید آئے ہیں کیونکہ دراصل یہ دونوں بھی پانی ہی کی دو صورتیں ہیں۔ ابوداؤد نے اس باب میں پہلی حدیث جو حضرت علیؓ سے روایت کی ہے اور اسے مسلم نے بھی روایت کیا ہے بقول علامہ بدرالدین عینیؒ امام شافعیؒ کے نزدیک نماز کی ابتدا تکبیر کے بعد اس سے کرنا مستحب ہے۔ امام ابن الجوزیؒ نے کہا ہے کہ یہ دعاء ابتدائی دنوں میں مانگی جاتی تھی، یا نوافل میں مانگی جائے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ یہ دعا نوافل کے لیے ہے جیسا کہ نسائی نے محمد بن مسلمہؓ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ جب نفل پڑھنے کو کھڑے ہوتے تو یہ دُعاء ؛ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ الخ مانگتے تھے۔ مگر صحیح ابن حبان میں ہے کہ فرض نماز میں مانگتے تھے۔ ابن قدامہ نے کہا کہ فرائض میں اس پر عمل متروک ہے کیونکہ ہم کسی کو نہیں جانتے جس نے ابتدائے فرائض میں یہ دعاء کی ہو زیادہ سے زیادہ۔ ؛ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ تا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ کہتے ہیں۔ ابن الاثیرؒ نے کہا، اور امام شافعیؒ نے بھی کتاب الام میں کہا کہ فرض اور نفل سب نمازوں میں یہ دعاء از اول تا آخر مانگی جائے۔ امام مزنیؒ نے جو روایت شافعیؒ سے کی ہے اس میں ہے کہ: وَجَّهْتُ وَجْهِيَ ــ مِنَ الْمُسْلِمِينَ تک مانگے۔ امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ اور وَجَّهْتُ وَجْهِيَ ــ تا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ دونوں کو جمع کرنا چاہیے، اور شوافع میں سے ابو اسحاق مروزی اور ابو حامد کا یہی قول ہے۔ المحیط میں ہے کہ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ ــ مَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ تک تکبیر سے پہلے کہنا مستحب ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ مستحب نہیں کیونکہ اس طرح قبلہ رُخ ہو کر بلا صلوٰۃ لمبا قیام ہو جائے گا۔

بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ الْجَهْرَ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بلند آواز سے نہ پڑھنے کا باب۔

۷۸۲۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ نَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَانُوا يَفْتَتِحُونَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ قرات کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے شروع کرتے تھے۔

شرح: حنفیہ کے نزدیک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مخفی پڑھی جاتی ہے اور امام شافعیؒ اسے جہراً پڑھنے کے قائل ہیں۔ علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ جو لوگ بسم اللہ الخ کے مخفی پڑھنے کے قائل ہیں انہوں نے انسؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ ابن سید الناس نے کہا کہ خفاء کے قائل علمائے کوفہ اور ان کے ہمنوا ہیں

کہا کہ بسم اللہ الخ کو مخفی پڑھنے والوں میں عمرؓ، علیؓ اور عمارؓ بھی ہیں اور ان میں سے بعض سے مروی ہے۔ اور جن لوگوں سے صرف مخفی پڑھنے کا قول ثابت ہے ان میں عبد اللہ بن مسعودؓ بھی ہیں۔ اور یہی روایت ابو جعفر محمد بن علی بن حسین (محمد الباقرؒ) حسن بصریؒ، ابن سیرینؒ سے ہے۔ اور ابن عباسؓ اور ابن الزبیرؓ سے خفاء اور جہر دونوں مروی ہیں۔ علیؓ کے متعلق مروی ہے کہ وہ بسم اللہ الخ کو بالجہر نہیں پڑھتے تھے۔ یہی سفیانؒ سے مروی ہے اور الحکمؒ حمادؒ، اوزاعیؒ، ابو حنیفہؒ، احمدؒ اور ابو عبیدؒ کا یہی مذہب ہے، ابراہیم نخعیؒ سے بھی یہی مروی ہے اور جناب عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے، اور جناب عمرؓ سے بھی بقول حافظ ابن عبد البر ذرا کمزور وجوہ سے مروی ہے کہ امام چار چیزوں کو مخفی پڑھے: تعوذ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، آمین اور تحمید۔ علقمہ اور اسود نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ امام تین چیزوں کو مخفی پڑھے: استعاذہ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور آمین۔ اور اسی قسم کی روایت ابراہیمؒ اور ثوریؒ سے ہوئی ہے۔ اسود نے کہا کہ میں نے جناب عمرؓ کے پیچھے ستر نمازیں پڑھیں، ان میں انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بآواز بلند نہیں پڑھا۔ ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعیؒ سے روایت کی ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بآواز بلند پڑھنا (یعنی نماز میں) بدعت ہے۔ امام ترمذیؒ اور حازمیؒ نے اکثر اہل علم سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو پوشیدہ پڑھنا روایت کیا ہے۔

لیکن جب قرأت بالجہر ہو تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو جہراً پڑھنا سلف کی ایک جماعت سے منقول ہے ابن سید الناس نے کہا کہ یہ حضرت عمرؓ، ابن الزبیرؓ، ابن عباسؓ، علی بن ابی طالبؓ اور عمار بن یاسرؓ سے مروی ہے حضرت عمرؓ سے اس میں تین روایتیں ہیں (۱) بسم اللہ الخ بالکل نہ پڑھنا (۲) بسم اللہ کو مخفی پڑھنا (۳) بسم اللہ کو جہراً پڑھنا۔ اسی طرح ابو ہریرہؓ کے متعلق جہر و خفاء میں اختلاف ہوا ہے۔ امام شافعیؒ نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ انس بن مالکؓ نے کہا۔ معاویہؓ نے مدینہ منورہ میں لوگوں کو نماز پڑھائی جس میں قرأت تو جہر سے کی مگر بسم اللہ نہ پڑھی اور نشیب و فراز میں تکبیر نہیں کہی۔ نماز سے فراغت کے بعد مہاجرین اور انصار سے پکار کر کہا: اے معاویہؓ! تو نے نماز کو ناقص کر دیا، بسم اللہ کہاں گئی اور نشیب و فراز میں تکبیر کہاں گئی؟ پھر معاویہؓ جب انہیں نماز پڑھاتے تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے اور تکبیریں بھی کہتے۔ یہ حدیث حاکم نے مستدرک میں روایت کی اور کہا کہ مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ اور خطیب نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے جہر کو ابو بکر صدیقؓ، عثمانؓ، ابی بن کعبؓ، ابو قتادہؓ، ابو سعیدؓ، انسؓ، عبد اللہ بن ابی اوفیٰ، شداد بن اوسؓ، حسین بن علیؓ، عبد اللہ بن جعفرؓ اور معاویہؓ سے ذکر کیا۔ خطیب نے کہا کہ بسم اللہ بالجہر کے قائل تابعین شمار و ذکر سے زیادہ ہیں مثلاً سعید بن المسیبؒ، طاؤسؒ یمنی، عطاءؒ، ابو وائلؒ، سعید بن جبیرؒ، ابن سیرینؒ، عکرمہؒ، علی بن حسینؒ، ان کا بیٹا محمد بن علیؒ، سالم بن عبد اللہؒ، محمد بن منکدرؒ، ابو بکر بن محمدؒ بن عمرو بن حزم، محمد بن کعبؒ، نافع مولی ابن عمرؓ، ابو الشعثاءؒ، عمر بن عبد العزیزؒ، مکحولؒ، زہریؒ، حبیب بن ابی ثابتؒ، ابو قتادہؒ، علی بن عبد اللہؒ بن عباس، ازرق بن قیسؒ، عبد اللہ بن معقلؒ اور تبع تابعین وغیرہم میں سے عبید اللہ العمریؒ، حسن بن زیدؒ، زید بن علیؒ بن حسین، احمد بن عمرؒ بن علی، ابن ذئبؒ، لیث بن سعدؒ، اسحاق بن راہویہؒ۔ اور بیہقی نے تابعین میں ان کا اضافہ کیا ہے، عبد اللہ بن صفوانؒ، محمد بن الحنفیہؒ، سلیمان تیمیؒ۔ اور تبع تابعین میں ان کا اضافہ کیا ہے: معتمر بن سلیمانؒ۔ اور حافظ ابو عمر ابن عبد البر نے یہ اضافہ کیا کہ اصبغ ابن الفرج

نے کہا کہ ابن وہب کا قول جہر کا تھا پھر وہ خفاء کی طرف رجوع کر گیا۔ اور کچھ لوگوں نے ابن المبارکؒ اور ابو ثورؒ کا ذکر بھی کیا ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے کہ تسمیہ کے متعلق کلام کئی جگہوں پر ہے (۱) کیا وہ قرآن کا حصہ ہے یا نہیں (۲) آیا وہ سورہ فاتحہ کا حصہ ہے یا نہیں (۳) وہ ہر سورت کا جزء ہے یا نہیں۔ جہاں تک امر اول کا سوال ہے حنفیہ کی صحیح روایت یہ ہے کہ وہ قرآن کا حصہ ہے کیونکہ امت کا اجماع ہے کہ مصحف کی جلد کے اندر دو گتوں کے درمیان قلم وحی سے لکھا ہوا ہے وہ قرآن ہے اور تسمیہ بھی اس میں شامل ہے۔ معلیٰ نے امام محمدؒ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا جو کچھ دو گتوں کے درمیان ہے سارا قرآن ہے جصاص نے امام محمدؒ سے نقل کیا ہے کہ: تسمیہ قرآن کی آیت ہے جو سورتوں میں فصل کے لیے اتری تھی تاکہ برکت کے لیے اس سے ابتداء کی جائے مگر وہ ہر ہر سورت کی آیت نہیں۔ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ تسمیہ سورۂ فاتحہ کا جزء ہے۔ اس مسئلے میں تو ان کا یہی ایک قول ہے لیکن ہر ہر سورت کا جزء ہونے میں دو قول ہیں۔ امام شافعیؒ کی دلیل ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الحمد للہ رب العالمین سات آیات ہیں ان میں سے ایک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ سو اس حدیث کی رو سے حضورؐ نے تسمیہ کو سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت قرار دیا ہے۔ نیز تسمیہ سورۂ فاتحہ اور ہر سورہ سے پہلے وحی کے قلم سے لکھی ہوئی ہے لہذا ہر سورۃ اور سورۂ فاتحہ کی جزء ہے۔

حنفیہ کی دلیل صحاح کی وہ حدیث ہے جس میں حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کا قول نقل فرمایا کہ میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے درمیان نصفاً نصف بانٹ دیا ہے الخ اس حدیث کا استدلال دو طرح پر ہے۔ (۱) پہلا یہ کہ اس حدیث میں فاتحہ کو الحمد للہ رب العالمین سے شروع فرمایا گیا ہے نہ کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سے، اگر یہ سورۂ فاتحہ کا جزء ہوتی تو یہاں سے شروع کرتے (۲) دوسرا یہ کہ اس میں صراحتہً اس سورت کو نصفاً نصف تقسیم فرمایا گیا ہے۔ وہ اس طرح کہ ۳½ آیات اللہ تعالیٰ کے لیے اور ۳½ آیات بندے کے لیے ہیں۔ پس اگر تسمیہ کو فاتحہ کا حصہ مانا جائے تو تنصیف قائم نہ رہی اور اللہ تعالیٰ کے حصے میں ۴½ آیات آئیں جبکہ بندہ کا حصہ صرف ۲½ آیات رہ گئیں۔ اور کسی آیت کا کسی سورت کا جزء ہونا صرف دلیل متواتر سے ہی ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ قرآن خود متواتر ہے۔ اب بسم اللہ الخ کا قرآن میں لکھا ہونا تو متواتر ہے مگر اس کا سورۂ فاتحہ یا کسی اور سورہ کا جزء ہونا دلیل متواتر سے ثابت نہیں ہے۔ اسی سبب سے اس آیت کو شمار کرنے میں قراء کا اختلاف ہوا ہے۔ کوفہ کے قراء اسے سورۂ فاتحہ کا حصہ شمار کر کے سات آیتیں قرار دیتے ہیں مگر بصری قراء اس کے بغیر سات آیتیں شمار کرتے ہیں اور اُسے سورت کا جزء نہیں مانتے۔ اور قراء کا یہ اختلاف عدم تواتر کی دلیل ہے۔ لہذا اسے سورت کا جزء نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ علاوہ ازیں یہ اختلاف مذکور تو سورۂ فاتحہ کے بارے میں ہے، اسے ہر ہر سورہ کا جزء امام شافعیؒ کے سوا کسی نے نہیں مانا، باقی سارے اہل علم اس قول کے خلاف ہیں، اس قول کے غلط ہونے کی یہ بھی ایک دلیل ہے۔ ہر سورۃ کی جزء نہ ہونے کی دلیل ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قرآن میں ایک تیس آیتوں کی سورت ہے جس نے اپنے پڑھنے کی شفاعت کی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا، وہ سورت تبارک الذی ہے۔ سب قاری اس بات پر متفق ہیں کہ اس سورت کی بسم اللہ الخ کو چھوڑ کر تیس آیات

ہیں۔ اب اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس کا جزء ہوتی تو اکیس آیتیں ہوتیں نہ کہ تیس۔ اسی طرح فقہاء اور قراء کا اس پر اجماع ہے کہ سورۃ الکوثر تین آیات ہیں اور سورۃ الاخلاص چار آیات ہیں۔ اگر تسمیہ کو ان کا جزء مانا جائے تو پھر یہ تعداد بڑھ کر کوثر کی چار اور اخلاص کی پانچ ہو جائیں گی اور یہ خلاف اجماع ہے۔

امام شافعیؒ نے جس حدیث ابی ہریرہؓ سے استدلال کر کے تسمیہ کو سورۃ الفاتحہ کا جزء قرار دیا ہے اس میں اضطراب ہے۔ نیز یہ خبر واحد ہے جس سے علم و عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔ بسم اللہ آلخ کا سورۃ فاتحہ کا جزء ہونا کسی ایسی نقل کا محتاج ہے جو علم کو واجب کرے۔ اس کے علاوہ اس سے زیادہ قوی حدیث اس سے معارض ہے، یہ حدیث جس میں اللہ تعالیٰ کی اور بندے کے درمیان نماز کی نصفا نصف تقسیم کا ذکر ہے صحاح کی ہے اور یہ سورۃ فاتحہ کے تسمیہ کے بغیر سات آیات ہونے پر ایک واضح دلیل ہے۔ رہا امام شافعیؒ کا قول کہ بسم اللہ ہر سورت کی ابتداء میں مصاحف کے اندر وحی کے قلم سے لکھی گئی ہے لہٰذا ہر سورت کا جزء ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا مصاحف میں ہر سورہ سے قبل قلم وحی سے لکھا جانا مسلم ہے لیکن یہ ایک مستقل آیت ہے جو قرآن کا ہر جگہ جزء ہے لیکن سورتوں کا جزء نہیں ہے۔ بحث اس کے آیت قرآنی ہونے یا نہ ہونے میں نہیں بلکہ ہر سورت کا جزء ہونے میں ہے۔ یہ سورتوں کے درمیان فاصلہ کرنے اور برکت کے لیے لکھی گئی ہے۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ تسمیہ کے بارے میں امام مالکؒ کا مذہب المدونہ میں درج ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فرض نماز میں سرے سے نہ پڑھی جائے، نہ چپکے چپکے اور نہ آواز سے۔ مالکؒ نے کہا کہ یہی سنت ہے اور اسی پر میں نے لوگوں کو پایا ہے۔ امام مالکؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بسم اللہ کو فرض نماز میں پوشیدہ یا علانیہ نہ امام پڑھے اور نہ مقتدی اور نفل میں اگر چاہے تو پڑھ لے اور چاہے تو نہ پڑھے دونوں کی کھلی گنجائش ہے۔ امام مالکؒ کا یہ قول تو اس پر دلالت کرتا ہے کہ تسمیہ قرآن کا جزء نہیں ہے سوائے سورۃ نمل کے جس میں اللہ تعالیٰ نے ملکۂ سبا کی طرف سلیمان علیہ السلام کے خط کا ذکر کرتے ہوئے بسم اللہ سمیت وہ خط نقل فرمایا ہے۔

اب ہم انسؓ کی اس حدیث کی طرف آتے ہیں جو اس وقت زیر نظر ہے۔ اس کے سب راوی ثقہ ہیں اور یہ دوسری صحاح میں بھی مروی ہے مضمون اس کا ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین قرات کو الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے۔ اگر یہ کہا ہوتا کہ قرات کو سورۃ الحمد سے شروع کرتے تھے تو کوئی کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ اس سے مراد سورۃ فاتحہ (جس کا نام سورۃ الحمد بھی ہے) بسم اللہ سمیت ہے، مگر یہاں تو آیت فرمائی گئی ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اس آیت سے سورۃ فاتحہ کی قرات شروع کرتے تھے۔

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ کہا گیا ہے اس سے مراد (یعنی آیت سے) سورۃ فاتحہ ہے اور یہ ان لوگوں کا قول ہے جو بسم اللہ کو اس کا جزء مانتے ہیں۔ جب حافظ صاحبؒ پر اعتراض ہوا کہ اس سورت میں فقط لفظ الحمد کہا جانا چاہیئے تھا کہ سورۃ الحمد سے قرات شروع کرتے تھے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ بخاری میں یہ پوری آیت اس سورت کے نام پر آئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سعید بن المعلیؓ سے فرمایا کہ کیا میں تجھے قرآن کی عظیم ترین سورت نہ سکھاؤں؟ اور پھر فرمایا: الحمد للہ رب العالمین، یہی سات دہرائی جانے والی آیات ہیں۔ پھر حافظ صاحب نے فرمایا کہ جو لوگ یہاں اس سے مراد یہ لیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ

عنہم اس لفظ سے قرأت شروع کرتے تھے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ انہوں نے گو اس کے بالجہر پڑھنے کی نفی مراد لی ہے مگر یہ نہیں کہا کہ آہستہ بھی نہ پڑھتے تھے۔
حافظ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث شعبہ سے بھی مروی ہے مگر اس کے شاگرد بعض روایات میں اس لفظ کا اضافہ بھی کرتے ہیں: انسؓ نے فرمایا میں نے ان میں کسی کو بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے نہیں سنا (مسلم) اسی طرح قتادہ کے بعض شاگردوں نے بھی یہ اضافہ نقل کیا ہے

۷۸۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُ الْوَارِثِ ابْنُ سَعِيدٍ عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ عَنْ بُدَيْلِ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنْ أَبِي الْجَوْزَاءِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ الصَّلٰوةَ بِالتَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةِ بِالْحَمْدُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَكَانَ إِذَا رَكَعَ لَمْ يُشْخِصْ رَأْسَهُ وَلَمْ يُصَوِّبْهُ وَلٰكِنْ بَيْنَ ذٰلِكَ وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَائِمًا وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا وَكَانَ يَقُولُ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّاتُ وَكَانَ إِذَا جَلَسَ يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى وَكَانَ يَنْهٰى عَنْ عَقِبِ الشَّيْطَانِ وَعَنْ فَرْشَةِ السَّبُعِ وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلٰوةَ بِالتَّسْلِيمِ۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا افتتاح تکبیر سے فرماتے، قرأت کا افتتاح اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ سے فرماتے اور جب رکوع کرتے تو اپنا سر اونچا کرتے نہ پست کرتے بلکہ ان کے درمیان رکھتے، اور جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو جب تک سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے سجدہ کو نہ جاتے اور جب سجدے سے سر اٹھاتے تو جب تک سیدھے ہو کر نہ بیٹھ جاتے دوسرا سجدہ نہ کرتے اور ہر دو رکعت پر التحیات للہ پڑھتے۔ اور جب بیٹھتے تو اپنا بایاں پاؤں بچھا دیتے اور دایاں پاؤں کھڑا کر دیتے اور شیطان کی بیٹھک سے اور درندے کی طرح بازو بچھانے سے منع فرماتے تھے، اور اپنی نماز کو سلام کے ساتھ ختم فرماتے تھے۔

شرح: اس حدیث میں حضورؐ کے بیٹھنے کی کیفیت یہ بتائی گئی ہے کہ بایاں پاؤں بچھا کر اور دایاں کھڑا کر کے بیٹھتے تھے۔ اس میں یہ بھی فرق نہیں کیا گیا کہ دوسری رکعت میں یوں بیٹھتے اور آخری میں دونوں پاؤں دائیں کو نکال کر سُرین پر بیٹھتے تھے (جیسا کہ بعض دوسری احادیث میں گزرا ہے) اس سے ثابت ہوا کہ حضورؐ کی نماز میں عام بیٹھک یہی تھی جو اس حدیث میں آئی ہے۔ شاید کسی عُذر کی بناء پر یا بڑھاپے میں کبھی دوسری طرح بیٹھے ہونگے۔
شیطان کی بیٹھک سے مراد اقعاء ہے جس کی کیفیت بعض کے نزدیک یہ ہے کہ دو سجدوں کے درمیان ایڑیاں کھڑی کر کے پنجوں پر بیٹھا جائے۔ اور بعض کے نزدیک یہ کہ دونوں سُرین زمین پر بچھائے جائیں اور گھٹنے کھڑے

کر کے بیٹھا جائے۔ درندے کی مانند بازو بچھانے کا مطلب یہ ہے کہ سجدے میں دونوں بازو زمین سے لگا کر رکھے جائیں

۷۸۴۔ حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ ثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْمُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُنْزِلَتْ عَلَيَّ آنِفًا سُورَةٌ فَقَرَأَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ حَتّٰى خَتَمَهَا قَالَ هَلْ تَدْرُونَ مَا الْكَوْثَرُ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّهُ نَهْرٌ وَعَدَنِيهِ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ فِي الْجَنَّةِ۔

انس بن مالکؓ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر ابھی ابھی ایک سورت اتری ہے جو یہ ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝ انّا اعطینٰک الکوثر آخر سورت تک۔ فرمایا جانتے ہو کہ کوثر کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسولؐ زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا وہ ایک نہر ہے جس کا جنت میں مجھ سے میرے رب عزّ وجل نے وعدہ فرمایا ہے۔

شرح: شاید اس روایت سے ابوداؤد کی غرض یہ ہو کہ اس میں حضورؐ نے سورت کو تسمیہ سے شروع فرمایا اور اسے آخر تک پڑھا تھا جس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ آیت بھی سورت کا جزء ہے۔ سو اس میں شک نہیں کہ جہاں جہاں قرآن میں بسم اللہ الخ ہے یہ بھی نازل کی جاتی رہی مگر سورت کی ابتداء و انتہاء بتانے کے لیے۔ بالاتفاق سورۂ کوثر کی تین آیات ہیں، اگر تسمیہ کو شامل کیا جائے تو چار بنتی ہیں جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ سنن ابی داؤد کے مصری نسخے میں اوپر کے باب کا عنوان لکھا ہے۔ باب الجہر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اور ہمارے ہاں کے نسخوں میں اس کا جو عنوان ہے کہ: باب من لم یر الجہر الخ پس یہ حدیث ہمارے نسخوں کے باب سے مطابقت نہیں رکھتی اس میں نماز کے اندر بسم اللہ الخ کے پوشیدہ یا علانیہ پڑھنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ فرض کرو کہ بسم اللہ الخ کسی سورۃ کا جزء ہے تب بھی پوشیدہ یا علانیہ پڑھنے کا مسئلہ اس سے الگ رہے گا۔ اگرچہ کوئی اس سے یہ استدلال بھی کر سکتا ہے کہ جب سورت کا جزء ہے تو اسے بھی جہراً پڑھا جانا چاہیے (استدلال تو ہے مگر تام نہیں!)

۷۸۵۔ حَدَّثَنَا قَطَنُ بْنُ نُسَيْرٍ نَا جَعْفَرٌ نَا حُمَيْدٌ الْأَعْرَجُ الْمَكِّيُّ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ وَذَكَرَ الْإِفْكَ قَالَتْ جَلَسَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَشَفَ عَنْ وَجْهِهٖ وَقَالَ أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ الْآيَةَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَهٰذَا حَدِيثٌ مُنْكَرٌ قَدْ رَوٰى هٰذَا الْحَدِيثَ جَمَاعَةٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ لَمْ يَذْكُرُوا

هٰذَا الْكَلَامَ عَلٰى هٰذَا الشَّرْحِ وَاَخَافُ اَنْ يَّكُوْنَ اَمْرُ الْاِسْتِعَاذَةِ مِنْ كَلَامِ حُمَيْدٍ ۔

عروہ بن زبیرؓ نے واقعۂ افک کا ذکر کیا اور حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور اپنا چہرۂ مبارک کھول دیا اور فرمایا: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ الآیہ" میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شیطان مردود سے پناہ لیتا ہوں۔ بلاشبہ جو لوگ اس بہتان کو لائے وہ تم میں سے ایک چھوٹی جماعت ہے" ابوداؤد نے کہا اور یہ حدیث منکر ہے، زہری سے روایت کرنے والی ایک جماعت ہے جس نے اس کلام کو اس طور پر بیان نہیں کیا اور مجھے خوف ہے کہ اس میں جو اعوذ باللہ ہے یہ حمید کا کلام ہوگا۔

شرح: ابوداؤد نے اس حدیث پر دو طرح سے اعتراض کیا ہے (ا) ایک یہ کہ زہری سے روایت کرنے والے سب لوگ یہ نہیں کہتے کہ حضورؐ نے اپنا چہرۂ مبارک کھولا اور نہ انہوں نے یہ بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعوذ پڑھ کر ان آیات کی تلاوت فرمائی۔ بلکہ ان سب نے کہا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں: اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ الخ۔ ابوداؤد اس حدیث کو منکر کہتے ہیں، منکر کی تعریف یہ ہے کہ ضعیف راوی جب ثقہ راویوں کی مخالفت کرے تو ضعیف کی روایت منکر اور ثقہ کی روایت معروف کہلاتی ہے (جیسا کہ اصولِ حدیث میں ہے) حمید ضعیف نہیں ہے، اسے ابن سعد، احمد، ابن معین، ابوزرعہ، ابوداؤد، ابن خراش، بخاری اور یعقوب بن سفیان سب ثقہ کہتے ہیں، لہٰذا اس کی روایت منکر نہیں ہوسکتی۔ ممکن ہے ابوداؤد نے بطور توسع و تسامح اسے منکر کہا ہو ورنہ اس کا صحیح نام شاذ ہے کیونکہ اس کے خلاف روایت کرنے والے ثقہ تر ہیں۔ یا یوں کہا جائے کہ امام احمدؒ نے ایک قول میں اسے غیر قوی کہا ہے تو ابوداؤد کا قول اس پر مبنی ہوگا۔ ابوداؤد کے اس حدیث کو منکر کہنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اعوذ باللہ حدیث جزء نہیں بلکہ حمید کا کلام ہے۔ مگر اس کی کوئی دلیل نہیں، یہ صرف ابوداؤد کا وجدان ہے۔ انہوں نے الفاظ بھی ایسے ہی استعمال کئے ہیں کہ: مجھے خوف ہے کہ یہ حمید کا کلام ہوگا۔ اس حدیث کی بھی باب کے عنوان سے کوئی مناسبت نظر نہیں آتی جب تک کہ کوئی بعید تاویل نہ کی جائے۔

بَابُ مَنْ جَهَرَ بِهَا

بسم اللہ کو جہراً پڑھنے کا باب۔

۷۸۶۔ اَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ اَنَا هُشَيْمٌ عَنْ عَوْفٍ عَنْ يَزِيْدَ الْفَارِسِيِّ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ قُلْتُ لِعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ مَا حَمَلَكُمْ عَلٰى اَنْ عَمَدْتُّمْ اِلٰى بَرَاءَةٍ وَهِيَ مِنَ الْمِئِيْنَ وَاِلَى الْاَنْفَالِ وَهِيَ مِنَ الْمَثَانِيْ فَجَعَلْتُمُوْهُمَا فِي السَّبْعِ الطُّوَلِ وَلَمْ تَكْتُبُوْا بَيْنَهُمَا سَطْرَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قَالَ عُثْمَانُ

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا تَنَزَّلُ عَلَيْهِ الْآيَاتُ فَيَدْعُو بَعْضَ مَنْ كَانَ يَكْتُبُ لَهُ وَيَقُولُ لَهُ ضَعْ هٰذِهِ الْآيَةَ فِي السُّورَةِ الَّتِي يُذْكَرُ فِيهَا كَذَا وَكَذَا وَتُنْزَلُ عَلَيْهِ الْآيَةُ وَالْآيَتَانِ فَيَقُولُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَكَانَتِ الْأَنْفَالُ مِنْ أَوَّلِ مَا نَزَلَ عَلَيْهِ بِالْمَدِينَةِ وَكَانَتْ بَرَاءَةٌ مِنْ آخِرِ مَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ وَكَانَتْ قِصَّتُهَا شَبِيهَةً بِقِصَّتِهَا فَظَنَنْتُ أَنَّهَا مِنْهَا فَمِنْ هُنَاكَ وَضَعْتُهُمَا فِي السَّبْعِ الطُّوَلِ وَلَمْ أَكْتُبْ بَيْنَهُمَا سَطْرَ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

ابن عباس رضؓ نے کہا کہ میں نے عثمان بن عفان رضؓ سے کہا کہ: سورۃ براءۃ مئین میں سے ہے اور الانفال مثانی میں سے، پھر کیا سبب تھا کہ آپ لوگوں نے ان دونوں سورتوں کو سات لمبی سورتوں میں رکھا اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم کی سطر نہ لکھی؟ عثمان رضؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کچھ آیات اُترتیں تو آپؐ اپنے بعض کاتبین وحی کو بلاتے اور فرماتے: اس آیت کو فلاں فلاں سورت میں رکھو جس میں یہ اور یہ مذکور ہے۔ اور آپؐ پر کبھی آیت کبھی دو آیتیں اترتیں تو اسی طرح کہتے تھے، اور سورت انفال آپؐ پر مدینہ میں اُترنے والی پہلی سورتوں میں سے تھی اور براءۃ قرآن کی آخری سورتوں میں سے تھی اور ان دونوں کا مضمون ملتا جلتا تھا سو میں نے سمجھا کہ اس کا تعلق اُس کے ساتھ ہے لہٰذا میں نے ان کو سات لمبی سورتوں میں رکھ دیا اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم کی سطر نہیں لکھی

شرح: یہ حدیث نزولِ قرآن، کتابتِ قرآن، جمع قرآن اور تفسیر قرآن کے بڑے بڑے عظیم مسائل کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اسی سبب سے اس پر ذرا مفصل گفتگو کی ضرورت ہے۔ مئین وہ سورتیں ہیں جن کی آیات سو سے زیادہ ہیں۔ مثانی وہ سورتیں ہیں جن کی آیات سو تک نہیں پہنچتیں۔ ۱۱ سورتیں مئین ہیں۔ بیس سورتیں مثانی ہیں۔ باقی مفصل کہلاتی ہیں اور ان مفصلات کی تین اقسام ہیں، طوال مفصل، اوساطِ مفصل اور قصارِ مفصل۔ ابن عباسؓ کے سوال کا منشا یہ تھا کہ سورۂ انفال کی تو صرف ۷۷ آیات ہیں، تو پھر اسے قرآن مجید کی پہلی سات لمبی سورتوں میں کیوں رکھا گیا؟ دوسرا جزء سوال کا یہ تھا کہ انفال اور براءۃ کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم کا فاصلہ نہیں تھا اور یہ دونوں ایک ہی سورت نظر آتی تھیں تو پھر انہیں الگ الگ سورتیں کیوں قرار دیا گیا؟ سوال کا تیسرا جزء یہ تھا کہ براءۃ کی ایک سو تیس آیات ہیں، اسے طوال میں رکھا جانا مناسب تھا مگر آپ لوگوں نے اسے مئین میں کیوں رکھا؟ جناب عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید وقتاً فوقتاً اُترتا تھا، کبھی ایک آیت، کبھی دو۔ علیٰ ہذا القیاس۔ حضورؐ نے کچھ کاتب وحی مقرر کر رکھے تھے، جن کی تعداد کم و بیش تین درجن کے اندر ہے۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی ہر وقت حاضر خدمت یا آس پاس موجود رہتا تھا۔ جب وحی آتی تو حضورؐ اسے لکھوا دیتے۔ یہ لوگ بعد میں اپنی اپنی یادداشتیں ملا کر درست بھی کر لیتے تھے۔ حضورؐ لکھوا کر پڑھواتے اور اگر ضرورت ہوتی تو کوئی مشورہ دیتے یا غلطی درست کرتے تھے۔ ہڈیوں، پتھروں اور لوہے کی تختیوں پر کھود کر لکھا جاتا تھا۔ حضورؐ پر آیت کے متعلق

بتاتے تھے کہ یہ فلاں سورت کی آیت ہے، اسے فلاں آیت سے پہلے اور فلاں کے پیچھے رکھ دو۔ سورۂ انفال جنگ بدر کے فوراً بعد اتری تھی کیونکہ اس میں مالِ غنیمت کے احکام اور جنگ بدر کے واقعات کا ذکر ہے۔ سورۂ براءۃ نزول کے لحاظ سے آخری سورت تھی۔ دونوں کے مضامین میں مشابہت تھی پہلی میں جنگ بدر اور دوسری میں جنگ تبوک کا بیان ہے۔ دونوں میں مومنوں اور مجاہدوں کی مدح اور منافقوں کی مذمت ہے وغیرہ وغیرہ، لہذا جناب عثمانؓ نے فرمایا کہ ہم نے ان دونوں کو اکٹھا رکھ دیا (یعنی طوال میں) اور چونکہ براءۃ سے قبل تسمیہ نازل نہیں ہوئی تھی لہذا اس سے قبل اسے لکھا نہیں گیا۔ لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کا الگ الگ مستقل نام بتایا تھا اور ان میں ہمیشہ دو سورتیں سمجھا گیا لہذا انہیں ملا کر ایک سورت بھی قرار نہیں دیا گیا۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ تسمیہ امان ہے اور سورۂ براءۃ میں جہاد و قتال اور منافقوں پر شدت و رسوائی بیان ہوئی ہے۔ عہد شکن لوگوں کی سزا بیان ہوئی ہے لہذا اس سے قبل بسم اللہ نہیں لکھی گئی۔ اصل سبب تو وہی ہے کہ جبریلؑ نے اس سے قبل بسم اللہ بتائی ہی نہیں تھی، باقی اسباب اجتہادی ہیں۔ امام مالکؒ سے منقول ہے کہ اس کا طول سورہ بقرہ کی مانند تھا، جب پہلا حصہ منسوخ التلاوت ہوگیا تو بسم اللہ بھی ساتھ ہی ساقط ہوگئی۔ ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ یہ پوری سورت اپنے طول سمیت (مشمولہ منسوخ آیات) مصحف ابن مسعودؓ میں موجود تھی۔

ابن عباسؓ نے یہ سوال حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ سے اس لیے کیا کہ وہ جامع القرآن تھے۔ جامع القرآن اس معنی میں کہ پہلی مرتبہ جب صدیق اکبرؓ کے دور میں جنگ یمامہ کے بعد قرآن کو ایک مصحف میں جمع کیا گیا تو حضرت زید بن ثابتؓ کاتب وحی کی زیر سرکردگی ایک سب کمیٹی بنائی گئی تھی اور حفاظِ قرآن کو اس کمیٹی کی مدد کرنے اور ساتھ رہنے کی تاکید کی گئی تھی۔ حضرت عثمان حافظِ قرآن اور قاری تھے لہذا اس سب کمیٹی سے قریب کا رابطہ ان کو حاصل رہا تھا۔ اس کمیٹی نے لوگوں سے تمام مکتوبہ یادداشتیں اور مجموعے منگوائے اور ان کی مراجعت ومقابلہ بڑی احتیاط سے کیا، حافظ پاس تھے، جو قرآن کو نمازوں میں، خطبوں، وعظوں اور درسوں میں اور بالخصوص حضورؐ کی عمر کے آخری رمضان میں صلوٰۃ تراویح میں سن چکے تھے، مگر صرف زبانی حفظ پر ہی اعتماد نہیں کیا گیا بلکہ کسی آیت کو مصحف میں درج کرنے سے پیشتر حفاظ کے حفظ اور تحریری مواد کو بھی جانچا گیا تھا، کافی محنت اور دیدہ ریزی کے بعد جو مجموعہ تیار ہوا اس کا نام المصحف الامام رکھا گیا تھا۔

حضرت عثمانؓ کے جامع القرآن ہونے کا دوسرا سبب یہ تھا کہ ان کے دورِ خلافت میں قراءتِ قرآن کے لہجوں اور الفاظ میں اختلاف ہوا تھا تو انہوں نے اپنی زیرِ نگرانی از سرِ نو اسی سب کمیٹی سے قرآن کو قریشی لہجے اور قراءت میں جمع کروایا تھا اور اس کی سات نقول سلطنت کے سات صوبوں میں بھجوا کر تمام عالمِ اسلام کے مسلمانوں کو ایک ہی قراءت پر جمع کر دیا تھا۔ باقی متواتر یا شاذ قراءتیں زبانی یاد رکھی گئی ہیں مگر قرآنی رسم الخط میں صرف ایک ہی متواتر قراءت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

ابن عباسؓ کے جواب میں حضرت عثمان بن عفانؓ نے سورۂ براءۃ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ لکھنے کا جو سبب قرار دیا ہے وہ اس سبب کے خلاف نہیں ہے جو ابن عباسؓ ہی کے جواب میں حضرت علیؓ نے بیان کیا تھا، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ بسم اللہ امان ہے اور سورۂ البراءۃ تلوار کے احکام کے ساتھ نازل ہوئی تھی، اس میں امان نہیں آئی۔

اور اہلِ عرب صلح و امان میں اپنے مراسلات کی ابتداء میں اور معاہدات میں بسم اللہ یا باسمک اللّٰھمّ کے لفظ لکھتے تھے اور جب عہد شکنی کی تحریر یا معاہدہ کی خلاف ورزی کے متعلق ابتداء میں اور معاہدات میں بسم اللہ سے نہیں کرتے تھے۔ قرآن کا نزول بھی ان کی اس اصطلاح پر ہوا کیونکہ اس میں کوئی حرج نہ تھا، لہٰذا بسم اللہ امان کی علامت بن گئی اور اس کا نہ لکھنا امان واپس لینے کی علامت قرار پا گئی۔ پس علی رضؓ کے قول کا یہی معنیٰ ہے کہ انہوں نے اس کو امان ٹھہرایا اور اسی طرح مفسرین کا قول کہ: یہ رحمت کی آیت ہے (یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) اور اس کا نہ ہونا عذاب کی نشانی ہے۔ یہ جعبری کا بیان ہے۔

مولانا رؒ فرماتے ہیں کہ اگر کہا جائے کہ سہیل بن عمرو (قریش مکہ کے نمائندے) نے صلح حدیبیہ کے موقع پر جو یہ کیا تھا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھی جائے، واللہ میں نہیں جانتا کہ رحمٰن کیا چیز ہے، سو تم باسمک اللّٰھمّ لکھو۔ تو یہ قول ابن عباس رضؓ کی اس روایت کے خلاف ہے جو انہوں نے حضرت علی رضؓ سے کی ہے، کیونکہ حدیبیہ کا یہ واقعہ تو ظاہر کرتا ہے کہ قریش یا عرب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو نہیں جانتے تھے حالانکہ حضرت علی رضؓ کا قول بتاتا ہے کہ صلح و امان اور معاہدات میں بسم اللہ کا لکھنا ان کے ہاں متعارف تھا۔ سو اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ سہیل بن عمرو کا اعتراض لفظ الرحمٰن پر تھا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں باسمک اللّٰھمّ خود ہی آ جاتا ہے، اور حضرت علی رضؓ کے قول سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ لوگ ہر موقع پر پوری بسم اللہ لکھتے تھے، ہو سکتا ہے کہیں پوری اور کہیں صرف باسمک اللّٰھمّ ہی لکھتے ہوں۔ بلکہ ان کی قدیم تحریرات و معاہدات کے مطالعے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ باسمک اللّٰھمّ کے الفاظ لکھنے کا رواج تھا۔

شارح طیبی نے کہا ہے کہ جناب عثمان رضی اللہ عنہ کا قول یہ بتاتا ہے کہ سورۂ الانفال اور البراءۃ ایک سورۃ کے طور پر نازل ہوئی تھیں اور انہوں نے سات لمبی سورتوں کے عدد کو پورا کیا تھا۔ کہا گیا ہے کہ سات لمبی سورتیں (السبع الطوال) یہ ہیں: البقرہ اور البراءۃ اور ان کی درمیانی سورتیں، اور یہی مشہور ہے۔ لیکن نسائی اور حاکم کی روایت میں ہے کہ وہ یہ ہیں: البقرہ، الاعراف اور ان کی درمیانی سورتیں، راوی نے کہا کہ میرے استاد نے ساتویں کا ذکر بھی کیا تھا مگر میں بھول گیا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ فاتحہ ہو کیونکہ وہ سبع مثانی ہے یا سبع مثانی میں سے ہے۔ اس کی سات آیات مئین کے برابر شمار ہوئی ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ ساتویں سورۂ الانفال ہو تنہا یا البراءۃ سمیت اور سعید بن جبیر رضؓ سے ثابت ہے کہ وہ سورۂ یونس ہے اور اسی قسم کی روایت ابن عباس رضؓ سے بھی آئی ہے۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ الانفال اور اس کے بعد والی سورتوں کا المثانی میں سے ہونا مختلف فیہ ہے، اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا الانفال اور البراءۃ دونوں ایک سورت ہیں یا الگ الگ دو سورتیں۔ حضرت علی رضؓ سے صحیح روایت میں ثابت ہے کہ انہوں نے کہا: عثمان رضؓ کے متعلق صرف اچھائی کی بات کرو کیونکہ واللہ مصاحف میں انہوں نے جو کچھ کیا وہ ہم سب کے اتفاق سے کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ: تم لوگوں کا قرأت کے متعلق خیال ہے؟ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے کہتے ہیں: میری قرأت تیری قرأت سے بہتر ہے، اور قریب ہے کہ یہ اختلاف بڑھ کر کفر تک پہنچ جائے۔ میں نے کہا، پھر آپ کی کیا رائے ہے؟ کہنے لگے کہ میری رائے یہ ہے کہ سب لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیا جائے تاکہ اختلاف اور افتراق پیدا نہ ہو سکے۔ ہم نے کہا: آپ کی رائے بہت اچھی ہے۔

ابن القیس نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور جناب عثمان رضؓ کے جمع قرآن میں یہ فرق تھا کہ حضرت

ابوبکرؓ کا جمع کرنا اس خوف سے تھا کہ قرآن میں سے کچھ حصہ ضائع نہ ہو جائے کیونکہ حاملین قرآن شہید ہو رہے تھے اور قرآن ایک جلد میں جمع نہ تھا، پس ابوبکر صدیقؓ نے اُسے اس کی سورتوں کی آیات سمیت (یعنی خاص ترتیب سے) اس طرح ایک کتاب میں جمع کر دیا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحابؓ کو بتارکھا تھا۔ اور عربی زبان کی قرائتیں (لہجے اور لغات) چونکہ کافی تھیں لہذا جب لوگوں میں ان کے سبب سے قرآنی قرأت میں اختلاف ہونے لگا کہ ہر شخص اپنی لغت اور لہجے میں پڑھنے لگا اور نتیجۃً ایک دوسرے کو برسرِ غلط قرار دینے لگے تو حضرت عثمانؓ کو خوف پیدا ہوا کہ یہ معاملہ بڑھ کر سنگین نہ ہو جائے۔ پس حضرت عثمانؓ نے قرآن کے مصاحف کو ایک صحیفے میں لکھوایا اور سورتوں کی ترتیب قائم کی اور تمام لغات اور لہجوں میں سے صرف لغتِ قریش پر اکتفاء کیا اور اس کی دلیل یہ دی کہ قرآن مجید انہی کی لغت میں اُترا ہے، اگرچہ آسانی کی غرض سے دوسروں کی لغات میں پڑھنے کی وسعت بھی قائم رکھی گئی تھی، اس سے یہ غرض تھی کہ ابتدائے اسلام میں حرج اور مشقت کو دُور کیا جائے۔ حضرت عثمانؓ نے دیکھا کہ اب یہ ضرورت پوری ہو چکی ہے لہذا ایک لغت پر اکتفاء کیا گیا۔

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ ابن التین کے بیان سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بعض ان لغات وقرأت کو چھوڑ دیا جن کا قرآن ہونا ثابت شدہ امر تھا، لہذا صحیح بات یہ ہے کہ یوں کہا جائے: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جمع کردہ مصحف میں منسوخ آیات اور وہ قرائتیں بھی موجود تھیں جن پر بعد میں تواتر حاصل نہیں ہو سکا، ہر چیز کو تہذیب وترتیب کے بغیر جمع کر دیا گیا تھا۔ پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منسوخات کو چھوڑ دیا اور متواترات کو باقی رکھا، کلمات کا رسم الخط تحریر کیا اور سورتوں اور آیات کی ترتیب کو آخری عرضہ کے مطابق لکھا۔ ان عرضات میں سے جو لوحِ محفوظ کی کتابت کے مطابق تھے۔ اگرچہ آیات وسُوَر کا نزول آہستہ آہستہ مختلف اوقات میں ہوتا رہا تھا۔ کیونکہ نزول تو حاجات وحالات کے تقاضوں کے لحاظ سے ہوا تھا۔ اس لیے امام باقلانیؒ کا قول ہے کہ جمعِ قرآن میں ابوبکرؓ وعثمانؓ کا طریق ومقصد مختلف تھا۔ حضرت عثمانؓ کا مقصد صرف قرأتِ قرآن کو جمع کرنا نہیں تھا بلکہ اس عام معروف قرأت پر لوگوں کو جمع کرنا تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس کے ماسوا کو الگ کر دیا اور لوگوں کو ایک ایسے مصحف پر جمع کر دیا جو مرتب ومنظم تھا اور اس میں سورتوں کی تقدیم وتاخیر نہ تھی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قرآن کی موجودہ مقدار موجودہ ترتیب پر ہی اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو متواتر طور پر ثابت ہے اور اس پر اہلِ علم کا اجماع ہے، جو اس میں کمی بیشی کرے وہ فوراً کافر ہو جائے گا۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آیاتِ قرآن کی ترتیب منِ جانب رسولؐ ہے کیونکہ نزول میں تو آخری آیت یہ تھی: وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ الخ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جبریلؑ نے منِ جانب اللہ حکم دیا کہ اسکو آیتِ ربوٰ اور آیتِ دَین کے درمیان میں رکھیں۔ یہی سبب ہے کہ آیات کی ترتیب کو برعکس کرنا حرام ہے۔ البتہ سورتوں کی ترتیب میں کچھ اختلاف ہے مگر عذر کے بغیر اس کی مخالفت بھی مکروہ ہے۔ وجہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سورۂ نساء کو سورۂ آلِ عمران سے پہلے پڑھنا وارد ہوا ہے۔ ایسا بیان جواز کے لیے ہوا تھا یا نسیان سے تاکہ آپ کو منِ جانب اللہ ترتیب کا علم ہو جائے۔ مگر صحیح تر بات یہی ہے کہ سورتوں کی ترتیب بھی منِ جانب اللہ ہے۔

اگرچہ عرضۂ اخیرہ سے قبل لوگوں کے مصاحف اپنی اپنی ذوقی ترتیب کے مطابق تھے۔ حضرت عثمانؓ کا جمع کردہ مصحف عرضۂ اخیرہ کے مطابق تھا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبریلؑ کے ساتھ آخری رمضان میں دو مرتبہ دَور کرنا جو عرضۂ اخیرہ کہلاتا ہے) اس سے قبل کچھ لوگوں نے قرآن کی ترتیب نزول کے مطابق رکھی ہوئی تھی، مثلاً مصحف علیؓ جس میں پہلے سورۂ اقراء ہے پھر المدثر پھر ن پھر مزمل پھر تبت پھر تکویر اور اسی طرح پہلے مکی اور پھر مدنی سورتیں۔ اور ترتیب قرآن کے توقیفی (من جانب اللہ) ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ حوامیم کو اکٹھا بالترتیب رکھا گیا ہے، پھر طواسین کو بھی اس طرح، مگر مسبحات کو بھی اس طرح، مگر مسبحات کو ملا کر یکے بعد دیگرے جمع نہیں کیا گیا بلکہ ان کی سورتوں میں فاصلہ ہے اور اسی طرح مکی اور مدنی سورتوں کو باہم ملا دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ (از افادات محدث علی القاری)

۷۸۷۔ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ اَيُّوبَ نَا مَرْوَانُ يَعْنِي ابْنَ مُعَاوِيَةَ اَنَا عَوْفٌ الْاَعْرَابِيُّ عَنْ يَزِيْدَ الْفَارِسِيِّ حَدَّثَنِيْ ابْنُ عَبَّاسٍ بِمَعْنَاهُ قَالَ فِيْهِ فَقُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُبَيِّنْ لَنَا اَنَّهَا مِنْهَا قَالَ اَبُوْدَاوُدَ قَالَ الشَّعْبِيُّ وَاَبُوْمَالِكٍ وَقَتَادَةُ وَثَابِتُ بْنُ عُمَارَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكْتُبْ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ حَتّٰى نَزَلَتْ سُوْرَةُ النَّمْلِ هٰذَا مَعْنَاهُ۔

وہی اوپر کی حدیث دوسری سند سے ہے جس میں راوی مروان بن معاویہ نے کہا کہ: جناب عثمانؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور آپؐ نے ہمیں یہ نہ بتایا کہ سورۂ البرآءۃ، الانفال میں سے ہے۔

ابو داؤد نے کہا کہ شعبی، ابو مالک اور قتادہ اور ابو عمارہ نے کہا .... کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھوائی حتیٰ کہ سورۂ النحل نازل ہوئی۔ یہ اس حدیث کا معنی ہے۔

شرح: مطلب یہ کہ دوسری آیات کے اندر ملا کر ایک آیتِ قرآنی کے طور پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم صرف سورۂ نمل میں آئی ہے، باقی کسی کے مضامین و معانی کے اندر ملا کر سیاق و سباق کے لحاظ سے بسم اللہ الخ کو بھی ان کا حصہ قرار دیا جائے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ اس بات پر سب کا اجماع ہے کہ بسم اللہ سورۂ نمل کے اثناء میں آئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے سلیمانؑ کا خط جو ملکۂ سبا کے نام تھا اسے بطور حکایت حالِ ماضی بیان فرمایا ہے کہ ملکۂ سبا نے کہا: اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝

"یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے اور اس کا مضمون یہ ہے کہ، اللہ رحمان و رحیم کے نام سے ابتدا ہے، مجھ پر بڑائی مت جتاؤ اور مطیع فرمان بن کر میرے پاس چلے آؤ"، پس اگر کوئی آدمی اس جگہ تسمیہ کے جزءِ قرآن یا جزءِ سورت ہونے کا انکار کرے تو وہ کفر کا ارتکاب کرے گا۔ جہاں تک بسم اللہ کے ابتدائے سُوَرِ قرآنی میں ہونے کا سوال

ہے اس میں اختلاف ہے کہ وہ ہر ہر مقام پر ان سورتوں کا جزء ہے یا نہیں ہے، پس اگر کوئی اس کے ہاں پر جزءِ قرآن یا جزءِ سورت ہونے کا انکار کرے تو کافر نہیں ہے کیونکہ اس میں اختلاف موجود ہے۔ علامہ شوکانی کہا ہے کہ (نیل الاوطار)؛ یاد رکھو کہ امت کا اس پہ اجماع ہے بسم اللہ کو سورتوں کا جزء قرار دینے والا اور اس سے انکار کرنے والا، ان دونوں میں سے کوئی بھی اس قول میں کفر کا مرتکب نہیں ہوتا کیونکہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف (حسب دلائل) موجود ہے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی شخص کسی مجمع علیہ حرف کا انکار کر دے یا غیر قرآن کو اس میں شامل کر دے تو ایسا شخص بالاجماع کافر ہوگا۔ اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ نمل کے درمیان کا حصہ ہے اور سورت کا جزء ہے۔ مصحف میں سب سورتوں کے شروع میں، سوائے سورۂ توبہ کے، بسم اللہ کے اثبات میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ جہاں تک تلاوت کا سوال ہے تو قرائے سبعہ اس پر متفق ہیں کہ بسم اللہ کو ہر جگہ پڑھا جائے گا جہاں جہاں وہ لکھی ہوئی موجود ہو سورۂ توبہ کے شروع میں اسے نہیں پڑھا جائے گا کیونکہ اس جگہ لکھی ہوئی نہیں ہے۔ رہی یہ صورت کہ اگر کوئی ایک سورت کو دوسری سے ملا کر پڑھے تو درمیان میں تسمیہ پڑھے گا یا نہیں؟ تو ابن کثیر قالون، عاصم، کسائی، ان سب قاریوں نے اس کی نفی کی ہے: ابو عمرو، حمزہ، ورش اور ابن عامر۔

ابوداؤد نے جن راویوں کا نام لیا ہے کہ انہوں نے کہا: جب تک سورۂ نمل نہیں اتری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو نہیں لکھوایا ان کی حدیث مرسل ہے اور اس کے مطلب میں اشکال موجود ہے۔ وجہ یہ کہ اوپر گزر چکا ہے کہ سورۂ توبہ کے علاوہ ہر سورت سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی کتابت پر اجماع امت ہے اور پچھلی حدیث بھی یہی بتاتی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تھا کہ آپ لوگوں نے جمع قرآن کے وقت سورۂ توبہ سے پہلے بسم اللہ کیوں نہ لکھی؟ اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ اور سب سورتوں کی ابتداء میں انہوں نے بسم اللہ لکھی تھی۔ پس جب ان راویوں کے قول کے مطابق نمل کے نزول . . . . سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سورت کی ابتداء میں تسمیہ نہیں رکھی تھی تو کیا اس کا مطلب یہ تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اور آپ کی سنت کی خلاف ورزی کی تھی؟ انہوں نے سورۂ نمل سے پہلے اترنے والی سورتوں کے شروع میں بسم اللہ کیوں لکھی تھی؟ ممکن ہے کہ اس کا یہ جواب دیا جائے کہ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسائل وکتب کے شروع میں اس سورہ کے نزول سے قبل تسمیہ نہ لکھتے تھے، اس سورت نے جب سلیمان علیہ السلام کے خط کا ذکر کر کے گویا اشارۃً بتا دیا کہ مکتوب کی ابتداء میں بھی تسمیہ لکھی جانی چاہیئے تو حضور نے خطوط کے شروع میں بسم اللہ الخ کو لکھنا شروع کر دیا، اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ سورتوں کی ابتداء میں بھی بسم اللہ نہ لکھتے تھے۔

۷۸۸۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَأَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَرْوَزِيُّ وَابْنُ السَّرْحِ قَالُوا نَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قُتَيْبَةُ فِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَعْرِفُ فَصْلَ السُّورَةِ حَتَّى تَنْزِلَ عَلَيْهِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهٰذَا لَفْظُ ابْنِ السَّرْحِ ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سورت کا دوسری سے جدا ہونا اس وقت تک نہیں پہچانتے تھے جب تک کہ آپ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل نہ ہوتی (احمد بن محمد المروزی سے مراد سند میں امام احمد ہیں۔ اس حدیث سے پتہ چل گیا کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم موجود ہے، مستقل آیت ہے اور ہر جگہ من جانب اللہ نازل ہوئی ہے تاکہ سورتوں کی ابتداء وانتہاء معلوم ہو سکے)

بَابُ تَخْفِيْفِ الصَّلٰوةِ لِلْاَمْرِ يَحْدُثُ

کسی پیش آمدہ امر کے باعث نماز میں تخفیف کرنا:

۷۸۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ نَا عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْوَاحِدِ وَبِشْرُ بْنُ بَكْرٍ عَنِ الْاَوْزَاعِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِيْ كَثِيْرٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَقُوْمُ اِلَى الصَّلٰوةِ وَاَنَا اُرِيْدُ اَنْ اُطَوِّلَ فِيْهَا فَاَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَاَتَجَوَّزُ كَرَاهِيَةَ اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمِّهٖ ۔

ابو قتادہ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں اور اسے لمبا کرنا چاہتا ہوں مگر بچے کے رونے کی آواز سن کر مختصر کر دیتا ہوں مبادا اس کی ماں پر شاق گزرے۔

شرح: کیونکہ بچے کے رونے کے باعث اس کی ماں کو تشویش اور غم لاحق ہونا ایک فطری امر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ممکن ہے وہ بچہ اس لیے روتا ہو کہ اس کی ماں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہی ہو۔ بچے کے رونے کا مطلب ماں کی مشغولیت ہو اور طول صلوٰۃ کے باعث بچہ روتا رہے اور اس کی ماں کو غم والم اور تشویش لاحق ہو جائے اور اس طرح اس کی نماز میں نقص واقع ہو جائے۔ بقول محدث علی القاری، امام خطابیؒ کا قول ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل موجود ہے کہ امام جب محسوس کرے کہ کوئی آدمی اس کے ساتھ نماز میں شامل ہونا چاہتا ہے، اور امام رکوع میں ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ حالت رکوع میں ہی اس نماز کا انتظار کرے تاکہ وہ رکعت کو پالے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ امام کو جب کسی خالص دنیوی مصلحت کی خاطر نماز کو مختصر کرنا جائز ہے تو کسی اخروی امر کے لیے اسے طول دینا بھی جائز ہے، مگر بعض لوگوں نے اسے مکروہ سمجھا ہے اس خیال سے کہ مبادا شرک ہو جائے۔ مگر امام خطابی کے اس استدلال میں غلطی نظر آتی ہے، کیونکہ تخفیف اطاعت اور ترک تطویل میں اور کسی خاص شخص کے لیے اسے لمبا کرنے میں فرق ہے کیونکہ دوسرا امر توریاء میں داخل ہے۔ نیز امام تو تخفیف صلوٰۃ پر مامور ہے تاکہ اسے لمبا کر کے لوگوں کو مشقت میں نہ ڈالے اور تنفیر کا باعث نہ بنے۔ ایک سبب یہ بھی

ہے کہ ترک تخفیف مُضر ہے جس کا تدارک ممکن نہیں مگر نماز میں ترکِ اطالہ ایک ایسی چیز ہے جس سے کوئی ضرر نہیں ہوتا اور اس سے کسی اصلی چیز اور رُکن وغیرہ میں کوئی نقص نہیں آتا۔ ہاں! اگر اس مسئلے کی صورت قعدہ اخیرہ میں فرض کی جائے تو اس کی ایک اچھی وجہ بھی ہوتی، مگر اس کا کسی نے ذکر نہیں کیا۔ اور حنفیہ کا مسلک اس ضمن میں یہ ہے کہ امام اگر کسی شامل ہونے والے کی خاطر رکوع کو طویل کرے گا تو گویا اس کا رکوع اللہ کے لیے نہیں ہے، پس یہ امر مکروہ تحریمی ہے اور اس کے باعث اس کے لیے عظیم گناہ کا خدشہ ہے لیکن یہ داخل کفر نہیں ہے کیونکہ اس نے اس فعل سے کسی غیر اللہ کی عبادت کا ارادہ نہیں کیا۔ ایک قول ضعیف یہ بھی ہے کہ اگر وہ آنے والے کو جانتا نہیں تو اس تطویل میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مگر صحیح تر یہی ہے کہ اس کا ترک ہی بہتر ہے۔ اور سنن ابی داؤد کی روایت میں جو یہ وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آنے والوں کے جوتوں کی آواز سُن کر اپنی نماز میں ان کا انتظار فرماتے تھے، یہ حدیث ضعیف ہے۔ اگر صحیح ہوتی تو اس کا مطلب یہ تھا کہ نماز کی اقامت میں توقف فرماتے تھے نہ کہ نماز کے اندر۔ اور ایک حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی رکعت کو اس لیے طویل کرتے تھے تاکہ لوگ جماعت میں شامل ہو جائیں، سو یہ صحابی کا ظن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تطویلِ صلوٰۃ کی غرض کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي نُقْصَانِ الصَّلوٰةِ

نماز میں نقصان کا باب

٧٩٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ بَكْرٍ يَعْنِي ابْنَ مُضَرَ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَنَمَةَ الْمُزَنِيِّ عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَنْصَرِفُ وَمَا كُتِبَ لَهُ إِلَّا عُشْرُ صَلَاتِهِ تُسْعُهَا ثُمُنُهَا سُبُعُهَا سُدُسُهَا خُمُسُهَا رُبُعُهَا ثُلُثُهَا نِصْفُهَا۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ آدمی نماز ختم کرتا ہے مگر اس کی نماز کا ۱/۱۰، ۱/۹، ۱/۸، ۱/۷، ۱/۶، ۱/۵، ۱/۴، ۱/۳، ۱/۲ لکھا جاتا ہے (یعنی نمازی تو یہ سمجھتا ہو گا کہ میں نے نماز کو کما حقہٗ ادا کر لیا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک نصف سے لے کر دسویں حصے تک ہی اس کو اجر و ثواب ملا ہو گا کیونکہ اس نے اس میں کوئی ظاہری یا باطنی نقص پیدا کر دیا ہو گا۔ پس ثواب تو اس کی نیت و خلوص، طہارت کے کمال اور خشوع کے درجات کے مطابق ملے گا مگر وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گا کہ میری نماز مکمل ہو چکی ہے یہ جو عشر سے لے کر نصف تک تمام درجات بیان فرما دیئے یہ اشخاص کے اختلاف اور ان کے اوصاف، عبادت کے اختلاف کی بناء پر ہیں۔ یعنی کسی کی نماز

کا کوئی درجہ ہے اور دوسرے کی نماز کا کوئی اور۔)

بَابُ تَخْفِيفِ الصَّلٰوةِ

نماز کی تخفیف کا باب۔

۷۹۱۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ نَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو سَمِعَهُ مِنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذٌ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَرْجِعُ فَيَؤُمُّنَا قَالَ مَرَّةً ثُمَّ يَرْجِعُ فَيُصَلِّي بِقَوْمِهِ فَأَخَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً الصَّلٰوةَ وَقَالَ مَرَّةً الْعِشَاءَ فَصَلّٰى مُعَاذٌ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ جَاءَ يَؤُمُّ قَوْمَهُ فَقَرَأَ الْبَقَرَةَ فَاعْتَزَلَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَصَلّٰى فَقِيلَ نَافَقْتَ يَا فُلَانُ فَقَالَ مَا نَافَقْتُ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ مُعَاذًا يُصَلِّي مَعَكَ ثُمَّ يَرْجِعُ فَيَؤُمُّنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَإِنَّمَا نَحْنُ أَصْحَابُ نَوَاضِحَ وَنَعْمَلُ بِأَيْدِينَا وَإِنَّهُ جَاءَ يَؤُمُّنَا فَقَرَأَ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ فَقَالَ يَا مُعَاذُ أَفَتَّانٌ أَنْتَ أَفَتَّانٌ أَنْتَ اقْرَأْ بِكَذَا اقْرَأْ بِكَذَا قَالَ أَبُو الزُّبَيْرِ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى فَذَكَرْنَا لِعَمْرٍو فَقَالَ أُرَاهُ قَدْ ذَكَرَهُ۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے عمرو بن دینار سے سُنا کہ: معاذ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے پھر واپس آکر ہمارے امام بنتے تھے (اور بعض دفعہ راوی نے کہا کہ اپنی قوم کو نماز پڑھاتے تھے، پس ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز (یعنی عشاء کی نماز) مؤخر فرمادی، تو معاذ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور پھر آکر اپنی قوم کی امامت کرانے لگے۔ انہوں نے سورۂ البقرہ پڑھی تو ایک آدمی دوسروں سے الگ ہوگیا اور اس نے اکیلے نماز پڑھ لی۔ اس سے کہا گیا کہ اے فلاں تو منافق ہوگیا ہے، اس نے کہا میں منافق نہیں ہوا ہوں۔ پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ معاذ رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ نماز پڑھتا ہے پھر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ آکر ہمیں نماز پڑھاتا ہے اور ہم تو کاشت کار، اور اونٹوں پر پانی ڈھونے والے (یا ان کے ذریعے سے کنویں چلانے والے) لوگ ہیں، اپنے ہاتھوں سے مزدوری کرتے ہیں، اور معاذ رضی اللہ عنہ آکر ہمارا امام بنا اور سورہ البقرہ پڑھی اس پر حضور نے فرمایا اے معاذ رضی اللہ عنہ! کیا تو فتنہ گر ہے؟ کیا تو لوگوں کو آزمائش میں ڈالنے والا ہے! فلاں اور فلاں سورت پڑھا کرو۔ ابو الزبیر (دوسری حدیث کے یا اسی حدیث کی دوسری روایت کے راوی) نے کہا کہ: سورۂ اعلیٰ اور

سورۂ واللیل پڑھا کرو۔ عمرو راوی نے کہا کہ میرے خیال میں ان سورتوں کا اس نے ذکر کیا تھا۔

شرح: اس حدیث کو ابوداؤد نے اختصار کے ساتھ: باب امامۃ من صلی بقوم میں بھی روایت کیا ہے اور اس پر مفصل گفتگو پیچھے گزر چکی ہے۔ اس باب میں اسے اس مسئلہ کے اثبات کے لیے لایا گیا ہے کہ امام کو نماز میں مقتدیوں کے حال کے مطابق تخفیف کرنی چاہیے۔

۷۹۲۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ نَا طَالِبُ بْنُ حَبِيبٍ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ جَابِرٍ يُحَدِّثُ عَنْ حَزْمِ بْنِ كَعْبٍ أَنَّهُ أَتَى مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ وَهُوَ يُصَلِّي بِقَوْمٍ صَلٰوةَ الْمَغْرِبِ فِي هٰذَا الْخَبَرِ قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُعَاذُ لَا تَكُنْ فَتَّانًا فَإِنَّهُ يُصَلِّي وَرَاءَكَ الْكَبِيرُ وَالضَّعِيفُ وَذُو الْحَاجَةِ وَالْمُسَافِرُ۔

حزم بن ابی بن کعبؓ معاذ بن جبلؓ کے پاس آئے اور وہ ایک قوم کو نمازِ مغرب پڑھا رہے تھے، اس حدیث میں راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذؓ! فتنہ ڈالنے والا نہ بن کیونکہ تیرے پیچھے بوڑھے، کمزور، حاجت مند اور مسافر بھی نماز پڑھتے ہیں۔

شرح: اس حدیث میں یہ نمازِ مغرب کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جبکہ اوپر کی حدیث میں نمازِ عشاء کا ذکر تھا۔

میزان الاعتدال میں ابوداؤد کے استاذ الاستاذ طالب بن حبیب انصاری کو ضعیف کہا گیا ہے۔ امام بخاری نے بھی اس پر کچھ تنقید کی ہے، حزم بن ابی کعبؓ انصاری صحابی تھے۔ ان کے باپ کا نام ابوداؤد کی روایت میں ابیّ بن کعب بتایا گیا ہے اور ایک نسخے میں حزم بن ابی کعبؓ ہے، یہی صحیح ہے، مولانا ؒ نے فرمایا ہے کہ ان دو حدیثوں میں سے ایک میں نمازِ عشاء اور دوسری میں نمازِ مغرب کا ذکر آیا ہے۔ یہ تو ممکن نہ تھا کہ یہ واقعہ متعدد بار ہوا ہو کیونکہ معاذ بن جبلؓ سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ ایک بار تنبیہ سن کر پھر وہی کام کرتے جس پر حضور ﷺ نے عتاب فرمایا تھا بس راجح یہی ہے کہ یہ واقعہ نمازِ عشاء کا ہے۔ مگر صحاح کی روایتوں میں اور خود ابوداؤد کی باب الامامۃ والی روایت میں یہی آیا ہے۔ یہاں پر کسی راوی کو سہو ہوا ہے کہ عشاء کے بجائے مغرب کا لفظ بول دیا ہے۔

۷۹۳۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ كَيْفَ تَقُولُ فِي الصَّلٰوةِ قَالَ أَتَشَهَّدُ وَأَقُولُ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ أَمَا إِنِّي لَا أُحْسِنُ دَنْدَنَتَكَ وَلَا دَنْدَنَةَ مُعَاذٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَوْلَهَا نُدَنْدِنُ۔

ابو صالح نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ تم نماز میں (آخری قعدے میں) کس طرح دعا کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں تشہد پڑھتا ہوں اور کہتا ہوں: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ " اے اللہ میں تجھ سے جنت مانگتا ہوں اور جہنم سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں" لیکن میں آپ کی دعاء کو اور معاذ رضی اللہ عنہ کی دعاء کو اچھی طرح سے ادا نہیں کر سکتا ہوں اس پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم بھی نماز میں جنت ہی کی دعاء کرتے ہیں۔

شرح: اس شخص کا یہ قول کہ لَا اُحْسِنُ دَنْدَنَتَكَ وَلَا دَنْدَنَةَ مُعَاذٍ، ایک بے تکلفی اور سادگی کا جملہ ہے۔ لفظی معنی تو اس کا یہ ہے کہ: میں آپ کی اور معاذ رضی اللہ عنہ کی پوری طرح سمجھ میں نہ آنے والی آواز کو بخوبی سُن نہیں سکتا ہوں۔ یعنی آپ جو دعائیں کرتے ہیں اور معاذ رضی اللہ عنہ (جو ہمارا امام ہے) جو دعائیں کرتا ہے وہ میں پوری طرح نہیں سُن پاتا یا نہیں سمجھ سکتا۔ اور پھر حضور نے بھی از راہِ شفقت فرمایا: حَوْلَهَا نُدَنْدِنُ " ہم بھی اسی کے گرد بڑبڑاتے ہیں"۔ یعنی ہم بھی تیرے جیسی دعائیں مانگتے ہیں گو الفاظ مختلف ہوں مگر ہم بھی طلب جنت میں مصروف رہتے ہیں۔

۷۹۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيْبٍ نَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ نَا مُحَمَّدُ بْنُ عَجْلَانَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ ابْنِ مِقْسَمٍ عَنْ جَابِرٍ ذَكَرَ قِصَّةَ مُعَاذٍ قَالَ وَقَالَ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْفَتَى كَيْفَ تَصْنَعُ يَا ابْنَ اَخِيْ اِذَا صَلَّيْتَ قَالَ اَقْرَاُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَاَسْاَلُ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِهٖ مِنَ النَّارِ وَاِنِّيْ لَا اَدْرِيْ مَا دَنْدَنَتُكَ وَلَا دَنْدَنَةُ مُعَاذٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ وَمُعَاذٌ حَوْلَ هَاتَيْنِ اَوْ نَحْوَ هٰذَا۔

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اوپر کی حدیث والا قصہ بیان کیا جس میں معاذ رضی اللہ عنہ کی دعاء کا ذکر ہے، جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جوان سے فرمایا: اے بھتیجے! تم کس طرح نماز اور اس میں دعاء پڑھتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں فاتحۃ الکتاب پڑھتا ہوں اور اللہ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور جہنم سے اس کی پناہ لیتا ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ آپ کی دعاء اور معاذ رضی اللہ عنہ کی دعاء کیا ہوتی ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور معاذ رضی اللہ عنہ انہی دونوں دعاؤں کے گرد رہتے ہیں، یا راوی نے اس قسم کے اور لفظ بولے۔

۷۹۵۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ اَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيْهِمُ الضَّعِيْفَ وَالسَّقِيْمَ وَالْكَبِيْرَ وَاِذَا صَلّٰى لِنَفْسِهٖ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو تخفیف کرے کیونکہ ان میں کمزور آدمی بھی ہوگا، بیمار بھی، بوڑھا بھی۔ اور جب اکیلا پڑھے تو جتنی چاہے لمبی کرے (یعنی ارکان صلوٰۃ کی پوری ادائیگی کے ساتھ ساتھ تخفیف کا خیال رکھے بالخصوص قرأت میں)

۷۹۶۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ اَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ وَاَبِي سَلَمَةَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا صَلَّى اَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيهِمُ السَّقِيمَ وَالشَّيْخَ الْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی نماز پڑھائے، کیونکہ اُن میں بیمار، بہت بوڑھے اور ضرورت والے بھی ہوتے ہیں۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الظُّهْرِ

نماز ظہر کی قرأت کا باب۔

۷۹۷۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ اِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ وَعُمَارَةَ بْنِ مَيْمُونٍ وَحَبِيبٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِي رَبَاحٍ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ فِي كُلِّ صَلٰوةٍ يُقْرَاُ فَمَا اَسْمَعَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْمَعْنَاكُمْ وَمَا اَخْفٰى عَلَيْنَا اَخْفَيْنَا عَنْكُمْ۔

عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر نماز کی قرأت کی جاتی ہے۔ پھر جن نمازوں میں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت سنائی تھی ان میں ہم بھی تمہیں سناتے ہیں اور جن نمازوں میں حضورؐ نے ہم سے قرأت مخفی رکھی تھی ان میں ہم بھی تم سے مخفی رکھتے ہیں (اس حدیث کی سند میں عمارہ بن میمون ایک مجہول راوی ہے)

۷۹۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا يَحْيٰى عَنْ هِشَامِ ابْنِ اَبِي عَبْدِ اللّٰهِ ح وَثَنَا ابْنُ الْمُثَنّٰى ثَنَا ابْنُ اَبِي عَدِيٍّ عَنِ الْحَجَّاجِ وَهٰذَا لَفْظُهُ عَنْ يَحْيٰى عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي قَتَادَةَ قَالَ ابْنُ الْمُثَنّٰى وَاَبِي سَلَمَةَ ثُمَّ اتَّفَقَا عَنْ اَبِي قَتَادَةَ

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِنَا فَيَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَ سُوْرَتَيْنِ وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ أَحْيَانًا وَكَانَ يُطَوِّلُ الرَّكْعَةَ الْأُوْلَى مِنَ الظُّهْرِ وَيُقَصِّرُ الثَّانِيَةَ وَكَذٰلِكَ فِي الصُّبْحِ قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ لَمْ يَذْكُرْ مُسَدَّدٌ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً۔

ابو قتادہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھاتے تھے تو ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے اور کبھی کبھی ہمیں آیت سُنا دیتے تھے۔ اور ظہر کی پہلی رکعت کو لمبا کرتے تھے اور دوسری کو چھوٹا کرتے تھے اور اسی طرح صبح میں بھی۔ ابوداؤد نے کہا کہ میرے استاد مسدد نے سورۂ فاتحہ اور سورت کا ذکر نہیں کیا تھا۔

شرح: "دو سورتیں پڑھتے تھے" یعنی ہر رکعت میں ایک سورت پڑھتے تھے۔ کبھی کبھی سورۂ فاتحہ کی کوئی آیت یا اس کے بعض الفاظ اور اسی طرح سورت کے بھی سُنا دیتے تھے۔ یعنی ان نمازوں میں قرأت مخفی ہوتی ہے مگر تعلیماً کبھی کبھار کوئی آیت بلند آواز سے پڑھتے تاکہ پتہ چل جائے کہ امام قرأت کر رہا ہے، یا یہ کہ کہاں سے پڑھ رہا ہے۔ بقولِ ابن الملک یہ جہراً پڑھنا اس لیے تھا تاکہ اس سورت کی قرأت میں آپ کی اقتداء کی جائے۔ حافظ ابن حجر کا قول ہے کہ اس جہر کا منشا یہ تھا کہ تدبر میں جب استغراق ہوتا تو بلا قصد آواز بلند ہو جاتی تھی، یا بیانِ جواز کے لیے تھا یا اس لیے کہ مقتدی جان لیں کہ امام قرأت کر رہا ہے یا یہ کہ فلاں سورت پڑھ رہا ہے۔ مولانا ؒ نے فرمایا کہ حافظ صاحب کی اس جہر کی علت بیان جواز بھی بتائی ہے مگر حنفیہ کے نزدیک جہری نمازوں میں خفاء اور سری نمازوں میں جہر جائز نہیں ہے، کیونکہ جہر اور اخفاء جہاں پر جس طرح ثابت ہیں وہاں پر اسی طرح واجب ہیں۔ ہاں اگر بیانِ جواز سے یہ مراد ہو تو خیر کوئی بات نہیں کہ ایک آدھ آیت کا سُن لینا اس نماز کو اخفاء سے خارج نہیں کر دیتا۔ علی القاریؒ

ظہر و عصر کی پہلی رکعتوں میں تطویل کا سبب یہ تھا کہ پہلی رکعت میں ذوق و شوق اور نشاط زیادہ ہوتا ہے لہذا اس میں خشوع و خضوع بھی زیادہ ہوتا ہے۔ دوسری رکعت کو زیادہ لمبا نہ کرنے کا باعث یہ تھا کہ نمازی ملول نہ ہو جائیں۔ حنفیہ کے نزدیک ابوحنیفہؒ اور ابویوسفؒ کی روایت میں تو فجر کی پہلی رکعت کو دوسری کی نسبت لمبا کرنا چاہیئے تاکہ (حاجات سے فراغت اور طہارت وغیرہ کے بعد) جماعت کو پالینے میں لوگوں کی اعانت ہو سکے۔ اور ظہر کی دونوں رکعات برابر ہیں۔ محمد بن الحسنؒ کی روایت میں سب نمازوں کی پہلی رکعت کو دوسری سے طویل تر کرنا چاہیئے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ سب نمازوں کی پہلی رکعت کو زیادہ طویل کرتے تھے۔ شیخین نے فرمایا کہ استحقاقِ قرأت میں دونوں رکعتیں برابر ہیں، لیکن فجر کا حال کچھ مختلف ہے کیونکہ وہ نیند اور غفلت کا وقت ہوتا ہے۔ اس حدیث میں جس تطویل کا ذکر ہے اس سے یہ مراد ہے کہ پہلی رکعت میں ثناء اور تعوذ دوسری کی نسبت سے زائد ہوتا ہے لہذا وہ طویل نظر آتی ہے۔ اور تین آیات سے کم کی کمی بیشی کا اعتبار نہیں کیونکہ اس سے تو بالعموم بچا نہیں جا سکتا۔ امام ابن الہمامؒ نے کہا کہ اس بناء پر راوی کا یہ قول، وھٰکذا فی الصبح صرف اصلِ تطویل میں تشبیہ پر محمول ہے مقدار میں نہیں، کیونکہ فجر میں پہلی رکعت کو لمبا کرنا حنفیہ کے ہاں شرعاً معتبر ہے۔

٧٩٩ ۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَنَا هَمَّامٌ وَأَبَانُ بْنُ يَزِيدَ الْعَطَّارُ عَنْ يَحْيَى عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ بِبَعْضِ هٰذَا وَزَادَ فِي الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَزَادَ عَنْ هَمَّامٍ قَالَ وَكَانَ يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى مَا لَا يُطَوِّلُ فِي الثَّانِيَةِ وَهٰكَذَا فِي صَلٰوةِ الْعَصْرِ وَهٰكَذَا فِي صَلٰوةِ الْغَدَاةِ ۔

(ابو قتادہؓ سے دوسری سند کے ساتھ اس حدیث کا کچھ حصہ مروی ہے، اور یہ اضافہ بھی کہ: آخری دو رکعتوں میں حضورؐ سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔ اور ہمام راوی نے اتنا اضافہ اور کیا کہ: اور حضورؐ پہلی رکعت کو اتنا طویل کرتے تھے جتنا دوسری رکعت کو نہ کرتے تھے اور اسی طرح نماز عصر میں اور اسی طرح نماز فجر میں۔ امام مسلم نے اپنی اپنی سند سے یہی حدیث اسی معنی میں بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی نمازوں کی پہلی دو رکعات میں سورۂ فاتحہ اور کوئی اور سورت پڑھتے تھے اور کبھی کبھی ہمیں کوئی آیت سُنا دیتے تھے۔ اور پچھلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے)

٨٠٠ ۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنَا مَعْمَرٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ فَظَنَنَّا أَنَّهُ يُرِيدُ بِذٰلِكَ أَنْ يُدْرِكَ النَّاسُ الرَّكْعَةَ الْأُولَى ۔

(ابو قتادہؓ نے کہا کہ حضورؐ کے پہلی رکعت کو طویل کرنے کا باعث ہم نے یہ خیال کیا کہ آپؐ چاہتے تھے لوگ پہلی رکعت میں جماعت میں آکر مل جائیں۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ یہ محض گمان کرنے والوں کا گمان تھا ورنہ بقول علامہ علی القاری اللہ و رسول ہی جانتے ہیں کہ اس کا باعث کیا تھا)

٨٠١ ۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ قَالَ قُلْنَا لِخَبَّابٍ هَلْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ قَالَ نَعَمْ قُلْنَا بِمَ كُنْتُمْ تَعْرِفُونَ ذَاكَ قَالَ بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔

(ابو معمر کہتا ہے کہ ہم نے خباب رضی اللہ عنہ سے پوچھا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر کی نمازوں میں قرأت کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ ہم نے کہا پوچھا کہ آپ لوگ یہ کس طرح معلوم کرتے تھے؟ خباب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور ﷺ کی ڈاڑھی کے ہلنے سے (کہ گو آپ مخفی قرأت کرتے تھے مگر آپ کی ڈاڑھی کی حرکت سے ہمیں پتہ چل جاتا تھا کہ پڑھ رہے ہیں)

۸۰۲ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ نَا عَفَّانُ نَا ھَمَّامٌ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جُحَادَۃَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْمُ فِی الرَّکْعَۃِ الْاُوْلٰی مِنْ صَلٰوۃِ الظُّھْرِ حَتّٰی لَا یُسْمَعَ وَقْعُ قَدَمٍ۔

عبد اللہ بن ابی اوفیٰ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر کی پہلی رکعت میں اتنا لمبا قیام فرماتے تھے کہ نماز میں شامل ہونے کو آنے والوں کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی تھی (اس حدیث کی سند میں ایک مجہول راوی ہے مگر بیہقی، حافظ ابن حجر اور ابن حبان نے اس کا نام طرفہ حضرمی بتایا ہے جو ایک ثقہ تابعی گزرا ہے۔ حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ حضور ﷺ آنے والوں کو جماعت میں شامل کرنے کی خاطر پہلی رکعت کو طویل کرتے تھے، صرف اتنی بات ہے کہ اس تطویل کے باعث بعد میں ملنے والوں کا آنا بلند ہوجاتا تھا)

بَابُ تَخْفِیْفِ الْاُخْرَیَیْنِ

پچھلی دو رکعتوں کی تخفیف کا باب۔

۸۰۳ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ نَا شُعْبَۃُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُبَیْدِ اللّٰہِ اَبِیْ عَوْنٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ قَالَ عُمَرُ لِسَعْدٍ قَدْ شَکَاکَ النَّاسُ فِیْ کُلِّ شَیْءٍ حَتّٰی فِی الصَّلٰوۃِ قَالَ اَمَّا اَنَا فَاَمُدُّ فِی الْاُوْلَیَیْنِ وَاَحْذِفُ فِی الْاُخْرَیَیْنِ وَلَا اٰلُوْ مَا اقْتَدَیْتُ بِہٖ مِنْ صَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَاکَ الظَّنُّ بِکَ۔

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ لوگوں نے ہر بات میں تمہاری شکایت کی ہے حتیٰ کہ نماز کے بارے میں بھی۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں پہلی دو رکعتوں کو لمبا کرتا ہوں اور پچھلی دو رکعتوں کو مختصر کرتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی پیروی کی پوری کوشش کرتا ہوں۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: تمہارے متعلق یہی گمان تھا (عراقی کوفی لوگ بڑے سرکش اور سازشی تھے، بات بات پر شکائتوں کا طومار باندھ دیتے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ خلافت فاروقی میں عراق کے امیر تھے اور وہ لوگ حسب معمول ان کی شکایت کرتے تھے، اس سوال و جواب کا منشا یہی تھا)

۸۰۴ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مُحَمَّدٍ یَعْنِی النُّفَیْلِیَّ نَا ھُشَیْمٌ نَا مَنْصُوْرٌ عَنِ الْوَلِیْدِ بْنِ مُسْلِمٍ الْھُجَیْمِیِّ عَنْ اَبِیْ صِدِّیْقٍ النَّاجِیِّ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ قَالَ حَزَرْنَا قِیَامَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الظُّھْرِ وَالْعَصْرِ فَحَزَرْنَا قِیَامَہٗ فِی الرَّکْعَتَیْنِ الْاُوْلَیَیْنِ مِنَ الظُّھْرِ قَدْرَ ثَلَاثِیْنَ اٰیَۃً قَدْرَ الٓمّٓ تَنْزِیْلُ السَّجْدَۃِ وَحَزَرْنَا قِیَامَہٗ فِی الْاُخْرَیَیْنِ عَلَی النِّصْفِ مِنْ ذٰلِكَ وَحَزَرْنَا قِیَامَہٗ فِی الْاُوْلَیَیْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلٰی قَدْرِ الْاُخْرَیَیْنِ مِنَ الظُّھْرِ وَحَزَرْنَا قِیَامَہٗ فِی الْاُخْرَیَیْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلَی النِّصْفِ مِنْ ذٰلِكَ ۔

ابوسعید خدری رضؓ نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز ظہر اور عصر کے قیام کا اندازہ کیا پس ظہر کی نماز میں آپؐ کا پہلی دو رکعتوں میں قیام اندازاً تیس آیتوں کی مقدار تھا سورۂ الٓمٓ تنزیل السجدہ کی مقدار پر اور پچھلی دو رکعتوں میں آپ کے قیام کا اندازہ اس کے نصف کے برابر تھا (یعنی پندرہ آیات کے برابر) اور ہم نے نمازِ عصر میں آپ کے قیام کا اندازہ کیا تو وہ ظہر کی پچھلی دو رکعتوں جیسا تھا، اور ہم نے نمازِ عصر کی پچھلی دو رکعتوں میں آپؐ کے قیام کا اندازہ اس کے نصف کے برابر کیا تھا۔

شرح: ظہر کی پہلی دو رکعات کا جو اندازہ بتایا گیا ہے اس سے مراد ہر ایک رکعت کا اندازہ ہے۔ مگر یہ یاد رہنا ضروری ہے کہ اس حدیث میں ایک اندازہ ہی بیان کیا گیا ہے اور ظہر کی دو پچھلی رکعات میں جو پندرہ آیات کی قرأت کے برابر قیام بتایا گیا ہے اس سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا تو سورۂ فاتحہ کو بہت ہی آہستہ پڑھتے تھے جس سے یہ گمان پیدا ہو گیا کہ آپ کا قیام ۱۵ آیات کے برابر ہے۔ یا پھر یوں کہا جائے کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھتے تھے، مگر یہ قرأت بطور سنت نہ تھی بلکہ بطور بیان جواز تھی کیونکہ پچھلی احادیث میں گزرا ہے کہ پچھلی دو رکعتوں میں آپ صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔

بَابُ قَدْرِ الْقِرَاءَۃِ فِیْ صَلٰوۃِ الظُّھْرِ وَالْعَصْرِ

نمازِ ظہر میں قرأت کی مقدار کا باب۔

۸۰۵ ۔ حَدَّثَنَا مُوْسَی بْنُ اِسْمٰعِیْلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقْرَأُ فِی الظُّھْرِ وَالْعَصْرِ

بِالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ وَنَحْوِهِمَا مِنَ السُّوَرِ۔

جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر میں، سورۂ طارق اور سورہ بروج اور ان جیسی سورتیں پڑھتے تھے (یہ اوساطِ مفصل کی سورتیں ہیں، مطلب یہ ہے کہ ان نمازوں میں اس جیسی سورتیں پڑھی جاتی تھیں۔ ہنگامی حالات اور سفر وغیرہ کی مجبوریاں اس سے خارج ہیں)

۸۰۶۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ نَا أَبِي نَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكٍ قَالَ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَحَضَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الظُّهْرَ وَقَرَأَ بِنَحْوٍ مِنْ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى وَالْعَصْرَ كَذٰلِكَ وَالصَّلَوٰتِ إِلَّا الصُّبْحَ فَإِنَّهُ كَانَ يُطِيلُهَا۔

جابر بن سمرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب کے زوال پر ظہر کی نماز پڑھتے اور سورۂ واللیل جیسی سورتوں کی قرأت کرتے اور اسی طرح نماز عصر اور دوسری نمازیں، نماز صبح اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اُسے آپ لمبا کرتے تھے (اندازے کا اختلاف احوال وظروف کے اختلاف پر مبنی ہے)

۸۰۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى نَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ وَيَزِيدُ بْنُ هَارُونَ وَهُشَيْمٌ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ عَنْ أُمَيَّةَ عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ فِي صَلَاةِ الظُّهْرِ ثُمَّ قَامَ فَرَكَعَ فَرَأَيْنَا أَنَّهُ قَرَأَ تَنْزِيلُ السَّجْدَةِ قَالَ ابْنُ عِيسَى لَمْ يَذْكُرْ أُمَيَّةَ أَحَدٌ إِلَّا مُعْتَمِرٌ۔

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر میں سجدہ کیا پھر اُٹھے تو رکوع کیا تو ہم نے دیکھا آپ نے سورۂ الٓمٓ تنزیل السجدہ کی قرأت کی (یعنی رکوع سے قبل اتنی مقدار کی یا یہی سورت تلاوت فرمائی تھی)

شرح: حدیث کی سند میں سلیمان تیمی عن امیہ عن ابی مجلز آیا ہے، اس امیہ کو مجہول بتایا گیا ہے، ہوسکتا ہے کہ روایت میں یوں ہو: عن المعتمر عن ابیہ یعنی معتمر اپنے باپ سلیمان تیمی سے روایت کر رہا ہو مگر کسی راوی نے تصحیف کر کے عن ابیہ کے بجائے عن اُمیہ کر دیا ہو۔ ابو المجلز سے روایت کرنے والا اُمیہ نامی کوئی راوی نہیں ہے۔ دارقطنی کے بقول بعض راویوں کی سند یوں ہے: عن المعتمر عن ابیہ (سلیمان التیمی) عن ابی امیہ۔ اور ابو اُمیہ ایک مشہور راوی ابن ابی المخارق ہے۔ اس سند پر پہلے بھی بحث ہو چکی ہے۔ ابو داؤد نے اس کی روایت میں خود کہا ہے کہ اُمیہ غیر معروف ہے اور معتمر کی سند کے سوا اور کہیں اس کا نام نہیں آیا۔ پس ابو داؤد اور حافظ ابن حجر کے

مطابق یہ آمنیہ مجہول ہے۔

۸۰۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ مُوْسَى بْنِ سَالِمٍ نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فِي شُبَابٍ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ فَقُلْنَا لِشَابٍّ مِنَّا سَلِ ابْنَ عَبَّاسٍ أَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فَقَالَ لَا لَا فَقِيْلَ لَهُ لَعَلَّهُ كَانَ يَقْرَأُ فِي نَفْسِهِ فَقَالَ خَمْشًا هٰذِهِ شَرٌّ مِنَ الْأُوْلَى كَانَ عَبْدًا مَأْمُوْرًا بَلَّغَ مَا أُرْسِلَ بِهٖ وَمَا اخْتَصَّنَا دُوْنَ النَّاسِ بِشَيْءٍ إِلَّا بِثَلَاثِ خِصَالٍ أَمَرَنَا أَنْ نُسْبِغَ الْوُضُوْءَ وَأَنْ لَا نَأْكُلَ الصَّدَقَةَ وَأَنْ لَا نُنْزِيَ الْحِمَارَ عَلَى الْفَرَسِ۔

عبداللہ بن عبید اللہ نے کہا کہ بنی ہاشم کے چند نوجوانوں سمیت میں ابن عباس رضؓ کے پاس گیا اور ہم نے اپنے میں سے ایک نوجوان سے کہا کہ ابن عباس رضؓ سے پوچھو کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر میں قرأت کرتے تھے؟ ابن عباس رضؓ نے کہا کہ: نہیں نہیں۔ ان سے کہا گیا کہ شاید آہستہ سے قرأت کرتے ہوں۔ تو ابن عباس رضؓ نے کہا: تو زخمی کیا جائے یہ صورت تو پہلی سے بدتر ہے۔ آپ ایک مامور من اللہ بندۂ خدا تھے، جو حکم دے کر آپ کو بھیجا گیا۔ آپؐ نے اس کی تبلیغ کر دی تھی، اور ہمیں سب لوگوں کے ماسوا صرف تین ہی مخصوص باتیں بتائی تھیں، ایک تو یہ کہ ہم وضوء کو اچھی طرح سے اعضاء پہ پانی پہنچا کر کریں۔ دوسری یہ کہ ہم صدقہ نہ کھائیں، تیسری یہ کہ ہم گدھے کو گھوڑی پہ نہ چڑھائیں۔

شرح: عبداللہ بن عبید اللہ بن عباس رضؓ حضرت ابن عباس رضؓ کا بھتیجا تھا۔ ترمذی نے سنن میں کہا ہے کہ سند یوں ہے: عبداللہ بن عبید اللہ بن عباس رضؓ مولانا ؒ نے فرمایا کہ دارمی کی روایت میں عبید اللہ بن عبداللہ بن عباسؓ کا لفظ ہے جو کاتب کی تصحیف معلوم ہوتا ہے۔ طحاوی، ابن ماجہ اور نسائی کی روایت میں بھی سنن ابی داؤد کی مانند عبداللہ بن عبید اللہ بن عباس کا لفظ ہے۔ ابن عباس رضؓ نے یہ جو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبد مامور تھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ کو تبلیغ کا حکم تھا تو اگر یہ قرأت ہوتی تو ہمیں ضرور بتاتے۔ ابن عباسؓ نے جو تین مخصوص باتیں بتائیں کہ حضورؐ نے بالخصوص بنی ہاشم کو بتائی تھیں، یہ بھی دراصل ان کے ساتھ مخصوص نہ تھیں کیونکہ اسباغِ وضو، کا حکم عام ہے۔ صدقہ والدین، اولاد اور زوجین (میں سے ایک دوسرے) کو نہیں دیا جا سکتا، یا شاید حضورؐ نے جو بنی ہاشم کو جو یہ احکام دیئے تو انہوں نے اسے اپنے ساتھ مخصوص سمجھا۔ بنی ہاشم کو صدقہ نہ دینے کا حکم تو ساری امت کے لیے ہے، ہاں! صدقہ بعض شرعی مصالح کی بنا، پہ نہ لینے کا حکم ان سے ضرور مخصوص ہو سکتا ہے۔ اسباغ وضوء کا حکم ساری امت کے لیے عام ہے بنی ہاشم کے لیے زکوٰۃ، نذر، عشر اور کفارہ حرام ہے۔ جہاں تک نفلی صدقات یا وقف کا تعلق ہے ان سے وہ برابر فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور دینے والے انہیں دے سکتے

ہیں۔ نہایہ میں عتابی کا قول ہے کہ نفلی صدقہ ان کے لیے بالاجماع جائز ہے۔ یہی قول محیط میں اختیار کیا گیا ہے۔ اور اس کی نسبت نوادر کی طرف کی گئی ہے۔ لیکن زیلعی نے نفلی صدقے میں بھی اختلاف کیا ہے اور حرمت کو ترجیح دی ہے اور محقق ابن الہمام نے فتح القدیر میں اسی کو قرار دیا ہے کیونکہ احادیث میں صدقہ کا لفظ مطلقاً آیا ہے جو ہر قسم کے صدقات کو مشتمل ہے، مولانا فرماتے ہیں کہ حنفیہ کی مانند یہی مذہب امام شافعیؒ کا بھی ہے۔ الاتقانیؒ کے حاشیہ میں مذہب شافعی کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر تو فرض و نفلی ہر طرح کا صدقہ حرام تھا اور آپ کی آل پر صدقۂ واجبہ حرام ہے مگر نفلی صدقہ حرام نہیں۔ مگر امام نووی نے کہا ہے کہ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نفلی و فرضی ہر قسم کا صدقہ حرام ہے، بلکہ ان کے غلاموں پر بھی حرام ہے کیونکہ قوم کا غلام انہی میں شمار ہوتا ہے۔

ابن عباس رضؓ کے قول کے مطابق ممکن ہے حضورؐ نے بنی ہاشم کو گدھے اور گھوڑی کے ملاپ سے خاص طور پر کسی شرعی مصلحت سے منع فرمایا ہو ورنہ یہ فعل ناجائز نہیں ہے اور اس کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر پر سوار ہونا اور شاہِ مصر کی طرف سے اس کا تحفہ قبول کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں بھی اس کے جواز کا اشارہ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً " اور گھوڑے، خچر اور گدھے تمہیں بخشے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور زینت پاؤ۔" گویا اللہ تعالیٰ نے انعام و احسان کے اظہار کے طور پر خچر کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ پس حدیث کی نہی خلافِ اولیٰ پر محمول ہے۔ قرأت کی بحث آگے آتی ہے۔

۸۰۹۔ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ نَا هُشَيْمٌ أَنَا حُصَيْنٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَا أَدْرِي أَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ أَمْ لَا۔

ابن عباس رضؓ نے فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی نمازوں میں قرأت کرتے تھے یا نہیں۔

شرح: اس سے پہلے حضرت خبابؓ، ابوسعید خدریؓ، ابن عمرؓ کی روایات میں ان نمازوں میں قرأت کا ذکر گزر چکا ہے۔ ابن عباس رضؓ سے ان دو دن کی نمازوں میں قرأت کے متعلق مختلف روایات ہیں، بعض میں قرأت کی نفی ہے جیسا کہ اوپر کی حدیث میں گزرا۔ بعض میں تردد ہے جیسا کہ اس موجودہ روایت میں ہے اور بعض میں قرأت کا اثبات ہے جیسا کہ طحاوی کی روایات ہیں جن میں مختلف سندوں سے ابن عباس رضؓ اور دیگر اصحاب کی روایات موجود ہیں۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر میں مخفی قرأت فرماتے تھے۔ پس ظاہر یہ ہے کہ ابن عباسؓ کو پہلے اس کا علم نہ تھا لہٰذا انہوں نے نفی کی اور اس کے بعد جب دوسرے اصحاب سے پتہ چل گیا کہ حضورؐ ان نمازوں میں قرأت کرتے تھے تو آپ نے قرأت کا اثبات کیا۔ امام طحاوی نے اس مسئلے کی خوب تحقیق کی ہے۔

بَابُ قَدْرِ الْقِرَاءَةِ فِي الْمَغْرِبِ

نماز مغرب میں مقدار قرأت کا باب۔

۸۱۰۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ أُمَّ الْفَضْلِ بِنْتَ الْحَارِثِ سَمِعَتْهُ وَهُوَ يَقْرَأُ وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا فَقَالَتْ يَا بُنَيَّ لَقَدْ ذَكَّرْتَنِي بِقِرَاءَتِكَ هٰذِهِ السُّورَةَ أَنَّهَا لَآخِرُ مَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهَا فِي الْمَغْرِبِ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام الفضل بنت الحارث نے ان سے سورۂ والمرسلات عرفا کی قرأت کرتے سنا تو فرمایا: میرے پیارے بیٹے! تم نے یہ سورۃ پڑھ کر مجھے یاد دلایا ہے کہ میں نے آخری مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز مغرب میں یہ سورت پڑھتے سنا تھا۔

شرح: ام الفضل رضی اللہ عنہا بنت الحارث بن حزن الہلالیہ جناب عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں اور ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ ام الفضل رضی اللہ عنہا نے جس نماز مغرب کا ذکر کیا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں گھر میں ادا فرمائی تھی جیسا کہ نسائی کی روایت میں یہ صراحت موجود ہے۔ مگر ابن شہاب زہری کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری نماز با جماعت ادا فرمائی تھی وہ نماز مغرب تھی اور اس کے بعد شدت مرض کے باعث باہر تشریف نہ لائے اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں وہ نماز ظہر تھی۔ اور ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک پر ایک کپڑا باندھے بیماری کے دنوں میں باہر تشریف لائے اور لوگوں کو نماز مغرب پڑھائی۔ حافظ ابن حجر نے ان مختلف روایات کو یوں جمع کیا ہے کہ مسجد میں با جماعت نماز جو پڑھائی تھی وہ ظہر کی نماز تھی۔ نماز مغرب جو با جماعت پڑھائی تھی وہ شدت مرض کے باعث گھر میں تھی کہ گھر کے پچھلے حصے سے باہر تشریف لا کر وہاں جمع ہونے والوں سمیت وہ نماز ادا فرمائی۔ اس طرح سے ان مختلف روایات کا اختلاف دور ہو جاتا ہے، مغرب کی نماز میں مختصر قرأت کی عادت مبارک تھی، پس سورۂ مرسلات کا کچھ حصہ تلاوت فرمایا ہو گا۔ یا بیان جواز کے لیے پوری سورت پڑھی ہو گی کہ کبھی کبھار یہ بھی جائز ہے۔

۸۱۱۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِالطُّورِ فِي الْمَغْرِبِ۔

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز مغرب میں سورۂ طور پڑھتے سنا۔

۸۱۲۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ قَالَ لِي زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ مَالَكَ تَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِطُولَى الطُّولَيَيْنِ قَالَ قُلْتُ مَا طُولَى الطُّولَيَيْنِ قَالَ الْأَعْرَافُ وَالْأُخْرَى الْأَنْعَامُ وَسَأَلْتُ أَنَا ابْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ فَقَالَ لِي مِنْ قِبَلِ نَفْسِهِ الْمَائِدَةُ وَالْأَعْرَافُ۔

مروان بن الحکم نے کہا کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: کیا وجہ ہے کہ تو نمازِ مغرب میں قصارِ مفصّل پڑھتا ہے، حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازِ مغرب میں دو طویل تر سورتوں میں سے طویل ترین سورت کو پڑھتے دیکھا تھا۔ مروان کہتا ہے کہ میں نے پوچھا: دو طویل تر سورتوں میں سے طویل ترین سورت کون سی ہے؟ انہوں نے کہا کہ اعراف، اور دوسری انعام ہے۔ ابن جریج نے کہا کہ میں نے ابن ابی ملیکہ سے پوچھا تو اُس نے کہا کہ (اپنی طرف سے کہا) مائدہ اور اعراف۔

شرح: مفصّل سورتوں کی تین اقسام ہیں: (۱) طوالِ مفصّل سورۂ الحجرات سے لے کر سورۂ البروج تک (۲) اوساطِ مفصّل سورۂ بروج سے سورۂ لم یکن تک (۳) قصارِ مفصّل سورۂ لم یکن سے لے کر آخرِ قرآن تک۔ یہ جمہور کا قول ہے۔ اور طوال میں کچھ اور اقوال بھی ہیں مثلاً سورۂ قٓ سے لے کر عبس تک، سورۂ الفتح سے لے کر عبس تک، سورۂ محمدؐ سے لے کر عبس تک، الحجرات سے لے کر عبس تک، جاثیہ سے لے کر عبس تک اور یہ قول غریب ہے۔ اور ایک قول میں الحجرات سے عبس تک۔ اور وہاں سے الضحیٰ تک اوساط ہیں اور باقی سورتیں قصارِ مفصّل ہیں۔

سورۂ الاعراف کی آیات کی تعداد چونکہ النساء سے زیادہ ہیں لہٰذا حافظ ابن حجر کے اس قول کو غیر پسندیدہ کہا گیا ہے کہ سورۂ نساء کو کیوں طولی الطولیین نہ کہا گیا۔ سورۂ البقرہ کے بعد آیات کی تعداد میں دوسرا نمبر اعراف کا ہے، ہاں کلمات کے لحاظ سے النساء واقعی اعراف سے بڑی ہے۔ دراصل البقرہ کے بعد سات طویل ترین سورتوں میں سے طویل ترین ہونے کے لحاظ سے اعراف پر اتفاق ہے۔ اس کے بعد دوسرا نمبر کس کا ہے؟ اس میں تین قول ہیں۔ ان میں سے محفوظ قول الانعام کا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کہا۔

قرأت کے بارے میں حنفیہ کا مذہب درمختار میں یوں آیا ہے کہ حضر میں امام اور منفرد کے لیے فجر و ظہر میں طوالِ مفصّل مسنون ہیں عصر اور عشاء میں اوساطِ مفصل اور مغرب میں قصارِ مفصّل۔ اور یہ مسنون ہونا ہر رکعت کے اعتبار سے ہے کہ ہر ایک رکعت میں ایک سورت پڑھی جائے، امام حلبی نے یہی کہا ہے۔ اور بدائع میں ہے کہ قولِ مختار عدم تقدیر ہے اور مقدار کا تعین وقت، قوم اور امام کے اختلاف پر مبنی ہوگا۔ اور خلاصۃ اقول یہ ہے کہ

اتنی مقدار میں قرأت کرنی چاہیے جو مقتدیوں پر شاق نہ ہو بشرطیکہ نماز کی ادائیگی پورے مسنون طریقے پر ہو۔

مغرب میں جن احادیث میں لمبی سورتیں پڑھنے کا ذکر آیا ہے اُن کا مطلب یا تو یہ ہے کہ حضورؐ نے کبھی کبھی بیان جواز کے لیے یہ سورتیں پڑھی تھیں کیونکہ حدیث صحیح میں تو جابر بن عبداللہؓ سے یہ بھی آیا ہے کہ ..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز مغرب سے فراغت کا یہ وقت تھا تو محال ہے کہ آپ نے اس نماز میں سورۂ اعراف پڑھی ہو یا اور کوئی لمبی سورت پڑھی ہو، یا پھر یہ کہا جائے گا کہ ان سورتوں کا کچھ حصہ مغرب میں پڑھتے تھے، اور از روئے لغت یہ جائز ہے کیونکہ جو آدمی قرآن کی کوئی سورت پڑھ رہا ہو اسے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ قرآن پڑھ رہا ہے۔ قرآن کا کوئی حصہ بھی قرآن ہے۔ اسی طرح سورۂ اعراف کا کوئی حصہ بھی اعراف ہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبلؓ کے طویل قرأت کرنے پر انکار فرمایا تھا، بلکہ فتان تک کا لفظ استعمال فرمایا تھا۔ احادیث میں ائمہ کے لیے واضح حکم موجود ہے کہ مقتدیوں پر تخفیف کریں۔ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ ان مختلف احادیث کو جمع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی بیانِ جواز کے لیے یا اس لیے کہ آپ کو علم تھا کہ تطویل مقتدیوں کے لیے باعث مشقت نہیں ہوگی، نماز مغرب میں لمبی قرأت پڑھتے تھے۔ جبیر بن مطعم کی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ آپؐ نے اتنی لمبی قرأت بار بار کی تھی۔ زید بن ثابتؓ کی حدیث میں فقط یہ ہے کہ انہوں نے مروان کو ہمیشہ ہی قصارِ مفصل پڑھنے پر ٹوکا تھا۔ اگر مروان کو علم ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قصارِ مفصل کی قرأت پر ہمیشگی فرمائی تھی تو وہ زید بن ثابت کو یہی جواب دیتا، لیکن زیدؓ کا مطلب یہ نہیں تھا کہ حضورؐ نے لمبی سورتوں کو مغرب میں ہمیشہ پڑھا تھا، بلکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ کبھی کبھی لمبی سورت بھی پڑھنی مسنون ہے۔ ترمذیؒ نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے نماز مغرب میں طور اور مرسلات جیسی طویل سورتوں کی قرأت کو ناپسند کیا تھا۔ ابن دقیق العید کا قول ہے کہ امت کا عمل ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ صبح کی نماز میں قرأت طویل ہو اور مغرب میں قصیر ہو۔ بقولِ عینی امام ترمذی نے کہا کہ اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے، اور ثوری، نخعی، عبداللہ بن المبارک، ابوحنیفہ، ابویوسف، محمد بن الحسن، احمد بن حنبل مالک بن انس اور اسحاق بن راہویہ کا یہی مذہب ہے۔ پھر عینی نے یہی مسلک تابعین مثلاً سعید بن جبیر، حسن بصری عمر بن عبدالعزیز، ابراہیم نخعی اور عروہ بن زبیر سے نقل کیا ہے کہ یہ حضرات مغرب میں قصارِ مفصل پڑھتے تھے۔

بَابُ مَنْ رَأَى التَّخْفِيفَ فِيهَا

نمازِ مغرب میں تخفیفِ قرأت کا باب۔

۸۱۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ أَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يَقْرَأُ فِي صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ بِنَحْوِ مَا تَقْرَؤُنَ وَالْعَادِيَاتِ وَنَحْوِهَا مِنَ السُّوَرِ قَالَ أَبُوْدَاوُدَ هٰذَا يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ ذَاكَ مَنْسُوخٌ وَقَالَ أَبُوْدَاوُدَ هٰذَا أَصَحُّ۔

ہشام بن عروہ نے بتایا کہ اس کا باپ عروہؒ نمازِ مغرب میں تقریباً اتنی ہی قرأت کیا کرتا تھا جتنی تم کرتے ہو یعنی

سورۂ العادیات اور اس جیسی دوسری سورتیں۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ عمل (یعنی طوالِ مفصل کی قرأت مغرب میں) منسوخ ہے اور ابوداؤد نے کہا کہ یہ زیادہ صحیح ہے۔

شرح: ابوداؤد نے ایک تابعی عروہ بن زبیرؓ کے فعل سے اتنی احادیث اور نبویؐ عمل کے منسوخ ہونے کا استدلال کیا ہے، اللہ اللہ۔ اگر یہ بات کسی حنفی عالم، فقیہ یا محدث کی زبان سے نکلتی تو طوفان اٹھا دیا جاتا اور "حدیث خطرے میں ہے، اصحاب رائے حدیث وسنت کو کیا جانیں، یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ سنتِ صحیحہ کے خلاف ہے، وغیرہ وغیرہ" کہہ کہہ کر آسمان سر پر اٹھا لیا جاتا۔ مگر چونکہ یہ بات ایک غیر حنفی محدث نے کہی ہے (جس کے حنبلی یا خود مجتہد ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے) اس لیے "محافظین حدیث" کو شاید سانپ سونگھ گیا۔ اگر کسی نے اس کا رد کیا بھی تو نہایت نرم الفاظ میں! فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ ام الفضلؓ کی حدیث میں (جو اوپر گزری) یہ اظہار ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحت کی حالت میں سورۂ المرسلات سے طویل تر قرأت کرتے تھے کیونکہ مرسلات تو حضورؐ نے شدتِ مرض کی حالت میں پڑھی۔ اور یہ بات ابوداؤد کے دعوائے نسخ کے خلاف پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ زید بن ثابتؓ کی حدیث تو مرفوع ہے اور عروہؒ کا عمل ایک تابعی کا فعل ہے۔ شاید ابوداؤد نے یہ دیکھا ہو کہ عروہ بن زبیرؒ اس پہلی حدیث کا راوی ہے جس میں نمازِ مغرب میں اعراف کے پڑھنے کا ذکر ہے، اور خود عروہؒ کا عمل اس کے خلاف ہے لہذا یہ اس حدیث کے نسخ کی دلیل ہے کہ اُسے اپنی روایت کردہ روایت کے خلاف کوئی پختہ تر دلیل مل گئی تھی تبھی تو اس نے اس کے خلاف پر عمل کیا۔ مگر یہ دعویٰ بھی غلط ہے کیونکہ امّ الفضلؓ نے اس عمل کو حضورؐ کی آخری نماز کی قرأت قرار دیا ہے۔ بہرحال بقول ابن حجرؒ ابوداؤد کا قول بے دلیل ہے۔ اور اوپر گزر چکا ہے کہ دعوائے نسخ کی ضرورت ہی لاحق نہیں ہوتی کیونکہ یہ احادیث کے تعارض کے وقت ہوتی ہے اور ان سب احادیث کو بآسانی جمع کیا جاسکتا ہے۔

۸۱۴۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ سَعِيْدٍ السَّرْخَسِيُّ نَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ نَا اَبِيْ قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْحَاقَ يُحَدِّثُ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّهٗ قَالَ مَا مِنَ الْمُفَصَّلِ سُوْرَةٌ صَغِيْرَةٌ وَّلَا كَبِيْرَةٌ اِلَّا وَقَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ النَّاسَ بِهَا فِي الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ۔

عبداللہ بن عمروؓ بن عاص نے کہا کہ مفصل میں کوئی چھوٹی یا بڑی سورت ایسی نہیں جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرض نماز کی امامت میں پڑھتے نہ سنا ہو (اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ تقاضائے احوال واشخاص کے مطابق قرأت کا اختصار وتطویل دونوں جائز ہیں)

۸۱۵۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ نَا اَبِيْ نَا قُرَّةُ عَنِ النَّزَّالِ بْنِ عَمَّارٍ عَنْ اَبِيْ عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ اَنَّهٗ صَلّٰى خَلْفَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ الْمَغْرِبَ فَقَرَاَ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔

ابو عثمان نہدی کا بیان ہے کہ اس نے ابن مسعودؓ کے پیچھے نماز مغرب پڑھی تو انہوں نے سورۂ اخلاص کی قرأت کی۔

شرح: علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ: اس باب میں عمر بن الخطابؓ، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، عمران بن الحصینؓ اور ابوبکر صدیقؓ سے بھی اسی قسم کے آثار مروی ہیں۔ حضرت عمرؓ کا اثر تو طحاوی نے زرارہ بن اوفیٰ سے روایت کیا ہے کہ ابوموسیٰؓ نے مجھے حضرت عمرؓ کا خط پڑھوایا جس میں لکھا تھا کہ: مغرب میں قصار مفصل پڑھا کر۔ ابن مسعودؓ کا اثر ابن ابی شیبہ نے ابو عثمان نہدی سے روایت کیا ہے کہ: ابن مسعودؓ نے ہمیں نماز مغرب پڑھائی تو اس میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی۔ ان کی آواز اتنی حسین تھی کہ میں نے چاہا کاش وہ سورۃ البقرہ پڑھتے۔ یہ اثر ابوداؤد اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ عمران بن حصینؓ کا اثر بھی ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ وہ مغرب کی نماز میں سورۂ زلزال اور عادیات پڑھا کرتے تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اثر مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ انہوں نے نماز مغرب میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ قصار مفصل کی دو سورتیں پڑھیں۔ پھر تیسری رکعت میں قرأت کی۔ راوی ابو عبداللہ صنابحی کا بیان ہے کہ میں ان کے قریب گیا حتیٰ کہ میرے کپڑے ان کے کپڑوں سے مس کرنے کو تھے، تو میں نے انہیں سورۂ فاتحہ پڑھتے سنا اور یہ آیت بھی: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا .... الوھاب۔ مکحول نے کہا کہ تیسری رکعت میں یہ آیت انہوں نے بر سبیل دعا پڑھی تھی۔

بَابُ الْقِرَاْءَةِ فِي الْعِشَاءِ

نماز عشاء میں قرأت کا باب

بَابُ الرَّجُلِ يُعِيْدُ سُوْرَةً وَّاحِدَةً فِي الرَّكْعَتَيْنِ

ایک ہی سورت کو دو رکعتوں میں دہرانے کا باب۔

۸۱۶۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا ابْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِيْ عَمْرٌو عَنِ ابْنِ اَبِيْ هِلَالٍ عَنْ مُعَاذِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْجُهَنِيِّ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ جُهَيْنَةَ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَاُ فِي الصُّبْحِ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا فَلَا اَدْرِيْ اَنَسِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْ قَرَاَ ذٰلِكَ عَمْدًا۔

معاذ بن عبداللہ جہنی نے کہا کہ جہینہ کے ایک آدمی نے اسے بتایا کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کی نماز میں سورۂ زلزال دونوں رکعتوں میں پڑھتے ہوئے سنا، پس مجھے نہیں معلوم کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہوا تھا یا آپ نے جان بوجھ کر اس طرح پڑھا تھا۔

شرح: یعنی دونوں رکعتوں میں پوری پوری سورت پڑھی تھی، کیونکہ عبارت حدیث اس سے انکار کرتی ہے کہ کچھ آیتیں

ایک رکعت میں اور کچھ دوسری رکعت میں پڑھنا مراد لیا جائے۔ ظاہر یہی ہے کہ آپ نے ایسا بیان جواز کے لیے کیا تھا نہ کہ سہو و نسیان سے۔ پھر صحابی کو سہو و نسیان اور عمداً ایسا کرنے میں تردد کیوں ہوا؟ اس کا جواب علامہ شوکانی نے یہ دیا ہے کہ یہ صورت عادتِ مبارکہ کے خلاف تھی، ہر دو رکعت میں الگ الگ آیات و سُوَر کی قرأت فرمایا کرتے تھے۔ امت کے لیے مشروع تو یہی ہے کہ عام عادت شریفہ کا اتباع کرے، گو اگر کبھی ایسا بھی ہو جائے کہ دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھی جائے تو جائز ہو گی کیونکہ حضورؐ کے افعال تشریع کے لیے ہیں اور نسیان خلاف اصل ہے۔ اس روایت میں صحابی کا نام نہیں آیا مگر بروئے اصول یہ حدیث مرفوع ہے کیونکہ صحابی کی عدم معرفت مضر نہیں ہے، بشرطیکہ کسی قوی دلیل سے اس کے خلاف ثابت نہ ہو جائے۔

بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْفَجْرِ

فجر کی قرأت کا باب۔

۸۱۷۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ ثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ عَنْ أَبِي بَرْزَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْفَجْرَ وَيَعْرِفُ أَحَدُنَا جَلِيسَهُ الَّذِي كَانَ يَعْرِفُهُ وَيَقْرَأُ فِيهَا مِنَ السِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ۔

ابوبرزہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھتے درانحالیکہ ہم میں سے کوئی اپنے پاس والے کو، جسے پہلے سے جانتا ہوتا، پہچان لیتا تھا، اور آپ اس میں ساٹھ سے لے کر سو آیات تک پڑھتے تھے (حسب بیان مولانا سہارنپوریؒ یہ حدیث ابوداؤد کے رملی اور لؤلؤی کے نسخوں میں ہے اور کہیں نہیں۔ گو عنوان ہر نسخہ میں موجود ہے۔ اس حدیث میں یہ دلیل موجود ہے کہ حضورؐ نمازِ فجر کو بالکل ہی اندھیرے میں نہیں پڑھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو لوگ صفوں میں ایک دوسرے کو نہ پہچان سکتے درانحالیکہ مسجد میں ان دنوں کانی روشنی کا انتظام نہ تھا۔)

۸۱۸۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى الرَّازِيُّ أَنَا عِيسَى يَعْنِي ابْنَ يُونُسَ عَنْ إِسْمٰعِيلَ عَنْ أَصْبَغَ مَوْلَى عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ قَالَ كَأَنِّي أَسْمَعُ صَوْتَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي صَلٰوةِ الْغَدَاةِ فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ۔

عمرو بن حریث نے کہا کہ گویا میں اب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کو سن رہا ہوں کہ آپؐ نمازِ فجر میں سورۃ تکویر پڑھ رہے تھے جس میں یہ آیت ہے، فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ (یہ سورۃ طوالِ مفصل کی چھوٹی سورتوں میں سے ہے)

بَابُ مَنْ تَرَكَ الْقِرَاءَةَ فِي صَلٰوتِهٖ

نماز میں ترکِ قرأۃ کے حکم کا باب۔

۸۱۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ نَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ أُمِرْنَا أَنْ نَقْرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَمَا تَيَسَّرَ۔

ابو سعید خدری رضؓ نے کہا کہ ہمیں سورۂ فاتحہ اور ما تیسّر کی قرأت کا حکم دیا گیا تھا۔

شرح: عنوانِ باب کا مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ قرأۃِ قرآن کو (یعنی مطلق قرأت کو بلا تعیین سورت) اگر کوئی ترک کر دے تو اس کی نماز نہ ہو گی کیونکہ قرأت نماز کا رکن ہے۔ امام ابو داؤد نے اس عنوان کے ضمن میں جو احادیث بیان کی ہیں وہ فقط "قرأت فاتحہ خلف الامام" کے متعلق ہی نہیں ہیں، خاص کر پہلی تین احادیث میں سورۂ فاتحہ اور تیسّر ما زاد کی قرأت کا وجوب ظاہر ہے۔ ان میں امام، منفرد یا مقتدی کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے۔ چوتھی حدیث میں صرف سورۂ فاتحہ کا ذکر ہے مگر "خلف امام" سے وہ بھی خاموش ہے۔ پانچویں حدیث میں بھی خلف الامام کا کوئی ذکر نہیں اور اس کے آخر میں سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ "لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعدا" کا حکم منفرد کے لیے ہے۔ چھٹی حدیث جہری نماز میں صرف فاتحہ کی قرأت کی اجازت ہے سورت کی نہیں جبکہ آدمی مقتدی ہو۔ ساتویں حدیث میں مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ کی قرأت بالجہر کی اجازت پائی جاتی ہے۔ آٹھویں حدیث میں مقتدی کے لیے قرأتِ فاتحہ سرًا (پوشیدہ) کی اجازت ملتی ہے۔ اس باب سے اگلے ابواب میں امام ابو داؤد نے قرأت فاتحہ کے مسائل کو مختلف حالات و صُوَر پر پھیلا کر حسب عادت بیان کیا ہے۔

اب اس باب کی پہلی حدیث پر غور کیا جائے تو سورتِ فاتحہ کے ساتھ کسی اور سورت یا آیات (ما تیسّر، ما زاد) کی قرأت کے وجوب پر بھی دلالت کرتی ہے۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاد بن رافع رضؓ کو جب نماز کی تعلیم دی تو فرمایا: "اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ" "تو آسانی قرآن کا جو حصہ پڑھ سکے پڑھ لے"۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ مطلق قرأت فرض ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی یہی ہے: "فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ" "قرآن میں سے جو ہو سکے پڑھ لو"۔ انہی دلائل کی بناء پر حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ مطلق قرآن کی قرأت، فاتحہ ہو یا کچھ اور کتاب اللہ کی رُو سے فرض ہے اور سورۂ فاتحہ کی تعیین از روئے حدیث واجب ہے (یاد رہے کہ حنفیہ فرض اور واجب میں فرق کرتے ہیں، جب یہ الفاظ فقہی احکام میں مقابلۃً آئیں گے تو ان میں فرق ہو گا۔ فرض کے ترک سے عبادت باطل ہو جاتی ہے اور واجب کے ترک سے باطل نہیں بلکہ فاسد ہوتی ہے جو واجب الاعادہ ہے یا سہوٗ سہو اس کا کفارہ ہے) اور اسی طرح سورۂ فاتحہ پر ما زاد اور ما تیسّر کا اضافہ بھی بروئے حدیث واجب ہوا ہے۔ شوکانی نے مسند احمد اور سنن ابی داؤد کی حدیث ابی ہریرہ رضؓ (جو اس موجودہ حدیث سے آگے ساتھ ہی ہے) کا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ جعفر بن میمون (راوی حدیث) بقول نسائی ثقہ نہیں ہے۔ امام احمدؒ نے اسے غیر قوی اور ابن عدی نے ضعفاء

میں شمار کیا ہے۔ لیکن اس کی صحت پر مسلم، ابوداؤد اور ابن حبان کی حدیث عبادہ بن صامتؓ دلالت کرتی ہے جس کے الفاظ ہیں: لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ فَصَاعِدًا، گو اسے امام بخاری نے جزء القراۃ میں معلول قرار دیا ہے۔ اور اس کی صحت پر ابوداؤد کی حدیث ابی سعید الخدریؓ بھی دلالت کرتی ہے (یعنی یہی موجودہ حدیث) اس میں بھی سورہ فاتحہ اور ماتیسر کی قراءت کو یکساں واجب کہا گیا ہے۔ ابن سید الناس نے کہا ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں اور سند صحیح ہے، حافظ ابن حجر نے بھی اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ اور اس حدیث کی صحت پر ابن ماجہ کی حدیث ابی سعیدؓ بھی دلالت کرتی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں، لا صلوٰۃ لِمَنْ لَمْ یَقْرَأْ فِیْ کُلِّ رَکْعَۃٍ بِالْحَمْدِ وَسُوْرَۃٍ "جو شخص ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور ایک اور سورت نہ پڑھے اس کی کوئی نماز نہیں" حافظ ابن حجر نے اسے ضعیف کہا ہے۔ اور یہ احادیث سورۂ فاتحہ کے ساتھ مزید قرآن کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت کی قرأت نماز صبح اور جمعہ میں اور ہر نماز کی پہلی دو رکعات میں مستحب ہے (مگر حنفیہ کے ہاں واجب ہے)، نوویؒ نے کہا کہ سب علماء کے نزدیک یہی سنت ہے۔ قاضی عیاضؒ نے امام مالکؒ کے بعض اصحاب سے نقل کیا ہے کہ سورت ملانا بھی واجب ہے۔ نوویؒ نے اس قول کو شاذ کہا ہے (یعنی مالکیہ کے مذہب کی نسبت سے) تیسری اور چوتھی رکعت میں سورت ملانے کو امام مالکؒ نے مکروہ اور امام شافعیؒ نے قولِ جدید میں (نہ کہ قولِ قدیم میں) اسے مستحب کہا ہے۔ اور فاتحہ کے ساتھ قرآن کے کچھ اور حصے کو واجب بتانا حضرت عمرؓ، ابن عمرؓ اور عثمانؓ بن ابی العاص ثقفی کا مذہب بھی ہے (شوکانی) بہرحال اس حدیث کی رُو سے سورۂ فاتحہ اور ماتیسر کا حکم ایک ہے۔

۸۲۰۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِیْمُ بْنُ مُوْسَی الرَّازِیُّ اَنَا عِیْسٰی عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مَیْمُوْنِ الْبَصْرِیِّ نَا اَبُوْعُثْمَانَ النَّهْدِیُّ حَدَّثَنِیْ اَبُوْهُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُخْرُجْ فَنَادِ فِی الْمَدِیْنَۃِ اَنَّهٗ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِقُرْاٰنٍ وَلَوْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ فَمَا زَادَ۔

ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ: نکل اور مدینہ میں منادی کر دے کہ قرآن کے بغیر نماز نہیں، اگرچہ سورۂ فاتحہ اور اس سے کچھ زائد کے ساتھ ہی ہو۔

شرح: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مطلق قرأۃ قرآن فرض ہے اور فاتحہ اور کسی اور سورت کا تعین فرض نہیں ہے۔ اس حدیث کا جواب دینے والوں نے تین طرح سے دیا ہے: (۱) اس کا راوی جعفر بن میمون بقولِ نسائی ثقہ نہیں اور بقولِ امام احمد غیر قوی اور بقولِ ابن عدی ضعیف ہے۔ مولانا نے فرماتے ہیں کہ اسے ابن معین نے صالح الحدیث کہا ہے۔ دارقطنی نے اسے لائق اعتبار ٹھہرایا ہے، ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کی احادیث منکر نہیں ہیں۔ ابوحاتم نے صالح کہا ہے۔ حاکم نے مستدرک میں کہا ہے کہ وہ ثقہ بصریوں میں سے تھا۔ ابن حبان اور ابن شاہین نے اس کا شمار ثقہ راویوں میں کیا ہے۔ (۲) ابوہریرہؓ نے اس سے اگلی روایت میں کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے مجھے یہ منادی کرنے کا حکم دیا کہ: نماز فاتحۃ الکتاب اور کچھ زائد کی قرأت کے بغیر نہیں ہوتی۔ لہذا پہلی روایت کو اس دوسری پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ یہ جواب بھی کافی نہیں کیونکہ حنفیہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں نفی کمال کی نفی کے لیے ہے کیونکہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ فاتحہ اور سورت کی قرأت واجب ہے اور اس کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی۔ پہلی روایت میں اصل کی نفی مراد ہے کہ قرأتِ قرآن کے بغیر جڑ سے ہی نماز نہیں ہوتی۔ لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ لیکن ان جواب دینے والوں کے نزدیک پہلی حدیث کو تو چھوڑنا ہی پڑتا ہے۔ اور یہ جواب اس تقدیر پر ہے کہ دوسری حدیث کو پہلی حدیث کے مطابق کرنے کے لیے یوں پڑھا جائے: بِقِرَاءَةٍ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَمَا زَادَ ۔ یعنی بقراءۃ پر وقف ہو اور فاتحۃ الکتاب فما زاد کو اس کا مضاف الیہ نہ بنایا جائے تو اس کا معنیٰ بھی یہی ہے کہ: قرأت کے بغیر نماز نہیں، فاتحۃ الکتاب کی یا اس سے زائد کی قرأت۔ تو اس جواب کی ضرورت نہیں پڑتی، کیونکہ اس صورت میں بھی معنیٰ وہی پہلی حدیث والا ہوگا اور دونوں حدیثیں بالکل ہم معنی ہو جائیں گی۔

(۳) اس حدیث کو اگر صحیح فرض کر لیں تو اس کا مقابلہ ان احادیث کے ساتھ کیسے کیا جا سکے گا جن میں صراحۃً فاتحۃ الکتاب کی فرضیت بتائی گئی ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ جواب حنفیہ کو نہیں دیا جا سکتا کیونکہ وہ اخبارِ آحاد سے ثبوتِ فرضیت کے قائل نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں یہ دعویٰ بھی محض دعویٰ ہی ہے کہ احادیث میں صراحۃً قرأتِ فاتحہ کی فرضیت کو ثابت کیا گیا ہے۔ ایک حدیث بھی ایسی نہیں ملتی جو اس دعوے کی تائید کر سکے کہ قرأۃ فاتحہ فرض ہے اور اس کے بغیر نماز باطل ہے۔ انشاء اللہ ابھی یہ معلوم ہوگیا

۸۲۱۔ حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ نَا يَحْيَى نَا جَعْفَرٌ عَنْ اَبِي عُثْمَانَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ اَمَرَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اُنَادِيَ اَنَّهُ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِقِرَاءَةِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَمَا زَادَ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں پکار کر کہوں کہ قرأت کے بغیر نماز نہیں (گویا)، فاتحۃ الکتاب اور کچھ زائد کی قرأت ہو (یہ ترجمہ اوپر کی حدیث کے مضمون کے مطابق کیا گیا ہے جیسا کہ اوپر کی بحث میں گزرا)۔

شرح: کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرأۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے اس میں فما زاد کا لفظ بھی ہے، سو کیا اور سورت کی قرأۃ بھی فرض ہے؟ دراصل یہ حدیث حنفیہ کی دلیل ہے کہ سورۂ فاتحہ اور اس سے کچھ زائد دونوں چیزوں کی قرأت واجب ہے۔ اور یہ فاتحہ کی فرضیت ماننے والوں پر حجت ہے کہ حضرات! آپ فاتحہ کی قرأت کو فرض فرماتے ہیں تو دوسری سورت کی فرضیت کو کیوں تسلیم نہیں کرتے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بخاری کی روایت میں ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم ام القرآن پر کچھ زائد نہ پڑھو تو بھی نماز ہو گئی اور اگر تم نے کچھ اضافہ کیا تو وہ بہتر ہے، حافظ ابن حجر نے کہا کہ اس قولِ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کا حکم مرفوع حدیث کی مانند ہے۔ مگر یہ جواب باطل ہے کیونکہ قولِ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مرفوع حدیث

کے حکم میں کہنا باطل ہے۔ علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ سیاق حدیث سے ظاہر ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس قول کو مرفوع حدیث کا حکم نہیں دیا جا سکتا لہذا اس میں کوئی دلیل نہیں ہے، اسی طرح بخاری کی جزء القراۃ میں ابوہریرہ کا یہ قول بھی صرف قول ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے اسے حدیث مرفوع کا حکم نہیں دیا جا سکتا کہ: فاتحۃ الکتاب کے ساتھ نماز کافی ہے اور اگر اس سے زائد ہو تو بہت اچھا ہے۔ اور ابن خزیمہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو روایت کی ہے کہ آپ نے اٹھ کر دو رکعت نماز پڑھی اور ان میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھی، سو اس سے مراد یہ ہے کہ پہلی دو رکعتوں کے تشہد سے اٹھ کر بعد والی دو رکعات میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھی اور اس میں ہمارا کوئی جھگڑا نہیں۔ نیز حنفیہ کا قول اس کے متعلق یہ ہے کہ اگر کوئی شرعی مصلحت ہو تو اس کے باعث سورت ترک کرنے سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ ہاں اگر سہو و نسیان سے ایسا ہوا تو سجدۂ سہو واجب ہے۔ پس ممکن ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتانے کی خاطر ایسا کیا ہو کہ سورت کے بغیر نماز باطل نہیں ہو جاتی کیونکہ فرض تو قرأت قرآن ہے جو قرأۃ فاتحہ سے پورا ہو چکا ہے۔ مولانا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابن خزیمہ کی اس حدیث کی سند کا حال معلوم نہیں ہو سکا لہذا اس پر گفتگو نہیں کی گئی۔

۸۲۲۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا السَّائِبِ مَوْلَى هِشَامِ بْنِ زُهْرَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى صَلٰوةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَهِيَ خِدَاجٌ فَهِيَ خِدَاجٌ فَهِيَ خِدَاجٌ غَيْرُ تَمَامٍ قَالَ فَقُلْتُ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اِنِّي اَكُونُ اَحْيَانًا وَرَاءَ الْاِمَامِ قَالَ فَغَمَزَ ذِرَاعِي وَقَالَ اقْرَأْ بِهَا يَا فَارِسِيُّ فِي نَفْسِكَ فَاِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ قَسَمْتُ الصَّلٰوةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ فَنِصْفُهَا لِي وَنِصْفُهَا لِعَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَاَلَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْرَءُوا يَقُولُ الْعَبْدُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ حَمِدَنِي عَبْدِي يَقُولُ الْعَبْدُ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِي يَقُولُ الْعَبْدُ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مَجَّدَنِي عَبْدِي يَقُولُ الْعَبْدُ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ فَهٰذِهِ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَاَلَ يَقُولُ الْعَبْدُ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ

الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَهٰؤُلَاءِ لِعَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ ۔

ابوالسائب نے ابوہریرہ رضؓ کو یہ کہتے سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کوئی نماز پڑھی اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو وہ نماز ناقص ہے۔ وہ ناقص ہے، وہ ناقص ہے، نامکمل ہے۔ ابوالسائب نے کہا اے ابوہریرہ رضؓ! میں کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں، ابوالسائب نے کہا کہ ابوہریرہ رضؓ نے میرا بازو دبایا اور کہا: اے فارسی! اسے اپنے جی میں یعنی آہستہ پڑھو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: میں نے نماز کو اپنے درمیان اور اپنے بندے کے درمیان دو حصّوں میں بانٹ لیا ہے، پس اس کا نصف میرا ہے اور نصف میرے بندے کا، اور میرے بندے کا حصہ سوال یعنی دعاء والا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پڑھو بندہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تو اللہ صاحب عزت وجلال فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی۔ بندہ کہتا ہے: اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثنا بیان کی۔ بندہ کہتا ہے: مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اللہ عزوجل فرماتا ہے میرے بندے نے میری بڑائی بیان کی۔ اور یہ اگلی آیت میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے بندہ کہتا ہے: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پس یہ میرے درمیان اور میرے بندے کے درمیان ہے۔ اور میرے بندے کا حصّہ وہ سوال ہے جو وہ کرتا ہے بندہ کہتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ پس یہ سوال سب میرے بندے کے لیے ہیں اور میرے بندے کو ملیگا جو اس نے مانگا۔

شرح: اس حدیث سے یہ بات تو صراحۃً ثابت ہوگئی کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ سورۂ فاتحہ کا جزء نہیں ہے اور یہ سورت اس کے بغیر ہی سات آیات ہیں۔ پہلی تین آیات اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تمجید میں ہیں۔ آخری تین آیتیں بندے کا سوال ہے جو وہ اللہ عزوجل سے کرتا ہے۔ درمیان کی آیت کا نصف (عبادت) خاص اللہ کے لیے ہے اور دوسرا نصف (استعانت، دعاء) خاص بندے کے لیے ہے۔ دوسری یہ بات صراحۃً ثابت ہوگئی کہ قراءت فاتحہ فرض نہیں کہ اس کے بغیر نماز باطل ہو، بلکہ اس کے بغیر نماز نامکمل ہے، یعنی اس کی قراءت واجب ہے۔ باقی مقتدی کے لیے جو کچھ ابوہریرہ رضؓ نے فرمایا یہ اُن کا اپنا قول ہے حضور صلعم کا ارشاد نہیں ہے۔ قولِ رسولؐ سے ابوہریرہ رضؓ نے مقتدی کے لیے آہستہ سے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا جو استدلال کیا ہے یہ واضح وصریح استدلال نہیں ہے۔

خداجؔ کا معنیٰ ہے ناقص، نامکمل۔ اور کوئی بھی اس کا منکر نہیں ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نامکمل ہے۔ جھگڑا تو فرضیت میں ہے اور اس میں کہ مقتدی پر بھی اس کا پڑھنا فرض وواجب ہے جس کے بغیر نماز سرے سے ہوتی ہی نہیں (جیسا کہ مدّعیوں کا قول ہے!) غیر تمام کا لفظ خداج کی تفسیر ہے جو اگر حضورؐ کا قول ہے تو تاکید کے لیے آیا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ ابوداؤد کا قول ہے۔ اور ظاہر تر بات یہ ہے کہ یہ ابوداؤد کا قول نہیں بلکہ کسی راوی کی تشریح ہے۔ اس سے صریحًا معلوم ہوگیا لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ میں نفی کمال کی ہے مطلق صلوٰۃ کی نہیں، کیونکہ خداج اور غیر تمام کے لفظ سے ہی معنیٰ نکلتا ہے۔ مولانا نے فرمایا ہے کہ غیر تمام کا لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ حدیث کے ساتھ ملا ہوا جو لفظ آئے وہ اس حدیث کا حصّہ ہے اسے بلا دلیل مُدرج نہیں کہا جاسکتا جیسا کہ ابن حجر نے حدیثِ معاذ رضؓ پر گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے۔ اس حدیث میں سورۂ فاتحہ کو صلوٰۃ کہا گیا

ہے کیونکہ وہ صلوٰۃ کا جزء اور اس کا رکن ہے۔ ابوہریرہؓ کے اس قول کا کہ: اِقْرَأْ بِهَا يَا فَارِسِيُّ فِي نَفْسِكَ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دل ہی دل میں پڑھو زبان مت ہلاؤ۔

۸۲۳ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَابْنُ السَّرْحِ قَالَا نَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَصَاعِدًا قَالَ سُفْيَانُ لِمَنْ يُصَلِّي وَحْدَهُ۔

عبادہ بن صامتؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا کہ حضورؐ نے فرمایا: جو آدمی فاتحہ الکتاب اور اس سے زائد کچھ اور نہ پڑھے اس کی کوئی نماز نہیں۔ سفیان بن عیینہ راوی نے کہا کہ یہ حکم اس کے لیے ہے جو اکیلا نماز پڑھے۔

شرح: اس حدیث میں بھی جو حکم سورۂ فاتحہ کا نکلتا ہے وہی فصاعدًا (کچھ اور بھی) کا نکلتا ہے۔ اگر فرض ہیں تو دونوں، واجب ہیں تو دونوں۔ بعینہٖ یہی مذہب حنفیہ کا ہے کہ سورۂ فاتحہ اور دوسری کسی سورت یا چند آیات کا پڑھنا واجب ہے۔ پھر یہ حدیث "خلف الامام" سے خاموش ہے، بلکہ سفیان بن عیینہ نے تو کہہ دیا کہ صرف منفرد کے لیے ہے۔ مسلم نے اس حدیث کی روایت میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں: لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَصَاعِدًا۔

حدیث کے معنے کا خلاصہ یہ ہے کہ ام القرآن (سورۂ فاتحہ) کے بغیر نماز نہیں ہوتی درانحالیکہ قرأت اس پر کچھ زائد بھی ہو۔ یعنی سورۂ فاتحہ اور کچھ زائد (فصاعدًا) کی حیثیت بالکل ایک ہے اور فصاعدًا کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ لا صلوٰۃ میں نفئ کمال مراد ہے جیساکہ پچھلی حدیث میں خداج "غیر تمام" کے الفاظ سے بھی صراحۃً اور وضاحۃً یہی ثابت ہوا۔ اور بالکل یہی بات ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ: اگر تم صرف ام القرآن پڑھ لو تو نماز ہو گئی اور کچھ اور بھی پڑھ لو تو بہتر ہے۔ حنفیہ کے نزدیک سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت دونوں واجب ہیں مگر شافعی حضرات نے کہا ہے کہ سورۂ فاتحہ پر کسی اور سورت کا اضافہ کرنا مستحب ہے۔ مالکیہ میں سے ابن کنانہ کا بھی یہی مذہب ہے جو حنفیہ نے اختیار کیا کہ ان ہر دو کی حیثیت وجوب کی ہے۔ اور یہی ایک روایت امام احمد سے بھی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک کوئی سورت ملانا یا کسی بھی سورت کی تین آیتیں ملانا نماز کے واجبات سے ہے (چھوٹی سورت تین ہی آیات کی ہیں اس لیے یہ کہا گیا)

اس مضمون کی بہت سی روایات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہیں۔ ایک حدیث ابن عدی نے الکامل میں روایت کی ہے کہ: لَا صَلٰوةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ مَعَهَا۔ "نماز سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ ایک اور سورت کے بغیر نہیں ہوتی" اور یہی حدیث سنن ابی داؤد میں ان لفظوں سے آئی ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم سورۂ فاتحہ اور کچھ اور جو میسر ہو پڑھیں" اور ایک روایت میں ہے: "نماز سورۂ فاتحہ کے بغیر اور اس کے ساتھ کچھ اور کے بغیر نہیں ہوتی" اور ایک روایت میں ہے: "نماز سورۂ فاتحہ

کے بغیر اور ایک اور سورت کے بغیر نہیں ہوتی، فرض نماز ہو یا کوئی دوسری" ترمذی اور ابن ماجہ نے ابوسعیدؓ کی روایت نقل کی ہے کہ: نماز کی کنجی طہارت ہے، اس کی تحریم تکبیر ہے، اس کی تحلیل سلام ہے اور فرض نماز ہو یا کوئی اور، جو کوئی سورۃ الحمد اور ایک اور سورت نہ پڑھے اس کی کوئی نماز نہیں"۔ حدیث ابی سعیدؓ کو مسند احمد اور مسند ابی لیلیٰ میں بھی انہی لفظوں سے روایت کیا گیا ہے کہ: "ہمیں حکم دیا گیا کہ فاتحہ الکتاب اور کچھ زائد جو میسر ہو پڑھیں"۔ ابن عدی نے ابن عمرؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ: "جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "فرض نماز فاتحۃ الکتاب کے بغیر اور کچھ دوسری تین یا زیادہ آیات کے بغیر نہیں ہوتی"۔ حافظ ابونعیم اصبہانی نے تاریخ اصبہان میں ابو مسعود انصاریؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نماز میں فاتحۃ الکتاب اور اس کے ساتھ کچھ اور نہ پڑھا جائے وہ نہیں ہوتی"۔

حنفیہ کا عمل ان تمام احادیث پر ہے۔ انہوں نے سورۂ فاتحہ اور ایک سورت (یا کم از کم تین آیات قصار) کی قرأت واجب قرار دی ہے اور کہا ہے کہ سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت کا حکم ایک ہی ثابت ہوتا ہے، لیکن فاتحہ یا سورت کی قرأت فرض نہیں، صرف قرأت قرآن فرض ہے۔ یہ اخبار آحاد ہیں لہٰذا ان سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ مطلق قرأت کو ہم بروئے قرآن فرض کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ۔ ہمارے نزدیک حدیث لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ کا معنیٰ اس حدیث جیسا ہے کہ: لَا صَلٰوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِي الْمَسْجِدِ۔ صحابہ کی ایک جماعت سے سورۂ فاتحہ اور ایک اور سورت کا وجوب (ان احادیث کے مضمون کے مطابق) صحیح طور پر ثابت ہے۔ اور اوپر گذر چکا ہے کہ قول ابی ہریرہؓ سے امام شافعی کا استدلال مضبوط نہیں ہے کیونکہ وہ حدیث مرفوع نہیں صرف ایک صحابی کا قول ہے۔

سفیان بن عیینہ نے جو یہ کہا ہے کہ یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جو اکیلا نماز پڑھے (یعنی مقتدی کے لیے یہ حکم نہیں ہے) اس کے دلائل کتاب وسنت میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا "اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے ہمہ تن گوش ہو کر سنو اور خاموش رہو" اور مسلم وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ: وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا "جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو" اور جابرؓ کی موقوف روایت جو مرفوع کے حکم میں ہے کہ: جس شخص نے کوئی رکعت پڑھی جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو نماز نہیں پڑھی، مگر امام کے پیچھے کا یہ حکم نہیں" اور جابرؓ کی صحیح الاسناد حدیث: مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ "جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے"۔ زمانۂ حال کے جن "جدید مفسرین" نے آیت قرآنی: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ الخ کی یہ جدید تفسیر بیان فرمائی ہے کہ یہ حکم کفار ومشرکین کے لیے ہے مسلمانوں کے لیے نہیں ان کی یہ تفسیر علم وفضل اور دیانت کا شاہکار ہے۔ گویا جن لوگوں کا قرآن پر ایمان نہیں وہ تو غور سے سننے اور خاموش رہنے پر مامور ہیں اور "اہل ایمان" بے شک شور وغل مچایا کریں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ۔

۸۲۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِيُّ نَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ عَنْ مَكْحُوْلٍ عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كُنَّا

خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ فَقَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَثَقُلَتْ عَلَیْہِ الْقِرَاءَۃُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ لَعَلَّکُمْ تَقْرَءُوْنَ خَلْفَ إِمَامِکُمْ قُلْنَا نَعَمْ ھٰذًا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَفْعَلُوْا إِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ فَإِنَّہٗ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَأْ بِھَا۔

عبادہ بن صامت ؓ نے کہا کہ ہم لوگ نماز فجر پڑھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت کی تو آپ پر قرأت بوجھل ہوگئی۔ پھر جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: شاید تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو ہم نے کہا یا رسول اللہ ہاں جلدی جلدی پڑھتے ہیں۔ فرمایا ایسا مت کرو سوائے فاتحۃ الکتاب کے کیونکہ جو اسے نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔

شرح: حضور ؐ نے جو یہ دریافت فرمایا کہ: شاید تم لوگ اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو؟ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ پڑھتے تھے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امر و اذن کے بغیر تھا۔ حضور ؐ نے فرمایا کہ میرے پیچھے قرأت مت کیا کرو۔ پس امام کی قرأت کے وقت مقتدی کی قرأت ناجائز ٹھہری کیونکہ نہی کا معاد کراہت (یعنی حرمت) ہے کیونکہ اس سے وسوسہ پڑتا ہے۔ امام خطابی ؒ نے کہا کہ شاید یہ نہی جہر سے تھی اور یہ بھی احتمال ہے کہ فاتحہ پر کسی سورت کے اضافے سے نہی ہو۔ میرک نے کہا کہ دوسرا احتمال درست ہے کیونکہ اگر مراد جہر سے نہی لی جائے تو فاتحۃ الکتاب کا استثناء درست نہیں رہتا، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سورۂ فاتحہ امام کے پیچھے جہری نماز میں بالجہر پڑھی جانا جائز ہے۔ اور اسی دوسرے احتمال کی تائید حضور ؐ کا سوال بھی کرتا ہے کیونکہ اگر وہ بالجہر قرأت کرتے تھے تو یہ فرمانا کیسے درست ہوگا کہ: شاید تم امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو۔ مگر اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کا استثناء امر کا متقاضی نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ اس سے جواز ثابت ہوگا نہ کہ فرضیت۔ علاوہ ازیں تشویش اور وسوسے کا باعث تو یہی سری قرأت تھی لہٰذا اس کا حکم کیسے دیا جا سکتا تھا؟ اور اگلی روایت بھی اس کی تائید کرتی تھی کہ ان حضرات کی قرأت بالجہر نہ تھی بلکہ پوشیدہ تھی (علامہ القاری ؒ) مولانا ؒ نے فرمایا کہ روایات سے کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان حضرات کی قرأت تو پوشیدہ تھی مگر کچھ چپکے چپکے آواز (ہمس) نکلتی تھی اس سبب سے منازعت پیدا ہوئی اور حضور ؐ کی قرأت میں منازعت کے باعث آپ ؐ نے اس سے منع فرمایا۔ نہی کے بعد جو استثناء آئے اس کا نتیجہ اباحت و جواز ہوتا ہے نہ کہ فرضیت و وجوب، جیسا کہ اصول میں طے شدہ ہے۔ اور اس وقت تو صرف دوسری سورتوں کی قرأت سے منع فرمایا کیونکہ سورۂ فاتحہ زبانوں پر بالعموم رواں ہوتی ہے، مگر بعد میں جب اس سے بھی منازعت ہوئی تو، وَاِذَا قُرِئَ فَاَنْصِتُوْا فرما کر اس سے بھی منع فرما دیا گیا۔ اس طرح روایات حدیث متفق ہو جاتی ہیں ورنہ بعض کو لے کر بعض کو ترک کر دینا لازم آتا ہے جیسا کہ واضح ہے۔

۸۲۵۔ حَدَّثَنَا الرَّبِیْعُ بْنُ سُلَیْمَانَ الْاَزْدِیُّ نَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوْسُفَ نَا الْھَیْثَمُ

ابْنُ حُمَيْدٍ أَخْبَرَنِي زَيْدُ بْنُ وَاقِدٍ عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ نَافِعِ بْنِ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ نَافِعٌ أَبْطَأَ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ عَنْ صَلَوٰةِ الصُّبْحِ فَأَقَامَ أَبُو نُعَيْمٍ الْمُؤَذِّنُ الصَّلَوٰةَ فَصَلَّى أَبُو نُعَيْمٍ بِالنَّاسِ وَأَقْبَلَ عُبَادَةُ وَأَنَا مَعَهُ حَتَّى صَفَفْنَا خَلْفَ أَبِي نُعَيْمٍ وَأَبُو نُعَيْمٍ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ فَجَعَلَ عُبَادَةُ يَقْرَأُ بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْتُ لِعُبَادَةَ سَمِعْتُكَ تَقْرَأُ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَأَبُو نُعَيْمٍ يَجْهَرُ قَالَ أَجَلْ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْضَ الصَّلَوَاتِ الَّتِي يُجْهَرُ فِيهَا الْقِرَاءَةُ قَالَ فَالْتَبَسَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ فَقَالَ هَلْ تَقْرَءُونَ إِذَا جَهَرْتُ بِالْقِرَاءَةِ فَقَالَ بَعْضُنَا إِنَّا نَصْنَعُ ذَلِكَ قَالَ فَلَا وَأَنَا أَقُولُ مَالِي يُنَازِعُنِي الْقُرْآنُ فَلَا تَقْرَءُوا بِشَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ إِذَا جَهَرْتُ إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ۔

نافع بن محمود انصاری نے کہا کہ حضرت عبادہؓ ایک دن نماز صبح سے متاخر ہو گئے تو ابو نعیم مؤذن نے اقامت کہہ دی اور لوگوں کو نماز پڑھا دی۔ عبادہؓ آئے اور میں بھی ان کے ساتھ تھا حتیٰ کہ ہم نے ابو نعیم کے پیچھے صف بنائی، ابو نعیم بآواز بلند قرأت کہہ رہا تھا تو عبادہؓ بھی سورۂ فاتحہ پڑھنے لگے۔ جب نماز ختم ہوئی تو میں نے عبادہؓ سے کہا کہ: میں نے آپ کو سورۂ فاتحہ کی قرأت کرتے سنا حالانکہ ابو نعیم بآواز بلند قرأت کر رہا تھا! عبادہؓ نے کہا کہ ہاں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کوئی بآواز بلند قرأت والی نماز پڑھائی، عبادہؓ نے کہا کہ حضورؐ پر قرأت گڑبڑ ہو گئی، پس جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف چہرہ کیا اور فرمایا کہ: جب میں بآواز بلند قرأت کرتا ہوں تو کیا تم بھی پڑھتے ہو؟ ہم میں سے بعض نے کہا کہ ہم ایسا کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: تو اب ایسا مت کرو، میں کہہ رہا تھا کہ کیا وجہ ہے کہ میرے ساتھ قرآن میں منازعت کی جا رہی ہے؟ پس جب میں بالجہر قرأت کروں تو سورۂ فاتحہ کے سوا کچھ مت پڑھو۔

شرح: معلوم ہونا چاہیئے کہ اوپر کی روایت میں محمد بن اسحاق راوی ہے جس پر محدثین نے شدید تنقید کی ہے یہ حدیث بھی غالباً گزشتہ حدیث ہی کا واقعہ بیان کر رہی ہے مگر اس کی سند مختلف ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی تو ہیثم بن حمید ہے جسے ابو داؤد نے ثقہ قدری اور ابو مسہر غسانی نے ضعیف قدری کہا ہے۔ پھر ہیثم کہتا ہے کہ: اخبرنی زید بن واقد عن مکحول۔ امام ذہبی نے میزان میں کہا ہے کہ کئی لوگوں نے اسے ثقہ کہا ہے اور ابن سعد نے کہا ہے کہ ایک جماعت نے اسے ضعیف بتایا ہے، وہ مدلس ہے اور قدری ہونے کا بھی اس پر الزام ہے یحییٰ بن معین نے کہا کہ وہ قدری تھا مگر پھر توبہ کر لی تھی۔ حافظ ابن حجرؒ نے اسے مدلسین کے تیسرے طبقے میں شمار کیا ہے۔ یہ طبقہ کثیر التدلیس لوگوں کا ہے جن کی روایت پر ائمہ حدیث نے اعتماد نہیں کیا سوائے ان احادیث

کے جن میں انہوں نے سماع کی صراحت کی ہو اور بعض نے تو ان کی روایت سرے سے رد کر دی ہے۔ ابو زبیر مکی نے اس کی روایت لی ہے اور کہا ہے کہ بقول ابن حبان اس نے بعض صحابہ سے حدیث سنی تھی۔ نافع بن محمود انصاری صرف اسی حدیث کے ذریعے سے پہچانا گیا ہے۔ حافظ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ وہ مجہول ہے حافظ ابن حجر نے تقریب میں اُسے مستور بتایا ہے مگر ابن حبان نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے۔ جہاں تک مسئلے کا تعلق ہے اس پر گزشتہ حدیث کی شرح میں گفتگو ہو چکی ہے۔

۸۲۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ سَهْلٍ الرَّمْلِيُّ نَا الْوَلِيدُ عَنِ ابْنِ جَابِرٍ وَسَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ الْعَلَاءِ عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ عُبَادَةَ نَحْوَ حَدِيثِ الرَّبِيعِ بْنِ سُلَيْمَانَ قَالُوا فَكَانَ مَكْحُولٌ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَالصُّبْحِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ كُلِّ رَكْعَةٍ سِرًّا قَالَ مَكْحُولٌ اِقْرَأْ فِيمَا جَهَرَ بِهِ الْإِمَامُ إِذَا قَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسَكَتَ سِرًّا فَإِنْ لَمْ يَسْكُتْ اِقْرَأْ بِهِمَا قَبْلَهُ وَمَعَهُ وَبَعْدَهُ لَا تَتْرُكْهَا عَلَى حَالٍ۔

مکحول نے عبادہ رضی اللہ عنہ سے گزشتہ حدیث کی مانند روایت کی ہے۔ مکحول کے شاگردوں نے کہا کہ مکحول مغرب، عشاء اور صبح کی نمازوں کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ چپکے سے پڑھتا تھا۔ مکحول نے کہا کہ امام جب با آواز بلند قرأت کرے اور وقفہ کرے تو تو سورت فاتحہ کو آہستہ پڑھا کر۔ اور اگر وہ خاموش نہ ہو، وقفہ نہ دے تو اس سے پہلے اور اس کے ساتھ اور اس کے بعد بھی پڑھ۔ کسی حالت میں اسے مت چھوڑ۔

شرح: اب وقت آگیا ہے کہ اس مسئلہ قرأت فاتحہ خلف الامام پر ذرا کھل کر بات کی جائے۔ اس مسئلہ میں صحابہ و تابعین اور فقہاء و علماء میں اختلاف ہوا ہے۔ حنفیہ اور ان کے موافقین نے کہا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں، نہ سری نمازوں میں نہ جہری میں۔ نہ سورۂ فاتحہ کی قرأت نہ کسی اور سورت کی۔ شافعیہ اور ان کے موافقین نے کہا کہ سری اور جہری ہر دو قسم کی نمازوں میں قرأت ہے، یعنی سورۂ فاتحہ کی قرأت، اور امام شافعیؒ نے تو، جیسا کہ گزر چکا، سورت ملانے کو بھی مستحب کہا ہے۔ مالکیہ اور ان کے موافقین نے کہا ہے کہ سری نمازوں میں سورۂ فاتحہ کی قرأت ہے جہری میں نہیں۔ امام احمدؒ کا مذہب بھی امام مالکؒ جیسا ہے مگر انہوں نے کہا ہے کہ اگر مقتدی امام کی قرأت سنتا ہو تو نہ پڑھے اور اگر نہیں سنتا، مثلاً اس لیے کہ امام سے بعید ہے، تو قرأت کرے۔ علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں کہا ہے کہ امام شافعیؒ کا استدلال اس حدیث سے ہے، لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاتحۃ الکتاب کی قرأت کے بغیر جنس صلوٰۃ کی نفی کر دی ہے (لا نفیٔ جنس کا ہے)

حنفیہ کا استدلال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہے۔ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے مَا تیسر کی قرأت کا حکم دیا ہے۔ پس مطلق قرأت فرض ہوئی، اگر سورۂ فاتحہ کی فرضیت کا حکم لگایا جائے تو یہ کتاب اللہ پر، اس کی مطلق نص پر اضافہ ہوگا۔ یعنی اس حیثیت سے اضافہ کہ مطلق قرأت تو قرآن سے فرض ہوئی اور سورۂ فاتحہ کی تعیین حدیث سے فرض ہوئی۔ حالانکہ فرضیت اخبارِ آحاد سے ثابت نہیں ہوتی۔ فرضیت کا قول ترک دیں تو ہمارا اُن سے جھگڑا نہیں رہتا کیونکہ ہمارے نزدیک سورۂ فاتحہ کی تعیین اور کسی اور سورت یا کچھ آیات کا اس پر اضافہ واجب ہے (یہ بات ذہن میں رہے کہ ہمارے نزدیک فرض، واجب اور سنت میں بروئے دلائل شرع فرق ہے) اور مطلق نص پر اضافہ نسخ کہلاتا ہے جو جائز نہیں۔ پس کم از کم جس چیز پر قرآن کا لفظ بولا جا سکتا ہے وہ تو فرض ہے کیونکہ وہ مامور بہ ہے۔ اور نماز سے باہر قرأت فرض نہیں، پس ثابت ہو گیا کہ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ سے حالتِ نماز میں پڑھنا مراد ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ یہ آیت تو صلوٰۃ اللیل کے بارے میں ہے جس کی فرضیت منسوخ ہو چکی ہے، تو پھر اس سے استدلال کرنا کیونکر صحیح ہوگا؟ تو میں کہتا ہوں کہ جو چیز نماز کے رُکن کے طور پر مشروع ہوئی تھی یعنی قرأت وہ منسوخ نہیں ہوئی بلکہ صرف قیام لیل کی فرضیت منسوخ ہوئی ہے، ورنہ نماز کی تمام شرائط و ارکان اور اس کے سارے احکام تو علیٰ حالہا قائم ہیں، اور اس کی دلیل قیام اللیل کے منسوخ ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ، مَا زَادَ وغیرہ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ۔ گویا جس طرح اقامتِ صلوٰۃ فرض ہے اسی طرح اس میں قرأتِ قرآن فرض ہے۔ اور یہ نماز یعنی صلوٰۃ اللیل تو نسخ کے بعد نفل رہ گئی مگر جس کے نزدیک فاتحہ فرض میں شرط اور رُکن ہے اس کے نزدیک نفل میں بھی شرط ہے، اور جس کے نزدیک فرض نماز میں شرط نہیں اس کے نزدیک نفل میں بھی نہیں۔ اور آیت نفل میں اس کے اشتراط کی نفی کرتی ہے تو فرض میں بھی وہ شرط اور رُکن نہیں ہے۔

اگر تو کہے کہ مَا کا لفظ مجمل ہے اور حدیث نے اس کی تعیین و تبیین کی ہے (دوسرے لفظوں میں اگر یوں کہے کہ مَا تیسر سے مراد سورۂ فاتحہ ہے)، تو ہم کہتے ہیں کہ اور حدیثوں میں تو مَا زَادَ اور فَصَاعِدًا کے الفاظ آئے ہیں اور حدیثِ ابی سعیدؓ میں ہے کہ: اُمِرْنَا اَنْ نَقْرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَمَا تَيَسَّرَ، سوفرمائیے کہ یہاں تو مَا تیسر کو فاتحۃ الکتاب کے علاوہ قرار دیا گیا ہے، آپ اس مَا تَيَسَّرَ اور مَا زَادَ اور فَصَاعِدًا کو کیا کہیں گے؟ کیا ان سے مراد بھی سورۂ فاتحہ ہی ہے؟ اگر ایسا ہے تو یہ تو معاذ اللہ ایک بے معنیٰ کلام ہو کر رہ جائے گا۔ مَا کے متعلق جو شخص یہ کہتا ہے وہ اصولِ فقہ سے ناواقفیت و جہالت کی دلیل بہم پہنچاتا ہے۔ جنابِ عالی! کلمہ مَا الفاظِ عموم میں سے ہے جس کے عموم پر بلا توقف عمل واجب ہوتا ہے۔

اگر اسے مجمل کہا جائے تو بیان و تفسیر سے پہلے اس پر عمل جائز نہ ہوگا جیسا کہ قرآن و حدیث کے باقی مجملات کا یہی حال ہے اور اس کا معنیٰ ہے: اَیُّ شَیْءٍ تَيَسَّرَ "جو بھی میسر ہو"۔ اگر مَا کو مجمل مانا جائے تو قرآن و حدیث کا ترک لازم آئے گا۔ اور حدیث ہمارے نزدیک عام ہے اسے خاص پر محمول نہیں کہا جا سکتا، علاوہ ازیں خاص میں کچھ

احتمالات بھی ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ حدیث لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ مشہور ہے اور علمائے امت نے اسے عام طور پر قبول کر لیا ہے لہٰذا اس جیسی حدیث کے ساتھ کتاب اللہ پر اضافہ جائز ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں اس کا مشہور ہونا تسلیم نہیں ہے، کیونکہ مشہور وہ حدیث ہے جسے تابعی ہاتھوں ہاتھ قبولیت کے ساتھ لے لیں حالانکہ تابعین میں اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ اور اگر ہم اس کا مشہور ہونا قبول کر لیں تو خبرِ مشہور کے ساتھ کتاب اللہ پر اضافہ تب جائز ہے جبکہ وہ محکم ہو اور کسی اور معنیٰ کا اس میں احتمال نہ ہو، اگر احتمال ہو تو اضافہ جائز نہیں ہے۔ اور اس حدیث میں احتمالات موجود ہیں۔ کیونکہ اس قسم کے الفاظ نفیٔ جواز کے لیے بھی آتے ہیں اور نفیٔ فضیلت کے لیے بھی۔ جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول: لَا صَلٰوۃَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِی الْمَسْجِدِ "مسجد کے ہمسائے کی نماز مسجد کے سوا نہیں ہوتی"، اور اس میں نفی سے مراد فضیلت کی نفی ہے۔ اور اس تاویل کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی کرتا ہے: اِنَّهُمْ لَا اَيْمَانَ لَهُمْ۔ اس کا معنیٰ ہے کہ ان کی قسموں کا اعتبار نہیں ہے نہ یہ کہ ان کی قسمیں سرے سے موجود ہی نہیں کیونکہ انہی کے متعلق یہ ارشاد بھی ہے کہ: وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ "اور اگر وہ عہد کے بعد قسمیں توڑ دیں۔" اور اس کے آگے ہے: اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ۔ "تم اس قوم سے کیوں نہیں لڑتے جس نے اپنی قسمیں توڑ دیں۔" گویا انہوں نے قسمیں کھائی تھیں، ان قسموں کو قسم سمجھا گیا تھا، اسی لیے تو ان کے توڑنے کا سوال پیدا ہوا۔ اگر سرے سے قسمیں ہی نہ ہوتیں تو توڑا کیا گیا؟ اس سے معلوم ہوا کہ لَا کا لفظ نفیٔ کمال فضیلت کے لیے کتاب و سنت میں آتا ہے۔ حدیث میں ہے: لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ۔ "جس کی امانت نہیں اس کا ایمان نہیں اور جس کا عہد نہیں اس کا دین نہیں۔" یہاں بھی مراد نفیٔ کمال ہے ورنہ کیا آپ ہر بددیانت کو ایمان سے خارج اور ہر عہد شکن کو دین سے باہر ٹھہرائیں گے؟ اس سے تو لاکھوں کروڑوں مسلم بیک جنبشِ لب اور بیک حرکتِ قلم اسلام سے باہر ہو جائیں گے!

کچھ لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اجزاء کی نفی چونکہ حقیقت کی نفی سے قریب تر ہے اور لَا بول کر وہی جلدی سمجھ میں آتی ہے لہٰذا یہی اولیٰ ہے کہ حقیقتِ صلوٰۃ کی نفی مراد لی جائے، اور اسماعیلی کی روایت اس کی تائید کرتی ہے: لَا تُجْزِئُ صَلٰوۃٌ لَّا يُقْرَاُ فِيْهَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔ "جس نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ واقع نہیں ہوتی۔" اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات ناقابلِ تسلیم ہے کہ اجزاء کی نفی حقیقت کی نفی سے قریب ہے کیونکہ اس نفی میں دونوں کا احتمال ہے: نفیٔ اجزاء کا بھی اور نفیٔ فضیلت کا بھی۔ اور یہاں پر نفیٔ فضیلت ہی اولیٰ بلکہ متعین ہے، کیونکہ اجزاء کی نفی سے کمال کی نفی خود لازم آجاتی ہے پس اس صورت میں گویا دو چیزوں کی نفی ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں مخالفت بڑھ جاتی ہے لہٰذا نفیٔ کمال ہی متعین ہے۔ اور مدعی کو اسماعیلی اور ابن خزیمہ کی حدیث کی تائید کا دعویٰ مفید نہیں ہے کیونکہ اس میں اتنی قوت نہیں جتنی کہ صحاح ستہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے، اس کے ساتھ ساتھ ابن حبان نے خود بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں شعبہ کے سوا کسی نے بھی علاء بن عبدالرحمٰن عن ابیہ عن ابی ہریرۃ یہ الفاظ نہیں بولے اور شعبہ سے بھی یہ الفاظ صرف وہب بن جریر روایت کرتا ہے۔ اور اس مدعی نے بھی کہا ہے کہ: ابن خزیمہ نے عن محمد بن الولید القرشی عن سفیان یہ حدیث روایت کی ہے اور اس کے لفظ یہ ہیں: لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِقِرَاءَۃِ فَاتِحَۃِ الْکِتَابِ، پس اس میں کوئی رکاوٹ

نہیں کہ لاصلوٰۃ کی نفی کو نہی کے معنیٰ میں لیا جائے یعنی مطلب یہ کہ لَا تُصَلُّوْا اِلَّا بِقِرَاءَۃِ فَاتِحَۃِ الْکِتَابِ۔ اور اس کی نظیر مسلم کی روایت ہے جو حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: لَاصَلوٰۃَ بِحَضرَۃِ الطَّعَامِ " کھانے کی موجودگی میں کوئی نماز نہیں " اور ابن خزیمہ نے اس کو یوں روایت کیا ہے: لَا یُصَلِّیْ اَحَدُکُمْ بِحَضْرَۃِ الطَّعَامِ۔ علامہ عینی نے کہا کہ اس حدیث کو مسلم کی اس طعام والی حدیث کی نظیر قرار دینا غلط ہے کیونکہ ابن حبان کی روایت کا لفظ لا یصلی احدکم نہی کا لفظ نہیں بلکہ غائب کی نفی کا لفظ ہے۔ اور اس مدعی کا قول اس بات کی دلیل ہے کہ وہ نہی اور نفی کا فرق نہیں جانتا۔

اس قائل نے یہ بھی کہا ہے کہ حنفیہ وغیرہم نے حدیث: مَنْ صَلّٰی خَلْفَ الْاِمَامِ فَقِرَاءَۃُ الْاِمَامِ قِرَاءَۃٌ لَہٗ سے استدلال کیا ہے حالانکہ یہ حدیث ضعیف ہے، دارقطنی نے اس کے تمام طرق بیان کئے ہیں اور اسے معلول قرار دیا ہے علامہ عینی نے فرمایا کہ اس حدیث کو صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے جن میں جابر بن عبداللہؓ، ابن عمرؓ، ابو سعید خدریؓ، ابوہریرہؓ، ابن عباسؓ اور انس بن مالکؓ شامل ہیں۔ جابرؓ کی حدیث کو ابن ماجہ نے مرفوعاً یوں روایت ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ کَانَ لَہٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَۃُ الْاِمَامِ قِرَاءَۃٌ لَہٗ " جو امام کے پیچھے ہو تو امام کی قرأت اس کے لیے قرأت ہے " ابن عمرؓ کی حدیث تو دارقطنی نے سنن میں یوں روایت کیا ہے: عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ کَانَ لَہٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَۃُ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَاءَۃٌ۔ ابو سعیدؓ کی روایت کو طبرانی نے یوں بیان روایت کیا ہے: قال قال رسول اللہ علیہ وسلم مَنْ کَانَ لَہٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَۃُ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَاءَۃٌ۔ اور ابوہریرہؓ کی حدیث کو دارقطنی نے سنن میں بالکل اسی طرح روایت کیا ہے جیسی کہ ابو سعیدؓ کی روایت ہے۔ ابن عباسؓ کی حدیث کو دارقطنی نے یوں مرفوعاً روایت کیا ہے: یَکْفِیْکَ قِرَاءَۃُ الْاِمَامِ خَافَتَ اَوْ جَھَرَ " امام چاہے پوشیدہ پڑھے یا آواز سے، تیرے لیے اس کی قرأت کافی ہے " انسؓ کی حدیث کو ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں یوں مرفوعاً روایت کیا ہے: مَنْ کَانَ لَہٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَۃُ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَاءَۃٌ۔

علامہ عینی کے کہا ہے کہ اگر تم کہو کہ جابرؓ کی روایت کی سند میں جابر جعفی ہے جو مجروح ہے، ابو حنیفہؒ اور دوسروں نے اسے کذاب کہا ہے۔ ابو سعیدؓ کی حدیث میں اسماعیل بن عمر بن نجیح ضعیف ہے۔ ابن عمر کی حدیث موقوف ہے، دارقطنی نے کہا ہے کہ اسے مرفوع بیان کرنا وہم سے ہوا ہے۔ ابن عباسؓ کی حدیث کو امام احمد نے منکر کہا ہے۔ ابوہریرہؓ کی حدیث بقول دارقطنی صحیح نہیں ہے۔ اس میں ایک راوی محمد بن عباد ضعیف ہے۔ انس کی حدیث میں غنیم بن سالم بقول ابن حبان روایتوں میں ثقات کا مخالف ہے۔ پس ان احادیث سے استدلال کیسے ہو سکتا ہے؟ علامہ عینی نے کہا کہ جابرؓ کی حدیث کے اور بھی طرق ہیں جو ایک دوسرے کو قوی کرتے ہیں۔ اس کا ایک صحیح طریق بھی ہے جسے محمد بن الحسن الشیبانی نے موطا میں یوں روایت کیا ہے: ہم کو امام ابو حنیفہؒ نے خبر دی، انہوں نے کہا ہم سے ابو الحسن موسیٰ بن ابی عائشہ نے بیان کیا، اس نے عبداللہ بن شداد سے اس نے جابرؓ سے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ: جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔ اس حدیث کو دارقطنی نے اپنی سنن میں اور پھر بیہقی نے بھی ابو حنیفہ سے اور الحسن بن عمارہ سے روایت کیا ہے اور صرف حسن بن عمارہ سے بھی اسی گزشتہ سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ پھر دارقطنی نے کہا کہ اس حدیث کو جابر بن عبداللہ سے کسی نے بھی ابو حنیفہ اور حسن بن عمارہ کے سوا مسند بیان نہیں کیا اور وہ دونوں ضعیف ہیں۔ دوسرے رواۃ نے اسے

مُرسل بتایا ہے۔ علامہ عینی رح نے کہا کہ اگر دار قطنی میں ادب و لحاظ اور حیا ہوتی تو ابو حنیفہ رح کے خلاف یہ کلمہ نہ کہتا جو شرق و غرب کو اپنے علم و فضل سے پُر کر چکا ہے۔ جب یحیٰی بن معین سے ابو حنیفہ کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے کہا: وہ ثقہ ہے، مامون ہے، میں نے کسی کو اسے ضعیف کہتے نہیں سنا، یہ شعبہ بن حجاج ہے جو اُس سے حدیثیں پوچھتا ہے اور شعبہ کا تو کیا ہی کہنا! اور ابن معین نے یہ بھی کہا کہ ابو حنیفہ ثقہ تھا، دین اور صدق والوں میں سے تھا، اس پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگی اور دین خداوندی میں لائق اعتماد تھا، حدیث میں راست گو تھا۔ بڑے بڑے ائمہ نے ابو حنیفہ رح کی ثنا کی ہے مثلاً عبد اللہ بن المبارک (جو ابو حنیفہ رح کے شاگردوں میں شمار ہوتا ہے) سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری رح، حماد بن زید رح، عبد الرزاق، وکیع (اور وہ اس کا مقلد تھا) مالک، شافعی رح، احمد رح اور دوسرے بے شمار لوگ۔ دار قطنی بیچارہ ان لوگوں کے سامنے کیا چیز ہے؟ گئے آمدی و کیے پیر شدی! محض ناروا تعصب نے اور بدقسمتی نے اس کی زبان و قلم سے یہ الفاظ نکلوا دیئے ہیں۔ یہ اور اس قسم کے طفلانِ مکتب جو چند حدیثیں یاد کر کے یا لکھ کر محدثیت کی دکان کھول لیتے ہیں، یہ دنیائے اسلام کے ایک مسلّم امام اور مجتہد اعظم کے بارے میں اس قسم کے الفاظ بول کر سوائے اپنا اعمالنامہ سیاہ کرنے کے اور کوئی خدمت انجام نہیں دیتے۔ ابو حنیفہ رح تو دنیائے اسلام کے فقہاء و محدثین کا دادا، پڑدادا بلکہ نکڑ دادا تھا۔ یہ سب لوگ تین، چار، پانچ یا دو واسطوں سے اس کے شاگرد اور خوشہ چین ہیں۔ ابو حنیفہ رح اس جیسوں کی توثیق و تضعیف سے بالاتر ہے۔ گالیاں دینے والوں نے تو خدا اور رسول، ازواج مطہرات، آل و اصحاب، کسی کو معاف نہیں کیا۔ تبرا بازی کا فن ہر زمانے میں دار قطنی جیسے لوگوں کے باعث سرسبز و شاداب رہا ہے۔ یہ بے شمار لوگ جو ابو حنیفہ کی مدح و ثنا میں رطب اللسان رہے ہیں بے چارہ دار قطنی ان کے دین و تقویٰ اور علم و فضل کے سامنے کیا حیثیت رکھتا ہے؟

صرف دار قطنی نہیں بہت سے گندہ دھن تبرائیوں نے امام ابو حنیفہ رح کو گالیاں دے کر اپنی عاقبت خراب کی ہے۔ ایسے لوگ ابو حنیفہ رح جیسے لوگوں کی تضعیف کے باعث خود ضعیف ہیں۔ اس جیسوں کی زبان سے کون بچا ہے؟ بخاری جیسے آدمی پر معتزلی ہونے کا الزام لگا، حاکم کو رافضی کہا گیا، نسائی کو رافضی کہا گیا، عبد الرزاق کو اب تک منہ پھٹ بے حیا، لوگ رافضی کہتے ہیں۔ دار قطنی بیچارے نے ایک کتاب لکھی ہے جو سقیم، معلول، ضعیف، منکر بلکہ موضوع روایات سے بھری پڑی ہے۔ ایسی کتاب کا مصنف ابو حنیفہ کو گالی دے کر شرماتا نہیں ہے؟ بسم اللہ بالجہر کے بارے میں اس نے اپنی کتاب میں ضعیف حدیثوں کا انبار لگایا ہے۔ اور جان بوجھ کر ان سے استدلال کیا ہے۔ بعض لوگوں نے دار قطنی کو قسم دے کر پوچھا تو اس نے اعتراف کیا کہ اس میں ایک بھی صحیح حدیث نہیں۔ اسی قسم کے لوگوں نے ہمہ شمہ کے کلام کو قولِ رسول ص قرار دے کر دین کا ستیاناس کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان لوگوں کو نہ خدا کا خوف ہے اور نہ خلقِ خدا کی شرم، ایسے لوگ کس منہ سے محدث کہلاتے بلکہ حدیث کے اجارہ دار بنے پھرتے ہیں۔؟

دار قطنی کا یہ کہنا کہ سفیان ثوری اور فلاں فلاں نے یہ حدیث بیان کی ہے اور ان کی روایت مرسل ہے، سو یہ قول ہمیں مضر نہیں ہے۔ ثقہ کا اضافہ اصولِ حدیث کی رو سے مقبول ہے۔ اگر ہم فرض کر لیں کہ یہ حدیث مرسل ہے تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ مرسل ہمارے نزدیک حجت ہے۔ جن احادیث کو ان لوگوں نے ضعیف کہا ہے

ان کے متعلق جواب یہ ہے کہ ضعیف احادیث ایک دوسری کو قوت دیتی ہیں۔ اور جب ان کے ساتھ صحیح بھی شامل ہو جائے تو وہ اور مضبوط ہو جاتی ہیں۔ ان میں سے بعض کو موقوف کہا گیا ہے، مگر موقوف ہمارے نزدیک حجت ہے کیونکہ صحابہ عدول ہیں۔ علاوہ ازیں اسی صحابہؓ کبار سے قرأۃ خلف الامام کے خلاف ثابت ہے ان میں سے علیؓ اور عبادلہؓ ثلاثہ بھی ہیں۔ اور ان کے نام محدثین کو معلوم ہیں اور ان کا اتفاق اجماع کی مانند ہے۔ اسی وجہ سے صاحب ہدایہ مرغینانیؒ نے کہا ہے کہ: قرأت فاتحہ خلف الامام پر صحابہ کا اجماع ہے۔ یہ لفظِ اجماع ان میں سے اکثر کے اتفاق پر بولا گیا ہے اور اسے ہماری اصطلاح میں اجماع کہا جاتا ہے۔ الشیخ الامام عبداللہ بن یعقوب الحاربی نے کشف الاسرار میں زید بن اسلم کے حوالہ سے لکھا ہے کہ صحابہؓ کبار میں سے دس حضرات قرأۃ خلف الامام سے منع کرنے میں نہایت شدید تھے: ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان ذی النورینؓ، علی بن ابی طالبؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں موسیٰ بن عقبہ سے نقل کیا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ قرأۃ خلف الامام سے منع کرتے تھے۔ اور مصنف میں موسیٰ بن سعد بن ابی وقاصؓ کا قول درج ہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے اس کے منہ میں پتھر ہوتا۔ طحاوی نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ، جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے وہ فطرت پر نہیں ہے، یعنی وہ شرائطِ اسلام اور سنت پر نہیں ہے۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جس شخص نے امام کے پیچھے قرأت کی اس نے فطرت کے خلاف کیا، اور دارقطنی نے بھی یہ قول اس طرح روایت کیا ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے کہ: اس کا منہ مٹی سے بھرا جائے۔ مصنف کی روایت میں ہے کہ جناب عمر بن الخطابؓ نے فرمایا، میرا جی چاہتا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کے منہ میں پتھر ہوتا۔ اور تمہید میں ہے کہ، علیؓ، سعدؓ اور زید بن ثابت سے ثابت ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں، نہ سری نماز میں نہ جہری میں۔ اور عبدالرزاق نے ابووائل کی روایت درج کی ہے کہ ایک آدمی عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آیا اور کہا: کیا میں امام کے پیچھے قرأت کروں؟ تو انہوں نے کہا کہ: قرآن سننے کے لیے خاموش رہ کیونکہ نماز میں ایک بڑی مشغولیت ہوتی ہے اور قرأت کے لیے تیری طرف سے امام کافی ہے۔ طبرانی اور ابن ابی شیبہ نے بھی یہ روایت درج کی ہے۔ طحاوی نے ابوابراہیم تیمی سے روایت کی ہے کہ: میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے قرأت خلف الامام کے متعلق پوچھا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا: قرأت کر، میں نے کہا: اگرچہ میں آپ کے پیچھے ہوں؟ فرمایا: اگرچہ تم میرے پیچھے ہو۔ میں نے کہا: اگرچہ آپ پڑھیں؟ فرمایا: اگرچہ میں پڑھوں۔ اور طحاوی نے عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے بروایت مجاہد بیان کیا ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے اور یہ نماز ظہر تھی اور وہ سورہ مریم میں سے پڑھ رہے تھے۔ پھر طحاوی نے اس کا جواب دیا اور کہا کہ ان کے علاوہ دیگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خلاف مروی ہے۔ اور طحاوی نے پھر علیؓ کی مذکورہ حدیث اور ابن مسعودؓ کی مذکورہ بالا حدیث بیان کی: پھر ابوبکرؓ سے بروایت ابی داؤد حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا کہ: کاش جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہو اس کے منہ میں مٹی بھر جائے۔ اور پھر طحاوی نے عبیداللہ بن مقسم کی روایت درج کی کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ، زید بن ثابتؓ،

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے قرأت خلف الامام کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ: کسی نماز میں بھی امام کے پیچھے قرأت نہیں ہے۔ پھر طحاوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی یہ جماعت ترکِ قرأت خلف الامام پر اتفاق و اجماع کر چکی ہے۔

اگر تم کہو کہ بیہقی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اثر روایت کیا ہے کہ ان سے قرأت خلف الامام کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: میں اللہ تعالیٰ سے شرماتا ہوں کہ کوئی ایسی نماز پڑھوں جس میں سورۂ فاتحہ کی قرأت نہ ہو۔ علامہ عینی نے کہا کہ یہ باطل معارضہ ہے کیونکہ اس اثر کا منقطع ہونا ثابت ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: قِرَاءَةُ الْإِمَامِ قِرَاءَةٌ لَهُ۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے معارض ہے: فَاقْرَءُوا، پس خبرِ واحد کے ساتھ اس کا ترک جائز نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ چونکہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے لہٰذا کوئی معارضہ نہیں نیز اس سے وہ مقتدی مخصوص کیا گیا جس نے امام کو رکوع میں پایا تو اس کے ذمہ کوئی قرأت نہیں بالاجماع، پس خبرِ واحد کے ساتھ اس آیت پر اضافہ جائز ہے۔ (علامہ عینی نے امام کو رکوع میں پانے والے پر قرأت واجب نہ ہونے پر اجماع لکھا ہے، درست ہے علماء، فقہاء و محدثین کا تو اس پر واقعی اجماع ہے مگر جدید دور کے "جاہل مدعیان حدیث" اس کے بھی خلاف ہیں اور وہ اسے ترک کر چکے ہیں۔

علامہ عینی نے کہا کہ اگر کوئی کہے کہ کتاب المعرفہ میں بیہقی نے کہا ہے کہ حدیث: مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ قِرَاءَةٌ لَهُ، سے مراد جہری نمازوں میں امام کے پیچھے ترکِ قراءۃ ہے اور یہ کہ سورت کی قرأت خلف الامام ترک کی جائے نہ کہ فاتحہ کی، اور اس پر بیہقی نے گزشتہ حدیث عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے استدلال کیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ احادیث میں ترکِ قرأت کے بارے میں سری اور جہری نمازوں میں کوئی فرق نہیں آیا لہٰذا یہ فرق غیر صحیح ہے، اور اس میں ابراہیم بن الحارث کے قول کے مطابق خود قائلین قرأت کے نزدیک ایک سنت کے ساتھ واجب کا ترک لازم آتا ہے۔

پھر علامہ عینی نے فرمایا کہ اگر تم کہو کہ مسلم اور ابوداؤد وغیرہما نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ: جس نے کوئی نماز پڑھی جس میں ام القرآن کی قرأت نہیں کی تو اس کی نماز ناکمل، ناکمل، ناکمل، غیر تمام ہے۔ پس یہ حدیث قرأت خلف الامام کی رکنیت پر دلالت کرتی ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ ہمیں یہ تسلیم نہیں کیونکہ خداج کا معنٰے ہے ناقص اور اسی کو حضور نے غیر تمام فرمایا ہے۔ یعنی اس کی نماز ناقص اور ناکمل ہے اور ہمارا بھی یہی مذہب ہے کیونکہ نقصان کا تعلق صفات سے ہے نہ کہ ذات سے، اور ہم سورۂ فاتحہ کے وجوب کے قائل ہیں۔ مقتدی اسے امام کے ذریعے سے پڑھتا ہے اور منفرد اور امام خود پڑھتے ہیں۔ اگر تم کہو کہ: فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ عام ہے جس میں سے بعض کو یعنی ایک آیت سے کم کو خاص کیا گیا ہے کیونکہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نماز میں کم از کم ایک پوری آیت کا ہونا ضروری ہے کیونکہ اس سے کم بالاجماع قرأت سے خارج ہے، پس جب یہ آیت مخصوص ہوگئی تو اب اسے خبرِ واحد اور قیاس سے بھی مخصوص کیا جا سکتا ہے (کہ اس کے حکم میں سے مثلاً سورۂ فاتحہ کو نکال لیا جائے اور اسے فرض قرار دیا جائے) علامہ عینی نے فرمایا کہ قرآن عرف کے لحاظ سے بھی معجزہ ہے لہٰذا آیت سے کم پر اس کا اطلاق نہ ہوگا کیونکہ وہ کلام نہیں ہوتا۔ اگر تم کہو کہ ابوداؤد نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ: مجھے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منادی کرنے کا حکم دیا کہ فاتحۃ الکتاب اور کچھ اس سے زائد کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کو خود قائلین قرأت خلف الامام نے چھوڑ دیا ہے، کیونکہ وہ وَمَا زَادَ کے قائل نہیں۔ یعنی سورۂ فاتحہ کو تو امام کے پیچھے واجب کہتے ہیں مگر سورت کو نہیں کہتے۔ یہ حدیث مختلف طریقوں سے مروی ہے۔ بزار نے یہ لفظ روایت کئے ہیں کہ: آپ نے ایک منادی کرنے والے کو حکم دیا تو اس نے منادی کی۔ ابوالحسین خفاف کی کتاب الصلوٰۃ میں ہے کہ یہ منادی ہوئی: قرآن کے بغیر نماز نہیں اگرچہ وہ سورۂ فاتحہ ہو (یعنی پڑھنے والے کو سورت یا آیت چننے کا اختیار ہے سورۂ فاتحہ ضروری نہیں ہے) فریابی کی کتاب الصلوٰۃ میں ہے: مجھے حکم دیا کہ مدینہ میں منادی کردوں کہ قرأت کے بغیر نماز نہیں یا فاتحۃ الکتاب کے بغیر نماز نہیں (یعنی یا تو راوی کا شک ہے یا اس میں بھی اختیار ہے کہ فاتحہ پڑھو یا کچھ اور پڑھ لو) اور ایک لفظ ہے کہ: میں نے منادی کی کہ فاتحۃ الکتاب کی قرأت کے بغیر نماز نہیں۔ اور بیہقی کی روایت ہے: فاتحۃ الکتاب اور کچھ زائد کی قرأت کے بغیر نماز نہیں۔ طبرانی اوسط میں ہے کہ: ہر نماز میں قرأت ہے گو وہ فاتحۃ الکتاب ہی ہو۔ اور تمام احادیث فاتحۃ الکتاب کی قرأت پر (چہ جائیکہ خلف الامام قرأت فاتحہ پر) بحیثیت فرضیت دلالت نہیں کرتیں۔ بلکہ زیادہ تر احادیث تو فرضیت کی نفی کرتی ہیں۔ اگر ایک فاتحہ کے بغیر عدم جواز صلوٰۃ پر دلالت کرتی ہے تو دوسری جواز بتاتی ہے۔ پس ہم دونوں قسم کی احادیث پر عمل کرتے ہیں اور کسی کو ترک نہیں کرتے۔ وہ اس طرح کہ مطلق قرأت فرض ہے اور قرأت فاتحہ واجب ہے اور احادیث پر عمل کے معاملے میں یہی راہ اعتدال ہے۔ (اور پھر ہم احادیث کی بنا پر بھی مقتدی کے لیے قرأت فاتحہ اور مطلق قرأت کے عدم جواز کے قائل ہیں) علاوہ ازیں ابوداؤد کی روایت میں جعفر بن میمون متکلم فیہ راوی ہے۔ نسائی تو یہاں تک کہا ہے کہ وہ ثقہ نہیں ہے۔ اس کے ماسوا یہ حدیث فاتحہ کے ساتھ مَازَادَ کی قرأت کو بھی واجب (یعنی بقول شما فرض) ٹھہرا رہی ہے اور یہ امام شافعیؒ کا مذہب نہیں ہے (اور ہمارے ہاں کے غیر مقلدین کا بھی ہے جو ائمہ کی فقہ میں تقلید کو حرام اور شرک تک کہنے سے گریز نہیں کرتے مگر خود ایسے غیرے نتھو خیرے کی تقلید کرتے پھرتے ہیں) ابوداؤد نے عبادہ بن صامت کی حدیث بھی روایت کی ہے جس میں فاتحۃ الکتاب فصاعدًا کا لفظ ہے۔ سفیان بن عیینہ کا قول اس حدیث کے آخر میں ہے کہ فاتحہ یا سورت پڑھنے کا حکم منفرد کے لیے ہے۔ یعنی جو امام کے پیچھے ہو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے اسی طرح اسماعیل کی روایت میں ہے کَانَ وَحْدَہٗ "جب نمازی اکیلا ہو تو یہ حکم ہے"۔ پس اس بنا پر یہ حدیث صرف منفرد کے حق میں ہوئی اور اس کے بعد قائلین قرأت خلف الامام کا دعویٰ عموم باطل ہو گیا۔ عبادہؓ کی حدیث بخاری میں بھی ہے مگر اس میں فصاعدًا کا لفظ نہیں ہے۔ اور بخاری نے کتاب القرأۃ میں کہا ہے کہ فصاعدًا کا لفظ معمر تو روایت کرتا ہے مگر عام ثقات ایسا نہیں کرتے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ دیکھو سفیان بن عیینہ معمر کی تائید کر رہا ہے۔ اسی طرح صالح، اوزاعی، عبدالرحمٰن بن اسحاق ان سب نے زہری سے روایت کی ہے اور یہ لفظ بولا ہے، کیا یہ معمر کی متابعت نہ ہوئی۔

جہاں تک ابوالسائب عن ابی ہریرہؓ کی حدیث کا تعلق ہے (جو ابوداؤد نے روایت کی ہے) کہ اس کے اس سوال پر کہ میں کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں، ابوہریرہؓ نے کہا کہ: اے فارسی اسے اپنے جی میں پڑھو (یعنی سورۂ فاتحہ کو) سو یہ قول ابی ہریرہؓ ہے نہ کہ حدیث مرفوع۔ نووی نے لکھا ہے کہ یہ قول وجوب سورۂ فاتحہ پر دلالت کرتا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی

آہستہ پڑھ لے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ وجوب پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ مقتدی خاموشی پر مامور ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا۔ اور حضورؐ کا ارشاد ہے: وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا (گویا یہ قول الٰہی زمانۂ حاضر کے "مفسرین" کے نزدیک کافروں اور مشرکوں کے لیے ہے کہ تم خاموش رہا کرو، اہل اسلام کو یہ حکم نہیں ہے وہ بے شک جو چاہیں کریں۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ مذہبی تعصب بھی کیا کیا گل کھلاتا ہے!) انصات کا معنیٰ ہے اصغاء یعنی غور سے خاموش ہو کر متوجہ ہونا۔ اور پوشیدہ قرأت بھی انصات میں مخل ہوتی ہے کیونکہ پڑھنے والا کم از کم اپنے آپ کو تو ضرور سناتا ہے۔ پس سے مراد یہ ہے کہ قرآن میں تدبّر و تفکر کرو۔

اور ہمارے مسلک کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے ابو داؤدؒ نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ "امام اسی لیے ہوتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ اور جب وہ قرأت کرے تو خاموش رہو۔ اسے نسائی، ابن ماجہ اور طحاوی نے روایت کیا ہے، یعنی وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا کے اضافے کو۔ اور یہ مسلم میں بھی موجود ہے۔ سلیمان التیمی نے اسے روایت کیا ہے اس کے متابع بہت سے موجود ہیں۔ یہ حدیث تمام نمازوں میں مقتدی کی قرأت کے قائلین پر صریح حجت ہے اور اسی طرح سرّی نمازوں میں قرأت کے قائلین پر بھی۔ اگر کوئی شخص کہے کہ ابو داؤدؒ نے اس اضافے کو راوی حدیث ابو خالد کا وہم بتایا ہے۔ ابو خالد سلیمان بن حیان صحاح ستہ کا راوی ہے اور ثقہ ہے۔ ثقہ کا اضافہ مقبول ہوتا ہے، یہ اضافہ کسی حافظ تر اور ثقہ تر راوی کے بیان کے خلاف بھی نہیں ہے کہ اسے شاذ اور وہم قرار دیا جائے۔ ابو داؤدؒ نے یہ کہہ کر زیادتی کی ہے (اس پر مفصل بحث پیچھے گزر چکی ہے)، بیہقی اور دار قطنی نے بھی اس اضافے پر تنقید کی ہے اسی طرح ابو حاتم نے بھی اس پر تنقید کی ہے اور اسے ابن عجلان کی تخلیط کہا ہے۔ حالانکہ ابن عجلان عجلی نے ثقہ کہا ہے، وہ مسلم کا راوی ہے، بقول صاحب کمال وہ ثقہ ہے کثیر الحدیث ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صحاح ستہ میں اس کی روایت موجود ہے اور بخاری نے ایک استشہاد میں اس کی حدیث لی ہے۔ پس یہ ایک ثقہ کا اضافہ ہے جو مقبول ہے۔ اور بیہقی کی سنن کبیر کے مطابق خارجہ بن مصعب اور یحییٰ بن العلاء نے اس کی متابعت کی ہے۔ ابو خالد کے متعلق وکیع کا قول ہے کہ: کیا ایسے شخص کی ثقاہت کے بارے میں سوال کرنا روا ہے؟ ابوہشام رافعی نے کہا ہے کہ وہ الثقۃ الامین تھا۔ نسائی نے یہ حدیث محمد بن سعد الانصاری سے روایت کی ہے (اور وہ ثقہ ہے) یہ محمد بن سعد، ابو خالد کی متابعت کر رہا ہے۔ اسماعیل بن ابان بھی (بیہقی میں) اس کا متابع ہے۔ ابوموسیٰ اشعری کی حدیث کو مسلم نے صحیح کہا ہے۔ ابو بکر نے مسلم سے پوچھا کہ آپ اس حدیث کو اپنی کتاب میں کیوں روایت نہیں کرتے تو مسلم کا جواب یہ تھا کہ ہر صحیح حدیث کو میں نے یہاں پر درج نہیں کیا ہے۔ اور حدیث مذکور کے بعد مسلم کے بعض نسخوں میں یہ اضافہ درج بھی ہے۔ تمہید میں امام احمد بن حنبل سے روایت ہے کہ یہ دونوں حدیثیں (ابوموسیٰؓ اور ابوہریرہؓ کی حدیثیں جن میں وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا کے الفاظ ہیں) صحیح ہیں۔ ابو داؤد پر حیرانی ہے کہ اس نے ابو خالد کی طرف تو وہم کو منسوب کیا حالانکہ وہ ثقہ ہے۔ اور ابن عجلان کی طرف وہم کو منسوب نہیں کیا حالانکہ اس میں کلام ہے اور اس کے باوجود ابن خزیمہ نے اس کی حدیث کی تصحیح کی ہے (عینی کا کلام ختم ہوا)

مولاناؒ نے فرمایا کہ ہم اس سے پہلے اسی شرح میں باب الْإِمَامِ يُصَلِّي مِنْ قُعُودٍ میں: وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا پر گفتگو

کر چکے ہیں۔ اور علامہ شیخ نیموی نے کتاب آثار السنن کے باب قراءۃ خلف الامام میں بخاری و مسلم کی عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت کی مروی صحیح مرفوع حدیث بیان کی ہے اور کہا ہے کہ ان احادیث سے استدلال کرنے میں کلام ہے امام ترمذی نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا معنی کہ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ یہ ہے کہ جب آدمی اکیلا نماز پڑھے۔ اور ابوداؤد نے کہا کہ سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ یہ اس شخص کے لیے ہے جو اکیلا نماز پڑھے۔ مولانا نے فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے: یہ ارشاد اس شخص کے لیے ہے جو اپنی نماز کا خود ضامن اور متکفل ہو یعنی امام یا منفرد (امام بروئے حدیث صحیح مقتدیوں کی نماز کا ضامن ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ کس بات کا ضامن ہے؟ کوئی کام تو ایسا ہو جو اسی کے ذمہ ہو اور مقتدی اسے نہ کریں، پس وہ قرأت ہے) اور اس کی تائید مسلم اور نسائی کی روایت ہے جس میں فاتحہ کے ساتھ فصاعدًا کا لفظ موجود ہے (اب مقتدی تو اگر قرأت کریں بھی تو صرف فاتحہ کی کرتے ہیں، فصاعدًا کی قرأت کون کرتا ہے؟ یا امام یا منفرد۔ پس ثابت ہوا کہ یہ حدیث انہی دونوں کے لیے ہے مقتدی کے لیے نہیں!) اگر بقول بخاری (جزء القرأۃ) یہ اعتراض کیا جائے کہ فصاعدًا کا لفظ صرف معمر نے روایت کیا ہے دوسرے ثقہ راویوں نے نہیں کیا۔ پھر خود ہی بخاری نے کہا ہے کہ عبدالرحمن بن اسحاق نے معمر کی متابعت کی ہے (اگر بالفرض یہ متابعت نہ ہوتی تب بھی کیا معمر ثقہ راوی نہیں؟ اور کیا ثقہ راوی کا اضافہ مقبول نہیں؟) پھر بخاری نے عبدالرحمن بن اسحاق پر یہ اعتراض کیا ہے کہ کبھی وہ زہری سے خود روایت کرتا ہے اور کبھی اپنے اور زہری کے درمیان کسی اور راوی کو داخل کرتا ہے (راوی ثقہ ہے تو ممکن ہے اس نے خود زہری سے بھی یہ حدیث سنی ہو اور زہری کے کسی اور شاگرد سے بھی!) بخاری نے کہا کہ ہم نہیں جانتے یہ اس کی صحیح حدیث میں سے ہے یا نہیں (بخاری کے اس شک اور تردد سے حدیث صحیح تو غیر صحیح ہونے سے رہی!) ایک طرف بخاری معمر کی روایت کو غیر معروف کہتے ہیں، دوسری طرف خود عبدالرحمن بن اسحاق کو اس کا متابع مانتے ہیں (اور پھر اس غریب عبدالرحمن بن اسحاق ہی پر برس پڑتے ہیں! اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ) مولانا نے فرمایا کہ معمر کی متابعت سفیان بن عیینہ نے بھی (عن الزہری) کی ہے جیسا کہ ابوداؤد میں ہے۔ پس یہ اضافہ (یعنی فصاعدًا) صحیح ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ نے، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے جزء القرأۃ میں اور ابن الجارود اور ابوداؤد نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منادی کرنے کا حکم دیا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں: لا صلوٰۃ الا بقراءۃ فاتحۃ الکتاب وما زاد۔ اس کے راوی جعفر بن میمون کے سوا ثقہ ہیں۔ جعفر پہ تنقید ہوئی ہے مگر وہ ضعیف یا منکر الحدیث نہیں (ابن عدی، دارقطنی) ابن معین نے بھی اسے صالح الحدیث کہا ہے۔ پس کم از کم اس کی حدیث حسن ضرور ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ، صدوق یخطئ۔ حاکم نے یہ حدیث مستدرک میں روایت کر کے اسے صحیح اور بے غبار کہا ہے کیونکہ جعفر بن میمون بصری ثقات میں سے ہے اور یحیٰی بن سعید (جو مستدرک میں اس سے روایت کر رہا ہے) ثقات کے علاوہ کسی سے روایت نہیں کرتا۔ (ابوداؤد) ابو یعلیٰ اور ابن حبان نے صحیح سند سے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: ہمیں حکم دیا گیا کہ سورۂ فاتحہ اور ماتیسر پڑھیں۔ پس فاتحہ کے ساتھ کبھی فصاعدًا کبھی مازاد اور کبھی ماتیسر کا اضافہ ثابت کرتا ہے کہ فاتحہ کے علاوہ سورت کی قرأت بھی واجب ہے اور جمہور کے نزدیک

یہ حکم صرف امام اور منفرد کا ہے کہ وہ فاتحہ اور سورت دونوں پڑھیں نہ کہ مقتدی کا۔ اسی طرح فاتحہ کی قرأت بھی با جماعت نماز میں صرف امام کے لیے ماننا پڑے گا ورنہ مقتدی پر بھی فاتحہ کے علاوہ کوئی اور سورت پڑھنا بھی واجب ٹھہرانا ہوگا۔

پھر اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ قرأۃ فاتحہ ہر نمازی پر واجب ہے خواہ امام ہو یا مقتدی یا منفرد۔ ہم کہیں گے کہ قرأۃ کی دو قسمیں ہیں ایک قرأت حقیقی جو امام اور منفرد کے لیے ہے اور ایک قرأت حکمی جو مقتدی کے لیے ہے کیونکہ اس کے لیے حضورؐ کا ارشاد ہے: قراءۃ الامام لہٗ قراءۃ۔ اگر کوئی بیہقی کی روایت پیش کرے (کتاب القرأۃ، جمع الجوامع) کہ عبادہ بن صامتؓ نے حدیث مرفوع بیان کی ہے کہ: لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الکتاب خلف الامام کا لفظ شاذ ہے اور اس کا کوئی متابع نہیں ہے۔ عبادہؓ کی حدیث کو بخاری و مسلم نے بھی روایت کیا ہے اور یہ کئی طرق سے صحاح میں آئی ہے مگر کہیں بھی اس لفظ کا اتہ پتہ اس روایت کے سوا نہیں ملا۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ خلف الامام کا لفظ کسی راوی کا اضافہ ہے جو اس لیے آگیا کہ دراصل یہ حدیث مختصر ہے اور اصل طویل حدیث ابوداؤد، ترمذی وغیرہ میں اور بخاری کی جزء القراۃ میں موجود ہے۔ بقول عبادہؓ اصحاب حضورؐ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے اور حضورؐ پر قرأت ثقیل ہوگئی تو نماز کے بعد آپؐ نے لوگوں سے پوچھا، شاید تم امام کے پیچھے پڑھتے ہو الخ (جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے) پس راوی نے یہ سمجھ کر کہ واقعہ نماز با جماعت کا ہے اپنی طرف سے خلف الامام کا لفظ بیہقی کی روایت میں بڑھا دیا ہے۔ یہ راوی کا اپنا فہم ہے حضورؐ کا کلام نہیں ہے۔ اور اصل دلیل اس طویل حدیث میں ہے نہ کہ اُس مختصر روایت میں جو بیہقی نے بیان کی۔ اور اصل حدیث کا لفظ فاتحہ کی رکنیت و فرضیت ثابت نہیں کرتا کیونکہ اس میں قرأت خلف الامام کی نہی کے بعد: الا بفاتحۃ الکتاب کا لفظ صرف اباحت وجواز پر دلالت کرتا ہے نہ کہ رکنیت و فرضیت پر۔ اور جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے اس کے بعد قرأت کی بالکل ممانعت کر دی گئی تھی جیسا کہ ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث (مسلم) اور ابوہریرہؓ کی حدیث جسے مسلم نے صحیح کہا ہے اس میں، وَاِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا کے واضح اور صریح لفظ آگئے ہیں۔

علاوہ ازیں عبادہؓ کی حدیث طویل میں بھی مکحول راوی ہے جو مدلس ہے اور اس حدیث کی روایت بھی مضطرب ہے اور اس کا ایک راوی محمد بن اسحاق ہے جو روایت میں منفرد ہو تو لائق استدلال نہیں ہے۔ اور مکحول نے یہ روایت عن کے لفظ سے بیان کی ہے۔ پس اس حدیث میں یہ تین علتیں موجود ہیں۔ مکحول کی روایت کبھی عبادہؓ سے ہے مرسلاً۔ کبھی عن نافع بن محمود عن عبادہؓ ہے اور کبھی محمود عن عبادہؓ ہے کبھی عن محمود عن ابی نعیم انہ سمع عبادۃؓ۔ اس اضطراب کے باعث یہ حدیث ضعیف ہوگئی ہے۔

بَابُ مَنْ رَأَى الْقِرَاءَةَ إِذَا لَمْ يَجْهَرْ

جہری نماز میں قرأت کے مکروہ ہونے کا باب۔

۸۲۷۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ أُكَيْمَةَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ مِنْ صَلَاةٍ جَهَرَ فِيهَا بِالْقِرَاءَةِ فَقَالَ هَلْ قَرَأَ مَعِيَ أَحَدٌ مِنْكُمْ آنِفًا فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنِّي أَقُولُ مَالِي أُنَازَعُ الْقُرْآنَ قَالَ فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا جَهَرَ فِيهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْقِرَاءَةِ مِنَ الصَّلَوَاتِ حِينَ سَمِعُوا ذٰلِكَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَى حَدِيثَ ابْنِ أُكَيْمَةَ هٰذَا مَعْمَرٌ وَيُونُسُ وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَلَى مَعْنَى مَالِكٍ۔

ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جہری نماز سے فراغت کے بعد فرمایا: کیا ابھی تم میں سے کسی نے میرے ساتھ پڑھا ہے؟ ایک آدمی بولا کہ ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپؐ نے فرمایا: میں کہتا ہوں کہ کیا بات ہے میرے ساتھ قرآن پڑھنے میں منازعت کی جاتی ہے؟ ابوہریرہ ؓ نے کہا کہ پس لوگ جہری نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرأت سے باز آگئے جبکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ سنے۔ ابوداؤد نے کہا کہ ابن اکیمہ کی یہ حدیث مالک کے معنی کے مطابق معمر، یونس اور اسامہ بن زید نے زہری سے روایت کی ہے۔

شرح: سنن ابی داؤد کے مجتبائی نسخے میں عنوانِ باب کے الفاظ یہ ہیں: بَابُ مَنْ كَرِهَ الْقِرَاءَةَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ إِذَا جَهَرَ الْإِمَامُ۔ اور حاشیئے پر دو عنوان اور ہیں (۱) مَنْ تَرَكَ الْقِرَاءَةَ فِيمَا جَهَرَ الْإِمَامُ (۲) بَابُ مَنْ رَأَى الْقِرَاءَةَ إِذَا لَمْ يَجْهَرْ۔ پہلے دونوں عنوان توہم معنی ہیں اور ان میں سے ایک نسخۂ مجتبائیہ کے متن میں اور دوسرا حاشیئے پر ہے۔ تیسرا عنوان (یعنی حاشیئے والا دوسرا) سب موجود نسخوں میں پایا جاتا ہے۔ صاحب عون المعبود نے صرف اسی کو لیا ہے اور کسی اور کا ذکر نہیں کیا۔ اور یہ عنوان اس باب میں آنے والی احادیث سے تکلف و تاویل کے ساتھ ہی موافق ہو سکتا ہے، مگر ہم نے جو عنوان لکھا ہے اور حاشیئے والا پہلا عنوان ان کی مطابقت احادیث کے ساتھ واضح ہے۔

اس حدیث کے راوی ابن اکیمہ لیثی کو ابن سعد، حمیدی اور بیہقی نے مجہول کہا ہے۔ ابوحاتم اور دُوری نے ثقہ کہا ہے۔ بزار نے کہا ہے کہ وہ نقل میں مشہور نہیں اور زہری کے سوا کسی نے اس سے حدیث نہیں لی۔ حضورؐ نے اس حدیث کے مطابق جو لوگوں سے یہ سوال فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ ابھی پڑھا ہے؟ طرز سوال کی دلالت یہ ہے کہ یہ قرأت حضورؐ کے اذن و امر سے نہ تھی اور پوشیدہ تھی، کیونکہ اگر بالجہر ہوتی تو حضورؐ سے مخفی

نہ رہتی اور سوال کی نوبت نہ آتی۔ اکثر علماء کا یہی مذہب ہے کہ جہری نمازوں میں مقتدی کسی قسم کی قرأت نہ کرے۔ حنفیہ میں سے امام محمد کا مذہب بھی یہی ہے۔ لیکن منازعت کی علت جس کی بناء پر حضورؐ نے یہ فرمایا تھا کہ: اِنِّیْ اَقُوْلُ مَالِیْ اُنَازَعُ الْقُرْآنَ، جہری اور سری دونوں قسم کی نمازوں میں موجود ہوتی ہے کیونکہ اس نماز میں بھی وہ شخص آہستہ پڑھ رہا تھا۔ لہٰذا ابو ہریرہؓ (بقولِ بعض زہری) کا یہ قول کہ: حضورؐ سے یہ سننے کے بعد لوگ جہری نمازوں میں آپؐ کے پیچھے قرأت سے باز آ گئے راوی حدیث کا اپنا مفہوم ہے حضورؐ کا یہ حکم نہ تھا کہ صرف جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت مت کرو۔ ابن الملک نے کہا کہ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ شخص آپؐ کے پیچھے بآوازِ بلند قرأت کر رہا تھا، انہوں نے کہا کہ فَانْتَهَى النَّاسُ کا مطلب یہ ہے کہ آواز کے ساتھ پڑھنے سے باز آ گئے۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ بات ظاہر حدیث کے خلاف ہے کیونکہ حضورؐ نے جو سوال کیا تھا کہ کسی نے قرأت کی ہے؟ اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ قرأت آواز سے نہ تھی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ نووی نے کہا کہ ائمہ حدیث نے ترمذی کی تحسین کا انکار کیا ہے اور اس حدیث کے ضعف پر متفق ہیں کیونکہ ابن اکیمہ لیثی مجہول ہے۔ علاوہ ازیں یہ جملہ: فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ الخ حدیث کا جزء نہیں بلکہ زہری کا مدرج کلام ہے یہ بات حفاظِ حدیث متقدمین و متأخرین کے نزدیک متفق علیہ ہے، ان میں سے اوزاعی، ذہلی، بخاری، ابوداؤد اور خطابی وغیرہم ہیں علامہ علی القاری نے کہا کہ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا، ابن حبان نے صحیح اور حمیدی اور بیہقی نے ضعیف۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کی تضعیف پر ائمہ متفق نہیں ہوئے۔

۸۲۸- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَاَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَرْوَزِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ اَبِيْ خَلَفٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الزُّهْرِيُّ وَابْنُ السَّرْحِ قَالُوْا نَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ اُكَيْمَةَ يُحَدِّثُ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً نَظُنُّ اَنَّهَا صَلٰوةُ الصُّبْحِ بِمَعْنَاهُ اِلٰى قَوْلِهٖ مَالِيْ اُنَازَعُ الْقُرْاٰنَ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ قَالَ مُسَدَّدٌ فِيْ حَدِيْثِهٖ قَالَ مَعْمَرٌ فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ فِيْمَا جَهَرَ بِهٖ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ ابْنُ السَّرْحِ فِيْ حَدِيْثِهٖ قَالَ مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَانْتَهَى النَّاسُ وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الزُّهْرِيُّ عَنْ بَيْنِهِمْ قَالَ سُفْيَانُ وَتَكَلَّمَ الزُّهْرِيُّ بِكَلِمَةٍ لَمْ اَسْمَعْهَا فَقَالَ مَعْمَرٌ اِنَّهٗ قَالَ فَانْتَهَى النَّاسُ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَرَوَاهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِسْحَاقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَانْتَهٰى حَدِيْثُهٗ اِلٰى قَوْلِهٖ مَالِيْ اُنَازَعُ الْقُرْاٰنَ وَرَوَاهُ الْاَوْزَاعِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ

قَالَ فِيهِ قَالَ الزُّهْرِيُّ فَاتَّعَظَ الْمُسْلِمُونَ بِذَلِكَ فَلَمْ يَكُونُوا يَقْرَءُونَ مَعَهُ فِيمَا جَهَرَ بِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو دَاوُدَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ يَحْيَى بْنِ فَارِسٍ قَالَ قَوْلُهُ فَانْتَهَى النَّاسُ مِنْ كَلَامِ الزُّهْرِيِّ۔

دوسری سند سے یہ وہی اوپر کی روایت ہے۔ اس میں ابوہریرہؓ کا قول ہے کہ ہمارے خیال میں وہ نماز جس میں یہ قصہ ہوا صبح کی نماز تھی۔ اور یہ روایت مَالِي أُنَازَعُ الْقُرْآنَ پر ختم ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ اس حدیث کے راوی مسدد نے کہا کہ فَانْتَهَى النَّاسُ آلخ کا جملہ معمر کا قول ہے ابن السرح کی حدیث میں ہے کہ یہ ابوہریرۃ کا قول ہے عبداللہ بن محمد زہری نے کہا کہ سفیان نے کہا میں نے زہری سے یہ جملہ نہیں سنا اور معمر سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ فَانْتَهَى النَّاسُ آلخ زہری کا کلام ہے۔ عبدالرحمن بن اسحاق نے زہری سے یہ حدیث روایت کی تو وہ بھی مَالِي أُنَازَعُ الْقُرْآنَ پر ختم ہو گئی۔ اوزاعی نے یہ روایت زہری سے نقل کی تو یہ جملہ زہری سے نقل کیا، فاتعظ المسلمون بذالک "مسلمانوں کو اس سے نصیحت حاصل ہو گئی اور پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جہری نمازوں میں قرأت نہیں کرتے تھے۔ ابوداؤد نے کہا کہ میں نے محمد بن یحییٰ بن فارس سے سنا کہ: فَانْتَهَى النَّاسُ آلخ زہری کا قول ہے۔

شرح: مولانا نے ابوداؤد کی اس بحث کا کچھ تفصیل سے ذکر کرنے کے فرمایا ہے کہ جملہ فَانْتَهَى النَّاسُ آلخ قرین قیاس یہ ہے کہ ابوہریرہؓ کا قول ہے۔ زہری یا کوئی اور پیچھے کا راوی مثلاً معمر یہ بات وثوق سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ حضورؐ کی یہ بات سن کر لوگ جہری نمازوں میں قرأت سے باز آ گئے۔ یہ تو ابوہریرہؓ کو یا کسی اور صحابی کو علم ہو سکتا تھا کہ اس واقعہ کے بعد کیا ہوا۔ ابوہریرہؓ خود شریک واقعہ تھے وہی یہ کہہ سکتے تھے کہ جب یہ واقعہ ہوا تو پھر لوگوں کا یہ حال ہوا۔ پس یہ قولِ ابوہریرہؓ حکماً حدیث مرفوع ہے کیونکہ اس کی بنیاد حضورؐ کی وہ ناپسندیدگی ہے جس کا اظہار فرمایا تھا: مَالِي أُنَازَعُ الْقُرْآنَ۔ اور صحابہ سے یہی توقع تھی کہ وہ اس ناپسندیدگی کو دیکھ کر اس کا سبب فوراً دور کریں۔ اس بات پر کوئی دلیل یا قرینہ نہیں ہے کہ یہ زہری کا کلام ہے اور اس بات پر قرینہ موجود ہے کہ یہ ابوہریرہؓ کا کلام ہے۔ پس اُن محدثین پر تعجب ہے جو اسے زہری کا کلام قرار دیتے ہیں۔

بَابُ مَنْ رَأَى الْقِرَاءَةَ إِذَا لَمْ يَجْهَرْ

غیر جہری نماز میں قرأت کا باب۔

۸۲۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ نَا شُعْبَةُ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ الْعَبْدِيُّ أَنَا شُعْبَةُ الْمَعْنَى عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَارَةَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ فَجَاءَ رَجُلٌ فَقَرَأَ خَلْفَهُ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى

فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ أَيُّكُمْ قَرَأَ قَالُوا رَجُلٌ قَالَ قَدْ عَرَفْتُ أَنَّ بَعْضَكُمْ خَالَجَنِيهَا قَالَ أَبُو دَاوُدَ قَالَ أَبُو الْوَلِيدِ فِي حَدِيثِهِ قَالَ شُعْبَةُ فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ أَلَيْسَ قَوْلُ سَعِيدٍ أَنْصِتْ لِلْقُرْآنِ قَالَ ذَاكَ إِذَا جَهَرَ بِهِ وَقَالَ ابْنُ كَثِيرٍ فِي حَدِيثِهِ قَالَ قُلْتُ لِقَتَادَةَ كَأَنَّهُ كَرِهَهُ قَالَ لَوْ كَرِهَهُ نَهَى عَنْهُ۔

عمران بن حصین سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھی۔ ایک آدمی آیا اور اس نے آپ کے پیچھے سورۂ اعلیٰ پڑھی۔ جب آپؐ فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تم میں سے کس نے قرأت کی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ایک مرد نے کی تھی۔ آپؐ نے فرمایا میں نے پہچان لیا تھا کہ تم میں سے کسی نے میری قرأت میں گڑبڑ کی ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ ابوالولید نے اپنی حدیث میں کہا، شعبہ نے کہا کہ میں نے قتادہ سے کہا کہ کیا سعید کا یہ قول نہیں تھا کہ: قرآن کو خاموش ہو کر سن؟ اس نے کہا یہ اس وقت ہے جبکہ امام جہر سے پڑھے۔ اور ابن کثیر نے اپنی حدیث میں کہا کہ شعبہ نے کہا میں نے قتادہ سے کہا: گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کو ناپسند فرمایا۔ اس نے کہا کہ اگر ناپسند فرماتے تو اس سے منع فرما دیتے۔

شرح: ظہر کی نماز میں تو قرأت ہے ہی پوشیدہ پس جس شخص نے حضورؐ کے پیچھے قرأت کی تھی۔ اُس صحابی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ حضورؐ تو آہستہ پڑھتے ہوں اور وہ آواز سے پڑھنے لگتا۔ مگر چونکہ وہ سرگوشی (ہمس) سے پڑھتا تھا لہذا خلجان کا باعث بنا۔ مولانا نے فرمایا ہے کہ اس باب کا عنوان (باب من رأی القرأۃ اذا لم یجھر) تمام موجودہ نسخوں میں موجود ہے مگر عون المعبود میں یہ عنوان نہیں ہے۔ اور مجتبائی نسخے میں حاشیے پر عنوان یوں ہے (باب من لم یری القرأۃ اذا لم یجھر) اور اس باب کی احادیث اس عنوان کے مناسب ہیں نہ کہ مذکورہ عنوان کے۔

یہ حدیث اس باب پر دلالت کرتی ہے کہ امام کے پیچھے مطلقاً قرأت ممنوع ہے کیونکہ یہ نماز جہری نہیں بلکہ سری تھی۔ پڑھنے والے شخص سے یہ توقع تو نہیں کہ اس نے بآواز بلند قرأت کی ہوگی ورنہ حضور کو پتہ چل جاتا اور یہ پوچھنے کی نوبت نہ آتی کہ تم میں سے کس نے قرأت کی ہے۔ بیہقی نے محض بے دلیل کتاب القرأۃ میں لکھا ہے کہ اس شخص نے بالجہر قرأت کی تھی اور یہی بات حضورؐ کو بری لگی۔ بیہقی نے اس پر اپنی طرف سے گویا بطور دلیل کہا ہے کہ حضورؐ یہ پوچھا تھا: تم میں سے سورۂ اعلیٰ کس نے پڑھی ہے، پس اگر قرأت آہستہ ہوتی تو اس سورت کا آپؐ کو کیسے علم ہوجاتا؟ حالانکہ یہ قصہ نماز ظہر کا ہے پس بیہقی کیا یہ بھول گئے کہ ظہر سری نماز ہے۔ صحابہ سے یہ توقع نہ تھی کہ کسی سری نماز میں حضورؐ کے پیچھے قرأت کرنے لگتے۔ جہاں تک مخالجہ کا تعلق ہے اس کے لیے ضروری نہ تھا کہ بالجہر قرأت سے ہی پیدا ہوتا، کسی امر مکروہ کے ارتکاب سے بھی مخالجہ ہوسکتا تھا۔ اور اس کی نظیر نسائی کی روایت میں ہے کہ حضورؐ نے نماز فجر پڑھائی اور سورۂ روم کی قرأۃ میں التباس ہوگیا تو نماز سے فارغ ہوکر فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں مگر طہارت اچھی طرح نہیں کرتے، ہم پر قرآن میں التباس وہی لوگ ڈالتے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے

اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے، اور بڑے اصول حدیث جب حدیث صحیح سے تعارض نہ ہو تو حدیث حسن کا حکم بھی حدیث صحیح جیسا ہے۔ پس جس طرح کسی کے اچھی طرح طہارت نہ کرنے سے حضورؐ کی طبیعت منغص ہوئی اور التباس واقع ہو گیا اس طرح آپ کے پیچھے پوشیدہ قرأت سے بھی التباس ہو گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس شخص نے پڑھا تو آہستہ ہو مگر سرگوشی کی آواز کے باعث مخالجہ ہو گیا ہو۔ جہاں تک حضورؐ کے سورت کا نام لینے کا تعلق ہے یہ ثابت نہیں ہے۔ اور کسی روایت میں موجود نہیں ہے کہ حضورؐ نے یہ فرمایا تھا کہ سورۂ اعلیٰ کس نے پڑھی ہے؟ صرف سعید بن ابی عروبہ نے قتادہ سے جو روایت کی ہے اس میں یہ لفظ ہے۔ باقی تمام ثقات وحفاظ کی روایت کے خلاف یہ لفظ ثابت نہیں ہے۔

ابوداؤدؒ نے حدیث کے آخر میں جو کلام کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ شعبہ نے قتادہ سے پوچھا کہ آپ کا استاد سعید بن المسیب قرآن کے لیے خاموشی کا حکم دیتا ہے اور آپ قرأت کرتے ہیں۔ قتادہ نے کہا کہ سعید کا یہ قول جہری نماز کے متعلق ہے۔ دوسری روایت کے مطابق شعبہ نے قتادہ سے پوچھا کہ حضورؐ کا یہ سوال جو اس حدیث میں ہے یہ کراہت کی دلیل ہے، تو قتادہ نے کہا کہ اگر آپ اسے مکروہ جانتے تو منع فرما دیتے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ قتادہ کا اپنا خیال ہے۔ جس حدیث کو اس نے روایت کیا ہے وہ بتاتی ہے کہ یہ نماز جہری نہیں بلکہ سری تھی (نماز ظہر تھی) پس اس سے یہ کیسے نکلا کہ سعیدؒ کا قول جہری نماز کے لیے ہے سری کے لیے نہیں؟ اس حدیث سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ یہ حکم جہری وسری دونوں پر مشتمل ہے، بالخصوص اس لیے کہ خود یہ واقعہ سری نماز کا تھا۔ حدیث عمرانؓ بھی اور سعید بن المسیب کا قول بھی جہری اور سری دونوں نمازوں کو محیط ہیں۔ بلا دلیل فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَاَنْصِتُوا کو مخصوص کرنا درست نہیں ہے۔

رہا قتادہ کا دوسری روایت کے مطابق یہ کہنا کہ: لَوْ كَرِهَهُ نَهَى عَنْهُ۔ اگر حضورؐ ناپسند کرتے تو منع فرما دیتے، چونکہ منع نہیں فرمایا لہٰذا ثابت ہوا کہ حضورؐ کے نزدیک یہ مکروہ نہ تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس عبارت کا مفاد یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ بقول قتادہ اس سے اباحت ثابت ہوئی، کیونکہ کسی چیز کو مکروہ نہ جاننا بالفاظ دیگر اسے مباح قرار دینا ہے جیسا کہ اصول میں یہ قاعدہ مسلّم ہے۔ دوسرے حضورؐ کا یہ فرمانا کہ: قَدْ عَرَفْتُ اَنَّ بَعْضَكُمْ خَالَجَنِيهَا، اظہار کراہت کے لیے کافی تھا کیونکہ حکم کی علت جو تھی وہ مخالجہ تھی، سو جب حکم کی علت پر تنبیہ فرما دی تو گویا خود حکم پر یہ چیز بطور نص فرما دی گئی، صراحۃً اسے مکروہ ٹھہرانا ضروری نہ رہا۔ علاوہ ازیں قتادہ کا یہ قول کلام سابق کے خلاف ہے کیونکہ اس کا یہ کہنا کہ: ذَاكَ اِذَا جَهَرَ بِهِ جہری نماز میں قرأت خلف الامام کو مکروہ قرار دیتا ہے اور یہ بات جو بعد میں بیان ہوئی ہے یہ کراہت کی مطلقاً نفی کرتی ہے (خواہ جہری نماز ہو خواہ سری) پس قتادہ کی مراد اگر یہ تھی کہ وہ نہی صریح کا انکار کر رہا تھا کہ حضورؐ سے نہی صریح نہیں آئی) تو جیسا کہ ہم نے اوپر بتایا یہ ضروری نہ تھا۔ جو کچھ حضورؐ کی زبان مبارک سے نکلا وہی کافی تھا۔ اور اگر قتادہ کی مراد یہ تھی کہ حضورؐ نے مطلقاً نہی اور کراہت نہیں فرمائی تو قتادہ کا یہ سمجھنا غلط تھا، بلکہ صحیح بات اس صورت میں وہی تھی جو شعبہ نے سمجھی کیونکہ حضورؐ کا انکار ان الفاظ میں موجود ہے کہ: قَدْ عَرَفْتُ اَنَّ بَعْضَكُمْ خَالَجَنِيهَا آپ نے حکم علت کی وضاحت فرما دی۔ بہرحال قتادہ کا قول نفی کراہت کے بارے میں بے دلیل ہے۔ قراءت خلف الامام سے نہی صرف اسی

حدیث میں نہیں بلکہ حجاج بن ارطاۃ عن قتادہ کی حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔ اس حدیث کو بیہقی نے کتاب القرأۃ اور دار قطنی نے بھی اس طریق سے بیان کیا ہے: سمرہ بن الفضل .... حجاج بن ارطاۃ ..... قتادہ ..... زرارہ بن اوفیٰ .... عمران بن حصینؓ۔ عمرانؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اور ایک شخص آپؐ کے پیچھے قرأت کر رہا تھا۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِي يُخَالِجُنِي سُورَتِي " وہ کون ہے جو میری سورت میں خلجان ڈالتا تھا" پس آپؐ نے قرأتِ خلف الامام سے منع فرما دیا۔ بیہقی نے اس حدیث کو ضعیف ٹھہرایا ہے، اور کہا ہے کہ ابن ساعد کے بقول آخری فقرہ: پس آپؐ نے قرأتِ خلف الامام سے منع فرما دیا، صرف حجاج بن ارطاۃ کی روایت میں ہے۔ اس حدیث کو قتادہ سے شعبہ، ابن ابی عروبہ، معمر، اسماعیل بن ابی مسلم، حجاج بن حجاج، ایوب بن ابی مسکین، ہمام، ابان اور سعید بن بشیر نے روایت کیا ہے مگر کسی نے یہ آخری جملہ نہیں بولا۔ پس حجاج بن ارطاۃ اس میں متفرد ہے۔ اس کے بعد بیہقی نے دار قطنی کی حدیث نقل کی اور دار قطنی کا قول بیان کیا کہ: فَنَهَاهُمْ عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ، یہ فقرہ حجاج کا وہم ہے پھر بحث کے آخر میں بیہقی نے کہا کہ اس میں یہ دلالت موجود ہے کہ یہ فقرہ حجاج بن ارطاۃ کا وہم ہے اس نے اسے قتادہ سے سن کر روایت نہیں کیا، اور حجاج کے اس قسم کے کئی اوہام ہیں جن کی کثرت کے باعث انہیں یہاں بیان کرنا ممکن نہیں ہے، یہی سبب ہے کہ علمائے حدیث کے نزدیک حجاج بن ارطاۃ حدِّ اعتماد سے گر گیا ہے۔ مثلاً یحییٰ بن معین نے کہا کہ حجاج بن ارطاۃ کی حدیث لائقِ احتجاج نہیں ہے۔ یحییٰ بن سعید القطان اس کی روایت نہیں لیتے تھے۔

مولانا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک حجاج بن ارطاۃ کی تضعیف محلِّ نظر ہے۔ میزان الاعتدال میں ہے کہ ابن حبان اور ابن عدی نے حجاج کے احوال کو کافی طویل بیان کیا ہے اور مفید باتیں لکھی ہیں۔ سب سے بڑا اعتراض جو حجاج پر ہوا ہے وہ اس کی تدلیس ہے اور اس میں تیہ فخر و خود پسندی پائی جاتی ہے جو اہلِ علم کے لائق نہیں۔ امام احمدؒ کا قول ہے کہ حجاج حُفّاظِ حدیث میں سے تھا، ابو غالب نے امام احمدؒ سے نقل کیا ہے کہ حجاج حافظِ حدیث تھا۔ کسی نے کہا کہ پھر بعض لوگ اس پر اعتراض کیوں کرتے ہیں؟ تو کہا کہ اور لوگوں کی نسبت اس کی حدیث میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور شعبہ نے کہا کہ حجاج بن ارطاۃ اور ابن اسحاق دونوں کی حدیث لکھو کیونکہ وہ دونوں حافظ ہیں۔ تہذیب التہذیب میں ابن عیینہ کا قول منقول ہے کہ میں نے ابن ابی نجیح سے سنا: ہمارے پاس تم میں سے کوئی بھی حجاج بن ارطاۃ جیسا نہیں آیا۔ سفیان ثوری نے کہا کہ حجاج سے چمٹے رہو کیونکہ اب کوئی اس جیسا اور باقی نہیں رہا جس کے سر سے وہ کچھ باہر آئے جو حجاج کے سر سے نکلتا ہے۔ عجلی نے کہا کہ حجاج فقیہ تھا اور کوفہ کے مفتیوں میں سے تھا، صرف اس میں فخر پایا جاتا تھا، اس کا قول ہے کہ: شرف کی محبت نے مجھے ہلاک کر ڈالا، اور وہ جائز الحدیث تھا مگر اس میں ارسال (تدلیس) بھی تھا اور وہ یحییٰ بن ابی کثیر اور مکحول سے تدلیس کیا کرتا تھا حالانکہ اس نے دونوں سے حدیث نہیں سنی، اور لوگ اس میں صرف اس تدلیس ہی کے عیب کو جانتے تھے، وہ حافظ تھا، مدلس تھا مگر خود پسند تھا۔ شعبہ اس کی بہت تعریف کرتا تھا۔ اس سے ملاقات کرنے والوں میں سے میں سوائے عبد اللہ بن ادریس کے اور کسی کو نہیں جانتا جس نے اس سے روایت ترک کی ہو۔ اس ساری بحث

کا خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے حجاج کی حدیث ترک کی صرف تدلیس کی وجہ سے کی، ورنہ وہ حافظ حدیث تھا۔

۸۳۰۔ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنّٰى نَا ابْنُ اَبِیْ عَدِیٍّ عَنْ سَعِیْدٍ عَنْ قَتَادَۃَ عَنْ زُرَارَۃَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ اَنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی بِھِمْ فَلَمَّا انْفَتَلَ قَالَ اَیُّکُمْ قَرَأَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی فَقَالَ رَجُلٌ اَنَا فَقَالَ عَلِمْتُ اَنَّ بَعْضَکُمْ خَالَجَنِیْھَا۔

عمران رضی اللہ عنہ بن حصین سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا: تم میں سے کس نے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی پڑھی ہے؟ ایک شخص نے کہا کہ میں نے پڑھی ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے معلوم ہوگیا تھا کہ تم میں سے بعض نے میری قراءت میں گڑبڑ کی ہے (اس حدیث پر گفتگو ابھی اوپر گزری ہے)

بَابُ مَا یُجْزِئُ الْاُمِّیَّ وَالْاَعْجَمِیَّ مِنَ الْقِرَاءَۃِ

باب اس مسئلے میں کہ ان پڑھ آدمی کو اور قراءۃ نہ کر سکنے والے کو کیا کرنا چاہیئے؟

۸۳۱۔ حَدَّثَنَا وَھْبُ بْنُ بَقِیَّۃَ اَنَا خَالِدٌ عَنْ حُمَیْدٍ الْاَعْرَجِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْکَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَفِیْنَا الْاَعْرَابِیُّ وَالْعَجَمِیُّ فَقَالَ اِقْرَءُوْا فَکُلٌّ حَسَنٌ سَیَجِیْءُ اَقْوَامٌ یُقِیْمُوْنَہٗ کَمَا یُقَامُ الْقِدْحُ یَتَعَجَّلُوْنَہٗ وَلَا یَتَاَجَّلُوْنَہٗ۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس گھر سے تشریف لائے اور ہم قرآن پڑھ رہے تھے ہم میں بعض بدوی تھے اور بعض عجمی تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: پڑھو تم سب کی قراءت اچھی ہے۔ عنقریب کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو قرآن کو تیر کی مانند سیدھا کریں گے، اس کا اجر و ثواب دنیا میں ہی طلب کریں گے اور آخرت کا اجر طلب نہ کریں گے۔

شرح: یعنی قرآن کو خلوص نیت سے پڑھنے والا گو اس کے الفاظ کو بالکل صحیح طور پر مخارج سے ادا نہ کر سکے تاہم اس کی نیک نیتی کا ثواب اسے ضرور ملتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی شخص صرف اس کے الفاظ کی ادائیگی اور تلفظ کی صحت میں ہی الجھ کر رہ جائے اور اس کے ذریعے سے دنیا کمانے کی کوشش کرے، آخرت کی طرف سے غافل رہے اور روح ولبِ قرآن کی جو اصل غرض ہے اسے نظر انداز کر دے تو یہ شخص اجر و ثواب سے

محروم ہے۔ اس کا حال ان یہودی علماء وقراء جیسا ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّإِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ۝ "میری آیتوں کو دنیا کمانے کا ذریعہ مت بناؤ اور مجھ سے ہی ڈرو"۔ اس حدیث سے یہ پتہ چلا کہ نزول قرآن کی اصل غرض اس کے معانی ومطالب میں تدبر وتفکر ہے، تاکہ اسے زندگی کا دستور العمل بنایا جائے، اس سے نصیحت وہدایت اور عبرت حاصل کی جائے اور عملی زندگی کو اس کے مطابق بنایا جائے۔ گو صحتِ لفظی اور حروف کی ان کے مخارج سے ادائیگی بھی مطلوب ہے مگر اصل مقصود صرف ظاہری تلاوت نہیں۔ قرآن ساری دنیا کے لیے اُترا ہے اور سب لوگ اس کے مخاطب ہیں، لہٰذا حسبِ استطاعت اسے صحیح بھی ضرور پڑھا جائے لیکن کوشش کے باوجود جو لوگ اس کی قرات اچھی طرح نہ کرسکیں وہ بھی قاریٔ قرآن کہلانے کے حقدار ہوں گے۔ قرأت کا معاملہ کچھ نرمی اور مساہلت پہ مبنی ہے۔ صرف الفاظ میں الجھ کر رہ جانا اور قرآنی عبارت کو ہی اصل مقصود بنا لینا مطلوبِ شرع نہیں ہے۔

۸۳۲۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِيْ عَمْرُو بْنُ لَهِيْعَةَ عَنْ بَكْرِ بْنِ سَوَادَةَ عَنْ وَفَاءِ بْنِ شُرَيْحٍ الصَّدَفِيِّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا وَنَحْنُ نَقْتَرِئُ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ كِتَابُ اللهِ وَاحِدٌ وَفِيْكُمُ الْأَحْمَرُ وَفِيْكُمُ الْأَبْيَضُ وَفِيْكُمُ الْأَسْوَدُ اِقْرَأُوْهُ قَبْلَ أَنْ يَقْرَأَهُ أَقْوَامٌ يُقِيْمُوْنَهُ كَمَا يُقَوَّمُ السَّهْمُ يَتَعَجَّلُ أَجْرَهُ وَلَا يَتَأَجَّلُهُ۔

سہل بن سعد ساعدی رضؓ نے کہا کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف برآمد ہوئے اور اس وقت ہم لوگ قرآن کی قرآت کر رہے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا: الحمد للہ! اللہ کی کتاب ایک ہے اور تم میں سُرخ بھی ہیں اور سفید بھی اور سیاہ بھی (یعنی ہر نسل کے مختلف اطراف وجوانب کے لوگ دنیا میں بستے ہیں)، قرآن کو پڑھو قبل اس کے کہ کچھ لوگ اسے پڑھیں گے اس کے الفاظ وحروف کو تیر کی مانند سیدھا کریں گے مگر اس کا اجر دنیا میں ہی طلب کریں گے اور آخرت ان کے پیش نظر نہ ہوگی۔

شرح: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سُرخ رنگ کے عرب، سفید رنگ کے رومی اور سیاہ فام حبشی، غرض مُلک مُلک کے باشندے اور کئی نسلوں کے لوگ موجود تھے۔ یہ بھی اس بات کی دلیل تھی کہ آپؐ کا پیغام آفاقی اور دائمی ہے۔ پھر اس قرآن کا پیغام ساری دنیا کے انسانوں تک پہنچنے والا تھا، کسی ملک، قوم، رنگ یا نسل کے ساتھ مخصوص نہ تھا۔ ہر ملک وقوم اور علاقے کا اپنا اپنا مخصوص لہجہ ہوتا ہے، لہٰذا یہ آسانی رکھ دی گئی کہ ہر شخص اپنی قوت واستطاعت کے مطابق اس کتاب پاک کو پڑھے اور اس کے نزول کی جو اصل غرض ہے اسے مدِّنظر رکھے۔

۸۳۳۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ نَا وَكِيْعُ بْنُ الْجَرَّاحِ نَا سُفْيَانُ

الثَّوْرِيُّ عَنْ أَبِي خَالِدٍ الدَّالَانِيِّ عَنْ إِبْرَاهِيمَ السَّكْسَكِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي لَا أَسْتَطِيعُ أَنْ آخُذَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْئًا فَعَلِّمْنِي مَا يُجْزِئُنِي مِنْهُ فَقَالَ قُلْ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ هٰذَا لِلّٰهِ فَمَا لِي قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ ارْحَمْنِي وَارْزُقْنِي وَعَافِنِي وَاهْدِنِي فَلَمَّا قَامَ قَالَ هٰكَذَا بِيَدِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا هٰذَا فَقَدْ مَلَأَ يَدَهُ مِنَ الْخَيْرِ۔

عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ نے کہا کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں قرآن سے کچھ حاصل کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا لہٰذا آپ مجھے کچھ سکھائیں جو میرے لیے کافی ہو سکے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کہہ: سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ "اللہ پاک ہے اور تعریف اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے، اور نیکی کی طاقت اور بدی سے بچنے کی قوت صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے (جو نہایت برتر اور صاحبِ عظمت ہے)" اس نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو اللہ کے لیے ہوا پھر میرے لیے کیا ہے؟ فرمایا یوں کہہ: اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِي وَارْزُقْنِي وَاهْدِنِي۔ "اے اللہ مجھ پر رحم فرما اور مجھے رزق دے اور مجھے عافیت دے اور مجھے ہدایت عطا کر"، پس جب وہ شخص اُٹھا تو اس نے اپنے ہاتھ (یا دونوں ہاتھوں) سے یوں اشارہ کیا (گویا وہ حضورؐ کی بتائی ہوئی دعاؤں کو سمیٹ رہا تھا!) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جہاں تک اس شخص کا معاملہ ہے سو اس نے اپنا ہاتھ (یا اپنے دونوں ہاتھ) بھلائی سے بھر لیا ہے (لیے ہیں)

شرح: قرأتِ قرآن ارکانِ صلوٰۃ میں سے ہے لہٰذا قرآن کا کم از کم اتنا حصہ یاد کرنا ہر شخص کا فرض ہے جس سے نماز ادا ہو سکے۔ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ میں یہی حکم دیا گیا ہے اور اس آیت میں قرأت سے مراد نماز کے اندر کی قرأت ہے پس اس شخص کا سوال کسی ایسی دعا، وغیرہ کے متعلق تھا جسے وہ بطورِ ورد و وظیفہ پڑھا کرے۔ اور حضورؐ نے جو کلمات اور دعا سکھائی تھی اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ وہ شخص کیا پوچھ رہا تھا۔ جب تک کوئی شخص اتنا قرآن نہ سیکھ لے جس سے نماز ادا ہو سکے اس وقت تک وہ تسبیح و تحمید کرتا رہے بشرطیکہ اس کو کافی سمجھ کر تعلیم حاصل کرنے سے باز نہ رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے سوال پر اگر قرآن کا کوئی حصہ پڑھایا ہوتا تو یہ بات کہی جا سکتی تھی کہ وہ شخص اتنا قرآن بھی نہ جانتا تھا جس سے نماز ادا ہو سکتی۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ وہ کم از کم اتنی مقدار ضرور جانتا تھا جس سے نماز جائز ہو سکتی۔ یہ قول مولانا رشید احمدؒ گنگوہی کا ہے اور صاحب عون المعبود نے امام بغویؒ سے نقل کیا ہے کہ اس واقعہ کا تعلق ایک خاص حالت کے ساتھ تھا۔ ہر زمانے میں ہر شخص کا یہ حکم نہیں ہے کیونکہ جو آدمی وہ دعائیں سیکھ سکتا تھا جو حضورؐ نے اُسے سکھائی نہیں وہ اس قدر قرآن کیوں نہ سیکھ سکتا ہوگا؟ پس اگر نماز میں پڑھنے کے لیے

کچھ سیکھنا مطلوب ہوتا تو حضورؐ اسے قرآن کا کچھ حصہ یاد کرا تے۔ یا یوں کہیئے کہ وہ شخص نو مسلم تھا اور اس وقت جو نماز پڑھی جانے والی تھی اس میں پڑھنے کے لیے وہ کچھ نہ جانتا تھا اس لیے اسے اُس وقت کی نماز کے لیے یہ کلمات سکھائے گئے۔ پس حدیث میں یہ دلیل موجود نہیں ہے کہ قرآن کے بجائے بطور قرأت یہ دعاء مانگ لینا جائز ہے، دراصل وہی تاویل صحیح ہے جو اوپر مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھی گئی، کیونکہ وہ آدمی عربی تھا، قرآن کی کم از کم تین آیات (جس کم سے کم مقدار کی قرآن میں ایک سورت الکوثر موجود ہے!) سیکھ لینا اس کے لیے کچھ مشکل نہ تھا۔ یا پھر یوں کہا جائے گا کہ شروع میں اور احکام کی مانند قرأت کے باب میں بھی کچھ نرمی اور آسانی موجود تھی۔ ترمذی میں رفاعہؓ کی ایک حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: جب تو نماز کا قصد کرے تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق پہلے وضوء کر، پھر کلمۂ شہادت پڑھ (یا نماز میں خدا کے حضور حاضری دے۔ پس اگر تجھے قرآن کا کچھ حصہ یاد ہو تو اسے پڑھ ورنہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھ اور پھر رکوع کر۔

مولانا نے فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ابو خالد دالانی کثیر الخطاء ہے گو صادق القول بھی ہے اور مُدلّس بھی۔ دوسرا راوی ابراہیم سکسکی ضعیف الحفظ ہے گو بقول حافظ ابن حجر صادق القول ہے۔ اُس آنے والے شخص کا اشارہ کرنا جو اس روایت میں آیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے ہاتھ کا اشارہ یا دونوں ہاتھوں کا اشارہ کر کے بتایا کہ میں نے آپؐ کی بات کو سمجھ کر یاد کر لیا ہے اور اسے ایک قیمتی چیز کی مانند محفوظ رکھوں گا۔

۸۳۴۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ تَوْبَۃَ الرَّبِیْعُ بْنُ نَافِعٍ اَنَا اَبُوْ اِسْحَاقَ یَعْنِی الْفَزَارِیَّ عَنْ حُمَیْدٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ کُنَّا نُصَلِّی التَّطَوُّعَ نَدْعُوْ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّنُسَبِّحُ رُکُوْعًا وَّ سُجُوْدًا۔

جابر بن عبد اللہؓ نے کہا کہ ہم نفل پڑھتے قیام اور قعود میں دعائیں کرتے اور رکوع و سجود کی حالت میں تسبیح پڑھتے تھے۔

شرح: جابرؓ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نفل نماز میں صحابہ فقط دعاء پر اکتفاء کرتے تھے اور نفل میں قرأت قرآن فرض نہ تھی، یہ حدیث قرأت کی نفی نہیں کرتی بلکہ یہ بتاتی ہے کہ وہ حضرات قیام و قعود میں دعائیں کرتے تھے۔ نفل نماز میں حالتِ قیام میں اور حالتِ تشہد میں بے شک طویل دعائیں کی جائیں جیسا کہ اس سے پہلے ابتدائے صلوٰۃ میں طویل دعائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گزر چکی ہیں۔ صحیح حدیث میں سجدہ کی حالت میں بھی دعاء کی ترغیب موجود ہے کیونکہ اس وقت بندہ اپنے رب کے بہت قریب ہوتا ہے۔ رکوع و سجود کی تسبیح کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے وہ تسبیح رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ اور سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ہے۔ یہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ حضرت جابرؓ پر موقوف ہے لیکن اصحاب کے عام عمل کو بتاتی ہے جو حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

۸۳۵۔ حَدَّثَنَا مُوْسَی بْنُ اِسْمٰعِیْلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ حُمَیْدٍ مِثْلَہٗ لَمْ یَذْکُرِ التَّطَوُّعَ

قَالَ كَانَ الْحَسَنُ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ إِمَامًا أَوْ خَلْفَ إِمَامٍ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَيُسَبِّحُ وَيُكَبِّرُ وَيُهَلِّلُ قَدْرَ قٓ وَالذَّارِيَاتِ۔

دوسری سند سے وہی اوپر والی حدیث ہے مگر اس میں نفل نماز کا ذکر نہیں۔ اور حمید راوی حدیث حسن بصری رح کا عمل بتارہا ہے کہ وہ ظہر اور عصر کی نمازوں میں خود امام ہوتے یا کسی اور کے مقتدی ہوتے بہرحال سورۂ فاتحہ اور تسبیح و تکبیر اور تہلیل اتنی طویل کرتے جو سورۂ ق اور ذاریات کے طول کے برابر ہوتی تھی (امام ابوداؤد نے اس حدیث کی روایت کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ اوپر کی حدیث میں تو نفل کا ذکر تھا مگر اس میں نہیں آیا۔ نیز اوپر کی حدیث سے قرأت کی نفی نہیں ہوتی بلکہ یہ مراد ہے کہ قرأت کے علاوہ بھی دعائیں پڑھی جائیں۔ اور حسن بصری رح سے جو ثابت ہے یہ ان کی اپنی رائے ہے حدیث مرفوع نہیں ہے۔ فرض نماز کا معاملہ بروئے حدیث تخفیف پر مبنی ہوتا ہے اور نوافل میں بعض ایسی گنجائشیں ہیں جو فرض میں نہیں۔

بَابُ تَمَامِ التَّكْبِيرِ

نماز میں تکبیروں کی پوری ادائیگی کا باب۔

۸۳۶۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ نَا حَمَّادٌ عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ عَنْ مُطَرِّفٍ قَالَ صَلَّيْتُ أَنَا وَعِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ خَلْفَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَكَانَ إِذَا سَجَدَ كَبَّرَ وَإِذَا رَكَعَ كَبَّرَ وَإِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ فَلَمَّا انْصَرَفْنَا أَخَذَ عِمْرَانُ بِيَدِي وَقَالَ لَقَدْ صَلَّى هٰذَا قَبْلُ أَوْ قَالَ لَقَدْ صَلَّى بِنَا هٰذَا قَبْلُ صَلٰوةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

مطرف نے کہا کہ میں نے اور عمران بن حصین رض نے علی بن ابی طالب رض کے پیچھے نماز پڑھی۔ پس جب آپ سجدہ کرتے تو تکبیر کہتے اور جب رکوع کرتے تو تکبیر کہتے اور جب دو رکعتوں کے بعد اٹھے تو تکبیر کہی۔ جب ہم نے نماز ختم کی تو عمران رض نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ: اس شخص نے ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز پڑھی ہے یا یہ کہا کہ اس شخص نے ابھی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز پڑھائی ہے۔

شرح، یہ قصہ بخاری میں بھی بیان ہوا ہے اور اس میں صراحت موجود ہے کہ یہ واقعہ بصرہ کا ہے۔ حافظ ابن حجر رح نے لکھا ہے کہ یہ قصہ جنگ جمل کے بعد کا ہے اور سعید بن منصور نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ مسند احمد اور مصنف عبدالرزاق میں اس کا وقوع کوفہ میں بتایا گیا ہے۔ مولانا نے فرمایا ہے کہ ممکن ہے دونوں جگہ مطرف اور عمران بن رض

حصین نے حضرت علیؓ کی اقتداء میں نماز پڑھی ہو۔ بخاری، مسلم، نسائی اور مسند احمد میں یہ حدیث مختلف سندوں سے آئی ہے مگر وہاں اس میں: وَاِذَا رَکَعَ کَبَّرَ کا لفظ نہیں آیا، بلکہ بخاری و مسلم میں ہے کہ: جب اپنا سر اٹھایا تو تکبیر کہی نسائی کے الفاظ یہ ہیں کہ: اور جب سجدے سے سر اٹھایا تو تکبیر کہی۔ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ: جب بھی سجدہ کیا اور اپنا سر اٹھایا تو تکبیر کہی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: رکوع کے وقت یہ تکبیر کہی۔ اور مسند کی ایک روایت میں ہے: وہ جب سجدہ کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے تھے، مگر اس روایت میں ایک مجہول راوی ہے۔ اور مسند کی ایک اور روایت میں ہے: جب سجدہ کرتے تو تکبیر کہتے اور جب سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے اور جب دو رکعات پڑھ کر اٹھے تو تکبیر کہی اور اسی طرح مسند کی ایک روایت میں بھی ہے۔ اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ حدیث کے اصل الفاظ تو یوں تھے: وَاِذَا رَفَعَ کَبَّرَ۔ لیکن کاتب کے سہو سے رَفَعَ کے بجائے رَکَعَ لکھا گیا۔ حضرت عمرانؓ کے قول میں اس نماز کی مماثلت جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سا تھ نشیب و فراز میں تکبیر کہنے میں تھی۔

علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ ابن مسعودؓ کی حدیث میں جو یہ الفاظ ہیں: رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُکَبِّرُ فِیْ کُلِّ رَفْعٍ وَخَفْضٍ وَقِیَامٍ وَّقُعُوْدٍ۔" میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے ہر نشیب و فراز اور قیام و قعود میں تکبیر کہتے دیکھا" اس کے متعلق امام نوویؒ کا قول ہے کہ یہ تکبیریں اس زمانے میں بھی اور گزشتہ ادوار میں بھی ساری امت مسلمہ میں متفق علیہ رہی ہیں۔ ابوہریرہؓ کے وقت میں اس مسئلہ میں کچھ اختلاف تھا اور بعض علماء کے نزدیک تکبیر صرف ابتدائے صلوٰۃ میں ہے (یعنی تکبیر تحریمہ) امام بغویؒ نے شرح السنہ میں کہا ہے کہ ان تکبیرات پر ساری امت کا اجماع ہے ابن سید الناس نے بھی "بعض لوگوں" کے حوالے سے کہ صرف تکبیر تحریمہ مشروع ہے اور اس کی حکایت حضرت عمر بن الخطابؓ، قتادہ، سعید بن جبیر، عمر بن عبدالعزیزؒ اور حسن بصریؒ کی طرف سے کی گئی ہے۔ اور ابن المنذر نے یہی قول القاسم بن محمد اور سالم بن عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ہے۔ ابن بطالؒ نے اس سلسلے میں بعض اور حضرات کا نام بھی لیا ہے مثلاً معاویہؓ بن ابی سفیانؓ اور ابن سیرین حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ بعض اہل علم کے نزدیک تکبیر صرف نماز با جماعت میں مسنون ہے، جو شخص اکیلا نماز پڑھے اس کے لیے تکبیر نہ کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ امام احمدؒ نے کہا کہ منفرد کے لیے بھی تکبیر کہنا میرے نزدیک زیادہ مستحب ہے بشرطیکہ فرض نماز نہ ہو، نفل میں نہیں۔ امام طحاویؒ نے نقل کیا ہے کہ بنی امیہ نشیب میں تکبیر نہ کہتے تھے اور فراز میں کہتے تھے۔ یعنی مثلاً رکوع کو جاتے وقت اور سجدوں کو جاتے وقت وہ تکبیر ترک کرتے تھے مگر رکوع اور سجدے سے اٹھتے وقت یا رکعت سے یا دو رکعتوں سے اوپر اٹھتے وقت تکبیر کہتے تھے۔ تکبیر کی مشروعیت کے قائل اس امر میں مختلف ہیں کہ تکبیر کی حیثیت کیا ہے؟ جمہور کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے وجوب میں تو کلام نہیں مگر اس کے ماسوا تکبیر مستحب ہے۔ امام احمدؒ نے ایک روایت میں اور بعض اہل ظاہر نے بھی نماز کی ہر تکبیر کو واجب قرار دیا ہے۔

۸۳۷۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ نَا اَبِیْ وَبَقِیَّۃُ عَنْ شُعَیْبٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ

قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْبَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَاَبُوْسَلَمَةَ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يُكَبِّرُ فِيْ كُلِّ صَلٰوةٍ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ اَوْغَيْرِهَا يُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْكَعُ ثُمَّ يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ثُمَّ يَقُوْلُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ قَبْلَ اَنْ يَسْجُدَ ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ اَكْبَرُ حِيْنَ يَهْوِيْ سَاجِدًا ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَسْجُدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ مِنَ الْجُلُوْسِ فِي اثْنَتَيْنِ فَيَفْعَلُ ذٰلِكَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنَ الصَّلٰوةِ ثُمَّ يَقُوْلُ حِيْنَ يَنْصَرِفُ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنِّيْ لَاَقْرَبُكُمْ شِبْهًا بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ كَانَتْ هٰذِهٖ لَصَلَاتَهٗ حَتّٰى فَارَقَ الدُّنْيَا قَالَ اَبُوْدَاوُدَ هٰكَذَا الْكَلَامُ الْاَخِيْرُ يَجْعَلُهٗ مَالِكٌ وَالزُّبَيْدِيُّ وَغَيْرُهُمَا عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ وَوَافَقَ عَبْدُ الْاَعْلٰى عَنْ مَعْمَرٍ وَشُعَيْبِ بْنِ اَبِيْ حَمْزَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ۔

ابوبکر بن عبدالرحمن اور ابوسلمہ کا بیان ہے کہ ابوہریرہ رضؓ فرض نفل نمازوں میں تکبیریں کہتے تھے۔ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے پھر رکوع کرتے وقت تکبیر کہتے پھر سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے پھر رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کہتے سجدہ کرنے سے پہلے۔ پھر جب سجدہ کے لیے جھکتے تو اللہ اکبر کہتے، پھر سجدے سے سر اٹھاتے ہوئے تکبیر کہتے، پھر سجدہ کو جاتے ہوئے تکبیر کہتے پھر سجدے سے سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے پھر جب دو رکعتیں ختم کر کے اٹھتے تو تکبیر کہتے، پس وہ ہر رکعت میں اسی طرح کرتے حتیٰ کہ نماز سے فارغ ہو جاتے پھر جب نماز سے فارغ ہوتے تو کہتے: خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تم سب سے زیادہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہوں۔ آپؐ کی نماز ایسی ہی رہی حتیٰ کہ آپؐ دنیا سے جدا ہو گئے۔ ابوداؤد نے کہا کہ آخری جملہ مالک اور زبیدی وغیرہما کے نزدیک زہری کا جملہ ہے جو اس نے علی بن حسین رضؓ سے نقل کیا اور عبدالاعلیٰ نے معمر سے روایت کر کے شعیب بن ابی حمزہ کی روایت عن الزہری کی موافقت کی ہے (یعنی یہ آخری جملہ بعض رواۃ کے نزدیک ابوہریرہ رضؓ کا قول ہے جیسا کہ اس روایت سے یہی نظر آتا ہے اور عبدالاعلیٰ عن معمر کی روایت اس کے موافق ہے۔ مگر مالک اور زبیدی کے نزدیک یہ کلام حضرت زین العابدینؒ کا ہے)

۸۳۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَابْنُ الْمُثَنّٰى قَالَا نَا اَبُوْدَاوُدَ نَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عِمْرَانَ قَالَ ابْنُ بَشَّارٍ الشَّامِيُّ قَالَ اَبُوْدَاوُدَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ الْعَسْقَلَانِيُّ

عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰى عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ صَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ لَا يُتِمُّ التَّكْبِيْرَ قَالَ اَبُوْ دَاوُدَ مَعْنَاهُ اِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ وَاَرَادَ اَنْ يَسْجُدَ لَمْ يُكَبِّرْ وَاِذَا قَامَ مِنَ السُّجُوْدِ لَمْ يُكَبِّرْ۔

عبدالرحمن ابن ابزی سے روایت ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور آپؐ تکبیر کو پورا نہ کرتے تھے۔ ابو داؤد نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ: جب رکوع سے سر اٹھاتے اور سجدے کا ارادہ کرتے تو تکبیر نہ کہتے اور جب سجدہ کر کے اٹھتے تو تکبیر نہ کہتے۔

شرح: امام ابو داؤد کے نزدیک: کَانَ لَا يُتِمُّ التَّكْبِيْرَ کا معنی یہ ہے کہ تکبیرات صلاۃ کی تعداد پوری نہ کرتے تھے اور سجدہ کو جاتے اور جلسہ میں آتے وقت تکبیر نہ کہتے تھے۔ لیکن اتمام تکبیر کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تکبیر کو لمبا کر کے نہ کہتے تھے بلکہ جلدی سے اللہ اکبر کہہ دیتے تھے۔ اس روایت کا راوی الحسن بن عمران شامی عبداللہ عسقلانی مجہول ہے۔ امام بخاری نے تاریخ میں ابو داؤد طیالسی سے نقل کیا ہے کہ یہ روایت ہمارے نزدیک باطل ہے۔ طبری اور بزار کا قول ہے کہ حسن بن عمران شامی اس روایت میں منفرد ہے اور وہ مجہول ہے۔ اگر اس روایت کو صحیح بھی مانا جائے تو ابو داؤد کی شرح کے مطابق ایسا بیان جواز کے لیے ہوا ہوگا۔

بَابُ كَيْفَ يَضَعُ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ

گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھنے کی کیفیت کا باب

۸۳۹۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَحُسَيْنُ بْنُ عِيْسٰى قَالَا نَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنَا شَرِيْكٌ عَنْ عَاصِمِ ابْنِ كُلَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَاِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ۔

وائل بن حجرؓ نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب سجدہ کرتے تو گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے نیچے رکھتے اور جب اوپر کو اٹھتے تو ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے تھے۔

شرح: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سجدہ کے لیے نیچے جانے اور دوسری رکعت کے لیے اوپر اٹھنے کی بالکل یہی کیفیت مسنون ہے جو اس حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ امام شافعیؒ نے نیچے جانے کی کیفیت تو یہی رکھی ہے مگر اوپر اٹھنے کی کیفیت میں اختلاف کیا ہے۔ اس حدیث کو ترمذی نے بھی روایت کیا اور کہا کہ یہ حسن غریب ہے، حاکم نے اسے مسلم کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے اور ابن حبان نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔ بقول حافظ ابن حجر امام نووی

نے اس حدیث کے دوسرے نصف حصّے کو ضعیف ٹھہرایا ہے لہٰذا ہمارے اصحاب کا متفق علیہ مذہب یہ ہے
کہ قیام کے وقت نمازی اپنی ہتھیلیوں کے باطن پر بوجھ ڈال کر اٹھے اور اس کی انگلیاں زمین پر پھیلی رہیں۔
پھر حافظ ابن حجر نے اس روایت پر اور اس مضمون کی دوسری احادیث پر ضعف کا حکم لگایا ہے۔ مولانا نے فرمایا
کہ روایات جب کثیر ہوں تو ان میں قوت آجاتی ہے اور امام ترمذی نے وائل بن حجر کی اس حدیث کی تحسین کی
ہے اور حاکم اور ابن حبان نے تصحیح کی ہے اور یہ لوگ امام نوویؒ سے زیادہ جلیل القدر ہیں۔

٨۴٠۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَعْمَرٍ نَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ نَا هَمَّامٌ نَا مُحَمَّدُ بْنُ جُحَادَةَ عَنِ الْجَبَّارِ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ حَدِيثَ الصَّلٰوةِ قَالَ فَلَمَّا سَجَدَ وَقَعَتَا رُكْبَتَاهُ إِلَى الْأَرْضِ قَبْلَ أَنْ يَقَعَا كَفَّاهُ قَالَ هَمَّامٌ نَا شَقِيقٌ حَدَّثَنِي عَاصِمُ بْنُ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ هٰذَا وَفِي حَدِيثِ أَحَدِهِمَا وَأَكْبَرُ عِلْمِي أَنَّهُ فِي حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ جُحَادَةَ وَإِذَا نَهَضَ نَهَضَ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَاعْتَمَدَ عَلَى فَخِذِهٖ۔

وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ (حضورؐ کی نماز کے سلسلے میں) اس نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے سجدہ کیا تو آپؐ کے گھٹنے ہتھیلیوں سے پہلے زمین پر لگے۔ ہمام راوی حدیث نے کہا عاصم بن کلیب نے
اپنے باپ کے واسطے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح کی روایت ہے۔ اور ان دونوں کی حدیث میں ہے
اور میرا زیادہ علم یہی ہے کہ وہ محمد بن جحادہ کی حدیث ہے کہ: جب حضورؐ اوپر اٹھے تو گھٹنوں کے بل پر اٹھے
اور اپنی رانوں پر سہارا لگایا۔

شرح: ابن قانع نے اپنی معجم میں اس حدیث کی سند یوں بیان کی ہے: ہمام.... شقیق.... عاصم بن شنتم۔
.... عن ابیہ۔ تہذیب التہذیب میں ہے کہ ابن قانع کی روایت متصل معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر ابوداؤد کی
روایت (یعنی یہی جو پیش نظر ہے) صحیح ہے تو یہ حدیث مرسل ہے۔ شنتم کو ابوالقاسم بغوی نے معجم الصحابہ میں صحابی
شمار کیا ہے جیسا کہ ابن قانع کا بھی یہی قول ہے، لیکن بقول بغوی اس حدیث کے سوا شنتم کا کوئی ذکر کہیں نہیں آیا۔
ابن السکن نے اسے غیر ثابت کہا ہے اور لکھا ہے کہ اس روایت کے سوا میں نے شنتم کا نام نہیں سنا۔ عاصم بن کلیب
کا دادا شہاب بن مجنون شتیر کہلاتا تھا، ممکن ہے یہ لفظ شتیر ہی ہو اور بگڑ کر شنتم بن گیا ہو۔ ابوالحسن بن القطان نے
اس حدیث کے ایک راوی شقیق کو ضعیف کہا ہے۔ کلیب بن شہاب بن المجنون جرمی کے نسب میں بقول صاحب
تہذیب التہذیب اختلاف ہے۔ ابوزرعہ نے کلیب کو ثقہ کہا ہے اسی طرح ابن سعد نے بھی ثقہ اور حسن الحدیث کہا
ہے اور اسے محدثین کے نزدیک لائق احتجاج ٹھہرایا ہے۔ نسائی کا قول ہے کہ ہمارے علم میں کلیب سے اس کے
بیٹے عاصم کے سوا کسی نے روایت نہیں کی، ہاں ابراہیم بن مہاجر نے اس سے روایت کی ہے مگر یہ ابراہیم خود غیر قوی

ہے۔ آجری نے کہا ہے کہ بقول ابی داؤد : عاصم بن کلیب عن ابیہ عن جدہ ، کچھ نہیں ہے ۔ جن لوگوں نے کہا ہے کہ کلیب اپنے باپ سے روایت کرتا ہے وہ بھی غلطی پر ہیں، روایت یوں نہیں ہے۔ آجری نے ایک اور موقع پر کہا ہے کہ عاصم بن کلیب اہل کوفہ کے افضل لوگوں میں سے تھا اور ابن حبان نے اُسے ثقات میں شمار کیا ہے۔ مولانا ؒ نے فرمایا کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ صحابی تھا۔ ابن خیثمہ اور بغوی نے کہا ہے کہ عاصم بن کلیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل چکا تھا۔ ابن مندہ ، ابو نعیم اور حافظ ابن عبد البر نے اسے صحابہ میں شمار کیا ہے مگر اصابہ میں اس قول کو وہم بتایا گیا ہے۔

۸۴۱۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَبْرُكْ كَمَا يَبْرُكُ الْبَعِيرُ وَلْيَضَعْ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ۔

ابو ہریرہ ؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی مانند نہ بیٹھے بلکہ چاہیے کہ گھٹنوں سے پہلے ہاتھ نیچے رکھے۔

شرح: چارپاؤں کے گھٹنے بازوؤں (اگلے پاؤں) میں ہوتے ہیں مگر انسان کے گھٹنے پاؤں میں ہوتے ہیں۔ اونٹ زمین پر بیٹھتے وقت پہلے اپنے ہاتھ (دو اگلے پاؤں جنہیں گھٹنے ہوتے ہیں) زمین پر رکھتا ہے، پس جب انسان اپنے گھٹنے پہلے رکھے گا تو وہ اونٹ کے مشابہ ہو جائے گا۔ حافظ توربشتی نے کہا ہے کہ حضور ؐ نے پہلے تو اونٹ کی مانند بیٹھنے سے منع فرمایا اور پھر ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے زمین پر رکھنے کا حکم دیا اور اونٹ بھی پہلے ہاتھ زمین پر رکھتا ہے اور پھر پاؤں رکھتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انسان کے گھٹنے پاؤں میں ہیں اور چارپایوں کے ہاتھوں (اگلے پاؤں) میں۔ شوکانی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو بیان کر کے ترمذی نے غریب کہا ہے۔ امام بخاری نے کہا کہ محمد بن عبد اللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب کا اس حدیث میں کوئی متابع نہیں ہے اور مجھے نہیں معلوم کہ اس نے ابو الزناد سے سماع کیا ہے یا نہیں۔ مشکوٰۃ میں ہے کہ بقول حافظ ابو سلیمان الخطابی وائل بن حجر کی حدیث اس سے زیادہ مضبوط ہے (جس میں گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھنے کا ذکر ہے) حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ وائل ؓ کی حدیث کے مضبوط تر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حفاظِ حدیث کی ایک جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے، اور گو اس کی سند میں شریک القاضی ہے جو قوی نہیں، مگر مسلم نے شریک سے روایت لی ہے پس وہ مسلم کی شرط پر ثقہ ہے۔ علاوہ ازیں اس کے دو اور طریق بھی ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حدیث ابی ہریرہ ؓ (یعنی زیر بحث حدیث) مصعب بن سعد بن ابی وقاص عن ابیہ کی حدیث سے منسوخ ہو گئی ہے یہ حدیث ابن خزیمہ نے روایت کی ہے کہ: ہم لوگ ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھتے تھے لیکن پھر ہمیں حکم ملا کہ گھٹنے پہلے رکھو اور ہاتھ ان کے بعد۔ پس اگر حدیث ابی ہریرہ ؓ کو سعد ؓ کی حدیث سے سابق نہ گردانا جائے تو دو دفعہ نسخ لازم آئے گا جو خلافِ دلیل ہے۔

مولانا ؒ نے فرمایا کہ اس مسئلے میں فقہاء کا اختلاف ہوا ہے، جمہور علماء اور عامۂ فقہاء کا یہ مسلک ہے کہ گھٹنوں

کو پہلے اور ہاتھوں کو بعد میں رکھنا مستحب ہے اور اٹھتے وقت اس کے خلاف پہلے ہاتھ اٹھانا اور پھر گھٹنے اٹھانا مستحب ہے۔ لیکن امام مالکؒ اور اوزاعی کا مذہب یہ ہے کہ ہاتھ سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں سے پہلے زمین پر رکھے جائیں۔ ان حضرات کی دلیل ایک تو یہی حدیث ابی ہریرہؓ ہے جو اس سبب سے قوی تر ہے کہ ابن عمرؓ کی حدیث اس کی شاہد ہے، جسے ابن خزیمہ نے روایت کیا اور اس کی تصحیح کی ہے اور بخاری نے اسے بطور تعلیق موقوفاً روایت کیا ہے۔ مگر دارقطنی اور مستدرک حاکم میں وہ مرفوعاً آئی ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے زمین پر رکھتے تھے۔ حاکم نے اسے مسلم کی شرط کے مطابق کہا ہے۔ جمہور نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں (۱) ابن عمرؓ اور ابوہریرہؓ کی دونوں حدیثیں سعد بن ابی وقاصؓ کی مذکورۂ بالا حدیث سے منسوخ ہیں جس میں سعدؓ نے کہا کہ پہلے ہم ہاتھوں کو گھٹنوں سے قبل زمین پر رکھتے تھے مگر بعد میں ہمیں حکم ملا کہ گھٹنے پہلے رکھا کرو۔
(۲) حافظ ابن القیمؒ نے الہدیٰ میں کہا ہے کہ حدیث ابی ہریرہؓ کا متن یقیناً کسی راوی نے تبدیل کیا ہے، اصل میں یوں تھا: اپنے گھٹنے ہاتھوں سے پہلے زمین پر رکھے۔ اور ابن ابی شیبہ نے اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے: ابوہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا جب تم میں کوئی سجدہ کرنا چاہے تو گھٹنوں کو پہلے رکھے اور سانڈ کی طرح زمین پر نہ گرے۔ اور اثرم نے اس کو اپنی سنن میں ابن ابی شیبہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔
(۳) خود ابوہریرہؓ سے اپنی اس حدیث کے خلاف اور وائل بن حجرؓ کے مطابق روایت آئی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو پہلے گھٹنوں کو زمین پر رکھتے تھے اور بعد میں ہاتھوں کو۔ لیکن اس حدیث کے ایک راوی عبداللہ بن سعید کو یحییٰ القطان وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ (۴) حافظ ابن قیمؒ نے کہا ہے کہ حدیث ابی ہریرہؓ کا پہلا جزء دوسرے کے خلاف ہے کیونکہ آدمی جب ہاتھوں کو پہلے رکھے گا تو بالکل یہی کیفیت اونٹ کے بیٹھنے کی ہوتی ہے (۵) اس حدیث کے بعض راوی اس جملے کو سرے سے ہی حذف کرتے ہیں (۶) وائل بن حجرؓ کی حدیث دیگر صحابہ سے منقولہ آثار کے عین مطابق ہے مثلاً حضرت عمر الفاروقؓ کا اثر اور ان کے بیٹے عبداللہؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے آثار۔ (۷) وائلؓ کی حدیث کے کئی شواہد انسؓ اور ابن عمرؓ سے منقول ہوئے ہیں۔
(۸) جمہور علماء وفقہا کا یہی مذہب ہے جیسا کہ اوپر گزرا۔ حافظ ابن القیمؒ نے وائلؓ کی حدیث کی ترجیح کے کم و بیش دس دلائل بیان کئے ہیں۔

۸۴۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نَافِعٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَسَنٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ يَبْرُكُ كَمَا يَبْرُكُ الْجَمَلُ۔

ابوہریرہؓ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی عمداً ایسا کرتا ہے کہ اپنی نماز میں یوں نیچے کو جاتا ہے جیسے اونٹ بیٹھتا ہے (یعنی ایسا کرنا درست نہیں ہے)! ابوداؤد نے یہ حدیث اس بات کے اثبات کے لیے بیان کی ہے کہ گزشتہ روایت کا آخری جملہ اس میں نہیں آیا۔ اس کا راوی عبداللہ بن نافع ثقہ تر

ہے اور اوپر کی حدیث کا راوی عبدالعزیز محمد دراوردی اس کے مرتبے کا نہیں ہے لہذا اس کی بیان کردہ زیادتی غیر محفوظ ہے۔)

بَابُ النُّهُوضِ فِي الْفَرْدِ

طاق رکعت کے بعد اٹھنے کا باب۔

۸۴۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا إِسْمٰعِيلُ يَعْنِي ابْنَ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ جَاءَنَا أَبُو سُلَيْمَانَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ إِلَى مَسْجِدِنَا فَقَالَ وَاللّٰهِ إِنِّي لَأُصَلِّي وَمَا أُرِيدُ الصَّلٰوةَ وَلٰكِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُرِيَكُمْ كَيْفَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي قَالَ قُلْتُ لِأَبِي قِلَابَةَ كَيْفَ صَلّٰى قَالَ مِثْلَ صَلٰوةِ شَيْخِنَا هٰذَا يَعْنِي عَمْرَو بْنَ سَلِمَةَ إِمَامَهُمْ وَذَكَرَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الْآخِرَةِ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولٰى قَعَدَ ثُمَّ قَامَ۔

ابو قلابہ نے کہا کہ ہمارے پاس ابو سلیمان مالک بن الحویرث ہماری مسجد میں آیا اور کہنے لگا: واللہ میں تمہیں نماز پڑھ کر دکھاتا ہوں اور اس سے غرض ادائیگی صلاۃ نہیں بلکہ یہ ہے کہ جس طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا تھا اُس طرح پڑھ کر تمہیں دکھاؤں۔ ایوب راوی نے کہا میں نے ابو قلابہ سے پوچھا کہ اس نے کس طرح نماز پڑھی تو اس نے کہا کہ ہمارے اس بزرگ یعنی عمرو بن سلمہؓ کی طرح، جو ان کا امام تھا۔ ابو قلابہ نے کہا کہ جب وہ پہلی رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھاتا تھا تو بیٹھ جاتا پھر اوپر اٹھتا تھا۔ (جلسۂ استراحت پر کلام آگے آ رہا ہے)

۸۴۴۔ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ نَا إِسْمٰعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ جَاءَنَا أَبُو سُلَيْمَانَ مَالِكُ ابْنُ الْحُوَيْرِثِ إِلَى مَسْجِدِنَا فَقَالَ وَاللّٰهِ إِنِّي لَأُصَلِّي وَمَا أُرِيدُ الصَّلٰوةَ وَلٰكِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُرِيَكُمْ كَيْفَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي قَالَ فَقَعَدَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولٰى حِينَ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الْآخِرَةِ۔

ابو قلابہ کا بیان ہے کہ ہمارے پاس ابو سلیمان مالک بن الحویرث ہماری مسجد میں آیا اور کہا: واللہ میں نماز پڑھتا ہوں اور نماز کا ارادہ فقط اس لیے کیا ہے تاکہ تمہیں دکھاؤں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

کس طرح نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ ابوقلابہ نے کہا کہ پہلی رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھا کر مالکؓ بیٹھ گیا۔ (اس جلسے پر گفتگو ابھی آئے گی)

۸۴۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا هُشَيْمٌ عَنْ خَالِدٍ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ فِي وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا۔

مالک بن حویرث سے روایت ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب ایک یا تین رکعت پڑھ لیتے تو سیدھے بیٹھ کر پھر اوپر کو اٹھتے تھے۔

شرح: ان احادیث سے شافعیہ اور کچھ اور لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ جلسۂ استراحت مستحب ہے۔ تمہید میں ہے کہ فقہاء کا اس میں اختلاف ہوا ہے کہ دوسرے سجدے کے بعد جب قیام کرنا ہو تو کیوں کر کیا جائے۔ امام مالکؒ، اوزاعیؒ، ثوریؒ، ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ بیٹھے بغیر ہی پاؤں کے پنجوں پر کھڑا ہو جائے۔ اور یہی روایت اس مسعودؓ، ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے آئی ہے اور نعمان بن ابی عباس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی اصحاب کو ایسا کرتے ہوئے پایا۔ ابوالزناد نے کہا کہ یہی سُنّت ہے اور امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام احمدؒ نے کہا کہ اکثر احادیث میں یہی آیا ہے۔ اثرم نے کہا ہے کہ میں نے امام احمدؒ کو سجدوں کے بعد پاؤں کے پنجوں پر کھڑا ہوتے دیکھا ہے اور وہ بیٹھتے نہ تھے۔ ترمذی نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاؤں کے پنجوں پر اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ امام ترمذی نے کہا کہ اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے۔ ابن ابی شیبہ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ وہ نماز میں پنجوں کے بل اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور بیٹھتے نہ تھے۔ ابن ابی شیبہ نے اسی قسم کی روایات علیؓ، ابن عمرؓ، ابن الزبیرؓ اور ابن عباسؓ سے بیان کی ہیں اور حضرت عمرؓ کا بھی یہی فعل روایت کیا ہے۔ امام طحاوی نے کہا ہے کہ ابوحمیدؓ ساعدی کی حدیث میں جلسۂ استراحت کا ذکر نہیں ہے بلکہ فَقَامَ وَلَمْ يَتَوَرَّكْ کے الفاظ ہیں، یعنی حضورؐ اٹھ کھڑے ہوئے اور سُرین کے بل نہ بیٹھے۔ اور اس حدیث کو ابوداؤد نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

امام طحاویؒ نے کہا کہ جب دو حدیثوں میں اختلاف ہو گیا تو اس بات کا احتمال ہے کہ مالک بن حویرثؓ کی حدیث میں حضورؐ کا جو جلسۂ استراحت بیان ہوا ہے وہ کسی عذر کی بناء پر ہو گا، آپ کا یہ بیٹھنا اس عذر کی بناء پر تھا نہ کہ اس لیے کہ وہ نماز کی سنت ہے۔ اگر یہ جلسہ مقصود ہوتا تو اس کے لیے مخصوص ذکر کیا جاتا۔ کرمانی کا قول ہے کہ دراصل یہ جلسہ کسی عذر کی بناء پر نہ تھا بلکہ یہ جلسہ مشروع تھا اور حضورؐ نے جب اسے ترک کیا تو بیان جواز کے لیے ترک کیا ہو گا۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ جلسۂ استراحت عذر کی بناء پر تھا، حضورؐ نے فرمایا: لَا تُبَادِرُونِي فَإِنِّي قَدْ بَدَّنْتُ "مجھ سے آگے مت بڑھو کیونکہ میں بوجھل ہو گیا ہوں"۔ اور یہ جلسہ ہے ہی استراحت کے لیے مگر نماز عبادت کا محل ہے استراحت کا نہیں۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ مالک بن الحویرث ہی حضورؐ کی اس حدیث کا راوی ہے۔ صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي "اس طرح نماز

پڑھو جس طرح تم نے مجھے پڑھتے دیکھا،" پس مالک رضؓ نے حضورﷺ کی نماز کی جو صفات و تفاصیل بیان کی ہیں وہ اس حکم کے تحت میں داخل ہیں۔ اس کا جواب مولانا رحؒ نے یہ دیا کہ یہ حکم جلسۂ استراحت کے کسی عذر کی بناء پر ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح حضورﷺ نے حالتِ عذر میں یہ جلسہ کیا تھا اس طرح حالتِ عذر و ضرورت کے وقت ہر کوئی کر سکتا ہے اور عام احوال میں نماز اسی طرح ہوگی جس طرح ابو ہریرہ رضؓ اور ابو حمید کی حدیثوں میں آیا ہے۔ اور اس مسئلہ میں امام مالکؒ اور احمدؒ کا مذہب بھی یہی ہے جو ہمارا ہے۔

حافظ ابن القیم نے زاد المعاد میں کہا ہے کہ: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاؤں کے پنجوں پر اور گھٹنوں پر اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور اپنی رانوں کا سہارا لیتے تھے جس طرح کہ ابو ہریرہ رضؓ اور وائل بن حجر رضؓ نے آپؐ کے فعل کی حکایت کی ہے۔ اور ہاتھوں کو زمین پر ٹکا کر سہارا نہ لیتے تھے۔ اور مالک بن الحویرث رضؓ نے آپ کے متعلق بتایا ہے کہ آپؐ اٹھنے سے قبل بیٹھ جاتے تھے۔ اور یہی وہ جلسہ ہے جسے استراحت کا جلسہ کہا جاتا ہے اور فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ نماز کی سُنن میں سے ہے، اگر ایسا ہے تو ہر ایک کو ایسا کرنا مستحب قرار دیا جائے گا، یا یہ سُنن میں سے نہیں ہے اور یہ جلسہ وہی کرے جو اس کی ضرورت محسوس کرے۔ امام احمدؒ سے اس کے متعلق بعینہٖ یہی دو روایات ہیں۔ خلال نے کہا ہے کہ احمدؒ نے جلسۂ استراحت کے متعلق مالک بن الحویرث کی حدیث کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ پنجوں کے بل کھڑا ہو جانا (اور جلسۂ استراحت نہ کرنا) رفاعہ کی حدیث میں ابوامامہ رضؓ سے مروی ہے۔ اور ابن عجلان سے بھی یہی روایت ہوئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی اصحاب سے ایسا ہی مروی ہے۔ اور جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت بیان کی ہے ان میں سے ابو حمید رضؓ اور مالک بن الحویرث کے سوا کسی نے اس جلسۂ استراحت کا ذکر نہیں کیا۔ اگر یہ جلسہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ ہوتا کہ آپؐ ہمیشہ یہ جلسہ کرتے تو آپؐ کی نماز کا وصف بیان کرنے والے سب لوگ اس کا ذکر کرتے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس فعل کو کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ صلاۃ کی سُنتوں میں سے ہے، جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ آپؐ نے یہ فعل اس غرض سے کیا کہ وہ سُنت قرار پائے اور اس کی پیروی مطلوب ہو۔ لیکن اگر آپؐ نے کسی وقت عذر یا حاجت کے باعث ایسا کیا تھا تو یہ سُننِ صلاۃ میں سے نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

بَابُ الْاِقْعَاءِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ

دو سجدوں کے درمیان اقعاء کا باب۔

۸۴۶۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ نَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ اَخْبَرَنِي اَبُو الزُّبَيْرِ اَنَّهٗ سَمِعَ طَاوُسًا يَقُولُ قُلْنَا لِابْنِ عَبَّاسٍ فِي الْاِقْعَاءِ عَلَى الْقَدَمَيْنِ فِي السُّجُودِ فَقَالَ هِيَ السُّنَّةُ قَالَ قُلْنَا اِنَّا لَنَرَاهُ جَفَاءً الرَّجُلِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هِيَ سُنَّةُ نَبِيِّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

طاؤس کہتا ہے کہ ہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سجدہ میں قدموں پر اقعاء کے متعلق پوچھا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہی سنت ہے۔ طاؤس نے کہا کہ ہم نے کہا ہم سمجھتے ہیں کہ یہ آدمی کی وحشت و بدویت کی علامت ہے (یا پاؤں پر ناجائز بوجھ ہے) تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا یہ تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

شرح: اقعاء کی کئی صورتیں بیان کی گئی ہیں: (۱) یہ کہ آدمی اپنے سُرین زمین پر رکھے، پنڈلیاں کھڑی کرے اور ہاتھ زمین پر رکھ کر کتے کی مانند بیٹھ جائے (۲) یہ کہ آدمی اپنے سُرین ایڑیوں پر رکھے اور قدموں اور رانوں کو اوپر اٹھا کر بوجھ ایڑیوں پر ڈال دے (۳) یہ کہ آدمی اپنے سُرین دونوں ایڑیوں پر لٹکائے مگر دوسری تفسیر سے کچھ مختلف حالت میں۔ محدث علی القاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ دوسری تفسیر ہی صحیح تر ہے۔ مستقصیٰ میں ہے کہ کتے کا اقعاء اگلی ٹانگوں پر زور ڈال کر ہوتا ہے مگر آدمی کا اقعاء گھٹنوں کو سینے تک کھڑا کر دینے میں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حدیث: لَا تُقْعِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ کی شرح میں لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ رانوں کو اٹھا کر اپنے سُرینوں پر مت بیٹھ کیونکہ یہ عامۃ علماء کے نزدیک مکروہ ہے۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی ایڑیوں پر مت بیٹھو کیونکہ یہ بھی ایک جماعت کے نزدیک مکروہ ہے۔ لیکن مُسلم میں حدیث موجود ہے کہ دو سجدوں کے درمیان اقعاء کرنا سنت ہے۔ اور یہاں سُنن ابی داؤد میں بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ عبدالرزاق نے مصنف میں کئی طریقوں سے یہ روایت بیان کی ہے۔ شارح خطابی نے کہا ہے کہ اقعاء کے ثبوت میں جو حدیث وارد ہے وہ نہی کی حدیث کے باعث منسوخ ہوگئی ہے۔ البدائع میں ہے کہ اقعاء کی تفسیر میں اختلاف ہوا ہے، کرخی کا قول ہے کہ پاؤں کو کھڑا کرنا اور ایڑیوں پر بیٹھنا اقعاء ہے جسے حدیث میں عقب الشیطان فرمایا گیا ہے۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے کہا کہ اقعاء کی صورت یہ ہے: سُرینوں کو زمین پر رکھنا، گھٹنے کھڑے کر لینا اور رانوں کو پیٹ پر بوجھ ڈال کر ملا دینا اور یہی صورت کتے کے اقعاء سے مشابہ تر ہے کیوں کہ اس میں مسنون جلسے کا ترک ہے لہٰذا مکروہ ہے۔

حدیث زیر نظر میں اقعاء سے مراد دونوں سجدوں میں ایڑیاں کھڑی کر کے ان پر بیٹھنا ہے۔ فی السجود کے لفظ سے مراد بین السجدتین ہے۔ جَفَاءً بِالرَّجُلِ اور جَفَاءً بِالرِّجْلِ دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ بالرِّجل صحیح ہے مگر جمہور کے نزدیک بالرَّجُل ہے۔ یعنی لوگوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ اس طرح کی بیٹھک تو آدمی کے غیر مہذب ہونے کی دلیل ہے۔ جہاں تک ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کا تعلق ہے، امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ اقعاء کے متعلق دو حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ اس نے یہ بحث حدیث کی رُو سے اقعاء سُنت ہے اور دوسری حدیث کی رُو سے ممنوع ہے۔ وہ حدیث ترمذی نے علی رضی اللہ عنہ سے، ابن ماجہ نے انس رضی اللہ عنہ سے احمد بن حنبل نے سمرہ رضی اللہ عنہ و ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور بیہقی نے سمرہ رضی اللہ عنہ اور انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، مگر ان تمام کی سندیں ضعیف ہیں۔ ان احادیث کے باعث علماء نے اقعاء کے حکم اور اس کی تفسیر کے متعلق بہت اختلاف کیا ہے۔ اور برحق درست بات یہ ہے کہ اقعاء کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ انسان کتے کی مانند اپنے سُرین زمین سے ملا دے، پنڈلیاں کھڑی کر دے اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھ دے، اہل لغت میں سے ابوعبیدہ، اس کے ساتھی ابوعبید اور دیگر لوگوں نے بھی اقعاء کی یہی تفسیر بیان کی ہے، اور یہی وہ قسم ہے جس کے بارے میں شرعاً نہی وارد ہوئی ہے کہ وہ مکروہ ہے دوسری قسم یہ ہے کہ دونوں سجدوں کے درمیان سُرینوں کو ایڑیاں کھڑی کر کے ان پر رکھا جائے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے

جو فرمایا کہ "یہ تمہارے نبی کی سنت ہے" اس سے ان کی مراد یہی دوسرا اقعاء ہے۔ امام شافعیؒ نے دونوں سجدوں کے درمیان اس طرح بیٹھنے کو مستحب کہا ہے اور محققین کی ایک جماعت مثلاً بیہقیؒ اور قاضی عیاضؒ وغیرہما نے ابن عباسؓ کی حدیث سے یہی اقعاء مراد لیا ہے، اور صحابہؓ کی ایک جماعت اور بعض دوسرے سلف سے منقول ہے کہ وہ ایسا کرتے تھے۔ قاضی عیاضؒ نے ابن عباسؓ کی اس روایت کی شرح خود ابن عباسؓ سے یوں نقل کی ہے کہ یہ بھی سنت میں سے ہے کہ تمہاری ایڑیاں تمہارے سُرینوں سے مس کریں۔ حنفیہ کے نزدیک اقعاء کی دونوں صورتیں مکروہ ہیں اور امام شافعیؒ سے بھی مشہور تر نص یہی ہے کہ بایاں پاؤں بچھاکر دونوں سجدوں کے درمیان اس پر بیٹھا جائے جیسا کہ اوپر حضورؐ کی نماز کی صفت میں ابوحمید ساعدیؓ اور وائل بن حجرؓ وغیرہما کی احادیث میں گزر چکا ہے۔

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ

باب اس بیان میں کہ رکوع سے سر اٹھاکر کیا کہا جائے۔

۸۴۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ وَوَكِيعٌ وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ كُلُّهُمْ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ الْحَسَنِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ يَقُولُ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْأَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ قَالَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَشُعْبَةُ بْنُ الْحَجَّاجِ عَنْ عُبَيْدٍ أَبِي الْحَسَنِ هٰذَا الْحَدِيثُ لَيْسَ فِيهِ بَعْدَ الرُّكُوعِ قَالَ سُفْيَانُ لَقِينَا الشَّيْخَ عُبَيْدًا أَبَا الْحَسَنِ فَلَمْ يَقُلْ فِيهِ بَعْدَ الرُّكُوعِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ أَبِي عِصْمَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عُبَيْدٍ قَالَ بَعْدَ الرُّكُوعِ۔

عبداللہ بن ابی اوفیٰ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے سر اٹھاکر کہا کرتے تھے: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْأَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ۔ ابوداؤد نے کہا کہ سفیان ثوری اور شعبہ بن حجاج نے یہ حدیث عُبَید ابی الحسن سے روایت کی ہے مگر اس میں بعد الرکوع کا ذکر نہیں ہے۔ سفیان نے کہا کہ ہم شیخ عُبَید ابوالحسن سے ملے (جو اس حدیث کا عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے راوی ہے) تو اس نے بعد الرکوع کا لفظ نہیں بولا۔ ابوداؤد نے کہا کہ شعبہ نے یہ حدیث ابوعصمہ سے اس نے اعمش سے اس نے

عنبید سے روایت کی تو اس میں بعد الرکوع کہا تھا اور پہ بعض احادیث میں یہ دُعا ایک طویل دُعا کے حصے کے طور پر گزر چکی ہے جو استفتاح صلاۃ کے سلسلے میں حضورؐ نے مانگی تھی۔ یہاں پہ ابوداؤد بعض روایات سے اس کا رکوع کے بعد ہونا اور بعض سے بعد رکوع کا مذکور نہ ہونا ثابت کرتے ہیں)

۸۴۸۔ حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ الْفَضْلِ الْحَرَّانِيُّ نَا الْوَلِيدُ ح وَنَا مَحْمُودُ بْنُ خَالِدٍ نَا أَبُو مُسْهِرٍ ح وَنَا ابْنُ السَّرْحِ نَا بِشْرُ بْنُ بَكْرٍ ح وَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُصْعَبٍ نَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ كُلُّهُمْ عَنْ سَعِيدٍ ابْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ عَطِيَّةَ بْنِ قَيْسٍ عَنْ قَزَعَةَ بْنِ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ حِينَ يَقُولُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءُ السَّمَاءِ قَالَ مُؤَمَّلٌ مِلْءُ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءُ الْأَرْضِ وَمِلْءُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ أَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ أَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ زَادَ مَحْمُودٌ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ ثُمَّ اتَّفَقُوا وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ وَقَالَ بِشْرٌ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ لَمْ يَقُلْ مَحْمُودٌ اللَّهُمَّ قَالَ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔

ابوسعید خدری نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے تو کہا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمَآءِ (مِلْءَ السَّمٰوٰتِ) وَمِلْءَ الْاَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ، اَھْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ، اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَکُلُّنَا لَکَ عَبْدٌ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ۔ بشر راوی نے کہا: رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ۔ محمود راوی نے اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کے الفاظ نہیں کہے۔ "اے اللہ! اے ہمارے رب حمد تیرے ہی لیے ہے۔ آسمان (یا آسمانوں) کی گنجائش کے مطابق اور زمین کی گنجائش کے مطابق اور اس کے بعد تو جو چیز چاہے اس کی گنجائش کے مطابق۔ اے تعریف اور بزرگی والے! اے بندے کی بات کے سب سے زیادہ حقدار اور ہم سب تیرے بندے ہیں۔ جو تو عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے تو روکے اُسے کوئی عطا کرنے والا نہیں، اور مال و دولت والے کو تجھ سے دولت نہیں بچا سکتی۔

شرح: اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ ہر نمازی، خواہ امام ہو یا مقتدی یا منفرد، تسمیع و تحمید دونوں کو جمع کرے۔ اور یہی قول شافعیؒ، مالکؒ، عطاءؒ، ابوبردہؒ، محمد بن سیرینؒ، اسحاقؒ اور داؤدؒ کا ہے۔ لیکن بظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے کہ حضورؐ نے جب ان دونوں کو جمع فرمایا تھا تو امام صلاۃ تھے لہذا مقتدی اور منفرد کے لیے اس میں کوئی دلیل نہ ہوئی۔ ہاں! حضورؐ کا ارشاد: صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ بطور عموم مقتدی اور منفرد کو بھی مشتمل ہے۔ اور امام ابویوسف اور محمد بن الحسن نے کہا کہ امام اور منفرد بھی ان دونوں کلمات کو جمع کریں اور طحاویؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

اور امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ امام اور منفرد فقط سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہیں اور مقتدی فقط رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہے۔ اور ابن المنذرؒ نے یہی قول ابن مسعودؓ، ابو ہریرہؓ، شعبیؒ، مالکؒ اور احمدؒ کا بتایا ہے۔ ان کی دلیل آئندہ حدیث ہے۔

۸۴۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مَسْلَمَۃَ عَنْ مَالِکٍ عَنْ سُمَیٍّ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ فَاِنَّہٗ مَنْ وَافَقَ قَوْلُہٗ قَوْلَ الْمَلٰٓئِکَۃِ غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تو تم اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہو، کیونکہ جس کا قول ملائکہ کے قول کے موافق ہو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

شرح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب امام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تو ملائکہ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہتے ہیں، پس تمہیں بھی اس وقت یہی کہنا چاہیئے کیونکہ جب تمہارا قول ملائکہ کے قول کے مطابق ہو گا تو تمہاری مغفرت ہو جائیگی بخشے جانے والے گناہوں سے صغائر مراد ہیں کیونکہ کتاب وسنت کی رُو سے کبائر کی مغفرت توبہ پر موقوف ہے یا محض رحمت خداوندی پر۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسمیع اور تحمید کو امام اور مقتدیوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ پہلی امام کا اور دوسری مقتدی کا حصّہ ہے۔ لہذا امام ابو حنیفہؒ اور اس مسئلہ میں ان کے ساتھی علماء نے کہا کہ اگر تسمیع وتحمید دونوں کو جمع کیا جائے گا تو یہ تقسیم باطل ہو جائے گی۔ اس کے جواب میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آمین کے متعلق بھی تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: جب امام وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے تو تم آمین کہو، حالانکہ امام اور مقتدی دونوں آمین کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوراحادیث میں امام کا آمین کہنا صراحۃً وارد ہوا ہے مگر تسمیع وتحمید کے جمع کرنے میں اس قسم کی صراحت نہیں آئی۔ اور یہاں پر ایک اور رکاوٹ بھی موجود ہے، وہ یہ کہ امام اگر تحمید کہے تو تابع کا متبوع اور متبوع کا تابع ہونا لازم آتا ہے لہذا یہ جائز نہیں۔ وہ اس طرح کہ ذکر ایک رکن سے انتقال کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔ پس جب امام انتقال کے وقت تسمیع کہے گا تو مقتدی تحمید کہے گا۔ پس اگر امام اس کے بعد تحمید کہے گا تو اس کا قول مقتدی کے بعد واقع ہو گا اور متبوع تابع بن جائے گا اور تابع متبوع ہو جائے گا جو کہ موضوع امامت کے برخلاف ہے۔ اور جس حدیث سے صاحبینؒ نے استدلال کیا ہے وہ نفلی نماز میں منفرد کے حق میں وارد ہوئی ہے۔

۸۵۰۔ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ عَمَّارٍ نَا اَسْبَاطٌ عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ عَامِرٍ قَالَ لَا یَقُوْلُ الْقَوْمُ خَلْفَ الْاِمَامِ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ وَلٰکِنْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ۔

علامہ شعبی کا قول ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ نہ کہیں بلکہ وہ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہیں۔

تشریح: علامہ شعبی کے قول سے یہ تو صراحۃً معلوم ہو گیا کہ مقتدی کا وظیفہ تسمیع نہیں بلکہ صرف تحمید ہے۔ اور اس سے یہ اشارہ بھی نکلا کہ امام کا وظیفہ صرف تسمیع ہے جیسا کہ گزشتہ حدیث مرفوع میں گزرا ہے۔ امام خطابی رح کا قول ہے کہ قومہ میں مقتدی کیا کہے، اس میں اختلاف ہوا ہے۔ ایک گروہ کا قول ہے وہ فقط رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہے اور بس۔ دوسرے فریق کے نزدیک مقتدی تسمیع و تحمید دونوں کو جمع کرے، اور یہ ابن سیرینؒ اور عطاءؒ اور شافعیؒ، ابویوسفؒ اور محمد بن الحسنؒ کا قول ہے۔ مولانا رح نے فرمایا کہ صاحب عون المعبود نے یہ جو امام خطابیؒ سے نقل مذاہب کا بیان کیا ہے اس میں غلطی ہے کیونکہ ابویوسف اور محمدؒ کا مذہب یہ نہیں کہ مقتدی ان دونوں اذکار کو جمع کرے بلکہ یہ ہے کہ امام دونوں ذکر جمع کرے اور مقتدی فقط تحمید کہے۔ چنانچہ امام طحاویؒ نے کہا ہے کہ کچھ لوگوں نے کہا، امام فقط تسمیع کہے اور تحمید نہ کہے اور مقتدی فقط تحمید کہے اور تسمیع نہ کہے اور یہ قول ابوحنیفہؒ اور مالکؒ کا ہے اور کچھ لوگوں نے ان کے خلاف کہا کہ امام تسمیع و تحمید دونوں کو جمع کرے اور پھر مقتدی فقط تحمید کہے اور یہی ہمارا مسلک ہے اور یہ ابویوسف اور محمد بن الحسن رح کا قول ہے۔ اور ابوحنیفہؒ کا قول پہلا ہے جیسا کہ احناف کی سب کتابوں میں موجود ہے۔

بَابُ الدُّعَاءِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ

دونوں سجدوں کے درمیان دعاء کا باب۔

۸۵۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَسْعُودٍ نَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ نَا كَامِلٌ أَبُو الْعَلَاءِ حَدَّثَنِي حَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَعَافِنِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي۔

ابن عباس رضہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعاء مانگتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَعَافِنِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي ”اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے عافیت دے اور مجھے ہدایت دے اور مجھے رزق دے۔“ (علامہ شوکانی رح نے کہا ہے کہ یہ حدیث قعدہ میں اس دعاء کی مشروعیت کی دلیل ہے۔ علامہ علی القاریؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک یہ نوافل پہ محمول ہے)

بَابُ رَفْعِ النِّسَاءِ إِذَا كُنَّ مَعَ الْإِمَامِ رُؤُسَهُنَّ مِنَ السَّجْدَةِ

عورتوں کے سجدہ سے سر اٹھانے کا باب جب وہ جماعت میں شامل ہوں۔

۸۵۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُتَوَكِّلِ الْعَسْقَلَانِيُّ نَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنَا مَعْمَرٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُسْلِمٍ أَخِي الزُّهْرِيِّ عَنْ مَوْلًى لِأَسْمَاءَ ابْنَةِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَسْمَاءَ ابْنَةِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ كَانَ مِنْكُنَّ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا تَرْفَعْ رَأْسَهَا حَتّٰى يَرْفَعَ الرِّجَالُ رُؤُسَهُمْ كَرَاهِيَةَ أَنْ يَرَيْنَ مِنْ عَوْرَاتِ الرِّجَالِ۔

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ: تم میں سے جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان رکھتی ہے وہ اس وقت تک اپنا سر نہ اٹھائے جب تک کہ مرد اپنے سر نہ اٹھالیں، یہ اس لیے فرمایا کہ مبادا عورتیں مردوں کے ستر دیکھ لیں۔

شرح: بظاہر اس حدیث کا آخری جملہ اسماء رض کا قول ہے کہ حضورؐ کے اس حکم کا سبب یہ تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حضورؐ کی حدیث پاک کا ہی حصہ ہو۔ اور یہ حکم اس زمانے کے ساتھ مخصوص تھا جبکہ ابتدائے اسلام میں تنگ دستی اور افلاس کا عالم تھا اور کپڑے نہیں ملتے تھے۔ اس وقت لوگ مختصر لباس پہن کر نماز میں شامل ہوتے تھے اور ستر کے کھل جانے کا خدشہ رہتا تھا۔ جب یہ حالت نہ رہی تو یہ حکم بھی نہ رہا کیونکہ حکم جب کسی عارضی سبب پر مبنی ہو تو اس کے رفع ہو جانے سے حکم بھی مرتفع ہو جاتا ہے۔

بَابُ طُولِ الْقِيَامِ مِنَ الرُّكُوعِ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ۔

رکوع کے بعد قومہ کے طول اور سجدوں کے درمیان جلسہ کے طول کا باب۔

۸۵۳۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ نَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلٰى عَنِ الْبَرَاءِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ سُجُودُهُ وَرُكُوعُهُ وَقُعُودُهُ وَمَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ قَرِيبًا مِنَ السَّوَاءِ۔

براء بن عازب رض کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ، رکوع، قعود اور دو سجدوں کے درمیان کا جلسہ تقریباً برابر ہوتے تھے۔

شرح: ابوداؤد کے اکثر نسخوں میں وَقُعُودُهُ وَمَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ کے الفاظ ہیں لیکن بعض میں: وَقُعُودُهُ مَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ آیا ہے جس کا مطلب واضح ہے کہ دو سجدوں کے درمیان کا قعدہ مراد ہے۔ اور اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کا رکوع، سجدہ اور جلسہ تقریباً برابر ہوتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں کوئی الجھن

نہیں ہو گی کیونکہ ان تینوں کا برابر ہونا بالکل سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ لیکن اکثر نسخوں کی عبارت کے مطابق رکوع، سجدہ، قعود اور جلسہ یہ چار چیزیں تقریباً برابر ہوتی تھیں۔ اس حدیث کو محدثین نے اپنی کتابوں میں اسی ابو داؤد والی سند سے بیان کیا ہے اور قعود سے واضح طور پر ان احادیث میں جلسہ ہی مراد ہے۔ بخاری کی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں: براءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع اور سجدہ اور دونوں سجدوں کا درمیانی جلسہ اور رکوع کے بعد کا قومہ تقریباً برابر ہوتے تھے مگر قیام اور قعود ایسا نہ ہوتا تھا۔ دوسری روایت میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع اور سجدہ اور قومہ اور دو سجدوں کا درمیانی جلسہ تقریباً برابر ہوتے تھے۔ اسی طرح صحاح کے سب مصنفین کی روایت میں قعود سے مراد یہاں پر دونوں سجدوں کا درمیانی جلسہ ہے۔ سنن ابی داؤد کے اکثر نسخوں کے مطابق عبارت جس طرح بنتی ہے اسے محدثین میں سے کسی اور نے بیان نہیں کیا، ابو داؤد کی آئندہ روایت کا بھی یہی حال ہے اور دارمی وغیرہ میں بھی یہ حدیث اسی طرح ہے: فجلسته بين التسليم والانصراف سواسی صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ سلام کے بعد سے لے کر اٹھ کر چلے جانے تک کا جلسہ مراد ہے اور اس میں بھی کوئی الجھن نہیں رہتی کہ رکوع، سجدہ، قومہ، جلسہ اور سلام کے بعد ٹھہرنا برابر ہوتا تھا۔ اگر قعود سے مراد تشہد کا قعود لیا جائے تو بخاری کی روایت مَا خَلَا الْقِيَامَ وَالْقُعُوْدَ اس کے خلاف پڑتی ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قیام اور قعود دوسرے ارکان کی نسبت طویل تر ہوتے تھے اور وہ برابری کے حکم سے خارج تھے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں ابو داؤد کی اس روایت میں قعود کا ذکر یا تو کاتب کی غلطی سے ہو گیا ہے یا داؤد کو صرف کسی لکھنے والے نے غلط لکھ دیا ہے۔ کیونکہ وَقُعُوْدُهٗ مَابَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ کے الفاظ سے مراد جلسہ ہی ہو سکتا ہے بشرطیکہ درمیان سے واؤ نکال دی جائے۔ اور برابر ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ تقریباً رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ کا طول ایک جیسا تھا، گویا یہ ایک اندازہ ہے کوئی ریاضی کا حساب نہیں، جس میں کمی بیشی کا امکان ہو۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ ہمارے بعض اساتذہ کے اساتذہ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ آپ کی نماز ہر رکن ہر رکعت میں تقریباً برابر ہوتا تھا، مثلاً پہلی رکعت کا قیام دوسری رکعت جیسا، پھر رکعت کا رکوع و قومہ و سجدہ و جلسہ دوسری رکعت کے ان ارکان کی مانند طویل ہوتا تھا۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی تقریر میں: وَقُعُوْدُهٗ وَمَابَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ کی ایک اور بہت لطیف تاویل بیان ہوئی ہے کہ اس قعود سے مراد پہلے تشہد کا قعود ہے کیونکہ اس میں صرف التحیات پڑھا جاتا ہے اور صلاۃ وسلام اور دعائیں آخری قعدے میں ہوتی ہیں، لہٰذا یہ پہلا قعدہ مختصر ہوتا ہے۔ پس اگر عبارت یہی مانی جائے جو ابو داؤد کی اس روایت میں ہے تو وَقُعُوْدُهٗ سے مراد پہلا قعدہ ہے جو دو رکعت کے بعد ہوتا ہے۔

۸۵۴۔ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ نَا حَمَّادٌ اَنَا ثَابِتٌ وَحُمَيْدٌ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ مَا صَلَّيْتُ خَلْفَ رَجُلٍ اَوْجَزَ صَلٰوةً مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ تَمَامٍ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ قَامَ

حَتّٰی نَقُوْلَ قَدْ اَوْهَمَ ثُمَّ یُکَبِّرُ وَیَسْجُدُ وَکَانَ یَقْعُدُ بَیْنَ السَّجْدَتَیْنِ حَتّٰی نَقُوْلَ قَدْ اَوْهَمَ۔

انس بن مالکؓ نے کہا کہ میں نے کسی آدمی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مختصر مگر پوری اور مکمل پڑھتا ہو۔ جب آپؐ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے تو کھڑے رہتے حتیٰ کہ ہم کہتے کہ شاید آپکو وہم ہوگیا ہے۔ پھر آپ تکبیر کہتے اور سجدہ کرتے اور دونوں سجدوں کے درمیان اتنا بیٹھتے کہ ہم سمجھتے شاید آپؐ کو وہم ہوگیا ہے۔

شرح: علامہ شوکانی نے ابن دقیق العید کے حوالے سے کہا ہے کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نماز میں اعتدال خود ایک طویل رکن ہے اور انسؓ کی حدیث اس دلالت میں بہت صریح بلکہ نص ہے جس سے کسی دلیل ضعیف کی بنا پر ہٹنا جائز نہیں، مثلاً فقہار کا یہ قول کہ جس رکن میں تسبیحات کو بار بار دہرانا مسنون نہ ہو اسے طویل تر نہ کیا جائے مثلاً رکوع اور سجدہ (یعنی ان کی تطویل تو جائز ہے مگر ان فقہار کے بقول جن ارکان میں تسبیحات کا اعادہ نہیں ان کی تطویل جائز نہیں مثلاً قومہ اور جلسہ) اس دلیل کے ضعف کا سبب یہ ہے کہ یہ نص کے مقابلے میں قیاس ہے۔ یہی سبب ہے کہ گو شافعی مذہب میں مختصر رکن کو ذکر کے ذریعے طویل کرنا جائز نہیں مگر امام نوویؒ نے اس مسلک کو اختیار کیا ہے کہ مختصر رکن کو بذریعہ ذکر و دعاء لمبا کرنا جائز ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا کہ ان لوگوں پر تعجب ہے جو اس حدیث کے باوجود یہ کہتے ہیں کہ اعتدال ارکان کو طویل کر دینے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس کی توجیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب اعتدال کو طویل کیا جائے تو موالات ارکان ختم ہو جائے گی۔ ہم کہتے ہیں کہ موالات بے شک واجب ہے مگر اس کا معنی یہ ہے کہ ارکان صلاۃ کے درمیان کوئی ایسا فاصلہ نہ ہو جائے جو صلاۃ میں سے نہیں ہے۔ اور جو چیزیں شرعاً ثابت ہیں ان کے متعلق یہ نہیں کہا سکتا کہ یہ صلاۃ میں سے نہیں ہیں۔

مولاناؒ نے فرمایا کہ قومہ اور جلسہ کو طویل کرنے کا ذکر انس بن مالکؓ نے تو اس حدیث میں کیا ہے لیکن جن دیگر اصحابؓ نے حضورؐ کی نماز کا وصف بیان کیا ہے انھوں نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح جمہور ائمہ نے اصحاب ظواہر کے سوا اس حدیث کو معمول بہ نہیں ٹھہرایا۔ شاید ابتدا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو طویل کیا کرتے ہوں گے اور پھر آپؐ کو تخفیف کا حکم ملا۔ یا یوں کہئے کہ یہ تطویل کی صورت نفل نماز میں ہوتی ہوگی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قومہ اور جلسہ کو اس وقت لمبا کیا ہو جب آپؐ نے یہ حکم دیا تھا کہ مقتدی امام پر سبقت نہ کریں۔ اور یہ تطویل اس لیے ہوگی کہ لوگ اس وقت سجدے میں جائیں جبکہ پہلے آپ جا چکے ہیں۔ سبقت سے آپ نے لوگوں کو قولاً بھی منع فرمایا اور فعلاً بھی اس کا عادی بنانے کی سعی فرمائی۔ علاوہ ازیں باقی تمام احادیث جن میں قومہ اور جلسہ کا ذکر آتا ہے ان میں تطویل نہیں ہے۔ مثلاً جس شخص نے نماز کو جلدی جلدی بلا تعدیل ادا کیا تھا اور حضورؐ نے بار بار اسے اعادے کا حکم دیا تھا اس واقعہ کے بیان میں حدیث کہتی ہے کہ "پھر تو سر اٹھا حتیٰ کہ درست طور پر کھڑا ہو جائے" اور اسی طرح سجدوں کے درمیان اسے حکم دیا کہ: پھر بیٹھ جا حتیٰ کہ تو اطمینان سے بیٹھ جائے"۔ اسی طرح ابو حمید ساعدیؓ کی حدیث جو حضورؐ کے دس اصحاب میں بیان ہوئی تھی اس میں بھی قومہ اور جلسہ کی تطویل کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ پس انسؓ

کی یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو فعل قومہ اور جلسہ کے متعلق بتاتی ہے وہ آپ کی دائمی عادت کے خلاف تھا۔ اس کا قرینہ یہ بھی ہے کہ انس رضؓ نے اس تطویل کو خود بھی محسوس کیا اور کہا کہ: ہم یہ سمجھتے کہ آپؐ کو سہو ہو گیا ہے۔ غالبًا یہی سبب ہے کہ جمہور ائمہ نے اس فعل کو ایک عارضی اور استثنائی صورت جانتے ہوئے اختیار نہیں کیا۔

۸۵۵- حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَأَبُو كَامِلٍ دَخَلَ حَدِيثُ أَحَدِهِمَا فِي الْآخَرِ قَالَا نَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ هِلَالِ بْنِ أَبِي حُمَيْدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ رَمَقْتُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ أَبُو كَامِلٍ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلٰوةِ فَوَجَدْتُ قِيَامَهُ كَرَكْعَتِهِ وَسَجْدَتَهُ وَاعْتِدَالَهُ فِي الرَّكْعَةِ كَسَجْدَتِهِ وَجَلْسَتَهُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ وَسَجْدَتَهُ مَا بَيْنَ التَّسْلِيمِ وَالْاِنْصِرَافِ قَرِيبًا مِنَ السَّوَاءِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ قَالَ مُسَدَّدٌ فَرَكْعَتُهُ وَاعْتِدَالُهُ بَيْنَ الرَّكْعَتَيْنِ فَسَجْدَتُهُ فَجَلْسَتُهُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ فَسَجْدَتُهُ فَجَلْسَتُهُ بَيْنَ التَّسْلِيمِ وَالانصراف قَرِيبًا مِنَ السَّوَاءِ۔

براء بن عازبؓ نے کہا کہ میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالتِ نماز میں بنظرِ غائر دیکھا تو آپ کے قیام کو آپ کے رکوع اور سجدے کی مانند پایا اور رکوع کے بعد آپ کا اعتدال (قومہ) سجدے کی مانند دیکھا۔ اور دونوں سجدوں کے درمیان آپؐ کا جلسہ اور سلام اور نماز کے اختتام کے درمیان آپؐ کا سجدہ (سہو) تقریبًا برابر پایا۔ ابو داؤدؒ نے کہا کہ مسددؒ نے اپنی روایت میں کہا: پس آپؐ کا رکوع اور آپ کا اعتدال جو رکوع اور سجدے کے درمیان ہوتا (بین الرکعتین) پھر آپؐ کا سجدہ اور دونوں سجدوں کے درمیان آپؐ کا جلسہ، پھر آپ کا دوسرا سجدہ اور سلام اور نماز کے اختتام کے درمیان کا جلسہ تقریبًا برابر ہوتا تھا۔

شرح: اس حدیث میں بعض الفاظ ایسے آ گئے ہیں جن سے غلط فہمی کا امکان ہے لیکن ذرا غور کیا جائے تو مطلب حل ہو جاتا ہے۔ اور اس حدیث کی دوسری روایت کو بھی اگر مدِ نظر رکھیں مثلاً مسلم کی روایت، تو معاملہ آسان تر ہو جاتا ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمایا ہے کہ، فوجدت قیامہ کرکعتہ وسجدتہ۔ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں (۱) یہ کہ حضورؐ کے قیام کی مقدار آپؐ کے رکوع اور سجدے کی مجموعی مقدار کے برابر ہوتی تھی (۲) یہ کہ حضورؐ کے قیام کی مقدار بھی اسی قدر تھی جتنی رکوع اور سجدے میں سے ہر ایک کی تھی۔ پھر رکوع میں آپؐ کا اعتدال اور سجدہ میں خرچ ہونے والا وقت برابر تھا۔ اسی طرح رکوع کے بعد قومہ بھی سجدے کی مقدار پر تھا۔ پھر دونوں سجدوں کا درمیانی قعدہ اور سجدۂ سہو (اگر ہو تو) برابر ہوتا تھا۔ مسدد کی روایت کے مطابق حضورؐ کا رکوع اور رکوع و سجدہ کے درمیان کا وقفہ (قومہ) برابر ہوتا تھا۔ پھر سجدہ اور دونوں سجدوں کا درمیانی جلسہ برابر ہوتا تھا۔ اسی طرح دوسرا سجدہ اور

تسلیم وانحراف کا درمیانی جلسہ، یعنی سجدۂ سہو سے لے کر انتہائے صلاۃ تک کا فاصلہ برابر ہوتا تھا۔ حضرت مولاناؒ مرحوم نے اس حدیث پر ایک طویل کلام فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مسلم میں یہ روایت حامد بن عمر اور ابو کامل کی کی روایت سے آئی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ: میں نے آپ کا قیام، پھر رکوع، پھر رکوع کے بعد والا اعتدال (قومہ) پھر آپ کا سجدہ پھر دونوں سجدوں کا درمیانی جلسہ پھر آپؐ کا دوسرا سجدہ اور تسلیم وانصراف کا درمیانی جلسہ تقریبًا برابر پایا تھا۔ نسائی نے یہ حدیث عمرو بن عون کے طریق سے اور اس نے ابو عوانہ سے روایت کی ہے کہ براء بن عازبؓ کا بیان ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں غور سے دیکھا تو میں نے آپ کا قیام اور رکوع اور رکوع کے بعد قومہ پھر سجدہ پھر دونوں سجدوں کے درمیان کا جلسہ پھر دوسرا سجدہ پھر تسلیم وانصراف کا درمیانی جلسہ تقریبًا برابر پایا۔ امام احمد نے بھی یہ حدیث عفان کے طریق سے ابو عوانہ سے روایت کی ہے جس کے الفاظ مسلم کی حدیث جیسے ہیں۔ ان احادیث سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ابو داؤد نے اس حدیث کو ابو کامل کے الفاظ سے جو روایت کیا ہے اس میں غلطی اور تصحیف واقع ہو گئی ہے۔ باقی سب راوی "تسلیم وانصراف کا درمیانی جلسہ" بیان کرتے ہیں مگر ابو کاملؒ "تسلیم وانحراف کا درمیانی سجدہ" بیان کرتا ہے اور یہ غلط ہے، یہاں پر جلسہ کے بجائے سجدہ کا لفظ روایت ہو گیا ہے۔ اگرچہ بعض شارحین نے اس سجدہ کے لفظ کو درست مان کر اس سے مراد سجدۂ سہو لیا ہے مگر اصل روایت میں یہ لفظ تھے: وسجدتہٗ وجلستہٗ ما بین التسلیم والانحراف، پس کسی راوی نے وجلستہٗ کا لفظ ساقط کر دیا۔ اور اسی طرح رکعتہ وسجدتہ پر حرف کاف کو داخل کر دیا اور اسی طرح رکعتہ کے بعد سجدتہٗ کا لفظ بیان کر دیا، یہ سب اس حدیث میں وہم، سقوط اور تقدیم وتاخیر کے باعث اور زیادت ونقصان کے باعث تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔ ابوداؤد نے جو اس حدیث کے آخر میں مسدد کے الفاظ بیان کئے ہیں، شاید ان میں یہ اشارہ کرنا مدِّنظر تھا کہ ابو کامل کی روایت میں وہم کا عمل ودخل ہوا ہے لیکن اس میں بھی مسلم کی روایت کے باعث مشکل پیش آتی ہے جو اس نے حامد بن عمر اور ابو کامل سے کی ہے اور وہ دونوں ابو عوانہ سے روایت کرتے ہیں۔ پھر ان دونوں میں بھی اختلاف ہے۔ ابو کامل کی روایت میں عن ابی عوانہ کا لفظ ہے اور حامد کی روایت میں ہے: حدثنا ابو عوانۃ۔ آگے دونوں کی سند ایک ہے اور الفاظِ حدیث بھی بظاہر مسدد کے الفاظ سے ملتے جلتے ہیں۔ پس یہ کیسے ممکن تھا کہ ابو داؤد کی روایت میں ابو کامل کے لفظ مسلم کی روایت کے خلاف ہوں؟ مولاناؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک اس مشکل سے خلاصی پانا مشکل ہے۔ سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ابو کامل نے جب مسلم سے روایت بیان کی تو اسے حدیث خوب یاد تھی لہٰذا اس نے درست بیان کی پھر جب ابو داؤد سے بیان کی تو اس کے الفاظ کو بھول گیا اور روایت بالمعنیٰ کی اور اس میں غلطی کر گیا۔ اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ ہم غلطی کو ابو کامل کی طرف منسوب کریں۔ مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ غلطی اور وہم خود ابو داؤد کی طرف سے ہو جیسا کہ روایت کی ابتدا میں اس نے کہا ہے کہ: دَخَلَ حَدِیْثُ اَحَدِھِمَا فِی الْاٰخَرِ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ابو داؤد کو یہ یاد نہ تھا کہ مسدد کے الفاظ کون سے تھے اور ابو کامل کے کون سے تھے۔ پھر آخر میں اس نے مسدد کے الفاظ کو ممتاز کرنے کی کوشش کی مگر اختلاط تو ہو ہی چکا تھا لہٰذا ابو کامل کے الفاظ کو مسدد کا سیاق تھا۔ لیکن اس جواب کی صحت اس بات پر موقوف ہے کہ مسدد کا سیاق کسی اور جگہ بھی اس سیاق کے مطابق موجود ہو اور اس کے خلاف نہ ہو۔ لیکن کوشش کے باوجود

مجھے مسدد کا سیاق ابوداؤد کے علاوہ اور کہیں نہیں ملا لہذا بہتر یہی ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہ غلطی اور تصحیف ہے جس میں نہ تو ابو کامل کا قصور ہے نہ ابوداؤد کا، بلکہ یہ کسی نقل کرنے والے کاتب کی تصحیف ہے اور کاتبوں کی تصحیفات اور تصرفات تو اس سے بڑے بڑے اور قبیح تر بھی ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

امام نووی نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں قراۃ اور تشہد کی تخفیف کی دلیل، اور رکوع وسجود میں طمانیت کی لمبائی کی دلیل، اور رکوع وسجود کے بعد اعتدال (قومہ وجلسہ) کی لمبائی کی دلیل موجود ہے۔ اور براءؓ کا یہ قول کہ "قریبًا من السواء"، اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ پوری طرح برابر نہ تھے بلکہ بعض میں بعض پر کچھ طول موجود تھا مثلاً قیام میں اور شاید تشہد میں بھی۔ اور یہ معلوم رہے کہ یہ حدیث بعض احوال پر محمول ہے ورنہ اوپر کی احادیث سے ثابت ہوچکا ہے حضورؐ کے قیام میں طول ہوا کرتا تھا اور فجر کی نماز میں حضورؐ ساٹھ سے لے کر سو آیتوں تک کی قرأت فرماتے تھے۔ اور ظہر کی نماز میں الٓمٓ السجدہ کی قرأت فرمائی۔ اور یہ کہ نماز کی اقامت ہوجاتی تھی اور کوئی جانے والا بقیع کی طرف جاتا اور رفع حاجت کے بعد طہارت اور وضوء سے فارغ ہوکر آتا تو پہلی رکعت کو ہی پالیتا تھا۔ اور یہ کہ حضورؐ نے نماز مغرب میں سورۂ طور اور مرسلات کی تلاوت فرمائی۔ اور بخاری میں ہے کہ سورۂ اعراف اور اس جیسی طویل سورتیں پڑھیں۔ یہ سب احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختلف احوال میں قیام کا طول مختلف رکھتے تھے پس یہ موجودہ حدیث بعض احوال پر دلالت کرتی ہے نہ کہ آنجنابؐ کی دائمی اور مستمر سنت پر۔ مسلم کی ایک اور روایت بھی اس قسم کی ہے مگر اس میں قیام سرے سے ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح بخاری نے ایک روایت بیان کی مگر اس میں: "ما خلا القیام والقعود" کا لفظ ہے اور یہ ایک اور روایت کی تفسیر ہے۔

اس حدیث میں "فجلسته ما بین التسلیم والانحراف" کے الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلام کے بعد کچھ دیر مصلیٰ پر تشریف فرما رہتے تھے۔ مولانا محمد یحیٰی مرحوم نے اپنے استاذ محترم حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی تقریر میں نقل کیا ہے کہ اس جلسے سے مراد تشہد اور قعدۂ اخیرہ مراد لیا جائے تو بھی ممکن ہے، اور اس جلسے کا تسلیم اور انصراف کے درمیان میں ہونا اس لحاظ سے ہے کہ تسلیم سے مراد تشہد کے الفاظ "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ" الخ ہیں اور انصراف سے مراد آخری سلام ہے جس پر نماز ختم ہوجاتی ہے۔ اور بھی ممکن ہے کہ لفظ تسلیم سے مراد آخری سلام ہو اور انصراف سے مراد اٹھ کر جانا ہو کیونکہ سلام کے بعد کچھ دیر انتظار فرماتے تھے کہ عورتیں گھروں کو چلی جائیں اور پھر مرد مسجد سے نکلیں۔

مولانا نے فرمایا کہ اس حدیث میں ایک اور اشکال بھی ہے، اور وہ یہ کہ بخاری کی حدیث مسلم اور ابوداؤد کی حدیث کے خلاف ہے اس باب میں کہ آیا اس مساوات میں قیام شامل ہے یا نہیں؟ سو بخاری نے یہ حدیث بروایت الحکم عن ابن ابی لیلیٰ "باب استواء الظہر فی الرکوع" میں بیان کی ہے اور اس میں اس مساوات سے قیام اور قعود کا استثناء ہے۔ مسلم اور ابوداؤد نے ہلال عن ابن ابی لیلیٰ یہی روایت بیان کی ہے تو اس میں قیام کا استثناء نہیں ہے، یعنی قیام بھی دوسرے ارکان کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے باب الطمانینۃ میں الحکم عن ابن ابی لیلیٰ کی حدیث کے ضمن میں بیان کیا ہے کہ: اس طریق میں قیام وقعود کا استثناء نہیں آیا حالانکہ اسی حدیث میں باب استواء الظہر میں گذرا ہے کہ: "ما خلا القیام والقعود" اور مسلم کی حدیث میں بھی آیا ہے کہ: "فوجدت قیامه

فرکعتہ، فاعتد انہ، الخ: ابن دقیق العید نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس روایت کو وہم کی طرف منسوب کیا ہے۔ حافظ صاحب نے کہا ہے کہ ثقہ راوی کی طرف وہم کو منسوب کرنا خلاف اصل ہے، پس روایات کی تحقیق کرنی چاہیئے اور مخارج حدیث سے اتحاد و اختلاف کا پتہ چلانا چاہیئے۔ مولانا رحمہ نے فرمایا کہ حافظ صاحب کے قول کے مطابق میں نے اس حدیث کے طرق جمع کئے تو ان کا مدار ابن ابی لیلیٰ عن براءؓ پر پایا۔ لیکن جس روایت میں قیام کے ذکر کا اضافہ ہے یعنی ہلال بن حمید عن ابن ابی لیلیٰ وہ الحکم عن ابن ابی لیلیٰ کی روایت کے خلاف ہے (کیونکہ الحکم نے یہ اضافہ بیان نہیں کیا) ان دونوں راویوں میں اور کوئی اختلاف نہیں۔ ہاں بعض راویوں نے شعبہ عن الحکم عن ابن ابی لیلیٰ کے طریق میں ما خلا القیام والعقود کا لفظ بیان کیا ہے۔ اور جب ان دونوں روایتوں کو جمع کریں تو اس اضافے کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ قیام جو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ قیام للقراءۃ ہے اور اسی طرح قعود سے مراد قعود للتشہد ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ مَنْ لَا يُقِيْمُ صُلْبَهٗ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ

اس شخص کی نماز کا باب جو رکوع و سجود سے اپنی کمر سیدھی نہیں کرتا۔

۸۵۶۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ النَّمَرِيُّ نَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ اَبِيْ مَعْمَرٍ عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدِ الْبَدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُجْزِئُ صَلٰوةُ الرَّجُلِ حَتّٰى يُقِيْمَ ظَهْرَهٗ فِي الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ۔

ابو مسعود بدری رضؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آدمی کی نماز اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک وہ رکوع اور سجدے میں اپنی پشت سیدھی نہ کرے۔

شرح: یہ حدیث تعدیل ارکان کی فرضیت پر دلالت کرتی ہے اور امام ابو یوسفؒ اور شافعیؒ کا یہی مذہب ہے۔ ان کا قول ہے کہ اگر نمازی طمانیت کو ترک کر دے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ نے کہا کہ رکوع و سجود میں طمانیت و قرار فرض نہیں۔ یہی اختلاف قومے اور جلسے کے بارے میں بھی ہے۔ الحسن نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ جو شخص رکوع میں اپنی پشت سیدھی نہیں کرتا اگر اس کی کیفیت رکوع کی نسبت قیام سے قریب تر ہو تو رکوع نہ ہوا لیکن اگر قیام کی نسبت صحیح رکوع سے قریب تر ہو تو نماز ہو گئی کیونکہ اکثر کو کل کا حکم دیا جاتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور شافعیؒ نے اس حدیث سے اور اس اعرابی والی حدیث سے استدلال کیا ہے جس نے نماز میں رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ درست نہ کیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بار بار نماز کا اعادہ کروایا تھا اور یہ حدیث ابھی آ رہی ہے۔ اس سے استدلال تین طرح سے ہے: (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نماز لوٹانے کا حکم دیا تھا۔ نماز کا اعادہ نماز کے فساد و بطلان کے باعث تھا کیونکہ اس کے ارکان صلاۃ

فوت ہو رہے تھے (۲) آپؐ نے اس سے ارشاد فرمایا تھا کہ: جا جا کر نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ پس یہ جو نفی فرمائی اس سے پتہ چلا کہ اس شخص کی نماز سرے سے نہیں ہوئی تھی۔ (۳) حضورؐ نے اس شخص کو طمانیت کا حکم دیا تھا اور مطلق امر فرضیت کے لیے ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ارکان صلاۃ کی ادائیگی میں طمانیت فرض ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور محمد بن الحسنؒ نے طمانیت کی فرضیت کی نفی پر قرآن مجید کی آیت سے استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا۔ اس آیت میں مطلق رکوع و سجود کا حکم ہے۔ رکوع کا معنیٰ ہے جھکنا اور پست ہونا اور سجود کا معنیٰ ہے سر کو پست کرنا اور خاص کیفیت سے زمین کی طرف جھکنا اور اعضاء کو زمین پر رکھنا۔ پس جب کسی نے جھکنے اور سر زمین پر رکھنے کا تقاضا (شرعاً) پورا کر دیا تو اس نے وہ رکوع اور سجدہ کر دیا جس کا حکم ملا تھا۔ جہاں تک طمانیت کا تعلق ہے اس کا معنیٰ ہے "اصل فعل پر دوام" اور فعل کا حکم دوام کو متقاضی نہیں ہوتا۔ اعرابی والی حدیث صحیح ہے مگر آحاد میں سے ہے اور کتاب اللہ کی ناسخ نہیں ہو سکتی، ہاں اس میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ امر الٰہی کی تکمیل کرے، پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امر وجوب کے لیے تھا، نہ کہ فرضیت کے لیے۔ یاد رہے کہ حنفیہ فرضیت اور وجوب میں فرق کرتے ہیں) اور حضورؐ نے اس کی صلاۃ کی نفی کو مستلزم تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جو نماز لوٹانے کا حکم دیا تھا وہ وجوب کے لیے تھا تاکہ نقصان صلاۃ کی تلافی ہو اور آئندہ کے لیے زجر و تنبیہ کا سبب ٹھہرے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ شراب کی حرمت کے موقع پر آپؐ نے اس کے مٹکوں کو توڑنے کا حکم بھی دیا تھا تاکہ امر کے تقاضے کی تکمیل ہو سکے۔ علاوہ ازیں یہ حدیث خود شافعیؒ اور ابو یوسف کے مسلک کے بر خلاف دلیل ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کو بار بار نماز کے اعادے کا حکم دیا تاکہ وہ اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر خود ہی اس کی صلاح اور تلافی کرے لیکن آپؐ نے اس کو نماز قطع کرنے کا حکم ایک بار بھی نہ دیا حالانکہ اس کی نماز سرے سے باطل تھی تو یہ بار بار کا اعادہ معاذ اللہ ایک فعل عبث تھا۔ فاسد و باطل نماز کو تو پڑھنے دینا ہی غلط تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ شخص فرض کی ادائیگی تو کر رہا تھا مگر یہ ادائیگی ناقص تھی جس پر حضورؐ نے اسے مطلع فرمایا۔ یہ بھی معلوم رہنا لازم ہے کہ رکوع میں طمانینت ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کے نزدیک واجب ہے۔ امام کرخی نے اسی طرح بیان کی ہے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص سہو سے اسے ترک کر دے تو سجدہ سہو لازم ہوگا۔ ابو عبداللہ جرجانی نے کہا کہ طمانینت سنت مؤکدہ ہے اس کے ترک سے سجدہ سہو لازم نہیں ہوتا (یعنی بھول کر ترک کرنے سے) اسی طرح رکوع و سجود کا درمیانی قومہ اور دونوں سجدوں کا درمیانی قعدہ بھی۔ مگر صحیح وہی ہے جو کرخی نے بیان کیا کیونکہ طمانینت رکن صلوٰۃ کو کامل بنانے کے لیے ہے اور رکن کو کامل بنانا واجب ہے جیسا کہ قرأت کو الفاتحہ کے ساتھ کامل کرنا۔ تم دیکھتے نہیں ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کی نماز کو معدومیت کے ساتھ ملایا اور نماز کی معدومی کا حکم تبھی دیا جاتا ہے جبکہ یا تو رکن کو ترک کر کے نماز کو معدوم کیا جائے یا کسی واجب کو ترک کر کے اس میں نقص پیدا کیا جائے۔ جہاں تک ترک سنت کا تعلق ہے اس کے سبب سے نماز معدوم نہیں ہوتی، اس کا ترک گو شدید کراہت کا باعث ہے پھر بھی اس سے اتنا فاحش نقصان پیدا نہیں ہوتا کہ نماز بالکل ہی معدوم ہو جائے۔ تاہم اس کا ترک بڑی بدنصیبی ہے حتیٰ کہ امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: مجھے خوف ہے کہ سنت کے ترک کرنے والے کی نماز جائز نہ ہوگی۔

۸۵۷۔ حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِيُّ نَا أَنَسٌ يَعْنِي ابْنَ عِيَاضٍ ح وَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ وَهَذَا لَفْظُ ابْنِ الْمُثَنَّى حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ السَّلَامَ وَقَالَ فَقَالَ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ الرَّجُلُ فَصَلَّى كَمَا كَانَ صَلَّى ثُمَّ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ ثُمَّ قَالَ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ حَتَّى ذَلِكَ ثَلَاثَ مِرَارٍ فَقَالَ الرَّجُلُ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أُحْسِنُ غَيْرَ هَذَا فَعَلِّمْنِي قَالَ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ اجْلِسْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ افْعَلْ ذَلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا قَالَ أَبُو دَاوُدَ قَالَ الْقَعْنَبِيُّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَقَالَ فِي آخِرِهِ فَإِذَا فَعَلْتَ هَذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ وَمَا انْتَقَصْتَ مِنْ هَذَا شَيْئًا فَإِنَّمَا انْتَقَصْتَهُ مِنْ صَلَاتِكَ وَقَالَ فِيهِ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوءَ۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو ایک آدمی اندر آیا، اس نے نماز پڑھی پھر آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب دیا اور اس سے فرمایا کہ: تو واپس جا اور نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ پس وہ شخص واپس گیا اور پہلے کی مانند نماز پڑھی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا اور آپ کو سلام کہا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھ پر بھی سلام ہو، پھر فرمایا: واپس جا اور نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ حتیٰ کہ تین مرتبہ ایسا کیا تو اس شخص نے کہا: اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا میں اس سے بہتر نماز نہیں پڑھ

سکتا آپؐ مجھے سکھائیں۔ ارشاد فرمایا کہ جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو تو تکبیر کہہ، پھر جتنا تجھے میسر ہو قرآن پڑھ، پھر تو رکوع کر حتیٰ کہ تو حالتِ رکوع میں مطمئن ہو جائے، پھر سر اٹھا حتیٰ کہ قیام کی حالت میں اعتدال ہو جائے، پھر سجدہ کر حتیٰ کہ حالتِ سجود میں اطمینان ہو جائے۔ پھر بیٹھ جا حتیٰ کہ حالتِ جلسہ میں اطمینان ہو جائے۔ پھر تو اپنی ساری نماز میں یوں ہی کر۔ قعنبی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آخر حدیث میں حضورؐ نے فرمایا، جب تو نے یہ کیا تو تیری نماز پوری ہو گئی اور اس میں سے تو جتنا بھی کم کرے گا وہ اپنی نماز میں سے کم کرے گا۔ اور اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: جب تو نماز کی طرف اٹھے (یعنی ادائے صلاۃ کا ارادہ کرے) تو اچھی طرح وضو کر۔

شرح: اس حدیث میں حضورؐ کے مسجد میں تشریف لے جانے کا ذکر ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ وہ شخص جب مسجد میں گیا تو حضورؐ مسجد کے ایک طرف تشریف فرما تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ اس شخص کا نام خلاد بن رافع تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے اسے خلاد بن انصاری بتایا ہے۔ روایات میں ہے کہ وہ جنگ بدر میں شہید ہوا تھا۔ اس بنا پر یہ بات تو واضح ہو گئی کہ یہ قصہ ابتدا کا ہے مگر ابوہریرہؓ تو جنگ خیبر کے بعد اسلام لائے تھے درانحالیکہ جنگ بدر ۲ھ میں واقع ہوئی تھی۔ سو ابوہریرہؓ نے دیگر صحابہؓ سے سن کر اسے روایت کیا ہے اور مرسلات صحابہ بالاتفاق مقبول ہیں۔ اس شخص نے جو نماز پڑھی وہ تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں تھیں جیسا کہ نسائی کی روایت میں صراحت ہے کہ اس نے دو رکعت پڑھی تھیں۔ ایک اور حدیث میں کسی دوسرے شخص کو حضورؐ نے یہی ادب سکھایا تھا کہ جاؤ پہلے دو رکعت پڑھو پھر آ کر مجھے سلام کہو۔ اس شخص کو جو حضورؐ نے بار بار نماز کے اعادے کا حکم دیا تھا اس سے ابوحنیفہؒ اور محمدؒ کا موقف صحیح نظر آتا ہے کہ اس کی نماز تو ہو جاتی تھی مگر ناقص رہتی تھی۔ بصورتِ دیگر لازم آئے گا کہ حضورؐ اسے بار بار فاسد نماز پڑھنے کا حکم دیتے رہے اور اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں! آپ نے اس خیال سے اسے پہلی بار تعلیم نہیں دی کہ غور کرنے سے اسے خود ہی تنبیہ ہو جائے، مگر جب ایسا نہ ہوا اور اس نے حضورؐ سے تعلیم کا سوال کیا تو آپ نے اس کی غلطی واضح فرمائی۔

اس حدیث میں فَاقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ کے الفاظ سے دراصل قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ۔ اور آیت و حدیث میں واضح دلیل اس امر کی ہے کہ مطلق قراءتِ قرآن فرض ہے اور ایک آیت سے کم پر قرآن کا اطلاق نہیں ہوتا لہٰذا کم از کم ایک آیت کی قراءت فرض ہوئی، یہی ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی خاص سورت (فاتحہ ہو یا اور) کی قراءت فرض نہیں ہے۔ ہاں قراءت از روئے کتاب و سنت فرض ہوئی اور سورۂ فاتحہ کو خاص کرنا از روئے احادیث (جن میں فاتحہ کا نام آیا ہے) واجب ہے۔ احمد، بیہقی اور ابن حبان کی روایت میں یہاں پر یہ لفظ ہے: ثُمَّ اقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ۔ مولاناؒ نے فرمایا ہے کہ اس روایت کی تصحیح میں نظر ہے، اور اگر یہ صحیح ہے تو روایت بالمعنی ہوئی ہے۔ ابوبکر اصم کے نزدیک قراءت مطلقاً فرض نہیں ہے۔ حنفیہؒ کے نزدیک دو رکعتوں میں قراءت فرض ہے اور پہلی دو رکعتوں کی تعیین کرنا واجب ہے۔ بعض نے صرف ایک رکعت میں اور بعض نے تین میں مطلق قراءت کو فرض قرار دیا ہے۔

اس حدیث میں رکوع سے سیدھا کھڑا ہونے کو حَتّٰى تَعْتَدِلَ قَائِمًا کے لفظ سے ظاہر کیا گیا ہے جس سے

معلوم ہوا کہ اعتدال رسیدھا کھڑا ہونا) تو واجب ہے مگر اطمینان واجب نہیں۔ مگر ابن حبان کی روایت میں حتّٰی تطمئن قائمًا کے الفاظ ہیں۔ امام الحرمین جیسے جلیل القدر شافعی عالم اور امام کو سہو ہو گیا کہ انہوں نے کہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قومے اور جلسے میں اطمینان کا ذکر نہیں فرمایا، حالانکہ اس متفق علیہ صحیح حدیث میں جلسے کا اطمینان مذکور ہے۔ ہاں! قومے کا نہیں۔ حافظ ابن حجر نے اعتدال کے لفظ سے قومہ میں بھی اطمینان کا مذکور ہونا بیان کیا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ حافظ صاحب کا سہو ہے ورنہ اعتدال اور اطمینان دو مختلف چیزیں ہیں۔ اس حدیث میں سجدۂ ثانیہ اور اس سے سر اٹھانے کا ذکر نہیں ہے حالانکہ بخاری و مسلم کی روایت میں ان دونوں کا ذکر آتا ہے۔ امام نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں واجبات صلوٰۃ کا ذکر ہے سنن کا نہیں، مگر جو واجبات سائل کو پہلے سے معلوم تھے انہیں بیان نہیں فرمایا بلکہ وہ جن میں غلطی کر رہا تھا ان پر تنبیہ فرمائی ہے۔ چنانچہ اس میں نیت کا ذکر ہے نہ آخری قعدے میں تشہد کا، نہ ترتیب ارکان کا، ان پر تو اجماع ہے۔ اور مختلف فیہ واجبات میں سے پہلے تشہد اور حضور پر صلوٰۃ وسلام کا ذکر بھی نہیں ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ: پھر تو اپنی ساری نماز میں یوں ہی کر۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ تکبیر تحریمہ اور قرأت بھی ہر ہر رکعت میں دہرا، بلکہ یہ مطلب ہے کہ جن اعضاء و ارکان کو دہرایا جاتا ہے ان میں اس تعلیم کی پابندی کر۔ حدیث کی دوسری روایت جو قعنبی سے ہے اس میں فقد تمت صلوٰتک آلخ فرمایا گیا ہے جس سے پتہ چلا کہ حضور نے جو اس شخص کی نماز کی نفی فرمائی تھی: فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ اس سے مراد یہی ہے کہ اس کی نماز کامل نہ تھی۔

۸۵۸۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ إِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ يَحْيَى بْنِ خَلَّادٍ عَنْ عَمِّهٖ أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَذَكَرَ نَحْوَهٗ قَالَ فِيهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ لَا تَتِمُّ صَلٰوةٌ لِأَحَدٍ مِنَ النَّاسِ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ فَيَضَعَ الْوُضُوْءَ يَعْنِي مَوَاضِعَهٗ ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَحْمَدُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَيُثْنِيْ عَلَيْهِ وَيَقْرَأُ بِمَا شَاءَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ثُمَّ يَرْكَعُ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ مَفَاصِلُهٗ ثُمَّ يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَائِمًا ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ثُمَّ يَسْجُدُ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ مَفَاصِلُهٗ ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ أَكْبَرُ وَيَرْفَعُ رَأْسَهٗ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ثُمَّ يَسْجُدُ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ مَفَاصِلُهٗ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ فَيُكَبِّرُ فَإِذَا فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُهٗ۔

علی بن یحیٰی بن خلاد نے اپنے چچا سے روایت کی کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا۔ پھر گزشتہ حدیث کی طرح

ذکر کیا، اس میں کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ لوگوں میں سے کسی کی نماز مکمل نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ وہ وضو کرے اور تمام اعضاء وضو کو پاک کرے پھر تکبیر کہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے اور اس کی ثناء کرے اور قرآن میں سے جو چاہے پڑھے، پھر اللہ اکبر کہے پھر رکوع کرے حتیٰ کہ اس کے جوڑ اپنی اپنی جگہ پر اطمینان پکڑ لیں، پھر سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے حتیٰ کہ سیدھا کھڑا ہو جائے۔ پھر اللہ اکبر کہے۔ پھر سجدہ کرے حتیٰ کہ اس کے جوڑ مطمئن ہو جائیں۔ پھر اللہ اکبر کہے اور اپنا سر اٹھائے حتیٰ کہ سیدھا بیٹھ جائے۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کرے حتیٰ کہ اس کے جوڑ مطمئن ہو جائیں۔ پھر اپنا سر اٹھا کر اللہ اکبر کہے۔ پس جب اس نے یہ کیا تو اس کی نماز تمام ہو گئی۔

شرح: اصابہ میں حافظ ابن حجر نے کلبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ خلادؓ بن رافع جنگ بدر میں شہید ہوا تھا۔ حافظ ابن عبدالبر نے کہا کہ اس نے حضورؐ سے روایت بھی کی ہے اور کہتے ہیں کہ نماز کو اچھی طرح ادا نہ کرنے والا (گزشتہ حدیث والا شخص) یہی تھا۔ سنن میں اور مسند احمد میں اور مصنف ابن ابی شیبہ میں روایات موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ پیش نظر حدیث رفاعہؓ بن رافع کی ہے جو خلادؓ کا بھائی تھا، اور خلاد بن رافعؓ ہی وہ شخص تھا جو خود صاحب واقعہ ہے۔ اس حدیث میں علی بن یحییٰ کا چچا جس سے وہ روایت کرتا ہے رفاعہ بن رافعؓ ہے۔ حدیث کے مسائل پر گفتگو اوپر گزر چکی ہے۔

۸۵۹۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ نَا هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ وَالْحَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ قَالَا نَا هَمَّامٌ نَا إِسْحٰقُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ يَحْيَى بْنِ خَلَّادٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَمِّهِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ بِمَعْنَاهُ قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهَا لَا تَتِمُّ صَلٰوةُ أَحَدِكُمْ حَتّٰى يُسْبِغَ الْوُضُوْءَ كَمَا أَمَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فَيَغْسِلُ وَجْهَهٗ وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ وَيَمْسَحُ بِرَأْسِهٖ وَرِجْلَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ يُكَبِّرُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَيَحْمَدُهٗ ثُمَّ يَقْرَأُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا أَذِنَ لَهٗ فِيهِ وَتَيَسَّرَ فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ حَمَّادٍ قَالَ ثُمَّ يُكَبِّرُ فَيَسْجُدُ فَيُمَكِّنُ وَجْهَهٗ قَالَ هَمَّامٌ وَرُبَّمَا قَالَ جَبْهَتَهٗ مِنَ الْأَرْضِ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ مَفَاصِلُهٗ وَتَسْتَرْخِيَ ثُمَّ يُكَبِّرُ فَيَسْتَوِي قَاعِدًا عَلٰى مَقْعَدِهٖ وَيُقِيمُ صُلْبَهٗ فَوَصَفَ الصَّلٰوةَ هٰكَذَا أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ حَتّٰى فَرَغَ لَا يَتِمُّ صَلٰوةُ أَحَدِكُمْ حَتّٰى يَفْعَلَ ذٰلِكَ۔

علی بن یحییٰ بن خلاد اپنے باپ سے اور وہ اپنے چچا رفاعہ بن رافعؓ سے گزشتہ حدیث کے معنی کے مطابق روایت کرتا ہے رفاعہؓ نے کہا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کی نماز پوری نہیں

ہوتی حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق درست طور پر وضو نہ کرے۔ پس وہ اپنا منہ اور بازو کہنیوں تک دھوئے اور سر کا مسح کرے اور پاؤں کو گٹوں تک دھوئے پھر اللہ تعالیٰ صاحب عزت و جلال کی بڑائی اور حمد بیان کرے پھر قرآن میں سے جو اللہ کا حکم ہے اور اسے میسر ہے پڑھے۔ پھر ہمام نے حماد کی حدیث کی مانند بیان کیا۔ کہا کہ پھر تکبیر کہے اور سجدہ کرے تو اپنے چہرے کو، اور بقول ہمام چہرہ یا پیشانی زمین پر لگائے یہاں تک کہ اس کے جوڑ مطمئن ہو جائیں اور اپنی اپنی جگہ پر آ جائیں۔ پھر تکبیر کہے اور اپنے سُرینوں پر سیدھا بیٹھ جائے اور اپنی پُشت سیدھی کرے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح چار رکعتوں کا وصف بیان فرمایا حتیٰ کہ فارغ ہو گئے۔ فرمایا کہ تم میں سے کسی کی نماز تمام نہیں ہوتی جب تک کہ یہ نہ کرے۔

شرح: گزشتہ حدیث میں علی بن یحییٰ بن خلاد اپنے چچا سے (یعنی باپ کے چچا سے) روایت کرتا ہے، مگر اس حدیث میں اس کی روایت اپنے باپ سے اور اس کی روایت اپنے چچا سے ہے۔ ممکن ہے علی بن یحییٰ نے یہ حدیث اپنے باپ کے واسطے سے بھی سنی ہو اور بلا واسطہ بھی۔ پس پہلے تو اس نے رفاعہؓ سے اپنے باپ کے ذریعے سے روایت کی پھر باپ کے واسطے کے بغیر روایت کی۔ یا ان میں سے کسی روایت میں کوئی سہو یا انقطاع یا کاتب کی غلطی ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن کی قرأت تمام رکعات میں واجب ہے کیونکہ اس میں چاروں رکعات کا ذکر ہے اور یہ بھی کہ ان سب کا وصف یکساں فرمایا تھا۔ لیکن حنفیہ کا مختار مذہب اس کے خلاف ہے جو یہ ہے کہ چار رکعات کی نماز میں قرأت کا محل پہلی دو رکعتیں ہیں۔ بعض ائمہ نے کہا ہے کہ ہیں تو دو رکعتیں مگر معین نہیں، جونسی دو رکعتوں میں قرأت کرے فریضہ ادا ہو جاتا ہے۔ حسن بصریؒ نے کہا کہ قرأت نماز کی صرف ایک رکعت میں فرض ہے۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ ہر رکعت میں اور امام مالکؒ نے کہا کہ تین رکعات میں۔ حسن بصریؒ کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ۔ کیونکہ فعل کا حکم تکرار کا تقاضا نہیں کرتا سو جب کسی نے ایک رکعت میں قرأت کر لی تو امر شرع کا امتثال ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے: لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِقِرَاءَةٍ۔ پس جب قرأت ایک رکعت میں ثابت ہو گئی تو نماز میں ثابت ہو گئی۔ امام شافعیؒ کی دلیل بھی یہی ہے مگر ان کا استدلال اس سے یوں ہے کہ صلاۃ کا لفظ ہر رکعت پر بولا جاتا ہے پس جب قرأت کسی رکعت میں نہ پائی گئی تو صلاۃ بلا قرأۃ ہو گئی جو جائز نہیں ہے۔ نیز نفل کی ہر رکعت میں قرأت فرض ہے پس فرض میں بطریق اولیٰ فرض ہو گی کیونکہ فرض اس کی نسبت قوی تر ہے۔ نیز قرأت ارکان صلاۃ میں سے ایک رکن ہے، تو جب باقی تمام ارکان مثلاً قیام، رکوع اور سجدہ ہر رکعت میں فرض ہیں تو قرأت بھی ہر رکعت میں فرض ہے۔ امام مالکؒ کی دلیل بھی یہی آیت و حدیث ہے مگر انہوں نے کہا کہ اکثر رکعات کی قرأت کو آسانی کی خاطر کل کا قائم مقام ٹھہرا دیا گیا ہے۔

حنفیہ کی دلیل اس باب میں اجماع صحابہؓ ہے۔ حضرت عمرؓ نے نماز مغرب کی پہلی دو رکعات میں سے ایک میں قرأت ترک کی تو اسے آخری رکعت میں قضاء کیا اور اسے بالجہر پڑھا۔ عثمانؓ نماز عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت ترک کر دی تو پچھلی دو رکعتوں میں بالجہر قضاء کی۔ علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ نمازی آخری دو رکعتوں میں مختار ہے چاہے تو قرأت کرے اور چاہے تو خاموش رہے اور چاہے تو تسبیح

کرے۔ ایک شخص نے عائشہ رضؓ سے پچھلی دو رکعتوں میں قرأت کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: بطورِ ثناء ہونی چاہیئے۔ اور دوسرے صحابہؓ سے اس کے خلاف مروی نہیں ہے پس یہ اجماع ہے۔ اور چونکہ پچھلی دو رکعات میں اگر قرأت ہو تو اس کی حیثیت ذکر کی ہے لہٰذا اسے بہر حال پوشیدہ پڑھا جائے گا اور افتتاحِ صلاۃ کی ثناء کی مانند ہے جو فرض واجب نہیں ہے۔ اس کا باعث یہ بھی ہے کہ ارکان کا معاملہ شہرت اور ظہور پر مبنی ہے، پس اگر پچھلی رکعتوں میں قرأت فرض ہوتی تو پچھلی رکعتیں صفت میں تمام ارکان کی مانند پہلی رکعتوں کے خلاف نہ ہوتیں۔ جہاں تک آیت قرآنی کا تعلق ہے سو ہم نے دوسری رکعت کی قرأت کو اس آیت سے نہیں جانا بلکہ اجماعِ صحابہؓ سے جانا ہے جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا۔ دوسری بات یہ کہ قرأت کی فرضیت عبارۃ النص سے نہیں بلکہ دلالۃ النص سے ثابت ہوئی ہے، کیونکہ دوسری رکعت پہلی ہی کا اعادہ اور تکرار ہے اور تکرار کا مطلب ہی یہ ہے کہ پہلی رکعت کے افعال کا اعادہ کیا جائے پس اس سے بھی دوسری میں قرأت کا اعادہ نکلتا ہے۔ برخلاف دوسری دو رکعات کے، کہ وہ پہلے شفع کا اعادہ نہیں ہیں بلکہ اس پر اضافہ ہیں۔ عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ صلاۃ دراصل دو رکعت تھی پس حضر میں اس پر دو کا اضافہ کیا گیا اور سفر میں دو ہی باقی رکھی گئیں۔ اور کسی چیز پر اضافہ اس بات کا متقاضی نہیں ہوتا کہ وہ بالکل اسی چیز کی مانند ہو۔ یہی باعث ہے کہ جہر و خفاء اور مقدارِ قرأت میں دونوں شفعوں میں اختلاف ہے، یعنی پہلے شفع میں الفاتحہ کے ساتھ سورت بھی ہے مگر دوسرے میں ایسا نہیں۔ پس یہ استدلال صحیح نہیں کہ کتاب و سنت میں فرضیتِ قرأت کا بیان تو ہے مگر قرأتِ مفروضہ کی مقدار کا بیان نہیں ہے حالانکہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا فعل اس مقدار کو بتاتا ہے لہٰذا وہ کتاب اللہ کے اجمال کا بیان ہے اور اسی طرح سنت کے اجمال کا بھی۔ نفل کا معاملہ اس سے جداگانہ ہے کیونکہ نفل نماز کا ہر شفع الگ الگ ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر دوسرے شفع میں فساد واقع ہو جائے تو اس کا اثر پہلے شفع پر نہیں پڑتا، بخلاف فرض نماز کے۔ واللہ اعلم۔ مولانا فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے استدلال کے جواب میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث کچھ افعال پر مشتمل ہے جن میں سے بعض ارکانِ صلاۃ ہیں اور بعض کی حیثیت صرف واجبات کی ہے۔ اور کچھ اور ہیں جو محض سنن ہیں اور حضورؐ نے یہ جو ارشاد فرمایا کہ: پھر تو اپنی تمام نمازیں یونہی کر، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان ارکان و واجبات اور سنن کو ادا کر، اور یہ جو ارشاد ہے کہ، ان میں سے تو جتنا کم کرے گا اتنا اپنی نماز میں نقص پیدا کرے گا، اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ ان افعال میں سے جس میں نقص پڑے گا وہ اس کے درجے اور مرتبے کے لحاظ سے ہوگا۔

۸۶۰۔ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ عَنْ خَالِدٍ عَنْ مُحَمَّدٍ يَعْنِي ابْنَ عَمْرٍو عَنْ عَلِيِّ بْنِ يَحْيَى بْنِ خَلَّادٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ بِهَذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ إِذَا قُمْتَ فَتَوَجَّهْتَ إِلَى الْقِبْلَةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَبِمَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَقْرَأَ وَإِذَا رَكَعْتَ فَضَعْ رَاحَتَيْكَ عَلَى رُكْبَتَيْكَ وَامْدُدْ ظَهْرَكَ وَقَالَ إِذَا سَجَدْتَ فَمَكِّنْ لِسُجُودِكَ فَإِذَا رَفَعْتَ فَاقْعُدْ عَلَى فَخِذِكَ الْيُسْرَى۔

رفاعہ رضی اللہ عنہ بن رافع سے اسی قصہ کی روایت ہوئی ہے جس میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ: جب تو کھڑا ہو اور قبلہ کی طرف متوجہ ہو تو تکبیر کہہ پھر ام القرآن کو پڑھ اور جو اللہ چاہے اس کی قرأت کر اور جب تو رکوع کرے تو اپنی ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھ اور اپنی پشت کو پھیلا دے۔ اور فرمایا جب تو سجدہ کرے تو اپنے اعضاء کو اچھی طرح ٹکا دے اور جب تو بیٹھے تو اپنی بائیں ران پر بیٹھ۔

شرح: اس روایت کی سند میں علی بن یحییٰ بن خلاد عن ابیہ عن رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ کے الفاظ ابوداؤد کے تمام نسخوں میں سوائے نسخۂ عون المعبود کے موجود ہیں۔ یہ حدیث امام احمد نے بھی مسند میں بیان کی ہے مگر وہاں پر: عن ابیہ کا لفظ نہیں ہے۔ اور یہی روایت حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں مصنف ابن ابی شیبہ سے نقل کی ہے جس میں عن ابیہ نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ روایت میں صحیح یہی ہے کہ عن ابیہ کا لفظ نہ ہو۔ ترمذی میں بھی یہ لفظ نہیں ہے۔ بقول حافظ ابن حجر ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں بعض جگہ تو عن ابیہ عن عمہ رفاعہ رضی اللہ عنہ ہے، بعض جگہ عمہ ہے مگر رفاعہ رضی اللہ عنہ کا نام مذکور نہیں بلکہ یوں آیا ہے، عن عم لہ بدری۔ اور بعض نے عن ابیہ کا لفظ نہیں بولا۔ اور نسائی کی روایت میں عن ابیہ عن جدہ کے لفظ ہیں۔ اس حدیث میں دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا طریقہ وہی بیان ہوا ہے جو عام احادیث میں ہے یعنی بائیں پاؤں کو بچھا کر اس کے اوپر بیٹھنا۔ دراصل مسنون جلسہ یہی ہے اور اس کے خلاف جہاں بھی اور جب بھی ہوا ہے کسی عذر سے یا بیان جواز کے لیے ہوا ہے۔ اس حدیث سے اگر فاتحۃ القرآن کی فرضیت کا استدلال (بنا برامر) کیا جائے تو فاتحہ پر کچھ اور پڑھنا بھی فرض ماننا پڑے گا کیونکہ دونوں کا حکم ایک ہی رابطہ میں ہوا ہے۔

۸۶۱۔ حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ هِشَامٍ نَا إِسْمٰعِيلُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ يَحْيَى بْنِ خَلَّادِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَمِّهِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ إِذَا أَنْتَ قُمْتَ فِي صَلَاتِكَ فَكَبِّرِ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ عَلَيْكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَقَالَ فِيهِ فَإِذَا جَلَسْتَ فِي وَسْطِ الصَّلٰوةِ فَاطْمَئِنَّ وَافْتَرِشْ فَخِذَكَ الْيُسْرٰى ثُمَّ تَشَهَّدْ ثُمَّ إِذَا قُمْتَ فَمِثْلَ ذٰلِكَ حَتّٰى تَفْرُغَ مِنْ صَلَاتِكَ۔

رفاعہ رضی اللہ عنہ بن رافع نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قصے کی روایت کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب تو نماز میں کھڑا ہو تو اللہ عزوجل کی بڑائی بیان کر پھر قرآن میں سے جو میسر ہو اسے پڑھ۔ اور اس میں یہ بھی فرمایا: جب تو نماز کے وسط میں بیٹھے تو اطمینان سے بیٹھ اور اپنی بائیں ران کو بچھا دے پھر تشہد پڑھ، پھر جب تو اٹھے تو اسی طرح کر حتی کہ تو اپنی نماز سے فارغ ہو جائے۔

۸۶۲۔ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ مُوسَى الْخُتَّلِيُّ نَا إِسْمٰعِيلُ يَعْنِي ابْنَ جَعْفَرٍ

اَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ عَلِيِّ بْنِ يَحْيَى بْنِ خَلَّادِ بْنِ رَافِعٍ الزُّرَقِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَصَّ هٰذَا الْحَدِيثَ قَالَ فِيهِ فَتَوَضَّأْ كَمَا أَمَرَكَ اللّٰهُ ثُمَّ تَشَهَّدْ فَأَقِمْ ثُمَّ كَبِّرْ فَإِنْ كَانَ مَعَكَ قُرْآنٌ فَاقْرَأْ بِهِ وَإِلَّا فَاحْمَدِ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَكَبِّرْهُ وَهَلِّلْهُ وَقَالَ فِيهِ وَإِنِ انْتَقَصْتَ مِنْهُ شَيْئًا انْتَقَصْتَ مِنْ صَلَاتِكَ ۔

رفاعہ بن رافع رضؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی قصہ روایت کیا اور یہی حدیث بیان کی۔ اس میں کہا کہ، تو حکم الٰہی کے مطابق وضو کر پھر کلمۂ شہادت پڑھ (یا اذان دے) پھر اقامت کہ، پھر تکبیر کہہ اور اگر تیرے حافظے میں قرآن ہو تو اسے پڑھ ورنہ اللہ عزوجل کی حمد کر اور اس کی تکبیر و تہلیل کر۔ اور اس میں یہ بھی کہا کہ: اگر تو نے اس میں سے کچھ کم کیا تو تو نے اپنی نماز سے کم کیا۔

شرح: اس روایت کو شرح معانی الآثار میں امام طحاوی رحؒ نے روایت کیا مگر عن ابیہ کا لفظ تو وہاں موجود ہے پھر عن جدہ رفاعہ بن رافع رضؓ کا لفظ ہے مگر رفاعہ سے پہلے عن نہیں ہے۔ ترمذی نے عن ابیہ کا لفظ نہیں بولا اور پھر اس روایت کی مانند عن جدہ عن رفاعہ بن رافع رضؓ کے لفظ بولے ہیں۔ پس ابوداؤد اور ترمذی کی روایت کا سیاق صحیح ہے۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں کہا ہے کہ یہ روایت عن ابیہ عن جدہ ہے یا عن جدہ ہے۔ پس ابوداؤد کا سیاق پہلے قول پر اور ترمذی کا دوسرے قول پر مبنی ہے۔ اور طحاوی کے سیاق میں شاید عن کا لفظ عن جدہ اور رفاعہ کے درمیان سے کسی سبب سے ساقط ہو گیا ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی نے فرمایا ہے کہ اس روایت میں نماز کے بنیادی مسائل جمع ہو گئے ہیں اور یہ نماز کے واجبات و سنن اور آداب پر مشتمل ہے۔ مگر جن ارکان کی رکنیت دوسری احادیث سے ثابت ہے ان کی رکنیت کی اس میں تاکید ہو گئی ہے اور جن حصص صلاۃ کا کہیں اور ثبوت نہیں علاوہ بباعث صیغۂ امر وجوب پر باقی رہتے ہیں۔ اور جن چیزوں کے متعلق دوسرے دلائل سے ثابت ہو گیا ہے کہ ان میں امر وجوب کے لیے نہیں وہ وجوب سے خارج ہیں جیسا کہ حضورؐ کا یہ ارشاد کہ تشہد پڑھ، یا کلمۂ شہادت پڑھ یا اذان دے اور یہ لفظ کہ اقامت کر۔ اور یہ بھی بعید نہیں کہ یوں کہا جائے کہ خبر واحد جب مجمل کے بیان میں آئے تو وہ نص کے حکم میں ہوتی ہے۔ اور یہاں پر ایسا ہی ہے کیونکہ یہ حدیث نماز کے اُن مجمل احکام کے ثبوت میں آئی ہے جن کا نماز میں واجب ہونا قطعی ہے، پس اس کا مفاد یہ ہو گا وہ ارکان فرض ہیں اور صلاۃ کے اصلی ارکان ہیں، سوائے ان کے جن کے خلاف کوئی قرینہ قائم ہو چکا ہے کیونکہ وہاں پر فرضیت سے معاملہ وجوب کی طرف آجائے گا۔ مگر جب سُنیت کا قرینہ قائم ہو جائے تو وہ سنت کی طرف عدول کریں گے۔

۸۶۳ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ نَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ الْحَكَمِ ح وَنَا قُتَيْبَةُ نَا اللَّيْثُ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ تَمِيمِ بْنِ الْمَحْمُودِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ شِبْلٍ قَالَ نَهٰى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نُقْرَةِ الْغُرَابِ وَافْتِرَاشِ السَّبُعِ وَأَنْ يُوطِنَ الرَّجُلُ الْمَكَانَ فِي الْمَسْجِدِ كَمَا يُوطِنُ الْبَعِيرُ هٰذَا لَفْظُ قُتَيْبَةَ۔

عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوّے جیسا ٹھونگا مارنے سے اور درندے کی مانند بازو بچھانے سے اور مسجد میں کسی جگہ کو اپنے لیے خاص کر لینے سے جس طرح کہ اونٹ کرتا ہے منع فرما دیا یہ قتیبہ کی روایت کے لفظ ہیں۔

شرح: مسند احمد اور نسائی نے اس حدیث کو جس طرح روایت کیا ہے مولانا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر ان کی روایت ہی درست ہے تو پھر ابو داؤد کی یہ حدیث منقطع ہے یا کسی راوی کا نام ساقط ہو گیا ہے۔ کوّے جیسا ٹھونگا مارنے کا یہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوّا چونچ بھر کر جلدی سے اٹھا لیتا ہے اس طرح یہ نمازی جلدی جلدی سجدے کرے گویا ٹکریں مارتا ہو۔ اسی طرح اونٹ بھی جہاں بیٹھتا ہے اسی کا عادی ہو جاتا ہے اور پھر وہیں بیٹھنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ نمازی کے مسجد میں کوئی جگہ اپنے لیے خاص کر لینے کو مکروہ جانتے ہیں کیونکہ اگر کوئی ایسا کرے گا تو نماز اس کے لیے گویا ایک طبعی عادت سی بن جائے گی، پھر کسی اور جگہ پڑھنا بوجھل معلوم ہو گا۔ اور نماز جب طبعی عادت بن جائے تو عبادت نہ رہے گی بلکہ دوسری عادات میں شامل ہو جائے گی، یہی سبب ہے کہ ہمیشہ روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ اگر کوئی شخص کسی فاسد غرض کے لیے ایسا کرے تو اس کا معاملہ اور بھی سنگین ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس سے شہرت پسندی، ریاکاری اور اپنی نیکی کی اشاعت مدنظر ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ فاسد اغراض ہیں۔ مولانا رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا ایک اور مفسدہ بھی ہے، وہ یہ کہ آدمی جب مسجد میں کسی جگہ کو اپنی خاطر مخصوص کر لے تو دوسروں کی حق تلفی ہے، مسجد پر سب کا حق مساوی ہے۔ پھر اگر اور کوئی یہ جگہ لینا چاہے گا تو تصادم اور مزاحمت کی نوبت آئے گی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ منیٰ میں جو پہلے چلا جائے وہ جہاں چاہے ڈیرہ لگا لے۔ مسجدیں بھی اسی حکم میں ہیں۔ اگر کوئی شخص اس سے مزاحمت نہ کرے اور یہ شخص قربِ امام اور نیتِ فضل سے کوئی جگہ حاصل کرنا چاہے تو وہ اس میں داخل نہ ہو گا۔ یہ مسجد کا حکم ہے جو وقف ہے اور سب کا حق اس میں برابر ہے۔ گھر میں نماز کے لیے جو جگہ مقرر ہو اس میں یہ مفسدہ نہیں ہوتا لہٰذا اس کا حکم یہ نہیں ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ انصاری کی پسندیدہ جگہ پر نماز پڑھی تھی تاکہ وہ اسے گھر کی مسجد ٹھہرا لیں۔ امام غزالی رحمہ اللہ اور نووی کا بیان ہے کہ قاضی، مفتی اور مدرس کے لیے وقتِ صلاۃ کے علاوہ کوئی جگہ مقرر کر کے وہاں یہ دینی کام سرانجام دینا اس حکم سے خارج ہے

۸۶۴۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ نَا جَرِيرٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ سَالِمٍ الْبَرَّادِ قَالَ أَتَيْنَا عُقْبَةَ بْنَ عَمْرٍو الْأَنْصَارِيَّ أَبَا مَسْعُودٍ فَقُلْنَا لَهُ حَدِّثْنَا عَنْ صَلٰوةِ

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَامَ بَیْنَ اَیْدِیْنَا فِی الْمَسْجِدِ فَکَبَّرَ فَلَمَّا رَکَعَ وَضَعَ یَدَیْہِ عَلٰی رُکْبَتَیْہِ وَجَعَلَ اَصَابِعَہٗ اَسْفَلَ مِنْ ذٰلِکَ وَجَافٰی بَیْنَ مِرْفَقَیْہِ حَتّٰی اِسْتَقَرَّ کُلُّ شَیْءٍ مِنْہُ ثُمَّ قَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ فَقَامَ حَتّٰی اِسْتَقَرَّ کُلُّ شَیْءٍ مِنْہُ ثُمَّ کَبَّرَ وَسَجَدَ وَوَضَعَ عَلَی الْاَرْضِ ثُمَّ جَافٰی بَیْنَ مِرْفَقَیْہِ حَتّٰی اِسْتَقَرَّ کُلُّ شَیْءٍ مِنْہُ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَہٗ فَجَلَسَ حَتّٰی اِسْتَقَرَّ کُلُّ شَیْءٍ مِنْہُ فَفَعَلَ مِثْلَ ذٰلِکَ اَیْضًا ثُمَّ صَلّٰی اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ مِثْلَ ھٰذِہِ الرَّکْعَۃِ فَصَلّٰی صَلَاتَہٗ ثُمَّ قَالَ ھٰکَذَا رَأَیْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ۔

سالم البراد کا بیان ہے کہ ہم لوگ ابومسعود بدری انصاری عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کیجئے۔ پس وہ مسجد میں ہمارے سامنے کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی۔ پھر جب رکوع کیا تو اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھے اور انگلیاں ان سے نیچے رکھیں اور کہنیوں کو جسم سے جدا رکھا حتی کہ ان کے جسم کا ہر حصہ اپنی جگہ پر ٹھہر گیا، پھر سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے حتی کہ ان کا ہر جوڑ ٹھہر گیا۔ پھر اپنا سر اٹھایا اور بیٹھ گئے حتی کہ ان کا سارا جسم ٹھہر گیا۔ پھر انہوں نے ایسا ہی کیا اور چار رکعتیں پڑھیں پہلی رکعت کی مانند، پس نماز پڑھ لی تو پھر کہا: اسی طرح ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ صَلٰوۃٍ لَا یُتِمُّھَا صَاحِبُھَا تُتَمُّ مِنْ تَطَوُّعِہٖ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا باب کہ جس نماز کو نمازی پورا نہ کرے وہ اس کے نفل سے پوری ہوتی ہے

۸۶۵۔ حَدَّثَنَا یَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ نَا اِسْمٰعِیْلُ نَا یُوْنُسُ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَنَسِ بْنِ حَکِیْمٍ الضَّبِّیِّ قَالَ خَافَ مِنْ زِیَادٍ اَوِ ابْنِ زِیَادٍ فَاَتَی الْمَدِیْنَۃَ فَلَقِیَ اَبَا ھُرَیْرَۃَ قَالَ فَنَسَبَنِیْ فَانْتَسَبْتُ لَہٗ فَقَالَ یَا فَتٰی اَلَا اُحَدِّثُکَ حَدِیْثًا قَالَ قُلْتُ بَلٰی رَحِمَکَ اللّٰہُ قَالَ یُوْنُسُ وَاَحْسِبُہٗ ذَکَرَہٗ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ

إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ النَّاسُ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ أَعْمَالِهِمُ الصَّلَاةُ قَالَ يَقُولُ رَبُّنَا عَزَّ وَجَلَّ لِمَلَائِكَتِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ انْظُرُوا فِي صَلَاةِ عَبْدِي أَتَمَّهَا أَمْ نَقَصَهَا فَإِنْ كَانَتْ تَامَّةً كُتِبَتْ لَهُ تَامَّةً وَإِنْ كَانَ انْتَقَصَ مِنْهَا شَيْئًا قَالَ انْظُرُوا هَلْ لِعَبْدِي مِنْ تَطَوُّعٍ فَإِنْ كَانَ لَهُ تَطَوُّعٌ قَالَ أَتِمُّوا لِعَبْدِي فَرِيضَتَهُ مِنْ تَطَوُّعِهِ ثُمَّ تُؤْخَذُ الْأَعْمَالُ عَلَى ذَاكُمْ

انس بن حکیم ضبی زیاد سے یا ابن زیاد سے ڈرا اور مدینہ میں آگیا، پس وہ ابو ہریرہ رضی سے ملا۔ اس نے کہا کہ ابو ہریرہ رضی نے مجھ سے میرا نسب پوچھا تو میں نے اپنا نسب بتا یا۔ پس ابو ہریرہ رضی نے کہا: اے جوان! کیا میں تجھے ایک حدیث نہ سناؤں؟ انس نے کہا کہ میں نے جواب دیا کیوں نہیں، اللہ تجھ پر رحم کرے: یونس راوی کہتا ہے کہ میرے خیال میں میرے استاد حسن رح نے ابو ہریرہ رضی کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ بیان کیا کہ لوگوں کے اعمال میں سے بروز قیامت سب سے پہلے نماز کا محاسبہ کیا جائے گا۔ فرمایا ہمارا رب عزوجل اپنے فرشتوں سے فرمائے گا اور وہ خوب جانتا ہے، کہ میرے بندے کی نماز کو دیکھو کہ اس نے اسے پورا پڑھا یا ناقص۔ پس اگر وہ پوری ہوئی تو پوری لکھ دی جائے گی، اور اگر اس نے اس میں کوئی نقص پیدا کیا ہوگا تو اللہ تعالےٰ فرمائے گا: دیکھو کیا میرے بندے کا کوئی نفل ہے؟ اگر اس کا کوئی نفل ہوگا تو اللہ تعالےٰ فرمائے گا کہ میرے بندے کا فریضہ اس کے نفل سے پورا کر دو، پھر سب اعمال کو اسی حساب سے لیا جائے گا (یعنی زکوٰۃ، صوم اور حج وغیرہ میں)

شرح: علامہ عراقی نے شرح ترمذی میں کہا ہے کہ اس حدیث میں اور اس دوسری صحیح حدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے کہ: بندوں کے درمیان قیامت کے دن سب سے پہلے خونوں کا معاملہ طے کیا جائے گا۔ کیونکہ زیر نظر حدیث سے مراد حق اللہ ہے، یعنی حقوق اللہ میں سے سب سے پہلے نماز کا محاسبہ ہوگا اور اس دوسری حدیث سے مراد حقوق العباد ہیں، کہ بندوں کے حقوق میں سے سب سے پہلے خون طے کئے جائیں گے۔ اب یہ سوال باقی ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں سے پہلے کس کا حساب ہوگا۔ سو احادیث کے ظواہر سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ پہلے حقوق اللہ کا معاملہ طے ہوگا۔ مولانا رح نے فرمایا کہ یہ زیر نظر حدیث مضطرب ہے۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں کہا ہے کہ: انس بن حکیم ضبی بصری ابو ہریرہ رضی سے روایت کرتا ہے اور انس سے روایت کرنے والا حسن ہے، علی بن المدینی نے ابن جدعان کو مجہول لکھا ہے اور وہ حسن کے مشائخ میں سے ہے حسن اور ابن جدعان نے انس بن حکیم سے جو حدیث روایت کی ہے وہ مضطرب ہے۔ مولانا رح فرماتے ہیں کہ اس میں حسن پر اختلاف ہوا ہے۔ کبھی تو اس سے اس طرح روایت کی گئی جو یہاں ہے اور کبھی: عن الحسن عن حریث بن قبیصہ کہا گیا اور کبھی: عن الحسن عن صعصعۃ عمّ الاحنف۔ اور کبھی عن الحسن عن رجل عن بنی سُلیط اور اور بھی کیا کچھ کہا گیا ہے۔ ابن حبان نے ابن جدعان کو ثقات میں شمار کیا اور ابن القطان نے مجہول کہا ہے۔ پس جب اس حدیث کا حال یہ ہے تو یہ دماء والی حدیث صحیح کے خلاف کیونکر ہو سکتی ہے۔ اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی

ان میں تعارض نہیں کیونکہ حدیث صحیح میں: اَوَّلُ مَا یُقضٰی کا لفظ ہے اور اس میں اَوَّلُ مَا یُحَاسَبُ ہے۔ ممکن ہے محاسبہ پہلے صلوٰۃ میں ہو اور قضاء خون کے مقدمات میں ہو۔

اور اس حدیث میں جو فرائض کی کمی کو نوافل سے پورا کرنے کو فرمایا گیا ہے اس سے مراد ممکن ہے یہ ہو کہ فرائض کی ادائیگی میں جو نقص رہ گیا ہو اسے نوافل سے پورا کیا جائے، یا فرض اگر سرے سے چھوڑ دیئے ہوں تو ان کی جگہ نوافل رکھے جائیں۔ قاضی ابوبکر بن العربی نے کہا ہے کہ میرے نزدیک ظاہر تر بات یہ ہے کہ فرائض کے نقص کو نوافل سے پورا کیا جائے گا۔

۸۶۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ حُمَيْدٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي سُلَيْطٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِهِ

روایت حسن سے، اس کی روایت بنی سلیط کے ایک آدمی سے، اس کی روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور اس کی روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گذشتہ حدیث کی مانند ہے۔

۸۶۷۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ نَا حَمَّادٌ عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي هِنْدٍ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا الْمَعْنَى قَالَ ثُمَّ الزَّكٰوةُ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ تُؤْخَذُ الْأَعْمَالُ عَلَى حَسَبِ ذٰلِكَ۔

تمیم داری رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح کی روایت کرتا ہے۔ آخر میں کہا کہ: پھر زکوٰۃ کا بھی اسی طرح حساب ہوگا پھر سب اعمال اسی طرح لیے جائیں گے (یعنی مفروضہ اعمال جیسا کہ ابن ماجہ کی روایت میں ہے)۔

بَابُ تَفْرِيعِ أَبْوَابِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ وَوَضْعِ الْيَدَيْنِ عَلَى الرُّكْبَتَيْنِ

رکوع وسجود کے ابواب کی تفریع کا باب اور ہاتھوں کو گھٹنوں پہ رکھنا۔

۸۶۸۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ نَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي يَعْفُورٍ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ صَلَّيْتُ إِلَى جَنْبِ أَبِي فَجَعَلْتُ يَدَيَّ بَيْنَ رُكْبَتَيَّ فَنَهَانِي عَنْ ذٰلِكَ فَعُدْتُ فَقَالَ لَا تَصْنَعْ هٰذَا فَإِنَّا كُنَّا نَفْعَلُهُ فَنُهِينَا عَنْ ذٰلِكَ وَأُمِرْنَا أَنْ نَضَعَ أَيْدِيَنَا عَلَى الرُّكَبِ۔

مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اپنے باپ کے پہلو میں نماز پڑھی تو اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں کے اندر رکھا، پس سعد رضی اللہ عنہ نے مجھے اس سے منع کیا، میں نے پھر ایسا ہی کیا تو کہا: ایسا مت کرو کیونکہ ہم ایسا کیا کرتے تھے

پھر ہمیں اس سے روک دیا گیا اور حکم ملا کہ اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھیں۔

شرح: بخاری کی روایت میں ہے کہ: میں نے اپنی ہتھیلیاں ملائیں پھر انہیں رانوں کے درمیان رکھا۔ اس فعل کو تطبیق کہا جاتا ہے۔ اس حدیث میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے صریح بیان سے تطبیق کا نسخ ثابت ہوا۔ لیکن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو تطبیق کرتے رہے تو اسے اس پر محمول کیا جاتا ہے کہ انہیں نسخ نہیں پہنچا۔ اور زیر نظر حدیث کی تائید ابن المنذر کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ انہوں نے قوی سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ تطبیق کی تھی۔ ابو داؤد نے علقمہ سے جو روایت کی ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہمیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سکھائی۔ پھر اس میں ہے کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے رکوع میں دونوں ہاتھوں میں تطبیق کی۔ جب سعد رضی اللہ عنہ کو یہ پتہ چلا تو انہوں نے کہا: میرے بھائی نے سچ کہا، ہم ایسا کیا کرتے تھے پھر ہمیں ہاتھوں سے گھٹنے پکڑنے کا حکم ملا۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ ابن خزیمہ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ تطبیق ناجائز ہے مگر اس میں کلام ہے کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ نہی کو کراہت پر محمول کیا جائے، کیونکہ ابن ابی شیبہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ: جب تو رکوع کرے تو چاہے یوں کرو (یعنی ہاتھ گھٹنوں پر جمالو) اور چاہے تطبیق کر لو۔ اس روایت کی سند حسن ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں افعال میں اختیار کے قائل تھے، پس یا تو انہیں نہی نہیں پہنچی اور یا انہوں نے اسے کراہت تنزیہہ پر محمول کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحاب سے ثابت ہے کہ انہوں نے تطبیق کا انکار کیا مگر تطبیق کے فاعل کو نماز کے اعادے کا حکم نہیں دیا۔ اور اس حدیث میں ایدینا کا لفظ ہے اس سے مراد ہتھیلیاں ہیں جیسا کہ مسلم کی روایت میں اکف کا لفظ آیا ہے۔

۸۶۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ نُمَيْرٍ نَا اَبُو مُعَاوِيَةَ ثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اِذَا رَكَعَ اَحَدُكُمْ فَلْيَفْرِشْ ذِرَاعَيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ وَلْيُطَبِّقْ بَيْنَ كَفَّيْهِ فَكَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى اِخْتِلَافِ اَصَابِعِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو اپنے بازوؤں کو اپنی رانوں پر پھیلائے اور دونوں ہتھیلیوں کو ملائے، پس گویا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کو ایک دوسری میں دیکھ رہا ہوں (تطبیق پر گفتگو اوپر گزری)

بَابُ مَا يَقُوْلُ الرَّجُلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ وَسُجُوْدِهٖ

باب اس بیان میں کہ آدمی اپنے رکوع اور سجدے میں کیا کہے۔

۸۷۰۔ حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ نَافِعٍ أَبُو تَوْبَةَ وَمُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ الْمَعْنَى قَالَا نَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مُوسَى قَالَ أَبُو سَلَمَةَ مُوسَى ابْنُ أَيُّوبَ عَنْ عَمِّهِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْعَلُوهَا فِي رُكُوعِكُمْ فَلَمَّا نَزَلَتْ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى قَالَ اجْعَلُوهَا فِي سُجُودِكُمْ

عقبہ بن عامرؓ نے کہا کہ جب یہ آیت اُتری: فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ (اپنے عظیم رب کے نام کی پاکیزگی بیان کرو!) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے اپنے رکوع میں رکھو۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى (اپنے اعلیٰ رب کے نام کی تسبیح پڑھو) تو حضورؐ نے فرمایا کہ اسے اپنے سجدے میں رکھ لو۔

شرح: رکوع کی تسبیح سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ اور سجدے کی تسبیح سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى ہے۔ حضورؐ کے حکم سے مراد یہ نہ تھی کہ رکوع اور سجدے میں قرآن کی قرأت کرو کیونکہ یہ دونوں حالتیں بندے کی خدا کے حضور انتہائی تذلل اور عاجزی کی حالتیں ہیں اور قرآن کی عظمت و رفعت اس کے منافی ہے کہ اسے ان حالتوں میں پڑھا جائے۔ چنانچہ حدیث صحیح میں رکوع و سجود میں قرأۃ قرآن کی صریح ممانعت وارد ہو چکی ہے۔ اس حدیث کے امر سے بظاہر رکوع و سجود کی تسبیحات کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ تسبیح واجب ہے، اگر کوئی عمداً اسے ترک کرے تو اس کی نماز باطل ہے، اور اگر بھول کر نہ کہے تو نماز باطل نہ ہو گی۔ داؤد ظاہریؒ نے کہا کہ تسبیح مطلقاً بلا شرط واجب ہے۔ احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ رکوع و سجود میں تسبیح اور قومہ میں تسمیع و تحمید اور دو سجدوں کے درمیان کا ذکر اور تمام تکبیرات واجب ہیں، اگر کوئی عمداً ان میں سے کچھ ترک کرے تو اس کی نماز باطل ہے اور بھول کر ترک کرے تو نماز باطل نہ ہو گی مگر سجدۂ سہو واجب ہو گا۔ احمدؒ سے صحیح روایت یہی ہے۔ اور ان سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ جمہور کے قول کی مانند یہ سب چیزیں سنت ہیں۔ شافعیؒ، مالکؒ، ابو حنیفہؒ اور جمہور علماء و فقہاء کے نزدیک یہ سب کچھ سنت ہے واجب نہیں۔ جمہور کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں نماز میں خرابی ڈالنے والے کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نماز کے واجبات سکھائے مگر یہ اذکار نہیں سکھائے، حالانکہ آپؐ نے اسے تکبیر تحریمہ اور قرأت بھی سکھائی تھی۔ پس اگر یہ اذکار واجب ہوتے تو حضورؐ اسے ضرور سکھاتے کیونکہ ضرورت کے وقت ایسا کرنا ضروری تھا اور تاخیر بیان وقت ضرورت سے جائز نہیں ہے۔ پس آپؐ نے جو اسے یہ اذکار و تسبیحات نہیں سکھائیں تو پتہ چلا کہ ان اذکار میں وارد ہونے والے امر استحباب کے لیے ہیں نہ کہ وجوب کے لیے۔ امام شافعیؒ نے کتاب الام میں کہا ہے کہ: رکوع کا کم سے کم کمال یہ ہے کہ نمازی اپنی ہتھیلیاں گھٹنوں پہ رکھ دے، جب وہ ایسا کرے تو رکوع کا کم سے کم درجہ اس نے ادا کر لیا جو اس کے ذمہ واجب تھا۔ اب اس کے ذمہ اس رکعت کا اعادہ نہیں ہے اگرچہ وہ رکوع میں کوئی ذکر نہ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ

کا حکم: اِرْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا ہے، پس جب اس نے رکوع وسجود کر لیا تو فرض ادا ہو گیا اور اس حالت میں ذکر اختیاری سنت ہے جس کا ترک غیر پسندیدہ ہے۔ اور حضورؐ نے اس غلطی کرنے والے کو جب رکوع وسجود سکھایا اور ذکر نہیں سکھایا تو معلوم ہوا کہ ذکر سنتِ اختیاری ہے۔

۸۷۱۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ نَا اللَّيْثُ يَعْنِي ابْنَ سَعْدٍ عَنْ اَيُّوْبَ بْنِ مُوْسٰى اَوْ مُوْسَى ابْنِ اَيُّوْبَ عَنْ رَجُلٍ مِنْ قَوْمِهٖ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ بِمَعْنَاهُ زَادَ قَالَ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَكَعَ قَالَ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ ثَلَاثًا وَاِذَا سَجَدَ قَالَ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى وَبِحَمْدِهٖ ثَلَاثًا قَالَ اَبُوْ دَاؤُدَ وَهٰذِهِ الزِّيَادَةُ نَخَافُ اَنْ لَا تَكُوْنَ مَحْفُوْظَةً۔

عُقبہ بن عامرؓ سے یہ دوسری روایت بھی گزشتہ حدیث کے معنی میں ہے۔ اتنا اضافہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تین مرتبہ کہتے، سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ۔ اور جب سجدہ کرتے تو تین بار سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى وَبِحَمْدِهٖ کہتے تھے۔ ابوداؤد نے کہا کہ ہمیں خوف ہے کہ یہ اضافہ محفوظ نہیں۔

شرح: بعض لوگوں نے وَبِحَمْدِهٖ کا اضافہ مراد لیا، یعنی ابوداؤد نے اس لفظ کے اضافے کو غیر محفوظ کہا ہے، حالانکہ وَبِحَمْدِهٖ کا اضافہ مصنف عبدالرزاق میں صحیح یا حسن وقوی اسناد سے بعض دوسری روایات میں ثابت ہے۔ پس ابوداؤد کی مراد اس اضافے سے یہ سارا بیان ہے جیسے انہوں نے خود زاد کے لفظ سے ظاہر کیا ہے۔ اور اس کے غیر محفوظ ہونے کا باعث یہ ہے کہ عبداللہ بن المبارک نے یہ حدیث اپنی سند کے ساتھ عقبہ بن عامرؓ جہنی سے روایت کی ہے (جیسے کہ اوپر کی حدیث اور ابن ماجہ وغیرہ میں بھی یہ موجود ہے) اور اس میں یہ اضافہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع فرماتے الخ اسی طرح مسند احمد اور طحاوی اور دارمی میں ابوعبدالرحمٰن المقرئ نے عقبہ بن عامرؓ سے روایت کی ہے اور اس میں بھی یہ اضافہ نہیں ہے۔ اسی طرح عبداللہ بن وہب نے یہ حدیث اپنی سند کے ساتھ عقبہ بن عامرؓ سے روایت کی اور یحییٰ بن ایوب نے اسے موسیٰ بن ایوب کے طریق سے ایاس بن عامر سے اور اس نے علی بن ابی طالبؓ سے روایت کیا (طحاوی) اور ان دونوں نے یہ اضافہ بیان نہیں کیا۔ اور ابوداؤد کی زیر نظر روایت میں لیث بن سعد شک کے ساتھ ایوب بن موسیٰ یا موسیٰ بن ایوب سے اور وہ عن رجل من قومہ سے روایت کرتا ہے۔ یہ رجل من قومہ اس میں مجہول ہے۔ پس باوجود لیث بن سعد کے ثقہ ہونے کے اس کی روایت غیر محفوظ ہوئی اور اضافے سے مراد یہ سارا اضافہ ہوا نہ کہ صرف لفظ بحمدہٖ کا اضافہ۔ اور التلخیص الحبیر میں حافظ ابن حجر کا کلام یہ دلالت نہیں کرتا کہ اضافہ سے مراد فقط بحمدہٖ کا اضافہ ہے حالانکہ مدعی کا سہارا اسی پر تھا۔

۸۷۲۔ حَدَّثَنَا حفص بن عمر نا شعبة قال قلت لسليمان ادعو في الصلوٰة إذ مررت بآية تخوّف فحدثني عن سعد بن عبيدة عن مستورد عن صلة بن زفر عن حذيفة انه صلى مع النبي صلى الله عليه وسلم فكان يقول في ركوعه سبحان ربي العظيم وفي سجوده سبحان ربي الأعلى وما مر بآية رحمة إلا وقف عندها فسأل ولا بآية عذاب إلا وقف عندها فتعوّذ۔

شعبہ نے کہا کہ میں نے سلیمان سے کہا کہ جب میں خوف کی آیت پر پہنچوں تو آیا نماز میں دعا کروں؟ تو اس نے اپنی سند سے حذیفہؓ سے روایت کی کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ کہتے اور سجدے میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى کہتے تھے اور جب بھی رحمت کی آیت پر پہنچتے تو ٹھہر جاتے اور دعا کرتے تھے اور جب بھی آیت عذاب پر گزرتے تو ٹھہر جاتے اور تعوذ کرتے تھے (پناہ مانگتے تھے۔ سلیمان سے مراد ابن مہران اعمش ہے۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ نماز نفل تھی کیونکہ ان کے ہاں فرض نماز میں اثنائے قرأت میں دعا اور تعوذ نہیں ہوتا۔ یا پھر کبھی کبھی ایسا ہوا ہوگا اور اس کا جواز ثابت ہے کیونکہ اس کے ساتھ نماز بالاجماع صحیح ہے۔)

۸۷۳۔ حَدَّثَنَا مسلم بن ابراهيم نا هشام ثنا قتادة عن مطرف عن عائشة ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يقول في سجوده وركوعه سبّوح قدّوس ربّ الملٰئكة والرّوح۔

جناب عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سجدے اور رکوع میں کہا کرتے تھے: سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ (سُبُّوْحٌ کا معنیٰ ہے نہایت ہی پاکیزہ، یعنی جو مخلوقات کی صفات سے پاک ہے، قُدُّوْسٌ کا معنیٰ ہے نہایت ہی برتر و مقدس۔ روح سے مراد روح القدس یعنی جبریلؑ فرشتہ ہے جو فرشتوں میں عظیم ترین ہے۔ بظاہر عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت صلوٰۃ اللیل کے بارے میں ہے۔)

۸۷۴۔ حَدَّثَنَا احمد بن صالح نا ابن وهب نا معاوية بن صالح عن عمرو بن قيس عن عاصم بن حميد عن عوف بن مالك الأشجعي قال قمت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فقام فقرأ سورة البقرة لا يمرّ بآية رحمة

إِلَّا وَقَفَ فَسَأَلَ وَلَا يَمُرُّ بِآيَةِ عَذَابٍ إِلَّا وَقَفَ فَتَعَوَّذَ قَالَ ثُمَّ رَكَعَ بِقَدْرِ قِيَامِهِ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ ثُمَّ سَجَدَ بِقَدْرِ قِيَامِهِ ثُمَّ قَالَ فِي سُجُودِهِ مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ قَامَ فَقَرَأَ بِآلِ عِمْرَانَ ثُمَّ قَرَأَ سُورَةً سُورَةً۔

عوف بن مالک اشجعی نے کہا کہ میں ایک رات (یعنی نماز تہجد میں) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بطور مقتدی کھڑا ہوا، سو آپ کھڑے ہوئے اور سورۂ البقرہ کی قراۃ فرمائی۔ کسی رحمت کی آیت پہ نہ گزرتے مگر ٹھہرتے اور سوال کرتے اور کسی عذاب کی آیت پہ نہ گزرتے مگر ٹھہرتے اور اللہ کی پناہ طلب کرتے۔ عوف نے کہا کہ پھر آپ نے رکوع کیا جو قیام کی مقدار کے موافق تھا، آپ اپنے رکوع میں کہتے تھے سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ (پاک ہے نہایت ہی زبردست، نہایت ہی بڑا بادشاہ، نہایت ہی عظیم بڑائی والا اور عظمت والا) پھر آپ نے اپنے قیام کی مقدار کے موافق سجدہ کیا پھر سجدے میں بھی اسی طرح کیا۔ پھر اٹھے تو سورۂ آلِ عمران پڑھی پھر پچھلی دو رکعات میں ایک ایک سورت پڑھی (بقدر قیام کا مطلب یہ بھی ہے کہ قیام جتنا طویل رکوع وسجدہ تھا اور یہ بھی کہ قیام کے طول کے لحاظ سے رکوع وسجدہ بھی عام نمازوں سے طویل تھا)

۸۷۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيُّ وَعَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ قَالَا نَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ مَوْلَى الْأَنْصَارِ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي عَبْسٍ عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ فَكَانَ يَقُولُ اللَّهُ أَكْبَرُ ثَلَاثًا ذُو الْمَلَكُوتِ وَالْجَبَرُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ فَقَرَأَ الْبَقَرَةَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَانَ رُكُوعُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ وَكَانَ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ فَكَانَ قِيَامُهُ نَحْوًا مِنْ رُكُوعِهِ يَقُولُ لِرَبِّيَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَكَانَ سُجُودُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ فَكَانَ يَقُولُ فِي سُجُودِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ وَكَانَ يَقْعُدُ فِيمَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ نَحْوًا مِنْ سُجُودِهِ وَكَانَ يَقُولُ رَبِّ اغْفِرْ لِي رَبِّ اغْفِرْ لِي فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فَقَرَأَ فِيهِنَّ الْبَقَرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَةَ أَوِ الْأَنْعَامَ شَكَّ شُعْبَةُ۔

حذیفہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازِ تہجد پڑھتے دیکھا۔ سو آپ تین بار اللہ اکبر کہتے اور ذُوالمَلَکُوتِ وَالجَبَرُوتِ وَالکِبرِیَاءِ وَالعَظَمَۃِ کہتے۔ پھر آپ نے نماز شروع کی اور سورہ البقرہ پڑھی، پھر رکوع کیا تو آپؐ کا رکوع قیام جیسا تھا اور اپنے رکوع میں سُبحَانَ رَبِّیَ العَظِیمِ سُبحَانَ رَبِّیَ العَظِیمِ کہتے۔ پھر آپؐ نے رکوع سے سر اٹھایا تو آپ کا قومہ رکوع کی مانند تھا، کہتے تھے لِرَبِّیَ الحَمدُ پھر سجدہ کرتے اور آپؐ کا سجدہ قیام (قومہ) کی مانند تھا اور اپنے سجدے میں سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعلٰی کہتے تھے۔ پھر سجدے سے سر اٹھایا اور دونوں سجدوں کے درمیان سجدے کی مقدار کی مانند ٹھہرتے تھے اور کہتے تھے: رَبِّ اغفِر لِی رَبِّ اغفِر لِی۔ پس آپؐ نے چار رکعات پڑھیں جن میں البقرہ، آلِ عمران، النساء، المائدہ یا الانعام پڑھیں، شعبہ کو شک ہے (اوپر بار ہا گذر چکا ہے کہ نفل میں طویل قرأت اور طویل اذکار کی کافی گنجائش ہوتی ہے)

بَابُ الدُّعَاءِ فِی الرُّکُوعِ وَالسُّجُودِ

رکوع اور سجود میں دعا کا باب۔

۸۷۶۔ حَدَّثَنَا اَحمَدُ بنُ صَالِحٍ وَاَحمَدُ بنُ عَمرِو بنِ السَّرحِ وَمُحَمَّدُ ابنُ سَلَمَۃَ قَالُوا اَنَا ابنُ وَھبٍ اَنَا عَمرٌو یَعنِی ابنَ الحَارِثِ عَن عُمَارَۃَ بنِ غَزِیَّۃَ عَن سُمَیٍّ مَولٰی اَبِی بَکرٍ اَنَّہٗ سَمِعَ اَبَا صَالِحٍ ذَکوَانَ یُحَدِّثُ عَن اَبِی ھُرَیرَۃَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقرَبُ مَا یَکُونُ العَبدُ مِن رَّبِّہٖ وَھُوَ سَاجِدٌ فَاَکثِرُوا الدُّعَاءَ۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ جب سجدے کی حالت میں ہو اپنے رب سے قریب تر ہوتا ہے پس تم (اس حالت میں) کثرت سے دعا کیا کرو۔

شرح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اَلدُّعَاءُ مُخُّ العِبَادَۃِ (دعاء عبادت کا مغز ہے) اور ایک حدیث میں ہے: اَلدُّعَاءُ ھُوَ العِبَادَۃُ (دعا ہی عبادت ہے) اور لغت میں تو صلوٰۃ کا معنیٰ ہی دعا ہے۔ دعا خشوع اور عجز کے ساتھ زبان سے سوال اور خدائی مدد طلب کرنا بھی ہے اور نماز کے ارکان میں جتنا بھی اظہارِ عجز و تذلل ہوگا وہ دعا میں داخل ہے۔ حدیث کا مطلب بقول علامہ علی القاری یہ ہے کہ سجدہ خداوند تعالیٰ کی رضا وعطا کے لیے بندے کا قریب ترین حال و وصف ہے۔ اس سے بندے کی بندگی اور معبود کی شانِ معبودیت کھل کر ظاہر ہوتی ہے۔ بندے کا اصلی حال بندگی ہی ہے اور سجدہ بندگی کی انتہائی صورت ہے۔ جب بندہ یہ صورت پیش کر دے تو اس نے اپنی پوری بندگی کا اظہار و اعتراف کر لیا اور وہ اپنے مالک و معبود سے اتنا قریب

ہو گیا جتنا بندہ ہونے کی حیثیت سے اُسے ہونا چاہیئے تھا۔ پس اس حالت میں وہ جو کچھ طلب کرے گا اسے دیا جائیگا۔
امام نوویؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ان لوگوں کی دلیل موجود ہے جو سجدے کو قیام سے افضل کہتے ہیں، اور دیگر ارکانِ صلاۃ سے بھی۔ اور اس مسئلے میں تین مذاہب ہیں۔ پہلا یہ کہ سجدے کو لمبا کرنا اور رکوع وسجود کی تکثیر افضل ہے، ترمذی اور بغوی نے ایک جماعت سے یہ نقل کیا ہے۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ قیام کو لمبا کرنا افضل ہے۔ اور یہ مذہب مسلم کی اس حدیث پر مبنی ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ: طول قنوت نماز کا افضل حصہ ہے، قنوت سے مراد قیام ہے۔ یہ امام شافعیؒ اور ایک جماعت کا مذہب ہے۔ ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ قیام کا ذکر قرأت ہے اور سجدے کا تسبیح، اور ظاہر ہے کہ قرأتِ قرآن تسبیح سے افضل ہے۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آنجناب سجدے کی نسبت قیام کو زیادہ طویل کرتے تھے۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ ان دونوں کی فضیلت برابر ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اس مسئلے میں توقف کیا اور کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ اسحاق بن راہویہ نے کہا کہ دن کی نماز میں رکوع وسجود کی تکثیر افضل ہے مگر رات کی نماز میں قیام لمبا کرنا افضل ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص رات کو تلاوت کی کثرت بطورِ وظیفہ ادا کرتا ہو تو اس کے لیے رکوع وسجود کی تکثیر افضل ہے (یعنی زیادہ رکعات میں قرأت کرے) تاکہ دونوں فضائل حاصل ہو جائیں۔
مولانا نے فرمایا کہ اس سے پہلے عقبہ بن عامرؓ کی ایک حدیث گزر چکی ہے کہ جب فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ نازل ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا: اسے اپنے رکوع میں رکھو اور جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى اتری تو فرمایا کہ اس تسبیح کو اپنے سجدے میں رکھو۔ لیکن دوسری احادیث میں سجدے میں دعا کی کثرت کا حکم اور ترغیب وارد ہوئی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تسبیحات خود دعا ہیں کیونکہ دعا کا عام معنیٰ ان پر محیط ہے یعنی اظہارِ تذلل وعجز۔ پس فرائض میں تو تسبیحات ہی ہونی چاہئیں (اگر کبھی دوسری دعا ہو جائے تو بھی جائز ہے) لیکن نوافل میں ان کے علاوہ طویل دعائیں بھی ہو سکتی ہیں۔

۸۷۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ نَا سُفْيَانُ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ سُحَيْمٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَعْبَدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَشَفَ السِّتَارَةَ وَالنَّاسُ صُفُوفٌ خَلْفَ أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنْ مُبَشِّرَاتِ النُّبُوَّةِ إِلَّا الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُسْلِمُ أَوْ تُرَى لَهُ وَإِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَقْرَأَ رَاكِعًا أَوْ سَاجِدًا فَأَمَّا الرُّكُوعُ فَعَظِّمُوا الرَّبَّ فِيهِ وَأَمَّا السُّجُودُ فَاجْتَهِدُوا فِي الدُّعَاءِ فَقَمِنٌ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دروازے کا پردہ اٹھایا اور لوگ ابوبکرؓ کے پیچھے صف بستہ تھے۔ حضورؐ نے فرمایا (شاید نماز ختم ہونے کے بعد) اے لوگو! نبوت کی بشارتوں میں سے نیک خواب کے سوا کچھ باقی نہیں رہ گیا، یہ خواب خواہ مسلم خود دیکھے خواہ اس کے لیے اور کوئی دیکھے، اور مجھے رکوع

یا سجدے کی حالت میں قرأت سے منع کیا گیا ہے۔ پس رکوع میں تو تم رب کی عظمت بیان کرو اور سجدے میں دعاء کی کوشش کرو کیونکہ وہ اس لائق ہوتی ہے کہ قبول کی جائے۔

شرح: حضورؐ کی وفات کے ساتھ وحی منقطع ہو چکی ہے۔ آئندہ باتوں کی خبر کا کوئی ذریعہ نہیں رہا سچے خواب وحیٔ نبویؐ کا پیش خیمہ تھے جیسا کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ کو غارِ حراء میں وحی کے نزول سے پہلے سچے خواب دکھائی دیا کرتے تھے۔ اس لیے انہیں صفاتِ نبوت میں سے ٹھہرا گیا ہے۔ انہیں مبشرات تغلیباً فرمایا گیا ہے ورنہ بعض دفعہ منذرات بھی سچے ثابت ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ مومن کو کسی آئندہ واقعہ سے خبردار کرنے یا بچانے کی ڈراؤنی چیزیں بھی دکھا دیتا ہے۔ اس حدیث میں رکوع و سجود میں قرأت سے روکا گیا ہے، اگر کوئی آدمی ان حالات میں قرأت کرے تو نماز گویا باطل نہ ہوگی لیکن مکروہ ہوگی، اور بعض کے نزدیک حرام ہے جس سے نماز باطل بھی ہو جاتی ہے۔ قرآن کا مرتبہ بہ سبب کلامِ الٰہی ہونے کے بڑا عظیم ہے اور رکوع و سجود کی حالت انتہائی عجز و تذلل کی ہے لہٰذا اس وقت قرآن کی قرأت کرنا قلبِ موضوع ہے۔ ہاں تسبیح و مناجات اس حالت کے مناسب ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام شافعیؒ اور دیگر علماء کے نزدیک رکوع و سجود کی تسبیحات کو تین تین بار دہرانا مستحب ہے اور ان کے ساتھ حدیث علیؓ کی دعاء: اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ الخ بھی ملا لیں تو اچھا ہے۔ لیکن یہ غیر امام کے لیے ہے یا اس امام کے لیے جو مقتدیوں کے شوقِ تطویل کو جانتا ہو ورنہ صرف تسبیحات پہ اکتفا کرے۔

۸۷۸۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ نَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي الضُّحَى عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي يَتَأَوَّلُ الْقُرْآنَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر رکوع اور سجدے میں یہ دعا کرتے تھے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي۔ اے اللہ ہمارے رب تو پاک ہے اور اپنی تعریف کے ساتھ ہے، اے اللہ مجھے بخش دے۔ آپ اس دعاء سے قرآن کی آیت کا معنی بیان فرماتے تھے۔

شرح: بظاہر یہ دعائیں نمازِ تہجد میں ہوتی تھیں اور حضورؐ قرآن کے اس حکم پر عمل فرماتے تھے، فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ۔ اگر فرائض میں کرتے ہوں گے تو آپ ہی کے ساتھ مخصوص تھیں کیونکہ سورۂ نصر میں فتح مکہ اور اشاعتِ اسلام کے بعد آنجنابؐ کے وصال کی پیش گوئی فرمائی گئی ہے۔

۸۷۹۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ نَا وَهْبٌ ح وَنَا أَحْمَدُ بْنُ السَّرْحِ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ غَزِيَّةَ عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ

عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ فِیْ سُجُوْدِهٖ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ کُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجُلَّهٗ وَاَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ زَادَ ابْنُ السَّرْحِ عَلَانِیَتَهٗ وَسِرَّهٗ۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سجدے میں کہا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ کُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجُلَّهٗ وَاَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ، دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے: عَلَانِیَتَهٗ وَسِرَّهٗ "اے اللہ مجھ کو میرے تمام گناہ بخش دے، چھوٹے بھی اور بڑے بھی، پہلے بھی اور پچھلے بھی، علانیہ بھی اور پوشیدہ بھی (پیغمبر معصوم کے لیے ذنب کا لفظ لغزش اور خلافِ اولیٰ کے معنی میں ہوتا ہے اور اس سے اُمت کی تعلیم بھی مقصود تھی)

۸۸۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَیْمَانَ الْاَنْبَارِیُّ نَا عَبْدَةُ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ یَحْیَی بْنِ حَبَّانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَیْلَةٍ فَلَمَسْتُ الْمَسْجِدَ فَاِذَا هُوَ سَاجِدٌ وَقَدَمَاهُ مَنْصُوْبَتَانِ وَهُوَ یَقُوْلُ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ۔

ابوہریرہؓ نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا: ایک رات کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر میں نہ پایا تو آپؐ کو ٹٹول کر مسجد میں تلاش کیا۔ کیا دیکھتی ہوں کہ آپؐ سجدہ میں پڑے سے تھے اور آپ کے دونوں پاؤں پنجوں پر قائم تھے اور آپ کہہ رہے تھے: اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ "میں تیری رضا کے ساتھ تیری ناراضی سے پناہ مانگتا ہوں اور تیری آسائش و رحمت کے ساتھ تیری سزا سے پناہ مانگتا ہوں اور تیرے ساتھ تجھ سے پناہ مانگتا ہوں، میں تیری حمد و ثنا کا احاطہ نہیں کر سکتا، تو ویسا ہی ہے جیسی تو نے اپنی ثناء بیان کی ہے۔"

شرح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم شاید ام المؤمنین کے سو جانے کے بعد مسجد کو تشریف لے گئے ہوں گے انہوں نے بیدار ہو کر آپؐ کو نہ پایا تو گھبرا کر گھر میں ٹٹولا ہو، رات کا وقت تھا اور ان دنوں چراغ وغیرہ بھی کم ہی ہوتے تھے، بالخصوص کاشانۂ نبوی تو ان ضروری "تکلفات" سے بھی بری تھا۔ مسجد سے مراد یا تو گھر کی نماز گاہ ہے یا شاید مسجد نبوی ہی ہو۔ اگر دوسری مراد ہے تو مطلب شاید یہ ہے کہ حضرت ام المؤمنینؓ نے حجرۂ مبارکہ سے ہاتھ پھیلا کر مسجد میں ٹٹولا ہو گا جیسا کہ بعض روایات میں آیا بھی ہے۔